# تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## ترجمہ وتفسیر القرآن کی مساعیٔ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے آخری نبی ورسول حضرت محمد ﷺ کو ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت کی خاطر مبعوث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ((لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ)) تاکہ دین حق کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کردیں۔ چنانچہ اس حقیقت کا پوری دنیا میں اعتراف پایا جاتا ہے کہ مذاہبِ عالم میں اسلام ہی واحد دین ایسا ہے جو تاقیامت انسانوں کی ہر شعبۂ زندگی میں منفردانہ رہنمائی کا آئینہ دار ہے، اور کتب سماوی میں سے قرآن کریم ہی واحد کتاب ایسی ہے جو تحریف وتغیر سے پاک ہے اور حضور سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر جس صورت اور جن معلومات اور حقائق پر مشتمل نازل ہوئی تھی بعینہٖ وہ آج بھی دنیا میں اسی طرح موجود ہے اور یہ واحد کتاب ایسی ہے جس کی ہمہ نوعیت کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے اور ذمہ داری لی ہے جبکہ دیگر کتب سماویہ کی حفاظت اور ذمہ داری قبول کرنے کے احکام قطعاً نہیں ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کے عملی اقدامات میں سے اُمت مسلمہ کے قائم کردہ تحفیظ القرآن، دینی تعلیم کے مدارس اور حلقہ ہائے تدریس، تعلیم اور تفسیر القرآن بھی ہیں، نیز قرآنی تدبر اور تفکر کے سلسلے میں جو مساعیٔ حسنہ بروئے کار آرہی ہیں وہ بھی تحفیظ القرآن اور غلبہ اسلام ہی کی مستحسن کوششیں ہیں۔

اس سلسلے میں دنیائے اسلام کے دوش بدوش اسلامی مملکت پاکستان میں بھی تدریس وتفہیم القرآن کی حتی المقدور کوششیں متلاشیانِ حق کے لیے مشعل راہ ہیں انہی میں سے ہمارے لائق صد تحسین عزیز ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کی قابل ستائش وتبریک مساعیٔ حسنہ ہیں جو وہ باذوق اور سلجھے ہوئے جدید تعلیم یافتہ حلقے میں درس وتعلیم القرآن کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں۔ مجھے ان کے حلقۂ درسِ قرآن کریم میں شرکت اور ان کے طریقۂ تدریس کے مشاہدے کا موقع ملا ہے، مجھے بے حد خوشی اور اطمینان ہوا کہ ان کا انداز نہایت مؤثر اور عصر حاضر کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ وہ الفاظ کی صرفی اور نحوی تراکیب سے لے کر معانی اور تفسیر تک ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور خوب مطالعۂ تفاسیر کرتے ہیں۔ مجھے مزید مسرت اس پر ہوئی کہ وہ اپنے حلقۂ درس میں پیش کیے گئے اسباق پر مشتمل "مطالعۂ قرآن مجید" کے نام سے کتاب شائع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں جو ایک ایسی پیشکش ہے جس سے حلقۂ درس کے علاوہ امت مسلمہ کے دیگر افراد بھی استفادہ کرسکیں گے۔ یہ ایک مستحسن اقدام اور صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کو جہاں انسانی ظاہری بیماریوں کے علاج کا ماہر بنایا ہے اسی طرح انسانوں کی روحانی امراض کے صحیح علاج اور بالیدگی کے سلسلے میں اللہ ان کی مساعیٔ حسنہ میں مزید نکھار، ترقی اور فکر سلیم کی نعمتوں سے نوازتا رہے اور ان کی عرق ریزیوں اور کاوشوں کو شرف قبولیت عطا کرے تاکہ امت مسلمہ کے افراد اس سے استفادہ کرکے دنیا اور آخرت میں کامرانی سے ہمکنار ہوسکیں۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

| | |
|---|---|
| ۶ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ | دعا گو |
| ۱۳ نومبر ۲۰۱۰ء | مجاہد الحسینی |
| رہائش: | فاضل دارالعلوم ڈابھیل (انڈیا) |
| ۶۵۔ بی پیپلز کالونی | کتاب سیرت پر اول صدارتی ایوارڈ یافتہ |
| فیصل آباد | سابق ایڈیٹر روزنامہ آزاد، روزنامہ نوائے پاکستان |
| | ہفت روزہ خدام الدین، لاہور۔ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سنہری زنجیر کی ایک کڑی

قرآن کے پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے فہم القرآن میں سہولتیں فراہم کرنے کا سلسلہ بہت قدیم بھی ہے، بہت طویل بھی ہے اور یہ ایک سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس کی تفصیل میں جانا یہاں مقصود نہیں ہے۔ اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عربی کے شارٹ کورسز کرنے والوں کے لیے گرامر کے لحاظ سے قرآن مجید کے چھ اسباق مرتب کرنے کا جب میں نے فیصلہ کیا تھا، اس وقت مجھے یاد آیا تھا کہ خود میں نے جب عربی پڑھنے کے بعد قرآن کو ازخود سمجھنے کی کوشش کی تھی تو سب سے زیادہ مشکل مجھے عربی ڈکشنری دیکھنے میں پیش آتی تھی۔ کیونکہ کوئی لفظ عربی ادب میں جتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے وہ تمام معانی ڈکشنری میں دیے ہوتے تھے اور مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مشکل بھی ہوتی تھی اور وقت بھی لگتا تھا کہ اس آیت میں یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ کی مفردات القرآن نے بڑی حد تک اس مشکل کو آسان کیا۔ کیونکہ اس میں صرف اُن الفاظ کے مادے دیے گئے ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور ہر لفظ کے زیادہ تر وہی معنی دیے ہیں جس معنی میں وہ قرآن میں آیا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے جیسے قرآن کے مبتدی طلبہ کو الفاظ کے معنی سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس آسانی کے ساتھ کچھ تشنگی بھی محسوس ہوئی۔ ایک یہ کہ اُس میں یہ نہیں دیا ہے کہ کوئی مادہ ثلاثی مجرد کے کس باب میں آتا ہے۔ نیز یہ کہ کسی مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن میں آئے ہیں، اُن میں سے چند ایک کی وضاحت کی گئی ہے، باقی بہت کچھ طلبہ کی ذہانت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ عقلمنداں را اشارہ ہی است، قسم کے عقلمند طلبہ امام صاحب کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ آج کل تو ہمارے جیسے طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس لیے اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کے اسباق مرتب کرنے میں آیات کی ترکیب (Sentence Analysis) سے پہلے الفاظ کے معانی بھی دینے کا فیصلہ کیا اور طے کیا کہ ہر مادے کا ثلاثی مجرد میں استعمال دیا جائے گا، خواہ اُس باب کے کوئی فعل قرآن مجید میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اُس مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں، اُن سب کے معانی آیات کے حوالے کے ساتھ جائیں گے۔ اِس کوشش میں بھی البلاغ فاؤنڈیشن کے متعدد طلبہ متعدد پہلوؤں سے تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ مثلاً افعال میں مفعول کے ساتھ صلہ کا استعمال نہیں دیا ہے، اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ چند الفاظ کو چھوڑ کر زیادہ تر الفاظ کے لغوی مفہوم اور اصطلاحی مفہوم کے باہمی ربط کو نہیں کھولا گیا ہے۔ مترادفات القرآن یعنی ایسے الفاظ جو ہم معنی یا قریب معنی ہوں، جیسے جَاءَ (آنا)، قَدِمَ (آنا)، اَتٰی (آنا)، اُن الفاظ کے باہمی تقابل اور فرق کی وضاحت نہیں کی گئی، وغیرہ۔ طلبہ نے جب میری اِن فروگزاشتوں کی نشاندہی کرنا شروع کی تھی اُس وقت تک میں تقریباً ۲۴، ۲۵ پاروں کے اسباق مرتب کر چکا تھا اور میرے لیے عملاً اِن تشنگیوں کو دور کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ البتہ میری خواہش بھی تھی اور دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے کسی کو توفیق دے کہ وہ مذکورہ خلاؤں کو پر کر دے۔

یہ جان کر مجھے خوشی بھی ہوئی ہے اور میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا ہے کہ فاؤنڈیشن کے ایک طالبعلم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم سلمہٗ نے اس کام کو مکمل کرنے کا نہ صرف عزم کیا ہے بلکہ بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کی ابتداء بھی کر دی ہے۔ اس بات پر مجھے انشراح صدر حاصل ہے کہ ڈاکٹر جہاں زیب سلمہٗ کی یہ کاوش فہم القرآن کے لیے سہولتیں فراہم کرنے والی سنہری زنجیر کی ایک اہم کڑی ثابت ہو گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں استطاعت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کے ہاتھوں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔ اور اس کام کو ان کے لیے اور ان کے تمام معاونین و کارکنان کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنا دے۔ (آمین)

لطف الرحمٰن خان

البلاغ فاؤنڈیشن لاہور

مورخہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

بمطابق ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن حکیم، اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی کے نام آخری مستند (authentic) کلام ہے جو نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ کلام بلا شبہ اللہ کا ہے، لیکن اللہ نے نوع انسانی تک اسے پہنچانے کے لیے اپنے محبوب ترین بندے، فخر موجودات، رسول کامل، محمد عربی ﷺ کو ذریعہ بنایا اور انہی کو ''رحمۃ اللعالمین'' کے اعلیٰ ترین لقب سے سرفراز فرمایا۔ بقول علامہ اقبال ؎

نوع انسانی را پیامِ آخریں　　حامل اُو رحمۃً للعالمین

اللہ کا یہ ابدی پیغام صرف اہل عرب کے لیے نہیں تھا، پوری نوع انسانی کے نام تھا محض چودہ سو سال قبل کے اُس دور کے لیے نہیں تھا جب یہ نازل کیا گیا، بلکہ قیامت تک آنے والے ہر انسان کے نام تھا۔ نبی آخر الزمان ﷺ اپنی 63 سالہ حیات دنیوی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اپنے مشن کی تکمیل فرما کر، رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما گئے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد امتیوں سے یہ گواہی لے کر کہ ''انا نشھد انک قد بلغت و ادیت و نصحت'' اس مشن کو امت کے کندھوں پر منتقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' یعنی جو لوگ یہاں موجود ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا ہر اعتبار سے حق ادا کر دیا ہے وہ اب اس پیغام کو بقیہ نوع انسانی تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج یہ اُمت بحیثیت مجموعی اپنے اس اہم فرض منصبی کو فراموش کر چکی ہے۔ علامہ اقبال نے اس حوالے سے قوم کو جگانے کی کوشش کی تھی۔ ''جوابِ شکوہ'' میں اللہ کی طرف سے یہ پیغام نہایت خوبصورت الفاظ میں امت تک پہنچایا ؎

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے　　نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

اگرچہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ امت بحیثیت مجموعی اس ذمہ داری سے غافل ہے، لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے ہر دور میں کچھ لوگ امت میں اس مشن کو لے کر آگے بڑھتے رہے ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج اس حولے سے کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ خود مسلمانوں کا رشتہ قرآن مجید کی ساتھ از سر نو جوڑا جائے اور انہیں قرآن کے ابدی پیغام اور کامل ہدایت کی طرف موثر انداز میں متوجہ کیا جائے۔ قرآن حکیم کو محض ایک مقدس کتاب کا درجہ دینے کی بجائے اسے فی الواقع کتاب ہدایت کے طور پر متعارف کیا جائے اور اسے سمجھ کر پڑھنے اور اس کی علمی و عملی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کی طرف انہیں آمادۂ عمل کیا جائے۔ اس معاملے میں ابتدائی اور اہم رکاوٹ زبان کی مغائرت ہے۔ عربی زبان سے ایک خاص حد تک واقفیت جب تک نہ ہو، ہم اس کلام کی عظمت اور اس کی دلوں کو بدل دینے اور باطن میں انقلاب برپا کرنے والی تاثیر سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکتے۔ بقول اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب　　گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن کے نور ہدایت اور اس کی تاثیر سے حقیقی معنوں میں استفادے کے لیے عربی زبان اور اس کے قواعد کا فہم ناگزیر ہے۔ اسی ضمن میں اُن طالبانِ قرآن کی سہولت کی خاطر جو قرآن حکیم سے براہِ راست استفادہ کی لذت سے اپنے قلوب کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں، بعض عاشقانِ قرآن نے تعلیم و تعلّم قرآن کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور فہم قرآن کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے حوالے سے طالبان قرآن کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ زیر نظر کتاب کے مؤلف برادرم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے اس مبارک گروہ کا حصہ بننے کی سعادت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی دیگر ہمہ جہت دنیاوی مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے حوالے سے اُس مشن کو آگے بڑھانے کی خاطر نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ کام کیا جس کا آغاز بقول برادرم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب، اس دور میں استاد محترم حافظ احمد یارؒ نے کیا تھا اور جسے اوّلاً ان کے ایک شاگرد محترم لطف الرحمٰن صاحب نے آگے بڑھایا اور جس میں مزید آگے قدم بڑھانے کی سعادت برادرم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب کو حاصل ہوئی۔ یہ کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور جس نہایت اہم کام کا آغاز انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسے پر کیا ہے اسے مکمل کرنے کی ہمت اور توفیق بھی عطا فرمائے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

احقر
حافظ عاکف سعید عفی عنہ
امیر تنظیم اسلامی
سرپرست انجمن خدام القرآن، فیصل آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن حکیم کلامُ اللہ ہے اور رسول اللہؐ کا ارشاد ہے: ''کلام اللہ کی فضیلت و برتری دیگر تمام کلاموں پر ایسے ہے جیسے خود اللہ کی فضیلت اس کی تمام مخلوقات پر۔''

قرآن حکیم اپنی اس غیر معمولی عظمت کے ساتھ معجزۂ خالدہ ہے اور رہتی انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور منبعِ علم و عرفان ہے۔ ہر دور میں اربابِ فکر و دانش نے اپنے اپنے شعبۂ ہائے تخصص کے مطابق مختلف پہلوؤں سے اسے مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور زمانے کے نت نئے تقاضوں کے مطابق اس سے ہدایت کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ آخری آسمانی معجز کتاب وہ بحرِ ناپید کنار ہے جس میں مزید غوّاصی کی گنجائش ہمیشہ موجود رہے گی۔

ڈاکٹر جہانزیب ندیم صاحب انجمن خدام القرآن فیصل آباد سے وابستہ ایک علم دوست کارکن ہیں جنہوں نے بنیادی طور پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے استفادہ کرتے ہوئے عربی زبان و گرامر اور فہمِ قرآن کو اپنی محنت کا میدان بنایا اور قابل قدر استعداد حاصل کر کے قرآنِ حکیم کے درس و تدریس میں جتے ہوئے ہیں۔

باذوق احباب کے مشورے سے انہوں نے ایک وقیع کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور وہ یہ کہ تفاسیر اور عربی لغت و گرامر کی معاون کتب سے استفادہ کرتے ہوئے آیت در آیت تین قسم کا مواد ترتیب دیا جائے:

(۱) ہر نئے کلمہ کی ایسی لُغوی تشریح کہ اُس کے تین حرفی مادے سے نکلتی ہوئی جتنی شکلیں بھی قرآن میں کہیں استعمال ہوئی ہیں ان کا احاطہ ہو جائے اور معنوی تغیر وارتقاء سامنے آ جائے جس سے ایک مادۂ اشتقاق رکھنے والے تمام کلماتِ قرآنی کے درمیان ربط قائم ہو کر تفسیرُ القرآن بالقرآن کی راہ ہموار ہو سکے۔

(۲) ہر آیت کے ہر جملہ کی نحوی ترکیب عام فہم انداز میں بیان کر دی جائے۔

(۳) اہم الفاظ و تعبیراتِ قرآنی پر جامع نوٹس بیان کر دیے جائیں جن کی روشنی میں ان الفاظ و تعبیرات و اصطلاحات کی معنوی گہرائی و گیرائی بھی سامنے آئے اور مختلف مفسرین کے نقطہ ہائے نظر سے بھی آگاہی ہو جائے۔

بتوفیقہٖ تعالیٰ راقم الحروف تقریباً دو دہائیوں سے قرآنِ حکیم کی تدریس سے وابستہ ہے جس میں مدارس کے نصاب کے مطابق تدریس کے علاوہ عوامی درسِ قرآن اور جدید تعلیم یافتہ طبقات کے لیے فہمِ قرآن کلاسز وغیرہ کا سلسلہ شامل ہے۔ راقم اپنے اس تدریسی تجربہ کے ضمن میں قدرے وسعت کے ساتھ اس منہج پر تالیفی کام کی ضرورت محسوس کرتا اور اسے اپنے ہدف میں شامل رکھے ہوئے تھا، لیکن معمولی پیش رفت کے بعد یہ کام تعطّل کا شکار تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حُسنِ ظن کے تحت اپنے اس تالیفی کام پر نظرِ ثانی کو فرمایا تو راقم نے اسے اپنے ہدف کی تکمیل گردانتے ہوئے غنیمت سمجھا اور راقم اس کا معترف ہے کہ اس مجموعہ کے مرحلہ وار مطالعہ کے نتیجے میں کچھ افادہ تو نجانے کر پایا یا نہیں، لیکن بحمد للہ استفادہ کا موقع ضرور ملا ہے اور ڈاکٹر صاحب اس کام میں موفّق و منصور نظر آئے ہیں۔

شاید اس امر کا اظہار بھی مناسب ہو کہ بعض غیر عالم عصری تعلیم یافتہ حضرات جب مطالعہ کے زور پر یا چند شارٹ کورسز کر کے دینی تعلیم و تدریس یا تالیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو راسخین فی العلم سے اپنے کو مستغنی سمجھ لیتے ہیں، دینی مسائل و علوم میں رائے زنی میں بیباک ہو جاتے ہیں اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے زعم میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں، لیکن بحمد للہ انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے حضرات ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور ان کے لائق تلامذہ ڈاکٹر جہانزیب صاحب اور ماہر عربیت عامر سہیل صاحب وغیرہ کو راقم نے اس سے کوسوں دُور پایا ہے۔ یہ حضرات اپنے دائرہ کار سے بخوبی واقف ہیں، اپنے مبلغِ علم سے زائد کے لیے اپنے کو اہلِ علم و فضل کا محتاج سمجھتے ہیں اور اپنے زیرِ درس احباب کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ میں بھی ڈاکٹر صاحب نے شاید ہی کہیں اپنی بات کی

ہو، معروف تفاسیر ہی کا تتّبع کیا ہے اور اسلوبِ نگارش بھی عمدہ ہے۔

ابتدائی عربی زبان وگرامر سے واقف ایسے حضرات جو قرآن فہمی میں رُسوخ چاہتے ہوں اور بڑی تفاسیر تک رسائی کے خواہاں ہوں وہ درمیانے مرحلے کے طور پر اگر اس مجموعہ کا مطالعہ کریں تو بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کے نفع کو عام وتام فرمائیں اور پہلی جلد کے بعد بقیہ جلدوں کی ترتیب وتدوین اور طباعت واشاعت آسان فرمائیں۔

آمین بحرمة سید المرسلین علیه الصلاة و التسلیم

سعید احمد

فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

متخصّص جامعہ دار العلوم کراچی

ایم اے عربی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

امام وخطیب جامع مسجد الامین ستیانہ روڈ فیصل آباد

استاذ الحدیث جامعۃ الفرقان جڑانوالہ روڈ فیصل آباد

مرتب شارٹ اسلامک کورسز (النور ٹرسٹ)

28-03-2016

## بسم اللہ الذی یسر القرآن للذکر

استادِمحترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب نے لغت القرآن پر جو کام شروع کیا تھا اس کو اولاً لطف الرحمٰن خان صاحب اور اب عزیزم ڈاکٹر جہانزیب ندیم نے تفسیری زاویے کے اضافے کے ساتھ بڑی عرق ریزی سے آگے بڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ان کے حق میں قبول فرمائے اور ان کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ ڈاکٹر جہانزیب نے یہ کام کسی مشغلے کے طور پر نہیں بلکہ اسی لگن اور priority کے ساتھ کیا ہے جیسے انہوں نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے M.B.B.S کیا تھا۔ موصوف کی یہ کاوش انشاء اللہ قرآن مجید کے طالب علموں اور قرآن حکیم پڑھانے والے مدرسین اور قرآن مجید پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ایک reference book کا کام کرے گی، انشاء اللہ۔

ڈاکٹر عبدالسمیع
صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تاثرات برائے جلد اوّل

جناب مفتی آصف ریاض صاحب

مدرس جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتابوں میں جو درجہ، شان اور رُتبہ قرآنِ کریم کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں۔ ہمیں تفصیلاً اور قطعیت کے ساتھ تو معلوم نہیں کہ کتنی کتب سماویہ نازل ہوئیں مگر ہمارے ایمان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل کیں، وہ سب برحق ہیں۔ اُن تمام کتب میں آخری، محکم، مربوط اور تغیر وتبدل سے محفوظ کتاب قرآنِ کریم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت کی صبح تک کے انسانوں کے لیے کتابِ رشد و ہدایت کے طور پر ہادی عالم، خاتم الانبیاء، سید المرسل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ بلاشبہ قرآنِ مجید کتابِ انقلاب ہے۔ اس مشعل ہدایت پر علم وعمل کے ذریعے روحانی، اِصلاحی، سیاسی، جہادی، فکری ہر طرح کا انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ پاک و ہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے۔ رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار وزوال کے دو بڑے اسباب ہیں، ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات۔ اس لیے مسلم امۃ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔“ حضرت شیخ الہندؒ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دُنیا سے رخصت ہوگئے، مگر اُن کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ ولگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کے فارسی اور اُردو تراجم اور تفاسیر کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی۔ عوام کا قرآن کریم کے ساتھ اپنی زبان میں فہم وشعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر عوام کفر وضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار ونظریات کی یلغار سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ قرآن کریم ایسی عجیب و غریب کتاب ہے کہ چاہے کسی حوالے سے کوئی اس مقدس کتاب کی خدمت کرے، یقیناً عزت ورفعت سے نوازتی ہے۔ یہ خدمت لفظ کی ہو یا معنی کی، کتابت کے عنوان سے ہو یا نشر واشاعت کے حوالے سے، دعوت وتبلیغ کے ذریعے ہو یا اعلائے کلمۃ القرآن کے لیے کیے گئے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے، ہر صورت خدّام القرآن کے لیے اس کائنات میں خاص عزت وشرف اور قدر ومنزلت مقدر کر دی گئی ہے۔

اس بات میں بھی شک نہیں کہ عوام کو قرآن وسنت کی تعلمات سے براہِ راست روشناس اور بہرہ مند کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی و ذلت بھی قرآن کریم پر عمل سے روگردانی اور انحراف کا نتیجہ ہے مگر بحمد اللہ تعالیٰ تعلیمات قرآنیہ کو عام کرنے اور مسلمانوں کو متاعِ گم گشتہ سے روشناس کرانے کے

لیے مختلف سعید طبقات سنجیدہ کوششیں فرما رہے ہیں۔ عہد حاضر کے ارباب عزیمت بھی عزم و ہمت سے کام لیتے ہوئے میدان عمل میں ڈٹے ہوئے ہیں۔
جناب ڈاکٹر اسرار احمدؒ مرحوم کے تلمیذِ رشید خادم قرآن ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اوران کے تلامذہ و متعلقین کی تجدید ایمان اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی جدوجہد اسی کا تسلسل ہے۔ایسی مبارک محنت وکوشش کی ایک اہم کڑی برادرِ مکرم جناب ڈاکٹر جہانزیب ندیم صاحب کا مرتب کردہ ''مطالعۂ قرآنِ مجید'' ہے، جو باذوق اور قرآن فہمی کا شوق رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ حلقہ احباب میں دیے گئے دروس کا قابل قدر مجموعہ ہے۔ جناب موصوف نے عامۃ المسلمین کا قرآن کریم کے ساتھ شعور و تعلق قائم کرنے کے لیے قابلِ رشک جدوجہد سرانجام دی ہے۔ جو عربی گرائمر سے شد بد رکھنے والے حضرات کے لیے پیغامِ قرآن کو براہِ راست سمجھنے میں انتہائی ممد و معاون اور دلچسپ ثابت ہوگی۔

اس میں لغت و تراکیب اور الفاظ و تعبیرات کے معانی و مطالب بہترین اور عام فہم پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر کلمہ کی لغوی توضیح کے ساتھ اس کلمہ قرآنی کے تین حرفی مادے سے نکلتی ہوئی جتنی شکلیں بھی قرآن میں کسی جگہ استعمال ہوئی ہیں اِن کو یکجا جمع کر دیا ہے جس سے ایک مادۂ اشتقاق رکھنے والے تمام کلماتِ قرآنی کے درمیان ربط واضح ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے ایک ہی لفظ یا مشکل و اہم تعبیر سے متعلق متعدد اسلاف مفسرین کرام کے نقطۂ نظر سے آگاہی انتہائی آسان ہو گئی ہے۔ الغرض جناب ڈاکٹر صاحب نے یہ مجموعہ بڑی محنت و عرق ریزی اور وسعت ظرفی سے ترتیب دیا ہے جس میں انہوں نے اہلسنت والجماعت کے اکثر مکاتبِ فکر کے اکابر علماء کرام کی کئی اُردو تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے ''مطالعہ قرآن مجید'' کو گلدستہ تفاسیر بنا دیا ہے، جو کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ساتھ ساتھ ہر ملک کے علماء و طلباء کے لیے یکساں مفید ہوگا۔

راقِم اثیم دعا گو ہے اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت عطا فرما کر مرتب اور ان کے جملہ متعلقین و معاونین کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام فطری اور پاکیزہ تعلیمات کا مجموعہ ہے جو اللہ کی طرف سے قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کلام الٰہی اور فرمان رسول کا نام ہے۔ یہ دونوں وحی الٰہی ہیں، بس نام کا فرق ہے ایک کو قرآن اور وحی متلو کہا جاتا ہے جبکہ دوسرے کو حدیث اور وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا پاکیزہ کلام ہے، اس میں اجمال ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اس اجمال کی شرح وبیان کی ذمہ داری عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے قرآن حکیم کی مکمل توضیح وتفسیر بیان فرمادیں، احادیث انہیں تفسیر وتوضیح کا مجموعہ ہے۔

قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے اور اسے سمجھنے اور اس سے ہدایت لینے کے لئے اس زبان کا علم ہونا اور قرآنی الفاظ کے معانی اور ان کے مشتقات کی خبر ہونا ضروری ہے۔ اس وجہ سے بہت سارے اہل علم نے قرآن کے الفاظ ومشتقات کے معانی ومفاہیم پر مفردات قرآن کے نام سے کتابیں لکھیں ہیں، ان کتابوں کی مدد سے آیات کی مدلولات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ایک ایسا ہی کام ڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب نے انجام دیا ہے، جو اپنے آپ میں ایک عمدہ اور بہترین کام ہے۔ یہ کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور قرآن کی بعض سورتوں پر کام ہوا ہے، اللہ کی توفیق سے اس کی تکمیل کا ارادہ ہے۔ سردست جو کام ہوا ہے اس میں عرق ریزی، بسیار مطالعہ اور سعی کثیر کا پتہ چلتا ہے، قرآنی مطالعہ پر نظر ثانی کرنے سے اس کی متعدد افادیت نظر آتی ہیں تاہم میری ناقص معلومات کی روشنی میں چند ایک چیزیں اگر مزید ملحوظ رکھی جائیں تو افادیت میں اضافہ اور اس کے حسن میں زیادتی کا باعث بن سکتا ہے۔

(۱) اگر کسی سورت کی صحیح احادیث سے فضیلت ثابت ہو تو مختصراً ان فضائل کا بیان کر دیا جائے تا کہ قرآنی مطالعہ سے ایک شخص کو اس سورت کی فضیلت بھی معلوم ہو جائے۔

(۲) ابتدائے سورت میں مضامین سورت خلاصہ کے طور پر بیان کر دیا جائے تا کہ اس سے قاری کے دل میں قرآنی مطالعہ کا شوق اور اس سورت کے پڑھنے میں دلچسپی پیدا ہو۔

(۳) ایک اہم بات قابل اعتناء ہے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ اور تشریح میں مستند تفاسیر پر اعتماد کیا جائے مثلاً تفسیر ابن کثیر۔

(۴) مختلف طبقات کی تفاسیر سے استفادہ کرنا قرآنی مطالعہ کے حسن میں اضافہ کا باعث بنے گا۔

(۵) کلمہ کے مختلف مفردات کا حوالہ اور کہیں مفردات کے معانی میں فرق ہو تو اس کا حوالہ دینا بہتر ہوگا بلکہ مفردات قرآن پر جو کتابیں بھی دستیاب ہوں ان کا مطالعہ اور دوسری کتابوں میں زائد مفردات سے استفادہ کرنا بہتر ہوگا۔

میں ڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب کے اس کام پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ اس کام کی تکمیل کے لئے خود کو زیادہ فارغ کریں اور جتنا جلد ممکن ہو سکے اس کام کی تکمیل فرما کر امت کو قرآن فہمی میں تعاون فرمائیں۔ بارک اللہ فیک و اکرمک فی الدنیا والآخرۃ۔

مقبول احمد سلفی

اسلامک دعوۃ سنٹر طائف

سعودی عرب/ ۲۳ دسمبر ۲۰۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده تبارك و تعالىٰ و نصلي و نسلم على رسوله الكريم و على آله و أصحابه و أتباعه أجمعين.

قرآن کریم نسلِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری وحی اور پیغامِ ہدایت ہے جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اللہ رب العزت نے قیامت تک نہ صرف اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا بلکہ پوری دنیا میں اس کی اشاعت اور نسلِ انسانی کے بیشتر طبقات کی اس تک رسائی کے مواقع اور اسباب بھی ہر دور میں فراہم کیے جو قرآن کریم کے اعجاز کی ایک نمایاں صورت ہے۔

نسلِ انسانی بالخصوص اس پر ایمان لانے والے مسلمانوں کا اپنے مالک و خالق کے اس کلام اور پیغام کو سمجھنا اس پر عمل کے لیے ضروری اور ناگزیر تقاضہ ہے اس لیے ہر دور میں اس کے ماحول کے مطابق فہم قرآن کریم کی مساعی اور مواقع بھی فراہم ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے باذوق اصحاب علم اس خدمت کو مسلسل سرانجام دیتے آرہے ہیں۔

آج کے دور میں جبکہ نہ صرف نسلِ انسانی بلکہ خود مسلمانوں کی نئی نسل کا قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و اُسوہ کے حوالہ سے فہم و تعارف اور شعور و ادراک کا دائرہ دن بدن تنگ ہوتا دکھائی دے رہا ہے اور اس لاعلمی اور بے خبری کا ماحول پورے اہتمام اور گہری تکنیک کے ساتھ مضبوط کرنے کی کوششیں وسیع ہوتی جا رہی ہیں، تعلیم یافتہ حضرات بالخصوص نئی نسل کا قرآن و سنت کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم کرنا ہماری دینی ترجیحات میں سرِ فہرست تقاضے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے بہت سے اصحابِ فکر و دانش اس خلا کو پُر کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں جو انتہائی مبارک اور باعث سعادت ہے۔

اسی تناظر میں فیصل آباد کے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب بھی اس کارِ خیر میں مسلسل سرگرم ہیں اور قرآن کریم کو ترجمہ و تفہیم کے عصری تقاضوں اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے نئی نسل تک قرآنی تعلیمات پہنچانے اور اسے اس سے روشناس کرانے کی مبارک محنت کر رہے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات الفاظ اور جملوں کی الگ الگ تشریح و توضیح اور اس کی فنی و علمی ضروریات کو کافی حد تک سموتے ہوئے فہم قرآن کریم کا جو ماحول انہوں نے قائم کیا ہے وہ قابل تحسین ہے اور سورۃ البقرۃ کے ترجمہ و وضاحت میں ان کی کاوش چار جلدوں میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی اور اطمینان حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کے منافع سے فیض یاب ہونے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد

گوجرانوالہ

۲۔۱۔۲۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ مرتب

## نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِیۡمِ... اَمَّا بَعۡدُ!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

اس ناچیز نے تو زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کبھی قرآن مجید کے اسباق صرف، نحو اور لغت کے اعتبار سے مرتب کرے گا بلکہ راقم الحروف کی زندگی جس نہج پر گزر رہی تھی، اس زندگی میں اگر ناظرہ قرآن پڑھنے کا موقع ہی مل جاتا تو غنیمت تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ آج راقم الحروف اپنے ''مطالعۂ قرآن مجید'' کی پہلی جلد کے لیے ''عرضِ مرتب'' لکھ رہا ہے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ دل کے کسی کونے میں دین کی خدمت کی تمنّا ضرور تھی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خصوصی فضل ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں یہ تمنّا قائم رہی۔

راقم الحروف کو سب سے پہلے جس شخصیت نے اسلام کی حقّانیت سے متعارف کروایا وہ ہیں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب۔ اِن کے بعد دو شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے احقر کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ دو شخصیات ہیں محترم جناب احمد دیدات صاحبؒ اور محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے ناچیز کو قرآنِ مجید کے ساتھ جوڑا اور قرآنِ مجید کے پیغام سے روشناس کروایا۔ ان ہی کے کہنے پر ناچیز نے عربی زبان کے بنیادی قواعد جناب لطف الرحمٰن خان صاحب (آسان عربی گرائمر حصّہ اوّل، دوم اور سوم)، محترم جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور محترم جناب عامر سہیل صاحب سے سیکھے۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ بہر حال اپنی تمام تر کم علمی کے باوجود اساتذہ کے کہنے پر ابتدا میں کچھ عربی کلاسز اور کچھ سورتوں کی صرفی و نحوی تحلیل کی کلاسز پڑھائیں۔ پھر اساتذہ ہی کے کہنے پر درسِ قرآن کا آغاز کیا حالانکہ راقم الحروف اب بھی اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ بہر حال اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے احقر نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے دروس سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دو کاموں کو ضروری جانا: ایک یہ کہ دورِ حاضر کے مستند علماء سے رجوع کیا جائے اور دوسرے یہ کہ جید علمائے کرام کی مستند تفاسیر سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے راقم الحروف نے حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآنِ مجید پڑھانے کی درخواست کی لیکن حضرت کی کبرسنی اور جسمانی صحت نے اس کی اجازت نہیں دی البتہ حضرت نے راقم الحروف کے حلقہ مطالعہ قرآنی میں شرکت کی حامی بھر لی اور پھر کچھ عرصہ باقاعدگی سے شرکت بھی کی۔ اس کے بعد جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جناب مفتی شعیب صاحب سے راقم الحروف نے کچھ عرصہ استفادہ کیا۔ پھر جناب مفتی سعید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن اور حدیث پڑھانے کی درخواست کی جو حضرت نے قبول کر لی اور ان سے باقاعدہ پڑھنے کا آغاز ہوا جو کہ تاحال جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ تفاسیر کے ذریعے جن بزرگوں سے قلبی اور روحانی تعلق قائم ہوا، ان کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ سب سے زیادہ جن دو بزرگوں کو راقم الحروف نے اپنے قلب و روح کے قریب محسوس کیا وہ ہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ۔ ان دونوں بزرگوں کی تفسیر عثمانی بلاشبہ بہترین تفسیروں میں سے ایک ہے۔ اِن کے بعد جن بزرگوں کی تفاسیر سے احقر نے سب سے زیادہ راہنمائی حاصل کی وہ ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ (بیان القران)، مفتی محمد شفیع صاحبؒ (معارف القرآن)، مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبؒ (تفسیر ماجدیؒ)، حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ (تفہیم القرآن)، حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ (ضیاء القرآن)، حضرت مولانا محمد جوناگڑھیؒ اور حضرت مولانا صلاح الدین یوسفؒ (تفسیر

احسن البیان)، حضرت مولانا عبدالحق حقانی صاحبؒ (تفسیر فتح المنان المشھور بہ تفسیر حقانی) اور حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ (تدبر قرآن)۔ اِن تمام بزرگوں کی تفاسیر امت کا سرمایۂ علم ہیں اور حقیقت میں ان بزرگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی ہیں۔ ہندوستان کی ایک اور نہایت اہم شخصیت جن سے تعلق کا ذریعہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی بنے، وہ ہیں شاعرِ مشرق، علامہ محمد اقبال۔ حالانکہ احقر نہ کبھی اردو ادب کا طالب علم رہا ہے نہ ہی شاعری سے کوئی خاص لگاؤ ہے لیکن علامہ اقبال کی شاعری نے احقر کے قلب وجگر پر اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

احقر کی قرآنی خدمت ''مطالعۂ قرآنِ مجید'' کی بنیاد استادِ محترم جناب لطف الرحمٰن خان صاحب کی قرآنی خدمت ''مطالعہ قرآنِ حکیم'' پر ہے۔ اس خدمت کے لیے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ امام راغبؒ کی مفردات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی لغات القرآن، مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی مترادفات القرآن اور مصباح اللغات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ نحوی تراکیب کے لیے محیی الدین الدرویشؒ کی ''اعراب القرآن الکریم و بیانہ''، محمد سید طنطاویؒ کی ''نور الیقین معجم و سیط فی اعراب القرآن الکریم'' اور محمود سلیمان یاقوتؒ کی ''اعراب القرآن الکریم'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ نحوی ترکیب کو سادہ اور عام فہم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دیکھیے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ہرگز اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی میرے قلم میں ایسا زور ہے کہ اس خدمت کے ذریعے میں قرآن فہمی کے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کر دوں۔ اپنی اِن تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے بھی اِس خدمت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی وجہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے ہی ایسا چاہا اور یہ ہو گیا۔ اسی مسبّب الاسباب نے اسباب فراہم کر دیے اور اسی کی توفیق سے یہ خدمت ہو سکی۔ اب اسی سے دعا ہے کہ نبی اکرمؐ کے طفیل اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے عام کر دے۔ اس ''مطالعہ قرآنِ مجید'' کو پڑھتے ہوئے اگر کہیں کوئی خوبی نظر آئے تو یقین کیجئے کہ اُس کی تعریف کی مستحق وہ ہستیاں ہیں جن کی خدمتِ قرآنی سے استفادہ کیا گیا اور کہیں کوئی کمی اور نقص نظر آئے تو اس کا ذمہ دار یہ احقر ہے۔

کوشش بھی ہے اور دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچاتے ہوئے، خاص اپنی رحمت اور توفیق سے یہ کام پورا کروا دے۔ اہل علم سے بھی درخواست ہے کہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح میں مدد کریں۔

آخر میں مَیں ہر اس شخص کا شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی درجے میں اس تالیف میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے والدین، میرے بہن بھائیوں، بیوی بچوں، اساتذہ اور دوستوں سب کے لیے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ آمین۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○

جہاں زیب ندیم
انجمن خدام القرآن، فیصل آباد
jjzee4567@gmail.com
00-92-322-8664004

# تَعَوُّذُ

﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾

**ع و ذ**

| باب | مصدر/اسم | معانی |
|---|---|---|
| (ن) | (ا) مَعَاذًا | مَعَاذًا مصدر میمی ہے۔ کسی کی پناہ میں آنا۔ پناہ طلب کرنا۔ کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔ ﴿ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ (19/مریم:18) ''مریمؑ بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیز گار ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴾ (44/الدخان:20) ''اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (72/الجن:6) ''اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں سے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے۔'' |
| | (ب) مَعَاذٌ | مَعَاذٌ اسم ذات بھی ہے جس کا مطلب ہے ''پناہ''۔ ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ﴾ (12/یوسف:23) ''یوسفؑ (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ |
| (افعال) | اِعَاذَةً | کسی کو کسی کی پناہ میں دینا۔ ﴿ وَاِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ ﴾ (3/آل عمران:36) ''اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' باب افعال میں فعل کے ساتھ اُس کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور پھر ''ب'' صلہ کے ساتھ اُس کا ذکر ہوتا ہے جس کی پناہ میں اُس مفعول کو دیا جائے۔ |
| (تفعیل) | تَعْوِيْذًا | خود کسی کو پناہ دینا۔ حفاظت کی دعا کرنا۔ کسی پر تعویذ لٹکانا۔ اس باب سے قرآن میں فعل استعمال نہیں ہوا۔ |
| (تفعّل) | تَعَوُّذًا | کسی کی پناہ لینا۔ حفاظت کی دعا کرنا۔ اس کا اصطلاحی معنی ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا۔ قراءتِ قرآن سے پہلے تعوّذ پڑھنا باجماعِ امت سنت ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن)۔ قرآنِ مجید میں اس باب سے فعل استعمال نہیں ہوا۔ |
| (استفعال) | اِسْتِعَاذَةً | کسی کی پناہ طلب کرنا۔ ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ (16/النحل:98) ''پس جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو مردود شیطان سے۔'' شاید اس حکم کے نتیجے میں اَعُوْذُ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے یعنی میں آتا ہوں اللہ کی پناہ میں۔ (واللہ اعلم) |

## شیطان:

لغت میں اس کے دو مادے آتے ہیں۔

**(ا) ش ط ن**

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | شَطْنًا | کسی سے دور ہونا۔ کسی کی مخالفت کرنا۔ عربی زبان میں بِئْرٌ شَطُوْنٌ کا مطلب ہے بہت گہرا کنواں یعنی جس کا پانی دور ہو۔ اسی طرح شَطَنَ الرَّجُلُ کا مطلب ہے آدمی حق سے دور ہوا۔ |
| | شَيْطٰنٌ | ج: شَيٰطِيْنُ۔ ش ط ن مادے سے فَيْعَالٌ کے وزن پر شَيْطٰنٌ بنتا ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ دور ہونے والا اللہ کی رحمت سے یا حق سے۔ بہت زیادہ مخالفت کرنے والا حق کی۔ |

(ب)ش ی ط

(ض) شِيَاطَةً، شَيْطًا غصے سے سوختہ ہو جانا۔ جلنا

شَيْطٰنٌ ش ی ط مادے سے فَعْلَانٌ کے وزن پر شَيْطٰنٌ بنا ہے اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ جلنے والا، بہت زیادہ غصے سے سوختہ ہونے والا۔

نوٹ: شَيْطٰنٌ شیطان ایک صفاتی نام ہے جو ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ جن ہو، انسان ہو یا حیوان ہو۔ جو بھی حق سے دوری اختیار کرے اور اُس کی مخالفت کرے وہ شیطان ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ کام کیا وہ ایک جن تھا اور اس سرکشی کی وجہ سے اُسے شیطان اور ابلیس کہا جاتا ہے۔ ابلیس بھی صفاتی نام ہے۔ اُس جن کا اصل نام عزازیل تھا (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ، ص:925)۔ اسی طرح انسان کی ہر بری خصلت کو بھی شیطان کہا جاتا ہے اَلْحَسَدُ شَيْطَانٌ وَالْغَضَبُ شَيْطَانٌ (مفردات)۔ شیطان کے مجازی معنی بدہیئت (بدشکل) سانپ کے بھی ہیں اور آیت ﴿ طَلْعُهَا كَأَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ (37/ الصّٰفّٰت:65) میں یہی معنی مراد ہیں۔ تفسیر ماجدیؒ میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔'' تفسیر عثمانیؒ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے ''یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت یا شیاطین کہا سانپوں کو یعنی اُس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے ''ناگ پھن'' کہتے ہیں۔''

ر ج م

(ن) رَجْمًا سنگسار کرنا یعنی پتھر برسانا۔ اَلرِّجَامُ پتھر کو کہتے ہیں اس سے اَلرَّجْمُ ہے۔ جس کو سنگسار کیا گیا ہو اسے مَرْجُوْمٌ کہتے ہیں۔ پھر استعارہ کے طور پر رَجْمٌ کا لفظ جھوٹے گمان، اندھیرے میں تیر چلانے، تکے مارنے، بدکلامی کرنے اور دھتکارنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ شیطان کو رَجِيْمٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ اعلیٰ کے مراتب سے نکالا گیا۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ﴾ (18/ الکہف:22) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے۔ اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔''

مَرْجُوْمٌ اِسم المفعول۔ جس کو دھتکارا گیا۔ سنگسار کیا گیا۔ مردود۔ ﴿ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴾ (26/ الشعراء:116) ''اُن (مغروروں) نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

رَجِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن میں ہمیشگی کا مفہوم ہوتا ہے اور یہ وزن اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رَجِيْمٌ اسم المفعول ہے یعنی رَجِيْمٌ بمعنی مَرْجُوْمٌ ہے۔ سنگسار کیا ہوا۔ مردود۔ ہمیشہ کے لیے دھتکارا ہوا۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ''محاورے میں یہ لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسے مقامِ عزت سے گرا دیا گیا ہو اور ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا گیا ہو۔'' ﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴾ (15/ الحجر:34) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نکل جا یہاں سے بے شک تو مردود ہے۔''

رُجُوْمٌ آلاتِ سنگساری۔ یہ رَجْمٌ کی جمع ہے جو مصدر ہے۔ اس کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے اسی استعمال کی وجہ سے اس کی جمع رُجُوْمٌ بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں شُهُبٌ (ستاروں) کو رُجُوْمٌ کہا گیا ہے۔ ﴿ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾ (67/ الملک:5) ''اور اُنہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔''

**ترکیب:** اَعُوْذُ ثلاثی مجرد سے واحد متکلم کا صیغہ ہے (فعل + فاعل)۔ اَعُوْذُ کے ساتھ عموماً دو صلے استعمال ہوتے ہیں جس کی پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ ''ب'' کا صلہ آتا ہے اور جس سے پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ ''مِنْ'' آتا ہے۔ اللہ کے ساتھ ''ب'' کا صلہ ہے چنانچہ اللہ کی پناہ

طلب کی جا رہی ہے اور الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ جو کہ مرکب توصیفی ہے اس سے پہلے مِنْ کا صلہ ہے چنانچہ مردود شیطان سے پناہ طلب کی جا رہی ہے۔ دونوں مرکب جاری، بِاللّٰهِ اور مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ متعلق ہیں جملہ فعلیہ اَعُوْذُ کے۔

| ترجمہ | اَعُوْذُ بِاللّٰهِ | مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ |
|---|---|---|
| | میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں | ہمیشہ کے لئے دھتکارے ہوئے شیطان سے |

نوٹ۔1 مذکورہ بالا استعاذہ قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے۔ لیکن سورۃ النحل کی آیت نمبر 98 میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس لئے قرآن پڑھتے وقت بسم اللہ سے پہلے تعوذ پڑھنا باجماعِ امت سنت ہے۔

نوٹ۔2 لفظ اللہ کے لیے آگے بسم اللہ دیکھیں۔

نوٹ:3 حدیث میں تعوّذ کے الفاظ ذرا تفصیل سے یوں بھی آئے ہیں: ’’اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ‘‘ (میں اللہ سننے والے، جاننے والے کی شیطان مردود سے، اس کے وسوسے سے، اس کے تکبر سے اور اس کے برے شعر سکھانے سے پناہ مانگتا ہوں)۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی بحوالہ مظاہر حق جدید، شرح مشکوۃ شریف، ج ا، ص: ۷۶۹)۔

# تَسۡمِیَۃٌ

﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①﴾

**س م و**

| باب | مصدر/اسم | معانی |
|---|---|---|
| (ن) | سُمُوًّا | بلند ہونا۔نمایاں ہونا۔عربی میں کہتے ہیں سَمَا اِلَیۡہِ بَصَرِیۡ۔میری نظر اُس کی طرف اُٹھی یا سَمَوۡتُ اِلَیۡہِ بِبَصَرِیۡ (ب تعدیہ) میں نے اس کی طرف اپنی نظر اٹھائی۔ جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو گویا اس کو بلند و بالا کرتے ہیں تا کہ وہ آنکھوں میں بچ جائے۔ |
| (تفعیل) | تَسۡمِیَۃٌ | تَسۡمِیَۃٌ، تَفۡعِلَۃٌ کے وزن پر مصدر ہے۔کسی کو نمایاں کرنا۔کسی کا نام رکھنا۔نام بولنا۔نام لینا۔﴿وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ﴾(3/آل عمران:36)''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔'' |
| | سَمِّ | ج:سَمُّوۡا۔فعل امر ہے۔تو نام لے۔﴿قُلۡ سَمُّوۡہُمۡ ؕ﴾(13/الرعد:33)''آپؐ کہیے،تم نام لو اُن کے۔'' |
| | مُسَمًّی | باب تفعیل سے اسم المفعول ہے۔جس کا نام لیا گیا ہو۔نام رکھا ہوا۔نمایاں کیا ہوا۔کوئی معین چیز۔﴿وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾(13/الرعد:2)''اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک رواں ہے ایک معین وقت تک کے لئے۔'' |
| | اِسۡمٌ | ج:اَسۡمَآءٌ۔کسی چیز کی علامت جو اسے دوسروں سے نمایاں کرے۔نام۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اِسۡمٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض،خواص،آثار کا علم بھی ساتھ نہ ہو۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص ۲۰) |
| | سَمِیٌّ | ہم نام اور مثل و مشابہ یعنی کسی کی مانند ہونا۔نظیر﴿ہَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا ﴿٪۶۵﴾﴾(19/مریم:65)''کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔''مطلب جو اس نام کا مستحق ہو۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سَمِیٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''سَمِیٌّ کے ایک معنی تو یہی''ہم نام'' کے ہیں۔ چنانچہ ائمہ تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے سَمِیٌّ،''ہم صفت''، یا مثل،شبیہ و نظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت و اکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔''(تفسیر ماجدیؒ،ص ۶۵۰) |
| | سَمَآءٌ | ج: سَمٰوٰتٌ۔ بلندی، آسمان، فضائے آسمانی۔ ہر شے کے بالائی حصے کو سَمَآءٌ کہتے ہیں جیسے اَرۡضٌ بول کر ہر چیز کا نچلا حصہ مراد لیتے ہیں جیسے شاعر نے گھوڑے کی صفت میں کہا ہے |

وَاَحۡمَرُ کَالدِّیۡبَاجِ اَمَّا سَمَاؤُہٗ　　　فَرَیَّا وَاَمَّا اَرۡضُہٗ فَمَحُوۡلُ

وہ دیباج کی طرح سرخ ہے، اس کا بالائی حصہ موٹا ہے اور اس کا زیریں حصہ (یعنی ٹانگیں) لاغر اور سخت ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اسمائے نسبیہ سے ہے کہ ہر سماء اپنے ماتحت کے لحاظ سے سَمَآءٌ ہے لیکن اپنے مافوق کے لحاظ سے اَرۡضٌ ہے، بجز سماء علیا (فلک الافلاک) کے کہ وہ ہر لحاظ سے سَمَآءٌ ہی ہے اور کسی کے لیے ارض نہیں بنتا۔ بادل اور بارش کو بھی سَمَآءٌ کہا جاتا ہے مثلاً﴿وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡہِمۡ مِّدۡرَارًا ۪﴾(6/الانعام:6)''اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی۔'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق السماء یہاں بارش کے معنی میں ہے اور اَرۡسَلۡنَا برسانے کے معنی میں۔ حضرت شیخ

الھندؒ نے یہاں ترجمہ ''آسمان'' سے ہی کیا ہے اور صاحبؒ ضیاء القرآن نے 'بادل' سے ترجمہ کیا ہے۔ صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں عربی میں ہر اُس چیز کو سَمَاءٌ کہتے ہیں جو انسان کے اوپر واقع ہوحتی کہ مکان کی چھت کو بھی سَمَاءٌ کہتے ہیں۔ مِنَ السَّمَاءِ کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔(تلخیص)۔لفظ سَمَاءٌ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ﴿ اِۨلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ ﴾ (73/المزمل:18) ''اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جارہا ہوگا۔'' (مذکر) اور ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۝١ ﴾ (82/الانفطار:1) ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔'' (مؤنث)۔ امام راغبؒ کے مطابق لفظ سَمَاءٌ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اسی لیے البقرہ: 29 میں ''السماء'' کے لیے ''هُنَّ'' جمع کی ضمیر آئی ہے۔ (واللہ اعلم)

**اَجَلٌ مُسَمًّى** مقررہ یا متعین مدت۔ ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ﴾ (6/الانعام:2) ''اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔''

| ء ل ہ |
|---|

(ف) **اُلُوۡهَةٌ** غلامی کرنا۔ عبادت کرنا۔

**اِلٰهٌ** عبادت کیا ہوا یعنی جس کی عبادت یا غلامی کی گئی۔ معبود۔ اِلٰهٌ، فِعَالٌ کے وزن پر مَاۡلُوۡهٌ ہے (مَفۡعُوۡلٌ کا وزن)۔ فِعَالٌ کا وزن اسم المفعول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کِتَابٌ یعنی لکھا ہوا یا جس پر لکھا گیا۔ اسی طرح اِلٰهٌ میں مفعول کا مفہوم ہے۔ مطلب جس کی غلامی یا عبادت کی گئی۔ اِلٰهٌ کے تین مفہوم ہیں:

(1) ہر وہ چیز جس کی طرف انسان اپنی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کے لیے اور اپنی ضروریات پوری کرانے کے لیے رجوع کرے اور جس کو انسان اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کرے خواہ وہ چیز کوئی بت ہو یا کوئی مقام ہو یا آستانہ یا حیوانات یا شجر وحجر یا مظاہرِ قدرت ہوں، اِلٰهٌ کہلاتا ہے۔

(2) وہ ہستی جس سے انتہائی محبت ہو۔

(3) وہ ہستی جس کا ادراک ممکن نہیں۔ جو ہمارے فہم اور تصور سے ماوراء ہو۔

اِس کی جمع اٰلِهَةٌ اور مونث اِلٰهَةٌ ہے۔ اِلٰهَةٌ کا مطلب دیوی ہے چنانچہ سورج پرست سورج کو (جو کہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے) اِلٰهَةٌ کہتے ہیں۔ اِلٰهٌ کا لفظ معبود برحق اور معبود باطل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

**اَللّٰهُ** لفظ اِلٰهٌ پر لام تعریف داخل کرنے سے قاعدے کے مطابق لفظ اَلۡاِلٰهُ بنتا ہے لیکن خلاف قاعدہ مادہ کا ہمزہ گرا کر اَلۡ لٰهُ بولتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں اَللّٰهُ۔ مطلب ہے معبود حقیقی یعنی اصل اِلٰہ۔ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں بولا جاتا۔ باقی تمام صفات اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ نزول قرآن سے پہلے بھی یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا تھا۔ اہل عرب نے کبھی اِس لفظ کو کسی معبود باطل کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کیا تم اس کے کسی ہمنام کو جانتے ہو۔ ﴿ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝٦٥ ﴾ (19/مریم:65) ''کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔'' اللہ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے اور اس پر ''یا'' (حرف ندا) داخل نہیں ہوتا بلکہ یا حرف ندا کے عوض آخر میں میم مشدد لگ کر اَللّٰهُمَّ (اے اللہ) استعمال ہوتا ہے۔

| ر ح م |
|---|

(س) **رَحۡمَةً، مَرۡحَمَةً، رُحۡمًا** مہربان ہونا، مہربانی کرنا، رحم دل ہونا، شفقت کرنا۔ ﴿ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ﴾ (11/ھود:43) ''کہا کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ مَنۡ يَّشَآءُ ﴾ (29/العنکبوت:21) ''سزا دیتا ہے

جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ (3/آل عمران:8) ''پروردگار، جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کردیجیو۔ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر۔'' ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴾ (90/البلد:17) ''اور (خلقِ خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کی۔'' ﴿ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ (18/الکہف:81) ''اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔''

**اِرْحَمْ** فعل امر ہے۔ تو رحم کر۔﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (23/المومنون:118) ''اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**رَاحِمٌ** ج: رَاحِمُوْنَ - رَاحِمِيْنَ - اسم الفاعل ہے۔ رحم کرنے والا۔﴿ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:151) ''اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**اَرْحَمُ** افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ رحم کرنے والا۔﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (12/یوسف:64) ''سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**رَحِمٌ** ج: اَرْحَامٌ - بچہ دانی، رشتہ داری، قرابت داری۔ رَحِمٌ مجازاً اقرابت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اہل قرابت ایک ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اہل قرابت سے اچھے تعلقات قائم رکھنے کو صلۂ رحمی اور اِن تعلقات کو خراب کرنے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کے بے شمار فضائل آئے ہیں۔ صاحبِ تفہیم القرآن اِن الفاظ میں اِس لفظ کی وضاحت کرتے ہیں ''رحم کا لفظ عربی زبان میں قرابت اور رشتہ داری کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص کے تمام رشتہ دار، خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے، اس کے ذوی الارحام ہیں۔ جس سے جتنا زیادہ قریب کا رشتہ ہو اس کا حق آدمی پر اُتنا ہی زیادہ ہے اور اس سے قطع رحمی کرنا اُتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ صلۂ رحمی یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ جو نیکی کرنا بھی آدمی کی استطاعت میں ہو اُس سے دریغ نہ کرے۔ اور قطع رحمی یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ برا سلوک کرے، یا جو بھلائی کرنا اس کے لیے ممکن ہو اس سے قصداً پہلو تہی کرے۔'' (تفہیم القران، ج۵ ص۲۷) ﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ﴾ (31/لقمان:34) ''اور وہ جانتا ہے جو بچہ دانیوں میں ہے۔'' ﴿ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴾ (47/محمد:22) ''اگر تم لوگوں کو اقتدار ملے تو تم لوگ حقوق و فرائض کا توازن بگاڑ و زمین میں اور تم لوگ کاٹ دو اپنی رشتہ داریوں کو۔''

**اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِيْمُ** یہ دونوں لفظ رَحْمَةٌ سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رَحْمَانُ، فَعْلَانُ کے وزن پر ہے جس میں انتہائی شدت اور جوش کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے عَطْشَانُ (انتہائی پیاسا)، غَضْبَانُ (انتہائی غصیلا)، جَوْعَانُ (انتہائی بھوکا)۔ اسی طرح رحمان کا مطلب ہے انتہائی رحمت والا۔ جس کی رحمت میں شدت بھی ہے اور جوش بھی۔ رَحِيْمٌ، فَعِيْلٌ کے وزن پر ہے جس میں کثرت کے ساتھ دوام اور استمرار کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کی جمع رُحَمَاءُ آتی ہے۔ علمائے کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اس میں رحیم کی نسبت ایک حرف زائد ہے اور عربی میں کہتے ہیں زِيَادَةُ اللَّفْظِ تَدُلُّ عَلٰى زِيَادَةِ الْمَعْنٰى مطلب زائد حرف زیادہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ رحمٰن اور رحیم کا مطلب ہوا ایسی ہستی جس کی رحمت میں شدت اور جوش بھی ہے اور دوام اور استمرار بھی ہے۔ رحمٰن کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ﴾ (17/بنی اسراءیل:110) ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہو: ''اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔'' اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔ رحمٰن وہ ہستی ہے جو اپنی تمام

مخلوق پر یکساں مہربانی کرنے والی ہو۔ اور یہ تمام مہربانی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔ چنانچہ رحمان صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسری مخلوق رحمٰن نہیں ہو سکتی۔ جبکہ رحیم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ لفظ حضور ﷺ کے لیے اور صحابہؓ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (9/التوبۃ:128) "دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول ﷺ آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔" اور صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (48/الفتح:29) "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہؓ) وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں۔" رحمٰن کے معنی عام الرحمۃ اور رحیم کے معنی تام الرحمۃ بھی کیے گئے ہیں۔ لفظ رحمٰن کے بارے میں علمائے عربیت کا اختلاف ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے یا نہیں اور عربی ہونے کی صورت میں یہ مشتق ہے یا غیر مشتق۔ مُبرّد اور ثعلب جو عربیت اور لغت کے امام ہیں وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اگر اس کو عبرانی لفظ مان لیا جائے تو اس صورت میں یہ لفظ اللہ کی طرح ذات باری کا اسم علَم ہوگا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ 57 جگہ مذکور ہے (فواد عبد الباقیؒ) اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال بطور صفت نہیں بلکہ بطور اسم علَم ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

**ترکیب**

اِسْمٌ کا مادہ س۔م۔و ہے اور اس کے شروع میں ہمزۃ الوصل ہے۔ اس لئے قاعدہ کے لحاظ سے اس کا املا بِاسْمِ اللّٰهِ ہونا چاہئے تھا لیکن صرف بِسْمِ اللّٰهِ کا یہ مخصوص املا ہے کہ اس میں ہمزۃ الوصل لکھا بھی نہیں جاتا، ہمزۃ الوصل ساقط ہونے کے بدلے میں "ب" لمبی لکھی جاتی ہے۔ باقی ہر جگہ قاعدہ کے مطابق لکھا جاتا ہے۔ البتہ پڑھا نہیں جاتا مثلاً ﴿ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ (5/المائدہ:4) "اور اس پر اللہ کا نام لو۔" الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ کو اگر لفظ اللہ کا بدل مانا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا "جو انتہائی رحمت والا ہے، جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے۔" لیکن اگر انہیں صفت مانا جائے تو ترجمہ ہوگا "رحمٰن اور رحیم اللہ کے نام سے" دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔ یہ دونوں حال نہیں ہو سکتے کیونکہ حال نکرہ اور حالت نصب میں ہوتا ہے۔ یہ پورا فقرہ مرکب جاری ہے، جملہ نہیں ہے۔ اس لئے اس سے قبل کچھ محذوف ماننا ضروری ہے۔ اگر اسے جملہ اسمیہ مانا جائے تو اس سے قبل کوئی مبتداء محذوف مانا جائے گا جیسے اِبْتِدَائِيْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "میری ابتداء اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔" اگر جملہ فعلیہ مانیں تو اس سے قبل کوئی فعل محذوف مانا جائے گا جیسے اَبْتَدِءُ "میں ابتداء کرتا ہوں۔" جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں قرآن کریم سے مثال: ﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ (11/ھود:41) "نوحؑ نے کہا "سوار ہو جاؤ اس میں، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔" (آیت مبارکہ میں مَجْرٖىهَا اور مُرْسٰىهَا مبتداء مؤخر ہیں اور بِسْمِ اللّٰهِ جار مجرور مل کر قائم مقام خبر مقدم ہے) اور جملہ فعلیہ ہونے کی صورت میں مثال: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ (96/العلق:1) "پڑھو! (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔" (اِقْرَاْ فعل امر ہے اور بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ جار مجرور مل کر متعلق فعل ہیں)۔ علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ جو کام کر رہے ہوں اس کا فعل محذوف مانیں جیسے اَكْتُبُ "میں لکھتا ہوں۔" اَرْكَبُ "میں سوار ہوتا ہوں۔"

**ترجمہ**

| بِسْمِ اللّٰهِ | الرَّحْمٰنِ | الرَّحِيْمِ |
|---|---|---|
| اللہ کے نام سے | جو انتہائی رحمت والا ہے | جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے |

**نوٹ:** حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں "بِسْمِ اللّٰهِ یہ کلمہ تین لفظوں سے مرکب ہے ایک حرف باء، دوسرے اسم، تیسرے اللہ، حرف باء عربی زبان میں بہت سے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جن میں سے تین معانی مناسب مقام ہیں، ان میں سے ہر ایک معنی اس جگہ لیے جا سکتے ہیں۔ اوّل: مصاحبت، یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے متصل ہونا۔ دوسرے: استعانت، یعنی کسی چیز سے مدد حاصل کرنا، تیسرے: تبرّک، یعنی کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔

لفظ اِسْمٌ میں لغوی اور علمی تفصیلات بہت ہیں، جن کا جاننا عوام کے لیے ضروری نہیں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اردو میں اس کا ترجمہ نام سے کیا جاتا ہے۔

لفظ اَللّٰہُ، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے، اور بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے، اور یہ نام اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا، اس لیے اس لفظ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے، کیونکہ اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نام ہے اس موجودِ حق کا جو تمام صفاتِ کمال کا جامع اور صفاتِ ربوبیت کے ساتھ متصف، یکتا اور بے مثال ہے۔ اس لیے کلمۂ بسم اللہ کے معنی حرف باء کے مذکورہ تین معانی کی ترتیب سے یہ ہوئے: اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے نام کی مدد سے، اللہ کے نام کی برکت سے، لیکن تینوں صورتوں میں یہ ظاہر ہے کہ یہ کلام نامکمل ہے، جب تک اس کام کا ذکر نہ کیا جائے جو اللہ کے نام کے ساتھ یا اس کے نام کی برکت سے کرنا مقصود ہے، اس لیے نحوی قاعدے کے مطابق یہاں کوئی فعل مناسب مقام محذوف ہوتا ہے، مثلاً ''شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ۔'' اور مناسب یہ ہے کہ یہ فعل بھی بعد میں محذوف مانا جائے، تاکہ حقیقۃً شروع اسم اللہ ہی سے ہو، وہ فعل محذوف بھی اسم اللہ سے پہلے نہ آئے، صرف حرف باء کا اسم اللہ سے پہلے آنا عربی زبان کے لحاظ سے ضروری و ناگزیر ہے، اس میں بھی مصحف عثمانی میں باجماع صحابہؓ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ حرف باء رسم الخط کے قاعدے سے الف کے ساتھ ملا کر لکھنا چاہیے تھا اور لفظ اسم الگ، جس کی صورت ہوتی بِاِسْمِ اللّٰہِ، لیکن مصحف عثمانی کے رسم الخط میں حرف ہمزہ کو حذف کر کے حرف باء کو سین کے ساتھ ملا کر صورۃً اسم کا جزء بنا دیا، تاکہ شروع اسم اللہ سے ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے مواقع میں یہ حرف الف حذف نہیں کیا جاتا، جیسے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں ب کو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، یہ صرف بسم اللہ کی خصوصیت ہے کہ حرف باء کو سین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱ص:۷۵)

# سُوْرَۃٌ

## (ج: سُوَرٌ)

جس طرح دنیا کی دوسری کتابیں مختلف ابواب وفصول میں تقسیم ہوتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کو بھی مختلف پہلوؤں سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً منزلوں، پاروں اور سورتوں وغیرہ میں۔ اِن تقسیمات میں سے سب سے اہم تقسیم سورتوں کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم توقیفی ہے یعنی حضورؐ کے بتانے پر ایسا ہوا ہے۔ سورۃ میں جو ''و'' ہے اسے اصلی یا بدلا ہوا ماننے کی صورت میں مشتقات میں فرق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اگر ''و'' کو اصلی مانا جائے تو:

(ا) یہ اَلسُّوْرَۃُ سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں بلند مرتبہ۔ نابغہ کا ایک شعر ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَعْطَاکَ سُوْرَۃً ــــ تَرٰی کُلَّ مَلِكٍ دُوْنَھَا یَتَذَبْذَبُ یعنی بے شک اللہ نے تمہیں ایسا ''بلند مرتبہ'' بخشا ہے جس کے ورے ہر بادشاہ متذبذب نظر آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ہر سورۃ اپنے بلند رتبے کی وجہ سے ''سورۃ'' کہلاتی ہے۔

(ب) یا سورۃ کا لفظ سُوْرُ الْمَدِیْنَۃِ سے ماخوذ ہے۔ سُوْرٌ عربی زبان میں اونچی اور بلند دیوار کو کہتے ہیں۔ وہ دیوار جو کسی مکان کی نہیں بلکہ کسی شہر، قلعہ یا احاطہ کے گرد حفاظت کے لیے بنائی گئی ہو اور سُوْرَۃُ الْمَدِیْنَۃِ شہر پناہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کی ہر سورۃ بھی اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(ج) اگر ''و'' کو اصلی نہ مانا جائے اور بدلا ہوا مانا جائے تو اِس صورت میں یہ سُؤْرَۃٌ (مہموز العین) سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شے کے بقیہ اور بچے ہوئے حصے (ٹکڑا) کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے۔ اس صورت میں ''و'' کو ''ء'' سے بدلا ہوا مانا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

شرع میں قرآنِ مجید کے اس حصے کو ''سورۃ'' کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصے کا کوئی نام معین بھی ہو جیسے سورہ فاتحہ، بقرہ وغیرہ (حقانیؒ)۔

قرآن مجید میں سورتوں کی جو ترتیب رکھی گئی ہے ان میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کو اَلسَّبْعُ الطِّوَالُ کہا جاتا ہے یعنی ''سات لمبی سورتیں''۔ یہ سات سورتیں مشہور قول کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں (1) البقرۃ (2) آل عمران (3) النساء (4) المائدۃ (5) الانعام (6) الاعراف (7) الانفال اور التوبۃ (دونوں ملا کر) واللہ اعلم۔ اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کی کم وبیش سوسو آیات ہیں۔ یہ سورۂ یونس سے سورہ فاطر تک ہیں۔ اِن کو اصطلاح میں ''مِئِیْن'' کہا جاتا ہے۔ اِن سورتوں کے بعد ''مَثَانِیْ'' ہیں، جن میں مضامین دہرا دہرا کر بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورۂ یٰسٓ سے سورۂ فتح تک ہیں (ایک قول کے مطابق ''مِئِیْن'' میں سے الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مَثَانِیْ میں سے ہیں۔ واللہ اعلم) پھر قرآن مجید کے آخر میں وہ چھوٹی سورتیں آتی ہیں جن کو مُفَصَّل یا مُفَصَّلات کہتے ہیں۔ اِن کو مفصل یا مفصلات اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سورتیں پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہیں۔ اِن مفصلات میں پھر تقسیم کی گئی ہے۔ حجرات سے نازعات تک، طِوَالُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ عبس سے الشمس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں اور الضحٰی سے الناس تک قِصَارُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ سورتوں کی یہی ترتیب حضور ﷺ کی ایک حدیث میں بھی بیان ہوئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود حضور ﷺ ہی کی اختیار کردہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تورات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے مئین اور انجیل کی جگہ مثانی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مفصل ہیں۔'' (مسند احمد جلد ۴، ص: ۱۰۷)۔ سورتوں کی اس تقسیم کے علاوہ مُسَبِّحَاتٌ ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء لفظ سُبْحَانَ، سَبَّحَ، یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ سے ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (1) بنی اسرائیل (2) الحدید (3) الحشر (4) الصّف (5) الجمعہ (6) التغابن (7) الاعلیٰ۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ ''قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو'' کے تحت فرماتے ہیں:

''اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں، جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں۔ ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔

پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے، مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے باقی چار مدنی ہیں۔

دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال و توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلے 14 سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورہ نور ہے جو مدنی ہے۔ اس گروپ کی دو سورتوں رعد اور حج کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 8 سورتیں مکی ہیں۔ آخر میں ایک احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 13 سورتیں مکی ہیں۔ آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اس کے بعد دس مدنی۔ اس گروپ میں بعض لوگوں نے سورۂ رحمان کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔

ساتواں گروپ ملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں بھی مکیات اور مدنیات کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح دوسرے گروپوں میں ہے لیکن اس کی سورہ دہر اور آخری بعض سورتوں کے بارے میں چونکہ اختلافات ہیں اس وجہ سے ان پر بھی ہم ان سورتوں کی تفسیر ہی میں بحث کریں گے۔

سورتوں کی یہ ترتیب، ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔ یہ وہ ترتیب ہے جس ترتیب پر قرآن لوح محفوظ میں ہے۔ یہی ترتیب ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین، جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے، ہر رمضان میں قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رمضان میں قرآن مجید سنتے سناتے تھے۔ اور اسی ترتیب کے مطابق سیدنا عثمان غنیؓ نے مصحف کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس وجہ سے یہ ترتیب حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۲۵)

# اٰیَۃٌ

## (ج: اٰیَاتٌ)

مولانا مودودیؒ لفظ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیت کے اصل معنی اس نشانی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن میں یہ لفظ چار مختلف معنوں میں آیا ہے۔

(1) کہیں اس سے مراد محض علامت یا نشانی ہی ہے۔

(2) کہیں آثارِ کائنات کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے، کیونکہ مظاہر قدرت میں سے ہر چیز اُس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے جو اس ظاہری پردے کے پیچھے مستور ہے۔

(3) کہیں ان معجزات کو آیات کہا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے تھے، کیونکہ یہ معجزے دراصل اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرمانروائے کائنات کے نمائندے ہیں۔

(4) کہیں کتاب اللہ کے فقروں کو آیات کہا گیا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حق اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے، اس کے محض مضامین ہی میں نہیں، اس کے الفاظ اور اندازِ بیان اور طرزِ عبارت تک میں اس کے جلیل القدر مصنف کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

ہر جگہ عبارت کے سیاق وسباق سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ کہاں ''آیت'' کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱ص:۶۹)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سورۃ الفاتحۃ

## آیت:1-2

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ ﴾

**ح م د**

| (باب) | مصدر/اسم | معانی |
|---|---|---|
| (س) | حَمۡدًا | محسن کی تعریف کرنا۔ اُس کے فضائل بیان کرنا بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ (نوٹ: حمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔ |
| | حَامِدٌ | ج: حَامِدُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حمد کرنے والا۔ ﴿ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے۔'' |
| | مَحۡمُوۡدٌ | اسم المفعول ہے۔ حمد کیا ہوا یعنی جس کی تعریف کی گئی۔ ﴿ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ ﴾ (17/بنی اسرائیل:79) ''قریب ہے کہ آپ ﷺ کو پہنچادے، آپ ﷺ کا رب، حمد کئے ہوئے مقام پر۔'' |
| (تفعیل) | تَحۡمِیۡدًا | محسن کی کثرت سے حمد کرنا۔ |
| | مُحَمَّدٌ | اسم المفعول ہے۔ اَلۡمُحَمَّدُ ھُوَ الَّذِیۡ حُمِدَ مَرَّۃً بَعۡدَ مَرَّۃٍ۔ محمد وہ ہے جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو۔ کثرت سے حمد کیا ہوا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں ''جس کی تعریف کی جائے اُسے محمود کہا جاتا ہے۔ مگر مُحَمَّدٌ صرف اسی کو کہہ سکتے ہیں جو بکثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو۔'' ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ ﴾ (48/الفتح:29) ''محمد اللہ کے رسول ہیں۔'' (نوٹ: محمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں) |
| | اَحۡمَدُ | افعل تفضیل ہے۔ دوسروں کی بنسبت زیادہ (تفضیل بعض) یا سب سے زیادہ (تفضیل کل) حمد کرنے والا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ جب حضور ﷺ کے لیے یہ نام استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں اَحۡمَدُ الۡحَامِدِیۡنَ لِرَبِّہٖ یعنی تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ ﴿ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ ﴾ (61/الصف:6) ''اور بشارت دینے والا ایک رسول کی، وہ آئیں گے میرے بعد، ان کا نام احمد ہوگا۔'' |
| | حَمِیۡدٌ | فَعِیۡلٌ کا وزن اسم المفعول کے معنی میں یعنی مَحۡمُوۡدٌ۔ ہمیشہ ہمیشہ سے حمد کیا ہوا۔ وہ ذات جو حمد کی مستحق ہے کوئی حمد کرے یا نہ کرے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ''حمید کا لفظ اگرچہ محمود ہی کا ہم معنی ہے، مگر دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق ہے۔ محمود کسی شخص کو اُسی وقت کہیں گے جبکہ اس کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو۔ مگر حمید آپ سے حمد کا مستحق ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔'' (تفہیم القرآن، جلد2، صفحہ469) ﴿ اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ ﴾ (2/البقرۃ:267) ''بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے۔'' |

**نوٹ: حَمۡدٌ**

حمد کہتے ہیں کسی کے اوصاف حمیدہ اور فضائل کے بیان کرنے کو بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ حمد کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی ہی کے دو اور الفاظ ''مدح'' اور ''شکر'' کے مفہوم کو پہلے سمجھا جائے۔ حمد، مدح سے خاص اور شکر سے عام اور زیادہ وسیع ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔ مدح (تعریف کرنا) ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان اختیاری طور پر کرتا ہے اور ان خوبیوں پر بھی جو انسان میں پیدائشی طور پر موجود ہوں جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص سخی ہے اور سخاوت کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے چنانچہ اس پر جو تعریف کی جائے گی وہ مدح بھی ہے اور

حمد بھی۔ اگر یہی شخص خوبصورت ہے اور دراز قامت بھی تو اس پر بھی اس کی تعریف کی جائے گی لیکن یہ تعریف مدح کہلائے گی حمد نہیں کیونکہ حمد اختیاری افعال پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ''ہر حمد تو مدح ہے لیکن ہر مدح، حمد نہیں'' (مفردات)۔ لہٰذا جیسے پہلے عرض کیا کہ ''حمد، مدح سے خاص ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے لیے مدح کا لفظ غیر موزوں ہے کیونکہ اللہ کے سب افعال پسندیدہ بھی ہیں اور اختیاری بھی اور مدح کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ حمد کا لفظ صرف اچھی صفتیں بیان کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اگر کسی کی بری صفات بیان کی جائیں گی تو حمد نہ ہوگی۔ شکر کسی کے احسانات و انعامات کی وجہ سے اس کی تعریف کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد کفر ہے۔ کوئی چیز جتنی عیب و نقص سے پاک ہوگی اس کی اتنی ہی تعریف کی جائے گی اور اگر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ چیز ہمارے فائدے کے لیے ہے تو جو جذبہ پیدا ہوگا وہ شکر ہے اس شکر کے جذبے کے ساتھ جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھوک میں کھلاتا ہے اور پیاس میں پلاتا ہے تو ان نعمتوں کا احساس اور اظہار شکر ہے۔ اور اس شکر کے جذبے سے اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام کس خوبی سے چلا رہا ہے تو یہ صرف ''حمد'' ہوگی۔ اس لیے شروع میں عرض کیا کہ حمد، شکر سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ لہٰذا ''ہر شکر تو حمد ہے مگر ہر حمد، شکر نہیں'' (مفردات)۔ شکر اور حمد کے باہمی تعلق پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''استعمالات کے لحاظ سے اگرچہ حَمْد کا لفظ شکر کے مقابل میں زیادہ وسیع ہے، شکر کا لفظ صرف انہی خوبیوں اور انہی کمالات کے اعتراف کے موقع پر بولا جاتا ہے جن کا فیض آدمی کو خود پہنچ رہا ہو، برعکس اِس کے ''حمد'' ہر قسم کی خوبیوں اور ہر قسم کے کمالات کے اعتراف کے لیے عام ہے خواہ اُن کا کوئی فیض خود حمد کرنے والے کی ذات کو پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، تاہم شکر کا مفہوم اِس لفظ کا جزوِ غالب ہے۔ اِس وجہ سے اس کے ترجمہ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لیے یا تو تعریف کے لفظ کے ساتھ ''شکر'' کا لفظ بھی ملانا ہوگا یا پھر شکر ہی کے لفظ سے اُس کی تعبیر کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۵۶)۔ ''قرآن مجید میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے استعمالات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ عموماً شکر ادا کرنے کے لیے آیا ہے، مثلاً ﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا ۣ﴾ (7/الاعراف:43) ''انہوں نے کہا، شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں ہدایت بخشی۔'' اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ﴾ (14/ابراہیم:39) ''شکر ہے اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا فرمائے۔'' شاہ عبدالقادرؒ، ڈپٹی نذیر احمدؒ، مولانا فتح محمدؒ اور شیخ الہندؒ نے یہاں 'اَلْحَمْدُ' کا ترجمہ 'شکر' کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے سورۂ فاتحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الشُّکْرُ لِلّٰہِ'' (ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنی ہیں، شکر اللہ کے لیے) امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کے معنی ہیں شکر خالص اللہ جل ثناءہ کے لیے..... (تفسیر طبری جلد اول) امام رازیؒ کا ارشاد ہے ''حمد نعمتوں پر ہوتی ہے۔'' (تفسیر کبیر، جلد اول۔ بحوالہ فی ظلال القرآن، جلد اول، صفحہ 70)

**نوٹ: مُحَمَّدٌ** مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مُحَمَّدٌ لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ یُقَالُ فُلَانٌ مُحَمَّدٌ اِذَا کَثُرَتْ خِصَالُہُ الْمَحْمُوْدَۃُ (راغب)۔ اسم علم ہے، ہمارے رسول ﷺ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المعتبر صفحہ 130) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔'' (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ صفحہ 191)

**ترکیب** الحمد میں ''ال'' استغراق کا ہے یعنی اشارہ جنسِ اسم اور اِس کی تمام قسموں کی طرف ہے یعنی حمد کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہیں وہ سب اِس لفظ میں شامل ہیں اِس لیے الحمد کا ترجمہ ہوگا تمام حمد۔ اُردو زبان میں حمد کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ نہیں ہے اِس لیے بہتر ہے کہ حمد کا ترجمہ حمد ہی سے کیا جائے البتہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں اِس لفظ کا مفہوم سمجھانے کے لیے اُردو زبان میں اِس لفظ سے قریب ترین الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے مثلاً ''سب تعریفیں''، ''ساری تعریف''، ''شکر کا سزاوار''۔ اَلْحَمْدُ مبتداء ہے اس کی خبر ثَابِتٌ (ثابت ہے) یا وَاجِبٌ (واجب ہے) محذوف ہے۔ لِلّٰہِ مرکب جاری ہے اور قائم مقام خبر ہے۔

**ترجمہ**

| لِلّٰہِ | اَلْحَمْدُ |
|---|---|
| اللہ کے لئے ہے | تمام حمد |

**نوٹ:1** قرآن مجید میں سورتوں کے نام مرکب اضافی کی ترکیب میں لکھے ہیں۔ چنانچہ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ بھی مرکب اضافی ہے۔ فَتَحَ سے اسم الفاعل واحد مونث فَاتِحَۃٌ بنتا ہے۔ اس لئے اس کا لفظی ترجمہ ہوگا ''کھولنے والی کی سورۃ'' لیکن اردو محاورہ کے لحاظ سے ہم کہیں گے ''کھولنے والی سورۃ۔''

**نوٹ:2** الف لام کی اقسام: الف لام کی دو قسمیں ہیں: (1) اسمی (2) حرفی

(1) الف لام اسمی: الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور یہ اَلَّذِیْ اسم موصول کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کا صلہ وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے جس پر وہ داخل ہوتا ہے۔ مثلاً ضَارِبٌ اسم الفاعل ہے اس پر 'ال' داخل کریں گے تو اَلضَّارِبُ بنتا ہے اور یہ 'ال'، اَلَّذِیْ کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا اَلَّذِیْ یَضْرِبُ۔ وہ جو مارتا ہے/ مارے گا۔ مَضْرُوْبٌ اسم المفعول ہے اس پر 'ال' داخل کریں گے تو اَلْمَضْرُوْبُ بنتا ہے اور یہ 'ال'، اَلَّذِیْ کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا اَلَّذِیْ یُضْرَبُ وہ جسے مارا جاتا ہے/ مارا جائے گا۔ قرآن مجید کی سورۂ مائدۃ آیت 38 میں فرمایا وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا یہاں السَّارِقُ کا مطلب ہے اَلَّذِیْ یَسْرِقُ اور السَّارِقَۃُ کا مطلب ہے اَلَّتِیْ تَسْرِقُ۔

(2) الف لام حرفی: الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے علاوہ کسی اور اسم پر داخل ہو۔

الف لام حرفی کی پھر دو قسمیں ہیں (ا) زائدہ (ب) غیر زائدہ۔

زائدہ کی تعریف: الف لام حرفی زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے گرانے سے معنی فاسد نہ ہو یا بعنوان دیگر جس کے آنے کا فائدہ نہ ہو اور جانے کا نقصان نہ ہو۔

غیر زائدہ کی تعریف: الف لام غیر زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے آنے کا فائدہ ہو اور جانے کا نقصان ہو۔

پھر غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی۔

الف لام کے مدخول (یعنی جس لفظ پر 'ال' داخل ہو) سے ماہیت (یعنی حقیقت، کیفیت) مراد ہوگی یا افراد، اگر ماہیت مراد ہو تو یہ الف لام جنسی ہوگا جیسے اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْاَۃِ (جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے) یہاں یہ معنی نہیں کہ افراد رجل، افراد مراۃ سے بہتر ہیں۔ کیونکہ بہت سے افراد عورتوں کے مردوں کے افراد سے بہتر ہوتے ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ۔ اگر افراد مراد ہوں تو دو حال سے خالی نہیں تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض، اگر تمام افراد مراد ہوں تو اس کو استغراقی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں)۔ یہاں پر الف لام جو انسان پر داخل ہے استغراقی ہے یعنی اشارہ جنسِ انسان کے تمام افراد، مرد ہوں یا عورت، سب کی طرف ہے۔ اگر الف لام کے مدخول سے بعض افراد مراد ہیں تو پھر یہ دو حال سے خالی نہ ہوگا وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا غیر متعین۔ اگر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں اور اگر غیر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں اول کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی) اس مثال میں الرَّسُوْلَ سے مراد وہ متعین رسول ہیں جس کا ذکر پہلے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۵ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؁ میں آ چکا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ ثانی کی مثال، وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ (پس مجھے خوف ہے کہ کھا جائے گا اس کو بھیڑیا)۔ یہاں ذئب سے خارج میں کوئی متعین بھیڑیا مراد نہیں بلکہ کوئی بھیڑیا مراد ہے۔

فائدہ: (1) الف لام عہد ذہنی کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے معرفہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اس کو مبتدا بنانا بھی درست نہ ہوگا۔

فائدہ: (2) جو 'ال' اسم عَلَم پر داخل ہو وہ زائد ہوتا ہے کیونکہ اسم علم خود ہی معرفہ ہے۔ لیکن ہر ایک اسم علم پر 'ال' نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اہل زبان نے جہاں لگایا ہے وہیں لگے گا: الحسن، الخلیل، الفضل، العباس، النُّعمان، الحارث کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اہل زبان سے ایسا سنا گیا ہے مگر المحمود نہیں کہا جاتا۔

اکثر ملکوں کے نام پر 'ال' زائدہ لگایا جاتا ہے: الشّام، الرّوم، الھند، الباکستان، العرب، الیمن، الفرنسا وغیرہ لیکن شہروں کے نام پر بہت کم 'ال' آتا ہے۔ مکۃ، مصر، بَغْدَادُ، لاھور وغیرہ پر 'ال' داخل نہیں ہوتا۔ البتہ المدینہ پر 'ال' لگایا جاتا ہے کیونکہ مَدِیْنَۃٌ تو ہر ایک بڑے شہر کو کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح القاھرۃ پر بھی لام تعریف داخل ہوتا ہے۔

**نوٹ:3** اوپر بات ہوئی ہے کہ اَلْحَمْدُ کی خبر محذوف ہے۔ اس ضمن میں بات سمجھ لیں کہ ہر زبان میں کسی جملے میں سے کچھ الفاظ حذف کر دینے کا رواج ہے مثلاً گھر کی گھنٹی بجے تو ہم کہتے ہیں ''کون ہے؟''۔ یہاں لفظ ''آیا'' محذوف ہے۔ پورا جملہ ہے ''کون آیا ہے؟'' کسی کو جاتا دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہاں؟ اس میں الفاظ ''جا رہے ہو'' محذوف ہے۔ اسی طرح عربی میں بھی اور قرآن مجید میں بھی محذوفات ملیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے اور جو جی چاہے محذوف مان لیا جائے۔ محذوفات کا فیصلہ زبان کے محاورہ اور جملہ کے سیاق وسباق کے پیشِ نظر کیا جاتا ہے۔

**نوٹ۔4** عربی میں مرکب جاری اور ظرف، جملہ اسمیہ میں متعلق خبر بن کر آتے ہیں یعنی خبر کی وضاحت اور تشریح کرتے ہیں لیکن خود خبر نہیں بنتے۔ جملہ میں خبر اگر محذوف ہو تو پھر یہ قائم مقام خبر کہلاتے ہیں۔ مثلاً اَلرَّجُلُ مَوْجُوْدٌ فِي الْبَيْتِ میں فِي الْبَيْتِ متعلق خبر ہے۔ اور اَلرَّجُلُ فِي الْبَيْتِ میں فِي الْبَيْتِ قائم مقام خبر ہے۔

**ر ب ب**

(ن) رَبًّا: اس لفظ میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں: (1) مالک ہونا۔ (2) تربیت کرنا، پرورش کرنا۔ صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ''رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت اور تربیت عربی میں کہتے ہیں تَبْلِيْغُ الشَّيْءِ اِلٰى كَمَالِهٖ بِحَسْبِ اِسْتِعْدَادِهِ الْاَزَلِيِّ شَيْئًا فَشَيْئًا (روح المعانی) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد وفطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۲۲)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''هُوَ اِنْشَاءُ الشَّيْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰى حَدِّ التَّمَامِ یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حدِ کمال تک پہنچ جائے۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص ۴۵)

رَبٌّ: ج: اَرْبَابٌ۔ تربیت کرنے والا، پرورش کرنے والا، پالنے والا، پروردگار۔ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم الفاعل بھی استعمال ہوتا ہے)۔ کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجۂ کمال تک پہنچانے والا اور اُس کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے والا۔ اِس تربیت میں محبت، حفاظت اور نگہداشت کا عنصر موجود ہوتا ہے جیسے ماں باپ کا بچے کو پالنا۔ رَبٌّ اضافت اور لام تعریف کے بغیر ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اضافت کے ساتھ اللہ اور دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اور اس صورت میں عام طور پر ''مالک، آقا'' کے معنی دیتا ہے۔ جیسے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (تمام جہانوں کا پالنے والا یا تمام جہانوں کا مالک) اور رَبُّ الدَّارِ (گھر کا مالک)۔ قرآن مجید میں آتا ہے ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ﴾ (12/یوسف:23) ''یوسفؑ (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اِنَّهٗ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّيْ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ﴾ (12/یوسف:42) ''اور کہا یوسفؑ نے اُسے جس کے بارے میں اُن کو یقین تھا کہ وہ نجات پاجائے گا اُن دونوں میں سے کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے آقا سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔'' اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں ''عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے...... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لیے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیغمبرؑ حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں، پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک وآقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔''

رَبَّانِيٌّ: ج: رَبَّانِيُّوْنَ۔ اسم نسبت ہے۔ رب والا۔ اللہ والا۔ رَبَّانِيٌّ میں 'الف' اور 'ن' کا اضافہ مبالغے کے لیے ہے یعنی

بالکل اللہ والا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رَبَّانِيٌّ، رب کی طرف منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے رَبِّيٌّ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً (لِحْيَةٌ بمعنی داڑھی سے) جس کی بڑی گھنی داڑھی ہو اُسے باضافہ الف نون لِحْيَانِيٌّ اور (رَقَبَةٌ بمعنی گردن سے) جس کی گردن بہت فربہ ہو اُسے باضافہ الف نون رَقَبَانِيٌّ کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ربّان کی جمع ہے جو رَبَّهٗ يَرُبُّهٗ فَهُوَ رَبَّانٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اِصلاح احوال اور تدبیر اُمور کرنے والا۔ اب رَبَّانِيٌّ کا معنی ہوگا نوعِ انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اِصلاح کرنے والا'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۲۴۷ تلخیصاً) ﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ (5/المائدہ:63) ''کیوں نہیں منع کرتے ان کو اللہ والے لوگ۔''

**رِبِّيُّوْنَ** اس کی واحد رِبِّيٌّ ہے۔ مراد ہے اللہ والے یا جماعتیں۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ربّ کی طرف منسوب ہے جیسے رَبَّانِيٌّ، معنی ہیں رب والے۔ اس میں حرف را مفتوح کی بجائے مکسور خلاف قیاس ہوا ہے (روح)۔ بعض حضرات نے اس کے معنی بہت سی جماعتوں کے کیے ہیں ان کے نزدیک یہ رِبَّةٌ بکسر را بمعنی الجماعۃ کی طرف منسوب ہے۔'' (معارف القرآن، جلد2، صفحہ 200)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رِبِّيُّوْنَ کی را پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ زمخشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ اَلرِّبِّيُّوْنَ: اَلرَّبَّانِيُّوْنَ (کشاف)۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے اس کا دُوسرا معنی انبوہِ کثیر بھی لکھا ہے اَلرِّبِّيُّوْنَ: اَلْجَمَاعَةُ الْكَثِيْرَةُ۔ اِس صورت میں اس کا واحد رِبِّيٌّ ہے اور رِبَّةٌ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد 1، صفحہ:281)۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**رَبِيْبَةٌ** ج: رَبَائِبُ۔ زیر تربیت سوتیلی بیٹی۔ ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔''

**رُبَمَا** یہ حرف جر 'رُبَّ' اور 'مَا' کافہ سے مرکب ہے۔ حرف جر رُبَّ، تشدید اور تخفیف (رُبَ) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ رُبَّ اسم پر داخل ہوتا ہے اور رُبَمَا فعل پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ سیاق کلام کے مطابق رُبَمَا کسی چیز کی کثرت یا قلت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی تکثیر کے اعتبار سے اس کا ترجمہ 'بہت زیادہ' یا 'بار بار' کیا جاتا ہے اور تقلیل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ 'کبھی کبھی' کیا جاتا ہے۔ ویسے کلام عرب میں یہ کافی استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں صرف سورۃ الحجر کی آیت 2 میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②﴾ (15/الحجر:2) ''کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں رُبَمَا کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رُبَمَا۔ یہ کلمات حسرت کی تکرار شاید اس لیے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۵۶۹)

## ع ل م

(ن۔ض) **عَلَمًا** نشان لگانا۔ پہچان بنانا۔

**عَلَمٌ** ج: اَعْلَامٌ۔ نشان۔ جھنڈا۔ اونچا پہاڑ۔ محل۔ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝﴾ (42/الشوریٰ:32) ''اور اس کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں سمندر میں اونچے پہاڑوں کی مانند۔''

**عَلَامَةٌ** ج: عَلَامَاتٌ۔نشان۔علامت۔﴿ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴾(16/النحل:16)''اور علامتیں بھی (بنائیں)اورستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

**عَالَمٌ** ج:عَالَمُوْنَ ۔فَاعَلٌ اسم الآلہ کا ایک وزن ہے۔ پہچاننے کا ذریعہ۔یہ عَلَمٌ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے نشانی، علامت،ایسی علامت اورنشانی جس سے کسی کی پہچان ہو۔یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی کاریگری کی علامت ہے جس سے ہم اُس کی پہچان کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو عَالَمٌ کہتے ہیں۔اس میں تمام مخلوق شامل ہے خواہ زمین پر ہو،آسمانوں میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔بعض اہل علم کے نزدیک عَالَمٌ نام ہے اُس چیز کا جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو۔ پھر ان چیزوں کے لیے استعمال ہونے لگا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہو۔جب اِس کی جمع عالمین بولی جائے تو یہ اور بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔قرآن مجید میں صرف جمع ہی استعمال ہوئی ہے۔آیت زیرِ مطالعہ۔

(س) **عَلِمًا** حقیقت کو پہچان لینا۔جاننا۔﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ ﴾(2/البقرۃ:60)''پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔''﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾(2/البقرۃ:77)''کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہی جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

**عِلْمٌ** اسم ذات بھی ہے۔علم۔قرآن مجید کی اصطلاح میں''علم''ایسی باتیں/حقائق کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے انبیاء ورسل کو دی ہوں۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾(2/البقرۃ:145)''اور اگر (بفرضِ محال) آپؐ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپؐ کے پاس علم تو یقیناً آپؐ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں علم کی نفی آئی ہے، بالعموم وہاں مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جس کی کوئی سند سابقہ انبیاء ورسل کی تعلیمات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات یعنی قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔جیسے فرمایا:﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ ﴾(17/بنی اسرائیل:36)''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو۔جس کا تمہیں علم نہ ہو۔''﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾(31/لقمان:15)''اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔''یہ اور ایسے متعدد مقامات پر علم نہ ہونے کا مطلب ہے قرآن وسنت میں سند نہ ہونا۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ اصطلاحی کے بجائے لغوی مفہوم میں بھی آیا ہے جیسے قارون کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:﴿ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ ﴾(28/القصص:78)''تو اس نے کہا''یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو مجھ کو حاصل ہے۔''یہاں علم کا مطلب ہے تجربہ، مہارت، ہنر مندی۔کوئی اگر آیت کے سیاق وسباق کو نظر میں رکھے تو وہ آسانی سے تمیز کر سکتا ہے کہ کہاں یہ لفظ لغوی مفہوم میں آیا ہے۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں''محاورہ قرآن میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے اور بے علمی سے مراد اس علم سے محرومی ہے۔علم سے قرآنِ مجید میں کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنہیں دنیا میں علوم وفنون کہا جاتا ہے۔''(تفسیر ماجدیؒ،صفحہ 929)
قرآن مجید کی ایک آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عِلْمٌ بمعنی نشانی کہا گیا ہے﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾(43/الزخرف:61)''اور وہ (یعنی ابن مریم) دراصل قیامت کی ایک نشانی ہیں۔''

**اَعْلَمُ** (1) مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔میں جانتا ہوں۔﴿ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾(2/البقرۃ:30)''اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے۔''﴿ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ ﴾(5/المائدۃ:116)''اور میں نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے۔''
(2) افعل التفضیل میں واحد مذکر کا صیغہ ہے۔کسی سے زیادہ یا سب سے زیادہ جاننے والا۔﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ

اللّٰہُ ؕ﴾ (2/البقرۃ:140) ''آپ فرمایئے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔'' ﴿اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪﴾ (68/القلم:7) ''بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو گمراہ ہوا اُس کے راستے سے۔'' اس صورت میں عام طور پر 'بِ' کا صلہ آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

**اِعۡلَمۡ** ج: اِعۡلَمُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو جان۔ ﴿وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۶۰﴾﴾ (2/البقرۃ:260) ''خوب اچھی طرح سے جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔'' ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾﴾ (2/البقرۃ:194) ''اور تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ کا اور خوب اچھی طرح سے جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔''

**عَالِمٌ** ج: عَالِمُوۡنَ۔ عالم۔ جاننے والا۔ ﴿عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ ؕ﴾ (6/الانعام:73) ''وہ ہر چھپی چیز اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے۔'' ﴿وَمَا یَعۡقِلُہَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ (29/العنکبوت:43) ''اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔''

**عَلِیۡمٌ** ج: عُلَمَاءُ۔ فَعِیۡلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں جاننے والا۔ ﴿وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾﴾ (2/البقرۃ:29) ''اور وہ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے۔'' ﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾ (37/فاطر:28) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔'' اَلۡعَلِیۡمُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ نوٹ: عُلَمَاءُ، قرآنِ مجید میں دو ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے، الشعراء کی آیت 197 میں اور فاطر 28 میں۔ اور دونوں جگہ اس کا رسم الخط میم کے بعد واؤ کے ساتھ ہے جس پر ہمزہ ہے اور واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے یعنی: عُلَمٰٓؤُا یہ اس کا مخصوص املاء ہے۔

**عَلَّامٌ** فَعَّالٌ مبالغہ کا وزن ہے۔ عَلَّامٌ اسی وزن پر ہے۔ اس کے آگے ۃ مبالغہ لگا دیں تو عَلَّامَۃٌ بنتا ہے۔ مطلب ہے بہت زیادہ جاننے والا۔ ﴿اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾﴾ (5/المائدہ:109) ''بیشک تو غیب کا بہت زیادہ جاننے والا ہے۔''

**مَعۡلُوۡمٌ** اسم المفعول ہے۔ جس کو جانا گیا۔ جانا ہوا۔ معلوم۔ ﴿وَمَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَلَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾﴾ (15/الحجر:4) ''اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**مَعۡلُوۡمَۃٌ** ج: مَعۡلُوۡمَاتٌ۔ مَعۡلُوۡمٌ کا مونث۔ ﴿اَلۡحَجُّ اَشۡہُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ﴾ (2/البقرۃ:197) ''حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔''

(تفعیل) **تَعۡلِیۡمًا** رفتہ رفتہ تدریجاً علم دینا۔ سکھانا۔ ﴿اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾ (55/الرحمٰن:1-2) ''رحمٰن نے قرآن کا علم دیا۔''

**مُعَلِّمٌ** اسم الفاعل ہے۔ علم سکھانے والا۔

**مُعَلَّمٌ** اسم المفعول ہے۔ جس کو علم سکھایا گیا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡہُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿ۘ۱۴﴾﴾ (44/الدخان:14) ''پھر انہوں نے منہ پھیر لیا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے، دیوانہ۔''

(تفعّل) **تَعَلُّمًا** کوشش کر کے، محنت کر کے علم حاصل کرنا، سیکھنا۔ ﴿وَیَتَعَلَّمُوۡنَ مَا یَضُرُّہُمۡ وَلَا یَنۡفَعُہُمۡ ؕ﴾ (2/البقرۃ:102) ''اور وہ لوگ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان دیتا ہے اور نفع نہیں دیتا۔''

**ترکیب** رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف رَبِّ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَللّٰہِ کی صفت یا بدل ہے۔ بدل ماننے سے ترجمہ میں آسانی ہوگی۔ اسی طرح اَلرَّحۡمٰنِ اور الرَّحِیۡمِ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ بھی اَللّٰہِ کی صفت یا بدل ہیں۔

**ترجمہ**

| رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ | الرَّحۡمٰنِ | الرَّحِیۡمِ |
|---|---|---|
| جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے | جو رحمٰن ہے | جو رحیم ہے |

**نوٹ-1** یہاں عالمین جمع کے صیغے میں آنے کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا بھی رب ہے جسے ہم

جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا بھی ربّ ہے جنہیں ہم نہیں جانتے۔

## آیت:3

## ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ ﴾

**م ل ك**

(ض) **مِلْكًا**: مالک ہونا۔ غالب ہونا۔ اختیار رکھنا۔ ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ﴾ (7/الاعراف:188) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا اپنے نفس کے لئے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔“

**مَالِكٌ**: اسم الفاعل ہے۔ مالک۔ غالب ہونے والا۔ اختیار رکھنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

**مَمْلُوْكٌ**: اسم المفعول ہے۔ غلام۔ وہ جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ﴾ (16/النحل:75) ”بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک غلام بندے کی۔“

**مُلْكٌ**: ملک۔ جس پر اختیار و اقتدار حاصل ہو۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ﴾ (3/آل عمران:26) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اللہ ملک کے مالک تو ملک دیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے اور تو ملک چھین لیتا ہے جس سے تو چاہتا ہے۔“

**مَلْكٌ**: اختیار۔ ﴿ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا ﴾ (20/طٰهٰ:87) ”انہوں نے جواب دیا“ ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنے اختیار سے نہیں کی۔“

**مَلِكٌ**: ج: مُلُوْكٌ۔ بادشاہ۔ ”عربی زبان میں مَلِكٌ ایسے شخص کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جو آسودہ حال ہو، مکان، جائیداد، نوکر چاکر رکھتا ہو“ (معارف القرآن) ﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ﴾ (12/یوسف:54) ”اور بادشاہ نے کہا کہ اسے لے آؤ میرے پاس۔“ ﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا ﴾ (27/النمل:34) ”بیشک بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اس میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔“

**مَلِيْكٌ**: مَلِكٌ سے صفت کا صیغہ برائے مبالغہ ہے۔ بہت بڑا بادشاہ۔ ﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۵۵ ﴾ (54/القمر:55) ”سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔“

**مَلَاكٌ ، مَلَكٌ**: ج: مَلَائِكَةٌ۔ فرشتہ۔ مَلَكٌ لفظ اَلُوْكَةٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ”پیغام رسانی“ کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا۔ (ضیاء القرآن)۔ مَلَائِكَةٌ میں 'ۃ' تانیث الجمع کی ہے۔ ﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ ﴾ (6/الانعام:50) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں نہیں جانتا غیب کو اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔“ ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ ﴾ (2/البقرۃ:30) ”اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔“

**مَلَكُوْتٌ**: مُلْكٌ سے انتہائی مبالغے کا صیغہ ہے۔ بادشاہت (یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے لئے مخصوص ہے اور اس لفظ میں مُلْكٌ (بادشاہی) اور مِلْكٌ (ملکیت) دونوں مفہوم شامل ہیں) ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (7/الاعراف:185) ”تو کیا یہ لوگ نظر نہیں کرتے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔“

**يَوْمٌ**: ج: اَيَّامٌ۔ بمعنی دن۔ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک کا وقت۔ لیل اور نہار کے وقت کا مجموعہ۔ ۲۴

گھنٹے۔ گویا یوم کا اطلاق کبھی تو دن اور رات کے مجموعے پر ہوتا ہے اور کبھی رات کے مقابلے میں صرف دن پر۔ یَوۡم کی یہ مدت انسان کے لیے ہے اور اس کا تصور بھی سورج اور زمین کی پیدائش کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے ورنہ اللہ کے ہاں یَوۡم کی مدت ایک طویل دور ہے خواہ یہ دور ہمارے حساب سے ہزاروں سال تک پھیلا ہوا ہو۔

اسی لیے زمین و آسمان کی پیدائش کے سلسلہ میں جب یَوۡم کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد ایک طویل دور ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۝ ﴾(22/الحج:47)''اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک یوم تمہارے حساب کی رُو سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔'' اسی طرح یوم الدین یعنی جزا و سزا کا دن بھی ایک طویل دور ہوگا جس کی مدت احادیث میں پچاس ہزار سال بیان کی گئی ہے۔ اَلۡيَوۡمَ: بمعنی آج کا دن۔ اور اَلۡيَوۡمَ کے وقت کی مقدار نَهَار کے مطابق ہوگی یَوۡم کے مطابق نہیں۔ یعنی اس سے مراد طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کا وقت ہوگا۔ ظلّ الیوم بمعنی آج سارا دن سایہ رہا (منجد)۔ اَلۡيَوۡمَ کا لفظ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر قیامت کے دن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ يَوۡمَئِذٍ: يَوۡم کے بعد اِذۡ کے اضافہ سے یہ لفظ بنا ہے جو کسی معین زمانہ کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی اُس دن یا وہ دن۔ قرآن مجید میں یہ لفظ م کی زیر کے ساتھ يَوۡمِئِذٍ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: سورہ ھود، آیت 66۔

نوٹ: عربی زبان میں نعمتوں کو بھی اَيَّامٌ کہا جاتا ہے اور اس سے مراد تاریخ کے وہ دن بھی ہوتے ہیں جن میں قوموں پر اللہ کی رحمت یا عذاب کے بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہوں۔ ایام العرب سے مراد اہل عرب کی جنگیں ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾(14/ابراہیم:5)''اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''عربی میں نعمتوں کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔'' اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت و اقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا و قحط، محکومی و غلامی۔ غرض یہ کہ ایّام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ ایّام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''اَيَّامٌ، یوم کی جمع ہے، جس کے معنی دن کے مشہور ہیں، لفظ اَيَّامُ اللّٰهِ دو معنی کے لیے بولا جاتا ہے اور وہ دونوں یہاں مراد ہوسکتے ہیں، اوّل وہ خاص ایام جن میں کوئی جنگ یا انقلاب آیا ہے، جیسے غزوۂ بدر و احد اور احزاب و حنین وغیرہ کے واقعات، یا پچھلی امتوں پر عذاب نازل ہونے کے واقعات ہیں، جن میں بڑی بڑی قومیں زیروزبر یا نیست و نابود ہوگئیں، اس صورت میں اَيَّامُ اللّٰهِ یاد دلانے سے ان قوموں کو کفر کے انجام بد سے ڈرانا اور متنبہ کرنا مقصود ہوگا۔

دوسرے معنی اَيَّامُ اللّٰهِ کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کے بھی آتے ہیں تو ان کو یاد دلانے کا مقصد یہ ہوگا کہ شریف انسان کو جب کسی محسن کا احسان یاد دلایا جائے تو وہ اس کی مخالفت اور نافرمانی سے شرما جاتا ہے۔''(معارف القرآن، ج ۵ ص:۲۳۱)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''ایام'' کا لفظ عربی زبان میں اصطلاحاً یادگار تاریخی واقعات کے لیے بولا جاتا ہے۔ ''ایام اللہ'' سے مراد تاریخ انسانی کے وہ اہم ابواب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی قوموں اور بڑی بڑی شخصیتوں کو اُن کے اعمال کے لحاظ سے جزا یا سزا دی ہے۔''(تفہیم القرآن، ج ۲ ص:۴۷۱)۔

| د | ی | ن |
|---|---|---|

(ض) دِيۡنًا: مالک ہونا، حکم دینا، ذلیل کرنا / خدمت کرنا، فرماں برداری کرنا، ماتحت ہونا، قبول کرنا۔ (متضاد مفہوم ہے)﴿ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ ﴾(9/التوبۃ:29)''اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو۔''

دِيۡنٌ: ج: اَدۡيَانٌ۔ اسم ذات بھی ہی اور قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً:(1) بدلہ۔ جزا۔ بدلے سے مراد اس کے دونوں پہلو ہیں۔ نیک اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ آیت زیر مطالعہ اور﴿ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۝ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۝ ﴾(82/الانفطار:17-18)''اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں! (بولو) تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟''﴿ يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ ﴾(24/النور:25)''اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا۔''(ترجمہ احسن البیان)(2) ضابطۂ حیات یا دوسرے الفاظ میں

مذہب و شریعت۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾(4/النساء:125)''اور اس سے بہتر کس کا دین ہو گا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ ﴾(3/آل عمران:83)''سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ﴾(3/آل عمران:85)''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)(3) اطاعت اور فرمانبرداری۔ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ ﴾(39/الزمر:2)''ہم نے تمہاری طرف کتاب اُتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''(ترجمہ از تدبر قرآن)۔ ﴿ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ ﴾(16/النحل:52)''اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''دین سے مراد اطاعت و اخلاص ہے۔ واصبًا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں وصب الرجل علی الامر اذا واظب علیہ۔ (قرطبیؒ) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔''(ضیاء القرآن، ۲، ص ۵۷۵)۔ (4) قانونِ ملکی۔ ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾(12/یوسف:76)''یوسفؑ اپنے بھائی کو بادشاہِ مصر کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت میں 'دین' کا ترجمہ 'قانون' سے کیا ہے۔ (5) وہ اصول و احکام جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء میں مشترک ہیں۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ﴾(42/الشوریٰ:13)''اُس نے تمہارے لیے، دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔''(نوٹ: دین کی بقیہ تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

**اَلدِّيْنُ** — اسلام کا ضابطہ حیات۔ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ ﴾(3/آل عمران:19)''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

**مَدِيْنٌ** — ج: مَدِيْنُوْنَ۔ دِيْنٌ مصدر سے اسم المفعول ہے۔ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) وہ جس کو بدلہ دیا جائے۔ (2) محکوم۔ تابع دار۔ وہ جو کسی کے حکم کا پابند ہو۔ زیرِ فرمان۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ ﴾(37/الصافات:53)''کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جزا ملے گی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ ﴾(56/الواقعہ:86)''پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اسی آیت کا ترجمہ پہلے مفہوم کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے ''تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ مَدِيْنٌ غلام اور لونڈی کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مالک کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔

(ض) **دَيْنًا** — قرض دینا۔

**دَيْنٌ** — قرض۔ (دَيْنٌ مصدر ہے مطلب ہے قرض دینا لیکن عربی میں اکثر مصدر بطور اسم الذات بھی استعمال ہوتے ہیں) ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ ﴾(4/النساء:11)''وصیت کے بعد جو اس نے وصیت کی یا قرضہ کے بعد۔''مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں ''دَيْنٌ کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلے میں ہے۔ اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے جس کے معاوضے کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔''(تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۴۹)

(تفاعل) **تَدَايُنًا** — باہم ادھار پر لین دین کرنا۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ ﴾(2/البقرۃ:282)''جب تم لوگ قرض کا لین دین کرو ایک مقررہ مدت کے لئے تو اسے لکھ لو۔''

**نوٹ:** دِيْنٌ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں لفظ دین کے چند معانی ہیں جن میں ایک معنی ہے طریقہ اور روش،

قرآن کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول و احکام کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاء ﷺ تک سب انبیاءؑ میں مشترک ہیں، اور لفظ ''شریعت'' یا ''منہاج'' یا بعد کی اصطلاحات میں لفظ ''مذہب'' فروعی احکام کے لیے بولے جاتے ہیں، جو مختلف زمانوں اور مختلف امتوں میں مختلف ہوتے چلے آئے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ (42/الشوریٰ:13) ''یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین جاری فرمایا جس کی وصیت تم سے پہلے نوح علیہ السلام کو اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ دین سب انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کا لائقِ عبادت نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار (توحید) روزِ قیامت اور اس میں حساب کتاب اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا (آخرت)، اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر اسی طرح ایمان لانا (رسالت)۔ (معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ: ۳۶)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: دین کا لفظ عربی زبان میں متعدد مفہومات کا حامل ہے:

ایک مفہوم ہے غلبہ و اقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرف، سیاست و فرمانروائی اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے دَانَ النَّاسَ، اَیْ قَهَرَهُمْ عَلَى الطَّاعَةِ۔ دِنْتُهُمْ، اَیْ قَهَرْتُهُمْ۔ دِنْتُهٗ، سُسْتُهٗ وَمَلَكْتُهٗ۔ وَفِي الْحَدِيْثِ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ، اَیْ اَذَلَّهَا وَاسْتَعْبَدَهَا۔ اَلدَّيَّانُ، اَلْقَاضِیْ، اَلْحَكَمُ، اَلْقَهَّارُ۔ وَلَا اَنْتَ دَيَّانِیْ، اَیْ لَسْتَ بِقَاهِرٍ لِّیْ فَتَسُوْسَ اَمْرِیْ۔ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ الْمَلِكِ، اَیْ فِیْ قَضَاءِ الْمَلِكِ۔.....

دوسرا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی۔ لسان العرب میں ہے اَلدِّيْنُ، اَلطَّاعَةُ۔ دِنْتُهٗ وَ دِنْتُ لَهٗ اَیْ اَطَعْتُهٗ۔ وَالدِّيْنُ لِلّٰهِ، اِنَّمَا هُوَ طَاعَتُهٗ وَالتَّعَبُّدُ لَهٗ، فِی الْحَدِيْثِ اُرِيْدُ مِنْ قُرَيْشٍ كَلِمَةً تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، اَیْ تُطِيْعُهُمْ وَ تَخْضَعُ لَهُمْ۔ ثُمَّ دَانَتْ بَعْدَ الرَّبَابِ، اَیْ ذَلَّتْ لَهٗ وَ اَطَاعَتْهُ۔ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ، اَیْ اَنَّهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ الْمُفْتَرَضِ الطَّاعَةِ۔ اَلْمَدِيْنُ، اَلْعَبْدُ۔ فَلَوْ لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اَیْ غَيْرَ مَمْلُوْكِيْنَ۔

تیسرا مفہوم ہے وہ عادت اور طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ لسان العرب میں ہے: اَلدِّيْنُ اَلْعَادَةُ وَ الشَّاْنُ۔ يُقَالُ مَا زَالَ ذٰلِكَ دِيْنِیْ وَدِيْدَنِیْ اَیْ عَادَتِیْ۔

ان تینوں مفہومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کے معنی اُس طرزِ عمل اور اس رویے کے ہیں جو کسی کی بالاتری تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔ اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ''آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے، بلکہ اسی کی پرستش، اسی کی ہدایت کا اتباع اور اسی کے احکام و اوامر کی اطاعت کرے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، صفحہ ۳۵۶)

**دین، شریعت اور ملت:** دین کی وضاحت اوپر آچکی ہے۔ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو زمانے کی ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا جو بعد کی شریعتوں میں حرام کر دیا گیا۔ حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دو حقیقی بہنیں تھیں جو بعد کی شریعتوں میں حرام قرار دی گئیں۔ غرض ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ دین اور شریعت کے اِس فرق کو خود رسول اللہ ﷺ نے اِن الفاظ میں سمجھایا: ((اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةُ الْعَلَّاتِ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (متفق علیہ) ''تمام انبیاء علاتی بھائی (وہ بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں) ہیں۔ کہ ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ ہیں اور ان کا دین (باپ) ایک ہی ہے۔'' اور ملّت سے مراد وہ نظام ہے جو ایک نبی احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری میں اپنے ماننے والوں کی جماعت میں قائم کرتا ہے۔ دین اور شریعت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور الہامی کتاب میں مذکور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نبی خود ان احکام پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے ساتھ ہی وہ اِن احکام الٰہیہ کی تبلیغ کر کے اپنے ماننے والوں کی ایک جماعت بناتا ہے اور اُن سب کو بھی اِن احکامات کا پابند بناتا ہے اور ایک اسلامی نظام قائم کرتا ہے اِس نظام کا نام ملّت ہے۔ گویا ملّت احکام کا نام نہیں بلکہ اُس نظام کا نام ہے جس میں نبی امیر، اُس نبی کے ماننے والے مامور اور اُن کا دستور احکام الٰہیہ (دین، شریعت) ہوتا ہے۔ ملّت کی نسبت کسی مخصوص نبی کی طرف کی جاسکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ (آل عمران 95) ''پس تم ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ ہی کے ہو گئے تھے۔'' (مترادفات القرآن۔ تلخیصاً)

**ترکیب**

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مرکب اضافی ہے۔ اس کے مضاف مٰلِكِ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ پورا مرکب اللہ کی صفت یا بدل ہے۔

| ترجمہ | مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ |
| --- | --- |
| | جو بدلے کے دن کا مالک ہے |

## آیت:4
## ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾

**اِيَّا** یہ کلمہ ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنے اور اُس کے تلفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور بالعموم حصر کا مفہوم پیدا کرتا ہے مثلاً ضَرَبْتُهٗ۔ اس میں ضمیر مفعولی فعل کے ساتھ ملا کر یعنی متصل لکھی ہے اور اس کے معنی ہیں۔ ’’میں نے اس کو مارا‘‘ اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی نہیں ہے۔ اب اگر ہم کہیں ضَرَبْتُ اِيَّاهُ تو اس کے معنی ہیں ’’میں نے اس کو ہی مارا۔‘‘ اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی شامل ہے۔ اس کو حصر کا مفہوم کہتے ہیں۔ اب اگر ہم کہیں اِيَّاهُ ضَرَبْتُ تو معنی وہی رہیں گے البتہ حصر میں مزید زور اور تاکید پیدا ہو جائے گی۔ جیسے He Must Come میں جب مزید زور پیدا کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں Come He Must۔

اب یہ نوٹ کرلیں کہ بات سمجھانے کی غرض سے ہم نے ضَرَبْتُ اِيَّاهُ استعمال کیا ہے ورنہ عربی میں اس کا رواج نہیں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر مفعولی جب اِيَّا کے ذریعہ منفصل کی جائے گی تو وہ فعل سے پہلے آئے گی۔ یعنی اِيَّاهُ ضَرَبْتُ کہا جائے گا۔ مثلاً ﴿ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ (16/النحل:114) ’’اور تم لوگ شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم لوگ صرف اور صرف اس کی ہی عبادت کرتے ہو۔‘‘ اس قاعدہ کے دو استثناء ہیں۔

پہلا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر اِلَّا آئے تو اِيَّا اور ضمیر مفعولی فعل کے بعد آسکتی ہے جیسے ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ (17/بنی اسرائیل:23) ’’اور فیصلہ کر دیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر صرف اس کی ہی۔‘‘ نوٹ کرلیں کہ ایسی صورت میں حصر کا مفہوم اِيَّا کی وجہ سے نہیں بلکہ جملہ کی ساخت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ (یعنی نفی + استثناء)

دوسرا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر دو ضمیر مفعولی لانا ہوں تو ان کے درمیان اِيَّا لگاتے ہیں۔ یعنی ضَرَبْتُ هُمْ وَكُمْ کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ضَرَبْتُهُمْ وَاِيَّاكُمْ کہا جائیگا۔ جیسے ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾ (17/بنی اسرائیل:31) ’’ہم رزق دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی۔‘‘ ایسی صورت میں اِيَّا میں حصر کا مفہوم باقی نہیں رہتا۔

**ع ب د**

(ن) عُبُوْدِيَّةً — کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا۔

عِبَادَةً — اس لفظ کی اتنی اہمیت ہے کہ اس ایک لفظ کے ذریعے سے تمام انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (51/الذاریات:56) ’’میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی (یعنی نہ صرف پرستش و بندگی بلکہ غلامی و اطاعت بھی) کریں۔‘‘

کسی کو معبود مان کر اس کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی انتہائی تعظیم اور محبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنے اختیار سے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا، اس کی مکمل اطاعت کرنا، غلامی کرنا، بندگی کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ عبادت میں بنیادی مفہوم اطاعت کا ہے کیونکہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرے، زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت نہ کرے۔ اور اطاعت کبھی جزوی ہوتی ہے اور کبھی مجبوری سے۔ جزوی اور مجبوری سے کی ہوئی اطاعت، عبادت نہیں کہلاتی۔ کسی کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی محبت میں ڈوب کر جب اطاعت کی جائے اور زندگی کے ہر معاملہ اور ہر لمحہ میں کی جائے تو ایسی اطاعت، عبادت کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام اپنے اختیار سے نہیں کر رہا بلکہ کسی مجبوری یا کسی عمل کے زیر اثر کر رہا ہے تب بھی وہ

عبادت نہیں کہلائے گی کیونکہ اس کا اپنا اختیار اس میں شامل نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام کسی کی تعظیم کی وجہ سے نہیں بلکہ مذاق کے طور پر کر رہا ہے تب بھی وہ عبادت نہیں کہلائیں گے۔ اس لیے بعض علماء کا قول ہے: اَلْعِبَادَةُ تَذَلُّلٌ لِّلْغَیْرِ عَنْ اِخْتِیَارٍ لِغَایَةِ تَعْظِیْمِهٖ فَخَرَجَ التَّسْخِیْرُ وَالسَّخْرُ وَالْقِیَامُ وَالْاِنْحِنَاءُ لِنَوْعِ تَعْظِیْمٍ ''عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لیے عاجزی کا نام ہے۔ لہٰذا تسخیر کی بنا پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسمی کے لیے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت کی طرف سے خارج ہے۔'' اسی لیے محض کسی کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا عبادت نہیں مثلاً اگر کوئی بیٹا والد کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے تو یہ تعظیم اور ادب ہے، عبادت نہیں، یہی تعظیم اور انکساری کوئی شخص اللہ کو معبود مان کر اور اُس کے احسانات کو تسلیم کر کے کرے تب یہ عبادت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے عبادت کی وضاحت یوں کی ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: لَفْظُ الْعُبُوْدِیَّةِ یَتَضَمَّنُ کَمَالَ الذُّلِّ وَکَمَالَ الْحُبِّ۔ ''لفظ عبودیت میں دو چیزیں لازمی طور پر شامل ہیں، کمالِ ذُلّ یعنی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے بچھا دینا اور کمالِ محبت یعنی اللہ کے سامنے یہ جھکنا محبت اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہو۔'' امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ غَایَةُ الْحُبِّ مَعَ غَایَةِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ یعنی عبادت میں دو چیزیں لازماً شامل ہوں گی، اور وہ یہ کہ ایک طرف انتہائی درجے کی محبت اور دوسری طرف اس کے ساتھ انتہائی درجے کا جھکنا اور عاجزی۔ علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: اَلْعِبَادَةُ فِی اللُّغَةِ اَلطَّاعَةُ مَعَ الْخُضُوْعِ۔ لغت میں عبادت نام ہے اُس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وَفِی الشَّرْعِ عِبَارَةٌ عَمَّا یَجْمَعُ کَمَالَ الْمَحَبَّةِ وَالْخُضُوْعِ وَالْخَوْفِ۔ اور (عبادت) شرع میں عبارت ہے اس چیز سے جو انتہائی محبت، عاجزی اور خوف پر مشتمل ہو۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ''مشغول کردن تمام اعضاء و جوارح ظاہر و باطن را در راہِ اُو و بمرضیاتِ اُو'' تمام اعضاء و جوارح ظاہر اور باطن کو مشغول کر دینا اس (اللہ) کی راہ میں اس کی مرضی کے مطابق۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کے اصلی معنی عربی لغت میں انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی و فروتنی کے اظہار کے ہیں۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ اس خضوع و خشوع کی تعبیر کے لیے خاص ہو گیا ہے جو بندہ اپنے خالق و مالک کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ پھر اطاعت کا مفہوم بھی اس لفظ کے لوازم میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات بالبداہت غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس ذات کو اپنے انتہائی خضوع و خشوع کا واحد مستحق سمجھے زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت کو لازم نہ جانے۔ چنانچہ عبادت کی اس حقیقت کو قرآن مجید نے بعض جگہ کھول بھی دیا ہے مثلاً: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ ﴾ (39/الزمر:2) ''ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کر و اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔'' عبادت کے ساتھ اطاعت کا یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ بعض جگہ یہ لفظ صاف صاف اطاعت کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہو گیا ہے مثلاً: ﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ﴾ (36/یٰسٓ:60) ''کہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔'' (تدبر قرآن، جلد۱، صفحہ: ۵۷)۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کا مادہ عبد ہے۔ اور یہ لفظ ''آزاد'' کے مقابلے میں ''غلام'' اور ''مملوک'' کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے ''عبادت'' میں دو مفہوم پیدا ہوئے ہیں۔ ایک پوجا اور پرستش، جیسا کہ عربی زبان کی مشہور و مستند لغت ''لسان العرب'' میں ہے: عَبَدَ اللّٰهَ، تَأَلَّهَ لَهٗ۔ وَالتَّعَبُّدُ، اَلتَّنَسُّكُ۔ دوسرے عاجزانہ اطاعت اور برضا و رغبت فرمانبرداری جیسا کہ لسان العرب میں ہے، اَلْعِبَادَةُ، اَلطَّاعَةُ، وَمَعْنَی الْعِبَادَةِ فِی اللُّغَةِ اَلطَّاعَةُ مَعَ الْخُضُوْعِ۔ وَكُلُّ مَنْ دَانَ لِمَلِكٍ فَهُوَ عَابِدٌ لَهٗ (وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ)۔

وَالْعَابِدُ، اَلْخَاضِعُ لِرَبِّهٖ اَلْمُسْتَسْلِمُ الْمُنْقَادُ لِاَمْرِهٖ۔ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ، اَطَاعَهٗ يَعْنِي الشَّيْطَانَ فِيْمَا سَوَّلَ لَهٗ وَاَغْرَاهُ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ، اَيْ نُطِيْعُ الطَّاعَةَ الَّتِيْ يَخْضَعُ مَعَهَا۔ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، اَطِيْعُوْا رَبَّكُمْ۔ پس لغت کی اِن مستند تشریحات کے مطابق مطالبہ صرف اللہ تعالیٰ کی پوجا اور پرستش ہی کا نہیں ہے بلکہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت، اوراس کے قانونِ شرعی کی برضاو رغبت پیروی، اوراُس کے امرونہی کی دل وجان سے فرمانبرداری کا بھی ہے۔
(تفہیم القرآن، ج ۴، صفحہ: ۳۵۵)

(ک) **عُبُوْدَةٌ** باپ دادا سے غلام ہونا، جدی پشتی غلام ہونا۔

**عَابِدٌ** ج: عَابِدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔عبادت کرنے والا۔ بندہ۔ غلام۔﴿ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴾ (109/الکافرون:4)''اور نہ ہی میں عبادت کرنے والا ہوں اُن کی جس کی تم پوجا کرتے ہو۔''﴿ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴾(23/المومنون:47)''تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں اِن دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلام ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔عربی زبان میں عابد کے معنی مطیع، فرمانبردار اور خادم کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ کا ترجمہ کرتے ہیں''اوران کی قوم ہماری تابعدار (خدمت گار) ہیں۔''اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں''درآنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیرِحکم ہے۔''

**عَابِدَةٌ** ج: عَابِدَاتٌ۔ عَابِدٌ کی مونث۔عبادت کرنے والی۔ بندی۔﴿ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ ﴾(66/التحریم:5) ''فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں۔''

**عَبْدٌ** ج: عِبَادٌ اور عَبِيْدٌ۔غلام۔بندہ۔جس کی کوئی چیز اپنی نہ ہو۔جس کی زندگی، خواہش غرضیکہ ہر چیز اس کے آقا کی ملکیت ہو۔عَبْدٌ کا لفظ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے(۱) اَلْعَبْدُ بمعنی غلام یعنی وہ انسان جسے خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہو چنانچہ آیات کریمہ﴿ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ﴾(2/البقرۃ:78)''اور غلام کے بدلے غلام۔''﴿ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ﴾(16/النحل:75)''ایک غلام مملوک ہے جو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔''میں عَبْدٌ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔
(۲) اَلْعَبْدُ بِالْاِيْجَادِ یعنی وہ بندہ جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔چنانچہ آیت کریمہ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾(19/مریم:93)''آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔(۳)عَبْدٌ وہ ہے جو عبادت اور خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس لحاظ سے جن پر عَبْدٌ کا لفظ بولا گیا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:﴿ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾(25/الفرقان:1)''جس نے اپنے بندے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔''اوراس طرح کی کئی اور آیات ہیں۔(۴) دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اور حرص کے غلام بن کر ہر وقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ)) درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو۔

عَبْدٌ کے ان معانی کے پیشِ نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے لَيْسَ كُلُّ اِنْسَانٍ عَبْدًا لِلّٰهِ کہ ہر انسان اللہ کا بندہ نہیں ہے یعنی بندہ مخلص نہیں ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں: وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ عِبَادُ اللّٰهِ کہ تمام لوگ اللہ کے ہیں یعنی اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے۔بلکہ تمام اشیاء کا یہی حکم ہے۔

عَبْدٌ کا لفظ جب غلام کے معنی میں استعمال ہو تو اس کی جمع عَبِيْدٌ آتی ہے اور جب عَبْدٌ بمعنی عَابِدٌ یعنی عبادت گزار کے ہو تو اس کی جمع عِبَادٌ آتی ہے۔ البتہ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ لغات القرآن میں فرماتے ہیں:''میری ناقص رائے میں یہ

قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ خود قرآن پاک میں ایک مقام پر عِبَادٌ کا استعمال غلاموں کے معنی میں ہوا ہے، ارشاد ہے: ﴿ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ﴾ (24/النور:32) ''اور نکاح کرو رانڈوں کا اپنے اندر، اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔'' عَبْدٌ کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''عَبْدٌ کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قریب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبداللہ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔'' مولانا مفتی محمد شفیعؒ عَبْدٌ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عِبَادٌ، عَبْدٌ کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دائر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت و سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش بر آواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔'' (معارف القرآن، ج ۶، ص: ۵۰۲)

**اُعْبُدْ** — ج: اُعْبُدُوْا۔ فعل امر کا صیغہ ہے۔ تم عبادت کرو۔ تم بندگی کرو۔ ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ (39/الزمر:2) ''پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئی اس کے لیے اطاعت کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ﴾ (2/البقرۃ:21) ''اے لوگو بندگی کرو اپنے اس رب کی جس نے پیدا کیا تمہیں۔''

(تفعیل) **تَعْبِيْدًا** — غلام بنانا۔ فرمانبردار بنانا۔ عربی زبان میں طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ اس ہموار راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔ اسی طرح عَبَّدْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اسے مطیع کر لیا یعنی محکوم بنالیا۔ ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (26/الشعراء:22) ''رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔''

### ع و ن

(ن) **عَوْنًا** — پشت پناہ ہونا۔ درمیان میں ہونا۔

(افعال) **اِعَانَةً** — پشت پناہی کرنا۔ مدد کرنا۔ ﴿ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ ﴾ (18/الکہف:95) ''پس میری مدد کرو قوت سے۔''

(تفاعل) **تَعَاوُنًا** — ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ (5/المآئدہ:2) ''باہم مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔''

(استفعال) **اِسْتِعَانَةً** — مدد مانگنا۔ مدد چاہنا۔

**مُسْتَعَانٌ** — اسم المفعول ہے۔ جس کی مدد چاہی جائے۔ جس سے مدد مانگی جائے۔ ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ (12/یوسف:18) ''اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس پر جو تم لوگ بتاتے ہو۔''

**عَوَانٌ** — ج: عُوْنٌ۔ درمیان۔ ادھیڑ عمر۔ عورتوں اور مویشیوں میں جو درمیانی عمر کا ہو اُس کو عَوَانٌ کہتے ہیں ﴿ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ (2/البقرۃ:68) ''بیشک وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری ہے (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان ہے۔''

**اِسْتَعِيْنُوْا** — فعل امر ہے۔ تم مدد مانگو۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ (2/البقرۃ:153) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔''

| ترجمہ | اِیَّاکَ | نَعۡبُدُ | وَاِیَّاکَ | نَسۡتَعِیۡنُ |
|---|---|---|---|---|
| | صرف تیری ہی | ہم عبادت کرتے ہیں | اور صرف تجھ سے ہی | ہم مدد مانگتے ہیں |

نوٹ:1 بعض سلف کا قول ہے کہ اَلۡفَاتِحَۃُ سِرُّ الۡقُرۡآنِ وَ سِرُّ الۡفَاتِحَۃِ ھٰذِہِ الۡکَلِمَۃُ...... یعنی قرآن کا خلاصہ یا راز سورہ فاتحہ ہے۔ اور پوری سورہ فاتحہ کا راز یا خلاصہ اس آیت اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں ہے۔

نوٹ:2 ''عبادت'' کی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کی مزید وضاحت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ''عبادت'' کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عبادت نام ہے بندگی اور اطاعت و پیروی کا جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یا ذکر و تلاوت میں منحصر نہیں اور نہ یہ چیزیں اپنی ذات میں مقاصد ہیں، بلکہ ان سب کا مقصد صرف ایک حکم الٰہی کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جن اوقات میں نماز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں نماز کوئی کار ثواب نہیں بلکہ اُلٹا گناہ کا موجب ہے، ایام عیدین وغیرہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، تو اس وقت روزہ رکھنا گناہ ہے، نویں ذی الحجہ کے علاوہ کسی دن کسی مہینہ میں میدان عرفات میں جمع ہو کر دعا، عبادت کرنا کار ثواب نہیں جبکہ نویں ذی الحجہ میں سب سے بڑی عبادت یہی ہے اسی طرح تمام دوسری عبادات کا حال ہے جب تک ان کے کرنے کا حکم ہے تو وہ عبادت ہیں اور جب اور جس حد پر اُن کو روک دیا جائے تو وہ بھی حرام و ناجائز ہو جاتی ہیں، جاہل عوام اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، جو عبادات ان کی عادات بن جاتی ہیں بلکہ جن قومی رسوم کو وہ عبادات سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں، صریح احکامِ خدا اور سول کو بھی ان کے پیچھے نظر انداز کر دیتے ہیں یہیں سے بدعات و محدثات دین کا جزو بن جاتی ہیں، جو پچھلی شریعتوں اور کتابوں کی تحریف کا سبب ہوئی ہیں، اللہ جل شانہٗ نے مختلف پیغمبروں پر مختلف کتابیں اور شریعتیں نازل فرما کر انسانوں کو یہی سکھایا ہے کہ کسی ایک عمل یا ایک قسم عبادت کو مقصود نہ بنا لیں، بلکہ صحیح معنی میں اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں، اور جس وقت پچھلے عمل کو چھوڑ دینے کا حکم ہو فوراً چھوڑ دیں، اور جس عمل کے کرنے کا ارشاد ہو فوراً اُس پر عمل پیرا ہوں۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص: ۱۶۳) اور حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عبادت کیا ہے؟ آپ کو لغت و تفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا اَقۡصٰی غَایَۃِ الۡخُضُوۡعِ وَالتَّذَلُّلِ یعنی حد درجہ کی عاجزی اور انکسار۔ مفسرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالت نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکوع اور رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا، سجدہ اور اس کے بعد حالت التحیات میں دوزانو بیٹھنا، سلام کے لیے دائیں بائیں منہ پھیرنا، یہ سب عبادت ہیں۔ اگر عبادت صرف تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے اُستاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس نے اپنے اُستاد یا باپ کی عبادت کی اور اُن کو اپنا معبود بنا لیا۔ حاشا وکلا۔ پھر وہ کون سی چیز ہے جو اِن حرکات و سکنات کو اگر یہ نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھے یا کھولے ہوئے) اور اِس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے اور اگر یہی امور نماز سے خارج ہوں تو نہ ان میں غایۃ خضوع ہے اور نہ یہ عبادت متصور ہوتے ہیں تو اس کا ممیّز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جس ذات کے لیے اور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے اگر آپ اُس کو اللہ اور معبود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اور سب میں غایۃ تذلل و خضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اس کو عبد اور بندہ سمجھتے ہیں تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے، ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اور تعظیم کہہ سکتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۲۳) (یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، سجدہ تعظیم اگرچہ شرک نہیں لیکن ناجائز و حرام وہ بھی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۱، ص ۱۳۳۔ مرتب)

## آیت:5

## ﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾ ﴾

| ھ د ی |
|---|

(ض) هُدًى، هِدَايَةً لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ راستہ بتانا۔ اس کا استعمال ہمیشہ خیر ونیکی کے معنوں میں ہوتا ہے۔ ھُدًی، دراصل مصدر ھُدَیٌ تھا جو قاعدے کے مطابق ھُدًی بنا۔ یہ مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے یعنی تینوں اعرابی حالتوں میں ھُدًی ہی رہتا ہے (لیکن اس کو مبنی کہتے نہیں)۔ اس پر جب لام تعریف داخل ہو تو تینوں اعرابی حالتوں میں اَلْھُدٰی استعمال ہوتا ہے۔ ہدایت کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی۔ ھُدًی کے ساتھ دوسرے مفعول کی تین صورتیں ہیں (۱) مفعول ثانی بغیر صلہ کے آتا ہے جیسے آیتِ زیر مطالعہ میں ہے۔ (۲) مفعول ثانی اِلٰی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ ﴾ (3/آل عمران:101) ''اور جو مضبوطی سے پکڑے گا اللہ کو تو لازماً اُس کی راہنمائی کی جائے گی ایک سیدھے راستے کی طرف۔'' (۳) مفعول ثانی ''لِ'' کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۚ﴾ (7/الاعراف:43) ''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پہنچایا ہم کو یہاں تک۔'' ھُدًی مبنی ہونے کے باوجود جب مضاف بنتا ہے تو اس کی تنوین ختم ہو جاتی ہے جیسے: ﴿ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ﴾ (2/البقرۃ:120) ''آپ فرما دیجیے، بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔''

ہدایت کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے:

(۱) راستہ سمجھا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام دو طرح سے کیا ہے (الف) فطری راہنمائی یا فطری ہدایت۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ ہر جاندار چیز میں ودیعت کر رکھی ہے۔ مثلاً بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں کی طرف لپکنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:50) ''موسیٰ نے جواب دیا'' ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔'' (ب) وہ راہنمائی جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے کی۔ پیغمبروں نے انسانوں کے لیے اچھے اور برے راستے کی خوب اچھی طرح سے وضاحت کر دی اور نیکی اور بدی کا راستہ سمجھا دیا۔ وہ نیکی کے راستے کی طرف دعوت دیتے اور بدی کے راستے کو چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ﴾ (32/السجدۃ:24) ''اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے (دین کے) پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے۔'' میں ہدایت کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۲) راستے کی درستگی پر دل کو کھول دینا یعنی توفیق دے دینا۔ یہ توفیق ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے ﴿ وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰٮهُمۡ تَقۡوٰٮهُمۡ ﴿۱۷﴾ ﴾ (47/محمد:17) ''رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔'' ﴿ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ﴾ (64/التغابن:11) ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اُس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔''

(۳) منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۚ﴾ (7/الاعراف:43) ''اور وہ کہیں گے کہ ''تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔'' ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ۚ﴾ (10/یونس:9) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک

عمل بھی کیے اُن کا پروردگار اُنہیں پہنچادے گا (اُن کی منزل تک) بوجہ اُن کے ایمان کے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پہنچائے گا اُنہیں اُن کا رب (منزل مقصود تک) اُن کے ایمان کے باعث۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

سورہ یونس کی آیت نمبر 9 کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''اس میں لفظ ہدایت آیا ہے جس کے مشہور معنی راستہ بتلانے اور دکھلانے کے ہیں، اور کبھی منزل مقصود تک پہنچا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس مقام پر یہی معنی مراد ہیں اور منزل مقصود سے مراد جنت ہے جس کی وضاحت بعد کے الفاظ میں ہوگئی ہے۔''

ایک انسان کسی دوسرے کو صرف دعوت الی الخیر اور راہنمائی کے ذریعہ ہی ہدایت کرسکتا ہے باقی اقسام ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں لہٰذا جن آیات میں ہدایت کی نسبت پیغمبر یا کتاب یا دوسرے انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں صرف راہ حق کی طرف راہنمائی کرنا مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (42/الشوریٰ:52) ''اور بیشک آپؐ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔'' ﴿وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (13/الرعد:7) ''اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے۔'' اور جن آیات میں پیغمبروں یا دوسرے لوگوں سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں باقی اقسام ہدایت مراد ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (28/القصص:56) ''اے نبی ﷺ! آپؐ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' اور قرآن میں جہاں کہیں ظالموں اور کافروں کو ہدایت سے روک دینے کا ذکر آیا ہے وہاں یا تو ہدایت بمعنی توفیق خاص جو ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا ہوتی ہے ان سے سلب کر لی جاتی ہے اور یا ہدایت بمعنی یہ کہ اللہ اُنہیں آخرت میں ثواب کی طرف ہدایت نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں جنت میں داخل کرے گا چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (9/التوبۃ:19) ''اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔'' ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (16/النحل:107) ''اور یہ کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ویسے تو ہدایت کا استعمال ہمیشہ خیر اور نیکی کے معنوں میں ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں طنزاً کافروں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (37/الصّٰفّٰت:23) ''پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔'' یہ اُسی طرح ہے جیسے فرمایا: ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (84/الانشقاق:24) ''لہٰذا! ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔'' اس میں عذاب کے لیے بشارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ھدی یھدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کے معنی ظاہر ہونا، واضح ہونا، روشن ہونا بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً: ﴿اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ (7/الاعراف:100) ''کیا اُن لوگوں پر جو اب زمین کے وارث ہیں بعد اُس کے سابق باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اُنہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتے اُن کے گناہوں کے عوض میں۔'' آیت کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں ''ہدایۃ کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تَبْيِيْنٌ کے یعنی روشن و واضح ہو جانے کے۔ اِنَّمَا عُدِّيَ يَهْدِ بِاللَّامِ بِمَعْنٰى يُبَيِّنُ (بیضاویؒ)۔''

ھُدًی مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے بمعنی ہدایت۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾ (2/البقرۃ:16) ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی گمراہی، ہدایت کے بدلے۔'' ھُدًی، بمعنی اَلْهَادِيْ، ہدایت دینے والا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا ترجمہ بعض بزرگوں نے اسی معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو'' اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔''

اِھْدِ ج: اِھْدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو راہنمائی کر۔ تو ہدایت دے۔ اِھْدِ، آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔ اور ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (37/الصافات:23) ''پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔''

**هُدِيَ** ج: هُدُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اُسے ہدایت دی گئی۔ اس کی راہنمائی کی گئی۔ ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (3/ آل عمران:101) ''جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لے تو بلاشبہ اُسے راہ راست دکھا دی گئی ہے۔'' ﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (22/ الحج:24) ''اُن کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کر دی گئی۔''

**هَادٍ** اسم الفاعل ہے۔ راہنمائی کرنے والا۔ ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (13/ الرعد:7) ''اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔'' هَادٍ، جب مضاف ہو تو کبھی اسے 'ی' کے ساتھ لکھا جاتا ہے یعنی بِهٰدِي الْعُمْيِ (النمل:81) اور کبھی 'ی' کے بغیر لکھا جاتا ہے یعنی بِهٰدِ الْعُمْيِ (الروم:53)۔ هَادٍ کو حالت نصب میں هَادِيًا لکھا جاتا ہے (الفرقان:31)۔ هَادٍ جب لائے نفی جنس کا اسم ہو تو هَادِيَ لکھا جاتا ہے (الاعراف:186)۔

**اَهْدٰى** اَفْعَلُ التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا ترجمہ ''زیادہ راہ پانے والا، زیادہ ہدایت یافتہ'' کیا جاتا ہے۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (4/ النساء:51) ''اور وہ لوگ کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بلحاظ راستے کے۔''

(تفعیل) **تَهْدِيَةٌ** تَهْدِيَةٌ، تَفْعِلَةٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ کسی چیز کو کسی تک پہنچا دینا۔ تحفہ دینا۔

**هَدِيَّةٌ** اسم ذات ہے۔ تحفہ۔ ﴿وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ﴾ (27/ النمل:35) ''اور میں بھیجنے والی ہوں انؑ کی طرف ایک تحفہ۔''

**هَدْيٌ** هَدْيٌ کا لفظ خاص کر اس جانور پر بولا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف (ذبح کے لیے) بھیجا جائے۔ اخفش نے اس کا واحد هَدْيَةٌ لکھا ہے۔ نر کی طرح مادہ جانور پر بھی ہدی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مصدر ہے۔ جو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (2/ البقرۃ:152) ''اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے۔'' ایسے جانور جس شخص کے پاس ہوتے تو عرب کا معمول تھا کہ اُس کو کچھ نہ کہتے اور وہ امن کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کرتا اس لیے ہدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوئی۔

(افتعال) **اِهْتِدَاءً** ہدایت پانا۔ لیکن یہ لفظ خاص اُس ہدایت پر بولا جاتا ہے جو انسان اپنے اختیار سے حاصل کرے۔ ﴿فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (3/ آل عمران:20) ''پس اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یہ لوگ یقیناً ہدایت پائیں گے۔'' کبھی اس کے معنی طلب ہدایت کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (2/ البقرۃ:150) ''اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔'' اور کبھی اِس کے معنی سمجھنے کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (27/ النمل:41) اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اُس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا اُن لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں۔'' (واللہ اعلم)

نوٹ: قرآن مجید میں يَهْتَدِيْ کو يَهِدِّيْ بھی پڑھا گیا ہے۔ مثلاً ﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى﴾ (10/ یونس:35) ''پھر بھلا بتاؤ، جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الّا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟'' اصل میں يَهْتَدِيْ قاعدے کے مطابق يَهَدِّيْ بنتا ہے لیکن 'ھ' پر زیر پڑھنا بھی جائز ہے۔

**مُهْتَدٍ** ج: مُهْتَدُوْنَ، مُهْتَدِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ہدایت یافتہ۔﴿ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (57/الحدید:26) ''اور ان میں کوئی ہدایت پانے والا ہے اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔'' ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:157) ''اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:16) ''اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔'' مُهْتَدٍ اصل میں مُهْتَدِیٌ تھا جو کہ قاعدے کے مطابق مُهْتَدٍ بن گیا۔ اس پر 'ال' داخل کریں تو یہ اَلْمُهْتَدِیُ بنتا ہے جو کہ پھر 'ی' ساکن کے ساتھ اَلْمُهْتَدِیْ لکھا جاتا ہے (الاعراف:178) اور کبھی اس 'ی' کو حذف کر کے اَلْمُهْتَدِ لکھا جاتا ہے (بنی اسرائیل:97)۔

**هُدًى اور هِدَايَةٌ میں فرق:** اَلْهُدٰى اور هِدَايَةٌ اگرچہ لغۃً ہم معنی ہیں لیکن قرآن پاک نے هُدًى کا لفظ خاص کر ہدایت الٰہی کے لیے استعمال کیا ہے اور کسی انسان کی طرف اس کی نسبت نہیں کی چنانچہ فرمایا: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:2) ''خدا سے ڈرنے والوں کی راہنما ہے۔'' ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ ﴾ (2/البقرۃ:38) ''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے۔'' ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ (2/البقرۃ:120) ''صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔'' (مفردات القرآن)

| س ر ط |
|---|

(ن۔س) سَرَطًا۔ سَرَطَانًا نگلنا۔

**سِرَاطٌ** ج: سُرُطٌ اور صُرُطٌ۔ آسان راستہ۔ صاف کھلا راستہ۔ 'س' 'ط' کی وجہ سے 'ص' پڑھی جاتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اِس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واضح رہے کہ صِرَاطٌ اصل میں سِرَاطٌ ہے۔ اس میں س کا ص سے قلب (بدل جانا) ہے تا کہ اطباق (موٹا ہونا۔ تجوید کی اصطلاح) میں طا کے مطابق ہو جائے۔ اس کی اصل سَرَطْتُ الطَّعَامَ سے ہے جس کا استعمال کھانے کے نگلنے کے لیے ہوتا ہے گویا سراط میں اس کا تصور ہے کہ رہرو (راستہ چلنے والا) راہ کو نگل لیتا ہے یا راستہ رہرو کو ہڑپ کر جاتا ہے۔'' (لغات القرآن)

| ق و م |
|---|

(ن) **قِيَامًا** (۱) یہ مصدر ہے مطلب ہے: کھڑا ہونا۔ ٹھہرنا۔ نگرانی یا حفاظت کرنا۔ اٹھنا۔

(۲) یہ قَائِمٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے کھڑے ہونے والے۔﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴾ (25/الفرقان:64) ''اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔'' اس آیت میں حضرت درویشؒ نے قِيَامٌ کو قَائِمٌ کی جمع لکھا ہے۔

(۳) یہ اسم ذات بھی ہے مطلب وہ چیز جس پر کھڑا ہوا جائے۔ جیسے کِتَابٌ وہ چیز جس پر لکھا جائے۔ جس سے کسی چیز کی بقا وابستہ ہو۔ وہ چیز جس کے سہارے کوئی قائم رہ سکے۔ قرآن مجید میں مال کو قیام اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ (4/النساء:5) ''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو۔'' ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ (5/المائدۃ:97) ''اللہ نے مکانِ محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا۔''

**قِيَامَةٌ** مصدر ہے۔ ایک بار کھڑے ہونا۔ اچانک اٹھ کھڑے ہونا۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے مرنے کے بعد، جزا اور سزا کے لیے، دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہونا۔ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ﴿ وَيَوْمَ

الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾(2/البقرۃ:85)''اور قیامت کے دن (یعنی دوبارہ کھڑے ہونے کے دن) وہ لوٹائے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔''

**قَآئِمٌ** ج: قِیَامٌ اور قَآئِمُوْنَ ۔اسم الفاعل ۔کھڑا ہونے والا ۔نگرانی کرنے والا ۔قیام کرنے والا ۔﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ ﴾(13/الرعد:33)''تو کیا وہ جو نگرانی کرنے والا ہے ہر نفس (کے عمل) کی جو اس نے کمایا۔''

**قُمْ** ج: قُوْمُوْا ۔فعل امر ہے۔ تو کھڑا ہو۔﴿ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴾(73/مزمل:2)''کھڑے ہو جایئے رات کو (نماز کے لیے) مگر تھوڑا۔''﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴾(2/البقرۃ:238)''اور کھڑے رہو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔''

**قَوَّامٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ۔ ذمہ دار ۔کفیل ۔ قَوَّامٌ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی ادارے، نظام یا فرد کے معاملات کو درست حالت میں چلانے، اُس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے اور اُس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اِس لیے اردو میں اِس کا ترجمہ عموماً حاکم کیا جاتا ہے۔﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾(4/النساء:34)''مرد حفاظت کرنے والے، ذمہ دار ہیں عورتوں پر۔''﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾(4/النساء:135)''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے گواہ بنو۔''

**قَیُّوْمٌ** فَیْعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ اصل میں قَیْوُوْمٌ تھا۔ صرفی تعلیل کے بعد قَیُّوْمٌ بن گیا۔ اس کا مصدر قِیَامٌ ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ ذات جو از خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:''اَلْقَیُّوْمُ: اَلْقَائِمُ بِتَدْبِیْرِ خَلْقِهٖ مِنْ اِنْشَاءِهِمْ اِبْتِدَاءً وَاِیْصَالِ اَرْزَاقِهِمْ اِلَیْهِمْ یعنی وہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقاء کی تدبیر فرمانے والی ہے۔﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾(2/البقرہ:255)''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔''

**قَیِّمٌ، قَیِّمَةٌ** یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی ہے ایسا سیدھا جس میں ذرا بھی کجی یا ٹیڑھا پن نہیں یا ایسا صحیح جس میں ذرا بھی غلطی کا امکان نہیں۔ قائم یا ثابت چیز ۔سیدھی چیز ۔درست کرنے والا۔ ﴿ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ﴾(9/التوبۃ:36)''یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔''﴿ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ۭ﴾(98/البینۃ:5)''یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔'' الدِّیْنُ الْقَیِّمُ کے بارے میں امام راغبؒ نے لطیف توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں:''ایسا دین جو معاش و معاد اور دنیا و آخرت کو درست کرنے والا ہے۔'' گویا امام راغبؒ کے نزدیک قَیِّمٌ بمعنی مُقَوِّمٌ (باب تفعیل سے اسم الفاعل۔ درست کرنے والا) ہے۔ (بحوالہ لغات القرآن)﴿ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ﴾(18/الکہف:2)''(اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تا کہ ڈرائے سخت گرفت سے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''قَیِّمٌ: دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل، معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۶۲۷)

**اَقْوَمُ** افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ درست رکھنے والا۔ زیادہ قائم رکھنے والا۔ بالکل سیدھا۔﴿ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ ﴾(2/البقرۃ:282)''اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو۔''﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ﴾(17/بنی اسرائیل:9)''بے شک یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔''

**مَقَامٌ** اسم الظرف ہے مَفْعَلٌ کے وزن پر۔ کھڑے ہونے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ ﴾(2/البقرۃ:125)''اور تم لوگ بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔'' یہ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ ﴾(10/یونس:71)''اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور میری نصیحت۔''

| | | |
|---|---|---|
| | قِيَمٌ | (۱) صفت ہے۔ یا (۲) قِيَامٌ کا مخفف ہے۔ مطلب ہے درست، صحیح، دنیا اور آخرت کو درست کرنے والا۔ ﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (6/الانعام:161) ''دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا۔'' |
| | قَوَامٌ | اسم ہے۔ اسراف اور بخل کے درمیان حد اوسط، معتدل، میانہ، متوسط۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (25/الفرقان:67) ''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔'' |
| | قَوْمٌ | کسی جگہ یا کسی صفت پر قائم رہنے والے افراد کا گروہ۔ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (2/البقرہ:118) ''ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو یقین رکھنے والے گروہ کیلئے۔'' |
| (افعال) | اِقَامَةً، اِقَامًا | کھڑا کرنا۔ سیدھا کرنا۔ کسی چیز کو قائم و دائم رکھنا۔ ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ (5/المائدہ:55) ''جو لوگ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔'' ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ﴾ (21/الانبیاء:73) ''اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اِقَامٌ بھی دراصل باب افعال کا مصدر اِقَامَةٌ ہے۔ تخفیف کے لیے 'ۃ' کو آخر سے حذف کر دیا۔ |
| | مُقِيْمٌ | ج: مُقِيْمُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قائم رکھنے والا۔ ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ (4/النساء:162) ''اور نماز کو قائم رکھنے والے۔'' |
| | مُقَامٌ، مُقَامَةٌ | اسم المفعول جو بطور اسم الظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ کھڑا کیا ہوا۔ کھڑے کیے جانے کی جگہ۔ ٹھہرائے جانے کی جگہ۔ ﴿لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا﴾ (33/الاحزاب:13) ''تمہیں ٹھہرائے جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے پس واپس چلو۔'' ﴿الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (35/فاطر:35) ''جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا۔'' |
| | اَقِمْ | ج: اَقِيْمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم و دائم رکھ۔ تو سیدھا رکھ۔ ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾ (10/یونس:105) ''اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو اپنا رخ سیدھا رکھ اِس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے۔'' ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:43) ''اور قائم کرو/ قائم رکھو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔'' |
| (تفعیل) | تَقْوِيْمًا | کسی چیز کی بنیاد کو درست کرنا، ٹھیک کرنا، اعتدال پیدا کرنا (تعدیل کرنا)۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (95/التین:4) ''یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو سب سے اچھے تناسب و تعدیل میں۔'' |
| (استفعال) | اِسْتِقَامَةً | اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ کوئی کجی یا کسی طرف جھکاؤ نہ ہو۔ سیدھا ہونا۔ ڈٹ جانا۔ قائم رہنا۔ سیدھا چلنا۔ دین پر ڈٹ جانا اور استقامت اختیار کرنا کے معنی حضرت عمر فاروقؓ نے اِن الفاظ میں بیان کیے ہیں: ''اَلْاِسْتِقَامَةُ اَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَلَا تَرُوْغَ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اور یہ کہ اُس سے اِدھر اُدھر راہِ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔'' (بحوالہ معارف القرآن) |
| | مُسْتَقِيْمٌ | اسم الفاعل ہے۔ ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک ہو کر سیدھا ہونے والا۔ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک یعنی سیدھا۔ |
| | اِسْتَقِمْ | ج: اِسْتَقِيْمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔ ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ (42/الشوریٰ:15) ''تو قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھ کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ (9/التوبۃ:7) ''سو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے لیے (معاہدہ پر) تم بھی قائم رہو اُن کے لیے۔'' |

**ترکیب**
اِھْدِ ثلاثی مجرد سے فعل امر ہے۔ اِھْدِ کے دو مفعول ہوتے ہیں کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی، یہاں نَا ضمیر مفعولی، مفعول اول ہے اور مفعول ثانی مرکب توصیفی اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے۔

**ترجمہ**

| اِھْدِ | نَا | الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ |
|---|---|---|
| تو ہدایت دے | ہم کو | سیدھے راستے کی |

**نوٹ۔1**
اِھْدِ یہاں پر ہدایت کے جامع مفہوم میں ہے۔ یعنی تو سیدھا راستہ ہمیں سمجھا دے۔ اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر چلا کر ہمیں منزل تک پہنچا دے۔ علماء کرام اور بزرگانِ دین جب نماز میں یہ آیت پڑھتے ہیں تو ان کی دعا دراصل توفیق اور منزل تک پہنچنے کے لئے ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے معارف القرآن دیکھیں۔

## آیت: 6

## ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۝﴾

**اَلَّذِیْنَ**
اَلَّذِیْ واحد اور اَلَّذِیْنَ جمع ہے۔ یہ دونوں مبنی ہیں۔ لیکن اس کا تثنیہ قاعدہ کے مطابق اَللَّذَانِ اور اَللَّذَیْنِ آتا ہے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اَلَّذِیْ اور اَلَّذِیْنَ ایک لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے جبکہ اس کا تثنیہ عموماً دو لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ البتہ قرآن مجید کے املا پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 16 میں اَلَّذٰنِ ایک لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

**ن ع م**

(ف۔ن) نَعْمَۃً خوشحال ہونا۔ نعمت پانا۔

(س) نُعُوْمَۃً، نَعْمًا سرسبز ہونا۔ تروتازہ ہونا۔

نَعْمَۃٌ اور نِعْمَۃٌ اسم ذات ہے۔ نعمت، آرام، آسائش، اچھی حالت۔ ﴿وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ﴾ (73/المزمل:11) ''اور تو چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو نعمت والے ہیں۔'' ﴿وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ﴾ (2/البقرۃ:231) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو۔''

نَعْمَآءُ ج: اَنْعُمٌ اور نِعَمٌ۔ آرام۔ آسودگی۔ اچھی حالت۔ اس کا اُلٹ ضَرَّآءُ ہے۔ ﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ﴾ (11/ھود:10) ''اور اگر ہم چکھائیں اس کو آرام، تکلیف کے بعد۔'' ﴿فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ﴾ (16/النحل:112) ''تو اس نے ناشکری کی اللہ کی (دی ہوئی) نعمتوں کی۔'' ﴿وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً﴾ (31/لقمان:20) ''اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی۔''

نَعِیْمٌ فَعِیْلٌ کا وزن ہے مطلب ہے نِعْمَۃٌ کَثِیْرَۃٌ۔ ہمیشہ خوش حال۔ ہمیشہ تروتازہ۔ آرام۔ راحت۔ ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝﴾ (82/الانفطار:13) ''بیشک نیکوکار ہمیشہ کی خوشحالی میں ہوں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۝﴾ (31/لقمان:8) ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہیں۔''

نَاعِمٌ اسم الفاعل ہے۔ خوش حال ہونے والا۔ تروتازہ۔ ہشاش بشاش۔ ﴿وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۝﴾ (88/الغاشیہ:8) ''کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔''

**نَعَمٌ** ج: اَنْعَامٌ۔ مویشی۔ چوپائے (یہ اللہ کی نعمت ہیں)۔﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾(5/المائدہ:95)''تو بدلہ ہے ویسا ہی جو اس نے قتل کیا مویشی میں سے۔''چوپاؤں میں سے انعام یعنی مویشی ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جن کے پیر کے سُم (چوپائے کا کُھر) چرے ہوتے ہیں اور وہ کچلیاں (کُچلی کی جمع۔نوک دار دانت) اور پنجے نہیں رکھتے اور نہ ہی انسان پر حملہ کرتے ہیں۔حیوانی غذا کی بجائے نباتاتی غذا کھاتے ہیں اور جگالی کرتے ہیں۔اصل میں **نَعَمٌ** کا لفظ خاص اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے اِس لیے کہ وہ عربوں کے لیے سب سے بڑی نعمت تھے۔اِس کی جمع انعام آتی ہے لیکن انعام میں باقی جانور مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، نیل گائے وغیرہ بھی شامل ہیں۔مگر ان جانوروں پر انعام کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اِس میں اونٹ بھی شامل ہو وگرنہ نہیں۔گھوڑے، گدھے، شیر، وغیرہ انعام نہیں ہیں۔شائد یہی وجہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 14 میں گھوڑوں کو انعام میں شامل نہیں کیا گیا اور ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾(3/آل عمران:14)

**نِعْمَ و نِعِمَّا** مدح یعنی تعریف کے الفاظ ہیں۔کیسا اچھا۔کتنا عمدہ۔﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴾(8/الانفال:40)''پس تم لوگ جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے تو کیسا اچھا حمایتی اور کیسا اچھا مددگار ہے۔''﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ﴾(2/البقرۃ:271)''اگر تم لوگ علانیہ صدقہ دو تو کیسا اچھا ہے یہ۔''

**نَعَمْ** ہاں۔﴿ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۚ﴾(37/الصافات:18)''آپ ﷺ کہیے ہاں اور تم لوگ ذلیل ہو گے۔''

(افعال) **اِنْعَامًا** خوش حال کرنا۔نعمت دینا۔اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔﴿ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ﴾(1/الفاتحہ:6)''تو نے نعمت دی جن کو۔''اِنعام کے معنی ہیں وہ کیفیت جسے انسان لذیذ پاتا ہے پھر اس کا استعمال ان اشیاء پر ہونے لگا جو اس لذت کا سبب بنتی ہیں۔اس لفظ کا استعمال صرف انسانوں کے لیے ہوتا ہے غیر انسان کے لیے نہیں۔مثلاً عربی میں یوں نہیں کہتے اَنْعَمَ عَلٰی فَرَسِہٖ اُس نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا اور نہ ہی یہ لفظ اپنی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(تفعیل) **تَنْعِيْمًا** کسی کو نعمت سے نوازنا۔﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ﴾(89/الفجر:15)''مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزّت اور نعمت دیتا ہے۔''

**ترکیب** صِرَاطَ الَّذِيْنَ میں صِرَاطَ مضاف ہے اور الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ''بدل کل'' ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔اَلَّذِيْنَ اسم موصولہ ہے، آگے جملہ فعلیہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اِس کا صلہ ہے اور صلہ موصولہ مل کر صِرَاطَ کا مضاف الیہ ہے۔اِس لیے حالت جر میں ہے۔اِس بات کو نوٹ کر لیں اگلی آیت میں اِس کی ضرورت پڑے گی۔

**ترجمہ**

| صِرَاطَ الَّذِيْنَ | اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ |
|---|---|
| ان لوگوں کا راستہ | جن پر تو نے انعام کیا |

**نوٹ:** سورۃ النساء کی آیت نمبر 69 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ افراد کی فہرست دے دی ہے اور یہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء کرام اور صالحین پر مشتمل ہے۔

## آیت نمبر:7

## ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ﴾

**غَيْرُ** مختلف چیز، علاوہ چیز۔قرآن مجید میں غَيْرُ کا استعمال چار طور پر ہوا ہے(ا) صرف نفی کے لیے جیسے﴿ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾(28/القصص:50)''یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت نہ ہونے کی صورت میں۔''﴿ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴾(43/الزخرف:18)''اور جو جھگڑے میں

اپنی بات واضح نہ کر سکیں۔'' (۲) لفظِ اِلَّا کی طرح صرف استثناء کے لیے۔ اس صورت میں یہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے۔ جیسے ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (28/القصص:38) ''میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔'' ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ (35/فاطر:3) ''کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے۔'' ﴿فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ﴾ (11/ھود:63) ''سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ (11/ھود:101) ''اور نہیں بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) (۳) اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے صرف ظاہری شکل وصورت کی نفی کے لیے جیسے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ (4/النساء:56) ''جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) (۴) کسی چیز کی مکمل نفی کر کے دوسری چیز کو اس جگہ قائم کرنے کے لیے جیسے ﴿وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ (9/التوبۃ:39) ''تمہاری جگہ اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔'' ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ﴾ (10/یونس:15) ''لے آیئے کوئی دوسرا قرآن اس کے علاوہ۔'' 'غَیْرُ' کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے اور جب فقرے میں غیر کی تکرار کا مقصود ہو تو اس 'غَیْرُ' کی بجائے 'لَا' استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ (31/لقمان:20) ''انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو، یا ہدایت، یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب۔''

**غ ض ب**

(س) **غَضَبًا** انتقام کے لیے دل میں خون کا جوش مارنا۔ غضبناک ہونا۔ غصہ میں ہونا۔ نبی اکرم ﷺ نے غَضَبٌ کی تعریف یوں فرمائی ہے: ((اِتَّقُوْا مِنَ الْغَضَبِ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تُوْقَدُ فِيْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَمْ تَرَوْا اِلٰى انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَيْنَيْهِ)) ''غضب سے بچو کہ وہ آگ کی چنگاری ہے جو ابن آدم کے دل میں جلتی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ایسے شخص کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔'' (بحوالہ مترادفات القرآن، ص ۶۵۲، ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ حدیث مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۶۱۵ پر بھی ہے)۔ غضب الٰہی سے مراد عذاب اور سزا ہے۔ یہ فعل لازم ہے۔ علیٰ کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔

**غَضْبَانُ** فَعْلَانُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ غضبناک۔ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ (7/الاعراف:150) ''اور جب واپس ہوئے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف بہت غضبناک حالت میں اور افسوس کرتے ہوئے۔''

**مَغْضُوْبٌ عَلٰى** لازم افعال کا مفعول اور مجہول نہیں آتا لیکن صلے کے استعمال سے مفعول اور مجہول بن جاتا ہے۔ اسی طرح غ ض ب فعل لازم ہے۔ اس کو متعدی بنانے کے لیے علیٰ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ مَغْضُوْبٌ عَلٰى اسم المفعول ہے۔ مطلب ہے جس پر غضب کیا گیا۔ جب مفعول آئے تو مفعول کی جمع نہیں بنائی جاتی بلکہ علیٰ کے بعد واحد، تثنیہ یا جمع کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مَغْضُوْبٌ واحد ہی رہتا ہے۔ چنانچہ جس پر غضب کیا گیا اگر وہ واحد مذکر ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِ کہیں گے۔ واحد مؤنث ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَيْهَا کہیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

(مفاعلہ) **مُغَاضَبَةٌ** کسی پر ناراض ہونا۔

**مُغَاضِبٌ** اسم الفاعل ہے۔ کسی پر ناراض ہونے والا۔ ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ (21/الانبیاء:87) ''اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر۔''

**ض ل ل**

(ض) **ضَلَالًا وَضَلَالَةً** بنیادی مفہوم ہے سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔ یہ ہدایت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ راستے سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ، اس کو ضلال کہتے ہیں۔ ضلال کا اطلاق مندرجہ ذیل معانی پر ہوتا ہے:

(۱) گمراہ ہونا۔ راہِ حق سے بھٹک کر باطل کی طرف جانا۔ مثلاً: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (1/الفاتحہ:7) ''جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ ہونے والے نہیں۔''

(۲) راستہ کی تلاش میں ہونا۔ حیران و پریشان ہونا۔ مثلاً: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اِس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضال کے معنی حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کردیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہِ فلاح و اصلاح کے لیے بےچین تھے۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۱۱۷۶)

(۳) ناواقف ہونا۔ جب کوئی شخص کسی شے کی حقیقت سے ناواقف ہو تو عرب کہتے ہیں ضَلَّ عَنْهُ۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ (2/البقرة:198) ''اور اس سے قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضالّ ہمیشہ گمراہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے ناواقفیت ہوسکتی ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۰۴)

(۴) گم ہونا۔ ضائع ہونا۔ نیست ہونا۔ چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ۔ پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ (32/السجدة:10) ''اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوگئے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۵) محبت کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴾ (12/یوسف:95) ''گھر والوں نے کہا بخدا (باباجی) آپؑ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''ضَلَال سے مراد، والہانہ محبت کی وہ وارفتگی ہے جو حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے یوسفؑ کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسفؑ کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسفؑ کی محبت دل سے نہیں گئی۔'' امام راغبؒ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ''تو ان آیات (یوسف آیت 8 اور 95) میں ضلال سے مراد یہ ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں اور ان کے اشتیاق میں سرگرداں ہیں اسی طرح آیت کریمہ (یوسف آیت 30) میں بھی ضلال مبین سے والہانہ محبت مراد ہے۔'' ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچادیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اس آیت میں ضَآلًّا کے بارے میں 6 قول نقل کیے ہیں۔ ان میں سے چھٹا قول امام رازیؒ کا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''امام رازیؒ کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبت کما فی قوله تعالیٰ انك فی ضلالك القديم۔ یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔''

(۶) غلطی کے معنی میں۔ ضلال کا لفظ نادانی، خطا یا نادانستگی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ (26/الشعراء:20) ''(موسیٰؑ نے) کہا واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہوگئی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ضلال کا لفظ ارادی وغیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اس ضلال اور اُس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا

فرق ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص ۷۶۳)

(۷) غفلت یا غافل ہونا کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ (20/طٰہٰ:52)
''میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔''

(۸) بھول جانے کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ﴾ (2/البقرۃ:282) ''اور اگر اُن میں سے ایک بھول جائے گی۔'' مفردات القرآن کے مطابق یہاں تَضِلَّ کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ اور یہی وہ نسیان ہے جسے عفو قرار دیا گیا ہے۔

(۹) اس درخت کو بھی عربی میں ضلالۃ کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور آس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔

(۱۰) ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز ناموافق اور ناسازگار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔

(۱۱) ہلاک ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

**ضَالٌّ** ج: ضَآلُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گمراہ ہونے والا۔ راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہونے والا۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴾ (3/آل عمران:90) ''اور وہ لوگ ہی گمراہ ہونے والے ہیں۔'' ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور اس نے پایا آپ ﷺ کو حق کی تلاش میں سرگرداں تو ہدایت دی۔''

(افعال) **اِضْلَالًا** گمراہ کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (4/النساء:113) ''اور وہ لوگ گمراہ نہیں کرتے مگر خود اپنے آپ کو۔'' ﴿ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ ﴾ (47/محمد:4-5) ''تو وہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا (ان کے اعمال کو (بلکہ) وہ ان کو ہدایت دے گا۔''

**مُضِلٌّ** اسم الفاعل ہے۔ گمراہ کرنے والا۔ ﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ﴾ (39/الزمر:37) ''اور جس کو اللہ ہدایت دے تو اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

(تفعیل) **تَضْلِيْلًا** ضائع کر دینا۔ برباد کر دینا۔ ناکام بنا دینا۔ ﴿ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴾ (105/الفیل:2) ''کیا اس نے نہیں کر دیا ان کی خفیہ تدبیر کو برباد۔''

**ترکیب**

غَيْرِ مضاف ہے اور اس کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَلَّذِيْنَ کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے جو محلاً حالت جر میں ہے۔ اَلْمَغْضُوْبِ مضاف الیہ ہے عَلَيْهِمْ جار مجرور مل کر محلاً حالت رفع میں ہیں۔ اَلْمَغْضُوْبِ کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے۔ وَ عطف کا ہے اور آگے لَا زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اَلضَّآلِّيْنَ عطف ہے اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ پر۔

**ترجمہ**

| | |
|---|---|
| غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ | وَلَا الضَّآلِّيْنَ |
| جن پر غضب نہیں کیا گیا | اور جو گمراہ نہیں ہوئے |

**نوٹ:1** سورۃ الفاتحہ کے مطالعہ سے دعا مانگنے کا سلیقہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے پہلے اسکی حمد و ثناء کرنی چاہیے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔ پھر درود شریف پڑھو، اس کے بعد دعا مانگو۔

**نوٹ:2** آمین غیر عربی لفظ ہے۔ اکثریت کی رائے ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ'' یعنی یا اللہ تو ہماری دعا سن اور قبول فرما (حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔ یہ لفظ قرآن مجید کا حصہ نہیں۔ اِس کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سورۃ البقرہ

## آیت : 1-2

﴿ الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ ﴾

**الٓمّٓ**
یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ پڑھنے میں پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے اِن حروف پر کافی کچھ لکھا ہے جو کتب تفاسیر میں سے دیکھا جا سکتا ہے البتہ اِن حروف کے بارے میں حرف آخر یہ ہے کہ ھٰذَا سِرٌّ بَیْنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ یہ وہ راز ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: اِنَّ ھٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ تَبَارَکَ بِہٖ ''بے شک یہ چھپا ہوا علم ہے، اور حجاب میں راز ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔'' حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، ربیع بن خثیمؒ وابو حاتمؒ وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے۔ (قرطبی وابن کثیر، بحوالہ تفسیر ماجدیؒ)

**ذٰلِکَ**
یہ اشارہ بعید ہے۔ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے وہ آگے نوٹ 1 میں دیکھیں۔

**ک ت ب**

(ن) **کَتْبًا اور کِتَابًا** کھال یا چمڑے کے دو ٹکڑوں کو باہم ملا کر سی دینا، جوڑ دینا۔ اسی بنیادی لغوی مفہوم سے پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حروف کو باہم ملا دینا۔ یہ کام بذریعہ تقریر بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے کلام اللہ کو اس وقت بھی کتاب کہا گیا جب قرآن مجید باقاعدہ ضبط تحریر میں نہیں آیا تھا۔ ﴿ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ﴾ (2/البقرۃ:2) اور یہ کام بذریعہ تحریر بھی ہوتا ہے جسے لکھنا کہتے ہیں۔ ﴿ وَ رُسُلُنَا لَدَیۡہِمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ ﴾ (43/الزخرف:80) ''اور ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔'' (۲) پختہ ارادہ کرنا۔ حتمی فیصلہ کرنا۔ ﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ ﴾ (58/المجادلۃ:21) ''اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔'' (۳) لازم کرنا۔ فرض کرنا۔ ان معنوں میں عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ ۙ ﴾ (6/الانعام:54) ''لازم کیا تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو۔'' ﴿ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ ﴾ (2/البقرۃ:183) ''فرض کیا گیا تم لوگوں پر روزہ۔'' (۴) جمانا، نقش کرنا، ثبت کرنا۔

**کِتَابٌ** ج: کُتُبٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً،

(۱) کتاب یا لکھی ہوئی چیز۔ ﴿ یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (4/النساء:153) ''مطالبہ کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل کتاب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتروا دیں اُن پر کتاب آسمان سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿ وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ ﴾ (15/الحجر:4) ''اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اُس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) قانون الٰہی۔ ﴿ وَ لَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡکِتٰبُ اَجَلَہٗ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:235) ''اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ

فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۶۸﴾ (8/الانفال:68) ''اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اُس کے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۳) اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں ہر چیز محفوظ ہے یعنی لوحِ محفوظ۔ ﴿وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ﴿۴﴾﴾ (50/ق:4) ''اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ تفسیر عثمانیؒ میں آیت کے اس حصے کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ''یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتیٰ کہ اُن میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو ''لوح محفوظ'' کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔'' ﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِىۡ كِتٰبٍ﴾ (22/الحج:70) ''یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں۔'' اس آیت میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (عثمانیؒ)

(۴) خط اور پیغام۔ ﴿قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾﴾ (27/النمل:29) ''(بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۵) احکام الٰہی، احکام۔ ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ﴾ (2/البقرۃ:129) ''اے ہمارے پروردگار اِن میں ایک پیغمبر اُنہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور اُنہیں کتاب (الٰہی) اور دانائی کی تعلیم دے اور اُنہیں پاک (وصاف) کرے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت مبارکہ میں اور البقرۃ 151، آل عمران 164، الجمعہ آیت 2 میں کتاب سے عام طور پر احکام الٰہیہ مراد لیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ﴿فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾﴾ (98/البینۃ:3) ''جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے مراد احکام ہیں۔ (بحوالہ ضیاء القرآن)

(۶) لوگوں کے اعمال نامے۔ ﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا﴾ (18/الکہف:49) ''اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن) ﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ (39/الزمر:69) ''کتابِ اعمال لاکر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(۷) اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام۔ اس معنی کے لحاظ سے کبھی تو کتاب کا اطلاق بطور اسمِ جنس تمام آسمانی کتابوں پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ (3/آل عمران:119) ''تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کتبِ آسمانی کو مانتے ہو۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ﴾ (3/آل عمران:23) ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا اُنہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔'' اس آیت میں اَلۡكِتٰبِ اور كِتٰبِ اللّٰهِ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی وکلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ اسی عمومی وکلی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔'' کبھی اس کا اطلاق تورات پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ﴾ (2/البقرۃ:53) ''اور جب ہم نے دی موسیٰؑ کو کتاب۔'' کبھی اِس کا اطلاق انجیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا ﴿قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰٮنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾﴾

(19/مریم:30) ''وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اُس نے نبی کیا۔'' کبھی اِس کا اطلاق مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:113) ''اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں۔'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق آیت میں الکتاب سے مراد مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل مراد ہے جس کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ کبھی اِس کا اطلاق قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب سماویہ پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ (4/النساء:136) ''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے اور اُس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اُس سے قبل نازل کر چکا ہے۔'' اس آیت میں وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''(الْكِتٰبِ) سے مراد یہاں جنس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں۔'' اور کبھی اِس کا اطلاق قرآن مجید پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۖ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴾ (2/البقرۃ:2) ''یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اِس میں نہیں، ہدایت ہے اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لیے۔'' قرآن مجید کی اصطلاح میں اہل کتاب سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود کو تورات دی گئی اور نصاریٰ کو انجیل دی گئی۔

(۸) تحریری معاہدہ یعنی مُكَاتَبَةٌ۔﴿ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ ﴾ (24/النور:33) ''اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(۹) تقدیر کا لکھا یا قسمت میں جو کچھ لکھا ہے۔﴿ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ﴾ (7/الاعراف:37) ''اُنہیں مل جائے گا اُن کا حصہ جو اُن کی قسمت میں لکھا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**مَكْتُوْبٌ** اسم المفعول ہے۔ لکھا ہوا۔ یعنی وہ عبارت جو ضبط تحریر میں لائی گئی یا وہ آواز جو ریکارڈ کی گئی۔﴿ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ﴾ (7/الاعراف:157) ''وہ لوگ پائیں گے اس کو لکھا ہوا اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں۔''

**كَاتِبٌ** اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔﴿ وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرۃ:282) ''اور انکار نہ کرے کوئی لکھنے والا کہ وہ لکھے جیسا کہ اس کو سکھایا اللہ نے۔''

**اُكْتُبْ** فعل امر ہے۔ تو لکھ۔﴿ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ﴾ (2/البقر:282) ''جب بھی تم لوگ آپس میں کوئی ادھار کا معاملہ کرو ایک مقررہ مدت کے لیے تو اسے لکھ لو۔''

(مفاعلہ) **مُكَاتَبَةٌ** باہم خط و کتابت کرنا۔ تحریری معاہدہ کرنا۔ مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں ''لکھا پڑھی'' مگر اصطلاح میں یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے۔ اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے (تفہیم القرآن)۔ معاوضہ کو 'بدلِ کتابت' اور معاہدہ کرنے والے غلام کو مُكَاتَبٌ کہتے ہیں۔ معاوضہ مال کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور مالک کے لیے کوئی خاص خدمت سر انجام دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔

**كَاتِبْ** فعل امر ہے۔ تو خط و کتابت کر۔ تو تحریری معاہدہ کر۔﴿ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ﴾ (24/النور:33) ''تو تم لوگ تحریری معاہدہ کرو ان سے، اگر تم لوگ جانتے ہو ان میں کوئی بھلائی۔''

(افتعال) اِکْتِتَابًا گھڑ کے لکھنا۔ کسی سے لکھوانا۔ ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا﴾ (25/الفرقان:5)''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے، اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

| ر ی ب |

(ض) رَیْبًا کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا۔

رَیْبٌ شک۔ شبہ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے)۔ رَیْبٌ ایسے تردّد اور وہم کو کہتے ہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور ذرا غور کرنے سے ختم ہو جائے۔ وہ شک یا گمان جس کی حقیقت بعد میں اس کے برخلاف منکشف ہو جائے۔ رَیْبٌ کا استعمال جب مَنُوْنٌ (زمانہ) کے ساتھ ہو تو اس سے گردش زمانہ یا حوادث زمانہ مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانہ کی گردشوں کی تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آ جائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَیْبَ الْمَنُوْنِ سے حادثہ موت بھی مراد لی جاتی ہے۔ حادثہ موت میں رَیْبٌ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک وشبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَیْبٌ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردّد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آ جائے۔ عربی زبان میں رَیْبَ الْمَنُوْنِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝﴾ (52/الطور:30)''کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ پھر رَیْبٌ کا لفظ ذہنی اضطراب، تہمت یا سوء ظن کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

رِیْبَةٌ شک۔ شبہ۔ ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (9/التوبۃ:110)''ہمیشہ رہے گا، ان کی عمارت سے جو انہوں نے بنائی، شبہ ان کے دلوں میں''

(افعال) اِرَابَةٌ کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا، تہمت لگانا، بے قرار کرنا، بے چین کرنا، الجھن میں ڈالنا۔

مُرِیْبٌ اسم الفاعل ہے۔ (۱) شک کرنے والا (جو خود بھی شک میں مبتلا ہو اُسے بھی مریب کہتے ہیں) (۲) شک میں ڈالنے والا۔ (۳) بے چین کرنے والا۔ ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ۝﴾ (50/ق:25)''بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شبہ ڈالنے والا۔'' ضیاء القرآن کے مطابق اس آیت میں مریب دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی شک کرنے والا بھی اور شک میں ڈالنے والا بھی۔

(افتعال) اِرْتِیَابًا شک کرنا۔ شبہہ میں پڑنا۔ ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ﴾ (57/الحدید:14)''لیکن تم لوگوں نے خود کو فتنہ میں مبتلا کیا، گومگو میں رہے اور شبہ میں پڑے۔''

مُرْتَابٌ اسم الفاعل ہے۔ شک کرنے والا۔ ﴿كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝﴾ (40/المؤمن:34)''اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے اس کو جو ہے اسراف کرنیوالا شک کرنے والا۔''

| هُدًی (ه د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

| و ق ی |

(ض) وِقَایَةً، وِقَاءً کسی کو تکلیف یا نقصان سے بچانا (یہ فعل ثلاثی مجرد میں متعدی ہے)۔ ﴿وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝﴾ (52/الطور:18)''اور ان کو بچایا ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے۔'' ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ (16/النحل:81)''اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لیے ایسے لباس جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی سے اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**تَقِ** یہ واحد مذکر مخاطب میں مضارع تَتَّقِیْ تھا۔ مجزوم ہونے کی وجہ سے ''ی'' گر گئی۔ ﴿وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ﴾ (40/المؤمن:9) ''اور جس کو تو نے بچایا برائیوں سے اس دن تو یقیناً تو نے رحمت کی اس پر۔''

**قِ** فعل امر ہے۔ تو بچا۔ اس کی گردان قِ۔ قِیَا۔ قُوْا۔ قِیْ۔ قِیَا۔ قِیْنَ آتی ہے۔ ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱﴾ (2/البقرہ:201) ''اور تو بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔''

**وَاقٍ** اسم الفاعل ہے۔ بچانے والا۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴﴾ (13/الرعد:34) ''اور نہیں ہے ان کے لئے اللہ سے کوئی بھی بچانے والا۔''

(افتعال) **اِتِّقَاءً** نقصان یا تکلیف سے بچنا۔ پرہیز کرنا۔ اصطلاحاً ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ (یہ فعل باب افتعال میں لازم ہے)۔ ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫﴾ (4/النساء:77) ''اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ کی ناراضگی سے بچا۔'' اِتَّقٰی فُلَانٌ بِکَذَا کا مطلب ہے کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے بچنے کے لیے ذریعہ بنانا، جس چیز کو بچنے کا ذریعہ بنایا جائے اس پر 'ب' کا صلہ داخل ہوتا ہے، جیسے الزمر آیت 24 میں فرمایا ﴿یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ﴾ یعنی وہ سخت عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بناتا ہے۔

**یَتَّقِ** مضارع مجزوم ہے شرط ہونے کی وجہ سے۔ ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ۙ﴾ (65/الطلاق:2) ''اور جو بچتا ہے اللہ کی ناراضگی سے تو اللہ بناتا ہے اس کے لئے نکلنے کا راستہ۔''

**اِتَّقِ** فعل امر ہے۔ تو بچ۔ ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ﴾ (2/البقرہ:206) ''اور جب کہا جائے اس سے کہ تو بچ اللہ کی ناراضگی سے۔''

**مُتَّقُوْنَ** اسم الفاعل جمع کا صیغہ ہے۔ بچنے والے۔ ﴿وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۱۷۷﴾ (2/البقرہ:177) ''اور وہ لوگ ہی بچنے والے ہیں اللہ کی ناراضگی سے۔''

**اَتْقٰی** افعل التفضیل ہے۔ دوسروں سے یا سب سے زیادہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔ پرہیز گار۔ ﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۷ۙ﴾ (92/اللیل:17) ''اور دور کیا جائے گا اس سے یعنی آگ سے زیادہ پرہیز گار کو۔''

**اَلتَّقْوٰی** پرہیز گاری۔ بچنا۔ تقویٰ۔ اِتَّقٰی سے اسم ہے۔ لغت میں تو تقویٰ کے معنی ہیں نفس کو اس چیز سے بچانا اور حفاظت میں رکھنا کہ جس سے خوف ہو (جَعْلُ النَّفْسِ فِیْ وِقَایَةٍ مِّمَّا یَخَافُ)۔ عرفِ شرع میں ''تقویٰ'' نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے جو گناہ کی طرف لے جائے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۱۷۰)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں ''تقویٰ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔'' تقویٰ پر مزید تفصیل آگے نوٹ 3 میں دیکھیں۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪﴾ (5/المآئدہ:2) ''اور باہم تعاون کرو نیکی اور پرہیز گاری میں۔''

**تُقٰةٌ** (۱) اسم ذات ہے۔ پرہیز گاری۔ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (3/آل عمران:102) ''تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے بچو جیسا کہ حق ہے اس کی ناراضگی سے بچنے کا۔'' (۲) وَقٰی یَقِیْ کا مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔

**تَقِیٌّ** صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ باب افتعال میں فاکلمہ کی ''و'' کو ''ت'' میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس لئے فَعِیْلٌ کے وزن پر وَقِیٌّ کے بجائے تَقِیٌّ اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ۝۶۳﴾ (19/مریم:63) ''یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث

بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو تقویٰ پر دوام کرنے والا تھا۔“

**لَا رَیۡبَ** سورۃ الفاتحہ میں آپ لفظ اَلۡحَمۡدُ میں لام استغراق پڑھ چکے ہیں، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور ہر شکل وصورت کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اب نوٹ کریں کہ رَیۡبَ کے ساتھ جو لَا ہے یہ لائے نفی جنس ہے، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور شکل وصورت کی نفی کرتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اس کی تنوین کو ختم کرتا ہے اور واحد آتا ہے۔ اس لئے لَا رَیۡبَ میں ہر قسم کے شک کی نفی شامل ہے۔

**ترکیب** آیت نمبر2 کی ایک سے زیادہ ترکیبیں ممکن ہیں اور کی بھی گئی ہیں۔ اس کی ایک سادہ اور عام فہم ترکیب یہ ہے کہ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ مرکب اشاری اور مبتداء ہے، لَا رَیۡبَ فِیۡهِ، پورا جملہ اس کی خبر اوّل ہے۔ اس میں لَا، لائے نفی جنس ہے اور رَیۡبَ اس کا اسم اور فِیۡهِ قائم مقام خبر ہے۔ آگے هُدًی خبر ثانی ہے اور لِّلۡمُتَّقِیۡنَ متعلق خبر ہے۔ هُدًی مصدر ہے اور یہاں بمعنی هَادٍ (ہدایت دینے والا) ہے۔ واللہ اعلم۔

| لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝۲ | هُدًی | لَا رَیۡبَ ۚۛ فِیۡهِ ۚۛ | ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ | الٓمّٓ ۚ ۝۱ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے | ہدایت ہے | کوئی شک نہیں ہے اس میں | یہ کتاب | الف لام میم | البقرۃ:1-2 |

**نوٹ۔1** ذٰلِكَ اشارہ بعید ہے۔ اس لحاظ سے ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ کا ترجمہ ”وہ کتاب“ ہونا چاہیے۔ لیکن عام طور پر اس کا ترجمہ یہ ”کتاب“ کیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت حضرت عبدالماجد دریابادیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں ”ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں ”وہ“ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بُعد ہمیشہ بُعد مکان یا بُعد زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعد منزلت وعلوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور هٰذَا کے مقابلہ میں ذٰلِكَ اسی بلندئ منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔“ (تفسیر ماجدیؒ، ص۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ”ذٰلِكَ اگرچہ عام طور پر اُس مشارٌ الیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دُور ہو لیکن ایسے مشارٌ الیہ کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حسًا تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رُتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دُور ہو۔ اس لیے ترجمہ میں قربِ حسی اور بُعدِ رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے ”یہ ذی شان کتاب“ (ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۹)

رُتبہ کی بلندی ظاہر کرنے کے لئے اشارہ بعید کے استعمال کی قرآن مجید میں ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔ جیسے ﴿ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا ؕ﴾ (2/البقرۃ:187) ﴿ تِلۡكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ﴾ (2/البقرۃ:252) ﴿ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ﴾ (29/العنکبوت:43) لیکن سورۃ یوسف کی آیات (31-32) میں اس کا فوری تقابل سامنے آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق عزیزِ مصر کی بیوی کے رویہ کی جب شہرت ہوئی اور شہر کی خواتین نے اس پر ملامت کی، تو اس نے خواتین کو بلایا اور یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کیا۔ ان کی شکل وصورت کی خوبی کی تعریف میں انہوں نے کہا یہ کوئی بشر نہیں ہے۔ لیکن چونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے کردار کی بلندی سے واقف نہ تھیں، اس لئے ان کے قول میں اشارہ قریب استعمال ہوا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے جواب میں کہا کہ یہ ہے جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ چونکہ اسے یوسف علیہ السلام کی عظمت کا تجربہ تھا، اس لیے اس کے قول میں اشارہ بعید آیا۔ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیۡ لُمۡتُنَّنِیۡ فِیۡهِ۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں ”لفظ ذٰلِكَ کسی دُور کی چیز کی طرف اشارے کے لیے آتا ہے اور کِتَابٌ سے مراد قرآن کریم ہے، رَیۡب کے معنی شک وشبہ، معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارۂ بعید کا نہیں تھا، کیونکہ اسی قرآن کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے ہے، مگر اشارۂ بعید سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جس صراطِ مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست کا جواب بصورتِ قبولیت اور صراطِ مستقیم کی تشریح وتفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے یہ دعا سن لی اور قرآن بھیج دیا، جو ہدایت کا آفتاب ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے، سمجھے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ (معارف القرآن، ج۱، ص۱۰۷)

**نوٹ۔2** قرآن کو ﴿ هُدًی لِّلنَّاسِ ﴾ (2/البقرۃ:185) کہا گیا ہے یعنی قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ لیکن یہاں اسے هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کہا گیا ہے۔ یعنی قرآن صرف متقی لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔ اس وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن میں بالقوہ (Potentially) ہدایت موجود ہے جو ہر شخص کیلئے ہے۔ لیکن اس سے بالفعل ہدایت صرف وہ لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی

ناراضگی سے بچنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے پنجاب یونیورسٹی کے دروازے ہر شخص کیلئے کھلے ہوئے ہیں لیکن اس میں داخلہ کے لئے بی۔اے ہونا ضروری ہے۔ پھر داخلہ ملنے کے بعد بھی یہاں سے علم صرف وہ حاصل کرتا ہے جو فیس ادا کرے اور نظم کی پابندی کرے، ورنہ داخلہ ملنے کے بعد بھی محروم رہتا ہے۔ (از محترم جناب لطف الرحمٰن خان صاحب)۔ ''قرآن حکیم کے ایک طرف ھدی للعالمین اور ھدی للناس ہونے اور دوسری طرف ھدی للمتقین یا للمومنین ہونے پر ایک عالم کی بات بہت اچھی لگی کہ پہلی تعبیر میں استحقاق بتانا مقصود ہے جبکہ دوسری تعبیر میں افادیت بتانا مقصود ہے کہ استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت مومنین و متقین کے حق میں ظاہر ہوگی جیسے کسی گاؤں یا کالونی میں بجلی کے کھمبے لگ کر بجلی کی سپلائی ہو جانے پر اس سے فائدہ اٹھانے کا استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت اسی کے حق میں ظاہر ہوگی جو میٹر لگوا کر کنکشن حاصل کرے گا۔ (مفتی سعید صاحب)

**نوٹ۔3**

**تقویٰ:** تقویٰ کا لفظ ہماری دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے وہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (49/ الحجرات:13) ''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

**تقویٰ کی تعریف:** ''تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گئی لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پُر ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کئی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیا اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے، اس لیے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے، اسی کا نام تقویٰ ہے۔'' (معارف القرآن، ج۲ص۲۴۱)۔ قرآن مجید میں جو بار بار آتا ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ تو اس کے معنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ یوں بیان کرتے ہیں: ''بہرحال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔'' (تفسیر عثمانی ص۱۵۰)

**حق تقویٰ کیا ہے:** سورۂ آل عمران، آیت 102 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔'' حق تقویٰ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیعؒ اور قتادہؒ اور حسن بصریؒ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے: حَقَّ تُقٰتِهٖ هُوَ اَنْ یُّطَاعَ فَلَا یُعْصٰی وَ یُذْکَرَ فَلَا یُنْسٰی وَ یُشْکَرَ فَلَا یُکْفَرَ (بحر محیط) ''حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔'' (معارف القرآن، ج۲ص:۱۲۷)

**تقویٰ کے درجات:** ''تقویٰ کے کئی درجات ہیں، ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا (اور ایمان لانا ہے)۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے، اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنی کے لیے بھی قرآن میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقویٰ استعمال ہوا ہے۔ دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں، تقویٰ کے فضائل و برکات جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔ تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، کہ اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔ (معاف القرآن، ج۲ص۱۲۷)

**تقویٰ کے انعامات:** تقویٰ کے انعامات خود قرآن مجید نے سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 2، 3، 4، 5 میں بیان کر دیے ہیں۔ ﴿ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴾ ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔'' ﴿ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾ ''اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے اس

کے لیے وہ کافی ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝﴾ ''جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝﴾ ''جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کی برائیوں کو اُس سے دُور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔'' اسی طرح الانفال کی آیت 29 میں فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

روزہ، تقویٰ کے حصول کا ذریعہ: اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت 183 میں فرماتے ہیں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ۙ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

تقویٰ سے قریب اعمال: قرآن مجید میں دو کاموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تقویٰ سے قریب ہیں (۱) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 237 میں فرمایا ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ﴾ ''اور (اے اہل حق) تمہارا (اپنے حقوق کو) معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے، اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے) (ترجمہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) (۲) سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 8 میں فرمایا ﴿ اِعْدِلُوْا ۪ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ''انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔'' (ترجمہ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

تقویٰ کی جگہ: تقویٰ کی جگہ سینہ یعنی دل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا، التَّقْوٰى هٰهُنَا یعنی پرہیزگاری اس جگہ ہے۔ (پوری حدیث مبارکہ کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۴۹۳، حدیث نمبر ۱۳)

## آیت: 3

## ﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ۙ﴾

**ء م ن** سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈکشنری المنجد کے مطابق مادہ ''ء م ن'' اگر باب سَمِعَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ''مطمئن ہونا'' اور اگر باب ضَرَبَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ''بھروسہ کرنا، اعتبار کرنا۔'' لیکن قرآن مجید میں یہ مادہ تینوں معانی میں باب سمع سے آیا ہے، اس لئے تینوں معانی باب سمع کے تحت دیئے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(س) اَمَنَةً۔ اَمْنًا۔ اَمَنًا۔ اَمَانًا

(1) مطمئن ہونا۔ امن میں ہونا (لازم)۔ ﴿ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ﴾ (2/البقرۃ:196) ''پس جب تم امن میں ہو تو جس نے فائدہ اُٹھایا عمرہ کا حج تک تو (اس پر واجب ہے) جو میسر ہو قربانی کے جانوروں میں سے۔''

(2) کسی معاملہ میں کسی پر بھروسہ کرنا (متعدی)۔ ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ﴾ (3/آل عمران:75) ''اور اہل کتاب میں وہ بھی ہے کہ اگر تو بھروسہ کرے اس پر ڈھیروں (چیز یا امانت) کے بارے میں تو وہ ادا کرے گا اس کو تیری طرف۔''

(3) کسی کی بات کا اعتبار کرنا۔ ﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ (12/یوسف:64) ''اس نے یعنی یعقوبؑ نے کہا کیا میں اعتبار کروں تم لوگوں کا اس کے بارے میں سوائے اس کے کہ جیسے میں نے اعتبار کیا تم لوگوں کا اس کے بھائی کے بارے میں اس سے پہلے۔''

(4) کسی چیز سے نڈر رہنا۔ بے خوف ہونا۔ بے فکر رہنا۔ ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ﴾ (67/الملک:16) ''کیا تم اِس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے وہ کہیں تم کو زمین میں دھنسا نہ دے۔''

﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:97) ''تو کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری سختی آئے اُن پر رات کے وقت اس حال میں کہ وہ سوئے ہوں؟''

**اَمَنَةٌ** مصدر کے علاوہ اسم بھی ہے مطلب ہے امن۔ چین۔ ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ﴾ (3/آل عمران:154) ''اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔''

**مَاْمُوْنٌ** اسم المفعول ہے۔ جس سے بے خوف ہوا جائے، نڈر ہوا جائے۔ ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴾ (70/المعارج:28) ''بے شک اُن کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے کوئی بے خوف ہو۔''

**اٰمِنٌ** ج: اٰمِنُوْنَ ۔ مونث: اٰمِنَةٌ ۔ اسم الفاعل ہے۔ امن والا۔ پُر امن۔ ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ (2/البقرہ:126) ''اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب! تو بنا دے اس کو امن والا شہر۔'' یعنی پُر امن شہر۔

**مَاْمَنٌ** مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ امن کی جگہ۔ ﴿ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾ (9/التوبۃ:6) ''پھر تم پہنچا دو اس کو، اس کے امن کی جگہ۔''

(ک) **اَمَانَةٌ** امانت دار ہونا۔

**اَمَانَةٌ** ج: اَمَانَاتٌ۔ امانت۔ ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ ﴾ (33/الاحزاب:72) ''بیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ (23/المؤمنون:8) ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

**اَمِيْنٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ امانتدار۔ امن والا۔ ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴾ (26/الشعراء:107) ''بیشک میں تم لوگوں کے لئے امانتدار رسول ہوں۔''

(افعال) **اِيْمَانًا** یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لازم ہو تو معنی ہوتے ہیں امن میں ہونا۔ مطمئن ہونا۔ بے خوف ہو جانا۔ ایمان لانا۔ کسی کی بات کی تصدیق کرنا (تصدیق کرنے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (2/البقرہ:62) ''یقین جانو کہ نبی عربی ﷺ کو ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اُس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے۔'' اگر متعدی ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو امن دینا۔ جیسے فرمایا ﴿ الَّذِيْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾ (106/قریش:4) ''جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور اُنہیں خوف سے امن دیا۔'' اٰمَنَ يُؤْمِنُ کے ساتھ عموماً ''لِ'' اور ''بِ'' کا صلہ بھی آتا ہے اٰمَنَ لِ کا مطلب ہے کسی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ جبکہ اٰمَنَ بِ کا مطلب ہے دلی یقین سے کسی کی بات کو تسلیم کرنا۔ البتہ قرآنِ مجید میں اس قاعدے کا استثناء بھی ہے۔ سورۃ العنکبوت، آیت 26 میں فرمایا: ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ﴾ پھر لوطؑ نے اُن (حضرت ابراہیمؑ) کی تصدیق کی۔ یہاں آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہاں قلبی یقین کے ساتھ حضرت لوطؑ کا حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کا ذکر ہے (واللہ اعلم)۔

**اِيْمَانٌ** اسم ذات بھی ہے۔ ایمان۔ قلبی تصدیق۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾ (9/التوبۃ:23) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔'' یہ لفظ بھی ہمارے دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنا ایمان ہے۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ حقیقی ایمان اس وقت معتبر ہے جب زبان سے اقرار بھی ہو اور دل

سے تصدیق بھی۔ اگر دل میں تصدیق ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں تو معتبر نہیں اسی طرح زبان سے تصدیق کا اظہار یا فرمانبرداری کا اقرار اس وقت معتبر نہیں جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ ہو۔ اسی لیے ایمان مجمل کی تعریف ہے۔ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ'' میں ایمان لایا اللہ پر جیسے وہ اپنے ناموں اور صفات سے ظاہر ہے اور میں نے قبول کیے اُس کے تمام احکام زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ان الفاظ میں ''ایمان'' کی شرح کرتے ہیں ''لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے، اسی لیے محسوسات و مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے ،مثلاً کوئی شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے ایمان لانا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بنا پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول ﷺ کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول ﷺ کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے ، کیونکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے وہ تو ابلیس و شیطان اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو مانا نہیں اس لیے وہ مومن نہیں۔'' (معارف القرآن، ج۱،ص:۱۰۹)۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں: ''ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم وانقیاد (بات ماننا، تابعدار رہنا) یعنی خدا اور رسول ﷺ کے جملہ ارشادات کو صحیح صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لیے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین واحکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے۔'' (تفسیر عثمانیؒ ص ۱۳۹)۔

ایمان اور اطمینان میں فرق: ایمان اور اطمینان کا فرق واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 260 (اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا آپؑ کو اس پر ایمان نہیں تو حضرت ابراہیمؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ایمان تو ہے لیکن یہ درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے) کے تحت لکھتے ہیں: ''انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی کے لیے حضرت خلیل اللہؑ نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے، ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول ﷺ کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے اور اطمینان سکونِ قلب کا نام ہے۔ بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، حضرت خلیل اللہؑ کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔''

ایمان اور یقین میں فرق: حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ ایمان اور یقین میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایمان اور ایقان کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے جس کو سمجھ لینا چاہیے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے اور مان لینے کے ہیں۔ اس کا ضد کفر و انکار اور تکذیب ہے۔ ایقان کے معنی یقین کرنے کے ہیں۔ اس کا ضد گمان اور شک ہے جس طرح کسی شے پر یقین رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی اس پر ایمان بھی رکھتا ہو (حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے جو نشانیاں دکھائیں فرعون کو پورا یقین تھا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں لیکن اس یقین کے باوجود وہ ان پر ایمان نہیں لایا) اسی طرح کسی چیز پر ایمان رکھنے کے لیے اس پر یقین کرنا شرط نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آدمی کا ایمان محض گمان غالب پر مبنی ہو اور وہ آہستہ آہستہ گمان کی منزل سے نکل کر یقین کی منزل تک پہنچے اور اس طرح اس کے ایمان کی تکمیل ہو جائے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۹۳)

**اٰمِنْ** ج: اٰمِنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ایمان لا۔ ﴿ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ ﴾ (46/الاحقاف:17) ''تیرے لئے تباہی ہے۔ تو ایمان لا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے۔'' ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ (2/البقرہ:13) ''اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تم لوگ ایمان لاؤ جیسے لوگ (صحابہؓ) ایمان لائے۔''

**مُؤْمِنٌ** ج: مُؤْمِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یہ لفظ جب انسان کے لیے بولا جائے تو اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں (۱) اصطلاحی معنی یعنی ایمان لانے والا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی تصدیق کرنے والا مثلاً ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ (64/التغابن:2) ''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے۔'' (۲) عام معنی یعنی یقین کرنے والا۔ مثلاً ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ (12/یوسف:17) ''اور آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔''

یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے امن دینے والا اور یہ لفظ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے مثلاً ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ ﴾ (59/الحشر:23) ''کوئی الٰہ نہیں سوائے اس کے جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی ہے، امن دینے والا ہے۔''

**مُؤْمِنَةٌ** ج: مُؤْمِنَاتٌ۔ ایمان لانے والی۔ ﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:221) ''بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں۔'' ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ ﴾ (9/التوبۃ:71) ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔''

(افتعال) **اِئْتِمَانًا** کسی کو امانت دار بنانا۔ کسی کو امین بنانا۔ کسی کا اعتبار کرنا۔

**اُؤْتُمِنَ** ماضی مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ وہ جس کو امین بنایا گیا۔ جس پر اعتبار کیا گیا۔ ﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ (2/البقرۃ:283) ''پس چاہیے کہ ادا کرے وہ جس پر اعتبار کیا گیا اُس کی امانت کو۔''

## غ ی ب

(ض) **غَيْبًا** پوشیدہ ہونا۔ غیر حاضر ہونا۔ کسی چیز کا انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا۔

**غَيْبٌ** ج غُيُوْبٌ۔ اسم ذات ہے۔ حواس سے پوشیدہ چیز یا بات۔ لفظ غیب پورے قرآنِ مجید میں بصورت نکرہ کہیں نہیں آیا، مضموم بھی آیا ہے، مفتوح بھی اور مکسور بھی مگر ہر جگہ معرفہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ''قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل (یعنی عقل کی فوری رسائی) اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بھی آجاتی ہیں، تقدیری امور، جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقین بھی۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۰۹)۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (5/المائدہ:116) ''بیشک تو ہی تمام غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔''

**غَائِبٌ** ج: غَائِبُوْنَ۔ مونث: غَائِبَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ غائب ہونے والا یعنی غائب۔ ﴿ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (27/النمل:75) ''اور نہیں ہے کوئی بھی غائب ہونے والی چیز آسمانوں میں اور زمین میں مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

غَيَابَةٌ: اسم ذات ہے۔ پستی۔ گہرائی۔ تاریکی۔ نشیبی زمین۔ ''ہر وہ چیز جو کسی چیز کو چھپالے اور غائب کر دے۔ اس لیے قبر کو بھی غَيَابَةٌ کہا جاتا ہے۔'' (معارف)﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ﴾ (12/یوسف:10)''کہاان میں سے ایک کہنے والے نے قتل مت کرو یوسفؑ کو اور اس کو ڈال دو کنویں کی گہرائی میں۔''

(افتعال) اِغْتِيَابًا: پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا اس طرح کہ اگر وہ اُسے سنتا تو اُسے برا لگتا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کرنا۔ صاحب تفہیم القرآنؒ فرماتے ہیں: ''غیبت کی تعریف یہ ہے کہ'' آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گزرے۔'' یہ تعریف خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے، اس میں حضور ﷺ نے غیبت کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے: ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ۔ قِيْلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ۔ غیبت یہ ہے کہ'' تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔'' عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو، تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔'' ایک دوسری روایت جو امام مالک نے مؤطا میں حضرت مُطّلِب بن عبداللہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: اِنَّ رَجُلًا سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْغِيْبَةُ؟ فَقَالَ اَنْ تَذْكُرَ مِنَ الْمَرْءِ مَا يَكْرَهُ اَنْ يَّسْمَعَ۔ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنْ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ اِذَا قُلْتَ بَاطِلًا فَذٰلِكَ الْبُهْتَانُ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔'' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ میری بات حق ہو؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز پھر بہتان ہے۔'' ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلاف اس کے پیچھے جھوٹا الزام لگانا بہتان ہے اور اس کے واقعی عیوب بیان کرنا غیبت۔ (تفہیم القرآن، ج۵ص۹۰)

لَا يَغْتَبْ: فعل نہی ہے۔﴿ وَلَا يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ﴾ (49/الحجرات:12)''تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے کسی کی۔''

| |
|---|
| يُقِيْمُوْنَ (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ص ل و**

(ن) صَلْوًا: پیٹھ کے درمیان میں مارنا۔ نرم ہونا (ثلاثی مجرد سے قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔

(تفعیل) صَلَاةً: (اس کا مصدر خلاف قاعدہ صَلَاةً استعمال ہوتا ہے) دعا کرنا۔ دعا دینا۔ تحسین و تعظیم کرنا۔ نشو و نما دینا۔ بڑھانا۔ نماز پڑھنا (نماز کی اصل دعا ہی ہے)۔ چنانچہ محاورہ ہے صَلَّيْتُ عَلَيْهِ میں نے اسے دعا دی، نشو و نما دی اور بڑھایا۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ وَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ کہ ''جب کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہے تو وہ ان کے لیے دعا کر کے واپس چلا آئے۔'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے دعا (صلاۃؐ) کرنے کے معنی ہوتے ہیں ان کو نشو و نما دینا، بڑھانا، ان پر اپنی رحمت کا نزول کرنا۔ جب دعا (صلاۃؐ) کی نسبت بندوں کی طرف ہو، خواہ فرشتے ہوں یا انسان تو اس کے معنی نزول رحمت کی دعا اور استغفار یعنی دعائے مغفرت کے ہوتے ہیں۔ یعنی فرشتے اور انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جن کے حق میں ہم دعا کر رہے ہیں تو ان پر اپنا فضل فرما اور انہیں اپنی عنایات سے نواز۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ﴾ (33/الاحزاب:56)''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔'' یعنی اللہ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

صَلٰوۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ اس لفظ کا قرآنی املا صَلٰوۃٌ ہے اور اس کی جمع صَلَوٰتٌ ہے۔ نماز، شفقت و رحمت، عبادت گاہ، دعا۔ اصطلاح شرع میں وہ خاص عبادت صَلٰوۃٌ کہلاتی ہے جس کو نماز کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل بھی دعا ہی ہے، اسی لیے اسے صَلٰوۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کا یہ اسلوب ہے کہ کسی چیز کے جزء ہی کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اسے تَسْمِیَۃُ الشَّیْءِ بِاِسْمِ الْجُزْءِ کہتے ہیں۔ ﴿حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ق﴾ (2/البقرۃ:238) ''پابندی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔'' ﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَۃٌ قف﴾ (2/البقرۃ:157) ''یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔''

قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ صَلٰوۃ کی اضافت ضمیر بنی آدم کی طرف ہے وہاں یہ الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو لام سے ملا ہوا ہے۔ مثلاً صَلَاتُکَ، صَلَاتِیْ، صَلَاتُهُمْ وغیرہ۔ البتہ دو جگہ ضمیر مخاطب کی طرف اضافت کے باوجود واؤ ہی کے ساتھ لکھا ہوا ہے جو لام سے ملا ہوا ہے۔ (ا) ﴿اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ ط﴾ (9/التوبۃ:103) (ب) ﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ﴾ (11/ھود:87)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو قرأتیں ہیں اس لیے یہاں اس لفظ کو یوں لکھا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ کبھی عبادت گاہ کو بھی صَلَاۃٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں کَنَائِسُ یعنی یہود کی عبادت گاہوں کو صَلَوٰتٌ کہا گیا ہے۔ مثلاً ﴿لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ﴾ (22/الحج:40) ''تو راہبوں کے صومعے، عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں ویران ہو چکی ہوتیں۔'' قرآن مجید میں صَلَاۃٌ کی نسبت تمام جہان کی طرف بھی کی گئی ہے۔ مثلاً ﴿کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ط﴾ (24/النور:41) ''ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح۔'' حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ''یاد رہے کہ لفظ صلوٰۃ کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں، قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صلوٰۃ کی نسبت کی ہے (النور۔41) اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوٰۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلوٰۃ و تسبیح کس رنگ کی ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۱۰)۔ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ صلوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صلوۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزوِ اعظم ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا قولی، دعا قلبی، دعا فعلی کا مجموعہ۔ (تفسیر ماجدی، ص ۷)

صَلِّ ج: صَلُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دعا کر۔ نماز پڑھ۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ط﴾ (108/الکوثر:2) ''پس آپ ﷺ نماز پڑھیں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں۔'' ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ﴾ (33/الاحزاب:56) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم لوگ دعا کرو ان کے لئے یعنی درود بھیجو۔''

مُصَلٍّ ج: مُصَلُّوْنَ، مُصَلِّیْنَ۔ اسم الفاعل کا صیغہ ہے۔ نماز پڑھنے والا۔ ﴿قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾ (74/المدثر:43) ''ان لوگوں نے کہا ہم نہیں تھے نماز ادا کرنے والوں میں سے۔''

مُصَلًّی اسم المفعول ہے جو بطور اسم الظرف استعمال ہوتا ہے۔ نماز کی جگہ۔ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ط﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور تم لوگ بنا لو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز ادا کرنے کی جگہ۔''

**مِمَّا** مرکب ہے۔ اصل میں 'مِنْ' اور 'مَا' تھا۔ مِنْ حرف جر اور مَا اسم موصولہ یا زائدہ یا مصدریہ یا استفہامیہ ہو سکتا ہے۔ اگر مَا استفہامیہ ہو تو اس کے الف کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور یوں لکھا جاتا ہے مِمَّ۔ یاد کر لیں کہ 'مَا' بھی کئی قسم کا ہے۔ مَا پہلے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے (۱) حرفیہ (۲) اسمیہ۔ پھر حرفیہ کی چار قسمیں ہیں: نافیہ عاملہ، نافیہ غیر عاملہ، مصدریہ، زائدہ۔ اور ما اسمیہ کی تین قسمیں ہیں: استفہامیہ، موصولہ، ظرفیہ۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، ج ۴، ص ۵۹ دیکھیں۔

ر ز ق

(ن) رِزْقًا معاوضہ کے بغیر کوئی چیز دینا پھر دیتے رہنا۔عطیہ جاریہ دینا۔ روزی دینا۔عطا کرنا۔﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾(30/ الروم:40) ''اللہ وہ ہی ہے جس نے تم لوگوں کو پیدا کیا پھر اس نے تم لوگوں کو روزی دی، پھر وہ تم لوگوں کو موت دے گا پھر وہ تم لوگوں کو زندہ کرے گا۔''

رِزْقٌ ج: اَرْزَاقٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو عطیہ جاریہ کے طور پر دی جائے۔ جو چیز ایک مرتبہ دی جائے اسے رِزْقَةٌ کہتے ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اَلرِّزْقُ فِی اللُّغَةِ النَّصِيْبُ وَالْعَطَاءُ وَ يُطْلَقُ عَلَى الْحِسِّيِ وَالْمَعْنَوِيِّ۔یعنی لغت میں رزق کہتے ہیں حصہ اور بخشش کو خواہ حسی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم و معرفت اسی لحاظ سے سب رزق ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج١، ص٣١)۔صاحبؒ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''رزق عربی زبان میں محض خوارک تک محدود نہیں بلکہ عطا، نصیب اور بخشش کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی انسان کو دیا ہے حتیٰ اولاد تک، اس کا رزق ہے۔ مشہور دعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ یہاں رزق سے مراد توفیق ہے۔'' (واللہ اعلم) (تفہیم القرآن)۔صاحبؒ تفسیر ماجدی لکھتے ہیں: ''رزق کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آ جاتی ہیں خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال، صحت و اولاد، یا معنوی و روحانی ہوں، مثلاً علم و حکمت، فہم سلیم وغیرہ۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص٨)۔ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے رُزِقْتُ عِلْمًا مجھے علم دیا گیا۔ امام راغبؒ نے اس لفظ کی بہت عمدہ وضاحت کی ہے۔ اب اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں: اَلرِّزْقُ۔ وہ عطیہ جو جاری ہو۔ پھر یہ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(١) دنیوی عطاء: اس کے اندر سب نعمتیں آ جاتی ہیں خواہ ظاہری ہوں جیسے مال و دولت، صحت، اولاد وغیرہ، خواہ روحانی ہوں جیسے، علم و حکمت، فہم اور تدبر وغیرہ۔ مثلاً ﴿ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾(63/ المنافقون:10) ''جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔'' اور ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾(2/ البقرۃ:3) ''اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اِن دونوں آیات میں رزق اسی وسیع اور عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾(11/ ھود:88) ''آپؑ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یہاں رزقًا حسنًا سے مراد علم وحی ہے۔

(٢) اخروی عطاء: مثلاً ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾(3/ آل عمران:169) ''وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔'' اور ﴿ وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴾(19/ مریم:62) ''اور انہیں اُس میں اُن کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا۔'' ان دونوں آیات میں رزق سے انعامات اخروی مراد ہیں۔

(٣) حصہ: مثلاً ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾(56/ الواقعۃ:82) ''اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو؟'' اس آیت میں رزق سے مراد حصہ ہے اور مطلب یہ کہ نعمتِ الٰہی کی تکذیب کو تم نے اپنا حصہ بنا لیا ہے۔

(٤) طعام (کھانا): مثلاً: ﴿ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾(18/ الکھف:19) ''چاہیے کہ وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لائے۔'' آیت میں رزق سے مراد کھانا ہے جو انسانی غذا بنتا ہے۔

(٥) بارش: مثلاً: ﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾(51/ الذاریات:22) ''آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔'' اس آیت میں عام طور پر مفسرین نے رزق سے مراد بارش لی ہے اس لیے کہ

وہ زمین سے حاصل ہونے والے رزق وغذائیات کا سبب ہے۔(واللہ اعلم)۔

**اُرْزُقْ** فعل امر ہے۔تو عطا کر۔ ﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ (14/ ابراہیم:37) ''اور تو انہیں عطا کر پھلوں میں سے شائد کہ وہ لوگ شکر ادا کریں۔''

**رَازِقٌ** ج: رَازِقُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔عطا کرنے والا۔یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور انسانوں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (22/الحج:58) ''اور یقیناً اللہ ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے۔''

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾ (15/الحجر:20) ''اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔''

**رَزَّاقٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔ یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ (51/الذّٰریٰت:58) ''یقیناً اللہ ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔''

## ن ف ق

(ن-س) **نَفَقًا، نُفُوْقًا، نَفَاقًا** (۱) خرچ ہوجانا۔ختم ہوجانا۔کچھ باقی نہ رہنا۔(۲) چیزوں کا خوب لین دین ہونا۔مال بکنا، بازار کا پررونق ہوجانا، اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ کساد کی ضد ہے جیسے اردو میں کساد بازاری کہہ دیتے ہیں یعنی مندا۔نَفَقَ الشَّیْءُ کا مطلب ہے وہ چیز چلی گئی، ختم ہوگئی۔نَفَقَتِ الدَّرَاهِمُ کا مطلب ہے روپیہ ختم ہوگیا۔نَفَقَتِ الدَّابَّةُ کا مطلب ہے گھوڑا مر گیا۔(قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا)

**نَفَقَةٌ** ج: نَفَقَاتٌ۔اسم ذات ہے۔خرچہ۔خرچ ہونے والی چیز۔﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ﴾ (2/البقرہ:270) ''اور جو تم لوگ خرچ کرو کسی خرچہ میں سے یا منت مانگو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔''

**نَفَقٌ** سرنگ۔سرنگ کے بھی دو منہ ہوتے ہیں۔﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ﴾ (6/الانعام:35) ''تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں استطاعت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاش کرلیں کوئی سرنگ زمین میں۔''

(افعال) **اِنْفَاقًا** خرچ کرنا۔﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ (57/الحدید:10) برابر نہیں ہے تم میں سے وہ جس نے خرچ کیا الفتح سے پہلے (یعنی فتح مکہ سے پہلے) اور قتال کیا۔''

**اَنْفِقْ** ج: اَنْفِقُوْا۔فعل امر ہے۔تو خرچ کر۔﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ (63/المنافقون:10) اور تم لوگ خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو موت۔''

**مُنْفِقٌ** ج: مُنْفِقُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔خرچ کرنیوالا۔﴿وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ (3/آل عمران:17) '' اور خرچ کرنے والے اور مغفرت مانگنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔''

(مفاعلہ) **مُنَافَقَةً و نِفَاقًا** دورُخا ہونا۔دوغلا ہونا۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (59/الحشر:11)''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دورُخے ہوئے، وہ لوگ کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا۔''نَافِقَاءُ اور نُفَقَةٌ، گوہ (زمین پر رینگ کر چلنے والا ایک بڑے سائز کا جانور) کے بھٹ (کھوہ، بل) کو کہتے ہیں جس کے کم از کم دو منہ ہوتے ہیں ایک دہانے سے گوہ داخل ہوتی ہے اور شکاری اس سوراخ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دوسرے سوراخ سے باہر نکل جاتی ہے۔نفاق اور منافقت اصطلاح قرآنی میں اسی دورُخی کا نام ہے، بظاہر زبان سے آدمی

مؤمن ہونے کا اقرار کرتا ہے اور دکھاوے کی نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن دل میں کافر رہتا ہے اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے ایسے آدمی کو عرفِ شریعت میں منافق کہا جاتا ہے لیکن اگر عقیدہ مومنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو دورُخی کی یہ بھی ایک شکل ہوتی ہے ایک دروازہ (عقیدہ) سے آدمی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے (عمل کے) راستہ سے خارج ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح میں ایسے آدمی کو منافق نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔ (البتہ حدیث پاک میں ایسے شخص کو بھی منافق کا نام دیا گیا ہے یعنی "عملی منافق"، آپ ﷺ نے فرمایا: "منافق کی تین علامتیں ہیں اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔ اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" (متفق علیہ، بحوالہ مظاہرِ حق جدید، ج۱، ص: ۱۳۴، از مفتی سعید صاحب)

**مُنَافِقٌ** ج: مُنَافِقُوْنَ۔ مونث: مُنَافِقَةٌ۔ ج: مُنَافِقَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ دورُخا ہونے والا یعنی منافق۔ ﴿ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ (9/التوبۃ:64) "ڈرتے ہیں منافق کہ نازل کردی جائے ان کے بارے میں کوئی سورت جو جتلا دے ان کو وہ، جو ان کے دلوں میں ہے۔" ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ﴾ (9/التوبۃ:67) "منافق مرد اور منافق عورتیں، ان کے بعض، بعض سے ہیں یعنی سب ایک جیسے ہیں۔"

**ترکیب** اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل، آگے بِالْغَیْبِ جار مجرور متعلق ہیں یُؤْمِنُوْنَ سے۔ جملہ فعلیہ یُؤْمِنُوْنَ اپنے متعلق سے مل کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا اور صلہ اور موصولہ مل کر صفت ہیں اَلْمُتَّقِیْنَ کی اسی لیے محلاً حالت جر میں ہیں۔ 'وَ' عطف کا ہے اور آگے جملہ فعلیہ یُقِیْمُوْنَ عطف ہے یُؤْمِنُوْنَ پر اور الصَّلٰوةَ مفعول بہٖ ہے۔ یہ جملہ بھی صفت ہے اَلْمُتَّقِیْنَ کی۔ 'وَ' عطف کا ہے اور مِمَّا، مِنْ حرف جارہ اور 'مَا' موصول کا مرکب ہے۔ رَزَقْنَا فعل + فاعل اور ھم ضمیر اس کا مفعول، پورا جملہ فعلیہ صلہ ہے 'مَا' موصول کا اور جار مجرور متعلق ہیں آگے جملہ فعلیہ یُنْفِقُوْنَ سے۔ یُنْفِقُوْنَ بھی عطف ہے یُقِیْمُوْنَ پر اور یہ جملہ بھی صفت ہے اَلْمُتَّقِیْنَ کی۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کو اصل فعل یُنْفِقُوْنَ سے پہلے لا کر اس حقیقت میں تاکید اور زور پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:3**

| اَلَّذِیْنَ | یُؤْمِنُوْنَ | بِالْغَیْبِ | وَیُقِیْمُوْنَ | الصَّلٰوةَ |
|---|---|---|---|---|
| وہ لوگ جو | ایمان لاتے ہیں | غیب پر | اور جو لوگ قائم رکھتے ہیں | نماز کو |

| وَمِمَّا | رَزَقْنٰهُمْ | یُنْفِقُوْنَ ۝۳ |
|---|---|---|
| اور اس میں سے جو | ہم نے عطا کیا ان کو | وہ لوگ خرچ کرتے ہیں |

**نوٹ۔1** قرآن مجید میں صلوٰۃ کے ساتھ اکثر و بیشتر اقامت کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کردہ نماز کو اس کے ظاہری نظام اور باطنی روح کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید ہے۔ جبکہ آیت فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی (نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی) (القیامۃ:31) میں وَلَا صَلّٰی سے مراد ہے کہ اس نے رسمی نماز بھی نہیں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسمی نماز پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے اِنَّ الْمُصَلِّیْنَ کَثِیْرٌ وَالْمُقِیْمِیْنَ لَقَلِیْلٌ (نماز پڑھنے والے بہت ہیں جبکہ اس کو قائم کرنے والے کم ہیں)۔

**نوٹ۔2** قرآن مجید میں انفاق سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے خواہ فی سبیل اللہ کے الفاظ ساتھ نہ بھی لکھے ہوں۔ جس طرح صرف ایمان کا ذکر ہو تب بھی اس سے مراد وہ ایمان ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الحج کی آیت 35 کے تحت "انفاق" کی وضاحت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اللہ نے کبھی حرام وناپاک مال کو اپنا رزق نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو پاک رزق ہم نے انہیں بخشا ہے اور جو حلال کمائیاں ان کو عطا کی ہیں ان میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ سے مراد بھی ہر طرح کا خرچ نہیں ہے بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پوری کرنا، رشتہ داروں اور ہمسایوں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کرنا، رفاہِ عام کے کاموں میں حصہ لینا، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی ایثار کرنا مراد ہے۔ بے جا خرچ، اور عیش وعشرت کے خرچ اور ریا کارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے قرآن ’’انفاق‘‘ قرار دیتا ہو۔ بلکہ یہ اس کی اصطلاح میں اسراف اور تبذیر ہے۔ اسی طرح کنجوسی اور تنگ دلی کے ساتھ جو خرچ کیا جائے کہ آدمی اپنے اہل وعیال کو بھی تنگ رکھے اور خود بھی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے، اور خلقِ خدا کی مدد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کرنے سے جی چرائے، تو اس صورت میں اگرچہ آدمی خرچ تو کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے، مگر قرآن کی زبان میں اس خرچ کا نام ’’اِنفاق‘‘ نہیں ہے۔ وہ اس کو ’’بخل‘‘ اور ’’شُحِّ نفس‘‘ کہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۲۶)

## آیت: 4

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ؕ﴾

| |
|---|
| **يُؤْمِنُوْنَ** (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**بِمَآ** ’’ب‘‘ حرف جارہ ہے اور ’’ما‘‘ استفہامیہ، مصدریہ یا موصولہ ہوسکتا ہے۔ ’ما‘ استفہامیہ ہونے کی صورت میں الف حذف کر دیا جاتا ہے اور بِمَ لکھا جاتا ہے تاکہ ’ما‘ استفہامیہ اور ’ما‘ موصولہ میں فرق ہوسکے۔

**ن ز ل**

(ض) **نُزُوْلًا** اُترنا۔ بلندی سے کسی چیز کا نیچے آنا۔ اس کی ضد صعود اور عروج دونوں ہیں۔ ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ﴾ (57/الحدید:4) ’’اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔‘‘ ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ﴾ (57/الحدید:16) ’’اور جو اُترا حق میں سے۔‘‘

**مَنْزِلٌ** ج: مَنَازِلُ۔ اسم الظرف ہے۔ اُترنے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ (10/یونس:5) ’’وہ ہے جس نے بنایا سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اس کے لئے طے کر دیں منزلیں۔‘‘

**نَزْلَةً** نَزَلَ کا اسم مرۃ ہے۔ ایک بار کا نزول۔ ایک مرتبہ اُترنا۔ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ۙ﴾ (53/النجم:13) ’’اور انہوں ﷺ نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا ہے۔‘‘

**نُزُلٌ** اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو مہمان کے سواری سے اُترتے ہی یعنی آتے ہی اصل دعوت سے پہلے پیش کی جائے۔ ابتدائی مہمان نوازی۔ حضرت مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’نُزُلٌ اصلاً مہمان کی اس خاطر تواضع کو کہا جاتا ہے جو اصل دعوت سے پہلے کی جائے۔ بعد کے کھانے کو ضیافة یا مأدبة کہتے ہیں۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۷، ص ۷۷۳) ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝۱۰۲﴾ (18/الکھف:102) ’’یقیناً ہم نے تیار کیا جہنم کو کافروں کے لئے ابتدائی مہمان نوازی کے طور پر۔‘‘

(افعال) **اِنْزَالًا** اُتارنا۔ اتارنے کے لیے انزال کا لفظ عام ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کو مکمل طور پر ایک ہی دفعہ اتارنے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ (2/البقرۃ:174) ’’بیشک وہ لوگ چھپاتے ہیں اس کو جو اُتارا اللہ نے الکتاب میں سے۔‘‘ قرآن مجید میں لباس، مویشی اور لوہے کے اتارنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ﴾ (7/الاعراف:26) ’’اے اولاد آدمؑ کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔‘‘ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت میں اَنْزَلْنَا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اتارنے سے مراد اُس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اُس

کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق و تحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اُونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کیے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (39/الزمر:6) یا ﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ (57/الحدید:25) (تفسیر عثمانی ص ۲۰۴)۔ اِنْزَالٌ کا لفظ خَلْقٌ (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ الاعراف 26 میں اَنْزَلْنَا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اَنْزَلْنَا کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خَلَقْنَا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسباب آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی، ص ۳۶۷)۔ چنانچہ حضرتؒ آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے جو تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔'' اسی طرح سورۃ الزمر آیت 6 میں بھی انزل کے لفظ کا ترجمہ پیدا کیے سے ہی کرتے ہیں۔ ''اور تمہارے لیے اُس نے چارپایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے۔'' پیر کرم شاہ صاحبؒ الاعراف 26 کے تحت فرماتے ہیں: ''اَنْزَلْنَا کا لفظی معنی تو اُوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز (مجاز یعنی کہ ظاہری معنی کے علاوہ جو معنی لیے جاتے ہیں) ہے یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اُون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اُوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اُوپر سے ہی نازل ہوا۔ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاِسْمِ السَّبَبِ (مسبب کا نام سبب والا رکھنا، یہاں مسبب لباس ہے اور سبب بارش) اور بعض علما نے کہا انزل بمعنی خلق ہے۔ اور یہ استعمال بھی عام ہے۔ جیسے ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (39/الزمر:6) (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۲۲)۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ انزال کا لفظ اتارنے کے لیے عام ہے۔ مرتبہ کے اعتبار سے جو اونچا ہو، اس کی طرف سے نیچے والوں کو کوئی چیز ملے تو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور خلق (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔ (واللہ اعلم)

**مُنْزِلٌ** ج: مُنْزِلُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔ اُتارنے والا۔ میزبان۔ مہمان نواز۔ ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (12/یوسف:59) ''کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے بہتر ہوں اُتارنے والوں میں یعنی بہترین مہمان نواز ہوں۔''

**مُنْزَلٌ** ج: مُنْزَلُوْنَ- اسم المفعول ہے۔ اُتارا ہوا۔ ﴿اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ (3/آل عمران:124) ''کہ تم لوگوں کی مدد کرے تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے۔''

(تفعیل) **تَنْزِيْلًا** کسی چیز کو بتدریج اُتارنا۔ رفتہ رفتہ اتارنا۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ (2/البقرہ:176) ''یہ اس لئے کہ اللہ نے بتدریج اُتارا الکتاب کو حق کے ساتھ۔'' ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:82) ''اور ہم بتدریج اُتارتے ہیں قرآن میں سے جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنوں کیلئے۔''

**مُنَزِّلٌ** اسم الفاعل ہے۔ بتدریج اُتارنے والا۔ رفتہ رفتہ اتارنے والا۔ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ (5/المائدہ:115) ''کہا اللہ نے کہ میں بتدریج اُتارنے والا ہوں اس کو تم لوگوں پر۔''

**مُنَزَّلٌ** اسم المفعول ہے۔ بتدریج اُتارا ہوا۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (6/الانعام:114) ''اور جن لوگوں کو ہم نے دی الکتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) بتدریج اُتارا ہوا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ۔‘‘

(تفعّل) تَنَزُّلًا ٹھہر ٹھہر کر اُترنا۔ اُترتے رہنا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:30) ’’بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ لوگ ڈٹے رہے (یعنی اپنے قول پر) تو اُترتے رہتے ہیں ان لوگوں پر فرشتے۔‘‘ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ’’جو کلام افتراء اور جھوٹ ہو یا شیاطین کی طرف سے القاء کیا گیا ہو اسکے متعلق صرف تَنَزُّلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ باب تفعّل میں تکلّف اور بناوٹ کی خاصیت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِہِ الشَّیٰطِیۡنُ ﴾ (26/الشعراء:210) ’’اور اس قرآن کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔‘‘ (مفردات القرآن)

**قَبۡلُ** (مادہ ق ب ل، تفصیل سے انشاء اللہ اسی سورہ کی آیت 48 کے تحت آئے گا۔ یہاں آیت کی مناسبت سے صرف قَبۡلُ لکھا جا رہا ہے)۔

قَبۡلُ (پہلے)، ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی۔ اس کی ضد بَعۡدُ ہے۔ قَبۡلُ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔ (1) تقدم مکانی یعنی کسی مقام کا دوران سفر پہلے آنا اور دوسرے کا اس کے بعد آنا جیسے فیصل آباد سے گوجرانوالہ جاتے ہوئے مانوالہ، شیخوپورہ سے پہلے آتا ہے اور گوجرانوالہ سے فیصل آباد آتے ہوئے شیخوپورہ، مانوالہ سے پہلے آتا ہے۔ (2) تقدم زمانی یعنی کسی انسان کا زمانہ کسی دوسرے انسان کے زمانے سے پہلے ہونا۔ جیسے عَبۡدُ الۡمَلِکِ قَبۡلَ الۡمَنۡصُوۡرِ کہ عبدالملک کا زمانہ منصور سے پہلے کا ہے۔ (3) تقدم بلحاظ مرتبہ یعنی مرتبے میں کسی سے بڑا ہونا جیسے عَبۡدُ الۡمَلِکِ قَبۡلَ الۡحَجَّاجِ کہ عبدالملک حجاج سے پہلے ہے یعنی مرتبہ میں بڑا ہے۔ (4) ترتیب تعلیمی میں ایک چیز کا دوسری سے پہلے ہونا جیسے کہا جاتا ہے کہ تَعَلُّمُ الۡھِجَاءِ قَبۡلَ تَعَلُّمِ الۡخَطِّ کہ حروف ہجاء کی تعلیم کتابت سیکھنے سے پہلے دی جاتی ہے۔ ان چار استعمالات کے علاوہ قبل سے مراد ’’بغیر‘‘ بھی ہوتا ہے مثلاً ﴿ قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ ﴾ (7/الاعراف:123) ’’فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’قبل سے مراد ہمیشہ پیشتر ہی نہیں ہوتا۔ ’’بغیر‘‘ بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ (کہف۔ ۱۰۹) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنِیۡ عَیۡنَیۡنِ ھَطَّالَتَیۡنِ تَسۡقِیَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ مِنۡ خَشۡیَتِکَ قَبۡلَ اَنۡ تَکُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا وَالۡاَضۡرَاسُ جَمۡرًا ’’اے اللہ مجھے عطا فرمائیے ایسی زیادہ آنسو بہانے والی آنکھیں جو دل کو سیراب کریں آنسوؤں کے موتیوں کے ساتھ آپ کے خوف سے نہ یہ کہ (یا اس سے پہلے کہ) آنسو خون بن جائیں اور داڑھیں انگارہ بن جائیں۔‘‘ قَبۡلُ ہمیشہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (ا) اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو (یعنی ذکر کیا جائے) اور اس پر حرف جر بھی داخل ہو تو پھر قَبۡلُ زیر قبول کرتا ہے جیسے مِنۡ قَبۡلِھِمۡ، مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وغیرہ۔ (ب) اگر اس کا مضاف الیہ مذکور نہ ہو اور اس پر حرف جر داخل ہو تو پھر قَبۡلُ پیش کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے ھٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ (البقرۃ:25) (ج) اگر اس پر حرف جر داخل نہ ہو تو پھر یہ زبر کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے ﴿ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِھَا ۚ ﴾ (طٰہٰ:130)۔

**ء خ ر**

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَاۡخِیۡرًا پیچھے کرنا۔ مؤخر کرنا۔ مہلت دینا۔ ڈھیل دینا۔ ﴿ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (75/القیامۃ:13) ’’جتلا دیا جائے گا اس دن انسان کو جو اس نے آگے کیا اور جو اس نے پیچھے کیا۔‘‘ ﴿ وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ﴾ (63/المنافقون:11) ’’اور اللہ ہرگز پیچھے نہیں کرے گا (یعنی ہرگز مہلت نہیں دے گا) کسی نفس کو جب آ جائے گی اس کی اجل (یعنی موت)۔‘‘

(تفعّل) تَاَخُّرًا پیچھے رہنا۔ ﴿ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ۙ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَ ﴾ (74/المدثر:36-37) ’’وارننگ ہے ہر اس شخص کے لئے جو چاہے تم میں سے کہ وہ آگے رہے یا پیچھے رہے۔‘‘

(استفعال) اِسۡتِئۡخَارًا پیچھے ہونا۔﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴾ (7/الاعراف:34)''تو جب آ جائے گی ان لوگوں کی اجل تو نہ وہ لوگ پیچھے ہوں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے۔''

مُسۡتَاۡخِرٌ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا اور وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔﴿ وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡكُمۡ وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ ﴾ (15/الحجر:24)''اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں اُن کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے، اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

آخِرٌ فاعل کا وزن ہے۔ آخری۔﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ (2/البقرہ:8)''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔''

اٰخِرَةٌ یہ ضد ہے دنیا کی۔ دنیا مشتق ہے دُنُوٌّ سے جس کے معنی قریب ہونا کے ہیں خواہ یہ قرب ذاتی، حکمی، مکانی، زمانی یا بلحاظ مرتبہ کے ہو۔ چونکہ وہ حال کے بہت ہی قریب ہے اس لیے اسے دنیا کہتے ہیں۔ اسی طرح آخرت کو اس کے متاخر اور پیچھے ہونے کی وجہ سے آخرت کہتے ہیں۔ اصل میں دنیا اور آخرت دونوں دو صفتیں تھیں اب ان پر اسمیت غالب آئی اور استعمال میں دنیا و آخرت اسم کہلائے جانے لگے۔ اصل میں آخرت کا معنی دار البقا ہے یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو دوسرے جہان میں جو دائمی زندگی حاصل ہوگی اور اس زندگی میں رُوح اور جسم دونوں کا کلی طور پر اتصال ہوگا اور نیک اور بدکار لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے بدلے میں جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اسی لحاظ سے آخرت کی ضد عاجلۃ، دنیا، ادنیٰ، اُولیٰ سب قرآن میں استعمال ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَلۡاٰخِرَةُ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اُسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرہ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ جزاوسزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۸)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت وضاحت کی ہے وہ آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

اٰخَرُ ج: اٰخَرُوۡنَ، اٰخَرِیۡنَ۔ اَفۡعَلُ کا وزن ہے۔ دوسرا۔﴿ الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ (15/الحجر:96) ''وہ لوگ جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''﴿ كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ ذُرِّیَّةِ قَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ﴾ (6/الانعام:133)''جس طرح اُس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اُٹھایا ہے۔''

اُخۡرٰی فُعۡلٰی کے وزن پر اٰخَرُ کا مونث ہے۔ دوسری۔ اس کی جمع فُعَلٌ کے وزن پر اُخَرٌ آنی چاہیے تھی لیکن خلاف قاعدہ اُخَرُ (غیر منصرف) آتی ہے۔﴿ وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ﴾ (61/الصف:13)''اور دوسری تم لوگ پسند کرتے ہو جس کو۔''﴿ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ﴾ (2/البقرہ:184)''تو گنتی ہے دوسرے دنوں میں۔'' کبھی اس کا معنی ''پیچھے سے، پچھلی طرف سے'' ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ وَّ الرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡكُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىكُمۡ ﴾ (3/آل عمران:153)''اور رسول ﷺ پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) کبھی اس سے مراد ''بعد والا یا بعد والی'' ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوۡا فِیۡهَا جَمِیۡعًا ۙ قَالَتۡ اُخۡرٰىهُمۡ لِاُوۡلٰىهُمۡ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوۡنَا فَاٰتِهِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا مِّنَ النَّارِ ﴾ (7/الاعراف:38)''حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا کہ اے ربّ! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان

فرماتے ہیں: ''اُخْرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُوْلٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔'' اور کبھی اُخْرٰی مطلقاً ''دوسرے'' کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم اور مؤخر کا مفہوم نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى﴾ (20/طٰہٰ:37) ''اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت میں اُخْرٰی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ نعمتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہیں یہاں جو اُن کو اُخْرٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نعمتیں اس کے بعد کی ہیں بلکہ لفظ اُخْرٰی کبھی مطلقاً دوسرے کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم مؤخر کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔'' (معارف القرآن، ج۶ص ۸۲)

| ی ق ن |
|---|

(س) **یَقْنًا** روشن وثابت ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

**یَقِیْنٌ** فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کسی چیز کا ثبوت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سمجھ میں آجانا۔ یقین آنا۔ یقین، زوالِ شک کو کہتے ہیں۔ یقین اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ہونا یقینی ہو اسی لیے عربی میں یقین بمعنی موت بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ؕ﴾ (74/المدثر:46-47) ''اور ہم جھٹلایا کرتے تھے بدلے کے دن کو یہاں تک کہ آیا ہم کو یقین۔'' اس آیت میں اکثر مفسرین نے یقین سے موت مراد لی ہے۔
(ایمان اور یقین میں فرق کے لیے البقرۃ آیت 3 دیکھیں)۔

(افعال) **اِیْقَانًا** یقین کرنا۔ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (2/البقرۃ:118) ''ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو ایسی قوم کے لئے جو یقین کرتے ہیں۔''

**مُوْقِنٌ** ج: مُوْقِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین کرنے والا۔ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (6/الانعام:75) ''اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اور اس لئے کہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔''

(استفعال) **اِسْتِیْقَانًا** یقین حاصل کرنا۔ یقین کے ساتھ جان لینا۔ واضح طور پر جان لینا۔ ﴿وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ (74/المدثر:31) ''اور ہم نے نہیں بنایا ان کی گنتی کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا، تاکہ یقین حاصل کریں وہ لوگ جنہیں دی گئی کتاب۔''

**مُسْتَیْقِنٌ** ج: مُسْتَيْقِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین حاصل کرنے والا۔ ﴿قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ (45/الجاثیۃ:32) ''تم لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہم گمان نہیں کرتے مگر ایک گمان یعنی کچھ گمان سا ہوتا ہے اور ہم یقین حاصل کرنے والے نہیں ہیں۔''

**ترکیب** یہ پوری آیت بھی آیت 2 میں اَلْمُتَّقِيْنَ کی صفت ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اَلَّذِيْنَ عطف ہے آیت 3 کے اَلَّذِيْنَ پر۔ يُؤْمِنُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ بِمَا میں 'مَا' اسم موصول ہے اور اُنْزِلَ اس کا صلہ۔ اُنْزِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر ''ھُوَ'' اس کا نائب الفاعل ہے۔ اِلَيْكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ آگے وَمَا' میں 'وَ' عطف کا ہے اور 'مَا'، بِمَا کے 'مَا' پر عطف ہے۔ اُنْزِلَ اس کا صلہ ہے۔ مِنْ قَبْلِكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ بِالْاٰخِرَةِ، جار مجرور متعلق ہیں يُوْقِنُوْنَ سے اور 'هُمْ' مبتدا ہے اور يُوْقِنُوْنَ اس کی خبر۔ بِالْاٰخِرَةِ کو تاکید اور حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اَلْاٰخِرَةِ صفت ہے۔ اس کا موصوف محذوف ہے۔ اَلْاٰخِرَةِ مونث ہے اس لئے اس کا موصوف مذکر نہیں ہوسکتا لازماً مونث ہوگا جیسے وَبِالسَّاعَةِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخری گھڑی پر۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَالَّذِيۡنَ | يُؤۡمِنُوۡنَ | بِمَآ | اُنۡزِلَ | اِلَيۡكَ | وَمَآ | اُنۡزِلَ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:4 | اور وہ لوگ جو | ایمان لاتے ہیں | اس پر جو | اُتارا گیا | آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف | اور جو | اُتارا گیا |

| مِنۡ قَبۡلِكَ‌ۚ | وَبِالۡاٰخِرَةِ | هُمۡ | يُوۡقِنُوۡنَؕ ۝۴ |
|---|---|---|---|
| آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے | اور آخرت پر | وہ لوگ | یقین کرتے ہیں |

**نوٹ:1** اِنۡزَالٌ اور تَنۡزِيۡلٌ، دونوں کے معنی ہیں اُتارنا۔ جبکہ ان میں فرق یہ ہے کہ اِنۡزَالٌ میں زیادہ تر کسی چیز کو ایک دفعہ اُتارنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اور تَنۡزِيۡلٌ میں کسی چیز کو رفتہ رفتہ اُتارنے کے معنی ہوتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے لئے اِنۡزَالٌ اور تَنۡزِيۡلٌ، دونوں کے مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کو سمجھنے میں ایک حدیث سے مدد ملتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ قرآن پاک پہلے لوحِ محفوظ سے ایک ہی دفعہ آسمانِ دنیا پر نازل ہوا (انزال) پھر وہاں سے رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا (تنزیل)۔

**نوٹ:2** آخرت: آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسبِ ذیل عقائد شامل ہیں:

(۱) یہ کہ انسان اس دُنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۲) یہ کہ دُنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوعِ انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا، اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۴) یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رُو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(۵) یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

عقائد کے اِس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک اور تذبذب کی کیفیت بھی ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۵۱)

## آیت:5

﴿ اُولٰٓٮِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۖ وَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۵ ﴾

| | |
|---|---|
| هُدًى (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ف ل ح**

(ن) فَلَحَا — پھاڑنا۔ زمین میں ہل چلانا۔ عربی میں کہا جاتا ہے اَلۡحَدِيۡدُ بِالۡحَدِيۡدِ يُفۡلَحُ۔ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے۔ پھر فَلَّاحٌ کسان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے (بیج بونے کے لیے)۔ ثلاثی مجرد سے فعل یا اسم قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) فَلَاحًا — اس کا مصدر اِفۡلَاحٌ کے بجائے فَلَاحٌ استعمال ہوتا ہے۔ کامیاب ہونا۔ مراد پالینا۔ مشکلات اور رکاوٹوں کو پھاڑ کے یعنی عبور کر کے اپنا مطلوب حاصل کر لینا۔ (فعل لازم ہے)۔ فلاح ایسی کامیابی کو کہتے ہیں جو کسی کی اپنی محنت اور عمل کے نتیجے میں ہو۔ یہ لفظ خُسران کی ضد ہے جس کا معنی نقصان اور گھاٹا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں، فَلَاحٌ کے معنی کامیابی کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیوی (۲) اُخروی۔ دنیوی فلاح ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن

سے دنیاوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے یعنی بقاء مال اور عزت و دولت۔ اخروی فلاح چار چیزوں کو حاصل کرنے کا نام ہے۔ (ا) بقا بلا فنا (ب) غنا بلا فقرٌ (ج) عزت بلا ذلت (د) علم بلا جہالت۔ اسی لیے کہا گیا ہے لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ (مفردات القرآن۔ ملخصا)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے المفلحون کا پورا ترجمہ ''کامیاب'' ''بامراد'' وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لَیْسَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ کُلِّهٖ اَجْمَعُ مِنْ لَفْظَۃِ الْفَلَاحِ لِخَیْرَیِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کَمَا قَالَ اَئِمَّۃُ اللِّسَانِ (تاج)۔'' (تفسیر ماجدی، ص۸)۔ یہی بات پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اِن الفاظ میں بیان کی ہے: ''فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ لیس فی کلام ... ائمۃ اللسان (تاج)۔'' ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ نہیں جو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات و برکات پر دلالت کرتا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۳۲)۔

**مُفْلِحٌ** ج: مُفْلِحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مراد پانے والا۔ ''قرآن مجید میں مفلحون کا لفظ صرف انہی لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو آخرت میں فلاح پانے والے (ہیں)۔ اخروی کامیابی کے دروازے جن کے لیے کھول دیئے جائیں گے، ہاں اَفْلَحَ کا لفظ ایک جگہ فرعون و موسیٰ کے قصہ میں دنیوی کامیابی کے لیے استعمال کیا گیا وہ بھی اللہ کا مقولہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کا مقولہ اللہ نے نقل کیا ہے، فرمایا ہے ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ۝۶۴﴾ (20/طٰہٰ:64) ''آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔'' (لغات القرآن)

**ترکیب** اُولٰٓئِكَ کا اشارہ گذشتہ آیت نمبر2 میں اَلْمُتَّقِیْنَ کی طرف ہے۔ نیز اس آیت میں اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلٰی هُدًی قائم مقام خبر ہے۔ هُدًی نکرہ موصوفہ ہے اور مِّنْ رَّبِّهِمْ اس کی صفت ہے۔ آگے اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اَلْمُفْلِحُوْنَ اس کی خبر اور درمیان میں هُمْ ضمیر فاصل ہے جو حصر کا مفہوم پیدا کر رہی ہے۔

| هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ | وَاُولٰٓئِكَ | مِّنْ رَّبِّهِمْ ق | عَلٰی هُدًی | اُولٰٓئِكَ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہی مراد پانے والے ہیں | اور یہ لوگ | اپنے رب کی طرف سے | ہدایت پر ہیں | یہی لوگ | البقرۃ:5 |

## آیت:6

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶﴾

**ك ف ر**

(ن) **کُفْرًا، کُفُوْرًا، کُفْرَانًا** کسی چیز کو دبا دینا، کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ پھر اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ الفاظ قرآن مجید میں شکر اور ایمان کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا مفہوم ہے:

(ا) ناشکری کرنا یا ناقدری کرنا۔ ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ناشکرا محسن کے احسانات کو چھپاتا ہے۔ (ب) ایمان لانے سے انکار کرنا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی معرفت، اسکی وحدانیت، نیکی بدی کا شعور، جذبہ شکر وغیرہ انسان کی فطرت میں ڈال کر اسے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ چیزیں جب اس کے اندر سے

ابھر کر شعور کی سطح پر آنا چاہتی ہیں تو کچھ لوگ اسے دبا دیتے ہیں یا چھپا لیتے ہیں۔ اسکے بعد ہی وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ناشکری کریں یا انکار کریں۔ کُفْرٌ زیادہ تر دین سے انکار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کُفْرَانٌ زیادہ تر نعمت کے انکار اور ناقدری کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کُفُوْرٌ دونوں قسموں کے انکار پر بولا جاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾ (31/لقمان:12) ''اور جو شکر کرے تو کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی لئے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک اللہ بے نیاز، حمد کیا ہوا ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ﴾ (3/آل عمران:90) ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں، ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔''

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝﴾ (17/بنی اسرائیل:89) ''ہم نے مختلف پیرایوں میں بیان کی ہے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال، تو نہ مانا لوگوں کی اکثریت نے مگر ناشکری کرتے ہوئے۔''

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ﴾ (21/الانبیاء:94) ''تو جو عمل کرے نیکیوں میں سے اس حال میں کہ وہ مومن رہے تو کسی قسم کی کوئی ناقدری نہیں ہے اسکی کوشش کے لئے۔'' کُفر کا لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی کفر، انکار۔ ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝﴾ (2/البقرۃ:108) ''اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے۔''

**اُكْفُرْ** ج: اُكْفُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کفر کر۔ ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ﴾ (59/الحشر:16) ''شیطان کی مثال کی مانند جب اس نے کہا انسان سے کہ تو ناشکری کر یا انکار کر۔''

**كَافِرٌ** ج كَافِرُوْنَ، كُفَّارٌ اور كَفَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے (مذکر)۔ کفر کرنے والا، انکار کرنے والا، ناشکری کرنے والا۔ ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ۧ﴾ (78/النبا:40) ''اور کہے گا انکار کرنے والا اے کاش میں مٹی ہوتا۔'' ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ (7/الاعراف:76) ''وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اُس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ﴾ (2/البقرۃ:161) ''بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اور وہ لوگ مر گئے اس حال میں کہ وہ لوگ انکار کرنے والے ہی رہے، ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' ﴿اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ۧ﴾ (80/عبس:42) ''یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔''

کسان کو بھی كَافِرٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دبانے اور چھپانے والا ہوتا ہے۔ ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ﴾ (57/الحدید:20) بارش کی مثال کی مانند جو بھلی لگی کسانوں کو۔''

رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ سب چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

**كَافِرَةٌ** ج: كَوَافِرُ۔ اسم الفاعل ہے (مؤنث)۔ انکار کرنے والی۔ ناشکری کرنے والی۔ ﴿وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ﴾ (3/آل عمران:13) ''اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ اُن کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے۔'' ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (60/الممتحنۃ:10) ''اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو۔''

| | | |
|---|---|---|
| | كَفَّارٌ | فَعَّالٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔بہت ناشکرا، بہت انکار کرنے والا۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ ﴾(39/الزمر:3)''یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔'' |
| | كَفُوْرٌ | فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔دل کھول کر ناشکری کرنے والا ، انکار کرنے والا۔﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝۶۶ ﴾(22/الحج:66)''بیشک انسان دل کھول کر ناشکری کرنے والا ہے۔'' |
| | مَآ اَكْفَرَهٗ | صیغہ تعجب ہے جو اظہار تعجب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷ ﴾(80/عبس:17)''(کافر) انسان پر اللہ کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے۔'' |
| (تفعیل) | تَكْفِيْرًا | کسی کی ناپسندیدہ چیز کو اس سے دور کرنا، کسی چیز کو اس طرح چھپانا اور ڈھانپنا کہ گویا وہ کبھی تھی ہی نہیں۔غلطی کا جرمانہ ادا کر کے اس کی سزا کو دور کرنا۔کفارہ ادا کرنا۔﴿ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ﴾(47/محمد:2)''اس نے یعنی اللہ نے دور کیا ان کی برائیوں کو ان سے اور اس نے اصلاح کی ان کی حالتوں کی۔''(نوٹ: جوہریؒ فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کے لیے 'احباط' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے 'تکفیر' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اَلتَّكْفِيْرُ فِي الْمَعَاصِي كَالْاِحْبَاطِ فِي الثَّوَابِ)۔(بحوالہ ضیاء القرآن، ج۵، ص۳۰۴) |
| | كَفِّرْ | فعل امر ہے۔تو دور کر۔﴿ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳ ﴾(3/آل عمران:193)''اے ہمارے رب تو بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔'' |
| | كَفَّارَةٌ | کفارہ کے لغوی معنی ہیں ''چھپانے والی چیز'' جو چیز گناہ کو دور کر دے اور اسے چھپا دے، کفارہ کہلاتی ہے یعنی گناہ کا شرعی اتار۔کسی نیکی کو گناہ کا ''کفارہ'' قرار دینے کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ نیکی اس گناہ پر چھا جائے اور اسے ڈھانپ لے، جیسے کسی دیوار پر داغ لگ جائے اور اس پر سفیدی پھیر کر اسے مٹا دیا جائے۔نوٹ: کفارہ گناہ سے متعلق ہوتا ہے۔جبکہ فِدْيَةٌ، عبادت میں کوتاہی سے متعلق ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ﴾(5/المائدۃ:89)''یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔'' |

**س و ی**

| | | |
|---|---|---|
| (س) | سِوًى ، سَوَاءً | ہموار ہونا۔حالت یا مقدار میں برابر ہونا۔درمیان میں ہونا۔درست ہونا۔قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔البتہ اس کا مصدر سَوَاءٌ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔ |
| | سَوَاءٌ | مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔(۱) برابر۔﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾(4/النساء:89)''یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تا کہ تم (سب) برابر ہو جاؤ۔''(ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾(3/آل عمران:64)''تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿ فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ﴾(8/الانفال:58)''تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)(۲) کسی چیز کا درمیان یا وسط۔﴿ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸ ﴾(2/البقرۃ:108)''اور جو تبدیل کرتا ہے کفر کو ایمان کے بدلے تو وہ بھٹک گیا ہے راستہ کے درمیان سے یعنی سیدھے راستے سے۔''﴿ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝۵۵ ﴾(37/الصافات:55)''پس اس نے جھانکا تو اس نے دیکھا اس کو بھڑکتی آگ کے وسط میں۔''(۳) پورا، تمام۔﴿ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً |

لِّلسَّآئِلِیۡنَ ۝۱۰ ﴾(41/حم السجدۃ:10)''اور اُسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنادیے اور اُس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اُس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔اور حضرت شیخ الہندؒ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ کا ترجمہ کرتے ہیں ''پورا ہوا پوچھنے والوں کو۔'' اور پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ''یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے بتلادو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی وبیشی کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا'' نوٹ: نہ اس کا تثنیہ بنایا جاتا ہے اور نہ جمع۔

**سَوِیٌّ** فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہر لحاظ سے کمی یا زیادتی سے پاک۔ سیدھا۔ کامل۔ درمیانی۔ ﴿قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝۱۰﴾ (19/مریم:10)''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین کامل راتیں یعنی تین رات اور دن۔'' یا ''(اللہ نے) فرمایا تمہارے لیے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہوگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**سُوًی** صاف، ہموار۔ درمیانی۔ جس چیز کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ یہ صفت بھی ہے، ظرف بھی ہے اور مصدر بھی۔ ﴿فَلَنَاۡتِیَنَّکَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِہٖ فَاجۡعَلۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُہٗ نَحۡنُ وَ لَاۤ اَنۡتَ مَکَانًا سُوًی ۝۵۸﴾ (20/طٰہٰ:58)''سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلے میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں گے اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت میں مَکَانًا سُوًی کے بارے میں صاحبؒ احسن البیان لکھتے ہیں: ''صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔'' (احسن البیان، ص ۸۶۳)

(تفعیل) **تَسۡوِیَۃً** کسی چیز کو کمی یا زیادتی سے پاک کرنا۔ ہر لحاظ سے مناسب وموزوں بنانا یعنی نوک پلک درست کرنا۔ ہموار یا برابر کرنا۔ ﴿الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝۲﴾ (87/الاعلیٰ:2) ''جس نے پیدا کیا پھر نوک پلک درست کی۔'' ﴿رَفَعَ سَمۡکَہَا فَسَوّٰىہَا ۝۲۸﴾ (79/النّٰزعٰت:28)''اس نے بلند کیا اس کی یعنی آسمان کی چھت کو پھر اسے درست کیا۔'' ﴿اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۹۸﴾ (26/الشعراء:98)''جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگارِ عالم کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**تُسَوّٰی** مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِہِمُ الۡاَرۡضُ﴾ (4/النساء:42)''جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیغمبر کی نافرمانی کی ہے وہ اُس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین اُن پر برابر کردی جائے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(مفاعلہ) **مُسَاوَاۃً** دو یا زیادہ چیزوں کو برابر کرنا۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا﴾ (18/الکہف:96)''یہاں تک کہ جب اس نے برابر کردیا پہاڑوں کے دونوں کناروں کے درمیان کو، تو اس نے کہا تم لوگ پھونکو۔''

(افتعال) **اِسۡتِوَاءً** (1) استویٰ کے بعد اگر دو ''فاعل'' آئیں (یعنی اگر معطوف علیہ اور معطوف مل کر فاعل ہو) تو اس کے معنی ہوتے ہیں دونوں میں برابری کرنا۔ ﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ۬ۙ اَمۡ ہَلۡ تَسۡتَوِی الظُّلُمٰتُ وَ النُّوۡرُ ۬ۚ﴾ (13/الرعد:16)''آپ ﷺ کہیے کیا برابر ہوتے ہیں اندھا اور بصیرت والا یا کیا برابر ہوتے ہیں اندھیرے اور نور۔'' ﴿وَمَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ۖ﴾ (35/فاطر:12)''اور برابر نہیں دو دریا۔''

(2) اگر دو فاعل نہ ہوں، یعنی ایک ہی فاعل ہو، تو پھر اس کے معنی سنبھلنے، درست ہونے اور سیدھا ہونے کے ہوتے ہیں

جیسے فرمایا:﴿ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ ﴾(53/النجم:7،6)''زورآور نے، پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) یا فرمایا:﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى ﴾(28/القصص:14)''اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

(3) اِسْتَوٰى اِلٰى۔ارادہ کرنا۔متوجہ ہونا۔قصد کرنا۔﴿ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ ﴾(41/حٰمٓ السجدۃ:11)''پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف اس حال میں کہ وہ دھواں تھا۔''

(4) اِسْتَوٰى عَلٰى۔غالب آنا۔قرار پکڑنا۔قائم ہونا۔جم کر بیٹھنا۔﴿ اِۨالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ ﴾(25/الفرقان:59)''جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا عرش پر۔''جب اللہ تعالیٰ کے لیے استویٰ علیٰ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ تخت حکومت پر اس طرح قابض ہونا کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ اقتدار سے باہر نہ رہے اور قبضہ اور تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی نہ پائی جائے۔سب کام اور انتظام برابر ہو۔(تلخیص از تفسیر عثمانی،ص ۲۰۹)۔﴿ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ ﴾(11/ھود:44)''اور قرار پکڑا اُس کشتی نے جودی پہاڑ پر یعنی وہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔''"جم کر بیٹھنے" کے معنوں میں یہ آیت ہے۔﴿ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ ﴾(43/الزخرف:13)''تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اُس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی اس نعمت کو یاد کرو۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

| ن | ذ | ر |
|---|---|---|

(ض-ن) نَذْرًا: کسی حادثے کی وجہ سے کسی غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا۔منت ماننا(امام راغبؒ)۔﴿ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ﴾(19/مریم:26)''میں نے منت مانی رحمٰن کے لئے ایک روزے کی۔''

نَذْرٌ: ج: نُذُوْرٌ۔اسم ذات ہے۔منت۔نذر۔''نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے بر آنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اُوپر لازم کر لے، جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو، اور اللہ سے مانگی گئی ہو، اور اس کے بر آنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔اگر یہ صورت نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔''(تفہیم القرآن، ج۱،ص ۲۰۸)﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ ﴾(2/البقرۃ:270)''اور جو تم لوگ انفاق کرو کسی خرچے میں سے یا جو تم لوگ منت مانو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔''﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾(22/الحج:29)''پھر ان لوگوں کو چاہیے کہ اتاریں اپنے میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا۔''

(س) نَذَرًا: کسی متوقع خطرہ سے خبردار ہونا۔چوکنا ہونا۔باب سمع سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) اِنْذَارًا، نُذُرًا، نُذْرًا: کسی متوقع خطرے سے خبردار کرنا۔وارننگ دینا۔''ایسی خبر دینا جس سے خوف پیدا ہو۔اردو میں اس کا ترجمہ ڈرانے سے کیا جاتا ہے لیکن مطلقاً ڈرانے کو انذار نہیں کہتے۔بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت اور رحمت کی بناء پر ہو۔جیسے والدین اولاد کو

آگ سے، سانپ وغیرہ سے ڈراتے ہیں۔ اس میں شفقت اور ہمدردی کا پہلو ہوتا ہے۔ جبکہ ڈاکو اور چور جو انسانوں کو ڈراتے ہیں اس میں شفقت کا پہلو نہیں ہوتا اس لیے ان کے ڈرانے کو انذار اور ان لوگوں کو نذیر نہیں کہا جاتا۔ جبکہ انبیاء کو خصوصیت کے ساتھ نذیر کا لقب دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ آنے والے مصائب سے ازراہِ شفقت لوگوں کو ڈراتے ہیں۔'' (معارف القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:'' نَذَرَ کے مادہ کا اطلاق اس ڈرانے پر ہوتا ہے جس میں کم از کم دو خصوصیتیں ہوں۔ ایک تو وہ ڈرانا بروقت ہو۔ یوں نہیں کہ جب پتھر آسمان سے برسنے شروع ہو جائیں تو خطرہ کا الارم بجنے لگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار سے مقصد صرف عذاب کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد اس شخص کی خیر خواہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کر لے۔ لسان العرب میں ہے کہ عرب کہتے ہیں: اَنْذَرْتُ الْقَوْمَ مَسِيْرَ الْعَدُوِّ اِلَيْهِمْ فَنَذَرُوْا اَیْ عَلَّمْتُهُمْ ذٰلِكَ فَعَلِمُوْا وَ تَحَرَّزُوْا یعنی میں نے قوم کو دشمن کے حملے سے خبردار کیا۔ پس اُنہوں نے اپنا بچاؤ کر لیا۔'' (ضیاء القرآن، ج۴،ص۳۳۵)۔ ﴿وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ (6/الانعام:19)''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اور اس کو جس کو وہ پہنچے۔''

**اَنْذِرْ** ج: اَنْذِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو خبردار کر۔ ﴿وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ (14/ابراہیم:44)''اور خبردار کیجئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان کے پاس عذاب۔''

**مُنْذِرٌ** ج: مُنْذِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خبردار کرنے والا۔ ڈرانے والا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:'' ہر پیغمبر عذابِ الٰہی سے سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے اس لیے ہر پیغمبر کو منذر کہا جاتا ہے اور چونکہ ہر پیغمبر کے ڈرانے کا اصل مقصد ہدایت کرنا ہوتا ہے اس لیے بعض ترجمہ کرنے والوں نے منذر کا ترجمہ ہادی بھی کیا ہے۔'' (لغات القرآن، ج۵،ص:۴۵۶)﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۠﴾ (13/الرعد:7)'' کچھ نہیں سوائے اس کے کہ آپ ﷺ ایک خبردار کرنے والے ہیں اور ہر ایک قوم کیلئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔''

**مُنْذَرٌ** اسم المفعول ہے۔ جس کو خبردار کیا گیا۔ جو ڈرایا گیا یعنی جس کو سرکشی اور نافرمانی کی سزا سے ڈرایا گیا۔ ﴿وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ (10/یونس:73)''اور ہم نے ڈبو یا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، تو دیکھ کیسا تھا خبردار کئے جانے والوں کا انجام۔''

**نَذِيْرٌ** ج: نُذُرٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی خبردار ہونے والا کے بجائے خبردار کرنے والا، ڈرانے والا ہیں۔ نوٹ: صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:'' یاد رکھو کہ قرآن مجید میں ہر جگہ نذیر یعنی ڈرانے والے سے مراد ہے نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا۔'' (لغات القرآن، ج:۶،ص:۴۰)﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ (34/سبا:28)''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ ﷺ کو مگر تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔'' ﴿وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ﴾ (46/الاحقاف:21)''اور گزر چکے ہیں خبردار کرنے والے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے۔''

**اَمْ** حرف عطف ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) منقطع۔

(۱) متصل: وہ ہے جس سے پہلے ہمزۂ تسویہ (سَوَاءٌ کا ہمزہ) آئے جیسے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ۔ایسی صورت میں 'اَ' کے معنی 'خواہ' یا 'چاہے' کے ہوتے ہیں۔ اور اَمْ کے معنی 'یا' کے ہوتے ہیں۔ کسی جملہ میں ءَ کے بعد اگر اَمْ لانا ہو تو، زیادہ تر ءَ کے بعد فعل ماضی لاتے ہیں اور اَمْ کے بعد فعل مضارع لاتے ہیں۔ پھر مضارع میں ماضی کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے اس پر لَمْ داخل کرتے ہیں۔ یا اس سے پہلے ایسا ہمزہ استفہام آتا ہے جس کو اَمْ کے ساتھ ملانے سے کسی چیز کا تعین مقصود ہو۔ جیسے اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌ ۔ایسی صورت میں اَمْ کے معنی اَوْ (یا) کے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے متصل کہتے ہیں کیونکہ اِس سے ماقبل اور مابعد آپس میں ملے ہوتے ہیں۔

(۲) منقطع: یعنی وہ جو متصل کے خلاف ہو۔ اس صورت میں اَمْ کے وہ معنی جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے 'اِضْرَابٌ' ہے یعنی پہلی بات سے اعراض کرنا تبھی یہ منقطع کہلاتا ہے۔ ایسے اَمْ کے کئی معنی ہوتے ہیں مثلاً، یا، خواہ، کیا، بَلْ (بلکہ)۔ بَلْ اور ہمزہ (بَلْ اَ) استفہام کے لیے آتا ہے۔ عموماً اس سے پہلے کوئی سوال ہوتا ہے۔ جس کو چھوڑ کر اَمْ (بمعنی بَلْ اَ) سے کوئی دوسرا سوال پوچھا جاتا ہے مثلاً ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ یا ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ ﴾ ۔اَمْ بعض دفعہ زائدہ بھی آتا ہے۔

| |
|---|
| يُؤْمِنُوْنَ (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الَّذِيْنَ، اسم موصول اور كَفَرُوْا، اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر اسم ہوئے اِنَّ کے۔ آگے جملہ اسمیہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ تک خبر اوّل ہے اِنَّ کی۔ اس میں سَوَآءٌ مبتدا ہے اور عَلَيْهِمْ جار مجرور متعلق ہیں سَوَآءٌ سے۔ اَ۔ ہمزہ تسویہ ہے۔ اَنْذَرْتَ فعل اور اس میں شامل ضمیر اُس کا فاعل اور هُمْ اس کا مفعول بِہٖ۔ اَمْ حرف عطف ہے اور جملہ لَمْ تُنْذِرْهُمْ عطف ہے اَنْذَرْتَهُمْ پر اور جملہ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ، سَوَآءٌ کی خبر ہے اور محلاً حالت رفع میں ہے۔ آگے جملہ فعلیہ لَا يُؤْمِنُوْنَ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔ اس میں لَا نفی کا ہے۔ اس آیت کی اور تراکیب بھی کی گئی ہیں۔

| ترجمہ | اِنَّ | الَّذِيْنَ كَفَرُوْا | سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ | ءَاَنْذَرْتَهُمْ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:6 | یقیناً | جن لوگوں نے انکار کیا | برابر ہے ان پر | خواہ آپ خبردار کریں ان کو |

| اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ | لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ |
|---|---|
| یا آپ خبردار نہ کریں ان کو | وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے |

**نوٹ:1** کفر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ''کفر'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کفر کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں، ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہتے ہیں کہ محسن کے احسان کو چھپانا ہے (مطلب انسان اپنے محسن کے احسان کو چھپاتا ہے)۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے، مثلاً ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی و یقینی ہے اُن سب چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا، اور حق سمجھنا، اس لیے جو شخص رسول کریم ﷺ کی اُن تعلیمات میں سے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کسی ایک کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۱۷)۔

حضرت مولانا مودودیؒ نے ''کفر'' کی وضاحت نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے، فرماتے ہیں: ''کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے میں بولا جانے لگا۔ ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کر لینا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رُو سے کفر کے رویہ کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، یا اُس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اور ساری کائنات کا مالک اور معبود ماننے سے انکار کر دے، یا اسے واحد مالک اور معبود نہ مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اُس کی ہدایات کو واحد منبع علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کردے۔

تیسرے یہ کہ اُصولاً اس بات کو بھی تسلیم کرلے کہ اسے اللہ ہی کی ہدایت پر چلنا چاہیے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انہیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے اور اپنی پسند یا اپنے تعصبات کی بنا پر ان میں سے کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔

پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانینِ حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو یا اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ نظریے کے طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکامِ الٰہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرتا رہے، اور دنیوی زندگی میں اپنے رویے کی بنا اطاعت پر نہیں بلکہ نافرمانی ہی پر رکھے۔

یہ سب مختلف طرزِ فکر و عمل اللہ کے مقابلے میں باغیانہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک رویے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور شکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اُس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔ اس کے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اُس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کردے، یا اُس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدر اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ا، ص ۱۲۹)

## آیت:7

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۧ﴾

| خ ت م |
|---|

(ض) خَتْمًا (1) مہر لگانا تاکہ اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر نہ جاسکے یعنی محفوظ کر لینا، بند کردینا۔ اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (36/یٰسین:65) ''اس دن ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر۔''

(2) کسی کام سے فارغ ہونا، ختم کرنا۔

(3) کسی چیز کے آخر تک پہنچ جانا۔ اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں یعنی قرآن کو آخر تک پڑھ لینا۔

حضرت مولانا مودودیؒ ''ختم'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی لغت میں محاورے کی رو سے ''ختم'' کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ خَتَمَ الْعَمَلَ کے معنی میں فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ، ''کام سے فارغ ہوگیا''۔ خَتَمَ الْاِنَاءَ کے معنی ہیں ''برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تاکہ نہ کوئی چیز اس میں سے نکلے اور نہ کچھ اس کے اندر داخل ہو۔'' خَتَمَ الْكِتَابَ کے معنی ہیں ''خط بند کر کے اس پر مہر لگا دی تاکہ خط محفوظ ہو جائے۔'' خَتَمَ عَلَى الْقَلْبِ ''دل پر مہر لگا دی کہ نہ کوئی بات اس کی سمجھ میں آئے، نہ پہلے سے جمی ہوئی کوئی بات اس میں سے نکل سکے۔'' خِتَامُ كُلِّ مَشْرُوْبٍ ''وہ مزا جو کسی چیز کو پینے کے بعد آخر میں محسوس ہوتا ہے۔'' خَاتِمَةُ كُلِّ شَيْءٍ، عَاقِبَتُهٗ وَاٰخِرَتُهٗ، ''ہر چیز کے خاتمہ سے مراد ہے اس کی عاقبت اور آخرت۔'' خَتَمَ الشَّيْءَ،

بَلَغَ اٰخِرَهٗ ''کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے اس کے آخر تک پہنچ جانا۔'' اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں اور اسی معنی میں سورتوں کی آخری آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے۔ خَاتَمُ الْقَوْمِ، اٰخِرُهُمْ ''خاتم القوم سے مراد ہے قبیلے کا آخری آدمی۔'' (ملاحظہ ہو لسان العرب، قاموس اور اقرب الموارد) (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۳۹)

**خِتَامٌ** اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے جیسے لاکھ، گیلا آٹا، گیلی مٹی وغیرہ۔ ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝﴾ (83/المطففین:25-26) ''ان کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔ اس کی مہر مشک ہے اور چاہیے کہ اس میں جان کھپائیں جان کھپانے والے۔''

**خَاتَمٌ** اس کے تین معنی ہیں (۱) مہر (۲) ختم کرنے والا (۳) آخری۔ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ﴾ (33/الاحزاب:40) ''اور نہیں ہیں محمد ﷺ کسی ایک کے باپ، تمہارے مردوں میں سے، اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔'' اس آیت میں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے عام طور پر تین طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً (۱) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''اور مہر سب نبیوں پر۔'' یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلے پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ بس جس کو ملنی تھی مل چکی۔ یا دوسرے لفظوں میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی تاکہ کوئی کذّاب، دجّال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (۲) تفسیر احسن البیان میں اس کا ترجمہ ''تمام نبیوں کے ختم کرنے والے'' سے کیا گیا ہے۔ یعنی انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے۔ (۳) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں'' خَاتَمٌ اور خَاتِمٌ، دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو خِتَام، خَاتَم اور خَاتِم کہا جاتا ہے۔ کسی چیز کے آخر کو خاتمۃ الشئ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو خاتم النبین کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔ (واللہ اعلم)

**مَخْتُوْمٌ** اسم المفعول ہے۔ جس پر مہر لگا دی جائے۔ مہر لگا ہوا۔ ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝﴾ (83/المطففین:25) ''اُن کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔''

**ق ل ب**

(ض) **قَلْبًا** کسی چیز کو ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھیرنا، پلٹنا یا موڑنا۔ ﴿وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝﴾ (29/العنکبوت:21) ''اور اس کی طرف ہی تم لوگ پلٹائے جاؤ گے۔'' عربی زبان میں قَلْبُ الْاَمْرِ کا مطلب ہوتا ہے کسی معاملے کو الٹ پلٹ کر دیکھنا اور جانچنا کہ اس کا ہر پہلو صاف ظاہر ہو جائے۔

**قَلْبٌ** ج: قُلُوْبٌ۔ اسم ذات ہے۔ دل (کیونکہ یہ ہر لمحہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔) مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔'' ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ﴾ (64/التغابن:11) ''اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو۔'' ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ (7/الاعراف:179) ''ان کے دل ہیں (لیکن) وہ لوگ سمجھتے نہیں ان سے۔''

(تفعیل) **تَقْلِيْبًا** کسی چیز کو بار بار پلٹنا (اس میں مبالغے کا مطلب ہوتا ہے)۔﴿ وَ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ (18/الکھف:18) ''اور ہم بار بار پلٹتے ہیں ان کو دائیں جانب اور بائیں جانب یعنی ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔''

(تفعّل) **تَقَلُّبًا** کسی چیز کا خود بار بار پلٹنا، گھومنا پھرنا۔﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ﴾ (2/البقرۃ:144) ''ہم نے دیکھ لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا بار بار پلٹنا آسمان میں۔''﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾ (3/آل عمران:196) ''ہرگز دھوکا نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہروں میں ان لوگوں کا گھومنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا۔''

**مُتَقَلَّبٌ** اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے۔ گھومنے پھرنے کی جگہ۔﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴾ (47/محمد:19) ''اللہ جانتا ہے تمہارے گھومنے پھرنے کی جگہ کو اور تمہارے واپس ہونے کی جگہ کو۔''

(انفعال) **اِنْقِلَابًا** کسی چیز کا خود ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھرنا یا پلٹنا۔﴿ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ﴾ (3/آل عمران:144) ''تو کیا اگر وہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل۔''

**مُنْقَلِبٌ** ج: مُنْقَلِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پھرنے والا۔ پلٹنے والا۔﴿ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:125) ''ان لوگوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔''

**مُنْقَلَبٌ** اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے پلٹنے کی جگہ۔﴿ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴾ (26/الشعراء:227) ''اور جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کون سی پلٹنے کی جگہ وہ لوگ پلٹیں گے۔''

## س م ع

(س) **سَمَاعًا ، سَمْعًا** سننا۔ کسی بات کو سن کر سمجھنا۔﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ (3/آل عمران:193) ''اے ہمارے رب بیشک ہم نے سنا ایک نداد ینے والے کو کہ وہ ندا دیتا ہے ایمان کیلئے۔''

نوٹ: سَمْعٌ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ بطور مصدر استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سننا۔ بطور اسم یہ لفظ ''سننے کی قوت'' اور ''کان'' دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سَمْعٌ بمعنی کان، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

**اِسْمَعْ** ج: اِسْمَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو سن۔﴿ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ﴾ (2/البقرۃ:93) ''تم لوگ پکڑو جو ہم نے دیا تم لوگوں کو مضبوطی سے اور تم لوگ سنو۔''

**سَمِيْعٌ** فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں۔ سننے والا۔﴿ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (2/البقرۃ:127) ''یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

**سَمَّاعٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ سننے والا۔ کان دھرنے والا۔ خوب کان لگا کر سننا کبھی تو جاسوسی کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی قبول کرنے اور ماننے کے لیے، چنانچہ سَمَّاعٌ کا استعمال جاسوس اور مطیع (ماننے والا) دونوں کے لیے ہوتا ہے۔﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ (5/المائدۃ:41) ''جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے۔'' حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت میں سَمّٰعُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سَمّٰعُوْنَ کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے، پھر ''بہت زیادہ سننا'' کبھی تو

جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں ''بہت زیادہ قبول کرنے والا'' جیسے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ لیکن ابن جریرؒ وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے۔ ''سمّٰعون للکذب'' یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سمّٰعون لقوم اٰخرین یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔'' (تفسیر عثمانیؒ ص ۱۵۱)

(افعال) اِسْمَاعًا: کسی کو سنانا۔ ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ﴾ (30/الروم:52) ''یقینا آپ ﷺ نہیں سناتے مردوں کو اور آپ ﷺ نہیں سناتے بہروں کو پکار۔''

مُسْمِعٌ: اسم الفاعل ہے۔ سنانے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴾ (35/ فاطر:22) ''بیشک اللہ سناتا ہے اسکو جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور آپ ﷺ سنانے والے نہیں ہیں ان کو جو قبروں میں ہیں۔''

مُسْمَعٌ: اسم المفعول ہے۔ جس کو سنایا جائے۔ ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ (4/النساء:46) ''اور سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے۔''

نوٹ: اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ: یہ محاورہ دو طرح سے بولا جاتا ہے (۱) بطور بددعا۔ یعنی تم سنو اور بہرے ہو جاؤ اور کچھ نہ سن سکو۔ (۲) بطور دعا۔ یعنی سنو اور تمہیں کوئی بری بات نہ سننی پڑے اور تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے۔

(تفعّل) تَسَمُّعًا: سننے کی کوشش کرنا۔ کان لگانا۔ ﴿لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾ (37/ الصافات:8) ''وہ لوگ کان نہیں لگا سکتے عالم بالا کی طرف۔'' (يَسَّمَّعُوْنَ، اصل میں يَتَسَمَّعُوْنَ تھا۔ 'ت'، 'س' سے بدل گئی اور پھر دونوں 'س' کا ادغام ہو گیا۔ یاد رہے کہ اس خصوصی قاعدے کا تعلق باب تفعّل اور تفاعل سے ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر باب تفعّل اور تفاعل کے 'ف' کلمہ پر اگر مندرجہ ذیل دس حروف میں سے کوئی حرف آجائے تو ان ابواب کی 'ت' تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے جو 'ف' کلمہ پر آیا ہو۔ اس کے بعد ان پر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ دس حروف یہ ہیں: ''ث، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ۔'' (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ''آسان عربی گرامر'' از لطف الرحمٰن خان صاحب، حصہ سوم، صفحہ ۶۴ دیکھیں)۔

(افتعال) اِسْتِمَاعًا: دھیان سے سننا۔ غور سے سننا۔ ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ (39/الزمر:18) ''جو لوگ دھیان سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اس کی اچھی طرح۔''

اِسْتَمِعْ: ج: اِسْتَمِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ دھیان سے سنو۔ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (7/الاعراف:204) ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اس کو اور خاموش رہو۔''

مُسْتَمِعٌ: ج: مُسْتَمِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دھیان سے سننے والا۔ ﴿فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴾ (26/الشعراء:15) ''پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں پوری طرح سننے والے ہیں۔''

**ب ص ر**

(ک) بَصَارَةً: دیکھنا۔ دیکھ کر سمجھنا اور جاننا۔ ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ (20/طٰہٰ:96) ''میں نے دیکھ کر سمجھا اسے جو وہ لوگ نہیں سمجھے۔''

بَصَرٌ ج: اَبْصَارٌ۔ اسم ذات ہے۔(۱) آنکھ۔(۲) دیکھنے کی قوت (بینائی) بینائی دل کی ہو یا آنکھ کی دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔(۳) دیکھ کر سمجھنے کی حس۔﴿ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ وَ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَ قَلۡبِہٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ﴾ (45/الجاثیہ:23)''تو کیا آپ ﷺ نے دیکھا اس کو جس نے بنایا معبود اپنی خواہش کو اور گمراہ کیا اسکو اللہ نے علم کے باوجود اور اس نے مہر لگادی اس کی سماعت پر اور اس کے دل پر اور اس نے بنایا اس کی بصارت پر ایک پردہ۔''

بَصِیۡرَۃٌ ج: بَصَآئِرُ۔ اس کا لفظی مطلب ہے بینائی لیکن یہ صرف دل کی بینائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔یعنی دل کی وہ روشنی یا نور جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ سمجھنے کی صلاحیت، نشان عبرت، سمجھ میں آنے والی دلیل اور حجت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ ہٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ؔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ ؕ﴾ (12/یوسف:108)''یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ قَدۡ جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ﴾ (6/الانعام:104)''اب تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں۔''﴿ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ﴿ۙ۱۴﴾﴾ (75/القیامۃ:14) اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ یہ کرتے ہیں،''بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے۔''اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں:''بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا۔'' اس آیت میں بَصِیۡرَۃٌ سے اکثر بزرگوں نے ''حجت'' مراد لی ہے۔

بَصِیۡرٌ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔دیکھنے والا۔﴿ وَ اللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ ع﴾ (2/البقرہ:96) اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

(افعال) اِبۡصَارًا دیکھنا اور دکھانا (لازم اور متعدی)۔سمجھ بوجھ رکھنا۔﴿ اَفَسِحۡرٌ ہٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ۚ۱۵﴾﴾ (52/الطور:15)''تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا۔''

اَبۡصِرۡ فعل امر ہے۔تو دیکھ۔﴿ وَّ اَبۡصِرۡہُمۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾﴾ (37/الصافات:175)''اور آپ ﷺ انہیں دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔''

مُبۡصِرٌ ج: مُبۡصِرُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔دیکھنے والا، دکھانے والے، سمجھانے والا، چیزوں کو واضح کرنے والا۔ جو خود واضح ہو وہ بھی مُبۡصِرٌ ہے اور جو دوسرے کو واضح اور روشن کردے وہ بھی مُبۡصِرٌ ہے۔دن خود بھی روشن ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرنے والا ہے۔﴿ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ﴾ (10/یونس:67)''وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا''حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس آیت میں ''مُبۡصِرٌ'' کا ترجمہ ''دکھلانے والا'' سے کیا ہے۔

مُبۡصِرَۃٌ ﴿ وَ اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا بِہَا ؕ﴾ (17/بنی اسرائیل:59)''اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی اُن کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اُس پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''اور ہم نے (قوم) ثمود کو اُونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعے کے طور پر لیکن اُنہوں نے (بڑا) ظلم اُس کے ساتھ کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''مُبۡصِرَۃٌ'' کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو

بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔'' (تفسیر ماجدیؒ)

(تفعیل) تَبۡصِرَۃً — تَفۡعِلَۃٌ باب تفعیل کے مصدر کا دوسرا وزن ہے، تَبۡصِرَۃٌ اسی وزن پر ہے۔ دکھانا اور سمجھانا۔ ﴿وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ ۙ﴿۷﴾ تَبۡصِرَۃً وَّ ذِکۡرٰی﴾ (50/ق:7-8) ''اور اُگائی اُس نے ہر ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کو اور یاد دلانے کو۔''

یُبَصَّرُوۡنَ — مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اُنہیں دکھائے جائیں گے۔ ﴿یُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ ؕ﴾ (70/المعارج:11) ''حالانکہ وہ اُنہیں دکھا بھی دیے جائیں گے۔''

(استفعال) اِسۡتِبۡصَارًا — بصیرت طلب کرنا۔ سوچ بچار کرنا۔

مُسۡتَبۡصِرٌ — ج: مُسۡتَبۡصِرُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سوچ بچار کرنے والا۔ ﴿وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ کَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِیۡنَ ﴿ۙ۳۸﴾﴾ (29/العنکبوت:38) ''اور مزین کیا ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس اس نے روک دیا ان کو راستہ سے حالانکہ وہ لوگ تھے غور و فکر کرنے والے۔''

نوٹ: دیکھنے کے لیے قرآن مجید میں 'ب ص ر' کے علاوہ 'ر ء ی' اور 'ن ظ ر' کے مادے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ تینوں میں کچھ بنیادی فرق ہے۔ 'را ی' کا لفظ دیکھنے کے لیے عام ہے۔ چاہے آنکھوں سے دیکھنا ہو، غور و فکر کے لیے دیکھنا ہو، یا خواب میں دیکھنا ہو۔ 'نَظَرَ' کا لفظ بھی دونوں طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آنکھوں سے یا غور و فکر کے لحاظ سے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال آنکھوں سے دیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور 'بَصَرَ' کا لفظ اگرچہ ہر طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر دل سے دیکھنے اور سمجھنے بوجھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الاعراف کی آیت 198 میں تینوں الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿وَ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰىهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ هُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾﴾ ''اور اگر تم اُنہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ اُنہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس میں تَرٰی کا لفظ خیال کرنے کے لیے، نَظَرَ کا لفظ آنکھوں سے دیکھنے کے لیے اور بَصَرَ کا لفظ دیکھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| غ ش و |
|---|

(س) غَشَاوَۃً — کسی کا کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔

غِشَاوَۃٌ — اسم ذات ہے۔ پردہ۔ ﴿وَّ عَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫﴾ (2/البقرۃ:7) ''اور ان کی بصارت پر ایک پردہ ہے۔''

غَاشِیَۃٌ — ج: غَوَاشٍ۔ اسم الفاعل ہے، واحد مؤنث کا صیغہ۔ ڈھانپنے والی، چھا جانے والی۔ ﴿هَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ ؕ﴿۱﴾﴾ (88/الغاشیہ:1) ''کیا پہنچی تجھ کو چھا جانے والی کی خبر۔'' یہ لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اوڑھنے والی چیز، اوڑھنا۔ ﴿لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ﴾ (7/الاعراف:41) ''ان کے لیے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔''

مَغۡشِیٌّ — اسم المفعول ہے۔ جس پر ڈھانپا گیا۔ ﴿رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ﴾ (47/محمد:20) ''تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔''

(افعال) اِغْشَاءً ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈھانپ دینا۔﴿ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ ﴾(7/الاعراف:54)''وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن سے۔''

(تفعیل) تَغْشِیَۃً بتدریج کسی پر کسی چیز کو چھا دینا۔ ڈھانپ دینا۔﴿ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴾(53/النجم:54)''پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعّل) تَغَشٍّ بتکلف کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔﴿ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا ﴾(7/الاعراف:189)''پھر جب اس نے ڈھانپ لیا اس کو تو اس نے اٹھایا ایک ہلکا حمل۔''

(استفعال) اِسْتِغْشَاءً کسی چیز سے خود کو ڈھانپنا۔﴿ حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ﴾(11/ھود:5)''جس وقت وہ لوگ خود کو ڈھانپتے ہیں اپنے کپڑوں سے۔''

**ترکیب**

خَتَمَ فعل اور اللہ فاعل ہے۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پہلا اور عَلٰى سَمْعِهِمْ دوسرا متعلق فعل ہے۔ سَمْعٌ مصدر ہے اور مصادر جمع کی صورت میں نہیں لائے جاتے اس لیے سَمْعٌ مفرد لایا گیا ہے جب کہ قُلُوْبٌ اور اَبْصَارٌ جمع ہیں۔ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ کو اگر خَتَمَ کا تیسرا متعلق فعل مانا جائے تو اگلا لفظ غِشَاوَةٌ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح معلوم ہو گیا کہ پہلا جملہ عَلٰى سَمْعِهِمْ پر مکمل ہو گیا ہے۔ اسی لیے یہاں وقف مطلق کی علامت ''ط'' بھی ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں 'وٗ' استینافیہ ہے۔ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور غِشَاوَةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے جبکہ خبر محذوف ہے۔ اسی طرح سے لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ میں لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ عَظِيْمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور خبر محذوف ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:7

| خَتَمَ | اللّٰهُ | عَلٰى قُلُوْبِهِمْ | وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ | وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ |
|---|---|---|---|---|
| مہر لگا دی | اللہ نے | ان کے دلوں پر | اور ان کی سماعت پر | اور ان کی بصارتوں پر |

| غِشَاوَةٌ ز | وَّلَهُمْ | عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۧ |
|---|---|---|
| ایک پردہ ہے | اور ان کیلئے | ایک عظیم عذاب ہے |

**نوٹ 1:** **ختمِ قلوب کی حقیقت:** دلوں پر مہر لگ جانے کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرتِ سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادی چیز نہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص۹)۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ سادہ الفاظ میں ختم قلوب کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر

کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگاتار توڑتا رہے تو اس کا بلا نوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو رُوحانی صحت کے بھی چند اُصول ہیں جن کی پابندی سے رُوحانی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کفار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دل و دماغ اور دیدہ و گوش (دیکھنا اور سننا) کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انہیں ہوش و فہم سے محروم کر دیا گیا تھا تاکہ وہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اِس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْہَا بِکُفْرِہِمْ (النساء:155) یعنی ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی۔ یعنی پہلے سے ان کے دل مہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (المطففین:14) یعنی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے اِن کا میل اُن کے دلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکدّر ہو گیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص ۳۳)

**نوٹ:2** حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ماند پڑ جانے یا ختم ہو جانے کے لیے قرآن مجید میں تین طرح کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ ہے دلوں پہ زنگ لگنے کا جس کو قرآن نے ﴿ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ ﴾ کہا ہے۔ اس سے اگلا درجہ دلوں پر مہر لگ جانے کا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے ﴿ خَتَمَ اللّٰہُ ﴾ یا ﴿ طَبَعَ اللّٰہُ ﴾ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اور آخری اور سب سے سخت درجہ ہے دلوں پر تالے لگ جانے کا جس کو قرآن نے یوں فرمایا ﴿ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا ﴾ چنانچہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحبؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب پر لگ جاتا ہے پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے اور یہی وہ رَیْن (زنگ) ہے جس کی حق تعالیٰ نے ﴿ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴾ میں خبر دی ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوۃ شریف، ج۲، ص ۵۴۱)۔ پس جس طرح ہم ظاہری سیاہی اور سفیدی اور زنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس سے کہیں زائد ملائکہ اللہ قلوب بنی آدم کی سیاہی اور سفیدی اور زنگ کا معائنہ کرتے ہیں مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ رَیْن یعنی زنگ کا درجہ ختم اور طبع سے کم ہے اور ختم اور طبع کا درجہ اقفال سے کم ہے اور اقفال سب سے زائد سخت ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا ﴾ کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص ۷۰)

## آیت:8

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ہُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ⑧ ﴾

**انسان:** اس کے مادے کے بارے میں اختلاف ہے۔

(1) پہلی رائے یہ ہے کہ انسان ''ء ن س'' (س) اِنْسٌ یا اُنْسٌ، سے ہے جس کے معنی ہیں مانوس ہونا۔ چنانچہ انسان کا مطلب ہوگا ایسی مخلوق جو آپس میں انس (پیار و محبت) رکھتی ہو اور ایک دوسرے سے جان پہچان رکھتی ہو۔ اس لحاظ سے اس کی ضد وحشؔ ہوگی۔ شعر:

مَا سُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاُنْسِہٖ وَالْقَلْبُ قَلْبٌ لِاَنَّہٗ یَتَقَلَّبُ

انسان کا نام اس کے انس ہی کی وجہ سے رکھا گیا ہے اور دل، دل ہے اس لیے کہ وہ بدلتا رہتا ہے۔

(2) دوسری رائے یہ ہے کہ انسان ''ء ن س'' (افعال) اِیْنَاسٌ، سے ہے۔ اس کے معنی ہیں دور سے دیکھنا محسوس کرنا، کسی چیز کا ادراک کرنا۔ انسان کو اِنْسٌ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی ظاہر ہے اور آنکھوں سے اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ضد جِنٌّ ہوگی جس کے معنی ہیں پوشیدہ، مخفی۔ اسی سے جِنٌّ (جن) بنا ہے کیونکہ وہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

(3) تیسری رائے یہ ہے کہ انسان ''ن س ی'' (س) نَسْيًا، نِسْيَانًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں بھول جانا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انسان کو انسان یا اِنْسِيًّا اس لیے کہا گیا کہ اس سے عہد لیا گیا تھا جسے وہ بھول گیا۔ مقولہ ہے اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ تمام انسانوں میں سب سے پہلا انسان وہ ہے جو سب سے پہلے بھولا۔

(4) چوتھی رائے یہ ہے کہ انسان ''ن و س'' (ن) نَوْسًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں مضطرب ہونا، جھولنا، حرکت کرنا۔ اور انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب ہے اور اس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔

**اِنْسٌ** اسم جنس ہے۔ واحد یعنی ایک شخص بھی مراد ہو سکتا ہے اور جمع یعنی تمام نوع انسانی (مذکر، مؤنث) بھی مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ﴾ (55/الرحمٰن:39) ''تو اس دن نہیں پوچھا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں کسی انسان سے اور نہ ہی کسی جن سے۔'' ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ﴾ (6/الانعام:112) ''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر نبی کے لیے دشمن جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو۔'' واحد کے لیے اِنْسِيٌّ بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴾ (19/مریم:26) ''تو میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کے دن کسی انسان سے۔''

**اِنْسَانٌ:** یہ بھی اسم جنس ہے۔ یہ لفظ بول کر عموماً تمام بنی نوع انسان (مذکر مؤنث) مراد لیے جاتے ہیں۔ ''ال'' لگا دیں تو یہ اَلْاِنْسَانُ بن جائے گا۔ پھر ''ال'' جنس کا بھی ہو سکتا ہے، استغراق کا بھی، عہد خارجی یا عہد ذہنی کا بھی۔﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ (4/النساء:28) ''اور پیدا کیا گیا انسان کمزور۔'' یہاں ال جنس کا ہے۔

اِنْسَانٌ اور اِنْسٌ کی جمع نَاسٌ، اُنَاسٌ اور اَنَاسِيُّ ہے۔

**نَاسٌ** اس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ اس پر ''ال'' داخل ہو تو یہ اَلنَّاسُ بن جائے گا۔ اَلنَّاسُ اسم جمع ہے یعنی جو کسی جماعت پر بولا جائے۔ معنوی لحاظ سے اس سے حال اور مستقبل کے سب انسان مراد ہوتے ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا بڑے، اچھے ہوں یا برے، مسلمان ہوں یا کافر، سب کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ خطابی صورت میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے خطابی صورتوں میں الناس سے وہی لوگ مراد ہوں گے جن میں مخاطب ہونے کی صلاحیت ہے یعنی عاقل اور بالغ۔ دیوانے اور بچے اگرچہ الناس میں لُغَۃً شامل ہیں لیکن خطابی شکل میں خطاب اُن کی طرف نہیں ہوتا۔﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ (2/البقرۃ:24) ''لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے، تو ڈرو اُس آگ سے، جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔''

**اُنَاسٌ** عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے۔ جو تقسیم کار، قبیلہ یا کسی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ﴾ (2/البقرۃ:60) ''ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔''

**اَنَاسِيُّ** یہ بھی عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴾ (25/الفرقان:49) ''تاکہ ایک مُردہ علاقے کو اُس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے۔''

**مَنْ** مَنْ اسم ہے جو اکثر ذوی العقول (جو عقل رکھتے ہیں مثلاً انسان، جن اور فرشتے) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ واحد، جمع، تثنیہ، مذکر، مؤنث سب کے لیے مَنْ ہی استعمال ہوتا ہے۔ مَنْ، شرطیہ، استفہامیہ، استفہامیہ انکاریہ، موصولہ اور موصوفہ ہو سکتا ہے۔ مَنْ کے صلہ، صفت وغیرہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت میں کبھی تو اس کی ظاہری لفظی شکل کی رعایت کرتے ہوئے فعل کا صیغۂ واحد یا مفرد ضمیر عائد لائی جاتی ہے اور کبھی معنی کی رعایت

کرتے ہوئے فعل یا ضمیر کو جمع بھی لایا جاتا ہے، جیسے آیت زیرِ مطالعہ میں مَنْ کے بعد یَقُوْلُ واحد کا صیغہ لا کر اس کی لفظی رعایت کی گئی ہے (کیونکہ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے) اور آگے اٰمَنَّا جمع کا صیغہ لا کر اس کی معنوی رعایت کی گئی ہے کیونکہ مَنْ آیت میں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ مَنْ کا "ن" ہمیشہ ساکن رہتا ہے اور اگر آگے ملانا ہو تو زیر دے کر ملایا جاتا ہے۔

| ق و ل |
|---|

(ن) **قَوْلًا**: کہنا، بولنا۔ ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (2/البقرہ:30) "اور جب کہا آپ کے رب نے بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔" قَالَ کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف کوئی بات گھڑ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ (ماجدیؒ)

**قِيْلَ**: ماضی مجہول ہے۔ کہا گیا۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:11) "اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

**يُقَالُ**: مضارع مجہول ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:43) "نہیں کہا جاتا آپ ﷺ سے مگر جو کہا گیا ہے رسولوں سے آپ ﷺ سے پہلے۔"

**قِيْلًا**: اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ (4/النساء:122) "اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے بلحاظ بات کے۔"

**قَوْلٌ**: ج: اَقْوَالٌ ۔ جمع کی جمع: اَقَاوِيْلُ ۔ اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ﴾ (69/الحاقۃ:40-41) "یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں ہے۔"

**قُلْ**: ج: قُوْلُوْا ۔ فعل امر ہے۔ تو کہہ۔ ﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرہ:140) "آپ ﷺ کہیے تم لوگ زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔"

**قَآئِلٌ**: اسم الفاعل ہے۔ کہنے والا۔ ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ (12/یوسف:10) "کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے تم لوگ قتل مت کرو یوسفؑ کو۔"

(تفعّل) **تَقَوُّلًا**: بات گھڑنا۔ کسی کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہیں کہی۔ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لینا۔ اس کے ساتھ بھی عام طور پر عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ﴾ (69/الحاقۃ:44-45) "اور اگر وہ غلط منسوب کرتے ہم پر باتوں میں کوئی تو ہم ضرور پکڑتے ان کو قوت کے ساتھ۔"

| | |
|---|---|
| اٰمَنَّا اور مُؤْمِنِيْنَ (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | اَللّٰہ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
| اَلْيَوْمِ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | اَلْاٰخِرِ (ء خ ر): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |

## ترکیب

آیت زیرِ مطالعہ کی ترکیب پہلے ایک مثال سے سمجھ لیں۔ اگر ہم کہیں کہ مِنَ النَّاسِ كَافِرٌ تو اس میں مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور كَافِرٌ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کا سادہ جملہ یوں ہوتا اَلْكَافِرُ مَوْجُوْدٌ مِنَ النَّاسِ اور اس کا مطلب ہوتا کہ کافر "یعنی خاص کافر" لوگوں میں موجود ہے۔ لیکن جب مبتداء کو مؤخر کر کے نکرہ کر دیا تو اب مِنَ النَّاسِ كَافِرٌ کا مطلب ہو گیا کہ لوگوں میں سے کوئی کافر ہے یعنی لوگوں میں سب کافر نہیں ہیں بلکہ کچھ کافر ہیں۔ یہ رعایت اردو میں لفظ "بھی" سے ادا ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ کا ترجمہ ہو گا "لوگوں میں کافر بھی ہیں"۔

چنانچہ وَمِنَ النَّاسِ میں "وَ" استینافیہ ہے اور مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِنْ تبعیضیہ ہے (یعنی لوگوں میں سے کچھ لوگ)۔ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مَنْ مبتدا مؤخر ہے۔ اور اس مَنْ کو موصول یا نکرہ موصوفہ، دونوں مانا گیا ہے۔ موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ فعلیہ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اس کا صلہ بنے گا۔نکرہ موصوفہ ماننے کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ اس کی صفت بنے گا۔یَقُوۡلُ کا صیغہ مَنۡ کی لفظی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔جبکہ معنوی لحاظ سے یہ جمع ہے۔ترجمہ ہوگا''وہ کہتے ہیں''اور آگے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وہ بات ہے جو وہ کہتے ہیں۔اس میں اٰمَنَّا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور اٰمَنَّا جمع کا صیغہ مَنۡ کی معنوی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔اور آگے بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ متعلق فعل ہے۔ان کے درمیان ''وَ'' عطف کا ہے۔وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ میں ''وَ'' حالیہ ہے۔'مَا' نافیہ ہے، هُمۡ مبتدا اور بِمُؤۡمِنِیۡنَ اس کی خبر۔'بِ' زائدہ تاکید کے لیے ہے۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں''قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے وہاں اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ان میں ایمان ذرا بھی نہیں۔وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ آپ ﷺ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے۔''

| اٰمَنَّا | یَقُوۡلُ | مَنۡ | وَمِنَ النَّاسِ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| ہم ایمان لائے | کہتے ہیں | وہ (بھی) ہیں جو | اور لوگوں میں سے | البقرۃ:8 |

| مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾ | وَ | بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ |
|---|---|---|
| وہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں | حالانکہ | اللہ پر اور آخری دن پر |

**نوٹ:1** وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ، آیت کے اِس حصے کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔بِمُؤۡمِنِیۡنَ، حرف باء تاکید کے لیے ہے۔ظاہری سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوۡۤا اٰمَنَّا کی تردید و تغلیط میں ما اٰمنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا (اور فعل میں ماضی حال یا مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے) لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔(تفسیر ماجدیؒ)

**نوٹ:2** واؤ کی اقسام: آیت زیر مطالعہ میں تین مختلف طرح کے واؤ آئے ہیں۔شروع میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ میں 'وَ' عطف کا ہے اور وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ میں 'وَ' حالیہ ہے۔نوٹ کرلیں کہ واؤ کی بھی کئی قسمیں ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل چار قسمیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔

(1) واؤ قسمیہ: (عامل)۔اس کے معنی ہیں''قسم ہے''۔اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے اور اپنے اسم کو جر دیتا ہے، جیسے وَالۡعَصۡرِ (قسم ہے زمانے کی)۔اس کے بعد دوبارہ واؤ آئے تو دوسرا واؤ عطف کا ہوگا۔جیسے وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ میں پہلا واؤ قسمیہ ہے اور دوسرا عطف کا ہے۔

(2) واؤ عاطفہ: (غیر عامل)۔اس کے معنی ہیں''اور'' یہ واؤ دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔یہ غیر عامل ہوتا ہے یعنی کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔

(3) واؤ حالیہ: (غیر عامل)۔اس کے معنی ہوتے ہیں''اس حال میں کہ یا حالانکہ''۔حال عام طور پر تو وہ نکرہ اسم ہوتا ہے جو فعل کے واقع ہونے کے وقت فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کرے۔یہ حالت نصب میں ہوتا ہے۔مثلاً جَآءَ الۡاَمِیۡرُ مَاشِیًا (سردار چلتا ہوا آیا) اس مثال میں مَاشِیًا حال ہے فاعل، اَلۡاَمِیۡرُ کا۔جس کا حال بیان کیا جائے اسے ذوالحال کہتے ہیں۔(قرآن مجید سے مثال: سورۂ آل عمران کی آیت 39 میں فرمایا: اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُكَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ، اس آیت مبارکہ میں مُصَدِّقًا، سَیِّدًا، حَصُوۡرًا، نَبِیًّا ، یہ سب حضرت یحییٰؑ کے حال ہیں)۔حال اسم کے علاوہ پورا جملہ (اسمیہ یا فعلیہ) بھی ہوسکتا ہے۔مثلاً جَآءَ الۡخَلِیۡلُ یَضۡحَكُ (خلیل ہنستا ہوا آیا)۔اس میں جملہ فعلیہ یَضۡحَكُ، خلیل کا حال ہے۔(قرآن مجید سے مثال: سورۃ البقرۃ کی آیت 15 میں فرمایا: وَیَمُدُّهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ، اس آیت مبارکہ میں جملہ فعلیہ یَعۡمَهُوۡنَ حال ہے یَمُدُّهُمۡ میں هُمۡ ضمیر کا)۔کبھی حال اور ذوالحال کے درمیان ایک رابط (جوڑنے والے) کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رابط اکثر واؤ ہوتا ہے جسے واؤ حالیہ کہا جاتا ہے۔مثلاً جَآءَ الرَّشِیۡدُ وَهُوَ یَضۡحَكُ۔رشید اس حال میں آیا کہ وہ ہنس رہا تھا۔اس میں جملہ اسمیہ هُوَ یَضۡحَكُ، رشید کا حال ہے اور محلاً منصوب ہے۔درمیان میں 'وَ' حالیہ ہے۔(قرآن مجید سے مثال: سورۃ البقرۃ کی آیت زیر مطالعہ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ، میں 'وَ' حالیہ ہے اور جملہ مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ حال

ہے مَنْ کا۔ حضور ﷺ کی ایک تعلیم کردہ دعا میں واوٗ حالیہ اور واوٗ عاطفہ کا فوری تقابل بہت واضح ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ۔ اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ۔ کہ میں (کسی کو) شریک کروں تیرے ساتھ۔ وَاَعْلَمُ۔ اس حال میں کہ (واوٗ حالیہ) میں جانتا ہوں۔ وَاَسْتَغْفِرُكَ۔ اور (واوٗ عاطفہ) میں مغفرت مانگتا ہوں تجھ سے بِمَا لَا اَعْلَمُ۔ اس کی جو میں نہیں جانتا۔

(4) واوٗ استئنافیہ: (غیر عامل)۔ یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں پچھلی بات کو چھوڑ کر نئی بات شروع کرنی ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اگر فعل مضارع آئے تو وہ حالت رفع میں آتا ہے مثلاً لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اس مثال میں 'وَ' عاطفہ نہیں ہے۔ ورنہ لِّنُبَيِّنَ کی طرح نُقِرُّ بھی حالت نصب میں ہوتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس واوٗ سے ایک نئی بات شروع کر دی گئی ہے جس کا پچھلی بات سے تعلق نہیں ہے۔ یہ واوٗ بھی غیر عامل ہے۔ (واوٗ کی اور بھی کئی قسمیں ہیں جو لغات القرآن حصہ ۶ سے دیکھی جا سکتی ہیں)۔

**نوٹ: 3** مِنْ کی اقسام: ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ ''مِنَ النَّاسِ'' میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ مِنْ، جو حرف جر ہے، بھی کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(1) مِنْ تبعیضیہ: اس کا مطلب ہوتا ہے ''کسی چیز میں سے کچھ یا کل میں سے بعض''۔ جیسے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یا آیت زیر مطالعہ میں فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں......وغیرہ۔

(2) مِنْ بیانیہ: یہ کسی چیز کی وضاحت اور بیان کے لیے آتا ہے۔ مثلاً البقرہ 155 میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ ''ہم تمہیں آزمائیں گے کسی چیز سے۔ پھر ''کسی چیز'' کی وضاحت کے لیے مِنْ بیانیہ آیا۔ یعنی وہ چیز ہے خوف، بھوک، الخ۔ اسی طرح الحج کی آیت 30 میں فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ''پس تم بچتے رہو گندگی سے پھر مِنْ بیانیہ سے اس گندگی کی وضاحت کی کہ وہ گندگی بت ہیں۔ سو تم بتوں سے بچتے رہو۔ پھر اسی طرح سورہ الفتح کی آیت 29 میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یہاں بھی مِنْهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ) مراد سارے ہی صحابہؓ ہیں۔ آل عمران کی آیت 172 میں فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ یہاں بھی مِنْهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی تمام صحابہؓ ہی نیک اور متقی ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ)۔

(3) مِنْ سببیہ: یہ کسی حکم کی وجہ اور سبب بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً البقرۃ کی آیت 202 میں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ ''انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا (دونوں جہانوں میں) بسبب اُن کی (نیک) کمائی کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں مِمَّا میں مِنْ سببیہ ہے۔ یا سورۃ البقرۃ کی آیت 19 میں فرمایا: يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ ''ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب۔'' اس آیت میں بھی 'مِنْ' سببیہ ہے۔ یا سورۂ نوح کی آیت 25 میں فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا یہاں بھی مِنْ سببیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ) اور 'مَا' تاکید کے لیے۔ مطلب ہے اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کیے گئے اور وہ آگ میں داخل ہوئے۔

(4) مِنْ زائدہ: مِنْ کبھی زائدہ بھی ہوتا ہے۔ مِنْ زائدہ یا تو تحسین کلام کے لیے آتا ہے یا عموم کا معنی پیدا کرنے کے لیے یا پھر تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے الانعام کی آیت 59 میں فرمایا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اس میں وَّرَقَةٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً مرفوع ہے تَسْقُطُ کے فاعل ہونے کی وجہ سے۔ اگر ہوتا مَا تَسْقُطُ وَرَقَةٌ تو معنی ہونے تھے 'نہیں گرتا کوئی پتا'۔ لیکن مِنْ زائدہ لگ جانے کی وجہ سے وَرَقَةٌ میں تاکید اور عموم کے معنی پیدا ہوئے ہیں، اردو زبان میں اس کی ترجمانی ہوگی 'نہیں گرتا کوئی بھی پتا'۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت 38 میں فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اس میں دَآبَّةٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے اور محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، ترجمانی ہوگی 'نہیں ہے کوئی بھی چلنے والا زمین میں'۔ اسی آیت میں آگے فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ...... شَيْءٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً منصوب ہے فَرَّطْنَا کے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ ترجمانی ہوگی اور ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی بھی چیز۔ اسی طرح کی اور کئی مثالیں قرآن مجید سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ مِنْ زائدہ ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ (۱) اس سے پہلے نفی، نہی یا استفہام ہو۔ (۲) مجرور، نکرہ ہو۔ (۳) مجرور، فاعل، مفعول یا مبتدا ہو۔ (واللہ اعلم)

(5) مِنْ بمعنی عَنْ: یعنی مِنْ کا استعمال عَنْ کے معنوں میں جیسے فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (الزمر:22) یہاں مِنْ سے مراد ہے عَنْ

ذِكْرِ اللّٰهِ۔ مطلب ہے اللہ کی یاد کو چھوڑ کر جن کے دل سخت پڑ گئے۔ ان کے لیے وَیْلٌ ہے یا فرمایا یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (الانبیاء:97) یعنی ہائے اس کو چھوڑ کر ہم غفلت میں تھے۔ یہاں بھی مِنْ بمعنی عَنْ هٰذَا ہے۔

(6) مِنْ بمعنی 'ب': یعنی مِنْ کا استعمال 'ب' کے معنوں میں۔ جیسے فرمایا یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ (الشوریٰ:45) وہ دیکھیں گے چوری کی نگاہ سے۔ مِنْ یہاں 'ب' کا ہم معنی ہے۔

(7) مِنْ بمعنی فِیْ: یعنی مِنْ کا استعمال فِیْ کے معنوں میں جیسے فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ (الجمعہ:9) یہاں مِنْ، فِیْ کا ہم معنی ہے۔

(8) مِنْ بمعنی عَلٰی: یعنی مِنْ کا استعمال عَلٰی کے معنوں میں جیسے فرمایا وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا (الانبیاء:77) یہاں مِنَ الْقَوْمِ بمعنی عَلَى الْقَوْمِ ہے۔ (واللہ اعلم)

مِنْ کے اور بھی استعمالات ہیں جو کہ لغات القرآن حصہ پنجم سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

## آیت:9

﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝٩﴾

**خ د ع**

(ف) خَدَعَ: دھوکا دینا۔ ﴿وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ (8/الانفال:62) "اور اگر وہ لوگ ارادہ کریں کہ وہ لوگ آپ ﷺ کو دھوکا دیں تو بیشک آپ ﷺ کے لئے اللہ کافی ہے۔"

خَادِعٌ: اسم الفاعل ہے۔ دھوکا دینے والا۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (4/النساء:142) "بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی)۔"

(مفاعلہ) خِدَاعًا: دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا۔ جو کچھ دل میں ہو اُس کے خلاف ظاہر کرنا۔ فریب دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

| اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ، آیت 3 دیکھیں۔ |
|---|

**ن ف س**

(ک) نَفَاسَةً: پسندیدہ ہونا۔ نفیس ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

نَفْسٌ: ج: اَنْفُسٌ اور نُفُوْسٌ۔ عربی زبان میں یہ لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) سانس کے لیے جو ناک اور منہ کے ذریعے بدن کے اندر جاتا ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ (اس کے لیے نَفَسٌ بھی استعمال ہوتا ہے)۔

(2) زندگی یا حیات کے لیے۔

(3) ہر جان اور ہر جاندار کے لیے جیسے آل عمران۔185 میں فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ "ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

(4) انسانی وجود، آدمی، شخص کے لیے جیسے البقرۃ۔48 میں فرمایا وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا "اور ڈرو

اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا آیت 281 میں فرمایا وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ "اور ڈرتے رہو اُس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا آیت 44 میں فرمایا اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ "کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔" (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی اَنْفُسَ انہیں معنوں میں ہے۔

(5) روح کے لیے۔ جیسے الانعام آیت۔93 میں فرمایا وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اس آیت کا حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: "اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔" اور حاشیہ میں فرماتے ہیں: "یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔" اسی طرح حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: "کاش آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو۔" اور آگے حاشیہ میں فرماتے ہیں: "اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔" صاحب مفردات القرانؒ نے بھی نفس بمعنی روح کے تحت یہی آیت حوالے کے طور پر لکھی ہے۔ یا فرمایا الزمر آیت۔42 میں اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ "اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔" (ترجمہ احسن البیان)، حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں، پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری رُوحوں کو مقرر میعاد تک۔" تفسیر معارف القرآن میں بھی حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت میں نفس سے روح ہی مراد لی ہے۔ (واللہ اعلم)

(6) دل، جی کے لیے۔ جیسے المائدۃ کی آیت۔116 میں فرمایا تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ "تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔" (ترجمہ ماجدیؒ) یا بنی اسراءیل کی آیت۔25 میں فرمایا: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ "تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔" (ترجمہ ماجدیؒ) "تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(7) نفس بمعنی ذات۔ آل عمران کی آیت۔30 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ "اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔" اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: "اس آیت میں نفس بمعنی ذات ہے۔ اور یہاں نَفْسَهٗ کی اضافت اگرچہ لفظی لحاظ سے مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرۃ کو چاہتی ہے لیکن من حیث المعنی دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی دوئی سے پاک ہے۔" (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۷) یا المائدۃ کی آیت۔116 میں فرمایا وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔" (ترجمہ ماجدیؒ) آگے حاشیہ میں حضرتؒ فرماتے ہیں: "مَا فِیْ نَفْسِكَ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور

کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اوّل تو نفس و ذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور پھر نَفۡسِیۡ کے مقابلہ میں نَفۡسِكَ لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔۳۱۹)۔

نفس سے اگر روح اور جان مراد ہو تو مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اگر شخص مراد ہو تو مذکر استعمال ہوتا ہے۔

نفس کی تین حالتیں: نفس مطمئنہ، نفس امّارہ، نفس لوّامہ: نفس کی تین حالتوں کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اُس نفس کو ''مطمئنہ'' کہتے ہیں۔ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً (الفجر۔27۔28) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اُس کو ''نفس امارہ'' کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوۡۤءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىۡ ؕ (یوسف۔53) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر اُن چیزوں کو برا جانتا ہے اور اُن سے دُور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اُس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں '' آدمی کا جی اوّل کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہر گز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو ''امارہ بالسّوء'' کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) ''لوامہ'' کہلاتا ہے پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس ''مطمئنہ'' ہو گیا۔'' (تفسیر عثمانیؒ۔۷۶۶)

(تفعّل) تَنَفُّسًا سانس لینا، ظاہر ہونا۔ ﴿وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝﴾ (81/التکویر:18) ''قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے یعنی ظاہر ہو۔''

(تفاعل) تَنَافُسًا اس کا معنی ہے کہ چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے جھپٹنا اور دوڑنا تا کہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لے۔ بطور مقابلہ رغبت کرنا۔ کسی چیز کے لئے جان کھپانا۔ ﴿وَفِىۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ؕ ۝﴾ (83/المطففین:26) ''اور اس میں چاہئے کہ جان کھپائیں جان کھپانے والے۔''

مُتَنَافِسٌ ج: مُتَنَافِسُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ جان کھپانے والا۔ اوپر آیت 26 دیکھیں سورۂ المطففین کی۔

| ش ع ر |
|---|

(ن) شَعۡرًا کسی چیز میں بال بھرنا یا لگانا۔

شُعُوۡرًا، شِعۡرًا بال کی طرح باریک علم حاصل کرنا۔ ''حواس'' سے کسی محسوس چیز کا ادراک حاصل کرنا۔ شعور حاصل کرنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے اور مَشَاعِرٌ انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں۔'' ﴿اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰى رَبِّىۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ۚ ۝﴾ (26/الشعراء:113) ''نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمہ، کاش تم لوگ شعور سے کام لیتے۔''

علم لطیف میں کلام کرنا یعنی شعر کہنا۔

**شَعْرٌ** ج: اَشْعَارٌ۔اسم ذات ہے۔بال۔ ﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا﴾ (16/النحل:80)''اور(اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**شِعْرٌ** ج: اَشْعَارٌ۔اسم ذات ہے۔موزوں (مناسب، درست، وزن میں ہونا) کلام۔شعر۔شعر اصل میں لطیف علم کا نام ہے لیکن عرف عام میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہا جانے لگا۔یعنی وہ کلام جس کا وزن بھی ہو اور قافیہ بھی۔اور شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔کفار حضورؐ کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہا کرتے تھے۔لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ حضورؐ پر شاعر ہونے کی تہمت لگانے سے کفار کا مقصد موزوں اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اسلوب شعری سے بہت بلند ہے اور اس حقیقت کو عجمی عوام بھی سمجھ سکتے ہیں پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔بلکہ وہ تو آپؐ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب (جھوٹ) اور شاعر بمعنی کاذب (جھوٹا) استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو اَدِلَّةٌ شِعْرِيَّةٌ کہا جاتا ہے۔اسی لیے قرآن نے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے اس لیے مقولہ مشہور ہے کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ﴾ (36/یٰسین:69)''اور ہم نے تعلیم نہیں دی انؐ کو شاعری کی اور یہ شایان شان بھی نہیں ہے انؐ کے۔''

**شَاعِرٌ** ج: شُعَرَآءُ۔اسم الفاعل ہے۔شعر کہنے والا۔﴿وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ﴾ (69/الحاقۃ:41)''اور یہ کسی شعر کہنے والے کا کلام نہیں ہے۔'' ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ﴾ (26/الشعراء:224) ''اور شاعر لوگ، ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ۔''

**شَعِيْرَةٌ** ج: شَعَآئِرُ۔اسم ذات ہے۔علامت یا نشان۔﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ﴾ (2/البقرہ:158)''بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' شعائر اللہ سے وہ مقامات عبادت، زمانے، اوقات، اعمال یا مخصوص اشیاء مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔مقامات عبادت میں کعبۃ اللہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ، جمرات ثلاثہ، صفا، مروہ، اور تمام مساجد شامل ہیں۔زمانے یا اوقات میں ماہ رمضان، حج کے ایام، عیدین، اشہر حرم، ایام تشریق اور جمعہ شامل ہیں۔اعمال میں اذان، اقامت، باجماعت نماز اور نماز عیدین شامل ہیں۔مخصوص اشیاء میں قربانی کے جانور، احرام، کتب سماویہ، یہاں تک کہ تمام حدود و فرائض شامل ہیں۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''شَعَآئِرِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بطور علم کام دیں۔شَعَآئِرِ جمع ہے شعیرہ کی اور اس کے معنی ہیں علامت کے۔اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔'' حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول باب ۷، شعائر اللہ کی تعظیم و احترام میں فرماتے ہیں: ''شعائر الٰہیہ سے ہماری مراد وہ ظاہری محسوس امور اور اشیاء ہیں جن کا تقرر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ان امور و اشیاء کو خدا کی ذات سے ایسی مخصوص نسبت ہے کہ ان کی عظمت و حرمت کو لوگ خود اللہ تعالیٰ کی عظمت و حرمت سمجھتے ہیں۔اور ان کے متعلق کسی قسم کی کوتاہی کو ذات الٰہی کے متعلق کوتاہی سمجھتے ہیں۔'' پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: ''بڑے بڑے شعائر الٰہیہ چار ہیں، قرآن حکیم، کعبۃ اللہ، نبی کریمؐ اور نماز۔'' شعائر اللہ کی مزید وضاحت، اگر اللہ نے چاہا، تو اسی سورہ مبارکہ کی آیت 158 کے تحت کی جائے گی۔

**مَشْعَرٌ** (1) نشانی یا علامت۔
(2) اسم الظرف ہے۔ شعور حاصل کرنے کی جگہ۔ ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (2/البقرہ:198) ''پس جب تم لوگ فارغ ہو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو شعور حاصل کرنے کی محترم جگہ کے پاس۔''
**اَلْمَشْعَرُ الْحَرَامُ**: مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مزدلفہ میں واقع ہے، مشعر کے معنی شعار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لیے ایک مقدس مقام ہے، اس کے آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۸۸) ''مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی المشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ ۱۰۳)

(افعال) **اِشْعَارًا** خبر دینا۔ شعور دینا۔ آگاہ کرنا۔ ﴿فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ (18/الکہف:19) ''پس اسے چاہیے کہ وہ تمہارے لیے لائے اس میں سے کچھ کھانا اور چاہیے کہ وہ نرمی کرے اور ہرگز اطلاع نہ دے تمہاری کسی ایک کو۔''

**ترکیب**

يُخٰدِعُوْنَ فعل، اس میں جمع مذکر غائب کی ضمیر فاعل ہے۔ لفظ اَللّٰهَ منصوب ہونے کی وجہ سے مفعول اول ہے اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مفعول ثانی ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ مَا يَخْدَعُوْنَ منفی جملہ ہے جس کا استثنیٰ آگے اِلَّا سے بیان ہوا ہے اور یہ تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی بات میں زور پیدا کرنے کا ایک انداز ہے۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ اللہ ہے، تو یہ ایک سادہ سی خبر ہے۔ مگر جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی اِلٰہ نہیں ہے سوائے اللہ کے تو خبر وہی رہتی ہے لیکن بات کا لہجہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔ نوٹ کریں کہ یہاں يَخْدَعُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں)، کہنے کے بجائے مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) کہا گیا ہے۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول بِہٖ ہے يَخْدَعُوْنَ کا۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور مَا يَشْعُرُوْنَ عطف ہے جملہ مَا يَخْدَعُوْنَ پر۔ اس 'وَ' کو استینافیہ اور حالیہ بھی مانا گیا ہے۔

| ترجمہ | يُخٰدِعُوْنَ | اللّٰهَ | وَالَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا ۚ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:9 | وہ لوگ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں | اللہ کو | اور ان لوگوں کو جو | ایمان لائے |

| وَ | مَا يَخْدَعُوْنَ | اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ | وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ |
|---|---|---|---|
| حالانکہ | وہ لوگ دھوکہ نہیں دیتے | مگر اپنے آپ کو | اور نہ ہی وہ لوگ سمجھتے ہیں |

**نوٹ:1** يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ: ''مخادعت کے معنی ہیں دھوکا دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کہ وہ دھوکا کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ یہاں مخادعت کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور خدع کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے، جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخادعت استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی خواہش تو کوئی شخص اپنی حماقت کے سبب سے کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کو دھوکا دے نہیں سکتا۔ برعکس اس کے خود ان کے لیے خدع کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو دھوکا دینے کا ارادہ کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۸)

**نوٹ:2** وَمَا يَشْعُرُوْنَ: ''شعور کا لفظ کسی محسوس چیز کے ادراک کے لیے آیا کرتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا استعمال اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اگرچہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش میں خود دھوکا کھا جانا ایک محسوس ہونے والی چیز ہے لیکن یہ بر خود غلط لوگ ہوشیاری و چالاکی کے زعم کے باوجود اتنے غبی

ہیں کہ اس حقیقت کا احساس نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)

## آیت: 10

﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝۱۰﴾

| |
|---|
| قُلُوْبٌ (ق ل ب): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |

| م ر ض |
|---|

(س) مَرِضًا: بیمار ہونا۔ ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝۸۰﴾ (26/الشعراء:80) ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔''

مَرَضٌ اور مَرْضٌ: اسم ذات ہے۔ بیماری۔ اس کی دو قسمیں ہیں (ا) مرض جسمانی: مثلاً ﴿وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾ ''اور نہ بیمار آدمی پر الزام ہے۔'' (ب) مرض اخلاقی: مرض کا لفظ اخلاق کے بگڑنے پر بھی بولا جاتا ہے اس سے برے اخلاق مراد ہوتے ہیں مثلاً: شک، بزدلی، جہالت، حسد، نفاق وغیرہ۔ جس طرح جسمانی مرض انسان کے بدن کو کمزور کرتے ہیں اسی طرح برے اخلاق انسان کے دین کو کمزور کرتے ہیں مثلاً: آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲﴾ (33/الاحزاب:12) ''اور جب کہا منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے ہم سے وعدہ نہیں کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے مگر فریب کا۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ 'مرض' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے، اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے، جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں اُن نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسانی کے کمال میں خلل انداز ہوں، اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہوتا چلا جائے جس کا آخری نتیجہ روحانی موت و ہلاکت ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۲۴)۔ صاحب ''تدبر قرآن'' فرماتے ہیں: ''مرض کا لفظ قرآن میں عموماً دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک کینہ اور حسد کے معنی میں۔ دوسرے نفاق کے معنی میں۔ جن مقامات میں یہ لفظ نفاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہاں تو یہ واضح طور پر کینہ اور حسد کے معنی میں ہے لیکن جن مقامات میں یہ تنہا استعمال ہوا ہے۔ وہاں یا تو دونوں معانی اس کے اندر جمع ہیں یا قرینہ اس کے دونوں معانی میں سے کسی ایک معنی کو متعین کرتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)۔

مَرِیْضٌ: ج: مَرْضٰی۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بیمار۔ ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:185) ''اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی ہے یعنی شمار پورا کرنا ہے دوسرے دنوں میں۔'' ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ﴾ (4/النساء:102) ''اور کوئی گناہ نہیں ہے تم لوگوں پر اگر تم میں ہوں کچھ لوگ تکلیف میں بارش کے سبب سے، یا تم ہو بیمار، کہ تم کھول دو اپنے ہتھیار۔''

| ز ی د |
|---|

(ض) زِیَادَةً، زَیْدًا، مَزِیْدًا: (1) بڑھنا، زیادہ ہونا (لازم)۔ ﴿وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝۱۴۷ ۚ﴾ (37/الصافات:147) ''اور ہم نے بھیجا اُنؑ کو ایک لاکھ لوگوں کی طرف یا وہ لوگ زیادہ ہوں گے۔''

(2) کسی چیز کے پورا ہونے پر اس میں اضافہ کرنا، بڑھانا، زیادہ کرنا (متعدی)۔ ﴿اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ

زِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ (18/الکہف:13) ''بیشک وہ کچھ نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے بڑھایا ان کو بلحاظ ہدایت کے۔'' ﴿ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ﴾ (2/البقرہ:58) ''اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں اور کہتے ہوئے کہ گناہ معاف ہوں تو ہم بخش دیں گے تمہارے لئے تمہاری خطاؤں کو اور ہم زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔''

**نَزِدْ** مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ ﴾ (42/الشوریٰ:20) ''جو ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے لئے اس کی کھیتی میں۔''

**لَا تَزِدْ** فعل نہی ہے۔ تو مت بڑھا۔ ﴿ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ ﴾ (71/نوح:24) ''اور تو مت بڑھا ظالموں کو مگر گمراہی میں۔''

**زِدْ** فعلِ امر ہے۔ تو بڑھا۔ ﴿ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ ﴾ (73/المزمل:4) ''یا آپ ﷺ اضافہ کریں اس پر اور ترتیل سے پڑھیں قرآن کو جیسا کہ ترتیل کا حق ہے۔'' ﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:114) ''اور آپؐ کہیے اے میرے رب تو بڑھا مجھ کو بلحاظ علم کے۔''

**زِيَادَةٌ** اسم ذات ہے۔ اضافہ، زیادتی۔ ﴿ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ﴾ (9/التوبۃ:37) ''بیشک مہینے پیچھے کرنا اضافہ ہے کفر میں۔''

**مَزِيْدٌ** اسم ذات ہے۔ اضافی چیز۔ ﴿ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ ﴾ (50/قٓ:35) ''ان کے لئے اس میں ہے جو وہ لوگ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی چیزیں ہیں۔''

(افتعال) **اِزْدِيَادًا** بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ ﴾ (3/آل عمران:90) ''بیشک جن لوگوں نے ناشکری کی اپنے ایمان کے بعد پھر وہ لوگ زیادہ ہوئے بلحاظ ناشکری کے تو ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔'' (نوٹ: 'ز ی د' مادہ جب باب افتعال میں استعمال ہوتا ہے تو افتعال کی 'ت' تبدیل ہو کر 'د' میں بدل جاتی ہے۔ اور یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ باب افتعال کے خصوصی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے 'ف' کلمہ پر اگر د، ذ، ز آ جائے تو باب کی 'ت' تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدے کے لحاظ سے 'ت' کو 'ز' میں تبدیل ہونا چاہیے تھا لیکن خلاف قاعدہ 'ت'، 'د' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمٰن خان صاحب۔ حصہ سوم، صفحہ ۶۳)

| |
|---|
| اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

## ع ذ ب

(ض) **عَذْبًا** پیاس کی شدت کی وجہ سے کچھ کھانے کے قابل نہ رہنا۔ روکنا۔

(س) **عَذَبًا** پانی کا کائی دار ہونا۔

(ک) **عُذُوْبَةً** پانی کا میٹھا اور خوشگوار ہونا۔ (ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔

**عَذْبٌ** صفت ہے۔ خوشگوار پانی۔ میٹھا پانی۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ ﴾ (25/الفرقان:53) ''اور وہی ہے جس نے ملائے دو سمندر، یہ خوشگوار شیریں ہے اور یہ نمکین تلخ ہے۔''

**عَذَابٌ** اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو تکلیف دے، مشقت میں ڈالے۔ عذاب۔ ﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي

اَلۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ (2/البقرہ:114) ''ان کے لیے ہے دنیا میں رسوائی اور ان کے لیے ہے آخرت میں عظیم عذاب۔''

(تفعیل) **تَعۡذِیۡبًا** کسی کو تکلیف دینا۔ عذاب دینا۔ ﴿ وَ اٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُہُمۡ وَ اِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ﴾ (9/التوبہ:106) ''اور کچھ دوسرے لوگ موقوف رکھے گئے اللہ کے فیصلے کے لیے، چاہے وہ عذاب دے ان کو اور یا وہ توبہ قبول کرے ان کی۔''

**مُعَذِّبٌ** ج: مُعَذِّبُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ عذاب دینے والا۔ ﴿ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَہُمۡ وَ ہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ﴾ (8/الانفال:33) ''اور نہیں ہے اللہ ان کو عذاب دینے والا اس حال میں کہ وہ لوگ مغفرت طلب کرتے ہیں۔''

### ء ل م

(س) **اَلَمًا** دکھی ہونا، تکلیف اٹھانا۔ ﴿ وَ لَا تَہِنُوۡا فِی ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ ؕ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّہُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ کَمَا تَاۡلَمُوۡنَ ۚ وَ تَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا یَرۡجُوۡنَ ؕ ﴾ (4/النساء:104) ''اور تم لوگ سستی مت کرو اس قوم یعنی کافروں کی تلاش میں۔ اگر تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو تو یقیناً وہ لوگ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو۔ اور تم لوگ امید رکھتے ہو اللہ سے جس کی وہ لوگ امید نہیں رکھتے۔''

**اَلِیۡمٌ** فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔ دردناک، تکلیف دینے والا۔ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (دردناک عذاب)۔

### ك و ن

(ن) **کَوۡنًا** کسی چیز کا اپنا وجود پانا۔ کسی نئی بات کے وجود میں آنے کی خبر دینا۔ واقع ہونا۔ ہو جانا (مصدری معنی)۔ کَانَ فعل ناقص بھی ہے اور فعل تام بھی۔ فعل ناقص کی صورت میں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ مبتدا حالت رفع میں ہی رہتا ہے جبکہ خبر حالت نصب میں آجاتی ہے۔ مبتدا کو اس کا اسم اور خبر کو کَانَ کی خبر کہتے ہیں۔ فعل تام کی صورت میں اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کَانَ فعل ہوتا ہے اور اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔ فعل اور فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے ''موجود ہونا'' یا ''پایا جانا۔''

کَانَ کے معنوی استعمالات: (1) ماضی: کَانَ سے ماضی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً ﴿ اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ کَانَ اُمَّۃً ﴾ ''یقیناً حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے۔'' کبھی اس سے ماضی بعید مراد لیا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ﴾ ''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔'' (یاد کر لیجئے کہ فعل ماضی پر کَانَ داخل کرنے سے بھی ماضی بعید کے معنی پیدا ہوتے ہیں)۔ کبھی اس سے ماضی استمراری (یعنی ماضی میں کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا) مراد لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کَانَ کا مضارع پر داخل ہونا ضروری ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴾۔ ماضی قریب کے لیے بھی کَانَ استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ بات کرتے ہوئے ایک لمحہ پہلے کے وقت کے لیے بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَہۡدِ صَبِیًّا ﴾ ''ہم کیسے گفتگو کریں اس سے جو (ایک سیکنڈ پہلے) جھولے میں بچہ تھا۔'' کبھی کَانَ ''ماضی غیر منقطع'' کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چیز جو ماضی میں تھی اس کا وجود یا حیثیت حال میں بھی ویسے ہی ہے۔ مثلاً ﴿ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ ﴾ اس کے معنی ہیں کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ فِیۡ عِلۡمِ اللّٰہِ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے بہترین

امت تھے اور اب بھی بہترین امت ہو۔

(2) کَانَ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہو تو اس سے دوام اور ازلیت کے معنی لیے جاتے ہیں یعنی وہ صفت ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا: ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز سے ازلاً ابداً خوب واقف ہے۔'' ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا﴾ ''اللہ کی ازلی ابدی قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔''

(3) کَانَ کا استعمال جب کسی چیز کی ایسی صفت سے متعلق ہو جو اس میں موجود ہو تو معنی ہوتے ہیں کہ وہ صفت اس چیز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور بہت ہی کم اس سے جدا ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا﴾، ﴿وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا﴾، ﴿وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا﴾ ان آیات میں انسان کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے اِن سے مراد ہے کہ اکثر انسانوں کی یہ لازمی صفات ہیں اور شاذ و نادر ہی ان سے الگ ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیطان کے متعلق فرمایا: ﴿وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا﴾، ﴿وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا﴾ یعنی یہ دونوں صفات خذول اور کفور، شیطان کی لازمی صفات میں سے ہیں۔ اسی طرح باطل کے متعلق فرمایا ﴿اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَہُوۡقًا﴾ یعنی باطل ہمیشہ مٹ جاتا ہے اور کبھی قائم اور دائم نہیں رہتا۔

(4) ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کے لیے بھی کَانَ کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ اکثر بزرگوں نے اس آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ابلیس انکار اور تکبر کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔ ﴿فَاَتۡبَعَہُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ﴾ ''تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔'' (واللہ اعلم)

(5) کَانَ کبھی مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا﴾ ''وہ دن جس میں شر عمومی ہوگا (یعنی قیامت کا دن)۔'' (تلخیص از مفردات القرآن ولغات القرآن)

**کَائِنٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ ہو جانے والا۔

**کَائِنَۃٌ** ج: کَائِنَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ ہو جانے والی۔ کائنات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے امر کُنۡ کے نتیجے میں ہو جانے والی تمام چیزیں۔

**کُنۡ** فعل امر ہے۔ تو ہو جا۔ ﴿وَ کُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ (7/الاعراف:144) ''اور تو ہو جا شکر کرنے والوں میں سے۔''

**مَکَانٌ** مَفۡعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ واقع ہونے کی جگہ۔ پھر مطلقاً جگہ۔ ٹھکانہ وغیرہ کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَ اِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ﴾ (16/النحل:101) ''اور جب ہم بدلتے ہیں کسی آیت کو کسی آیت کی جگہ۔'' ﴿اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا﴾ (5/المائدہ:60) ''وہ لوگ زیادہ برے ہیں ٹھکانے کے لحاظ سے۔''

**مَکَانَۃٌ** مَفۡعَلَۃٌ کا وزن ہے۔ یہ بھی اسم ظرف کا وزن ہے۔ لفظی معنی ہیں مقام، جگہ۔ مجازاً (یعنی کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی) اس سے ''حالت'' اور ''طریقہ'' مراد لیا جاتا ہے۔ ﴿قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ﴾ (6/الانعام:135) ''آپ کہہ دیجئے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقے پر۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''تو کہہ دے اے لوگو! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔'' (ترجمہ احسن البیان) یا فرمایا: ﴿وَ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ ؕ﴾ (11/ھود:121) ''اور آپ اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

مَكِيْنٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے کَوْنٌ مصدر سے۔ اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً معزز، مرتبہ والا، مضبوط، محفوظ اور مکان میں رہنے والا۔ ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴾ (23/مومنون:13) ''پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴾ (81/التکویر:20) ''جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴾ (12/یوسف:54) ''تو اُن سے کہا گیا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز اور معتبر ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) اِسْتِكَانَةً وجود چاہنا۔ عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ ﴿ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ جھکے۔''

| ك | ذ | ب |
|---|---|---|

(ض) كِذْبًا، كَذِبًا جانتے بوجھتے کسی کو غلط خبر دینا۔ جھوٹ بولنا۔ دل اور زبان کی ہم آہنگی نہ ہونا۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ (39/الزمر:60) ''اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ کہا اللہ پر کہ ان کے چہرے کالے ہیں۔'' كِذْبٌ، صِدْقٌ کی ضد ہے۔ کذب (جھوٹ)، قول (بات) میں بھی ہوتا ہے، فعل میں بھی اور عقیدے میں بھی۔ کوئی بات اگر حقیقت کے مطابق نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال افعال جوارح (جارحہ کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کردے اور جو کچھ اس پر واجب تھا وہ کر دکھائے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِي الْقِتَالِ یعنی وہ جنگ میں سچا رہا اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے كَذَبَ فِي الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی بودا (بزدل، کمزور، پھُس پھُسا) ثابت ہوا۔ اسی طرح کذب کا استعمال ایسی بات کے لیے بھی ہوتا ہے جو بظاہر تو صحیح ہو لیکن عقیدے کے مطابق نہ ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ منافق حضورؐ کی نبوت کی زبانی گواہی تو دیتے تھے لیکن چونکہ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اسی لیے ان کو جھوٹا کہا گیا۔

كَذِبٌ اسم ذات ہے۔ جھوٹ، جھوٹی بات۔ ﴿ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ﴾ (40/المومن:28) ''اور اگر وہ جھوٹ بولنے والا ہے تو اس پر ہے اس کا جھوٹ۔''

كَاذِبٌ اسم الفاعل ہے۔ جھوٹ بولنے والا، جھوٹا۔ اوپر آیت المومن:28 دیکھیں۔

مَكْذُوْبٌ اسم المفعول ہے بمعنی جھوٹ۔ لفظی معنی ہے جو جھوٹ بولا گیا۔ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ کا معنی ہے جھوٹ کے بغیر۔ ﴿ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴾ (11/ھود:65) ''یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔''

كَذَّابٌ فَعَّالٌ کا وزن ہے۔ اسم المبالغہ۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔ بہت بڑا جھوٹا۔ ﴿ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ (38/ص:4) ''اور کہا انکار کرنے والوں نے کہ یہ بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔''

(تفعیل) تَكْذِيْبًا، كِذَّابًا كِذَّابًا بھی باب تفعیل میں بطور مصدر استعمال ہوتا ہے۔ جھٹلانا۔ کسی کو جھوٹا قرار دینا چاہے وہ حقیقت میں سچا ہو یا واقعی جھوٹا ہو، دونوں حالتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے البتہ قرآن مجید میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ، اُس کے انبیاء اور اُن کی بتائی ہوئی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کے لیے یہ استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ (2/البقرۃ:39) ''اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔'' ﴿ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴾ (78/النباء:28) ''اور ہماری آیتوں کو انہوں نے بالکل جھٹلا دیا۔''

مُكَذِّبٌ ج: مُكَذِّبُوْنَ- اسم الفاعل ہے -جھٹلانے والا-﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:137)''تو سیر کرو زمین کی، پس دیکھو کیسا تھا انجام جھٹلانے والوں کا۔''

**ترکیب** فِيْ قُلُوْبِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مَرَضٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ فَزَادَ میں 'ف' نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے اور فعل زَادَ کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جبکہ مَرَضًا تمیز ہے۔ لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، خبر وَاجِبٌ محذوف ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ اَلِيْمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ بِمَا میں 'ب' سببیہ ہے اور 'ما' موصول ہے۔ كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ماضی استمراری ہے اور یہ پورا جملہ صلہ ہے 'ما' کا اور صلہ اور موصول مجرور ہیں 'ب' سببیہ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہیں۔

| اللّٰهُ | هُمْ | فَزَادَ | مَّرَضٌ | فِيْ قُلُوْبِهِمْ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| اللہ نے | ان کو | تو بڑھایا | ایک مرض ہے | ان کے دلوں میں | البقرۃ:10 |

| كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ | بِمَا | عَذَابٌ اَلِيْمٌ | وَلَهُمْ | مَرَضًا |
|---|---|---|---|---|
| وہ لوگ جھوٹ کہتے تھے | اس سبب سے جو | ایک دردناک عذاب ہے | اور ان کیلئے | مرض کے لحاظ سے |

**نوٹ:1** ''حضور کریم ﷺ کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصہ کی جو چنگاریاں چبھ رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وہ حضور کریم ﷺ اور اسلام کی روز افزوں عزت اور ترقی کو دیکھتے تو حسد وعناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر اُنہوں نے اس مرض کو یونہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب وروح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص:۳۵)

**نوٹ:2** حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فَزَادَهُمْ میں 'ف' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فَزَادَهُمْ میں حرف 'ف' بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات واسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پاسکتے تھے۔ یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی ہے۔ اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ ''اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا۔'' (زبور ۸:۱۰:۱۱) ''بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں'' (اعمال ۷: ۴۲) ''خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق اُنہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں۔'' (رومیون ۱: ۲۴)۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص۔۱۰)۔

اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب فرماتے ہیں: ''یہاں حسد کے بڑھانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تو یہ درحقیقت اس سنت کو اس نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جس کے تحت یہ فعل انجام پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے سینہ کو ایمان و اسلام کی جلوہ گاہ بنانے کے بجائے اس کو بغض وحسد ہی کی پرورش گاہ بنائے رکھنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے اسی طرح کے حالات وواقعات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کی اسی بس بھری فصل کی آبیاری کرتے ہیں۔ یہود کو مسلمانوں پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت کیوں دے دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور اس کی برکتوں کی روز افزوں ترقی نے ان کے اس حسد کے اسباب میں اور زیادہ اضافہ کیا اور یہ اضافہ برابر ہوتا ہی رہا یہاں تک کہ اس چیز نے ان کو بالکل تباہ کر کے چھوڑا۔ (تدبر قرآن، ج۱،ص۔۱۱۹)

## آیت: 11-12

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾

**اِذَا** یہ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کام کرنے یا ہونے کے ’’وقت‘‘ کا مفہوم ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ’’جب، جب کبھی، اس وقت، اچانک، ناگہاں‘‘ سے کیا جاتا ہے۔ اِذَا کے ترجمے میں عموماً مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے خواہ وہ ماضی پر آیا ہو جیسے فرمایا: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ﴾ ’’جب آسمان پھٹ جائے گا‘‘۔ قسم کے بعد آئے تو حال کے لیے بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ النَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی﴾ ’’اور قسم ہے ستارے کی جب وہ گرنے لگے‘‘۔ اِذَا میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اِذَا شرطیہ کے بعد ہمیشہ فعل آتا ہے۔ اِذَا بعض دفعہ مفاجات یعنی کسی چیز کے اچانک پیش آنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کے بعد اسم کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے اِذَا الۡفُجَائِیَّۃُ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا ہِیَ حَیَّۃٌ تَسۡعٰی﴾ ’’پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا‘‘۔

**قِیۡلَ** اور **قَالُوۡا** (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

### ف س د

(ن۔ض) **فَسَادًا** کسی چیز کا نظم بگڑ جانا، کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا، خراب ہونا۔ یہ صَلَاحٌ کی ضد ہے۔ ﴿وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ﴾ (2/البقرہ:251) ’’اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرنا لوگوں کو، ان کے بعض کو بعض سے، تو زمین بگڑ جاتی یعنی اجتماعی نظام کا توازن بگڑ جاتا۔‘‘

**فَسَادٌ** اسم ذات ہے۔ نظم کی خرابی یا بگاڑ۔ ﴿ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ﴾ (30/الروم:41) ’’ظاہر ہوئی نظم کی خرابی خشکی اور تری میں بسبب اس کے جو کمایا لوگوں کے ہاتھوں نے۔‘‘

(افعال) **اِفۡسَادًا** کسی چیز کا نظم بگاڑنا، کسی چیز کا توازن بگاڑنا، خراب کرنا۔ ﴿وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰی وَ قَوۡمَہٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ (7/الاعراف:127) ’’اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے، کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو تاکہ وہ لوگ فساد مچائیں زمین میں۔‘‘

**مُفۡسِدٌ** ج: مُفۡسِدُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نظم بگاڑنے والا۔ ﴿اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ﴾ (18/الکہف:94) ’’بیشک یاجوج اور ماجوج نظام بگاڑنے والے ہیں زمین میں۔‘‘

### ء ر ض

(ن) **اَرۡضًا** کسی جگہ کا سرسبز اور خوش منظر ہونا۔

**اَلۡاَرۡضُ** اسم ذات ہے۔ زمین۔ ’’ارض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔‘‘ (ماجدیؒ)

**اِنَّمَا** اِنَّمَا ایک لفظ ہے اس میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور ’مَا‘ کافّہ ہے۔ جو اِنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ یہ حصر کا مفہوم دیتا ہے اور اس کے معنی ہیں ’’کچھ نہیں سوائے اس کے کہ‘ یا ’بات اتنی ہے بس کہ‘ اسی طرح اَنَّمَا ہے یعنی اَنَّ حرف مشبہ بالفعل اور ’مَا‘ کافّہ جو اَنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ اب ایک اہم بات نوٹ کریں اِنَّ اور مَا (یعنی اِنَّ مَا) دو لفظ ہیں۔ اس میں ’مَا‘ موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ’’بے شک وہ جو کہ‘‘ قرآن مجید

میں کہیں کہیں اِنَّ مَا کو ''اِنَّمَا'' بھی لکھا گیا ہے لیکن عبارت میں فرق صاف پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ﴾ (المرسلات:7) ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔'' یہاں 'مَا' موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ اسی طرح اَنَّ مَا کو بھی اکٹھا ''اَنَّمَا'' لکھا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ ﴾ (آل عمران:178) ''اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو اُنہیں مہلت دے رہے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔'' یہاں بھی مَا کو موصولہ یا مصدریہ مانا گیا ہے۔ یا فرمایا: ﴿ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ﴾ (الانفال:41) ''اور جان لو کہ جو غنیمت بھی تم حاصل کرو۔'' یہاں بھی 'مَا' اسم موصول ہے اور اَنَّ کا اسم ہے۔ (واللہ اعلم)

**ص ل ح**

(ف) **صَلَاحًا** نظم کا ٹھیک ہونا، درست ہونا، نیک ہونا۔ صلاح کا لفظ کبھی فساد کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی سَیِّئَۃٌ (برائی) کے مقابلے میں۔ ﴿ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ ﴾ (13/الرعد:23) ''عدن کے باغات، وہ لوگ داخل ہوں گے اس میں اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور ان اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہوں گے۔''

**صَالِحٌ** ج: صَالِحُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نیک، اچھا، بھلا، اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام جو قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''صَالِح سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے خیالات اور عقائد میں، اپنی نیت اور ارادوں میں اور اپنے اقوال و افعال میں راہِ راست پر قائم ہو اور فی الجملہ اپنی زندگی میں نیک رویہ رکھتا ہو۔'' ﴿ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا ﴾ (18/الکھف:110) ''پس جو امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملاقات کی، تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے۔'' ﴿ وَ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاہُمۡ صٰلِحًا ﴾ (7/الاعراف:73) ''اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔''

**صَالِحَۃٌ** ج: صَالِحَاتٌ۔ صَالِحٌ کا مونث۔ قرآن مجید میں صرف صَالِحَاتٌ استعمال ہوا ہے۔ یعنی نیکیاں، اچھے کام، نیک عورتیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر لفظ صَالِحَاتٌ نیک عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے ارشاد ہے ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ﴾ ''پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں۔'' اور باقی سب جگہ پر نیکیوں کے لیے آیا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۳)

**صُلۡحٌ** صلح۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلصُّلۡحُ کا لفظ خاص کر لوگوں سے باہمی نفرت کو دور کر کے امن و سلامتی پیدا کرنے پر بولا جاتا ہے چنانچہ اِصۡطَلَحُوۡا وَ تَصَالَحُوۡا کے معنی باہم امن و سلامتی سے رہنے کے ہیں قرآن میں ہے: ﴿ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا صُلۡحًا ؕ وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ ؕ ﴾ (4/النساء:128) ''کہ آپس میں کسی قرار داد پر صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۵۹۰)

(افعال) **اِصۡلَاحًا** نظم کو درست کرنا، نظم کی خرابی کو دور کرنا، اصلاح کرنا، صلح کرانا، نیک ہونا، سنورنا۔ ﴿ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۚ ﴾ (24/النور:5) ''سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد، اور (اپنی) اصلاح کی۔'' ﴿ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَصۡلَحَ ﴾ (6/الانعام:54) ''پھر اُس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی اصلاح کرنا کے کبھی تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فطرۃً صالح بنایا اور کبھی اس کے معنی اس سے خرابی اور نقص کو دور کرنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴾ ''اور ان کی حالت

سنواردی۔'' ﴿ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ ﴾ ''وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کردے گا۔'' ﴿ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّيَّتِیۡ ﴾ ''اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح پیدا کر۔'' اور آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا''، کے معنی یہ ہیں کہ مفسد لوگ چونکہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر کے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے برعکس ذات باری تعالیٰ ہر کام میں اصلاح کو پسند کرتی ہے۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اعمال کو درست قرار دے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص ۵۹۰)

**مُصۡلِحٌ** ج: مُصۡلِحُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نظم کی خرابی دور کرنے والا۔ اصلاح کرنے والا۔ نیک۔ ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ ﴾ (11/ھود: 117) ''اور نہیں ہے تیرا رب کہ وہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم کے ساتھ، اس حال میں کہ ان کے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔''

**اَلَآ** یہ حروف تنبیہ میں سے ہے۔ یہ وہ حروف ہیں جن کے ذریعے سے کسی کو خبردار کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ''خبردار ہو جاؤ''، ''آگاہ ہو جاؤ''، ''سنو'' اور ''جان لو'' سے کیا جاتا ہے۔ اَلَا تحضیض کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے حروف تحضیض وہ ہوتے ہیں جن سے کسی کو ترغیب دلائی جائے اور کسی کام پر آمادہ کیا جائے۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''کیوں نہیں'' اور یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اَلَا، استفتاح یعنی کلام کے شروع کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی حرف استفہام 'اَ' اور 'لَا' نافیہ ساتھ آتے ہیں تب بھی اَلَا ہی بنتا ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں ''کیا نہیں''۔ اِن دونوں میں فرق عبارت کے مفہوم سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَلَا يَتَّقُوۡنَ ﴾ (الشعراء: 11) ''کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔'' یا فرمایا ﴿ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴾ (الشعراء: 25) کیا تم سن نہیں رہے۔'' یا فرمایا: ﴿ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ﴾ (النور: 22) ''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے۔'' (واللہ اعلم)

**لٰكِنۡ اور لٰكِنَّ** لٰكِنَّ حروف مشبہ بالفعل سے ہے۔ لٰكِنۡ اور لٰكِنَّ کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کے معنی ہیں ''لیکن''۔ البتہ ان کے استعمال میں فرق ہے۔ لٰكِنۡ اسم اور فعل دونوں پر آتا ہے اور غیر عامل ہے یعنی یہ اپنے اسم یا فعل مضارع میں کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔ جبکہ لٰكِنَّ فعل پر نہیں آتا بلکہ صرف اسم پر آتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔

يَشۡعُرُوۡنَ (ش ع ر): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

**ترکیب** 'وَ' استینافیہ ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ قِيۡلَ ماضی مجہول ہے اور لَهُمۡ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ لَا تُفۡسِدُوۡا فعل نہی ہے اور فِی الۡاَرۡضِ اس کا متعلق فعل ہے۔ قَالُوۡا فعل و فاعل اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔ نَحۡنُ مبتداء ہے اور اسم الفاعل مُصۡلِحُوۡنَ اس کی خبر ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّهُمۡ میں هُمۡ کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کی خبر اَلۡمُفۡسِدُوۡنَ معرف باللام ہے اس لئے درمیان میں ضمیر فاصل هُمۡ لائی گئی ہے۔ لٰكِنۡ مخفف ہے لٰكِنَّ سے اور غیر عامل ہے۔ لَا يَشۡعُرُوۡنَ مضارع منفی ہے۔

**ترجمہ البقرۃ: 11-12**

| وَاِذَا قِيۡلَ | لَهُمۡ | لَا تُفۡسِدُوۡا | فِی الۡاَرۡضِ |
|---|---|---|---|
| اور جب بھی کہا جاتا ہے | ان لوگوں سے | تم لوگ فساد مت پھیلاؤ | زمین میں |

| قَالُوۡٓا | اِنَّمَا نَحۡنُ | مُصۡلِحُوۡنَ ⑪ | اَلَآ |
|---|---|---|---|
| وہ لوگ کہتے ہیں | ہم تو بس | اصلاح کرنے والے ہیں | آگاہ ہو جاؤ |

| اِنَّهُمۡ | هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ | وَلٰكِنۡ | لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ⑫ |
|---|---|---|---|
| بے شک وہ لوگ | ہی فساد پھیلانے والے ہیں | اور لیکن | وہ لوگ سمجھتے نہیں |

**نوٹ:** فسادفی الارض: حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فسادفی الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم ونظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانون شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرمو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کشت وخون اور ہرقسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کرچکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۱۱)

حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''فسادفی الارض قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم اس نظام حق کو بگاڑنا یا اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام وقوانین کی اطاعت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیائے کرامؑ لے کر آتے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی رب قدیر وقہار کا ارادہ کارفرما ہے، اگر اس کے اندر کسی اور کا زور واختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کے آن میں درہم برہم ہو کے رہ جاتا اسی طرح اس کے نظام تشریعی کے اندر اگر کسی اور کی عبادت واطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے اس کا مزاج بالکل ہی بگڑ کے رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظام تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے اگرچہ یہ کوشش بظاہر اصلاح کے نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص۱۱۹)

## آیت 13:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ‌ؕ اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۳﴾

| |
|---|
| اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ قِيۡلَ اور قَالُوۡۤا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔<br>اٰمِنُوۡا (ء م ن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**كَمَآ** مرکب ہے۔ کَ تشبیہ وجر ہوتا ہے اور 'مَا' کو موصول یا مصدریہ مانا جاتا ہے۔ 'مَا' موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ صلہ ہوتا ہے اور صلہ اور موصول مل کر محلاً حالت جر میں ہوتے ہیں۔ 'مَا' مصدریہ ہونے کی صورت میں 'مَا' اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیتا ہے اور محلاً حالت جر میں ہوتا ہے۔ كَمَآ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

| |
|---|
| اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |

**س ف ہ**

(س) سَفَاهَةً ، سَفَهًا: جسم کا ہلکا ہونا، بے وقوف ہونا، احمق ہونا، پست اخلاق والا ہونا۔ ﴿وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ﴾ (2/البقرۃ:130) ''اور کون منہ پھیرتا ہے ابراہیمؑ کے دین سے مگر وہ جو بے وقوف ہوا بلحاظ اپنے نفس کے۔''

سَفَاهَةٌ: اسم ذات ہے۔ بے وقوفی، حماقت، بے عقلی۔ ﴿اِنَّا لَـنَرٰٮكَ فِىۡ سَفَاهَةٍ﴾ (7/الاعرف:66) ''بیشک ہم خیال کرتے ہیں تم کو بے وقوفی میں۔''

سَفِيۡهٌ: ج: سُفَهَاءُ۔ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے وقوف، کم عقل، جسے اپنے نفع ونقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ ﴿فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا﴾ (2/البقرۃ:282) ''پس اگر جس پر حق ہے وہ بے وقوف ہو یا ضعیف ہو۔''

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ﴾(2/البقرۃ:142)''کہیں گے لوگوں میں سے بے وقوف لوگ، کس چیز نے پھیر دیا ان لوگوں کو ان کے قبلہ سے۔''

| | | |
|---|---|---|
| اَلَآ: البقرۃ آیت 12 دیکھیں۔ | لٰكِنْ: البقرۃ آیت 12 دیکھیں۔ | يَعْلَمُوْنَ(ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

## ترکیب

'وَ' عطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ قِيْلَ، ماضی مجہول ہے۔ اور لَهُمْ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ اٰمِنُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر (اَنْتُمْ) ہے۔ كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ متعلق فعل ہے اور اٰمَنَ کا فاعل النَّاسُ ہے۔ اَلنَّاسُ پر 'ال' عہد خارجی ہے یعنی ایسے لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو کہنے اور سننے والے کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ یعنی صحابہؓ۔ اگلا جملہ قَالُوْٓا......السُّفَهَاۗءُ تک جواب شرط ہے۔ اَنُؤْمِنُ میں اَ استفہامیہ ہے اور نُؤْمِنُ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے اور كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ متعلق فعل ہے۔ اَلسُّفَهَاۗءُ فاعل ہے اٰمَنَ کا اور اِس پر بھی 'ال' عہد خارجی ہے۔ یہاں بھی صحابہؓ ہی مراد ہیں۔ یعنی کفار صحابہؓ کو بے وقوف کہتے تھے (معاذ اللہ)۔ اَلَآ حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّهُمْ میں هُمْ، اِنَّ کا اسم ہے اور اس کے بعد والا هُمْ ضمیر فاصل ہے، کیونکہ اِنَّ کی خبر اَلسُّفَهَاۗءُ معرف باللام ہے۔ لٰكِنْ مخفف ہے لٰكِنَّ سے اور غیر عامل ہے، آگے لَا يَعْلَمُوْنَ، مضارع منفی ہے۔

## ترجمہ

البقرۃ:13

| وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ | اٰمِنُوْا | كَمَآ | اٰمَنَ النَّاسُ |
|---|---|---|---|
| اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے | تم لوگ ایمان لاؤ | جیسا کہ | ایمان لائے یہ لوگ (یعنی صحابہؓ) |

| قَالُوْٓا | اَنُؤْمِنُ | كَمَآ | اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ |
|---|---|---|---|
| وہ لوگ کہتے ہیں | کیا ہم ایمان لائیں | جیسے کہ | ایمان لائے یہ بیوقوف لوگ |

| اَلَآ | اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ | وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ |
|---|---|---|
| آگاہ ہو جاؤ! | یقیناً وہ لوگ ہی بیوقوف ہیں | اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں |

**نوٹ:1** قَالُوْا فعل ماضی ہے۔ لیکن چونکہ بات اِذَا سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے قِيْلَ کی طرح قَالُوْا کا ترجمہ بھی حال میں کیا گیا ہے۔

**نوٹ:2** حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''چھٹی آیت میں (یعنی آیت زیر مطالعہ میں) منافقین کے سامنے صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا کہ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ 'یعنی ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ' اس میں لفظ 'ناس' سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرامؓ ہیں، کیونکہ وہی حضرات ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت ایمان لائے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو، جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان کہا جائے گا، ورنہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہ کہا جائے گا، اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں، ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو سفہاء یعنی بیوقوف کہا، اور یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے، کہ جو اُن کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم نے بتلا دیا کہ درحقیقت وہ خود ہی بیوقوف ہیں کہ ایسی کھلی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۲۵)

## آیت:14

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾

| |
|---|
| اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

| ل ق ی |
|---|

(س) لِقَاءٌ: کسی کے سامنے آنا، ملنا، کسی کو پالینا، کسی چیز کا حس اور بصیرت سے ادراک کر لینا۔﴿وَ اِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ﴾(3/آل عمران:119)''اور جب بھی تمہارے سامنے آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو انگلیاں چباتے ہیں تم پر غصہ سے۔''﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّبَعُوا الشَّہَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ﴿ۙ۵۹﴾﴾(19/مریم:59)''ان لوگوں نے ضائع کیا نماز کو اور پیروی کی خواہشات کی تو عنقریب وہ ملیں گے گمراہی سے۔''﴿بَلۡ ہُمۡ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾(32/السجدہ:10)''بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرنے والے ہیں۔''

یَلۡقَ: مضارع مجزوم ہے۔﴿وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿ۙ۶۸﴾﴾(25/الفرقان:68)''اور جو یہ کرے گا تو وہ ملے گا عذاب سے۔''

لَاقٍ: اسم الفاعل ہے۔ ملنے والا۔﴿اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰہُ وَعۡدًا حَسَنًا فَہُوَ لَاقِیۡہِ﴾(28/القصص:61)''تو کیا وہ جس سے وعدہ کیا ہم نے، ایک اچھا وعدہ، اور وہ ملنے والا ہے اس سے۔''

(افعال) اِلۡقَاءٌ: کسی کو کسی کے سامنے کرنا۔ کسی چیز کو اس طرح ڈالنا کہ وہ دوسرے کو سامنے سے نظر آئے۔ زمین پر پھینکنا۔﴿وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ﴾(4/النساء:94)''اور تم لوگ مت کہو اس سے جس نے ڈالا تمہاری طرف سلام یعنی سلام کیا کہ تو مومن نہیں ہے۔''﴿قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ﴾(7/الاعراف:116)''موسیٰ نے کہا تم لوگ ڈالو۔ پس جب ان لوگوں نے ڈالا تو انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔''﴿سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾(3/آل عمران:151)''ہم ڈال دیں گے ان کے دلوں میں جنھوں نے کفر کیا رعب کو۔''﴿وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ﴾(3/آل عمران:44)''اور آپ ﷺ ان کے پاس نہیں تھے جس وقت وہ لوگ ڈال رہے تھے اپنے قلم یعنی قلم کے ذریعہ قرعہ نکال رہے تھے۔''اس میں یُلۡقُوۡنَ مضارع ہے لیکن اِذۡ کی وجہ سے ماضی میں ترجمہ ہوگا۔

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ قَوۡلًا کا مطلب ہے کسی سے بات کرنا جیسے فرمایا:﴿فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡہِمُ الۡقَوۡلَ﴾(16/النحل:86)''تو وہ ان سے کہیں گے۔''

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ سَلَمًا کا مطلب ہے کسی کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا، اطاعت کا اقرار کرنا۔ جیسے فرمایا:﴿وَ اَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰہِ یَوۡمَئِذِ ۣالسَّلَمَ﴾(16/النحل:87)''اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر۔''(ترجمہ شیخ الہند)

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ مَوَدَّۃً کا مطلب ہے کسی سے دوستی بڑھانا۔ جیسے فرمایا:﴿تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ﴾(60/الممتحنۃ:1)''تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔''

**اُلۡقِیَ** ماضی مجہول ہے۔ ﴿ فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡہِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَہَبٍ ﴾ (43/الزخرف:53) ”تو کیوں نہیں ڈالے گئے انؑ پر کنگن سونے کے۔“

**اَلۡقِ** فعل امر ہے۔ تو ڈال۔ ﴿وَ اَلۡقِ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ﴾ (20/طٰہٰ:69) ”اور تو ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے۔“ اس کی جمع اَلۡقُوۡا آتی ہے۔ اوپر دیکھیں الاعراف:116۔

**فَلۡیُلۡقِ** فعل امر غائب ہے۔ چاہیے کہ وہ ڈالے۔ ﴿ اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡہِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِہِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ ﴾ (20/طٰہٰ:39) ”کہ تو (یعنی موسیٰؑ کی والدہ) رکھ دے انؑ کو تابوت میں، پھر تو رکھ دے اس کو دریا میں، پھر دریا کو چاہیے کہ وہ ڈال دے اس کو ساحل پر۔“ نوٹ کرلیں کہ فَلۡیُلۡقِ میں لام امر ساکن ہو گیا ہے۔ جبکہ لام کیؑ ساکن نہیں ہوتا۔

**مُلۡقٍ** ج: مُلۡقُوۡنَ، مُلۡقِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ڈالنے والا۔ ﴿ قَالَ لَہُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴾ (26/الشعراء:43) ”کہا ان سے موسیٰؑ نے کہ تم لوگ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔“

**مُلۡقِیَۃٌ** ج: مُلۡقِیَاتٌ۔ مُلۡقٍ کی مؤنث ہے۔ ڈالنے والی۔ ﴿ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ﴾ (77/المرسلت:5) ”پھر (دلوں میں خدا کی) یاد ڈالتی ہیں۔“ (ترجمہ تفہیم القرآن)

(تفعیل) **تَلۡقِیَۃٌ** کسی کے سامنے پھینکنا۔ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو وحی کرنا اور عطا کرنا۔ ﴿ فَوَقٰہُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ وَ لَقّٰہُمۡ نَضۡرَۃً وَّ سُرُوۡرًا ﴾ (76/الدھر:11) ”تو بچایا ان کو اللہ نے اس دن کے شر سے اور عطا کی ان کو تازگی اور سرور۔“

**یُلَقّٰی** مضارع مجہول ہے۔ ﴿ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:35) ”اور نہیں دی جاتی (یہ صفت) مگر بڑے نصیبے والوں کو۔“

(مفاعلہ) **مُلَاقَاۃٌ اور لِقَاءٌ** ایک دوسرے کے سامنے آنا۔ ایک دوسرے سے ملنا۔ ملاقات کرنا۔ ﴿ فَذَرۡہُمۡ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ فِیۡہِ یُصۡعَقُوۡنَ ﴾ (52/الطور:45) ”تو آپؐ چھوڑ دیں ان کو یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس میں وہ بے ہوش ہوں گے۔“

**مُلَاقٍ** ج: مُلٰقُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ملاقات کرنے والا۔ ﴿ اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَہۡ ﴾ (69/الحاقۃ:20) ”بیشک مجھے گمان تھا کہ میں ملاقات کرنے والا ہوں اپنے حساب سے۔“ ﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ مُّلٰقُوۡہُ ﴾ (2/البقرۃ:223) ”اور بچو اللہ سے یعنی اس کی ناراضگی سے اور جان لو کہ تم لوگ ملاقات کرنے والے ہو اس سے۔“

**تِلۡقَاءٌ** تِفۡعَالٌ کا وزن ہے۔ علمائے کرام نے بتایا ہے کہ اس وزن پر عربی میں دو ہی الفاظ آتے ہیں، ایک تِبۡیَانٌ اور دوسرا تِلۡقَاءٌ۔ تِلۡقَاءٌ کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لَقِیَ یَلۡقٰی کے متعدد مصادر میں سے ایک مصدر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ باب مفاعلہ کا ظرف ہے یعنی ملاقات کی جگہ یا سمت۔ صاحبِ لغات القرآن فرماتے ہیں: تِلۡقَاءَ طرف، لِقَاءٌ سے، جس کے معنی ملاقات کرنے کے ہیں۔ اسم ہے۔ ملاقات کرنے اور آمنے سامنے ہونے کی جگہ کو تِلۡقَاءَ کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے طرف اور جہت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۲، ص:۱۸۰) ﴿ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ﴾ (7/الاعراف:47) ”آگ والوں کی طرف۔“ ﴿ وَ لَمَّا تَوَجَّہَ تِلۡقَآءَ مَدۡیَنَ ﴾ (28/القصص:22) ”اور جب موسیٰؑ مدین کی طرف ہو لیے۔“ فَعَلَ الۡاَمۡرَ مِنۡ تِلۡقَاءِ نَفۡسِہٖ کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو خود بخود، بغیر کسی کے مجبور کیے ہوئے، اپنے جی سے کیا۔ جیسے فرمایا: ﴿ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ﴾ (10/یونس:15) ”آپؐ کہہ دیجئے میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں۔“ (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعّل) **تَلَقِّیْ** بتکلّف کسی کے سامنے آنا۔شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اُس کو قبول کرنا (معارف القرآن)۔ بتکلّف کسی سے کچھ حاصل کرنا۔سیکھنا۔﴿ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾(2/البقرہ:37)''تو سیکھے آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات۔''﴿ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ (21/الانبیاء:103)''ان لوگوں کو غمگین نہیں کرے گی بڑی گھبراہٹ اور استقبال کریں گے ان کا فرشتے۔''

**مُتَلَقِّیْ** اسم الفاعل ہے۔ لینے والا۔ اس کا تثنیہ مُتَلَقِّیَانِ (دو لینے والے) قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔﴿ اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴾ (50/ق:17)''جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**تُلَقّٰی** مضارع مجہول ہے۔اصل میں تُتَلَقّٰی تھا۔ایک 'ت' حذف ہوگئی۔مطلب ہے اُسے سکھایا جاتا ہے۔﴿ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴾(27/النمل:6)''بے شک آپ ﷺ کو اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے قرآن سکھایا جارہا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

نوٹ: باب تفعیل میں مضارع مجہول کی بھی یہی شکل ہوتی ہے یعنی تُلَقّٰی لیکن ان معنوں میں یعنی کسی سے کچھ سیکھنا یا حاصل کرنا باب تفعّل سے ہی استعمال ہوتا ہے۔

(افتعال) **اِلْتِقَاءٌ** اہتمام سے ملنا۔﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ (3/آل عمران:155)''بیشک جن لوگوں نے منہ موڑا تم میں سے جس دن ملیں دو فوجیں۔''﴿ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۙ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۚ ﴾ (55/الرحمٰن:19-20)''اس نے بہایا دو سمندروں کو وہ دونوں ملتے ہیں، ان کے مابین ایک پردہ ہے، وہ حد سے نہیں بڑھتے۔''

(تفاعل) **تَلَاقِیْ** ایک دوسرے سے ملاقات کرنا۔ باہم جمع ہونا۔اس کا مصدر تَلَاقِ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔﴿ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴾(40/مومن:15)''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے۔تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اٰمَنُوْا (ء م ن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ قَالُوْٓا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

## خ ل و

(ن) **خَلَاءً** اور **خَلْوَةً** کسی چیز، جگہ یا زمانہ کا خالی ہونا۔تنہا ہونا۔علیحدہ ہونا۔یہ لفظ ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور زمانہ میں چونکہ گزرنے کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے یہ گزرے ہوئے زمانے، گزرنے، ہو چکنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ (2/البقرہ:134) ''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔اس کے لئے جو اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا۔''﴿ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (2/البقرہ:214)''اور ابھی آیا نہیں تم لوگوں کے پاس ان لوگوں کی طرح یعنی ان کے جیسے حالات جو گزرے تم سے پہلے۔'' یہ فعل جب اِلٰی کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہائی میں ملنا۔﴿ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾(2/البقرہ:76)''اور جب تنہائی میں ملتے ہیں ان کے بعض، بعض سے۔''

**خَالٍ** اسم الفاعل ہے گزرنے والا۔گزشتہ۔اس کی مؤنث خَالِیَةٌ آتی ہے اور اَیَّامٌ خَالِیَةٌ کا مطلب ہوتا ہے گزشتہ دن،

گزشتہ ایام۔﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴾(69/الحاقۃ:24)''کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعیل) تَخْلِيَةٌ کسی کو گزرنے دینا۔ آزاد چھوڑنا۔ چھوڑ دینا۔

خَلُّوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔جمع مذکر حاضر۔تم چھوڑ دو۔﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾(9/التوبۃ:5)''پس اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم لوگ چھوڑ دو ان کا راستہ۔''

(تفعّل) تَخَلٍّ بتکلف خالی ہونا۔﴿ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ ﴾(84/الانشقاق:3-4)''اور جب زمین دراز کی جائے گی اور وہ ڈال دے گی جو اس میں ہے اور وہ خالی ہو جائے گی۔''

| |
|---|
| شَيٰطِيْنُ(ش ط ن) (ش ی ط): اَعُوْذُ بِاللّٰهِ دیکھیں۔ اِنَّمَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**ھ ز ء**

(ف۔س) هُزُوًا ، هُزْءًا مذاق اُڑانا۔کسی کا مذاق بنانا۔

هُزُوٌ اسم ذات بھی ہے۔ مذاق۔ ہنسی۔ مذاق کا ذریعہ۔﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾(2/البقرۃ:231)''اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کی آیات کو مذاق کا ذریعہ۔''

(استفعال) اِسْتِهْزَاءٌ کسی سے مذاق کرنا۔کسی چیز کو خلاف عقل اور عجیب سمجھ کر مذاق اُڑانا۔﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾(9/التوبۃ:65)''کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولؐ سے تم لوگ مذاق کرتے ہو۔''

مُسْتَهْزِءٌ ج: مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب**

وَ عطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ فعل لَقُوْا کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے اور اَلَّذِيْنَ اسم موصول اور آگے جملہ فعلیہ اٰمَنُوْا اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں لَقُوْا کے۔ جملہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بطور جواب شرط ہے اِذَا کا۔ اسی طرح سے فعل خَلَوْا کا فاعل بھی اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے اور اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ متعلق فعل کہلائے گا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور نَا اس کا اسم۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ اور مَعَكُمْ ظرف ہے اور اِنَّ کی محذوف خبر سے متعلق ہے۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ نَحْنُ مبتدا ہے۔ مُسْتَهْزِءُوْنَ اسم الفاعل ہے اور نَحْنُ کی خبر ہے۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:14**

| وَاِذَا | لَقُوا | الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | قَالُوْٓا |
|---|---|---|---|
| اور جب کبھی | وہ لوگ ملتے ہیں | ان لوگوں سے جو ایمان لائے | تو وہ کہتے ہیں |

| اٰمَنَّا | وَاِذَا | خَلَوْا اِلٰى | شَيٰطِيْنِهِمْ | قَالُوْٓا |
|---|---|---|---|---|
| ہم ایمان لائے | اور جب بھی | تنہائی میں ملتے ہیں | اپنے شیطانوں سے | تو کہتے ہیں |

| اِنَّا | مَعَكُمْ | اِنَّمَا نَحْنُ | مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ |
|---|---|---|---|
| بیشک ہم | تمہارے ساتھ ہیں | ہم تو بس | مذاق کرنے والے ہیں |

**نوٹ**

آیت میں لفظ شَيٰطِيْنُ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں شیاطین سے مراد رؤساء یہود و منافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی وطغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز اُن کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔''

## آیت:15

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُ (ع ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | يَسْتَهْزِئُ (ہ ز ء): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ |

**م د د**

(ن) مَدَدًا مدد دینا۔

مَدًّا دراز کرنا، مہلت دینا، پھیلانا، کسی چیز کو لمبائی میں کھینچنا اور بڑھانا۔ اسی سے عرصۂ دراز کو مدت کہتے ہیں۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کو کہ اس نے کیسے دراز کیا سائے کو۔'' ﴿ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴾ (19/مریم:79) ''ہم لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور ہم دراز کریں گے اس کے لئے عذاب جیسا کہ دراز کرنے کا حق ہے۔'' جب آنکھوں کے لیے اس کا استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے نظر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھنا۔ ﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ (15/الحجر:88) ''مت ڈال اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے اُن میں سے کئی طرح کے لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ لَا تَمُدَّنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے اور یاد کرلیں کہ نّ ثقیلہ کا استعمال فعل نفی اور فعل نہی میں سے، فعل نہی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مَدَدٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (18/الکہف:109) ''اور اگر ہم لے آئیں اس کے جیسا بطور مدد کے۔''

مُدَّةٌ اسم ذات ہے۔ معین عرصہ۔ مدت۔ ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ (9/التوبۃ:4) ''تو تم لوگ پورا کرو ان سے کیا ہوا وعدہ ان کی مدت تک۔''

مِدَادٌ اسم ذات ہے۔ سیاہی۔ روشنائی۔ ﴿ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ ﴾ (18/الکہف:109) ''اگر ہوتا سمندر سیاہی میرے رب کے فرمانوں کے لئے تو ختم ہو جاتا سمندر قبل اس کے کہ ختم ہوتے میرے رب کے فرمان۔''

مَمْدُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ دراز کیا ہوا۔ بڑھایا ہوا۔ کثیر۔ ﴿ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴾ (74/المدثر:12) ''اور میں نے بنایا اس کے لے بڑھایا ہوا مال (یعنی کثرت سے مال دیا)۔''

(افعال) اِمْدَادًا مدد کرنا۔ بوقت ضرورت دینا۔ حسب خواہش دینا۔ وقتاً فوقتاً دینا۔ ﴿ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:133) ''اس نے مدد کی تمہاری چوپایوں سے اور بیٹوں سے۔'' ﴿ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ (52/الطور:22) ''اور ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت جس چیز کو بھی اُن کا جی چاہے گا، خوب دیے چلے جائیں گے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

مُمِدٌّ اسم الفاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ ﴿ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ (8/الانفال:9) ''کہ میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے۔''

(تفعیل) تَمْدِيْدًا کسی چیز کو پھیلانا۔

مُمَدَّدٌ　اسم المفعول ہے۔ پھیلایا ہوا۔﴿ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾(104/الھمزۃ:9)''پھیلائے ہوئے ستونوں میں (یعنی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں)۔''

**ط غ ی**

(ف)　طُغْیَانًا　نافرمانی میں حد سے گزرنا۔ سرکشی کرنا۔ طَغَی الْمَاءُ کا مطلب ہے پانی میں طغیانی آجانا یعنی پانی کا بلند ہو کر اپنے کناروں سے باہر آجانا۔﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ﴾(20/طٰہٰ:24)''آپؐ جائیں فرعون کی طرف بیشک اس نے سرکشی کی۔''﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ ﴾(96/العلق:6)''بیشک انسان سرکشی کرتا ہے۔''

طَاغٍ　ج: طَاغُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ سرکشی کرنے والا۔ حد سے گزرنے والا۔﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ ﴾(51/الذریات:53)''بلکہ وہ لوگ سرکشی کرنے والی قوم ہیں۔''

طَاغِيَةٌ　اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ سرکشی کرنے والی۔ حد سے گزرنے والی۔﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ ﴾(69/الحاقۃ:5)''سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔''

لَا تَطْغَ　فعل نہی ہے۔ تو سرکشی مت کر۔ حد سے تجاوز مت کر۔﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ ﴾(55/الرحمٰن:8)''کہ تم لوگ حد سے تجاوز مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔''

طُغْیَانٌ　اسم ذات بھی ہے۔ حد سے بہت زیادہ تجاوز۔ بہت زیادہ سرکشی۔﴿ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾(10/یونس:11)''تو ہم چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔''

طَغْوٰی　طُغْیَانٌ سے اسم ہے۔ سرکشی، نافرمانی۔﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ ﴾(91/الشمس:11)''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی۔''

طَاغُوْتٌ　سرکشی کا ذریعہ۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾(16/النحل:36)''اور ہم نے بھیجا ہے ہر امت میں ایک رسول کہ تم لوگ عبادت کرو اللہ کی اور تم لوگ بچو سرکشی کے ذریعوں سے۔'' امام راغبؒ لفظ 'طاغوت' کی وضاحت کرتے ہوئے مفردات القرآن میں فرماتے ہیں: ''طاغوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو (یعنی حدود اللہ کو توڑنے والا ہو) اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔'' صاحبؒ مترادفات القرآن اسی لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا غلامی اختیار کی جائے خواہ یہ کوئی نظام ہو یا کوئی شخصیت۔'' (مترادفات القرآن۔ ۵۸۷)۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''طاغوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہو سکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۳۸)۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی میں حد سے گزرنے والا ہو وہ طاغوت ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اطلاق کاہن اور غیب جاننے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے پر ہوتا ہے جو اپنے جھوٹے دعوؤں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اس کا اطلاق ساحر پر بھی ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور وہ سب سے بڑا سرکش ہے۔ اس کا اطلاق بتوں اور تمام معبودان باطل پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اِن کے ذریعے سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر بھی ہوتا

ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریے اور کسی بُرے عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ گویا تمام سرکشی کے ذرائع، طاغوت ہیں۔'' کسی کو طاغی (سرکش) کہنے کی بجائے اگر طاغوت (سرکشی) کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انتہا درجے کا سرکش ہے۔ مثال کے طور پر کسی کو حسین کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ وہ حسن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خوبصورتی میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص: ۳۶۵)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت تشریح کی ہے فرماتے ہیں: ''طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اُصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اُصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۹۶)۔ اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ﴾ (4/النساء:60) ''اے نبیؐ! آپؐ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا'' اس آیت مبارکہ سے آپ کو طاغوت کی ایک اور قسم بھی معلوم ہو گئی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت یعنی النساء 60 کے تحت فرماتے ہیں: ''یہاں صریح طور پر 'طاغوت' سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔'' مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اسی آیت میں طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''(طاغوت سے) یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت واقتدار ہے۔'' طاغوت کے لفظ کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ (2/البقرۃ:256) ''اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

(افعال) **اِطْغَاءٌ** سرکشی پر اکسانا، ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴾ (50/قٓ:27) ''اے ہمارے رب میں نے سرکشی پر نہیں اکسایا اس کو بلکہ وہ تھا دور کی گمراہی میں۔''

**ع م ہ**

(ف۔س) **عَمَهًا** فقدان بصیرت کی وجہ سے بھٹکنا۔ دل کا اندھا ہونا۔ حیران ہونا۔ حیرانگی کی وجہ سے تردّد میں پڑھنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۱)۔ آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب** لفظ اَللّٰہُ مبتداء اور یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ وَ عطف کا ہے اور یَمُدُّھُمۡ جملہ فعلیہ عطف ہے یَسۡتَہۡزِئُ پر۔ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ، یَمُدُّھُمۡ کا متعلق فعل ہے۔ جملہ فعلیہ یَعۡمَہُوۡنَ حال ہے یَمُدُّھُمۡ میں ھُمۡ ضمیر کا۔

| ترجمہ | اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ | وَ | یَمُدُّھُمۡ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:15 | اللہ مذاق کرتا ہے اُن سے یعنی اللہ سزا دے رہا ہے اُنہیں اس مذاق کی | اور | وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو |

| فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ | یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۵﴾ |
|---|---|
| ان کی سرکشی میں | اور حالت یہ ہے کہ عقل کے اندھے ہیں |

**نوٹ:1** **آیت مبارکہ کے تراجم اور قاعدہ مشاکلت:** آیت زیر مطالعہ میں یَسۡتَہۡزِئُ کا ترجمہ ہمارے بعض بزرگوں نے تو اس لفظ کا ظاہری معنی (ہنسی، مذاق) لے کر کیا ہے اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ عربی کے ایک خاص اسلوب کی مناسبت سے کیا ہے جو اس آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ جن بزرگوں نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے۔'' (شیخ الہندؒ)، ''اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (احسن البیان)، ''اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن) اور جن بزرگوں نے اس خاص اسلوب کی مناسبت سے ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی'' (ضیاء القرآن)۔ معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس خاص اسلوب کی وضاحت کر دی جائے کیونکہ جن بزرگوں نے اس لفظ کا ظاہری ترجمہ کیا ہے انہوں نے بھی حاشیے میں اس اسلوب کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیے میں لکھا ہے ''تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔'' اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کی دوسری آیات پڑھتے وقت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ چنانچہ اس اسلوب کو ''مشاکلت'' کہتے ہیں۔ اس کی سادہ الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ ضیاء القرآن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے مثلاً ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ﴾ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل وانصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا ﴿ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنۡسٰہُمۡ ﴾ اُنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ حالانکہ خدا کی ذات بھول سے پاک ہے لیکن ان کے بھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اِسی طرح اِستہزاء پر منافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورۂ عرب کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اِس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔'' اسی طرح حضرتؒ سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿ وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ﴾ یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً ﴿ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ ﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی (آل عمران۔54) حضرت مسیحؑ کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔''

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ البقرہ کی آیت 193 ﴿ فَاِنِ انۡتَہَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ''عُدۡوَانَ، اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاء عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء وقس علیٰ ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر

خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔‘‘ اور اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿وَ مَکَرُوۡا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ؕ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ’’عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ’’حملہ‘‘ مطلق نہ ہو گا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ’’جوابی حملہ‘‘ یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھے ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ (۱) ﴿وَ مَکَرُوۡا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ؕ﴾ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ’’مکر‘‘ کیا۔ (۲) ﴿اِنَّہُمۡ یَکِیۡدُوۡنَ کَیۡدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّ اَکِیۡدُ کَیۡدًا ﴿۱۶﴾﴾ وہ ’’کید‘‘ سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ’’کید‘‘ سے کام لیتا ہوں۔ (۳) ﴿وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا﴾ ’’برائی‘‘ کی سزا ویسی ہی ایک ’’برائی‘‘ ہے۔ (۴) ﴿قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ﴾ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ’’ہنسی‘‘ کرتا ہے۔ (۵) ﴿فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ﴾ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر ’’زیادتی‘‘ کرو۔ (اسی اسلوب کی النساء کی 142 آیت بھی ہے۔ ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ہُوَ خَادِعُہُمۡ﴾ (مرتب)۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ’’مکر‘‘ نہ مکر ہے، نہ ’’کید‘‘ کید ہے۔ نہ ’’سیئہ‘‘ سیئہ ہے، نہ ’’استہزاء‘‘ استہزاء، نہ ’’زیادتی‘‘ زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے۔ اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ۔ 169)

**نوٹ:2** آیت زیرِ مطالعہ کی ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ، یَمُدُّہُمۡ سے متعلق ہے۔ اس کو یَعۡمَہُوۡنَ سے متعلق ماننے کی گنجائش بھی ہے۔ اس سے معنی میں جو باریک فرق پڑتا ہے اُسے پہلے سمجھ لیں۔ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ کو اگر یَمُدُّہُمۡ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ بھٹکتے رہیں۔ اور اگر اسے ہم یَعۡمَہُوۡنَ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ’’جاننا چاہیے کہ آیت میں فی طُغۡیَانِہِمۡ فعل یَمُدُّہُمۡ کے متعلق ہے مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو یَعۡمَہُوۡنَ کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ، ص ۵)۔ اسی طرح کی سورۂ اعراف کی آیت 186 بھی ہے جس میں فرمایا: ﴿وَ یَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾﴾ (الاعراف:186) ’’اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں سرگرداں۔‘‘

**نوٹ:3** اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں عَمِیَ (ع م ی) عَمِہَ (ع م ھ) اور اَکۡمَہَ (ک م ھ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اندھا پن بھی دو طرح کا ہے۔ ایک ظاہری آنکھوں کا اندھا پن ہے اور دوسرا دل یا بصیرت کا اندھا پن ہے۔ اس مناسبت سے ان تینوں الفاظ میں کچھ بنیادی فرق ہیں۔ عَمِیَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴾ (عبس:2) ’’اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا۔‘‘ یا فرمایا ﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ۬ۙ﴾ (الرعد:16) ’’آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا ﴿وَ حَسِبُوۡۤا اَلَّا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ فَعَمُوۡا وَ صَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَ صَمُّوۡا کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ ؕ﴾ (المائدۃ:71) ’’اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ’’عَمُوۡا عَنِ الۡھُدٰی وَ صَمُّوۡا عَنۡ سَمَاعِ الۡحَقِّ‘‘ یعنی ہدایت سے اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے۔‘‘ یا فرمایا: ﴿وَ مَاۤ اَنۡتَ بِہٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِہِمۡ ؕ﴾ (النمل:81) ’’اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعۡمَی کا

لفظ استعمال ہوا ہے ﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ (الحج:46) ''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰی کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے، اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔

عَمِهَ کا لفظ خاص دل یا بصیرت کے اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور بصیرت کی کمی کا لازمی نتیجہ حیرانی اور بھٹکنا ہے اس لیے یہ لفظ حیران ہونا اور بھٹکنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَکْمَهَ کا لفظ پیدائشی اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ﴾ (المائدۃ:110) ''اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

## آیت 16:

## ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴾

**ش ر ی**

(ض) شِرَاءً: سوداگری کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ ''گو شِرَاءً کے معنی خریدنے اور بیچنے دونوں کے ہیں لیکن بیشتر اس کا استعمال بیچنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۷۴)۔ ﴿ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾ (2/البقرۃ:102) ''اور کتنا برا ہے جو ان لوگوں نے سودا کیا اپنے آپ کا۔ کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔''

(افتعال) اِشْتِرَاءً: اشتراء کا لفظ لغات اضداد میں سے ہے یعنی یہ لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب خریدنا بھی ہے اور بیچنا بھی۔ قرآن مجید میں عام طور پر خریدنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً آیت زیر مطالعہ میں خریدنے کے معنوں میں ہے یا فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ ﴾ (12/یوسف:21) ''اور کہا اُس نے جس نے خریدا اُس کو مصر سے۔'' اس کے علاوہ بیچنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً ﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ﴾ (2/البقرۃ:90) ''بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اشترا لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے الاشتراء ھٰھنا بمعنی البیع (معالم) معناہ باعوا (بیضاوی)''۔ ان معنوں کے علاوہ اشتراء کا لفظ ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیار کرنے اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

> **الضَّلٰلَةَ** (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ **اَلْهُدٰی** اور **مُهْتَدِيْنَ** (ہ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

**ر ب ح**

(س) رِبْحًا: نفع بخش ہونا۔ یہ فعل لازم ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

**ت ج ر**

(ض)(ن) تِجَارَةً: سوداگری کرنا۔

تِجَارَةٌ: اسم ذات بھی ہے۔ سوداگری۔ سرمایہ۔ بیوپار۔ آیت زیر مطالعہ۔

> **کَانُوْا** (ک و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

**ترکیب**

اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے۔ الَّذِیۡنَ موصول اور اِشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى ، جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے۔ موصول اور صلہ مل کر پورا جملہ اُولٰٓئِكَ کی خبر ہے۔ رَبِحَتۡ (واحد مونث غائب کا صیغہ) فعل اور تِجَارَتُهُمۡ اس کا فاعل ہے، آیت مبارکہ کے اس حصے کا ترجمہ ''اُن کی تجارت نے اُن کو نفع نہ دیا'' کرنا غلط ہے کیونکہ اِس کی عربی یہ ہوتی فَمَا رَبِحَتۡهُمۡ تِجَارَتُهُمۡ ۔ یہ عربی جملہ غلط ہے کیونکہ رَبِحَتۡ فعل لازم ہے اور اِس کے ساتھ مفعول هُمۡ نہیں آ سکتا چنانچہ صحیح ترجمہ ہوگا اُن کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی (واللہ اعلم)۔ 'ما' نافیہ ہے اور كَانُوۡا میں شامل هُمۡ کی ضمیر كَانَ کا اسم ہے اور مُهۡتَدِیۡنَ اس کی خبر ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ اِشۡتَرَوُا دراصل اِشۡتَرَوۡا ہے۔ آگے ملانے کے لئے واو پر ضمہ (پیش) آئی ہے۔

| ترجمہ | اُولٰٓئِكَ | الَّذِیۡنَ | اشۡتَرَوُا | الضَّلٰلَةَ | بِالۡهُدٰى | فَمَا رَبِحَتۡ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:16 | یہ لوگ ہیں | جن لوگوں نے | خریدا | گمراہی کو | ہدایت کے بدلے | تو نفع بخش نہ ہوئی |

| تِّجَارَتُهُمۡ | وَمَا كَانُوۡا | مُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾ |
|---|---|---|
| ان کی تجارت | اور وہ لوگ نہیں تھے | ہدایت پانے والے |

**نوٹ:1** <u>صلہ اور اس کا استعمال:</u> عربی میں مفعول کے ساتھ صلہ کے استعمال کے متعلق ایک ابتدائی بات سمجھ لیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ متعلق خبر اور متعلق فعل زیادہ تر مرکب جاری بن کر آتے ہیں۔ جیسے اَلرَّجُلُ جَالِسٌ فِی الۡمَسۡجِدِ۔ اس میں مرکب جاری فِی الۡمَسۡجِدِ متعلق خبر ہے۔ ضَرَبۡتُ زَیۡدًا بِالسَّوۡطِ اس میں مرکب جاری بِالسَّوۡطِ متعلق فعل ہے۔

اب نوٹ کریں کہ یہی حروف جارہ کبھی مفعول کے ساتھ آتے ہیں تو انہیں صلہ کہتے ہیں۔ جو مفعول صلہ کے بغیر آتے ہیں انہیں مفعول بنفسہٖ کہتے ہیں۔ مفعول پر صلہ آنے کی وجہ سے معنی میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ اس بات کو اب چند مثالوں سے سمجھ لیں۔ سَئَلۡتُ زَیۡدًا۔ اس میں زَیۡدًا مفعول ہے۔ اور بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے زید سے پوچھا۔ سَئَلۡتُ عَنۡ زَیۡدٍ اب زید کے ساتھ عَنۡ کا صلہ آیا ہے۔ اور اب مطلب ہوگا میں نے زید کے بارے میں پوچھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ﴾ (2/البقرہ:186) اس میں جس سے پوچھا جارہا ہے، اس کیلئے ضمیر مفعولی ''كَ'' بنفسہٖ آئی ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جارہا ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''نِیۡ'' ''عَنۡ'' کے صلہ کے ساتھ آئی ہے۔ جبکہ عِبَادِیۡ فاعل ہے۔ ترجمہ: ''اور جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں پوچھیں۔''

غَفَرۡتُ لِلۡوَلَدِ كِذۡبَهٗ۔ اس میں جس کو معافی دی جارہی ہے وہ اَلۡوَلَدَ ہے اور اس کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے اور جو غلطی معاف کی جارہی ہے وہ كِذۡبَهٗ ہے۔ اور یہ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے لڑکے کے لئے اس کا جھوٹ معاف کیا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا﴾ (39/الزمر:53) اس میں جو غلطی معاف کی جارہی ہے۔ وہ اَلذُّنُوۡبَ ہے جو بنفسہٖ آئی ہے۔ جَمِیۡعًا (کل کے کل) حرف تاکید ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ ﴿یَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ﴾ (61/الصف:12) ''اس میں جس کو معافی دی جارہی ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''كُمۡ'' کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے۔ اور جو غلطی معاف کی جارہی ہے وہ ذُنُوۡبَكُمۡ ہے جو بنفسہٖ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ معاف کردے گا تم لوگوں کے لئے تمہارے گناہ۔ ایک اور جگہ ہے۔ ﴿یَغۡفِرۡ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ﴾ (71/نوح:4) ''اب مطلب ہوگیا کہ وہ معاف کردے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں میں سے کچھ۔''

**نوٹ:2** کوئی مفعول کب بنفسہٖ آتا ہے اور کب کس صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس بات کا علم ہمیں ڈکشنری سے ہوتا ہے۔ فعل اِشۡتَرٰی - یَشۡتَرِیۡ (افتعال) کے متعلق نوٹ کرلیں کہ خریدی جانے والی چیز کا ذکر اس میں بنفسہٖ آتا ہے۔ اور قیمت کے طور پر جو چیز دی جاتی اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اَلضَّلٰلَةَ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس لئے یہ چیز ہے جو خریدی گئی یعنی حاصل کی گئی۔ جبکہ اَلۡهُدٰى پر بِ کا صلہ آیا ہے۔ اس لئے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ (واللہ اعلم)

## آیت:17

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾﴾

| م | ث | ل |
|---|---|---|

(ن) مَثْلًا — کسی کے جیسا ہونا۔ مانند ہونا۔

(ض) مُثْلَةً — مثالی سزا دینا۔ قتل کے بعد ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دینا۔

(ک) مُثُوْلًا — فضیلت والا ہونا۔ کسی کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا۔ ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ)) (حدیث)۔ ''جو پسند کرتا ہے کہ کھڑے رہیں اس کے لئے لوگ، تو اسے چاہیے کہ وہ بنا لے اپنا ٹھکانہ آگ میں۔''

مِثْلٌ — اسم صفت ہے۔ مانند۔ مشابہ۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾ (2/البقرہ:275) ''یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے کہا کچھ نہیں سوائے اس کے کہ خرید وفروخت سود کی مانند ہے۔''

مَثَلٌ — ج: اَمْثَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ اس سے مراد ہے ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو۔ مثل مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) مثال یا مشابہت بیان کرنے کے لیے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ﴾ (22/الحج:73) ''اے لوگو ایک مثال دی جاتی ہے تو دھیان سے سنو اس کو۔'' ﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾ (14/ابراہیم:25) ''اور اللہ مثالیں دیتا ہے لوگوں کے لئے شاید وہ لوگ یاد دہانی حاصل کریں۔''

(2) حالت، صفت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے۔ مثلاً: ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ﴾ (16/النحل:60) ''بری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کی بری مثال ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یا فرمایا: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ﴾ (47/محمد:15) ''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''احوال اُس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(3) مَثَلٌ جب معرف باللام ہو تو اس سے ''عظیم الشان صفت'' یا ''شان'' مراد لی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسا صرف دو جگہ ہے اور دونوں جگہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ﴾ (16/النحل:60) ''اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفات ثابت ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ﴾ (30/الروم:27) ''اور اُس کی شان سب سے اُوپر ہے آسمان اور زمین میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان سب سے اعلیٰ ہے'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**نوٹ:** اللہ تعالیٰ کے لیے مَثَلٌ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے البتہ مِثْلٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ مَثَلٌ بفتح میم وثاء ہر ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسرے سے کچھ مماثلت اور مناسبت رکھتی ہو بالکل اس جیسی ہونا اس کے مفہوم میں داخل نہیں اسی لیے حق تعالیٰ کے لیے

مَثَلٌ ہونا تو قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، ایک یہیں (یعنی سورۃ الروم آیت 27) دوسرے فرمایا ﴿مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ﴾ لیکن مِثْل اور مثال سے حق تعالیٰ کی ذات پاک اور وراء الوراء ہے۔'' (واللہ اعلم) (معارف القرآن، ج ۶ ص ۷۳۸)۔ اسی طرح حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مَثَلٌ (بفتحتین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے اس کا اللہ کے لیے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مِثْل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ (تفسیر ماجدیؒ ص، ۸۳۷)۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ﴾ (42/الشوریٰ:11) ''اُس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ اگر یہاں مثل بمعنی مشابہ ہے تو پھر کاف تشبیہ کیوں لایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید نفی کی غرض سے یک جا لایا گیا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہ تو مِثْل کا استعمال صحیح ہے اور نہ ہی کاف کا اس لیے یکبارگی دونوں کی نفی کر دی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص:۹۸۵)

**مَثُلَۃٌ** ج: مَثُلٰتٌ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ عبرتناک سزا۔ ایسی سزا جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کر دے اور جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ یہی معنی نَکَالٌ کے بھی ہیں۔ ﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ﴾ (13/الرعد:6) ''اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے عبرتناک سزائیں۔''

**اَمْثَلُ** مونث: مُثْلٰی۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ فضیلت والا۔ افضل و اعلیٰ۔ خوب روشن، خوب واضح۔ ﴿اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَۃً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا﴾ (20/طٰہٰ:104) ''جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روش والا تم نہیں رہے مگر ایک دن۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی﴾ (20/طٰہٰ:63) ''یہ دونوں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم لوگوں کو تمہاری زمین سے اپنے جادو سے اور لے جائیں تمہارے اعلیٰ طور طریقوں کو۔''

**تِمْثَالٌ** ج: تَمَاثِیْلُ۔ اسم جامد ہے اور اسم ذات ہے۔ تصویر۔ کسی چیز کا مجسمہ۔ مورتی۔ تمثال کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآنؒ فرماتے ہیں: ''تمثال عربی زبان میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۱۸۰)۔ ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ (21/الانبیاء:52) ''کیا ہیں یہ مجسمے جن کیلئے تم لوگ اعتکاف کرتے ہو۔''

**نوٹ:** تَمْثَالٌ، ت کی زبر کے ساتھ مصدر ہے اور تِمْثَالٌ، ت کی زیر کے ساتھ تصویر کو کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

(تفعّل) **تَمَثُّلًا** کسی کے جیسا ہو جانا۔ کسی دوسرے کی صورت جیسا ہونا۔ مشابہ ہو جانا۔ کسی دوسرے کا سا کردار ادا کرنا۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا﴾ (19/مریم:6) ''تو وہ اس کے لئے مکمل آدمی جیسا ہو گیا۔''

## و ق د

(ض) **وُقُوْدًا اور وَقْدًا** آگ کا بھڑکنا۔ چمکنا۔ جلنا۔

**وَقُوْدٌ** اسم ذات ہے۔ ایندھن، جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ Fuel۔ ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ (2/البقرۃ:24) ''تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

(افعال) **اِیْقَادًا** آگ کو بھڑکانا یا جلانا۔ کسی چیز کو چمکانا۔ ﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ (5/المائدۃ:64) ''جب بھی وہ لوگ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کے لیے تو بجھا دیتا ہے اس کو اللہ۔''

يُوْقَدُ — مضارع مجہول ہے۔ جس کو بھڑکایا جاتا ہے یا جس کو جلایا جاتا ہے۔ ﴿ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ ﴾ (24/النور:35) ''گویا ایک چمک دار ستارہ ہے، چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مبارک درخت یعنی زیتون سے۔''

اَوْقِدْ — فعل امر ہے۔ تو جلا۔ تو بھڑکا۔ ﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ ﴾ (28/القصص:38) ''تو اے ہامان میرے لیے مٹی کو آگ میں پکا۔''

مُوْقَدٌ — اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ بھڑکایا ہوا۔

مُوْقَدَةٌ — اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ بھڑکائی ہوئی۔ ﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴾ (104/الهمزة:6) ''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

(استفعال) اِسْتِيْقَادًا — آگ جلانا۔ سلگانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

| ن | و | ر |

(ن) نُوْرًا — روشن ہونا۔

نُوْرٌ — ج: اَنْوَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کو دیکھنے اور سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ نور۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ نور کی دو قسمیں ہیں ایک ہے دنیاوی نور اور دوسرا ہے اُخروی نور۔ دنیاوی نور کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق بصیرت سے ہے یعنی جو بصیرت سے دیکھا جاتا ہے جیسے عقل کا نور، علم کا نور، قرآن کا نور وغیرہ۔ اور دوسرا وہ جس کا تعلق نظر سے ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے جیسے ستاروں، سورج اور چاند کا نور۔ چنانچہ وہ نور جس کا تعلق بصیرت سے ہے اس کے متعلق فرمایا: ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (5/المائدة:15) ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدیؐ کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔'' یا فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ﴾ (5/المائدہ:44) ''بیشک ہم نے نازل کیا تورات کو اس میں ہدایت اور نور ہے۔'' یا فرمایا: ﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ (6/الانعام:122) ''کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کے لیے ایک نور بنا دیا کہ اُس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اُس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔'' یا فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ (39/الزمر:22) ''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اور وہ نور جس کا تعلق ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے ہے اُس کے متعلق فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ﴾ (6/الانعام:1) ''تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ﴾ (10/یونس:5) ''وہ اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور اُخروی نور کے متعلق فرمایا: ﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ﴾

(66/التحریم:8)''اُن کا نور دوڑ رہا ہو گا اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے اور وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے پروردگار تو پورا کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور تو بخش دے ہمیں۔''

نَارٌ — اسم ذات ہے۔ آگ۔ جہنم۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ﴾ (2/البقرہ:39)''اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔'' ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴾ (56/الواقعہ:71)''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔''

(افعال) اِنَارَةً — روشن ہونا، چمکنا (لازم)۔ روشن کرنا۔ روشنی دینا۔ کسی چیز کو واضح کرنا۔ (متعدی)۔ درخت پر پھول آنا۔ خوبصورت ہونا۔

مُنِيْرٌ — اسم الفاعل ہے۔ خود بھی روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والا۔ ﴿ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (33/الاحزاب:46)''اور اللہ کی طرف بلانے والا ہوتے ہوئے اس کی اجازت سے اور روشن کرنے والا چراغ ہوتے ہوئے۔''

| ض و ء |
|---|

(ن) ضِيَاءً ، ضَوْءً روشن ہونا۔

ضَوْءٌ — ج: ضِيَاءٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ روشنی۔ ﴿ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ ﴾ (28/القصص:71) ''کون معبود ہے اللہ کے سوا جو لاتا ہے تم لوگوں کے لئے روشنیاں۔''

(افعال) اِضَاءَةً — روشن ہونا۔ روشن کرنا۔ (لازم ومتعدی) ﴿ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ ﴾ (24/النور:35)''قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے۔''

| ضِيَاءٌ اور نُوْرٌ کا فرق آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔ |
|---|

**لَمَّا** (1) حرفِ جازم ہے لَمْ کی طرح فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے اور مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے ﴿ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ ﴾ (الحجرات:14)''ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

(2) حرف شرط ہے۔ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزاء ہوتا ہے۔ لَمَّا کی جزاء کا فعل ماضی ہونا بالاتفاق صحیح ہے بلکہ جمہور کے نزدیک شرط ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ ﴾ (بنی اسرائیل:67)''جب اُس نے بچا کر تم کو خشکی تک پہنچا دیا تو تم نے روگردانی کی۔'' کبھی لَمَّا کی جزاء کے مقام پر ایسا جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے جس کا آغاز اِذَا فُجَائِیَّہ سے ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴾ (العنکبوت:65)''جب اُس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ایک دم وہ شرک کرنے لگے۔'' یا اس کے شروع میں فاء ہوتی ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ ﴾ (لقمان:32)''جب اس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ان میں سے کچھ لوگ سیدھی چال پر رہے۔'' اور کبھی لَمَّا کی جزاء پر فعل مضارع آتا ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ (ھود:74)''جب ابراہیم کے دل سے خوف جاتا رہا اور خوشخبری پہنچ گئی تو ہمارے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔

(3) کبھی لَمَّا استثنائیہ بھی آتا ہے، اِلَّا کا ہم معنی، جیسے فرمایا: ﴿ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴾ (الطارق:4)''کوئی نفس نہیں مگر اس پر نگران (فرشتہ) مامور ہے۔''

(4) بعض لوگ قائل ہیں کہ لَمَّا مصدر ہے اصل میں لَمًّا تھا جس کی تنوین گرادی گئی۔ اس کا معنی ہے جَمْعًا ''جمع کرنا۔'' (واللہ اعلم)

| ح | و | ل |
|---|---|---|

(ن) **حَوْلًا** کسی چیز کا متغیر ہونا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ دوسری چیزوں سے الگ ہونا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا یا آڑ بن جانا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل کرنا، جدائی ڈالنا۔ ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ (11/ھود:43) ’’اور حائل ہوئی ان دونوں کے درمیان موج۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ (8/الانفال:24) ’’اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)

**حِيْلَ** ماضی مجہول ہے۔ حائل کیا گیا۔ ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ (34/سبا:54) ’’اور حائل کی گئی یعنی رکاوٹ ان کے اور جو وہ چاہتے تھے اس کے درمیان۔‘‘

**حَوْلٌ** اسم ظرف ہے۔ (1) کسی کے اردگرد کی جگہ۔ ماحول۔ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝٢٥﴾ (26/الشعراء:25) ’’اس نے کہا ان سے جو اس کے اردگرد تھے کیا تم لوگ غور سے سنتے نہیں ہو؟‘‘ (2) ایک سال۔ کیونکہ اس عرصہ میں زمین سورج کے اردگرد اپنی حرکت یعنی گردش مکمل کرتی ہے۔ ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (2/البقرہ:233) ’’اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔‘‘

(3) حَوْلٌ کا لفظ مالی، بدنی اور جسمانی تینوں قسم کی قوت پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا مطلب ہے اللہ کے سوا کچھ حیلہ اور قوت نہیں۔ (مفردات)

**حِوَلٌ** مصدر ہے۔ پھرنا۔ پلٹنا۔ جگہ بدلنا۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨﴾ (18/الکھف:108) ’’ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہ اُن سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)

**حِيْلَةٌ** اسم ذات ہے۔ مقصد تک پہنچنے کیلئے پوشیدہ حرکت۔ خفیہ تدبیر اچھی ہو یا بری۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’حِيْلَةٌ عربی میں تدبیر کے لیے عام ہے۔ اردو کے ’’بہانہ‘‘ کے مرادف نہیں۔‘‘ ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩٨ۙ﴾ (4/النساء:98) ’’وہ لوگ استطاعت نہیں رکھتے کسی خفیہ تدبیر کی اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔‘‘

(تفعیل) **تَحْوِيْلًا** کسی چیز کو متغیر کرنا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ تبدیل کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝٥٦﴾ (17/بنی اسرائیل:56) ’’اور وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے تکلیف کو دور کرنے کا تم لوگوں سے اور نہ ہی تبدیل کرنے کا۔‘‘

| ذ | ھ | ب |
|---|---|---|

(ف) **ذَهَابًا** جانا۔ ﴿ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ﴾ (11/ھود:10) ’’گئیں برائیاں مجھ سے۔‘‘ ذَهَبَ فعل لازم ہے جب اس کے ساتھ ’ب‘ تعدیہ آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے لے جانا۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ﴾ (2/البقرۃ:20) ’’اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے اُن کے سننے کی قوت اور اُن کی بینائی۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی محاورے میں ذَهَابُ نَفْسٍ سے موت مراد لی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ (35/فاطر:8) ’’سو اُن پر افسوس کر کر کے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان نہ جاتی رہے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)

**اِذْهَبْ** فعل امر ہے۔ تو جا۔ ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ (20/طٰہٰ:24) ’’آپؑ جایئے فرعون کی طرف۔‘‘

ذَاهِبٌ — اسم الفاعل ہے۔جانے والا۔﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ ﴾(37/الصافات:99)''میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔''

مَذْهَبٌ — اسم الظرف ہے۔جانے کی جگہ یعنی راستہ۔اعتقاد پر عمل کرنے کا طریقہ۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(س) ذَهَبًا — کان میں سونا دیکھ کر حیران ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ذَهَبٌ — اسم ذات ہے۔سونا۔﴿ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾(43/الزخرف:71)''طواف کریں گے ان پر سونے کے پیالوں کے ساتھ۔''

(افعال) اِذْهَابًا — لے جانا۔﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾(35/فاطر:34)''اللہ کا شکر ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔''

| |
|---|
| لفظ اَللّٰہُ کے لیے آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

**ت ر ک**

(ن) تَرْكًا — کسی چیز کو چھوڑ دینا۔﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾(4/النساء:7)''مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے۔''

اُتْرُكْ — فعل امر ہے۔تو چھوڑ۔﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ﴾(44/الدخان:24)''اور آپؐ چھوڑ دیں سمندر کو تھما ہوا۔''

تَارِكٌ — ج: تَارِكُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔چھوڑنے والا۔﴿ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾(37/الصّٰفّٰت:36)''کیا ہم لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے ہیں ایک مجنون شاعر کے لیے۔''

یُتْرَكُ — مضارع مجہول ہے۔ اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ وہ چھوڑا جائے گا۔﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴾(26/الشعراء:146)''کیا چھوڑیں رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے خوف۔''

**ظ ل م**

(ض) ظُلْمًا — اس کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔عربی میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحِلِّهٖ۔پھر ظلم کا لفظ حق سے تجاوز کرنے، زیادتی کرنے، کمی کرنے، گھٹانے اور نقصان اٹھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾(65/الطلاق:1)''اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدود سے تو اس نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔''﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾(4/النساء:40)''بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ بھر بھی۔''﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا ﴾(18/الکہف:33)''دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت مبارکہ میں یہ لفظ کمی کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ظلم کی مزید تشریح آگے نوٹ 3 میں دیکھیں)۔

ظُلْمٌ — اسم ذات بھی ہے۔زیادتی۔ظلم۔نقصان۔خسارہ۔﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾(31/لقمان:13)''بیشک شرک ایک عظیم ظلم ہے۔''

ظَالِمٌ — اسم فاعل ہے۔ظلم کرنے والا۔نا انصاف۔ نقصان اٹھانے والا۔﴿ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(2/البقرہ:229)''اور جو تجاوز کرتے ہیں اللہ کی حدود سے تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔''مولانا

مودودیؒ فرماتے ہیں: ''ظالم کا لفظ نہایت معنی خیز ہے ''ظلم'' دراصل حق تلفی کو کہتے ہیں۔ ظالم وہ ہے جو کسی کا حق تلف کرے جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے، وہ درحقیقت تین بڑے بنیادی حقوق تلف کرتا ہے۔ اولاً خدا کا حق، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ ثانیاً اُن تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے اس نافرمانی کے ارتکاب میں استعمال کیا اس کے اعضائے جسمانی، اس کے قوائے نفس، اس کے ہم معاشرت انسان، وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تکمیل کا انتظام کرتے ہیں، اور وہ اشیاء جو اس کام میں استعمال ہوتی ہیں، ان سب کا اس پر یہ حق تھا کہ وہ صرف ان کے مالک ہی کی مرضی کے مطابق ان پر اپنے اختیارات استعمال کرے۔ مگر جب اس کی مرضی کے خلاف اس نے ان پر اختیارات استعمال کیے، تو درحقیقت ان پر ظلم کیا۔ ثالثاً خود اپنا حق، کیونکہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے، مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے، تو دراصل اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے، انہی وجوہ سے قرآن میں جگہ جگہ گناہ کے لیے ظلم اور گناہ گار کے لیے ظالم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن ج ا، ص ٦٦) ﴿وَ يٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿١٩﴾﴾ (7/الاعراف:19) ''اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک یہاں فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ''پھر ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔'' ظلم کے معنی نقصان اور کمی وکوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ﴿وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔا﴾ (الکہف:33) میں۔''

**ظَلُوۡمٌ** فَعُوۡلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت ظلم کرنے والا۔ ﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾﴾ (14/ابراہیم:34) ''بیشک انسان بہت ظلم کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔'' صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ قرآن مجید میں ''ظلوم'' انسان کی صفت بیان ہوئی ہے اور انسان سے جنس انسان مراد ہے اور جب جنس کو مبالغہ کے صیغہ سے متصف کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صفت اس جنس کے تمام افراد میں یا بعض میں مبالغہ ہی کے ساتھ پائی بھی جائے ہاں اگر پائی جائے تو بہتر ضرور ہے چنانچہ یہ بات یہاں بھی موجود ہے کہ اکثر افرادِ انسانی ظلم شدید کے مرتکب ہیں۔ تاہم یہ چیز ضروری اور لازمی نہیں ہے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ شاید ''ظلوم جھول'' (جیسے سورۃ الاحزاب آیت 72 میں فرمایا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا) سے یہ مراد ہو کہ جس کی شان ظلم کرنا اور جہالت ہو۔ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں: ''بلاشبہ ظلوم (وہ) ہے جو عادل نہ ہو اور اس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔ اور جہول یہ ہے کہ جو عالم نہ ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ عالم بن سکے۔'' (لغات القرآن، ج ۴، ص: ۱۳۸)

**ظَلَّامٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿١٨٢﴾﴾ (3/آل عمران:182) ''اور یہ کہ اللہ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے بندوں پر۔'' صیغہ مبالغہ میں نفی کر کے معمولی ظلم کی بھی شدید نفی کی گئی ہے۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ آیت شریفہ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ''اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر'' اور اسی طرح دیگر آیات میں کہ جہاں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے نفی ظلم کے سلسلہ میں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ظَلَّامٌ کا لفظ لایا گیا تو ظَلَّامٌ میں مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کیفیت کے لحاظ سے یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ ظلم نہیں کرتا اور تھوڑا کرتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۴، ص: ۱۳۱)

**اَظْلَمُ** اسم التفضیل ہے۔ زیادہ ظالم۔﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ﴾ (18/الکہف:57) ’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی گئیں اس کے رب کی آیات تو اس نے منہ موڑا ان سے۔‘‘

(س) **ظَلَمًا** تاریک ہونا۔ اندھیرا ہونا۔

**ظُلْمَةٌ** ج: ظُلُمَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ تاریکی۔ اندھیرا۔ جہالت، شرک، فسق و فجور۔ محاورہ عرب میں یہ لفظ مصیبتوں، حادثات اور آفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ ﴾ (2/البقرہ:257) ’’اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف۔‘‘

(افعال) **اِظْلَامًا** اندھیرا چھا جانا۔ اندھیرے میں ہونا۔﴿ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ط ﴾ (2/البقرہ:20) ’’اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہتے ہیں۔‘‘

**مُظْلِمٌ** ج: مُظْلِمُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اندھیرے میں ہونے والا۔ تاریکی میں پڑا ہوا۔﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴾ (36/یٰسین:37) ’’اور نشانی ہے ان کے لئے رات، ہم کھینچ لیتے ہیں اس میں سے دن کو تو وہ اندھیرے میں ہونے والے ہیں۔‘‘

يُبْصِرُوْنَ (ب ص ر): البقرہ آیت 7 دیکھیں۔

## ترکیب

مَثَلُهُمْ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ کَ حرف تشبیہ ہے اور مَثَلِ اسم مجرور ہے اور مضاف ہے۔ اَلَّذِي اسم موصول ہے اور اِسْتَوْقَدَ نَارًا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے مَثَل کا۔ اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہے۔ مَثَلُهُمْ میں ’هُمْ‘ ضمیر گزشتہ آیات میں بیان کردہ کافر، یہود اور منافقوں کے اُس گروہ کے لیے ہے جو بالآخر ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم) كَمَثَلِ الَّذِي میں اَلَّذِيْ کے بارے میں ہمارے بزرگوں کی دو رائے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی دونوں طرح کیا گیا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اَلَّذِيْ یہاں واحد استعمال ہوا ہے۔ اس رائے کے مطابق جن بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہیں: ’’ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔‘‘ (حضرت شیخ الہندؒ)۔ ’’ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی۔‘‘ (تفہیم القرآن) وغیرہ۔ اور زیادہ تر ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اَلَّذِيْ یہاں بمعنی اَلَّذِيْنَ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے بعد ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں ’هُمْ‘ جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ اَلَّذِيْ کا لفظ جمع کے معنوں میں قرآن مجید میں اور جگہ بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ط ﴾ (التوبۃ:69) ’’اور تم لوگ بھی گھسے جیسے وہ لوگ گھسے تھے۔‘‘ اور ﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (الزمر:33) ’’اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔‘‘ دونوں جگہ اَلَّذِيْ جمع کے معنوں میں ہے۔ گویا آیت زیر مطالعہ ان معنوں میں ہے۔ مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا (ابن کثیرؒ)۔ ہمارے بزرگوں نے اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً ’’ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی......‘‘ (ماجدیؒ) (واللہ اعلم)۔ لَمَّا حرف شرط ہے اور اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ شرط ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ سے اخیر تک جواب شرط ہے۔ اَضَآءَتْ میں ضمیر فاعلی هِيَ، نَارٌ یعنی آگ کے لئے ہے۔ ’مَا‘ اسم موصول ہے اور حَوْلَهٗ اس کا صلہ اور دونوں مل کر مفعول بہ ہیں اَضَآءَتْ کا۔ حَوْلَهٗ میں ضمیر ’ہٗ‘ اَلَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا کے لیے ہے یعنی وہ شخص جس نے آگ جلائی۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ میں ذَهَبَ فعل لازم ہے اور اللّٰهُ اس کا فاعل۔ بِنُوْرِهِمْ میں ’بِ‘ تعدیہ کا ہے جو فعل لازم کو متعدی کر دیتا ہے اس لیے ہم ترجمہ کریں گے کہ اللہ اُن کے نور کو لے گیا۔ تَرَكَ میں ضمیر فاعلی هُوَ، اللہ کے لئے ہے اور هُمْ اس کا مفعول۔ فِيْ ظُلُمٰتٍ متعلق فعل ہے۔ لَا يُبْصِرُوْنَ پورا جملہ فعلیہ حال ہے جو مَثَلُهُمْ میں هُمْ کی حالت بیان کر رہا ہے۔

| ترجمہ | مَثَلُهُمْ | كَمَثَلِ الَّذِي | اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ | فَلَمَّآ اَضَآءَتْ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| البقرۃ:17 | ان لوگوں کی مثال | اس شخص کی مثال کی مانند ہے جس نے | جلایا آگ کو | پھر جب اس نے روشن کیا |

| مَا حَوْلَهٗ | ذَهَبَ اللّٰهُ | بِنُوْرِهِمْ | وَتَرَكَهُمْ |
| --- | --- | --- | --- |
| اس کو جو اس کے ارد گرد تھا | تو اللہ لے گیا | ان کا نور | اور اس نے چھوڑ دیا ان کو |

| فِيْ ظُلُمٰتٍ | لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ |
| --- | --- |
| اندھیروں میں | اس حال میں کہ وہ لوگ نہیں دیکھتے |

**نوٹ:1** حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ تشبیہ اور تمثیل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے۔ ایک عام تشبیہ میں اصلی نگاہ مشبہ اور مشبہ بہ پر ہوتی ہے ان دونوں کے اجزا کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم دگر کتنی مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے اور پھر اسی مطابقت و مشابہت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورتِ واقعہ کو صورتِ واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر ایک صورت حال اور دوسری صورت حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورت حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے، اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لیے اہل فن نے ضروری قرار دیے ہیں۔ (تدبر قرآن، ج۱، ص:۱۲۹)

**نوٹ۔2** نور اور ضیاء میں فرق: حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ’’بعض کے نزدیک ’’نور‘‘ عام ہے ’’ضیاء‘‘ سے۔ ’’ضیاء‘‘ خاص اُس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد (کسی دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا) ہو، وہ ’’نور‘‘ ہے سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ’’نور‘‘ مطلق روشنی کو کہتے ہیں ’’ضیاء‘‘ اور ’’ضوء‘‘ اُس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لیے ’’ضیاء‘‘ سے تعبیر فرمایا۔‘‘ (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانیؒ ص ۲۷۶)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’ضیاء‘‘ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار (مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا) ہو۔ اس کا انعکاس (عکس) ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ ص ۴۶۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ سورۂ یونس کی آیت 5 کے تحت فرماتے ہیں: ’’یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیاء کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔‘‘ (واللہ اعلم)۔ (ضیاء القرآن، ج۲، ص:۳۸۰)۔ ’’ضیاء میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور نور ٹھنڈی روشنی کو کہتے ہیں۔‘‘ (تدبر قرآن)۔

**نوٹ:3** ظلم: جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے یا اس کی مخصوص جگہ سے ناجائز طریقے سے ہٹا دینے کا نام ظلم ہے۔ اسی سے عربی کا محاورہ ہے، ظَلَمْتُ السِّقَاءَ یعنی میں نے مشکیزے کے دودھ کا بے وقت استعمال کیا۔ ’’سقاء‘‘ اس مشکیزہ کو کہتے ہیں جس میں پانی اور دودھ وغیرہ رکھا جائے۔ جب مشکیزے میں دودھ کو دہی جمانے کی غرض سے رکھا جائے اور دہی بننے سے پہلے ہی اس کو پی لیا جائے تو ایسے موقع پر یہ محاورہ بولتے ہیں۔ استعمال شدہ دودھ ظَلِيْمٌ کہلاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں ظَلَمْتُ الْاَرْضَ کے معنی ہیں میں نے زمین کو ایسی جگہ سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ جگہ مَظْلُوْمَةٌ کہلاتی ہے اور جو مٹی اس زمین سے نکلتی ہے وہ بھی ظَلِيْمٌ کہلاتی ہے۔ ظلم کی ضد عدل ہے جو چیز بھی عدل و انصاف کے منافی ہوگی یا حق سے تجاوز ہوگی

وہ ظلم ہوگا۔ گویا ظلم کے لفظ کا دائرہ استعمال بہت وسیع ہے۔ چنانچہ کسی بھی چیز میں کمی وبیشی ہو اور اس کی یا بیشی کی مقدار کم ہو یا زیادہ کسی بھی قسم کا حق سے تجاوز ہو خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اس پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال الکھف کی آیت 33 ہے۔ علمائے کرام نے ظلم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (1) وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی قسم شرک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:13) ''شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' شرک کو اس لیے ظلم کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشرک خالقِ حقیقی کو معبود بنانے کی بجائے مخلوق کو معبود ٹھہراتا ہے۔ گویا کسی شے کو اپنی اصل جگہ پر رکھنے کی بجائے غلط جگہ پر رکھنے کی یہ بدترین مثال ہے۔ اسی طرح کفر ونفاق اور اللہ پر جھوٹ باندھنا بھی وہ ظلم ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ (2) وہ ظلم جو انسان ایک دوسرے پہ کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الشوریٰ:42) ''ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔'' ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا﴾ (بنی اسرائیل:33) ''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔'' (3) وہ ظلم جو انسان خود اپنے آپ پر کرتا ہے۔ ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ (فاطر:32) ''اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔'' ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾ (القصص:16) ''پھر وہ کہنے لگا: اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، مجھے معاف کر دے۔'' علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ یہ تینوں قسم کے ظلم اصل میں وہ ظلم ہیں جو انسان اپنے آپ پر ہی کرتا ہے اسی لیے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا: ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (النحل:33) ''اُن پر اللہ نے ذرا بھی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ:57) ''اور انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی بلکہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے تھے۔'' آخرت میں سزا کے لحاظ سے بھی ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ظلم کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشیں گے، دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت ہو سکے گی، اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پہلی قسم کا ظلم شرک ہے، دوسری قسم کا ظلم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے، اور تیسری قسم کا ظلم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے۔'' (ابن کثیر بحوالہ مسند بزار، بحوالہ معارف القرآن، ج ۲، ص: ۵۵۰)۔

## آیت:18

## ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ۙ۱۸﴾

| ص | م | م |
|---|---|---|

(س) صَمَمًا اونچا سننا یا بالکل نہ سننا۔ بہرا ہونا۔ ﴿وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا﴾ (5/المائدۃ:71) ''اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی آزمائش نہ ہوگی تو وہ لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔''

اَصَمُّ ج: صُمٌّ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ بہرا۔ ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ﴾ (11/ھود:24) ''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ''۔ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (8/الانفال:22) ''بیشک جانداروں میں بدترین، اللہ کے نزدیک، بہرے گونگے ہیں جو عقل استعمال نہیں کرتے۔''

(افعال) اِصْمَامًا کسی کو بہرا کرنا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝﴾ (47/محمد:23) ''وہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس اس نے انہیں بہرا کیا اور ان کی بصارت کو اندھا کیا۔''

| ب | ك | م |
|---|---|---|

(س) بَكَمًا گونگا ہونا۔

اَبْکَمُ ج:بُکْمٌ ۔اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ گونگا۔ اوپر آیت نمبر(8/الانفال:22)

| ع | م | ی |
|---|---|---|

(س) عَمًی عَمِیَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا:﴿ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴾ (عبس:2)''اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا'' یا فرمایا:﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴾ (الرعد:16)''آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا:﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ﴾ (المائدۃ:71)''اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''عَمُوْا عَنِ الْهُدٰى وَ صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ'' یعنی ہدایت سے اندھے ہوگئے اور حق سننے سے بہرے ہوگئے۔'' یا فرمایا:﴿ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ (النمل:81)''اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعْمَی کا لفظ استعمال ہوا ہے﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴾ (الحج:46)''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰی کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہوجائے۔ (واللہ اعلم)۔ عَمِیَ عَلَیْهِ کے معنی ہیں کہ اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہوگیا ہے کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے اور اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا یعنی اسے کچھ سمجھ نہیں آتی۔﴿ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ ﴾ (28/القصص:66)''تو اس روز ان پر تمام خبریں اندھی ہوجائیں گی۔''

عَمًی مصدر کے علاوہ اسم ذات کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مراد ہے اندھا پن۔ نابینائی۔﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ﴾ (41/حم السجدۃ:44)''اور جو یقین نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن اُن کے حق میں اندھاپا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)''اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو بہرہ پن اور بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اَعْمٰی ج: عُمْیٌ اور عُمْیَانٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ اندھا۔﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ﴾ (11/ھود:24)''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔'' عُمْیٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴾ (25/الفرقان:73)''اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں، نہ پڑیں اُن پر بہرے اندھے ہوکر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

عَمٍ یا عَمِی ج: عَمُوْنَ اور عَمِیْنَ۔ اصل میں عَمِیٌ تھا۔ قاعدے کے اطلاق کے بعد عَمٍ ہوگیا (حالت رفع)۔ فَعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اندھا۔﴿ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ (27/النمل:66)''بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔''﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:64)''بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔'' (دونوں ترجمے تفسیر ماجدیؒ سے لکھے گئے ہیں)۔

(افعال) اِعْمَاءً اندھا کر دینا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾(47/محمد:23)"یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو اُنہیں بہرہ کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔" باب افعال کے پہلے صیغے میں مادہ ع م ی کی اصلی شکل اَعْمَیَ ہوتی ہے جو قاعدہ کے تحت تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہو جاتی ہے۔ اَفْعَلُ کے وزن پر اس کی اصلی شکل اَعْمَیُ ہوتی ہے اور یہ بھی تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہو جاتی ہے۔ ان میں تمیز عبارت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے۔

(تفعیل) تَعْمِيَةً اندھا کر دینا۔ چھپا دینا۔ کسی چیز کی حقیقت کو پوشیدہ کر دینا۔ ﴿وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ﴾ (11/ھود:28)"اور اس نے یعنی اللہ نے دی مجھ کو رحمت اپنے پاس سے تو وہ پوشیدہ کر دی گئی تم لوگوں پر۔" (نوٹ: اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں، اس کے لیے آیت 15 کے تحت نوٹ 3 بھی دیکھ لیں)۔

| ر ج ع |
|---|

اس مادہ سے مندرجہ ذیل مصادر استعمال ہوئے ہیں۔

(ض) (ا) رُجُوْعًا (لازم) لوٹنا، پلٹنا، واپس ہونا۔ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ (7/الاعراف:150)"اور جب واپس ہوئے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف۔"

(ب) رَجْعًا (متعدی) کسی کو لوٹانا، پلٹانا، واپس کرنا۔ ﴿فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ﴾(20/طٰہٰ:40)"اور ہم نے واپس کیا آپؑ کو آپؑ کی والدہ کی طرف۔"

(ج) مَرْجِعًا (1) مصدر میمی ہے۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ واپس ہونا۔ واپس کرنا۔ لوٹنا۔ لوٹانا۔ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ (11/ھود:4)"اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا۔" (2) یہ ظرف مکان بھی ہے مَفْعِلٌ کے وزن پر۔ مطلب ہے لوٹنے کی جگہ۔

(د) رُجْعٰی (لازم) یہ بھی مصدر ہے۔ پھرنا۔ لوٹنا۔ فُعْلٰی کے وزن پر بھی اکثر مصادر آتے ہیں۔ یہی وزن (فُعْلٰی) افعل التفضیل میں واحد مؤنث کا بھی ہے۔ ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾(96/العلق:8)"بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔"

رَجْعٌ اسم ذات ہے۔ (۱) واپسی۔ ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ (50/قٓ:3)"وہ دور کی واپسی ہے۔ یعنی محال ہے۔" (۲) بارش (کیونکہ سمندر کا پانی اس کی طرف واپس آتا ہے)۔ "رُجْعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا۔ پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتے ہیں اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتے ہیں، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔" (فتح القدیر بحوالہ تفسیر احسن البیان، ص ۱۷۰۸)۔ ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ (86/الطارق:11)"قسم ہے بارش والے آسمان کی۔" حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "آسمان کے لیے ذات الرجع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رَجْع کے لغوی معنی تو پلٹنے کے ہیں، مگر مجازاً عربی زبان میں یہ لفظ بارش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بس ایک ہی دفعہ برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ بار بار اپنے موسم میں اور کبھی خلافِ موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برستی رہتی ہے۔ ایک اور وجہ بارش کو رَجْع کہنے کی یہ بھی ہے کہ زمین کے سمندروں سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور پھر پلٹ کر زمین ہی پر برستا ہے۔" (تفہیم القرآن، ج ۶، ص: ۳۰۵)

اِرْجِعْ ج: اِرْجِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تم واپس ہو۔ پلٹو۔ ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا﴾ (24/النور:28)"اور اگر کہا جائے تم لوگوں سے کہ واپس جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔"

| | |
|---|---|
| رَاجِعٌ | ج: رَاجِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واپس ہونے والا۔ پلٹنے والا۔﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (2/البقرہ:156) ’’ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔‘‘ |
| (تفاعل) تَرَاجُعًا | باہم مل جانا۔ باہم رجوع کرنا۔ اپنی اپنی جگہ واپس ہونا۔﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ ﴾ (2/البقرہ:230) ’’تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر کہ وہ باہم مل جائیں۔‘‘ |

**ترکیب**

صُمٌّ، بُكْمٌ اور عُمْيٌ یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ لَا يَرْجِعُوْنَ جملہ فعلیہ اپنے مبتداء فَهُمْ کی خبر ہے۔

| ترجمہ | صُمٌّ | بُكْمٌ | عُمْيٌ | فَهُمْ | لَا يَرْجِعُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:18 | (وہ) بہرے ہیں | گونگے ہیں | اندھے ہیں | پس وہ لوگ | نہیں پلٹیں گے |

## آیت:19

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾

**ص و ب**

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | صَوْبًا | اوپر سے اترنا۔ بارش برسنا (ٹھیک مقدار میں) |
| | صَيِّبٌ | صَيِّبٌ دراصل صَوْبٌ (بارش) سے فَعِيْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ زور کی بارش۔ Rain Storm۔ اصل میں صَوِيْبٌ تھا۔ ’و‘، ’ی‘ میں تبدیل ہوگئی اور پھر ادغام ہو کر صَيِّبٌ بن گیا۔ آیت زیر مطالعہ۔ |
| (ض) | صَيْبًا | ٹھیک جگہ اترنا۔ نشانہ پر لگنا۔ |
| | صَوَابٌ | اسم ذات ہے۔ ٹھیک بات۔﴿ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴾ (78/النبا:38) ’’وہ لوگ بات نہیں کریں گے سوائے اس کے جسے اللہ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔‘‘ |
| (افعال) | اِصَابَةً | پا لینا۔ پکڑ لینا۔ ارادہ کرنا۔ ٹھیک نشانے پر لگنا۔ ٹھیک جگہ پر پہنچنا۔ (اس کا استعمال خیر اور شر، دونوں طرح کے اوپر سے ٹپک پڑنے والے حادثات وواقعات کے لئے ہوتا ہے)۔﴿ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ ﴾ (4/النساء:79) ’’جو پہنچی تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچی تم کو کوئی برائی تو وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔‘‘ اَصَابَ کے ساتھ جب ’ب‘ تعدیہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک نشانے پر پہنچانا۔ ڈالنا۔﴿ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ ﴾ (7/الاعراف:156) ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے میں چاہتا ہوں۔‘‘ |
| | يُصِبْ | مضارع مجزوم ہے۔﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ ﴾ (9/التوبۃ:50) ’’اگر پہنچتی ہے تم کو کوئی بھلائی تو ان لوگوں کو برا لگتا ہے۔‘‘ |
| | مُصِيْبَةٌ | ج: مَصَآئِبُ۔ اسم الفاعل ہے۔ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھے۔ عربی میں ایسے تیر کو سَهْمٌ مُصِيْبٌ کہتے ہیں۔ اس کے بعد عرف عام میں ہر حادثہ اور واقعہ کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہوگیا۔ ٹھیک نشانے پر لگنے |

والی۔ ناگہانی آفت۔ غم۔ تکلیف۔ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (64/ التغابن:11) ''نہیں پہنچتی کوئی آفت مگر اللہ کی اجازت سے۔'' فقہ کی اصطلاح میں غور و فکر اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح رائے تک پہنچنے والے کو مُصِیب اور غلط رائے پر پہنچنے والے کو مُخْطِئ کہہ دیتے ہیں۔

| |
|---|
| اَلسَّمَآءِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ظُلُمٰتٌ (ظ ل م): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ر ع د**

(ف۔ن) رَعْدًا: بادل کا گرجنا۔ کڑکنا۔

رَعْدٌ: اسم ذات ہے۔ بادل کی گرج۔ کڑک۔ Thunder۔ اس کا تعلق سننے سے ہے۔ 'رعد' اس فرشتے کا نام بھی ہے جو بارش برسانے پر مامور ہے۔

**ب ر ق**

(ن) بَرْقًا: چمکنا۔ کسی چیز کا جگمگانا۔

(س) بَرَقًا: چندھیا جانا۔ حیران ہونا۔ ﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝﴾ (75/ القیامۃ:7) ''تو جب چندھیا جائے گی آنکھ۔'' بَرْقٌ کے معنی بجلی کے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے معنی 'چمکنے' کے آنے لگے۔ لیکن جب آنکھ کے ساتھ اس کا استعمال ہو (باب سمع میں) تو اِس کے معنی خوف اور دہشت سے پتلیوں کے پھرنے، نظر کے چندھیا جانے اور خیرہ ہونے کے آتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ سورۃ القیامۃ کی آیت 7 کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں بَرِقَ الْبَصَرُ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے لغوی معنی بجلی کی چمک سے آنکھوں کے چندھیا جانے کے ہیں۔ لیکن عربی محاورے میں یہ الفاظ اسی معنی کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خوف زدگی، حیرت، یا کسی اچانک حادثہ سے دوچار ہو جانے کی صورت میں اگر آدمی ہک دک رہ جائے اور اس کی نگاہ اُس پریشان کن منظر کی طرف جم کر رہ جائے جو اس کو نظر آ رہا ہو تو اس کے لیے بھی یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن، ج۶، ص ۱۶۵)

بَرْقٌ: اسم ذات ہے۔ بجلی کی چمک۔ Lightening۔ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔

اِبْرِيْقٌ: ج: اَبَارِيْقُ۔ اسم ذات ہے۔ جگ۔ ایسا برتن جس کا دستہ اور ٹونٹی ہو۔ آفتابہ (ماجدیؒ، ضیاء القرآن) ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ﴾ (56/ الواقعہ:17-18) ''طواف کریں گے ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے آبخوروں اور آفتابوں کے ساتھ۔''

اِسْتَبْرَقٌ: ریشم کا بنا ہوا موٹا کپڑا۔ گاڑھا ریشم۔ Thick Silk۔ اس کا ہمزہ، ہمزۃ القطع ہے۔ ﴿وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ﴾ (18/ الکہف:31) ''اور وہ لباس پہنیں گے سبز کپڑے کے جو باریک ریشم کے اور گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔''

**ج ع ل**

(ف) جَعْلًا: یہ لفظ ہر کام کرنے کے لیے بولا جا سکتا ہے اور 'فَعَلَ' اور 'صَنَعَ' وغیرہ افعال کی نسبت عام ہے۔ یہ پانچ طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) بمعنی صَارَ وَطَفِقَ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا۔ (بلکہ فعل لازم ہوتا ہے) جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا یعنی زید یوں کہنے لگا۔

(2) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد اور پیدا کرنا) اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۭ ﴾ (6/الانعام:1) ''اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔'' ﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ﴾ (67/الملک:23) ''اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔''

(3) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا جیسے فرمایا: ﴿ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ﴾ (16/النحل:72) ''اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔'' ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ﴾ (16/النحل:81) ''اور اُس نے پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں۔''

(4) بمعنی تصیر یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دینا اس صورت میں عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ﴾ (2/البقرۃ:22) ''وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔'' ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ (43/الزخرف:3) ''بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔''

(5) کسی چیز پر کسی چیز کا سچا یا جھوٹا حکم لگا دینا۔ حق کی مثال جیسے: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (28/القصص:7) ''ہم ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔'' اور باطل کی مثال جیسے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ (6/الانعام:136) ''اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں سے خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔'' ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ (16/النحل:57) ''اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔'' (تلخیص از مفردات القرآن، ج ا، ص ۱۸۳)

اِجْعَلْ — ج: اِجْعَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا تو مقرر کر۔ ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ ﴾ (19/مریم:10) ''انہوں نے کہا اے میرے رب تو مقرر کر دے میرے لیے ایک نشانی۔''

لَا تَجْعَلْ — فعل نہی ہے۔ تو مت بنا۔ ﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ (17/بنی اسرائیل:22) ''تو مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''

جَاعِلٌ — اسم الفاعل ہے۔ بنانے والا۔ مقرر کرنے والا۔ کرنے والا۔ ﴿ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ ﴾ (2/البقرہ:30) ''بیشک میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔''

**ص ب ع**

(ف) صَبْعًا — انگلی سے اشارہ کر کے بتانا۔

اِصْبَعٌ — ج: اَصَابِعُ۔ اسم ذات ہے۔ انگلی۔ (اِصْبَعٌ عربی کے ان چند الفاظ میں سے ہے جس کی متعدد شکلوں کا استعمال جائز ہے۔ دراصل اس کا ہمزہ بھی اور عین کلمہ (ب) بھی تینوں حرکات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں حروف کی مختلف حرکات کے امتزاج سے جتنی شکلیں بنیں گی وہ سب جائز ہیں)۔

**ء ذ ن**

(س) اَذَنًا — کان لگانا۔ سننا۔ خبردار ہونا۔ جاننا۔ عام طور پر اس کے ساتھ 'اِلٰی' یا 'لِ' کا صلہ لگتا ہے۔ ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ

حُقَّتْ ﴿٥﴾ ﴾(84/الانشقاق:5)''اور وہ سنے گی اپنے رب کے حکم کو اور اس پر واجب بھی ہے۔''

| | | |
|---|---|---|
| | اِذْنًا | اجازت دینا۔ اس صورت میں بھی اس کے ساتھ عام طور پر 'لِ' کا صلہ آتا ہے۔﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾(20/طٰہٰ:109)''اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت سوائے اس کے جس کو اجازت دے گا رحمٰن۔'' نوٹ: اَذِنَ لِ: اگر اَذَنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں کان لگا کر کسی کی بات سننا اور حکم کی تعمیل کرنا اور اگر اِذْنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں اجازت دینا۔ |
| | اِيْذَنْ | فعل امر ہے۔ تو اجازت دے۔ یاد کرلیں اِيْذَنْ کو جب ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے تو تبدیل شدہ ہمزہ واپس آجاتا ہے جیسے فَ(اِيْذَنْ)۔فَأْذَنْ۔﴿ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي ﴾(9/التوبۃ:49)''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں مجھ کو۔'' |
| | اُذُنٌ | ج: اٰذَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ کان۔ اُذُنٌ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوجاتا ہے۔﴿ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ ﴾(69/الحاقۃ:12)''تاکہ ہم بنادیں اس کو تمہارے لئے یاد دہانی اور یاد رکھے اس کو یاد رکھنے والا کان۔''﴿ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ ﴾(7/الاعراف:195)''کیا ان کے کان ہیں وہ لوگ سنتے ہیں جس سے۔'' اِستعارہ کے طور پر ہر وہ شخص جو ہر ایک کی بات سن کر اسے مان لے اُسے اُذُنٌ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ ﴾''اور کہتے ہیں وہ نرا کان ہے۔'' یعنی ہر ایک کی بات سن کر مان لیتا ہے۔ مبالغے کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے تمام وجود کو جسم کے ایک حصے کا نام دیا گیا۔ (اِستعارہ: لفظی معنی ہیں کسی سے کچھ مانگ لینا۔ علم بیان کی اصطلاح میں اس سے مراد ہوتا ہے کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی مراد لینا۔ یہ مجازی معنی کی ایک قسم ہے۔ فیروز اللغات۔٦١) |
| | اَذَانٌ | اسم ذات ہے۔ اعلان۔ پکار۔ نماز کی اذان۔﴿ وَأَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﴾(9/التوبۃ:3)''اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔'' |
| | اِذْنٌ | اسم ذات ہے۔ اجازت۔﴿ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾(2/البقرۃ:102)''اور وہ تکلیف پہنچانے والے نہیں ہیں اس سے کسی ایک کو بھی مگر اللہ کی اجازت سے۔'' |
| (افعال) | اِيْذَانًا | سنانا۔ آگاہ کرنا۔ خبردار کرنا۔﴿ فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ ﴾(21/الانبیاء:109)''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے میں نے آگاہ کیا تم لوگوں کو پوری طرح اور میں نہیں جانتا آیا وہ قریب ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' |
| (تفعیل) | تَأْذِيْنًا | اعلان کرنا۔ خبر دینا۔ سنانا۔ پکارنا۔ اذان دینا۔﴿ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ ﴾(7/الاعراف:44)''تو پکارا ایک پکارنے والے نے ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔'' |
| | مُؤَذِّنٌ | اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ اوپر الاعراف آیت 44 دیکھیں۔ |
| | اَذِّنْ | فعل امر ہے۔ تو پکار۔﴿ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾(22/الحج:27)''اور آپ پکاریئے لوگوں کو حج کے لیے۔'' |
| (تفعّل) | تَاَذُّنًا | کان کھول کر سنا دینا۔ جتلا دینا۔ کسی فیصلے کا اعلان کرنا۔ اطلاع دینا۔ خبردار کرنا۔ نوٹس دینا۔﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾(14/ابراہیم:7)''اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر تم لوگ شکر کرو گے تو میں لازماً زیادہ دوں گا تم کو۔'' |

(استفعال) اِسْتِئْذَانًا اجازت طلب کرنا۔﴿اِسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾(9/التوبۃ:86)''اجازت طلب کی آپ ﷺ سے ان میں سے صاحبِ حیثیت لوگوں نے۔''

**ص ع ق**

(ف) صَاعِقَةٌ بجلی گرنا۔بجلی گرانا۔

(س) صَعْقًا، صَعَقًا ہولناک دھماکہ ہونا۔گرجنا۔گرج کی آواز سے مرنا۔بیہوش ہونا۔زوردار آواز سن کر عقل کا خراب ہونا۔﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ (39/الزمر:68)''اور پھونکا جائے گا صور میں تو مر جائیں گے جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔''

صَعِقٌ صفت ہے۔مردہ۔بیہوش۔﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ (7/الاعراف:143) ''پس جب تجلی ڈالی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو پاش پاش اور گر پڑے موسیٰؑ بیہوش ہو کر۔''

صَاعِقَةٌ ج: صَوَاعِقُ۔اسم ذات ہے۔صَاعِقَةٌ کے اصل معنی بیہوش کرنے والی چیز کے ہیں پھر یہ لفظ آسمان سے گرنے والی بجلی جو ہلاک کر دے۔چیخ۔عذاب اور کڑک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ (2/البقرۃ:55)''تو پکڑا تم کو زوردار چیخ نے۔''

**ح ذ ر**

(س) حَذَرًا آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا۔محتاط رہنا۔بچنا۔ڈرنا۔﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (9/التوبۃ:64)''ڈرتے ہیں منافق کہ اتاری جائے ان پر کوئی سورت جو خبر دے ان کو اس کی جو ان کے دلوں میں ہے۔''نظم ونثر میں کسی چیز سے محتاط و ہوشیار رہنے کی دعوت دیتے ہوئے تکرار کے ساتھ بولا جاتا ہے:اَلْحَذَرَ اَلْحَذَرَ۔

اِحْذَرْ ج: اِحْذَرُوْا۔فعل امر ہے۔تم بچو۔﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (64/التغابن:14)''بیشک تمہارے جوڑوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں بس تم لوگ ان سے محتاط رہو۔''

لِيَحْذَرْ امر غائب ہے۔چاہیے کہ وہ بچے۔﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ (24/النور:63)''پس چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ ان کو پہنچے کوئی آزمائش۔''

حَاذِرٌ ج: حَاذِرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔(1) خطرے سے بچنے والا۔ہتھیار بند۔مسلح۔(2) ڈرنے والا۔خطرہ رکھنے والا۔﴿وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ﴾ (26/الشعراء:56)''اور ہم سب کو اُن سے خطرہ ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں اُن سے چوکنا رہنے والے۔''(ترجمہ احسن البیان)

حَذَرٌ اسم ذات ہے۔ڈر۔خوف۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ (2/البقرۃ:243)''کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے،موت کے ڈر سے۔''

حِذْرٌ اسم ذات ہے۔ذریعہ بچاؤ۔ہر وہ چیز جس کے ذریعے بچاؤ کیا جائے۔ہتھیار۔اسلحہ۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ (4/النساء:71)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ پکڑو اپنے ہتھیار۔''

مَحْذُوْرٌ اسم المفعول ہے۔وہ چیز جس سے بچا جائے۔ڈرنے کی چیز۔قابل خوف۔﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:57) ’’بیشک تیرے رب کا عذاب بچنے کی چیز ہے۔‘‘

(تفعیل) تَحْذِيْرًا محتاط رہنے کی تلقین کرنا۔ڈرانا۔﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (3/آل عمران:28) ’’اور اللہ تم کو محتاط رہنے کی تلقین کرتا ہے اپنے نفس سے۔‘‘

| م | و | ت |

یہ مادہ باب (ن) (س) (ض) تینوں ابواب سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ سورۂ مریم کی آیت 23 میں مِتُّ کا صیغہ استعمال ہوا ہے (واحد متکلم) جو کہ باب (ض) یا باب (س) سے ہوسکتا ہے۔اور باب (ن) سے یہ مُتُّ بنتا ہے۔اسی طرح فعل امر مُوْتُوْا (واحد: مُتْ) باب (ن) سے استعمال ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

(ن) (س) (ض) مَوْتًا آگ کا بجھنا۔کسی جاندار چیز کا بے جان ہونا۔مرنا۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ ﴾ (2/البقرہ:161) ’’بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، تو یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

تَمُتْ مضارع مجزوم ہے۔﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ﴾ (39/الزمر:42) ’’اللہ قبض کر لیتا ہے جان کو اسکی موت کے وقت اور اس کو بھی جو نہیں مرتی ہے اپنی نیند میں۔‘‘

مُتْ ج: مُوْتُوْا۔فعل امر ہے۔تو مرجا۔﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ﴾ (2/البقرہ:243) ’’تو کہا ان لوگوں سے اللہ نے کہ تم لوگ مرجاؤ۔‘‘

مَيِّتٌ ج: مَيِّتُوْنَ - اَمْوَاتٌ۔اسم صفت ہے۔وہ چیز جس میں پہلے جان تھی اب نہیں ہے۔مردہ۔﴿ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ﴾ (3/آل عمران:27) ’’اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔‘‘ مَيِّتٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو۔جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ (39/الزمر:30) ’’بیشک تم کو مردہ ہونا ہے اور ان لوگوں کو بھی مردہ ہونا ہے۔‘‘ ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ﴾ (2/البقرہ:28) ’’تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم لوگ مردہ تھے تو اس نے زندہ کیا تم لوگوں کو۔‘‘

مَيْتٌ اور مَيْتَةٌ ج: مَوْتٰى۔اسم صفت ہے۔بے جان چیز۔مردہ۔﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ﴾ (25/الفرقان:48-49) ’’اور ہم نے نازل کیا آسمان سے پاک پانی تاکہ ہم زندہ کریں اس سے کسی مردہ شہر کو۔‘‘ ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا ﴾ (36/یٰسین:33) ’’اور ایک نشانی ہے ان کے لیے مردہ زمین، ہم نے زندہ کیا اس کو۔‘‘ ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ (2/البقرہ:260) ’’اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب تو دکھا دے مجھے کہ تو کیسے زندہ کرے گا مردوں کو۔‘‘

مَوْتٌ اور مَوْتَةٌ اسم ذات ہے۔بے جان ہونے کی کیفیت۔موت۔﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (3/آل عمران:185) ’’ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔‘‘ ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ (44/الدخان:56) ’’وہ لوگ نہیں چکھیں گے اس میں موت کو سوائے پہلی موت کے۔‘‘

مَمَاتٌ اسم ظرف زمان ہے۔مردہ رہنے کا عرصہ۔زمانۂ موت۔﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ ﴾ (45/الجاثیہ:21) ''کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے ارتکاب کیا برائیوں کا، کہ ہم ان کو بنادیں گے ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے، تاکہ برابر کردیں ان کا عرصۂ حیات اور ان کا زمانۂ موت۔'' مَمَاتٌ کا لفظ مصدر میمی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہوتا ہے ''مرنا''۔ ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (6/الانعام:162) ''آپ فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

(افعال) **اِمَاتَةً** کسی کو موت دینا۔ مردہ کرنا۔ ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ ﴾ (2/البقرہ:259) ''تو موت دی اس کو اللہ نے ایک سو برس تک پھر اٹھایا اسکو'' کوئی اگر کسی اور کو مارے تو کوئی اور فعل استعمال ہوگا (مثلاً: اَهْلَكَ)۔ لیکن اَمَاتَ، يُمِيْتُ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی سے اَلْمُمِيْتُ (اسم الفاعل بمعنی موت دینے والا) اللہ کا صفاتی نام ہے۔

> اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

**ح و ط**

(ن) **حَوْطًا** حفاظت کرنا۔ دیکھ بھال کرنا۔

(افعال) **اِحَاطَةً** چاروں طرف سے گھیرنا۔ احاطہ کرنا۔ کسی شے پر اس طرح چھا جانا، گھیر لینا یا قابو پانا کہ وہ فرار نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آتا ہے۔ عربی میں یوں نہیں کہتے اَحَاطَهٗ بلکہ یوں کہتے ہیں اَحَاطَ بِهٖ۔ ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ ﴾ (2/البقرہ:255) ''اور وہ لوگ احاطہ نہیں کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جو وہ چاہے۔''

**مُحِيْطٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ گھیرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

**مُحِيْطَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ گھیرنے والی۔ ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾ (29/العنکبوت:54) ''یقیناً جہنم چاروں طرف سے گھیرنے والی ہے کافروں کو۔''

> كٰفِرِيْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

**ترکیب** 'اَوْ' حرفِ عطف ہے بمعنی 'یا'۔ دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِابْنَ سیرین چاہے تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے۔ دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔ یہاں اَوْ سے مراد ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو چاہے مینہ سے بھاگنے والوں سے، دونوں برابر ہیں۔ (حقانیؒ)۔ كَصَيِّبٍ، آیت 17 میں كَمَثَلِ پر عطف ہے۔ اور صَيِّبٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ سادہ جملہ یوں ہوتا۔ اَوْ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ اَصْحَابِ صَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ (حقانیؒ)۔ مَثَلُهُمْ مبتدا محذوف ہے۔ كَصَيِّبٍ محذوف خبر کے متعلق ہے۔ مِنَ السَّمَاۗءِ، صَيِّبٍ کی صفت ہے۔ یعنی ان کی مثال بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کی مثال کی مانند ہے۔ تفسیر عثمانیؒ کے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''دوسری مثال ان منافقین کی ان ''لوگوں'' کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو۔'' آگے ظُلُمٰتٌ، رَعْدٌ، اور بَرْقٌ مبتدا مؤخر نکرہ ہیں۔ ان کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور فِيْهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فِيْهِ میں ضمیر صَيِّبٌ کے لیے ہے، السَّمَاۗءِ کے لیے نہیں کیونکہ السَّمَاۗءِ کے لیے 'ھا' آتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ يَجْعَلُوْنَ فعل ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے۔ اَصَابِعَهُمْ اس کا مفعول ہے۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ متعلق فعل ہے۔ مِنَ الصَّوَاعِقِ میں مِنْ سببیہ ہے۔ یعنی کڑک کے سبب سے اور حَذَرَ الْمَوْتِ، مفعول لَهٗ ہے يَجْعَلُوْنَ کا۔ یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ کڑک کے سبب سے

وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ سارا فعل اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں موت کا خوف ہے۔ گویا کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی دو وجہیں ہیں۔ کڑک اور موت کا خوف۔ (واللہ اعلم)

حَذَرَ الْمَوْتِ میں یہ بات نوٹ کرلیں کہ حَذَرَ ماضی کا پہلا صیغہ نہیں ہے۔ یہ اسم حَذَرٌ ہے جو منصوب ہونے کی وجہ سے حَذَرًا ہوا۔ پھر مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو حَذَرَ استعمال ہوا۔ اللّٰہُ مبتداء، مُحِیْطٌ خبر اور بِالْکٰفِرِیْنَ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:19 |

| اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ | فِیْهِ | ظُلُمٰتٌ | وَّ رَعْدٌ |
|---|---|---|---|
| یا آسمان سے بارش کی مانند ہے | اس میں | اندھیرے ہیں | اور بادل کی گرج ہے |

| وَّ بَرْقٌ | یَجْعَلُوْنَ | اَصَابِعَهُمْ | فِیْۤ اٰذَانِهِمْ | مِّنَ الصَّوَاعِقِ |
|---|---|---|---|---|
| اور بجلی کی چمک ہے | وہ لوگ رکھتے ہیں | اپنی انگلیوں کو | اپنے کانوں میں | کڑک کے سبب سے |

| حَذَرَ الْمَوْتِ | وَاللّٰهُ مُحِیْطٌ | بِالْكٰفِرِیْنَ ⑲ |
|---|---|---|
| موت کے ڈر سے | اور اللہ گھیرنے والا ہے | کافروں کو |

## آیت:20

﴿یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠ ⑳﴾

| ك | و | د |
|---|---|---|

(س) كَادَ

(ا) یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور معاون فعل استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی مفہوم ہے قریب ہونا۔ یہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(i) اگر جملہ مثبت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''کام کرنے کے قریب ہونا لیکن نہ کرنا''۔ مثلاً: ﴿یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی اچک لے اُن کی نظروں کو (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا)۔ ﴿اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ﴾ (25/الفرقان:42) ''قریب تھا کہ وہ ہمیں بہکا دے ہمارے خداؤں سے اگر نہ ہوتا کہ ہم ڈٹے رہتے ان پر۔'' ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ (19/مریم:90) ''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے۔''

(ii) اگر اس کے ساتھ حرفِ نفی آجائے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں ''قریب تھا کہ نہ کرے لیکن کرلیا'' یا ''لگتا نہیں تھا کہ کرے لیکن کرلیا''۔ مثلاً: ﴿فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ۠ ⑦١﴾ (2/البقرہ:71) ''پس ان لوگوں نے ذبح کیا اس گائے کو اور لگتا نہیں تھا کہ وہ لوگ کریں گے۔'' یا فرمایا: ﴿لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ⑨٣﴾ (18/الکهف:93) ''جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔''

(ب) بعض بزرگوں نے اس کا معنی هَمَّ و اَرَادَ بھی کیے ہیں یعنی پختہ ارادہ کرنا۔ مثلاً ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا﴾ (20/طٰہٰ:15) ''یقیناً قیامت آنے والی ہے، میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں خفیہ رکھوں اس کو۔''

افعال مقاربہ کی مزید تشریح عربی کا معلم حصہ سوم ص ۸۶ سے دیکھیں۔

اَلْبَرْقُ: (ب ر ق) البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔

**خ ط ف**

(س) خَطْفَۃً، خَطْفًا اُچک لینا۔ ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ (22/الحج:31) ''اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ تو گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اچک لے جاتے ہیں اس کو پرندے۔''

اَلْخَطْفَۃُ اسم ذات بھی ہے۔ مراد ہے اُچکی ہوئی چیز۔ جسم کا وہ حصہ جس کو درندہ جھپٹا مار کر اُتار لے۔ (مصباح) ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩﴾ (37/الصافات:10) ''مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔''

(تفعّل) تَخَطُّفًا کھینچ کر یا گھسیٹ کر لے جانا۔ اچک لینا۔ ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ (8/الانفال:26) ''تم لوگ ڈرتے تھے کہ تم کو زبردستی لے جائیں گے لوگ۔''

اَبْصَارُ (ب ص ر): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

**ک ل ل**

(ض) كَلَالًا، كَلًّا تھکنا۔ والد اور اولاد کے بغیر ہونا۔

كَلٌّ اسم ہے۔ وہ شخص جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا۔ بیکار آدمی جس سے کسی فائدے کی امید نہ ہو۔ بوجھ۔ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ﴾ (16/النحل:76) ''اور وہ ایک بوجھ ہے اپنے آقا پر۔'' (كَلٌّ قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت میں)۔

كَلَّا كَلَّا حرف الردع ہے۔ ردع کے معنی ہیں ''جھڑک دینا''، ''انکار کر دینا''۔ كَلَّا ماقبل کلام کی نفی کے لیے آتا ہے اور عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے 'ہرگز نہیں'۔ مثلاً: ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؀ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ؀ كَلَّا﴾ (19/مریم:77-79) ''بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا (اگر میں دوبارہ زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے وہاں ملے گا کیا اُس نے غیب کی خبر پالی ہے یا اللہ کے یہاں سے عہد لے لیا ہے، ہرگز نہیں۔'' اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ كَلَّا کبھی حَقًّا (بے شک، یقیناً) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝﴾ (96/العلق:6) ''بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔'' اس آیت میں كَلَّا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''كَلَّا ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر یقیناً کے معنی میں بھی آتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۱۱۷۸)

كُلٌّ كُلٌّ لفظاً واحد ہے اور معنی کے لحاظ سے جمع۔ مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ كُلٌّ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جاتا ہے۔ كُلٌّ دو طرح کا ہوتا ہے، مجموعی اور افرادی۔ كُلٌّ افرادی ہمیشہ نکرہ، مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے ہر ایک، جیسے كُلُّ اِنْسَانٍ (ہر انسان)، بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (ہر چیز کا علم رکھنے والا)، كُلُّ كِتَابٍ (ہر ایک کتاب)۔ كُلٌّ مجموعی معرف

باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے یا اس ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے جو معرف باللام کی طرف راجع ہوتی ہے، اس وقت مجموعہ افراد پر دلالت کرتا ہے اور ترجمہ ہوتا ہے سب، پورا۔ كُلُّ الْقَوْمِ (سب قوم، پوری قوم) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ (سب فرشتوں نے سجدہ کیا)، لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (تا کہ سب مذہبوں پر اُس کو غالب کر دے)۔ کبھی اس سے ایک چیز کے تمام اجزاء مراد ہوتے ہیں، جیسے كُلُّ الرُّمَّانِ (پورا انار یعنی اس کے سب اجزاء، چھلکا، دانہ، عرق وغیرہ)، كُلُّ الْكِتٰبِ (کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے)۔ كُلٌّ مجموعی اور افرادی کے علاوہ کبھی كُلٌّ بمعنی بعض بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (بعض پہاڑوں پر اُن کا ایک ایک حصہ رکھ دو)۔ یا فرمایا: قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو) اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اس كُلٍّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع و اقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ لفظ كُلٍّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۴۹۹)۔ قرآن پاک اور فصحائے عرب کے کلام میں کہیں بھی یہ لفظ معرّف باللام یعنی اَلْكُلُّ استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

**كُلَّمَا** كُلَّمَا مرکب ہے۔ كُلَّ اور 'مَا' سے۔ یہ ظرف کے تکرار کا مفہوم دیتا ہے اور مطلب ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی، جس جس وقت۔ اس میں ظرف کا مفہوم 'مَا' کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اسے 'مَا مصدریہ ظرفیہ' کہتے ہیں۔ اور اسی ظرفیت کی وجہ سے كُلَّ ہمیشہ منصوب رہتا ہے۔ اکثر كُلَّمَا کے بعد فعل ماضی آتا ہے۔ جیسے ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ ﴾ (4/النساء:56) ''جب کبھی بھی اُن کی جلدیں جل جائیں گی۔'' ﴿ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ ﴾ (2/البقرۃ:20) ''جب کبھی چمکتی ہے اُن کے لیے۔'' ﴿ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ ﴾ (71/نوحؑ:7) ''جب کبھی میں نے اُنہیں بلایا۔'' اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

**كَلٰلَةً** لغوی معنی ہیں کمزور اور ضعیف۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صاحبؒ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے، اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے (یعنی معنی ہوئے کمزور اور ضعیف) باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا، اس لیے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔ پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے (مرد یا عورت) پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد، اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد (اولاد) اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ ''ذو'' مقدر ہو، اور کلالہ بمعنی ''ذو کلالہ'' ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، جو ایسی میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد (اولاد) اور والد نہ ہو۔ (معارف القرآن، ج۲، ص۳۲۷) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْكَلٰلَةُ باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث بھی ہو وہ كَلٰلَةٌ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ كَلٰلَةٌ ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو اولاد کے علاوہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ''كَلٰلَةٌ'' کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَا وَالِدٌ کہ كَلٰلَةٌ ہر اس میت کو کہتے ہیں جس کا باپ اور اولاد زندہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود میت کو کلالہ قرار دیا ہے اور کلالہ کے یہ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ ''كَلٰلَةٌ'' مصدر ہے جو وارث اور موروث دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص۹۲۵)

**کِلَا** تاکید تثنیہ مذکر کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مذکر۔ یہ لفظ، لفظاً مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ اس لیے مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ بھی۔ بغیر مضاف الیہ کے استعمال نہیں ہوتا۔ اگر مضاف الیہ اسم ظاہر ہو تو رفع، نصب اور جرّ میں اس کا 'الف' باقی رہتا ہے۔ جیسے جَاءَ کِلَا الرَّجُلَانِ اور رَاَیْتُ کِلَا الرَّجُلَیْنِ اور مَرَرْتُ بِکِلَا الرَّجُلَیْنِ۔ مگر جب مضاف الیہ ضمیر ہو تو حالت رفع میں کِلَاھُمَا اور نصب جر میں کِلَیْھِمَا (ی کے ساتھ) آئے گا۔ جیسے رَاَیْتُ الرَّجُلَیْنِ کِلَیْھِمَا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا﴾ (بنی اسراءیل:23) ''اگر تیری موجودگی میں اُن میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔''

**کِلْتَا** تاکید تثنیہ مؤنث کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مؤنث۔ اس کا استعمال بھی کِلَا کی طرح ہے۔ اِن دونوں کی طرف (یعنی کِلَا اور کِلْتَا) جب ضمیر راجع ہو تو واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ جیسے ﴿کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُکُلَھَا﴾ (الکہف:33) ''دونوں باغ خوب پھلے پھولے۔''

> اَضَآءَ (ض و ء): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

> **م ش ی**

(ض) **مَشْیًا** قصد اور ارادہ سے چلنا۔ ﴿اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَآ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پاؤں ہیں وہ لوگ چلتے ہیں جن سے۔'' 'ب' صلے کے ساتھ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو لے کر چلنا۔ ﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ﴾ (6/الانعام:122) ''اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**اِمْشِ** ج: اِمْشُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو چل۔ ﴿ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا﴾ (67/الملک:15) ''وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع، تو تم لوگ چلو اس کے راستوں میں۔''

**مَشْیٌ** اسم ذات ہے۔ چال۔ ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ﴾ (31/لقمان:19) ''اور تم میانہ روی کرو اپنی چال میں۔''

**مَشَّاءٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ چلنے والا۔ ﴿ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ﴾ (68/القلم:11) ''بہت طعنے دینے والا، چغلی لیے پھرنے والا۔'' مَشَّاءٌ اصل میں مَشَّایٌ تھا جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر مَشَّاءٌ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و، ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و، ی کو ہمزہ میں بدل دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمٰن خان صاحب حصہ سوم ص ۹۲)

**مَشِیَّۃٌ** ارادہ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

> اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ اَظْلَمَ (ظ ل م): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ قَامُوْا (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

> **لَوْ**

لَوْ کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(i) بطور حرف شرط۔ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزا ہوتا ہے۔ جس طرح اِنْ مستقبل کے لیے آتا ہے اسی طرح لَوْ ماضی میں ایک غیر تکمیل شدہ شرط کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ اِنْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہوگا یا نہ ہوگا تو ایسا ہوگا یا نہ ہوگا۔ لَوْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہو گیا ہوتا یا نہ ہوا ہوتا تو ایسا ہو جاتا یا نہ ہو جاتا۔ لَوْ کے جواب پر اکثر لام استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ (الواقعۃ:65) یا آیت زیر

مطالعہ میں فرمایا﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ ﴾۔ اور کبھی نہیں بھی آتا۔ جیسے فرمایا: ﴿ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا ﴾ (الواقعہ:70)۔ اگر جملہ منفی ہو تب بھی لام نہیں آتا جیسے فرمایا: ﴿ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ ﴾ (الانعام:112)۔

(ii) لَوْ پر واؤ بڑھا کر وَلَوْ پڑھیں تو مطلب ہوتا ہے ''اگرچہ'' اور اس کے بعد ہمیشہ فعل ماضی آتا ہے۔ ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ (التوبۃ:33) ''اگرچہ مشرک ناگوار سمجھیں۔'' ﴿ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾ (المائدۃ:100) ''اگرچہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔'' وَلَوْ کے بعد جوابی جملہ نہیں آتا بلکہ ایک جملہ پہلے ہی آجاتا ہے۔

(iii) لَوْ کبھی اَنْ مصدریہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا۔ ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب لَوْ، وَدَّ یَوَدُّ کے بعد آتا ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھیلے پڑ جانے کو وہ دل سے چاہتے ہیں۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ہزار برس زندہ رہنے کو ان میں سے ہر ایک دل سے چاہتا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ''ایمان کے بعد تمہارے کافر بنا دینے کے خواہش مند بکثرت اہل کتاب ہیں۔''

(iv) لَوْ کبھی کاش کے معنی بھی دیتا ہے۔ جس سے جملہ میں ماضی تمنی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ ایسی صورت میں جملے میں جواب شرط نہیں آتا۔ جیسے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ''کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔'' فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً ''کاش ایک بار اور ہم کو دنیا میں جانا مل جاتا۔'' (لَوْ کے اور استعمالات بھی ہیں جو لغات القرآن، ج ۵ ص ۲۳۲ اور مصباح اللغات، ص ۷۹۵ سے دیکھے جاسکتے ہیں)۔

| ش ی ء |
|---|

(ف) شَيْئًا، مَشِيْئَةً چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ (18/ الکہف:39) ''جو چاہا اللہ نے، کوئی قوت ہے ہی نہیں مگر اللہ سے۔''

شَیْءٌ ج: اَشْيَآءُ۔ اسم ذات ہے۔ اللہ کی مشیت کا ظہور یا وجود۔ ہر وہ چیز جو جانی پہچانی جائے اور جس کی خبر دی جاسکے۔ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (2/ البقرۃ:29) ''اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' ﴿ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ (5/ المائدہ:101) ''تم لوگ مت پوچھو چیزوں کے بارے میں اگر وہ ظاہر کی جائیں تو تم کو بری لگیں۔''

مَشِيْئَةٌ اسم ذات ہے۔ خواہش۔ چاہت۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

| اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ذَهَبَ (ذ ہ ب): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ سَمْعٌ (س م ع): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |
|---|

| ق د ر |
|---|

(ن۔ض۔س) (۱) قَدْرًا کسی چیز کا اندازہ کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسکی تدبیر کرنا۔ اندازہ لگانا۔ ﴿ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ ﴾ (77/ المرسلت:20-23) ''کیا ہم نے پیدا نہیں کیا تم کو ایک بے وقعت پانی سے پھر ہم نے رکھا اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں ایک معلوم اندازے تک، پھر ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔'' جب یہ لفظ رزق کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی رزق کی تنگی کے ہوتے ہیں اور اس کی ضد بسط آتی ہے۔ مثلاً ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ﴾ (13/ الرعد:26) ''اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے یعنی جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔'' عَلٰی کے صلے کے ساتھ بھی ''تنگ کرنا'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہ تنگی یا تو رزق کی ہو سکتی ہے جیسے

فرمایا:﴿ وَ مَنۡ قُدِرَ عَلَیۡہِ رِزۡقُہٗ ﴾ (65/الطلاق:7)''اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو'' یا حالات کی جیسے فرمایا:﴿ وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّہَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ ﴾ (21/الانبیاء:87)''اور مچھلی والے پیغمبر کا بھی ذکر کیجیے جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم اُن پر تنگی نہ کریں گے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں:''قدر بمعنی استطاعت وقابو نہیں ضیق وتنگی کے مفہوم میں ہے۔''

(۲) قُدۡرَۃً قابو یافتہ ہونا۔قدرت رکھنا۔طاقت رکھنا۔﴿ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَاۤ اَبۡکَمُ لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ ﴾ (16/النحل:76)''اللہ ایک مثال دیتا ہے دو آدمیوں کی،ان میں کا ایک گونگا ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کسی چیز پر۔''عَلٰی کے صلے کے ساتھ اس مصدر سے صیغہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو قابو کرنا،کسی کو پکڑنا۔﴿ وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّہَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ ﴾ (21/الانبیاء:87) بعض بزرگوں نے اس آیت میں نَقۡدِرَ عَلَیۡہِ کا ترجمہ ''قابو کرنا،پکڑنا سے بھی کیا ہے مثلاً:''اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُس کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''مچھلی والے حضرت یونسؑ کو یاد کرو جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اُسے نہ پکڑ سکیں گے۔''(ترجمہ احسن البیان)

(۳) قَدۡرًا کسی کی عظمت کا ادراک کرنا۔تعظیم کرنا۔کسی کی عظمت کو پہچاننا۔﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ ﴾ (6/الانعام:91)''اور ان لوگوں نے تعظیم نہیں کی اللہ کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے۔''

قَدَرٌ اسم ذات ہے۔(i) اندازہ۔﴿ وَالَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ ﴾ (43/الزخرف:11)''اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔''﴿ اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴾ (77/المرسلات:22)''ایک معلوم اندازے تک۔''

(ii) وہ قوانین فطرت جن کے تحت کوئی چیز وجود میں آتی اور ترتیب پاتی ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور صرف اچھے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔﴿ اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ﴾ (54/القمر:49)''ہم نے ہر چیز اندازہ مقررہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

(iii) اصطلاحِ شرح میں لفظ قَدَرٌ بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے۔(معارف)۔

قَدۡرٌ اسم ذات ہے۔(i) کسی چیز کی عظمت۔﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ﴾ (97/القدر:1)''اور ہم نے اتارا اس کو عظمت والی رات میں۔''

(ii) قدر و قیمت،اندازہ۔﴿ قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ﴾ (65/الطلاق:3)''اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)''اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(iii) قَدۡرٌ کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں۔(معارف)۔

قَادِرٌ ج: قَادِرُوۡنَ۔فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔قدرت رکھنے والا۔اندازہ کرنے والا۔قابو پانے والا۔طاقت رکھنے والا۔﴿ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ﴾ (75/القیامۃ:40)''کیا وہ قدرت رکھنے والا نہیں ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردہ کو۔''صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ایسی ہے کہ جو مکمل طور پر قدرت رکھنے والی ہے۔اس لیے کسی انسان کو مطلقاً ھُوَ قَادِرٌ کہنا درست نہیں۔البتہ یوں کہا جا سکتا ہے ھُوَ قَادِرٌ عَلٰی کَذَا یعنی وہ اس چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مَقۡدُوۡرٌ اسم المفعول ہے۔مقرر کردہ۔وہ جو ٹھہرایا جا چکا۔﴿ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ﴾ (33/الاحزاب:38)''اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

**قَدِیْرٌ** فَعِیْلٌ کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے۔ اسم الفاعل کے معنی میں۔ ہر وقت قدرت رکھنے والا۔ ﴿وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴾ (22/ الحج:39) ''بیشک اللہ ان کی مدد پر ہر وقت قدرت رکھنے والا ہے۔'' قدیر اُس کو کہتے ہیں جو حکمت کے مطابق جو کچھ چاہے کرے اسی لیے اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید یا حدیث میں کسی جگہ انسان، فرشتے، جن یا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہا گیا۔ (واللہ اعلم)

**قِدْرٌ** ج: قُدُوْرٌ۔ ہانڈیاں۔ دیگیں۔ ﴿وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ﴾ (34/ سبا:13) ''اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔''

**مِقْدَارٌ** مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ اندازہ کرنے کا پیمانہ۔ مقدار۔ ﴿ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝﴾ (32/ السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھ جاتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جس سے تم لوگ گنتی کرتے ہو۔''

(تفعیل) **تَقْدِیْرًا** کسی کو اندازہ یا قدر و قیمت یا قدرت دینا۔ تجویز کرنا۔ کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانا۔ مقرر کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمانہ یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں۔ رات اور دن کے اوقات کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ، مکانی فاصلے اور مسافت کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے دوسری جگہ ملک شام اور سبا کی درمیانی بستیوں کے متعلق فرمایا وَقَدَّرْنَا فِیْھَا السَّیْرَ اور عام مقادیر کے متعلق فرمایا وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا۔ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۰۵)۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۝﴾ (87/ الاعلیٰ:2-3) ''جس نے پیدا کیا اور نوک پلک درست کی اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی۔'' ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝﴾ (36/ یٰس:39) ''اور چاند، ہم نے مقرر کیں اس کی منزلیں یہاں تک کہ وہ ہو گیا پرانے کھجور کی ٹہنی کی مانند۔''

**تَقْدِیْرٌ** یہ مصدر بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ طے شدہ بات۔ تقدیر۔ اندازہ۔ (Decree)۔ ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝﴾ (36/ یٰس:38) ''اور سورج وہ تیرتا ہے اپنے مدار پر۔ یہ علم والے بالادست کا طے شدہ امر ہے۔''

(افتعال) **اِقْتِدَارًا** اہتمام سے قابو حاصل کرنا۔

**مُقْتَدِرٌ** ج: مُقْتَدِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قابو پانے والا۔ قابو یافتہ۔ ﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝﴾ (18/ الکہف:45) ''اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔'' ﴿فَاِنَّا عَلَیْھِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝﴾ (43/ الزخرف:42) ''سو ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔''

**ترکیب**

یَکَادُ فعل مقاربہ ہے۔ اَلْبَرْقُ فاعل ہے۔ اور یَخْطَفُ اصل فعل ہے۔ اس میں شامل ضمیر 'ھُوَ' اس کا فاعل ہے جو کہ اَلْبَرْقُ کے لیے ہے۔ اَبْصَارَھُمْ مفعول ہے۔ فعل مضارع اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یَکَادُ کی اور یَکَادُ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ کُلَّمَا بھی اِذَا کی طرح حرف شرط ہے۔ اَضَاءَ لَھُمْ اس کی شرط اور مَشَوْا فِیْہِ جواب شرط ہے۔ اسی طرح اِذَا کی شرط اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ ہے اور قَامُوْا جواب شرط ہے۔ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ میں لو تمنی نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔ لَذَھَبَ جواب شرط ہے۔ لَذَھَبَ کا صلہ بِ، سَمْعِھِمْ پر ظاہر ہے اور اَبْصَارِھِمْ میں محذوف ہے۔ اسی لیے اَبْصَارِ حالت جر میں آیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اَللّٰہَ اس کا اسم، عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ متعلق خبر اور قَدِیْرٌ خبر ہے۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کو خبر سے مقدم کرنے کی وجہ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے۔ اَضَاءَ۔ مَشَوْا۔ اَظْلَمَ اور قَامُوْا ماضی کے صیغے ہیں لیکن کُلَّمَا اور اِذَا کی وجہ سے ان کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

| ترجمہ | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:20 | يَكَادُ | الْبَرْقُ | يَخْطَفُ | اَبْصَارَهُمْ ۭ | كُلَّمَآ | اَضَاۗءَ لَهُمْ |
| | قریب ہے کہ | بجلی | اچک لے | ان کی بصارت کو | جب کبھی | چمکتی ہے اُن کے لیے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| مَّشَوْا فِيْهِ ڎ | وَاِذَآ | اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ | قَامُوْا ۭ |
| وہ لوگ چلتے ہیں اس میں | اور جب کبھی | اندھیرا چھاجاتا ہے ان پر | وہ لوگ کھڑے رہتے ہیں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ | لَذَھَبَ | بِسَمْعِهِمْ | وَاَبْصَارِهِمْ ۭ |
| اور اگر اللہ چاہتا | تو لے جاتا | ان کی سماعت | اور ان کی بصارت |

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ | عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ | قَدِيْرٌ ؀ |
| بیشک اللہ | ہر چیز پر | قدرت رکھنے والا ہے |

**نوٹ** آیت نمبر۔17 اور 18 میں دی گئی پہلی مثال میں ہے کہ اللہ ان کے باطنی نور کو لے گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال کافروں، یہودیوں اور منافقین میں سے اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے ضعفِ ایمان کے مرض کا علاج نہیں کیا اور آخر کار کفر و نفاق میں مبتلاء ہو گئے۔ اب وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔

جبکہ آیت نمبر۔19 اور 20 میں دی گئی دوسری مثال میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو لے جاتا یعنی ان کی صلاحیتیں ابھی باقی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال منافقوں میں سے ایسے لوگوں کی ہے جن کی مہلت ابھی باقی ہے اور ان کا مرض ابھی لاعلاج نہیں ہوا ہے۔ جو چاہے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر علاج کر لے۔ (واللہ اعلم)

## آیت:21

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؀ ﴾

اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اُعْبُدُوْا (ع ب د): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**خ ل ق**

(ن) **خَلْقًا و خَلْقَةً** خلق کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(i) کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا، منصوبہ بنانا یا خاکہ تیار کرنا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیر تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔

(ii) خلق کا عام مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بنائی جائے۔ پہلے مادہ موجود ہو تو اس سے کوئی دوسری چیز ایجاد کی جائے۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ (4/النساء:1) ”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔“ اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ﴾ (5/المائدۃ:110) ''اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت۔''

(iii) کبھی خلق، اِبۡدَاع کے معنی میں بھی آتا ہے۔قرآن کریم میں جیسے خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ آتا ہے، ایسے ہی بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بھی آتا ہے۔اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہیں ہوسکتی۔(ابداع یعنی مادہ اور سابقہ مثال کے بغیر بنانا)۔

(iv) عام لوگوں کے لیے خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(ا) کسی چیز کو بنانے کے لیے اندازہ کرنا۔(ب) جھوٹ بولنا یا جھوٹ گھڑنا۔مثلاً ﴿اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا﴾ (29/العنکبوت:17) ''تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خَلۡقٌ
یہ لفظ مصدر کے علاوہ (1) اسم ذات بھی ہے بمعنی پیدائش۔﴿وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ (3/آل عمران:191) ''اور وہ لوگ غور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔''

(2) مخلوق کے معنی میں بھی آتا ہے۔﴿هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ﴾ (31/لقمان:11) ''یہ اللہ کی مخلوق ہے۔''

(3) اور ہر وہ مقام جہاں خلق کا لفظ کلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اس سے جھوٹ ہی مراد ہے۔اس بنا پر اکثر لوگ قرآن کے متعلق خلق کا لفظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔(مفردات)

خَالِقٌ
اسم الفاعل ہے۔ پیدا کرنے والا۔اندازہ کرنے والا۔منصوبہ بنانے والا۔﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ﴾ (13/الرعد:16) ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

خَلَّاقٌ
فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔﴿اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ﴾ (15/الحجر:86) ''بیشک تیرا رب ہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(س) خَلَقًا
چکنا ہونا۔نرم ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ک) خُلُوۡقَةً
اچھے اخلاق والا ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا

خُلُقٌ
ج: اَخۡلَاقٌ۔ عادت، خصلت، اخلاقی خوبیاں۔﴿اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِیۡنَ﴾ (26/الشعراء:137) ''اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ (68/القلم:4) ''اور بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت میں خُلُقٌ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''پہلے یہ سمجھیے کہ خُلق کس کو کہتے ہیں۔امام فخر الدین رازیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔اَلۡخُلُقُ مَلَکَةٌ نَفۡسَانِیَّةٌ یَسۡهَلُ عَلَی الۡمُتَّصِفِ بِهَا الۡاِتۡیَانُ بِالۡاَفۡعَالِ الۡجَمِیۡلَةِ۔یعنی خلق، نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔(کبیر)۔پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے، لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔کوئی کام خُلق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے (کبیر)۔یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقّف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص۳۳۱)

خَلَاقٌ
اسم ذات ہے۔بھلائی کا حصہ۔وہ فضیلت جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔﴿اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ﴾ (3/آل عمران:77) ''وہ لوگ ہیں جن کے لئے بھلائی کا کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں۔''

(تفعیل) تَخْلِیْقًا شکل وصورت بنانا۔ کسی صورت کے ابتدائی نقش ونگار بنانا۔

مُخَلَّقَۃٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ جس کی شکل بنائی گئی۔ شکل دیا ہوا۔ ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ﴾ (22/الحج:5) ’’تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔‘‘ (ترجمہ تفہیم القرآن)

(افتعال) اِخْتِلَاقًا جھوٹ گھڑنا۔ ﴿اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾ (38/صٓ:7) ’’نہیں ہے یہ مگر جھوٹ گھڑنا۔‘‘

قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

**لَعَلَّ** حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ’’شاید کہ‘‘۔ عربی زبان میں لَعَلَّ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہو لیکن یقین نہ ہو یا اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا اندیشہ ظاہر کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ کلمہ استعمال ہوتو تعجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس موقع پر استعمال کرتا ہے۔ البتہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کلمہ استعمال ہو تو معنی میں قطعیت آجاتی ہے اور شک کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں لَعَلَّ کے ساتھ کُمْ یا ھُمْ کی ضمیر لگا کر فعل مضارع آیا ہے، مثلاً تَتَّقُوْنَ۔ تَھْتَدُوْنَ۔ تَشْکُرُوْنَ وغیرہ۔ وہاں اس کا اصل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کام کرنے کا ایک موقع فراہم کیا گیا ہے، اب جس کا جی چاہے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ اردو محاورہ میں یہ مفہوم لفظ ’’تاکہ‘‘ سے صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’لَعَلَّ ہے تو اظہار شک اور امید وآرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اس کے وقوع کا اور شک واحتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُردو ترجمہ ’’تاکہ‘‘ سے بھی جائز ہو گیا ہے۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ ص ۱۳)

تَتَّقُوْنَ (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

**ترکیب** یَا۔ حرف ندا ہے۔ اَیُّھَا النَّاسُ منادیٰ ہے۔ اَلنَّاسُ چونکہ معرف باللام ہے اور مذکر ہے اس لیے اس سے پہلے اَیُّھَا کا اضافہ ہوا ہے۔ اُعْبُدُوْا۔ فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ رَبَّکُمْ مفعول ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اس کا صلہ ہے۔ اس میں اَلَّذِیْنَ عطف ہے خَلَقَکُمْ میں کُمْ ضمیر پر یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔ موصول اور صلہ مل کر صفت ہے رَبَّکُمْ میں رَبَّ کی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے کُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ عام طور پر ہمارے بزرگوں نے تَتَّقُوْنَ کے لفظ کا اصطلاحی مفہوم لے کر کیا ہے یعنی ’’تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ‘‘۔ البتہ کچھ بزرگوں نے اس کے لفظی مفہوم ’بچنا، محفوظ رہنا‘ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ’’اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ (شاہی محاورہ میں ’عجب نہیں‘ کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔) اور صاحب تدبر قرآن ترجمہ کرتے ہیں: ’’اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔‘‘

**ترجمہ البقرۃ:21**

| خَلَقَکُمْ | الَّذِیْ | رَبَّکُمُ | اعْبُدُوْا | یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ |
|---|---|---|---|---|
| پیدا کیا تم لوگوں کو | جس نے | اپنے اُس رب کی | تم لوگ بندگی کرو | اے لوگو |

| تَتَّقُوْنَ | لَعَلَّکُمْ | مِنْ قَبْلِکُمْ | وَالَّذِیْنَ |
|---|---|---|---|
| پرہیزگار بن جاؤ | تاکہ تم لوگ | تم سے پہلے تھے | اور ان لوگوں کو بھی جو |

## آیت:22

﴿ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

| |
|---|
| جَعَلَ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

| ف ر ش |
|---|

(ن۔ض) فَرْشًا و فِرَاشًا: کسی چیز کو بچھانا۔کشادہ کرنا۔﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ ﴾ (51/الذّٰریات:48) ”اور زمین، ہم نے بچھایا اس کو، تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔“

فِرَاشٌ: ج: فُرُشٌ۔فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔بچھائی ہوئی چیز۔بچھونا۔بستر۔﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ ﴾ (55/الرحمٰن:54) ”تکیہ لگانے والے بچھونوں پر، ان کا استر (یعنی اندر کا کپڑا) ہے موٹے ریشم کا۔“

فَرْشٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔بچھونا۔چوپایوں کے چھوٹے بچے جو زمین سے لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور جن پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔﴿ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ ﴾ (6/الانعام:142) ”اور چوپایوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے جانور۔“

فَرَاشَةٌ: ج: فَرَاشٌ۔اسم ذات ہے۔پروانہ۔پتنگا۔﴿ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ ﴾ (101/القارعۃ:4) ”جس دن لوگ ہو جائیں گے پھیلائے ہوئے پتنگوں کی مانند۔“

| |
|---|
| اَلسَّمَآءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

| ب ن ی |
|---|

(ض) بِنَاءً، بُنْیَانًا: بنانا۔تعمیر کرنا۔﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ ﴾ (51/الذّٰریات:47) ”اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے۔“

اِبْنِ: فعل امر ہے۔تو بنا۔تو تعمیر کر۔﴿ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ﴾ (66/التحریم:11) ”اور جب اس نے کہا اے میرے رب! تو بنا میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔“

بِنَآءٌ: فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔جو چیز بنائی جائے۔پھر یہ لفظ عمارت، چھت یا بلندی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔آیت زیر مطالعہ۔اصل میں بِنَایٌ تھا۔قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و یا ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و یا ی کو ’ء‘ سے بدل دیتے ہیں۔اس لیے بِنَایٌ، بِنَآءٌ ہو گیا۔

مَبْنِیَّةٌ: اسم المفعول ہے۔واحد مونث۔ناقص یائی کا اسم المفعول ”مَفْعِیٌّ“ کے وزن پر آتا ہے۔اور اس کی مؤنث کا وزن ہے مَفْعِیَّةٌ۔اسی پر مَبْنِیَّةٌ ہے۔مطلب ہے بنائی ہوئی، تیار کی ہوئی۔﴿ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ ﴾ (39/الزمر:20) ”البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالا خانے ہیں۔“ (ترجمہ ماجدیؒ)

بُنْيَانٌ — فُعْلَانٌ کا وزن ہے۔ بہت زیادہ بنا ہوا۔ عمارت۔ ﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾ (18/الکہف:21) ''تو ان لوگوں نے کہا تم لوگ تعمیر کرو ان پر ایک عمارت۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (61/الصف:4) ''بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)

بَنَّاءٌ — فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ تعمیر کرنے والا۔ معمار۔ ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ﴾ (38/ص:37) ''اور شیاطین جو سب معمار اور غوطہ لگانے والے تھے۔'' یہ بھی اصل میں بَنَّايٌ تھا۔ 'ی' سے پہلے الف زائدہ ہونے کی وجہ سے 'ی'، 'ء' میں تبدیل ہوگئی۔

| |
|---|
| اَنْزَلَ (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |

**م و ہ**

(ن) مَوْهًا — پانی پلانا۔ دو چیزوں کو ملانا۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

مَاءٌ — اسم ذات ہے۔ پانی۔ (یہ دراصل مَوَہٌ ہے جو قاعدے کے مطابق مَاہٌ کے بجائے مَاءٌ استعمال ہوتا ہے)۔

**خ ر ج**

(ن) خُرُوْجًا — باہر نکلنا۔ ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (2/البقرۃ:149) ''اور جہاں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو رخ کریں اپنے چہرے کا مسجد حرام کی طرف۔'' ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ (40/المومن:11) ''تو ہم نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا تو کیا نکلنے کیلئے کوئی راستہ ہے۔''

اُخْرُجْ — فعل امر ہے۔ تو نکل۔ ﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ﴾ (7/الاعراف:13) ''تو تیرے لئے نہیں تھا کہ تو تکبر کرے اس میں پس تو نکل جا۔''

خَارِجٌ — اسم الفاعل ہے۔ نکلنے والا۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ (2/البقرۃ:167) ''اور وہ لوگ نکلنے والے نہیں ہیں آگ سے۔''

مَخْرَجٌ — اسم الظرف ہے۔ نکلنے کی جگہ۔ نکلنے کا راستہ۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (65/الطلاق:2) ''اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ سے تو وہ بنا دیتا ہے اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ۔''

خَرْجٌ — اسم ذات ہے۔ سرمایہ۔ خرچ۔ محصول۔ ٹیکس۔ خراج وغیرہ۔ ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ (18/الکہف:94) ''تو کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لئے کوئی سرمایہ اس بات پر کہ تو بنا دے ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار۔''

خَرَاجٌ — اسم ذات ہے۔ مال۔ مزدوری۔ خراج۔ اجر و ثواب۔ عطا وغیرہ۔ خَرَاجٌ کا لفظ عموماً زمین کے لگان پر بولا جاتا ہے اور خَرَاجٌ اور خَرْجٌ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔ (ضیاء القرآن) ﴿اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ (23/المومنون:72) ''کیا آپ طلب کرتے ہیں اُن سے کچھ معاوضہ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِخْرَاجًا — باہر نکالنا۔ ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (7/الاعراف:32) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے۔''

اَخْرِجْ — ج: اَخْرِجُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نکال۔ ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ (4/النساء:75) ''اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس بستی سے۔''

مُخْرِجٌ — اسم الفاعل ہے۔ نکالنے والا۔ ﴿ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ (2/البقرہ:72) ''اور اللہ نکالنے والا ہے جو تم لوگ چھپایا کرتے تھے۔''

مُخْرَجٌ — اسم المفعول ہے۔ نکالا جانے والا یعنی جس کو نکالا جائے۔ ﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾ (23/المومنون:35) ''کیا وہ وعدہ دیتا ہے تم کو کہ جب تم مردہ ہو گے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں تو تم نکالے جانے والے ہو۔''

(استفعال) اِسْتِخْرَاجًا — کسی چیز میں سے کچھ نکالنا۔ ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ (12/یوسف:76) ''پھر اس نے نکالا اس کو اپنے بھائی کے سامان میں سے۔'' کسی آیت یا حدیث سے کوئی مسئلہ نکالنا بھی استخراج یا استنباط کہلاتا ہے۔

| ث | م | ر |
|---|---|---|

(ن) ثُمُوْرًا — پھل دار ہونا۔ پھل والا ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ثَمَرٌ — اسم ذات ہے۔ پھل۔ پھلوں کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ اس کی واحد ثَمَرَةٌ آتی ہے اور جمع ثَمَرَاتٌ اور ثِمَارٌ آتی ہے۔ ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ﴾ (2/البقرۃ:25) ''جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا۔'' ثَمَرَاتٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ﴾ (6/الانعام:99) ''تم لوگ دیکھو اُس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دے اور اُس کے پکنے کی طرف۔'' حضرت مفتی محمد شفیع ثمرۃ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ثَمَرَاتٌ، ثمرہ کی جمع ہے، ہر نفع آور چیز سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو اس کا ثمرہ کہا جاتا ہے، اس لیے لفظ ثَمَرَاتٌ میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو انسان کی غذا بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کا لباس بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کے رہنے سہنے کا مکان بنتی ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۵ ص ۲۵۴) حضرتؒ سورہ ابراہیم کی آیت 37 کے تحت فرماتے ہیں: ''ثَمَرَاتٌ، ثَمَرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھل اور عادۃً ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جو کھائے جاتے ہیں۔ اور کبھی لفظ ثمرہ نتیجہ اور پیداوار کے معنی میں بھی آتا ہے جو کھانے کی چیزوں سے زیادہ عام ہے، ہر نفع آور چیز کے نتیجہ اور حاصل کو اُس کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے، مشینوں اور صنعتی کارخانوں کے ثمرات ان کی مصنوعات کہلائیں گی، ملازمت اور مزدوری کا ثمرہ وہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی جو اس کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔'' (معارف القرآن، ج۵ ص ۲۶۵) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''مجازاً ہر چیز کے نفع پر ثمر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ثَمَرَةُ الْعِلْمِ، اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ کہ علم کا ثمرہ نیک عمل ہے وَثَمَرَةُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ، اَلْجَنَّةُ۔ اور نیک عمل کا ثمرہ جنت ہے۔'' بطور کنایہ ثَمَرٌ کا لفظ مطلق مال و دولت یا کمائے ہوئے مال پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ (الکھف:34)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ''لفظ ثمر درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے، اور مطلق مال و زر کو بھی، اس جگہ (الکھف۔34) حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ سے یہی دوسرے معنی منقول ہیں (ابن کثیرؒ)۔ قاموس میں ہے کہ لفظ ثمرہ درخت کے پھل اور انواع مال و زر سب کو کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۵ ص ۵۹۲)۔ اولاد کو بھی والدین کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔

(افعال) اِثْمَارًا — پھل دینا۔ ﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ (6/الانعام:141) ''تم لوگ کھاؤ اس کے پھل میں سے جب بھی وہ پھل دے۔''

رِزْقًا (ر ز ق) : البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ اَللّٰہُ (ء ل ہ) : آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ن د د

(ض) نَدًّا کسی کا ہم پلہ ہونا۔ مدمقابل ہونا۔

نِدٌّ ج: اَنْدَادٌ ۔ اسم صفت ہے۔ ہم پلہ۔ ہم سر۔ مدمقابل۔ برابر کا مخالف۔ Rival۔ آیت زیر مطالعہ۔ نِدٌّ عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے جیسی بھی ہو اور اس کے مخالف بھی۔ تفسیر ماجدیؒ میں ہے نِدٌّ عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی اور مخالف ومدمقابل کو بھی چنانچہ انداد کے معنی اضداد (مخالف ہونا) اور اشباہ (کسی کے جیسا ہونا) دونوں کیے گئے ہیں۔ (ص: ۱۴)۔ ’’کسی کے جیسا ہونا‘‘ کے لیے عربی میں مِثْلٌ اور نِدٌّ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مِثْلٌ عام ہے اور ہر طرح کی شرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ نِدٌّ خاص ہے اور اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو اور یہ بھی مماثلت کی ایک قسم ہے۔ اس لیے ہر نِدٌّ کو مثل کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر مثل کو نِدٌّ نہیں کہہ سکتے۔ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ ’’ہم سر اور مدمقابل‘‘ سے کیا ہے۔ مثلاً صاحب تفہیم القرآنؒ، البقرۃ آیت 165 کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ’’کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں۔‘‘ اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ، ’’برابر کا مخالف‘‘، ’’شریک وہم سر‘‘، وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔ انگلش کا لفظ ’’Rival‘‘ اس لفظ کے مفہوم کے صرف ایک جز ’’مخالف‘‘ کی ترجمانی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اس وضاحت کے بعد اب نوٹ کیجیے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا نِدٌّ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ویسی ہی صفات ماننا جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیں اور جو حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں ان میں سے سب یا بعض اس بناوٹی معبود کو دینا۔ البقرہ آیت 165 کے تحت مولانا مودودیؒ ’’انداد‘‘ کے اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’یعنی خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں اُن میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا اُن میں سے بعض حقوق یہ لوگ اُن دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریادرسی، دعائیں سننا اور غیب وشہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں۔‘‘ اور آگے فرماتے ہیں: ’’جو شخص خدا کی اِن صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مدمقابل اور ہمسر بناتا ہے۔ اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ اِن صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مدمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔‘‘ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے ایسے ہی کہہ دیا: ’’مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ‘‘ یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔‘‘ آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ)) ’’کیا تو نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔‘‘ (ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ’’کتاب التوحید‘‘ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهَ عَدْلًا؟)) ’’کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟‘‘۔ صوفیاء کرام نے ’’انداد‘‘ کی تفسیر یہ فرمائی

ہے: ''ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردے اور اس کے اِحکام کی تعمیل سے روک دے وہ ''انداد'' سے ہے۔ خواہ وہ بت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو وہ ''نِدٌّ'' ہے اور پاش پاش کردینے کے لائق ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۱۳)۔ تفسیر ابن جریر طبریؒ میں متعدد صحابہ کرامؓ سے آیت زیر مطالعہ میں انداد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ یہاں انداد سے مراد وہ حکام ہیں جن کی اطاعت خدا کی نافرمانی میں کی جاتی ہو گویا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کی اطاعت کرنا، غیر اللہ کی پرستش کی طرح شرک ہے۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۱۳۴)

نِدٌّ اور ضِدٌّ کا فرق بھی ذہن میں رہے۔ ضِدٌّ ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت ہوں مگر ان میں سے ہر ایک اپنی خاص صفات اور خصوصیات کی وجہ سے دوسری سے مخالف ہو اور ان میں انتہائی دوری ہو اور کبھی جمع نہ ہو سکتی ہوں۔ مثلاً سیاہی اور سفیدی، دونوں کی جنس رنگ ہے لیکن دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور دونوں کی متضاد خصوصیات بھی ہیں۔ اسی طرح، خیر اور شر ہے یا دن اور رات وغیرہ۔ جب کہ نِدٌّ میں دونوں چیزوں کی صفات اور خصوصیات کو ایک جیسا بھی مانا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے مخالف بھی مانا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لَا نِدَّ لَہٗ وَلَا ضِدَّ لَہٗ۔ یعنی نہ اس کا کوئی نِدٌّ ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ جیسی صفات رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مدمقابل بھی ہو) اور نہ اس کا کوئی ضِدٌّ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جنس کی کوئی اور چیز ہے ہی نہیں اس لیے ضِدٌّ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصراً: ایک جیسی صفات کے ساتھ ہم پلہ، ہم سر اور مخالف نِدٌّ ہے اور مخالف صفات کے ساتھ مدمقابل ضِدٌّ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| |
|---|
| تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب** اَلَّذِیْ گذشتہ آیت میں رَبَّکُمْ پر عطف ہے۔ اور پورا جملہ اس کی صفت ہے۔ جَعَلَ فعل، لَکُمْ متعلق فعل اور اَلْاَرْضَ مفعول ہے۔ فِرَاشًا کو جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی مانا جاسکتا ہے اور اَلْاَرْضَ کا حال بھی۔ اَلسَّمَآءَ مفعول ہے جَعَلَ کا۔ بِنَآءً کو مفعول ثانی بھی مانا جاسکتا ہے اور حال بھی۔ اَنْزَلَ کی ضمیر فاعلی اَلَّذِیْ یعنی رَبَّکُمْ کے لئے ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ مَآءً مفعول ہے۔ اَخْرَجَ کی ضمیر فاعلی رَبَّکُمْ کے لئے ہے۔ بِہٖ کی ضمیر مَآءً کے لئے ہے۔ مِنَ الثَّمَرٰتِ متعلق فعل، رِزْقًا مفعول بِہٖ ہے اور لَکُمْ متعلق ہے۔ دوسری ترکیب کے مطابق مِنَ الثَّمَرٰتِ کو مفعول مانا گیا ہے اور رِزْقًا لَّکُمْ کو مفعول لَہٗ مانا گیا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا فعل نہی ہے۔ لِلّٰہِ متعلق فعل اور اَنْدَادًا مفعول ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتداء اور تَعْلَمُوْنَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:22 |

| اَلَّذِیْ جَعَلَ | لَکُمُ | الْاَرْضَ | فِرَاشًا | وَّالسَّمَآءَ |
|---|---|---|---|---|
| جس نے بنایا | تمہارے لئے | زمین کو | بچھونا/فرش | اور آسمان کو |

| بِنَآءً | وَّاَنْزَلَ | مِنَ السَّمَآءِ | مَآءً | فَاَخْرَجَ |
|---|---|---|---|---|
| چھت | اور اس نے اتارا | آسمان سے | پانی کو | پھر اس نے نکالا |

| بِہٖ | مِنَ الثَّمَرٰتِ | رِزْقًا | لَّکُمْ | فَلَا تَجْعَلُوْا | لِلّٰہِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس سے | پھلوں میں سے | رزق کو | تمہارے لئے | پس تم لوگ مت بناؤ | اللہ کے |

| اَنۡدَادًا | وَّ | اَنۡتُمۡ | تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ |
|---|---|---|---|
| ہمسر اور مد مقابل | اس حال میں کہ | تم لوگ | جانتے ہو |

نوٹ:1 ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔ (احسن البیان، ص ۱۳)

نوٹ۔2 حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ میں جَعَلَ لَکُمُ کے متعلق فرماتے ہیں: ''آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَکُمُ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذنِ الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۳)

## آیت 23

﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾﴾

**اِنۡ** — اِنۡ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) اِنۡ شرطیہ: اِنۡ شرطیہ کے معنی ہیں ''اگر''۔ یہ حروف عاملہ میں سے ہے۔ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ ﴿اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ﴾ (8/الانفال:38) ''اگر وہ باز آ جائیں تو معاف کر دیے جائیں گے ان کے لیے جو گناہ پہلے ہو چکے۔'' یہی کثیر الاستعمال ہے۔

(2) اِنۡ مخففہ: جو اِنَّ ثقیلہ سے مخفف ہو کر اِنۡ بنتا ہے۔ یہ کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ تحقیق اور ثبوت کے معنی دیتا ہے۔ اس کی خبر پر لام تاکید (لَ) لگا ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۷۸﴾﴾ (15/الحجر:78) ''بلاشبہ اصحاب الایکہ ظالم تھے۔'' اس لام تاکید کو لام فارقہ کہتے ہیں۔

(3) اِنۡ نافیہ: اِنۡ نافیہ کے معنی ہیں ''نہیں''۔ یہ غیر عامل ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی۔ جیسے الانعام کی آیت 116 میں فرمایا: ﴿اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ (جملہ فعلیہ) ﴿وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ (جملہ اسمیہ) ''سو کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' ﴿اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿ؕ۲۵﴾﴾ (74/المدثر:25) ''نہیں ہے یہ مگر بشر کا کلام۔'' اس کے بعد اکثر اِلَّا و لَمَّا آتا ہے۔ مگر ہر جگہ ضروری نہیں۔ مثلاً ﴿اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِہٰذَا ؕ﴾ (10/یونس:68) ''تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس دعوے کی نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت مبارکہ میں اِنۡ نافیہ ہے۔ (ماجدیؒ)

(4) اِنۡ زائدہ: اِنۡ زائدہ جو مَا نافیہ کے بعد آتا ہے اور مَا نافیہ کی تاکید یا تحسین کلام کے معنی دیتا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر ہے:

مَا اِنۡ مَدَحۡتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیۡ   لٰکِنۡ مَدَحۡتُ مَقَالَتِیۡ بِمُحَمَّدٖ

''میں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے محمد ﷺ کی تعریف نہیں کی بلکہ محمد ﷺ کے ذریعے میں نے اپنے اشعار کی تعریف کی۔''

اس میں مَا کے بعد اِنۡ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال الاحقاف: 26 ہے۔ جس میں فرمایا ﴿وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰہُمۡ

فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ﴾ ''اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی۔'' اس آیت میں بھی مَا کے بعد اِنْ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | رَيْبٌ (ر ی ب): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | مِمَّا: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| نَزَّلْنَا (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | عَبْدًا (ع ب د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | |

**ء ت ی**

(ض) اِتْيَانًا (1) کسی تک پہنچنا۔ آنا۔ خواہ کوئی خود آئے یا اُس کا حکم پہنچے یا اس کا نظم ونسق جاری ہو۔ خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعل لازم ہے۔ ﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ ﴾ (38/صٓ:21) ''کیا تم کو پہنچی جھگڑا لو کی خبر۔'' ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ ﴾ (9/التوبۃ:70) ''ان کے پاس آئے ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ۔'' ﴿ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ ﴾ (16/النحل:1) ''آ گیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔'' 'ب' کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔ اَتٰی کا مطلب ہے آنا اور اَتٰی بِ کا مطلب ہے لانا اور کسی کو کوئی چیز دینا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ ﴾ (2/البقرۃ:25) ''اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل پھل دیے جائیں گے۔'' اس سورت میں اس کا مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہے۔

(2) کوئی کام کرنا۔ کوئی حرکت یا کرتوت کرنا۔ ﴿ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ ﴾ (4/النساء:15) ''تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں۔'' ﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (27/النمل:54) ''اور لوطؑ کا (ذکر کر) جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بدکاری کرتے ہو اس حال میں کہ تم سمجھ رکھتے ہو۔'' ﴿ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا ﴾ (3/آل عمران:188) ''وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اُس پر جو اُنھوں نے کیا۔''

يَاْتِ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ ﴾ (14/ابراہیم:19) ''اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور وہ ایک نئی مخلوق لے آئے۔'' ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (20/طٰہٰ:74) ''بیشک جو پہنچا اپنے رب کے پاس اس حال میں کہ وہ مجرم ہے تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے۔''

اِئْتِ فعل امر ہے۔ تو پہنچ۔ تو آ۔ 'ب' کے صلے کے ساتھ مطلب ہوگا ''تو لا''۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (2/البقرۃ:258) ''بیشک اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے، پس تو لے آ اس کو مغرب سے۔''

اٰتٍ اسم الفاعل ہے۔ آنے والا۔ ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ ﴾ (6/الانعام:134) ''تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے۔'' ﴿ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ ﴾ (29/العنکبوت:5) ''پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے۔'' یہ جب مضاف بنتا ہے تو اس کی شکل اٰتِیْ بن جاتی ہے۔ ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ ۝ ﴾ (19/مریم:93) ''آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔'' ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾ (19/مریم:95) ''یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اُس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔'' نوٹ کرلیں مضارع میں واحد متکلم کے صیغے کی بھی یہی شکل ہوتی ہے اس لیے دونوں میں فرق سیاق وسباق سے ہوتا ہے۔ جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ لگتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں 'لانے والا'۔ ﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ ﴾ (27/النمل:39) ''کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لاؤں گا آپؑ کے پاس اُس کو اِس سے پہلے کہ آپؑ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔''

**اٰتِیَۃٌ** اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ آنے والی۔ ﴿وَ اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ ﴾ (15/الحجر:85) ''اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔''

**مَاْتِیٌّ** ناقص یائی میں اسم المفعول کا وزن مَفْعِیٌّ ہوتا ہے۔ مَاْتِیٌّ اسی وزن پر بنا ہے۔ لیکن یہ اسم الفاعل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے آنے والا۔ پورا ہو کر رہنے والا۔ (لغات القرآن، ج۵، ص ۲۶۲)۔ ﴿ کَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ﴾ (19/مریم:61) ''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہوکر رہنے والا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**(افعال) اِیْتَاءٌ** کسی تک پہنچانا۔ دینا۔ عطا کرنا۔ ﴿ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ ﴾ (9/التوبۃ:18) ''اور اس نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا لفظ اِیْتَاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لفظ اِیْتَاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا وَالْاِیْتَاءُ الْاِعْطَاءُ وَ خُصَّ وَضْعُ الصَّدَقَۃِ فِی الْقُرْاٰنِ بِالْاِیْتَاءِ ، یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔'' اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ ، یعنی دے دو عورتوں کو اِن کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔'' (معارف القرآن، ج۴، ص ۴۱۰)۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں ''دینے'' (ایتاء) کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کی اطاعت قبول کر لینے کے لیے کہتے ہیں اُتیته من نفسی القبول کسی شخص کی اطاعت سے انکار کر دینے کے لیے کہتے ہیں اُتیته من نفسی الاباۃ۔'' (تفہیم القرآن، ج۳، ص ۲۸۶)۔ عام طور پر اِس کے دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دیا اور کیا دیا۔ عربی محاورے میں اِیْتَاءٌ عَنِ الْیَمِیْنِ کا مطلب ہوتا ہے ''کسی پر زور اور دباؤ ڈالنا۔'' جیسے فرمایا: ﴿ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴾ (37/الصافات:28) ''(تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''ایتاء عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔'' یا اس محاورے سے مراد لی جاتی ہے ''کسی کو نیکی اور بھلائی کے راستے سے روکنا۔'' کیونکہ عربی میں یمین سے خیر اور برکت بھی مراد لی جاتی ہے۔ تفسیر عثمانیؒ میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئیں ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ الصافات:28 کا ترجمہ کرتے ہیں: ''بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے۔'' اور حاشیے میں حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں: ''یمین'' (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور وقوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرغوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔'' (تفسیر عثمانیؒ، ص ۵۹۵)

**یُؤْتِ** مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ وَ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (5/المآئدہ:20) ''اور اس نے دیا تم لوگوں کو جو اس نے نہیں دیا کسی ایک کو تمام جہانوں میں سے۔''

**اٰتِ** ج: اٰتُوْا فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔ تو دے۔ ﴿ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ (17/بنی اسرائیل:26) ''اور تو پہنچا قرابت والوں کو ان کا حق۔'' ﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوۃَ ﴾ (2/البقرۃ:43) ''اور تم قائم کرو نماز اور تم دو زکوٰۃ۔''

اُوْتِیَ — ماضی مجہول ہے۔ دیا گیا۔﴿ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ﴾(2/البقرہ:136)''اور جو دیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو۔''﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾(2/البقرہ:144)''بیشک جن لوگوں کو دی گئی کتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔''

| س و ر |
|---|

(ن) سَوْرًا — دیوار پر چڑھنا۔

سُوْرٌ — اسم ذات ہے۔ شہر پناہ۔ شہر کی چار دیواری کو سُوْرٌ کہتے ہیں۔ فصیل۔ دیوار۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''یہ لفظ دراصل شہر پناہ کے لیے بولا جاتا ہے، جو بڑے شہروں کے گرد غنیم (ڈاکو، دشمن) سے حفاظت کے لیے بڑی مضبوط اور مستحکم چوڑی دیوار سے بنایا جاتا ہے، ایسی دیواروں میں فوج کے حفاظتی دستوں کی کمین گاہیں بھی بنی ہوتی ہیں جو حملہ آوروں سے باخبر رہتے ہیں۔'' (معارف القرآن، ج ۸، ص ۳۰۷)﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ ﴾(57/الحدید:13)''تو بنادی گئی ان کے درمیان ایک فصیل۔''

سُوْرَةٌ — ج: سُوَرٌ۔ اسم ذات ہے۔(1) فضیلت میں بلند۔(2) شہر کی چار دیواری۔(3) کسی چیز کا بقیہ اور بچا ہوا حصہ (4) قرآن مجید کی سورت۔ باقی تفصیل آیت بسم اللہ کے بعد دیکھیں۔﴿ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا ﴾(24/النور:1)''یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو۔''﴿ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ﴾(11/ھود:13)''تو تم لوگ لے آؤ اس کے جیسی دس سورتیں۔''

سِوَارٌ — ج: اَسْوِرَةٌ اور اَسَاوِرُ۔ اسم ذات ہے۔ کنگن۔﴿ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ ﴾(43/الزخرف:53)''تو کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔''﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ ﴾(18/الکہف:31)''وہ لوگ پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن۔''

(تفعّل) تَسَوُّرًا — دیوار پھلانگنا۔﴿ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴾(38/صٓ:21)''جب ان لوگوں نے پھلانگا محراب کو۔''

| مِثْلُ (م ث ل): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |
|---|

| د ع و |
|---|

(ن) دُعَاءً، دَعْوَۃً، دَعْوٰی — (1) کسی کو پکارنا، مانگنا یا دعا کرنا۔﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ ﴾(39/الزمر:8)''اور جب بھی چھوتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو وہ پکارتا ہے اپنے رب کو۔'' جب اس کے ساتھ 'لِ' کا صلہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا جیسے دَعَا لَهٗ، اس نے اس کے حق میں دعا کی۔ جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کو بددعا دینا۔ جیسے دَعَا عَلَيْهِ۔ اس نے اس کو بددعا دی۔

(2) کسی کو یاد کرنا۔ اس کا ذکر کرنا۔

(3) کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دینا۔ کسی کام یا مقصد کے لیے بلانا۔ اِن معنوں میں اس کے ساتھ عام طور پر اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ ﴾(41/حٰمٓ السجدہ:33)''اور کون زیادہ اچھا ہے بلحاظ بات کے، اس سے جس نے بلایا اللہ کی طرف۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ یہ چیز یوں ہے۔ ﴿ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴾ (19/مریم:91) ’’اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔‘‘

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’دعا کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا، تسبیح و تمجید کے ساتھ۔ دوسرے حاجات و مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۲۹) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دَعَا یَدْعُوْ کے فاعل مُشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودانِ باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعا یدعو کا معنی عَبَدَ یَعْبُدُ (عبادت کرنا) کیا ہے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۱۱۴)

**دُعِيَ** ج: دُعُوْا۔ ماضی مجہول ہے۔ بلایا گیا۔ پکارا گیا۔ ﴿ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ﴾ (40/مومن:12) ’’جب بھی پکارا گیا اللہ واحد کو تو تم لوگوں نے انکار کیا۔‘‘ ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ﴾ (24/النور:51) ’’مومنوں کی بات تو بس یہ ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔‘‘

**يُدْعٰى** ج: يُدْعَوْنَ۔ مضارع مجہول ہے۔ بلایا جاتا ہے۔ پکارا جاتا ہے۔ ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ﴾ (61/الصف:7) ’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اس حال میں کہ اسے بلایا جاتا ہے اسلام کی طرف۔‘‘ ﴿ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ (3/آل عمران:23) ’’ان لوگوں کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان، تو منہ موڑتا ہے ان میں سے ایک فریق۔‘‘

**لَا تَدْعُ** فعل نہی ہے۔ تو مت پکار۔ ﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:213) ’’پس تو مت پکار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پھر تو ہو جائے گا عذاب دیئے ہوئے لوگوں میں سے۔‘‘

**اُدْعُ** فعل امر ہے۔ تو پکار۔ تو بلا۔ تو مانگ۔ تو دعا کر۔ ﴿ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ ﴾ (2/البقرہ:61) ’’پس تو پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ وہ نکالے ہمارے لئے اس میں سے جو اگاتی ہے زمین۔‘‘ ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ (16/النحل:125) ’’تو بلا اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔‘‘

**دَاعٍ** اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ بلانے والا۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾ (2/البقرہ:186) ’’اور جب بھی تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں قریب ہوں، میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ پکارتا ہے مجھ کو۔‘‘

**دَعْوَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ دعا۔ پکار۔ بلاوا۔ دعوت۔ اوپر آیت نمبر۔ (2/البقرہ:186) دیکھیں

**دُعَآءٌ** اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ بلاوا۔ دعا۔ ﴿ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴾ (3/آل عمران:38) ’’بیشک تو ہر وقت اور ہر حال میں دعا کا سننے والا ہے۔‘‘

**دَعْوٰى** اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ دعا۔ ﴿ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾

(7/ الاعراف:5) ''تو نہیں تھی ان کی پکار جب آیا ان کے پاس ہمارا عذاب، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔'' ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ ﴾ (10/ یونس:10) ''اُسی میں اُن کا قول ہوگا پاک ہے تو اے اللہ اور اُس میں اُن کی (باہمی) دعا ''سلام'' ہوگی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دعا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔''

(افعال) اِدِّعَاءٌ باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کر کے پکارنا۔ منہ بولا بیٹا کہنا۔

دَعِيٌّ ج: اَدْعِيَاءُ۔ اسم ذات ہے۔ منہ بولا بیٹا۔ لے پالک۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ۔ یعنی مَدْعُوٌّ۔ جس کو پکارا گیا۔ یعنی جس کو بیٹا کہہ کر پکارا گیا ہو۔ ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ﴾ (33/ الاحزاب:4) ''اور اس نے یعنی اللہ نے نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے۔''

(افتعال) اِدِّعَاءٌ طلب کرنا۔ مانگنا۔ ﴿ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۚ ﴾ (36/ یٰس:57) ''ان کے لئے ہے وہاں میوہ اور ان کے لئے ہے جو وہ مانگیں گے۔''

| ش | ھ | د |
|---|---|---|

(س-ک) (ا) شُهُوْدًا حاضر ہونا۔ موقع پر موجود ہونا۔ معائنہ کرنا۔ ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ ﴾ (2/ البقرہ:185) ''تو جو موجود ہو اس مہینے میں یا دیکھے اس مہینہ کو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے اس کے۔''

(ب) شَهَادَةً گواہی دینا۔ ﴿ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ﴾ (36/ یٰسین:65) ''اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیر۔'' گواہی عینی بھی ہو سکتی ہے اور قلبی بھی۔ عینی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد انسان کا اپنا مشاہدہ ہو یعنی جس معاملے کو انسان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اور قلبی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد بصیرت ہو۔ بصیرت، دل کی اس روشنی یا بینائی کو کہتے ہیں جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت، جو ہر مسلمان گواہی دیتا ہے۔ حالانکہ کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے رسول اللہؐ کو بھی نہیں دیکھا۔ ہر مسلمان یہ گواہی بصیرت کی بنیاد پر دیتا ہے۔ پھر یہی قلبی گواہی اپنی ذات سے متعلق ہو تو معنی ہوتے ہیں ''اقرار کرنا'' مثلاً: ﴿ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ﴾ (6/ الانعام:130) ''اور وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ کسی کے حق میں گواہی دینے سے وہ گواہی ایک طرح سے اس کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے یہ لفظ کسی کے حق میں گواہی دے کر اس کی مدد کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے شہید کا ایک معنی ''مددگار'' بھی کیا گیا ہے۔ کبھی شہادت کے معنی ''فیصلہ کرنے'' کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ ﴾ (12/ یوسف:26) ''اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا۔'' اس آیت کے تحت علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ، حَكَمَ حَاكِمٌ کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۲۵)۔ 'شہادت' کا اصطلاحی معنی ہے ''اللہ کی راہ میں جان دینا''۔ گویا جان دینے والے کو عقیدہ آخرت اور جزا و سزا پر اتنا پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان دے کر اس کی گواہی پیش کرتا ہے۔ شَهِدَ کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آئے تو عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گواہی دینا اور اگر 'لِ' کا صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں گواہی دینا۔ (واللہ اعلم)

**مَشْهَدٌ** (1) مصدر میمی ہے۔ حاضر ہونا۔ موجود ہونا۔

(2) اسم ظرف مکان یا زمان ہے۔ حاضری کی جگہ یا حاضری کا وقت۔ شہادت گاہ۔ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ (19/مریم:37) ''پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے سخت دن کی حاضری سے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**اِشْهَدْ** ج: اِشْهَدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہی دے۔ تو گواہ رہ۔ ﴿وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (11/ھود:54) ''اور تم لوگ گواہ رہو کہ میں بری ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔''

**شَاهِدٌ** ج: شَاهِدُوْنَ۔ شُهُوْدٌ۔ اَشْهَادٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ حاضر رہنے والا۔ گواہی دینے والا۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (12/یوسف:26) ''اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس کے گھر والوں میں سے۔'' ﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴾ (37/الصافات:150) ''کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔'' ﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا﴾ (74/مدثر:13،14) ''اور میں نے بنایا اس کے لئے کثیر مال اور حاضر رہنے والے بیٹے۔'' ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ (11/ھود:18) 'اور کہیں گے گواہی دینے والے یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا اپنے رب پر۔''

**شَهِيْدٌ** ج: شُهَدَاءُ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گواہی دینے والا۔ کسی جگہ موجود ہونے والا۔ حاضر۔ نگران۔ مدد کرنے والا (ابن عباسؓ)۔ ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (2/البقرہ :143) ''تا کہ تم لوگ ہو جاؤ گواہی دینے والے لوگوں پر اور ہو جائیں رسول ﷺ تم لوگوں پر گواہی دینے والے۔'' یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اور کبھی اس مفہوم کے ساتھ یہ معنی بھی شامل ہوتا ہے کہ وہ قیامت میں خلق پر گواہ ہوگا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (22/الحج:17) ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' اصلاحِ شرع میں شہید وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہو۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راستباز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔'' (تفہیم القرآن، ج ا،ص:۳۷۰) امام رازیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوت بیان سے اور کبھی شمشیر وسنان سے دین الٰہی کی حقانیت کی شہادت دے، وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ وہی افراد جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہوں گے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ا،ص ۳۶۲)

**مَشْهُوْدٌ** اسم المفعول ہے۔ جسے حاضر کیا جائے۔ جو دکھلایا جائے۔ جس کا معائنہ کیا جائے۔ جس کے لیے گواہی دی جائے۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ (11 ھود:103) ''وہ جمع کیے جانے والا دن ہے لوگوں کو اور وہ حاضر کیے جانے والا دن ہے۔''

شَھَادَۃٌ ج: شَھَادَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ظاہر یا حاضر چیز۔ گواہی، وہ بیان جو اس علم کی بنیاد پر ہو جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعے حاصل ہو۔ ﴿وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ﴾ (9/توبہ:105) ’’اور تم لوگ لوٹائے جاؤ گے حاضر اور غائب کے جاننے والے کی طرف۔‘‘ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ﴾ (2/البقرہ:140) ’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپایا گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔‘‘ ﴿فَشَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ اَرْبَعُ شَھٰدٰتٍ﴾ (24/نور:6) ’ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہیاں ہیں۔‘‘

(افعال) اِشْھَادًا کسی کو گواہ بنانا۔ ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ﴾ (7/اعراف:172) ’اور جب نکالا تیرے رب نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشتوں سے اور ان کو گواہ بنایا ان کے نفس پر۔‘‘

اَشْھِدْ ج: اَشْھِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہ بنا۔ ﴿وَ اَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ص﴾ (2/البقرہ:282) ’’اور تم لوگ گواہ بناؤ جب خرید و فروخت کرو۔‘‘

(استفعال) اِسْتِشْھَادًا گواہی کیلئے کہنا۔ گواہ طلب کرنا۔ گواہ بنانا۔

اِسْتَشْھِدْ ج: اِسْتَشْھِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ گواہ طلب کرو۔ ﴿فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ج﴾ (4/النساء:15) ’’تو تم لوگ گواہ طلب کرو ان عورتوں پر اپنوں میں سے چار۔‘‘

| دُوْنَ |
|---|

دُوْنَ کا لفظ عربی زبان میں تین مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک، کسی اونچی چیز کے مقابلے میں نیچے ہونا۔ دوسرے، کسی افضل و اشرف چیز کے مقابلے میں کم تر ہونا۔ تیسرے، کسی چیز کے ماسوا یا اس کے علاوہ ہونا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۲۷۰)

| اَللّٰہُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
|---|

| ص د ق |
|---|

(ن) صِدْقًا سچ بولنا۔ سچ کر دکھانا۔ سچائی کا مطلب ہے کہ (1) دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو (2) بات واقعہ کے مطابق ہو اور (3) عمل قول کے مطابق ہو۔ ﴿ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ﴾ (33/الاحزاب:22) ’’یہ ہے وہ جو ہم سے وعدہ کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔‘‘ ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ج﴾ (48/الفتح:27) ’’بیشک اللہ نے عملاً سچ کر دیا اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ۔‘‘ صِدْقٌ کی ضد کِذْبٌ ہے۔ (کذب کی لغت کے لیے آیت 10 دیکھیں) اصل میں صِدْقٌ اور کِذْبٌ، قول (بات) سے متعلق ہیں۔ کوئی بات سچ اس وقت ہوتی ہے جب دل اور زبان میں بھی ہم آہنگی ہو اور جس کے متعلق جو بات کہی گئی ہو وہ بھی حقیقت میں ویسا ہی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ ’’صدق تام‘‘ (یعنی مکمل سچ) نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی آیت 1 میں منافقین کو جو جھوٹا قرار دیا ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ منافقین زبان سے تو سچ بول رہے تھے اور حضورؐ کے بارے میں جو خبر دے رہے تھے (کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں) وہ بھی صحیح تھی لیکن دل میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے اس لیے ان کی اس گواہی کو سچ نہیں مانا گیا۔ نیز صِدْق کا استعمال افعال جوارح (جارحہ کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں سچا رہا یعنی جو کچھ اس پر لازم تھا اس نے کر دکھایا مطلب جان توڑ کر لڑا اور اپنے عمل سے بہادری ثابت کر دی اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے کہ کَذَبَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی

بزدل ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج﴾ (الاحزاب:23) ''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔'' نیز اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جس چیز میں ظاہری یا باطنی فضیلت ہو یا جب وہ کسی چیز کی خوبی بیان کریں تو اسے صِدْقٌ کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی وہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی۔ اسی لیے قرآن مجید میں قَدَمَ صِدْقٍ، اونچا مرتبہ، بلند مرتبہ (یونس:2)، مُبَوَّاَ صِدْقٍ، پسندیدہ جگہ (یونس:93)، مُدْخَلَ صِدْقٍ، سچا داخل کرنا، مُخْرَجَ صِدْقٍ، سچا نکالنا (بنی اسرائیل:80)، لِسَانَ صِدْقٍ، سچا بول، ذکر خیر (مریم:50، اور الشعراء:84) اور مَقْعَدِ صِدْقٍ، سچی بیٹھک، اعلیٰ مقام (القمر:55) کے الفاظ آئے ہیں۔ یاد رہے کہ صَدَقَ کا تعدیہ کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ﴾ (آل عمران:152) ''بے شک اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اُس نے سچا کر دیا۔''

**صَادِقٌ** ج: صَادِقُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سچ کہنے والا۔ سچ کرنے والا۔ سچا۔ ﴿وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ط﴾ (40/المومن:28) ''اور اگر وہ ہو سچ کہنے والا تو آن پہنچے گا اس میں سے بعض جس کا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے۔'' ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ؗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:146) ''یہ ہم نے جزا دی ان کو ان کی سرکشی کے سبب سے اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

**اَصْدَقُ** اسم التفضیل ہے۔ زیادہ سچا۔ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝﴾ (4/النساء:122) ''اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے، بلحاظ بات کے۔''

**صِدْقٌ** اسم ذات بھی ہے۔ سچائی۔ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ط﴾ (39/الزمر:32) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ کہا اللہ پر اور جھٹلایا سچائی کو جب وہ آئی اس کے پاس۔''

**صَدِيْقٌ** اسم ذات ہے۔ دوست۔ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝﴾ (26/الشعراء:100-101) ''تو نہیں ہے ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔''

**صِدِّيْقٌ** فِعِّيْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت سچا۔ انتہائی سچا۔ صِدِّيْقٌ وہ ہے جس سے کثرت سے سچائی ظاہر ہو اور وہ کبھی جھوٹ نہ بولے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صدیق وہ ہے جس کو سچائی کی عادت کی وجہ سے جھوٹ بولنا ہی نہ آتا ہو۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ق﴾ (57/الحدید:19) ''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہ لوگ ہی کامل سچے ہیں۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ صِدِّيْقٌ بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت (مختلف، فرق والے) ہیں۔ اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لیے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔

حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمُّهٗ صِدِّيقَة کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور اُمت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۴)

حضرت مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صِدِّيقٌ سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت راست باز ہو، جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال درجہ پر ہو، جو اپنے معاملات اور برتاؤ میں ہمیشہ سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کرے، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور سچے دل سے دے، اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔ جس کی سیرت ایسی ستھری اور بے لوث ہو کہ اپنے اور غیر کسی کو بھی اس سے خالص راست روی کے سوا کسی دوسرے طرزِ عمل کا اندیشہ نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۳۷۰)۔ حضرت مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی مزید وضاحت تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۶ پر بھی کی ہے۔ وہاں سے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

صَدَقَةٌ ج: صَدَقَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ یہ عملی سچائی کا مظہر ہے اور لفظ صدقہ فرض خیرات یعنی زکوٰۃ اور نفلی خیرات، دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:276) ''اللہ بے برکت کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صدقہ لغت میں مال کے اس جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لیے خرچ کیا جائے (قاموس)۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول وفعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہوں، اسی لیے جس صدقہ میں کوئی نام ونمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔ لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رُو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لیے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لیے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اور آیت زیر بحث (توبہ:60) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ وغیرہ، بلکہ قرطبیؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اُٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لیے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دے دینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۳۹۵)

حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''صَدَقَه اردو زبان میں تو بہت ہی برے معنوں میں بولا جاتا ہے، مگر اسلام کی اصطلاح میں یہ اُس عطیے کو کہتے ہیں جو سچے دل اور خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے، جس میں کوئی ریاکاری نہ ہو، کسی پر احسان نہ جتایا جائے، دینے والا صرف اس لیے دے کہ وہ اپنے رب کے لیے عبودیت کا سچا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ لفظ صدق سے ماخوذ ہے اس لیے صداقت عین اس کی حقیقت میں شامل ہے۔ کوئی عطیہ اور کوئی صَرفِ مال اُس وقت تک صدقہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا خالص اور بے کھوٹ جذبہ موجود نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۵)

صَدُقَةٌ ج: صَدُقَاتٌ۔ بیوی کا حق مہر۔ ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ﴾ (4/النساء:4) ''اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ ادا کرو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صَدُقَة اور صُدَاق عورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: وَسُمِّیَ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَظْهَرُ بِهٖ صِدْقُ مَيْلِ الرَّجُلِ اِلَى الْمَرْاَةِ. یعنی مہر کو صُداق اور صَدُقہ اس لیے کہتے ہیں کہ ''صدق'' کے اس مادہ میں سچ کے معنی ہیں، اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس مناسبت سے مہر کو صُداق کہنے لگے۔'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۲۹۹)

(تفعیل) **تَصْدِيْقًا** (1) کسی کو سچا قرار دینا، کسی کی تصدیق کرنا۔ (2) سچ کر دکھانا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۲۶﴾ (70/ المعارج:26) ''اور جو لوگ سچا قرار دیتے ہیں یعنی تصدیق کرتے ہیں بدلے کے دن کی۔''

**مُصَدِّقٌ** اسم الفاعل ہے۔ تصدیق کرنے والا۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (4/ النساء:47) ''اے لوگو جن کو دی گئی کتاب، تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔''

(تفعّل) **تَصَدُّقًا** تَصَدَّقَ، اِصَّدَّقَ (ماضی) اور يَتَصَدَّقُ، يَصَّدَّقُ (مضارع)۔ اپنے حق سے دست بردار ہونا۔ دوسرے کو حق سے زیادہ دینا۔ خیرات کرنا۔ ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/ البقرہ:280) ''اور یہ کہ تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو، بہتر ہے تمہارے لئے۔''

**تَصَدَّقْ** فعل امر ہے۔ تُو زیادہ دے۔ تُو خیرات کر۔ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ (12/ یوسف:88) ''پس تو پورا بھر ہمارے لئے پیمانے کو اور زیادہ دے۔''

**مُتَصَدِّقٌ اور مُصَّدِّقٌ** اسم الفاعل ہے۔ خیرات کرنے والا۔ ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ (33/ الاحزاب:35) ''اور خیرات کرنے والا اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں۔'' ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ (57/ الحدید:18) ''بیشک خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں۔''

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور آگے كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ سے عَلٰى عَبْدِنَا تک پورا جملہ شرط ہے۔ اس میں كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور فِيْ رَيْبٍ متعلق خبر ہے۔ مِمَّا میں مِنْ حرف جر ہے اور 'مَا' موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا، صلہ ہے 'مَا' موصول کا۔ نَزَّلْنَا فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ عَلٰى عَبْدِنَا، متعلق فعل ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں، مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر صفت ہیں رَيْبٍ کی۔ آگے فَاْتُوْا سے شروع ہونے والا جملہ جواب شرط ہے۔ اس میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے اور اِيْتُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ بِسُوْرَةٍ متعلق فعل ہے۔ بِسُوْرَةٍ میں 'بِ' تعدیہ کا ہے جس سے معنی ہو جائیں گے ''تم لے آؤ ایک سورۃ''۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ صفت ہے سورت کی۔ اگر ہوتا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ تو مطلب ہوتا ''اس کے جیسی ایک سورۃ''۔ لیکن یہاں مِنْ کی وجہ سے معنی ہوں گے ''ایک سورۃ جو کسی بھی لحاظ سے یا کسی بھی پہلو سے اس کے جیسی ہو'' (مِنْ تبعیضیہ)۔ مزید یہ کیا گیا کہ سورہ پر 'ال' داخل نہیں کیا یعنی کوئی خاص سورت مراد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ قرآنِ مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس دعویٰ میں شامل ہو گئی۔ (واللہ اعلم)۔ وَادْعُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اُدْعُوْا عطف ہے فَاْتُوْا پر۔ اُدْعُوْا میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے آگے شُهَدَآءَكُمْ اس کا مفعول ہے اور مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ پھر جملہ شرطیہ ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور صٰدِقِيْنَ اس کی خبر ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ ہوسکتا ہے۔ (درویشؒ)۔

| ترجمہ | وَاِنْ | كُنْتُمْ | فِيْ رَيْبٍ | مِمَّا | نَزَّلْنَا | عَلٰى عَبْدِنَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:23 | اور اگر | تم لوگ ہو | کسی شک میں | اس کے بارے میں جو | ہم نے اتارا | اپنے بندے پر |

| فَاْتُوْا | بِسُوْرَةٍ | مِّنْ مِّثْلِهٖ | وَادْعُوْا | شُهَدَآءَكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| تو تم لوگ آؤ | ایک سورہ کے ساتھ | کسی طرح اس کے جیسی | اور تم لوگ بلاؤ | اپنے مددگاروں کو |

| مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ | اِنْ كُنْتُمْ | صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ |
|---|---|---|
| اللہ کے علاوہ | اگر تم لوگ ہو | سچے |

نوٹ:1 حرف شرط اِنْ عام طور پر ماضی پر نہیں آتا۔ لیکن اگر آئے تو پھر ماضی کا ترجمہ حال میں ہوتا ہے۔ اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کے معنی ہیں اگر تم لوگ ہو۔

نوٹ:2 اَتٰى (پہنچنا۔ آنا) اور جَآءَ (آنا)، یہ دو فعل ایسے ہیں جن کے ساتھ مفعول آتا ہے، حالانکہ یہ دونوں افعال لازم ہیں۔ جیسے هَلْ اَتٰكَ (کیا وہ پہنچا/آیا تیرے پاس)۔ اِذْ جَآءَهُمْ (جب وہ آیا ان کے پاس) اس کو ایک استثناء کی صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افعال کے مفعول سے پہلے عام طور پر لفظ عِنْدَ محذوف ہوتا ہے۔ جیسے هَلْ اَتٰكَ دراصل هَلْ اَتٰى عِنْدَكَ ہے۔ اور اِذْ جَآءَهُمْ دراصل اِذْ جَآءَ عِنْدَهُمْ ہے۔ اس طرح دراصل یہ مفعول نہیں بلکہ متعلق فعل ہوتا ہے۔ جیسے جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ (وہ بیٹھا کرسی پر) میں عَلَى الْكُرْسِيِّ متعلق فعل ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت: 24

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾﴾

| |
|---|
| اِنْ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |

| ف | ع | ل |
|---|---|---|

(ف) **فَعَلًا** کرنا۔ ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ (2/البقرۃ:85) "اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں۔" ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ (7/الاعراف:155) "کیا تو ہلاک کرے گا ہمیں بسبب اُس کے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا۔"

**اِفْعَلْ** ج: اِفْعَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کر۔ ﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ (37/الصافات:102) "اُس نے کہا، ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے۔" ﴿فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾﴾ (2/البقرۃ:68) "پس تم کرو وہ جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔"

**فَاعِلٌ** اسم الفاعل ہے۔ کرنے والا۔ ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾﴾ (18/الکھف:23) "اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کیجیے کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔"

**مَفْعُوْلٌ** اسم المفعول ہے۔ وہ کام جو کیا جائے۔ ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾﴾ (4/النساء:47) "اور ہے اللہ کا کام کیا گیا۔"

**فِعْلٌ** ج: اَفْعَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ کام۔ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ (21/الانبیاء:73) "اور ہم نے اُن کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی۔" (بعض کے نزدیک فِعْلٌ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے)۔

**فَعَّالٌ** مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ کام کرنے والا۔ وہ ہستی جو چاہے کر گزرے۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾﴾ (11/ھود:107) "یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔"

اِتَّقُوْا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ اَلنَّارُ (ن و ر): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ وَقُوْدُ (و ق د): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ح ج ر

(ن) حَجْرًا: منع کرنا۔ روک دینا۔ سخت ہونا۔ جب قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا کم سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰی فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو خرچ کرنے سے روک دیا۔ اس مادے کے تمام مشتقات میں بندش اور روک کا مفہوم لازمی ہوتا ہے۔

حِجْرٌ: ج: حُجُوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ ممنوع۔ حفاظت۔ حرام چیز۔ گود۔ عقل۔ اصل میں جس جگہ کے اردگرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہو اسے حِجْرٌ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حطیم کعبہ اور دیارِ ثمود کو حجر کہا گیا۔ حطیم کعبہ، خانہ کعبہ کا وہ حصہ ہے جسے قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزر جانا چاہیے، جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے اور ثمود کے بارے میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (حجر:80) ''اور حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' چونکہ پتھروں سے کسی جگہ کا احاطہ کرنے سے اصل مقصد حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اسی لیے انسانی عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نقصان دہ، غلط اور حرام چیزوں سے روکتی ہے (اس مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝﴾ (89/الفجر:5) ''کیا اس میں قسم ہے عقل والے کیلئے۔'' اور جس چیز سے روکا اور منع کیا جائے وہ بھی حجر کہلاتی ہے۔ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ (6/الانعام:138) ''اور ان لوگوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ہیں جو منع ہے یعنی ان کو کھانا منع ہے۔'' گود کو بھی حجر اس لیے کہتے ہیں کہ گود میں بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔ ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔''

حَجَرٌ: ج: حِجَارَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ سخت مٹی۔ پتھر۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:60) ''تو ہم نے کہا تم مارو اپنی لاٹھی کو اس پتھر پر۔'' ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ﴾ (2/البقرۃ:74) ''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اسکے بعد تو وہ پتھروں کی مانند ہیں یا زیادہ شدید بلحاظ سختی کے۔''

حُجْرَةٌ: ج: حُجُرَاتٌ۔ سخت مٹی کا بنایا ہوا کمرہ۔ حجرہ۔ ''اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقف (جس پر چھت ڈالی گئی ہو) عمارت ہو'' (معارف القرآن)۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (49/الحجرات:4) ''بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر عقل نہیں کرتے۔''

مَحْجُوْرٌ: اسم المفعول ہے۔ سخت کیا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ مضبوط۔ ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝﴾ (25/الفرقان:22) ''جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اُس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

<u>حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ</u>: حِجْرًا مَحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کسی کے سامنے کوئی ایسا شخص آ جاتا جس سے اسے اذیت کا خوف ہوتا تو وہ حِجْرًا مَحْجُوْرًا کہہ دیتا (یعنی ہم تمہاری پناہ چاہتے ہیں) یہ الفاظ سن کر دشمن

اسے کچھ نہ کہتا، تو قرآن نے یہاں بیان کیا کہ کفار بھی (عذاب کے) فرشتوں کو دیکھ کر (حسب عادت) یہ الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب سے پناہ مل جائے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ایک محاورہ ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور دور۔ (تفسیر ماجدیؒ ص ۷۵۳)۔ صاحبؒ ضیاء القرآن نے یَقُوۡلُوۡنَ کا فاعل فرشتے مراد لیا ہے۔ اس صورت میں حِجۡرٌ موصوف ہوگا اور مَحۡجُوۡرٌ اس کی صفت برائے تاکید ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۵۹)

دو چیزوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ یا آڑ کو بھی حِجۡرٌ مَّحۡجُوۡرٌ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ جَعَلَ بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۵۳﴾﴾ (25/الفرقان:53) ''اور اس نے بنایا ان دونوں کے مابین ایک پردہ اور ایک مضبوط رکاوٹ۔'' قرآن مجید میں حِجۡرٌ مَّحۡجُوۡرٌ دو جگہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ایک سورہ الفرقان کی آیت 22 میں جہاں یہ محاورے کے طور پر آیا ہے اور دوسرا سورہ الفرقان ہی کی آیت 53 میں جہاں یہ مضبوط رکاوٹ کے معنی میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ع | د | د |
|---|---|---|

(ن) **عَدًّا** شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾﴾ (32/السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھے گا اس کی طرف ایک دن میں، اس کی مقدار ہے ایک ہزار سال جس سے تم لوگ شمار کرتے ہو۔'' ﴿لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَ عَدَّہُمۡ عَدًّا ﴿ؕ۹۴﴾﴾ (19/مریم:94) ''اُس نے اُن کو احاطے میں لے رکھا ہے اور اُنہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔''

**عَادٌّ** ج: عَادُّوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گننے والا۔ شمار کرنے والا۔ ﴿لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّیۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ (23/المومنون:113) ''ہم رہے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ، تو پوچھ لو گننے والوں سے۔''

**مَعۡدُوۡدٌ** اسم المفعول ہے (مذکر)۔ گنا ہوا۔ شمار کیا ہوا۔ ﴿وَ مَا نُؤَخِّرُہٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ﴿ؕ﴾﴾ (11/ھود:104) ''ہم اُسے ایک گنی ہوئی مدت کے لیے ملتوی کیے ہوئے ہیں۔''

**مَعۡدُوۡدَۃٌ** ج: مَعۡدُوۡدٰتٌ۔ اسم المفعول ہے (مؤنث)۔ گنی ہوئی۔ شمار کی ہوئی۔ ﴿لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ﴾ (2/البقرہ:80) ''ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر گنے ہوئے چند دن۔'' ﴿وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ﴾ (2/البقرہ:203) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں۔''

**عَدَدٌ** اسم ذات ہے۔ گنتی۔ شمار۔ ﴿فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾﴾ (72/الجن:24) ''تو وہ لوگ جان لیں گے کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ قلیل ہے بلحاظ گنتی کے۔''

**عِدَّۃٌ** اسم ذات ہے۔ گنی ہوئی چیز۔ گنتی۔ شمار۔ شمار کی ہوئی مدت۔ عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ شرعی اصطلاح میں اس مدت کو عدّت کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ عِدَّۃَ الشُّہُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَہۡرًا﴾ (9/التوبۃ:36) ''بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔'' ﴿قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِہِمۡ﴾ (18/الکہف:22) ''آپ ﷺ کہئے میرا رب زیادہ جانتا ہے ان کی مدت کو۔'' ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ﴾ (65/الطلاق:1) ''اے نبیؐ (اپنی امت

سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں اُنہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**عُدَّةٌ** ج: عُدَدٌ۔ ساز و سامان۔ مال۔ ہتھیار وغیرہ۔ ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ (9/توبہ:46) ''اگر اُن کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ ضرور اس سفر کے لیے سامان کی تیاری رکھتے۔''

(افعال) **اِعْدَادًا** تیار کرنا۔ ﴿وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (4/:93) ''اور اس نے تیار کیا اس کے لئے ایک عظیم عذاب۔''

**اُعِدَّ** ماضی مجہول ہے۔ تیار کیا گیا۔ ﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (3/آل عمران:133) ''اور جنت، جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، وہ تیار کی گئی متقی لوگوں کیلئے۔''

**اَعِدَّ** ج: اَعِدُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو تیار کر۔ ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (8/الانفال:60) ''اور تم لوگ تیار کروان کے لئے جو تم سے ہو سکے قوت میں سے۔''

(تفعیل) **تَعْدِيْدًا** کثرت سے گننا۔ بار بار گننا۔ ﴿الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ (104/الھمزۃ:2) ''جس نے جمع کیا مال کو اور بار بار گنا اس کو۔''

(افتعال) **اِعْتِدَادًا** اہتمام سے شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ (33/الاحزاب:49) ''تو اُن پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔''

**كٰفِرِيْنَ** (ک ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

**ترکیب**

'ف' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ لَّمْ تَفْعَلُوْا شرط ہے۔ لَمْ جوازمِ مضارع میں سے ہے اور تَفْعَلُوْا مجزوم ہے۔ آگے 'وَ' اعتراضیہ ہے اور لَنْ تَفْعَلُوْا شرط اور جوابِ شرط کے درمیان، جملہ معترضہ ہے۔ لَنْ نواصبِ مضارع میں سے ہے اور یہ تَفْعَلُوْا' منصوب ہے۔ فَاتَّقُوا النَّارَ میں 'ف' جوابِ شرط کے لیے ہے۔ اور اِتَّقُوا النَّارَ جوابِ شرط ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر 'اَنْتُمْ' ہے اور اَلنَّارَ اس کا مفعول بہ ہے۔ فَاتَّقُوْا میں 'ف' کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: '''ف' نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکارِ حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذابِ آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے۔'' اَلَّتِیْ اسم موصول ہے۔ وَقُوْدُهَا مرکب اضافی، مبتدا ہے۔ اَلنَّاسُ اس کی خبر۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اَلْحِجَارَةُ عطف ہے اَلنَّاسُ پر۔ یہ سارا جملہ اسمیہ صلہ ہے۔ اَلَّتِیْ کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہیں اَلنَّارَ کی۔ اُعِدَّتْ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر 'هِيَ' ہے جو کہ اَلنَّارَ کے لیے ہے۔ لِلْكٰفِرِيْنَ متعلق فعل ہے اور یہ جملہ حال ہے اَلنَّارَ کا۔

| ترجمہ | فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا | وَلَنْ تَفْعَلُوْا | فَاتَّقُوا النَّارَ | الَّتِيْ وَقُوْدُهَا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:24 | تو اگر تم لوگ نہ کر سکو | اور تم لوگ ہرگز نہ کر سکو گے | تو بچو اس آگ سے | جس کا ایندھن |

| النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ | اُعِدَّتْ | لِلْكٰفِرِيْنَ |
|---|---|---|
| انسان اور پتھر ہیں | جو تیار کی گئی ہے | کافروں کیلئے |

**نوٹ:1** قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کا انکار کرنے والوں کو جو ایک سورۃ بنانے کا چیلنج دیا گیا وہ کئی پہلوؤں سے تھا۔ ایک پہلو تو زبان کی فصاحت و بلاغت تھی۔ یعنی قرآنِ مجید کی زبان کی جو فصاحت اور بلاغت ہے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی ایک سورۃ بناؤ۔ دوسرا پہلو اس میں یہ بھی تھا کہ قرآنِ مجید انسانی زندگی کے مختلف حصوں کے بارے میں جو راہنمائی اپنی آیات میں پیش کر رہا ہے، اس سے بہتر کوئی ہدایت ہے تو لاؤ۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ آیتِ مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے'' پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ''(قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمیؐ کی زبان سے اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا، اور آج بھی آ رہا ہے۔ ؎ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی 'isms' ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام!'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۵)

**نوٹ:2** ''اَلْحِجَارَۃُ'' کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ اس سے مراد وہی تراشے ہوئے پتھر ہیں جن کی دیوی دیوتا کی حیثیت سے پرستش ہوتی ہے۔ ان کو دوزخ میں پھینکنے سے مقصود دراصل ان کو عذاب دینا نہیں بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اس طرح ان کو دکھایا جائے گا کہ جن کے آگے وہ دنیا میں ڈنڈوت کرتے رہے ہیں اور جن کی ضیافت کے لیے دودھ اور حلوے پیش کرتے رہے ہیں ان کی یہاں کیا گت بن رہی ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۳۹)

## آیت : 25

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾

**ب ش ر**

(ن ض س) بَشْرًا اور بَشَرًا: کھال کو چھیل کر اسے ظاہر کرنا۔ خوش ہونا۔ خوش کرنا۔ (کیونکہ خوشی میں چہرے کی جلد جگمگا اٹھتی ہے)۔

بُشْرٰی: خوشخبری۔ بشارت، جس کو سن کر چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾﴾ (2/البقرۃ:97) ''تو یقیناً انہوں نے یعنی جبریلؑ نے نازل کیا اس کو آپ ﷺ کے دل پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس کی جو پہلے سے ہے اور ہدایت اور بشارت ہوتے ہوئے مومنوں کے لئے۔''

بَشِيْرٌ: فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ خوش خبری دینے والا۔ ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴾ (2/البقرۃ:119) ''یقیناً ہم نے بھیجا آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔''

بَشِيْرَۃٌ: ج: بُشُرٌ۔ خوش خبری دینے والی۔ ﴿وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔''

بَشَرٌ اسم ذات ہے۔ انسان۔کھال، جلد۔﴿ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ﴾ (18/الکھف:110) ''آپ ؐ کہیے کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک بشر ہوں تم لوگوں کی مانند۔'' عربی زبان میں بَشَرَۃٌ، انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کو کہتے ہیں اسی سے انسان کو بَشَرٌ کہتے ہیں کیونکہ اس کی جلد دوسرے حیوانات کے مقابلے میں اون، بالوں اور پشم وغیرہ سے کافی حد تک صاف ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد زیادہ ظاہر دکھائی دیتی ہے۔ بشر کا لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تثنیہ بَشَرَیۡنِ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا﴾ (23/المومنون:47) ''تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں۔'' بشر کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی بناوٹ، اس کے ظاہری جسم، اس کے فطری تقاضے، ضروریات اور کمزوریوں کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر المومنون کی آیت 47 سے واضح ہے۔ اور بشر کے مقابلے میں مَلَکٌ (بمعنی فرشتہ) کا لفظ ہے جو مادی پہلو، یعنی ظاہری جسم اور فطری ضروریات سے پاک ہوتا ہے۔ کفار کا ہمیشہ یہی اعتراض رہا کہ ہم اپنے ہی جیسے ایک بشر جو ہماری طرح پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے، کھاتا پیتا، بازاروں میں چلتا پھرتا اور اپنی ضروریات ہماری طرح ہی پوری کرتا ہے تو اس میں آخر کیا فوقیت ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ہاں اگر کوئی فرشتہ ہوتا، جو ان ضروریات سے پاک ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾ قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾﴾ (17/بنی اسرائیل:94،95) ''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کے بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر فرشتے زمین میں آباد ہوتے جو چلتے پھرتے اور آرام کرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ ہی پیغمبر بنا کر بھیجتے۔'' قرآن مجید میں بشر کا لفظ خاص جلد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿ لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿ۚ۲۹﴾﴾ (74/المدثر:29) ''جلد کو جھلسا دینے والی۔''

(افعال) اِبۡشَارًا خوشخبری حاصل کرنا۔ بشارت لینا۔

اَبۡشِرۡ ج: اَبۡشِرُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو بشارت لے۔ ﴿وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:30) ''اور تم لوگ بشارت لو جنت کی۔''

(تفعیل) تَبۡشِیۡرًا خوش خبری سنانا۔ بشارت دینا۔ ایسی خوش خبری دینا کہ جس سے سرور پیدا ہو۔ بَشَّرَ۔ یُبَشِّرُ باب تفعیل میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جس کو بشارت دی جاتی ہے وہ بِنَفۡسِہٖ (براہِ راست بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ اور جو بشارت دی جاتی ہے۔ اس پر کبھی بِ کا صلہ آتا ہے اور کبھی اَنۡ یا اَنَّ آتا ہے۔

بَشِّرۡ فعل امر ہے۔ تو خوش خبری سنا۔ تو بشارت دے۔ ﴿وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ﴾ (2/البقرۃ:25) ''آپ ؐ خوش خبری دے دیجیے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۱﴾﴾ (3/آل عمران:21) ''تو آپ ؐ بشارت دیں اُن لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی۔'' تو یہ اس لیے فرمایا کہ تبشیر کا لفظ بطور استعارہ کے کبھی کبھی غصے کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب ؒ فرماتے ہیں کہ تبشیر کے لفظ سے تنبیہ کی گئی ہے یعنی خبردار کیا گیا ہے اور آگاہ کیا گیا ہے کہ سب سے بہتر خوش خبری جو وہ سن سکتے ہیں وہ عذاب الیم کی ہے جس میں وہ قیامت کے دن مبتلا ہوں گے۔ عذاب کے متعلق بَشِّرۡ کا لفظ بطور تہکم (ڈانٹ) استعمال ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ النساء کی آیت 138 ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ’’تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لیے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں (بھی) تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ ص ۲۵۶) اور صاحبؒ ضیاء القرآن بھی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ’’بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو جائیں۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۴۰۴)

(مفاعلہ) **مُبَاشَرَةً** باہم رہنا سہنا۔ مباشرت کرنا۔ ’’مُبَاشَرَةً کے اصل معنی تو ایک کی جلد کو دوسرے کی جلد کے ساتھ ملانا کے ہیں مگر کنایۃً عورت سے مجامعت کرنا کے معنی میں آ جاتا ہے۔‘‘ (مفردات القرآن)

**بَاشِرْ** فعل امر ہے۔ تو مباشرت کر۔ ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ﴾ (2/البقرۃ:187) ’’تو اب تم لوگ مباشرت کرو ان سے یعنی اپنی بیویوں سے۔‘‘

(استفعال) **اِسْتِبْشَارًا** خوش ہونا۔ خوشی منانا۔

**اِسْتَبْشِرْ** ج: اِسْتَبْشِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو خوش ہو جا۔ تو خوشی منا۔ ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ﴾ (9/التوبۃ:111) ’’پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے سودے کی۔‘‘

**مُسْتَبْشِرٌ** اسم الفاعل ہے۔ خوشی منانے والا۔ ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ (80/عبس:39) ’’ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے۔‘‘

| |
|---|
| **اٰمَنُوْا** (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**ع م ل**

(س) **عَمَلًا** کام کرنا۔ عمل ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو۔ عمل کا لفظ، فعل سے خاص ہے۔ کیونکہ فعل کا لفظ حیوانات اور کبھی جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے مگر عمل کا لفظ اِن کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے۔ عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے افعال پر بولا جاتا ہے۔ ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (2/البقرۃ:62) ’’جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور اُس نے نیک عمل کیا تو اُس کا اجر ہے اُس کے رب کے پاس۔‘‘ اور برے کام کے لیے فرمایا: ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (4/النساء:123) ’’جو بھی بُرائی کرے گا اُس کی جزا پائے گا۔‘‘

**عَمَلٌ** ج: اَعْمَالٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کام۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (3/آل عمران:195) ’’پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔‘‘ ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ (11/ھود:46) ’’اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں۔‘‘ ﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ (23/المومنون:63) ’’اور اُن کے لیے اُس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔‘‘

اِعۡمَلۡ ج: اِعۡمَلُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو کر۔ ﴿فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝۵﴾ (41/حم السجدۃ:5) ''پس تو کر بے شک ہم بھی کرنے والے ہیں۔'' ﴿قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ﴾ (6/الانعام:135) ''آپ کہہ دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔''

عَامِلٌ ج: عَامِلُوۡنَ۔ عَامِلِیۡنَ۔ کام کرنے والا۔ ﴿فَاسۡتَجَابَ لَھُمۡ رَبُّھُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ﴾ (3/آل عمران:195) ''پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔'' ﴿وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ۝۱۳۶ؕ﴾ (3/آل عمران:136) ''کتنا اچھا ہے بدلہ نیک عمل کرنے والوں کا۔'' ﴿اِنَّا عٰمِلُوۡنَ ۝۱۲۱ۙ﴾ (11/ھود:121) ''بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔''

عَامِلَۃٌ ج: عَامِلَاتٌ اور عَوَامِلُ۔ کام کرنے والی۔ ﴿عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ ۝۳ۙ﴾ (88/الغاشیۃ:3) ''اور محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔''

اَلصّٰلِحٰتِ (ص ل ح): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ج ن ن

(ن) (ا) جَنًّا کسی چیز کو ڈھانپ کر چھپا دینا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ ڈھانپنا۔ چھپا دینا۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡہِ الَّیۡلُ رَاٰ کَوۡکَبًا ۚ﴾ (6/الانعام:76) ''تو جب ڈھانپ دیا اس کو رات نے، اس نے دیکھا ایک تارا۔'' اس مصدر سے جِنٌّ (جن)، جِنَّۃٌ (دیوانگی)، جُنَّۃٌ (ڈھال)، جَنَّۃٌ (جنت) مشتق ہیں۔

(ب) جُنُوۡنًا چھپی ہوئی عقل والا ہونا۔ دیوانہ ہونا۔

جِنٌّ اسم ذات ہے۔ جن۔ انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک مخلوق جو آگ سے بنائی گئی اور ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مخلوق ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ ہماری طرح یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے اور نیک و بد بھی ہیں۔ ﴿فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ﴾ (18/الکھف:50) ''تو ان لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکلا یعنی اس نے خلاف ورزی کی اپنے رب کے حکم کی۔''

جَآنٌّ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر جن کے اسم جمع کے طور پر اور سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس؄ سے روایت ہے کہ جس طرح ابوالبشر کا نام آدم ہے اسی طرح ابوالجن کا نام اَلۡجَآنُّ ہے۔ صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''جآنّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جآنّ کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۵ ص۷۰)۔ ﴿وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۝۱۵ۚ﴾ (55/الرحمٰن:15) ''اور اس نے پیدا کیا جنوں کو آگ کی لو سے۔'' ﴿فَلَمَّا رَاٰھَا تَھۡتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا﴾ (28/القصص:31) ''تو جب اس نے دیکھا اس کو لہراتا ہوا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ چلا پیٹھ پھیرے کر۔''

جِنَّۃٌ اسم ذات ہے۔ جن۔ دیوانگی، چونکہ دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے اس لیے اسے جِنَّۃٌ کہتے ہیں۔ ﴿الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۝۵ۙ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۝۶ ع﴾ (114/الناس:5-6) ''جو وسوسہ اندازی کرتا ہے لوگوں کے سینوں میں، جنات اور انسانوں میں سے۔'' ﴿مَا بِصَاحِبِھِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ﴾ (7/الاعراف:184) ''نہیں ہے ان کے صاحب کو کسی

قسم کی کوئی دیوانگی۔“

جُنَّۃٌ ڈھال۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً ﴾(63/المنافقون:2)”اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔“

جَنَّۃٌ ج: جَنّٰتٌ۔اسم ذات ہے۔بہشت۔جنت۔درختوں والا ہر وہ باغ جس کے درخت زمین کو چھپالیں جنت کہلاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالم آخرت میں نیک لوگوں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے پوشیدہ ہے۔امام راغبؒ فرماتے ہیں:”بہشت کو جنت یا تو دنیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یا اس لیے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں جیسے سورہ السجدہ کی آیت 17 میں فرمایا:﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ۚ ﴾”کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جَنّٰتٍ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں۔(۱) جَنَّۃُ الْفِرْدوس (۲) جَنَّۃُ عَدْنٍ (۳) جَنَّۃُ النعیم۔ (٤) دَارُ الْخُلْدِ (٥) جَنَّۃُ الْمَاْوٰی (٦) دَارُ السَّلَام (٧) عِلِّیِّیْن (بحوالہ مفردات القرآن، ج۱،ص ۱۹۴)۔﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ﴾ (2/البقرہ:82)”اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک، وہ لوگ جنت والے ہیں۔“﴿ وَ مَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ﴾(9/التوبۃ:72)”اور پاکیزہ ٹھکانوں کا عدن کے باغات میں۔“

مَجْنُوْنٌ مَفْعُوْلٌ کا وزن ہے۔اسم صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔دیوانہ، پاگل۔﴿ اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ ﴾(37/الصافات:36)”کیا ہم چھوڑ دیں اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کے لئے۔“

جَنِیْنٌ فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔فَعِیْلٌ کا وزن فاعل اور مفعول، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ جَنِیْنٌ اگر مفعول کے معنوں میں ہو تو مراد ہوتا ہے چھپایا ہوا، ڈھانپا ہوا اور پھر اس سے وہ بچہ مراد ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو۔اس صورت میں اس کی جمع اَجِنَّۃٌ آتی ہے۔جیسے فرمایا:﴿ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ ۚ ﴾(53/النجم:32) ”اور وہ وقت یاد کرو جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔“ جَنِیْنٌ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مراد ہوتی ہے چھپانے والی۔اور اس صورت میں یہ لفظ قبر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)۔

## ج ر ی

(ض) جَرْیًا بہنا۔جاری ہونا۔چلنا۔تیزی سے گزر جانا (لازم)۔﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ؕ ﴾(2/البقرۃ:25)”اور آپؐ خوشخبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔“ جَرٰی یَجْرِیْ کے ساتھ جب ”ب“ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے لے کر چلنا۔لے جانا۔﴿ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ ﴾ (2:البقرۃ164)”اور کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا۔“

جَارٍ اسم الفاعل ہے۔مذکر۔بہنے والا۔

**جَارِيَةٌ** ج: جَارِيَاتٌ اور جَوَارٍ -اسم الفاعل ہے۔ مؤنث۔ بہنے والی۔ کشتی۔﴿ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴾(88/الغاشیہ:12) ''اس میں ہے بہنے والا چشمہ۔'' ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴾(69/الحاقۃ:11) ''بیشک جب پانی اونچا ہوا تو ہم نے سوار کیا تم لوگوں کو کشتی میں۔'' ﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴾ (42/الشوریٰ:32) ''اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑیوں کی مانند۔'' ﴿ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴾ (51/الذاریات:3) ''پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی۔''

**مَجْرٍ** مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ (1) اسم الظرف زمان ہے، مطلب ہے بہنے کا وقت۔ (2) اسم الظرف مکان ہے، مطلب ہے بہنے کی جگہ۔ (3) مصدر میمی ہے، مطلب ہے بہنا یا چلنا۔﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ (11/ھود:41) ''اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مَجْرٖىهَا عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اس قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے ''مجری'' کے ''مجرے'' ہی پڑھا جائے گا۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''مجری و مرسی ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔ یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میمی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ ای وقت جریھا و وقت ارسائھا۔'' (ضیاء القرآن، ج۲، ص۳۶۲)

**تَحْتَ**

ج: تُحُوْتٌ۔ نیچے۔ اسم ظرف مکان ہے۔ یہ فوق (اوپر) کی ضد ہے۔ اس لفظ کے لیے اضافت لازم ہے اور جب مضاف الیہ محذوف ہو تو مبنی بر ضمہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ﴾ (المائدۃ:66) ''تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی۔'' ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ (البقرۃ:25) ''(نعمت کے) باغ میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' حدیث میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ التُّحُوْتُ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ کمینے لوگ غلبہ حاصل نہ کرلیں۔'' (تلخیص از مفردات القرآن)۔ تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو مگر اسفل کسی چیز کے نچلے حصے کو کہتے ہیں جیسے اَلْمَالُ تَحْتَهٗ (مال اس کے نیچے ہے)۔ اَسْفَلُهٗ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ (اس کا نچلا حصہ اعلیٰ حصہ سے سخت ہے)۔

**ن ھ ر**

(ف) **نَهْرًا** کسی کو جھڑکنا۔ پانی کا اپنے بہنے کے لئے راستہ بنانا۔

**لَا تَنْهَرْ** فعل نہی ہے۔ تو مت جھڑک۔﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ (17/بنی اسرائیل:23) ''تو تم مت کہو ان دونوں سے اُف تک اور تم مت جھڑکو ان دونوں کو۔''

**نَهَرٌ** ج: اَنْهَارٌ- اسم ذات ہے۔ دریا۔ نہر۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ﴾ (2/البقرۃ:249) ''بیشک اللہ تم لوگوں کو آزمانے والا ہے ایک نہر سے۔'' ﴿ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴾ (71/نوح:12) ''اور وہ بنادے گا تمہارے لئے باغات اور وہ بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔''

**نَهَارٌ** اسم ذات ہے۔ دن۔﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ (2/البقرۃ:274) ''جو لوگ خیرات کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں۔''

كُلَّمَا: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ رُزِقُوا اور متعلقہ صیغے (ر ز ق): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
ثَمَرَةٌ (ث م ر): البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ اُتُوا (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

**ش ب ہ**

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَشْبِیْهًا (1) کسی چیز کو کسی چیز کے مانند کرنا۔ ملتا جلتا کرنا۔ (2) شبہ یا شک میں ڈالنا (اتنا ملتا جلتا کرنا کہ فرق مشکل ہو جائے)

شُبِّهَ ماضی مجہول ہے۔ مانند کیا گیا۔ مشکوک کیا گیا۔ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ (4/النساء:157) ''اور انہوں نے انؑ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے انؑ کو سولی چڑھایا لیکن اُن پر شبہ ڈال دیا گیا۔''

(تفاعل) تَشَابُهًا ایک دوسرے کے مانند ہونا۔ ﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ﴾ (2/البقرہ:70) ''بیشک تمام گائیں باہم ملتی جلتی ہوئیں ہم پر۔''

مُتَشَابِهٌ اسم الفاعل ہے۔ باہم مانند ہونے والا۔ ﴿وَّ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ (6/الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(افتعال) اِشْتِبَاهًا کسی کے مانند ہونا۔

مُشْتَبِهٌ اسم الفاعل ہے۔ کسی کے مانند ہونے والا۔ ﴿وَّ الزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ (6/الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔''

**ز و ج**

(ن) زَوْجًا بھڑکانا۔ ملانا۔

زَوْجٌ ج: اَزْوَاجٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) جوڑا اور جوڑے کا ہر فرد۔ جن حیوانات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ مثلاً شوہر، بیوی کا زوج ہے اور بیوی، شوہر کی زوج ہے۔ اور میاں بیوی دونوں مل کر بھی ایک زوج ہیں۔ عورت کے لیے فرمایا: ﴿وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرۃ:35) ''اور ہم نے کہا اے آدمؑ آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں۔'' اور مرد کے لیے فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (المجادلہ:1) ''یقیناً اللہ نے سُن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی تھی۔'' عام طور پر بیوی کو زَوْجَةٌ (ۃ کے ساتھ) بھی کہہ دیتے ہیں۔

(2) حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے جفت (دو چیزوں) کو زوج کہا جاتا ہے۔ جیسے موزے اور جوتے وغیرہ۔

(3) بہت سے درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ان کو اس مناسبت سے بھی زوج کہا جا سکتا ہے اور کبھی لفظ زوج ''ایک خاص قسم'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے درختوں کی ہر قسم کو زوج کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝﴾ (الشعراء:7) ''کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے

اُس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالی کہ ہم نے اُس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ (طٰہٰ:53) ''پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''پھر اُس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(4) کبھی زوج سے مراد ''ساتھی'' ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ (37/الصّٰفّٰت:22) ''جمع کر لو مشرکوں اور اُن کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرتؒ لکھتے ہیں: ''زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔'' امام راغبؒ نے بھی اس آیت میں ازواج سے ساتھی مراد لیے ہیں۔ شاہ عبداللہ القادر دہلویؒ نے بھی آیت کریمہ میں ازواج کا ترجمہ ''ساتھیوں'' سے کیا ہے۔

(5) کبھی زوج سے مراد ''قسم'' یا ''گروہ'' ہوتا ہے۔ (جیسے اوپر نمبر 3 میں بھی بیان ہوا) ﴿وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ (56/واقعہ:7) ''اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زوج یہاں صِنف یا قسم کے معنی میں ہے۔'' یا فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (طٰہٰ:131) ''اور اپنی نگاہیں ہرگز اُن چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے اُن میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں بھی حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہا۔''

(6) زوج کا تثنیہ (زوجان، زوجین) جب استعمال ہو تو اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً (ا) کبھی اس سے ایک ہی جوڑے کے دونوں فرد، نر اور مادہ مراد ہوتے ہیں مثلاً: ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ (ھود:40) ''تو ہم نے نوحؑ کو فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ دو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے ﴿وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہو گا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآن مجید میں ہے ﴿وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى﴾ اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔ (ضیاء القرآن، ج۲، ص ۳۶۰) (ب) کبھی اس سے ''مقابل کی چیزیں'' مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذاریات:49) ''اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زَوْجَيْنِ سے یہاں مراد مقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت و قس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔'' حضرت شیخ الہندؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تاکہ تم دھیان کرو۔'' حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی نر اور مادہ، جیسا کہ

ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا زوجین سے متقابل و متضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اُجالا، سیاہی سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان وغیر ذٰلک۔'' (ج) اور کبھی اس سے مراد ''دو قسمیں'' ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿ فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ۝ ﴾ (الرحمٰن:52) ''اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(7) قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے ان تمام مفاہیم کے مجموعے کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ﴿ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ (الزخرف:12) ''اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔'' صاحبؒ احسن البیان اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ، نباتات، کھتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔''

(تفعیل)　تَزْوِيجًا　(1) کسی کو کسی کا جوڑا بنانا۔ نکاح کر دینا۔ ﴿ زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ ﴾ (33/الاحزاب:37) ''ہم نے جوڑا بنایا آپ ﷺ کا اس کو، تا کہ نہ رہے مومنوں پر کوئی گناہ اپنے منہ بولوں کی بیویوں میں۔''

(2) ساتھی بنا دینا۔ اکٹھا کر دینا۔ جمع کر دینا۔ ﴿ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ﴾ (42/الشوریٰ:50) ''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا اُنہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔'' اس آیت مبارکہ میں يُزَوِّجُ کا معنی ہے جمع کر دینا، اکٹھا کر دینا۔ اور اسی طرح فرمایا ﴿ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ (81/التکویر:7) ''اور جب جانیں جسموں سے ملا دی جائیں گی۔''

| | | |
|---|---|---|
| ط | ھ | ر |

(ن۔ک)　طُهْرًا اور طَهَارَةً　پاک ہونا۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ﴾ (2/البقرہ:222) ''اور ان سے قرابت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

(ف)　طَهَّرًا　گندگی دور کرنا۔ پاک کرنا۔

طَهُورٌ　فَعُولٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ پاک کرنے والا۔ بہت پاک کیا ہوا۔ ﴿ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ ﴾ (76/الدھر:21) ''اور پلائے گا ان کو، ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جا سکے۔'' (معارف القرآن، ج۶، ص ۴۸۴)۔ ﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝ ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔'' اس آیت میں طہور کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''لفظ طہور معنوی اعتبار سے تطہیر کو چاہتا ہے۔ کیونکہ طاہر (پاکیزہ) دو قسم پر ہوتا ہے ایک وہ جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو جیسے کپڑا کہ گو یہ پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ دوم وہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے پانی چنانچہ قرآن پاک نے پانی کو طہور کہہ کر اس

معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۶۳۹)۔ صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں: ''طَھُوْرٌ (بِفَتْحِ الطَّاءِ) فعول کے وزن پر آلے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے وضو کے پانی کو وضوا اور ایندھن کو وقود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طَاھِرٌ (خود بھی پاک) اور مُطَھِّرٌ (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے ((اِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ)) (ابوداود، ترمذی وغیرہ) ''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ کما فی الحدیث۔'' (تفسیر احسن البیان، ص ۱۰۰۵)۔ حدیث میں مٹی اور زمین کو بھی طہور کہا گیا ہے۔ (مظاہر حق جدید ج ۱، ص ۳۸۵)

**اَطْھَرُ** افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ پاک۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ﴾ (2/البقرۃ:232) ''اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔''

(تفعیل) **تَطْھِیْرًا** پاک کرنا۔ کثرت سے یا بار بار پاک کرنا۔ یہ لفظ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاستوں سے پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ظاہری نجاست کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾ (74/المدثر:3،4) ''اور اپنے پروردگار کی بڑھائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔'' اور باطنی برائیوں کو صاف کرنے کے لیے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾ (33/الاحزاب:33) ''اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کردے اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔''

**طَھِّرْ** فعل امر ہے۔ تو پاک کر۔ تو پاک رکھ۔ ﴿وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ (22/الحج:26) ''اور پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے۔''

**مُطَھِّرٌ** اسم الفاعل ہے۔ پاک کرنے والا۔ ﴿وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (3/آل عمران:55) ''اور میں اٹھانے والا ہوں آپؐ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں آپؐ کو ان سے جنہوں نے انکار کیا۔''

**مُطَھَّرٌ** ج: مُطَھَّرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ خوب پاک کیا ہوا۔ ﴿لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝﴾ (56/الواقعہ:79) ''نہیں چھو سکتے اُس کو مگر پاک لوگ۔''

**مُطَھَّرَۃٌ** اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ خوب پاک کی ہوئی۔ ﴿وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ (2/البقرۃ:25) ''اور اُن کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری۔''

(تفعّل) **تَطَھُّرًا** کوشش کرکے خود کو پاک کرنا۔ پاک ہونا۔ پاک رہنا۔ ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ (9/توبہ:108) '''' اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک رہیں۔''

**اِطَّھَّرْ** ج: اِطَّھَّرُوْا۔ فعل امر ہے۔ خود کو پاک کر۔ پاک ہو۔ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (5/المائدہ:6) ''اور اگر تم لوگ ہو ناپاک تو خود کو پاک کرو۔''

**مُتَطَھِّرٌ اور مُطَّھِّرٌ** ج: مُتَطَھِّرُوْنَ اور مُطَّھِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاک ہونے والا۔ خود کو پاک رکھنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝﴾ (2/البقرۃ:222) ''بیشک اللہ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور وہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔'' ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝﴾ (9/التوبہ:108) ''اور اللہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔''

| خ ل د |
|---|

(ن) **خُلُوْدًا**: کسی تبدیلی کے بغیر عرصہ دراز تک ایک حالت میں رہنا۔ ہمیشہ رہنا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''کسی شے کے بربادی سے بچنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کا نام ''خلود'' ہے، اسی بنا پر اہل عرب عام طور پر خلود کا استعمال اس چیز کے لیے کرتے ہیں کہ جو دیرپا ہو، اور اس میں تغیر و فساد مدت کے بعد پیدا ہو، چنانچہ چولہے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے اسی لیے خَوَالِدُ کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قائم رہتے ہیں، عالم آخرت کے لیے جہاں خُلُوْدٌ کا استعمال ہوتا ہے، وہاں اس کے اصلی معنی ہیں تمام اشیاء کا اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنا۔'' (لغات القرآن، ج۲، ص ۳۲۲)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ (الانبیا:34) ''اور خلود فی الجنۃ اور خلود فی النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا اہل جنت کے تنعّم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۲۳)۔ جنت بھی ہمیشہ رہے گی، جنتی بھی ہمیشہ رہے گا اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۚ﴾ (26/الشراء:129) ''اور تم لوگ بناتے ہو قلعے شائد کہ تم لوگ ہمیشہ رہو گے۔'' ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ (50/ق:34) ''یہ دن ہمیشگی کا ہے۔''

**خَالِدٌ**: ج: خَالِدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ رہنے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (2/البقرہ: 82) ''وہ لوگ جنت والے ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں۔''

**خُلْدٌ**: اسم ذات ہے۔ دوام۔ ہمیشگی۔ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ﴾ (10/یونس:52) ''پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا تم لوگ چکھو ہمیشگی کا عذاب۔''

(افعال) **اِخْلَادًا**: یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی ''سدا رہنا، ہمیشہ رہنا'' بھی ہیں اور ''کسی کو دوام بخشنا، ہمیشگی دینا'' بھی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴾ (الھمزۃ:3) اس آیت مبارکہ میں اَخْلَدَهٗ کے دونوں طرح ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ''خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا کو رہے گا اس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اُسے لافانی بنا دیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اَخْلَدَهٗ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا'' یعنی یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔''

اس فعل کے ساتھ جب 'اِلٰی' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی طرف مائل ہونا۔ کسی ایک طرف جھک جانا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ﴾ (7/الاعراف:176) ''اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اُس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''اَخْلَدَ کا صلہ جب اِلٰی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا۔''

(تفعیل) تَخْلِیْدًا کسی کو ہمیشگی دینا۔ ہمیشہ کیلئے بنانا۔

مُخَلَّدٌ ج: مُخَلَّدُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ ہمیشہ کیلئے بنایا ہوا۔ ہمیشگی دیا ہوا۔ ﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴾
(56/واقعہ:17) ''طواف کریں گے ان پر ہمیشگی دیئے ہوئے لڑکے۔''

**ترکیب** بَشِّرْ فعل امر ہے۔ آگے اَلَّذِيْنَ سے ملانے کے لئے اسے کسرہ دی گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ (موصول) اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (صلہ) یہ پورا جملہ، موصول اور صلہ مل کر، بَشِّرْ کا مفعول اول ہے۔ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ، وہ بشارت ہے جسے دینے کا حکم ہے۔ اس طرح یہ بَشِّرْ کا مفعول ثانی ہے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ میں جَنّٰتٍ مبتداء موخر نکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ محذوف ہے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، یہ جملہ جَنّٰتٍ کی صفت اول ہے۔ تَجْرِيْ فعل ہے، اَلْاَنْهٰرُ اس کا فاعل اور مِنْ تَحْتِهَا متعلق فعل ہے۔ تَحْتِهَا میں هَا کی ضمیر جَنّٰتٍ کے لئے ہے۔

كُلَّمَا حرف شرط ہے رُزِقُوْا سے لے کر رِزْقًا تک بیان شرط ہے اور قَالُوْا سے لے کر مُتَشَابِهًا تک جواب شرط ہے۔ یہ پورا جملہ شرطیہ جَنّٰتٍ کی دوسری صفت ہے۔

رُزِقُوْا ماضی مجہول ہے لیکن شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں هَا کی ضمیر جنت کے لئے ہے۔ مِنْ ثَمَرَةٍ متعلق ہے رِزْقًا سے اور رِزْقًا مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا۔ دوسری صورت میں مِنْ ثَمَرَةٍ مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا جو اصل میں ثَمَرَةً تھا، مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں چلا گیا اس لیے محلاً منصوب ہے۔ اور رِزْقًا مفعول لَهٗ ہے۔ (واللہ اعلم) آگے هٰذَا مبتدا ہے اور الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ موصول اور صلہ مل کر خبر ہے۔

اُتُوْا بِهٖ کو سمجھ لیں۔ اَتٰی۔ يَاْتِيْ (آنا) فعل لازم ہے جس کا مجہول نہیں آتا۔ لیکن جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آئے تو یہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی چیز لانا یا کسی کو کوئی چیز دینا۔ اس صورت میں اس کا مجہول استعمال ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اُتُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ بِهٖ جار مجرور اس کے متعلق ہیں اور 'ہ' ضمیر ثمرۃ کے لیے ہے اور متشابھًا، اس کا حال ہے۔ یعنی وہ پھل جو انہیں دیے جائیں گے وہ باہم ملتے جلتے ہوں گے۔ یہاں اُتُوْا بِهٖ ''دینا'' کے معنوں میں ہے اور ہمارے بزرگوں نے تراجم بھی اسی طرح کیے ہیں مثلاً ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا'' (ترجمہ ضیاء القرآن) وغیرہ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یہ مرکب توصیفی مبتداء موخر نکرہ ہے۔ جبکہ لَهُمْ فِيْهَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ هُمْ مبتدا، فِيْهَا متعلق خبر اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔

| ترجمہ | وَبَشِّرِ | الَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا | وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:25 | اور آپ ﷺ بشارت دیجئے | ان لوگوں کو جو | ایمان لائے | اور نیک عمل کیے |

| اَنَّ | لَهُمْ | جَنّٰتٍ | تَجْرِيْ | مِنْ تَحْتِهَا | الْاَنْهٰرُ |
|---|---|---|---|---|---|
| کہ | ان کیلئے | باغات ہیں | بہتی ہیں | جن کے نیچے سے | نہریں |

| كُلَّمَا | رُزِقُوْا | مِنْهَا | مِنْ ثَمَرَةٍ | رِّزْقًا | قَالُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| جب بھی | ان کو دیا جائے گا | اس میں | کوئی پھل | کھانے کو | وہ لوگ کہیں گے |

| ھٰذَا الَّذِیۡ | رُزِقۡنَا | مِنۡ قَبۡلُ | وَ اُتُوۡا بِہٖ | مُتَشَابِہًا |
|---|---|---|---|---|
| یہ ہے جو | ہم کو دیا گیا | (اس) سے پہلے | اور انہیں دیا جائے گا وہ (پھل) | باہم ملتا جلتا |

| وَ لَھُمۡ فِیۡھَاۤ | اَزۡوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ | وَّ ھُمۡ | فِیۡھَا | خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾ |
|---|---|---|---|---|
| اور ان کے لیے ہیں اس میں | پاک کیے ہوئے جوڑے | اور وہ لوگ | اس میں | ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں |

**نوٹ** حروف اِنَّ ۔اَنَّ ۔اَنۡ اور اِنۡ کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

(1) اِنَّ کے معنی ہیں ''بیشک'' جبکہ اَنَّ کے معنی ہیں ''کہ''۔ یہ دونوں حروف اسم پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں اپنے اسم کو منصوب کرتے ہیں۔

(2) اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے جبکہ اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔ البتہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ''کہ'' ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا استثناء یہ ہے کہ اگر خبر پر لام تاکید (لام مزحلقہ) آرہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کی بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ''کہ'' کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ المنافقون کی پہلی آیت: ﴿اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَكٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾﴾۔

(3) اَنۡ کے معنی ہیں ''کہ'' جبکہ اِنۡ کے معنی ہیں ''اگر''۔ یہ دونوں حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ اَنۡ مضارع کو منصوب کرتا ہے جبکہ اِنۡ مضارع کو مجزوم کرتا ہے۔ اَنۡ مفسرہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں کہنے کے معنی پائے جائیں خواہ کہنے کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے کہ ﴿فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡكَ﴾ (المومنون:27) ''پھر ہم نے اس کو حکم بھیجا یہ کہ تو کشتی بنا۔'' یا دلالت معنوی جیسے ﴿وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا﴾ (صٓ:6) ''اور ان میں سے کئی سردار چل کھڑے ہوئے کہ چلو۔'' یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

## آیت: 26

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡىٖۤ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَيَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِيۡنَ ۙ﴿۲۶﴾﴾

| اِنَّ: البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔ | اَللّٰہُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
|---|---|

### ح ی ی

(س) (ا) حَیَاءً شرمانا۔ حیا کرنا۔

(ب) حَیَاۃً زندہ ہونا۔ زندہ رہنا۔ ﴿لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ﴾ (8/الانفال:42) ''تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔'' ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۷۴﴾﴾ (20/طٰہٰ:74) ''تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے، نہ وہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔''

حَیٰوۃٌ اسم ذات ہے۔ زندگی۔ ﴿الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (67/الملک:2) ''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ آزمائے تم لوگوں کو کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے بلحاظ عمل کے۔''

حَیَوَانٌ اسم ذات ہے۔ اصل زندگی۔ حقیقی زندگی جس کے بعد موت نہیں۔ یہ ح ی ی (س) کا مصدر بھی ہے اور حَیَاۃٌ سے زیادہ

بلیغ اور پرزور بھی ہے۔اصل میں فَعَلَانٌ کے وزن پہ حَیَیَانٌ تھا۔یائے ثانی کو وٗ میں تبدیل کر دیا۔یہ قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے مندرجہ ذیل آیت میں۔﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ﴾ (29/العنکبوت:64)''اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جس کے بعد موت نہیں)۔''

**حَیٌّ** ج: اَحْیَاءٌ۔اسم صفت ہے۔زندہ۔﴿وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ﴾ (3/آل عمران:27) ''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ میں سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ میں سے۔'' ﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾ (35/فاطر:22)''اور برابر نہیں ہیں زندہ اور مردہ۔'' حَیٌّ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جو ہمیشہ سے زندہ ہے، اب بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اَلْحَیُّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (2/البقرۃ:255)''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

**حَیَّةٌ** ج: حَیَّاتٌ۔اسم جنس ہے۔ہر قسم کا سانپ۔مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿19﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿20﴾﴾ (20/طٰہٰ:19-20)''اللہ تعالیٰ نے کہا تو ڈال دے لاٹھی کو اے موسیٰ، تو انہوں نے ڈالا اس کو، پھر اُسی وقت وہ لاٹھی سانپ بن گئی دوڑتی ہوئی۔''

**مَحْیَا** (1) اسم ظرف زمان ہے۔زندہ رہنے کا زمانہ، عرصۂ حیات۔(2) مصدر میمی ہے مطلب ہے ''جینا''۔﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ﴾ (45/الجاثیہ:21)''کہ ہم بنا دیں گے ان کو ان کی مانند جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، برابر یعنی ایک جیسا، ان کا جینا اور اُن کا مرنا۔''

**حَیَّ** اسم فعل ہے۔غفلت سے جاگو۔متوجہ ہو۔آؤ۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**یَحْیٰی** اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام۔﴿وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿85﴾﴾ (6/الانعام:85)''اور زکریاؑ کو اور یحییٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور الیاسؑ کو (ہم نے ہدایت دی) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔''

(تفعیل) **تَحِیَّةٌ** کسی کو زندگی دینا۔درازی عمر کی دعا دینا۔سلام کرنا۔وہ کلمہ جس کے ذریعے سے کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا خوش آمدید یا اھلاً و سھلاً وغیرہ ﴿وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ﴾ (58/المجادلہ:8)''اور جب آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کو اُن لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تَحِیَّةٌ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تحیہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو ''حَیَّاكَ اللّٰهُ'' کہنا، یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے۔قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ''حیّاك الله'' یا ''اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَیْنًا'' یا اَنْعِمْ صَبَاحًا وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنے کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۵۰۱)۔پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تحیة باب تفعیل کا مصدر ہے۔اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دعا دینا ہے۔واصل التحیة الدعاء بالحیاۃ (قرطبیؒ) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات اللہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۷۳)۔علامہ عثمانیؒ سورہ ابراہیم، آیت 23 تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ کے تحت فرماتے ہیں: ''حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں ''سلام'' دعاء ہے سلامتی مانگنے کی وہاں (یعنی جنت میں) ''سلام'' کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔''

حَیِّ — فعل امر ہے۔ تو دعا دے۔ تو سلام کر۔ ﴿ وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ ﴾ (4/النساء:86) ''اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اُس سے یا (کم از کم) دہرا دو وہی لفظ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِحۡیَاءً — زندہ کرنا۔ ﴿ وَاللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ ﴾ (16/النحل:65) ''اور اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس نے زندہ کیا اس سے یعنی پانی سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔'' نوٹ کر لیجئے کہ مضارع معروف یُحۡیِیۡ کو قرآنِ مجید میں ایک 'ی' اور کھڑی زیر کے ساتھ یُحۡیٖ لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے باقی صیغے لکھے جاتے ہیں مثلاً اُحۡیٖ، نُحۡیٖ وغیرہ۔ اگر آگے ملانا ہو تو ایک ی اور زیر کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے یُحۡیِ اللّٰہُ یانُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وغیرہ۔ اگر اس کے بعد ضمیر ہو تو پھر دو 'ی' کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے یُحۡیِیۡکُمۡ۔ اور اگر مضارع منصوب ہو تو اصل شکل یُحۡیِیَ بنتی ہے جس کو پھر یُحۡیِیَ لکھا جاتا ہے جیسے لِنُحۡیِیَ (الفرقان:49) (واللہ اعلم)

مُحۡیٖ — اسم الفاعل ہے۔ مذکر۔ زندہ کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ ﴾ (30/الروم:50) ''بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔''

(استفعال) اِسۡتِحۡیَاءً — زندہ رہنے دینا۔ کسی بات سے حیا کرنا۔ شرم کرنا۔ اِسۡتِحۡیَاءٌ اگر حَیَاۃٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا طَلَبُ الۡحَیَاۃِ زندگی چاہنا، زندہ رہنے دینا۔ اگر حَیَاءٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا حیاء کرنا، شرمانا، شرم کا اظہار کرنا۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ ﴿ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَیَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ ﴾ (28/القصص:4) ''وہ ذبح کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتا ان کی عورتوں کو۔'' ﴿ وَاللّٰہُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''اور اللہ شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے سے۔'' ﴿ فَجَآءَتۡہُ اِحۡدٰىہُمَا تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ ۫ ﴾ (28/القصص:25) ''اتنے میں اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کی طرف شرم وحیاء سے چلتی ہوئی آئی۔''

اِسۡتَحۡیِ — ج: اِسۡتَحۡیُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو زندہ رکھ۔ تو حیا کر۔ ﴿ قَالُوا اقۡتُلُوۡۤا اَبۡنَآءَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ وَاسۡتَحۡیُوۡا نِسَآءَہُمۡ ؕ ﴾ (40/المومن:25) ''ان لوگوں نے کہا تم لوگ قتل کرو ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائیں اس کے ساتھ اور زندہ رکھو ان کی عورتوں کو۔''

| |
|---|
| اَنۡ: البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ض ر ب |

(ض) ضَرۡبًا — عربی زبان کا یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم ہے، ''ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا''۔ چونکہ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اس لیے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً

(1) مارنا۔ ﴿ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَاَدۡبَارَہُمۡ ۚ ﴾ (8/الانفال:50) ''وہ یعنی فرشتے مارتے ہیں انکے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر۔'' جس چیز کے ساتھ مارا جائے اس پر 'ب' کا صلہ آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:60) ''تو ہم نے کہا آپ ماریں اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو۔''

(2) چلنا۔ سفر کرنا، کیونکہ انسان چلتے وقت زمین پر پاؤں رکھتا ہے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ عام طور پر ''فِیۡ'' کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ ﴾ (4/النساء:101) ''اور جب بھی تم لوگ سفر کرو زمین میں تو تم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم لوگ قصر کرو نماز میں۔'' ﴿ لَا

یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ﴾(2/البقرۃ:273)''وہ زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔''﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ﴾(20/طٰہٰ:77)''اوراُن کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لیجئے۔''

(3)ایک چیز کودوسری چیز پر لازم کردینا،مسلط کردینا، چسپاں کردینا یاتھوپ دینا۔اس صورت میں عموماً''عَلٰی'' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔جیسے فرمایا:﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ﴾(2/البقرۃ:61)''اورتھوپی گئی ان لوگوں پر ذلت۔''﴿وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾(3/آل عمران:112)''اوران پر محتاجی ومغلوبی مسلط کر دی گئی۔''﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾(18/الکہف:11)''سوہم نے غار میں اُن کے کانوں پر سالہا سال تک (نیندکا) پردہ ڈالے رکھا۔''یعنی اُن کے کانوں پر نیند کا پردہ مسلط کر دیا گیا اوراُن کے کان بند کر دیے تاکہ کوئی آواز اُن کی نیند میں خلل پیدا نہ کرے۔

(4)بنانا۔ایک اینٹ کودوسری اینٹ پرلگانا۔﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ ﴾(57/الحدید:13)''توبنادی گئی ان کے مابین ایک دیوار۔''

(5)ضَرَبَ مَثَلًا کا مطلب ہے مثال دینا۔بیان کرنا۔کسی ایک بات سے دوسری بات کوواضح کرنا۔﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ﴾(24/النور:35)''اوراللہ بیان کرتا ہے مثالیں لوگوں کے لئے۔''ضرب المثل مشہورلفظ ہے۔

(6)منہ پھیرلینا۔نظرانداز کردینا۔اس صورت میں عام طور پر 'عَنْ' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ضَرَبْتُ عَنْهُ کا مطلب ہے میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں اس سے رُک گیا۔﴿ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴾(43/الزخرف:5)''کیا پھیردیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیرلے اوراسے نظرانداز کردے توعرب کہتے ہیں ''قَدْ ضَرَبْتُ عَنْهُ صَفْحًا اِذَا اَعْرَضْتُ عَنْهُ وَ تَرَكْتُهُ''(قرطبیؒ) علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ نُهْمِلُكُمْ وَلَا نُعَرِّفُكُمْ مَا يَجِبُ عَلَيْكُمْ لِاَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ اَیْ لِاَنْ اَسْرَفْتُمْ(لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کو نظرانداز کردیں گے اور تمہیں ان فرائض و واجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پر لازمی ہے اور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگر ہو ''صَفْحًا'' کے متعلق علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ نَضْرِبُ کا مفعول مطلق ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔اسے مفعول لہٗ اورحال بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔اس وقت صَفْحًا صَافِحِيْنَ کے معنی میں ہوگا۔

(روح المعانی، بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۴۰۱)۔

| |
|---|
| مَثَلًا(م ث ل):البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ب ع ض |

(س) بَعْضًا مچھر سے تکلیف پہنچنا۔

بَعْضٌ کسی چیز کا جز یا حصہ۔﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ﴾(2/البقرۃ:73)''توہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم لوگ مارو اس کو یعنی مقتول کو اس کے یعنی گائے کے ٹکڑے سے۔''﴿ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾(29/العنکبوت:25)''اورلعنت کریں گے تم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں پر۔''

بَعُوْضٌ اسم جنس ہے۔ مچھر۔ بَعُوْضَةٌ ۔ایک مچھر۔ مچھر کا بچہ۔ یہ بَعْضٌ سے مشتق ہے، چونکہ تمام حیوانات کی بہ نسبت اس کا جسم ذرا سا ہوتا ہے اس لیے اس کو ''بَعُوْضَةٌ'' کہنے لگے۔

**ف و ق**

(ن) فَوْقًا بلند ہونا۔ اوپر ہونا۔

فَوْقٌ ظرف بھی ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مفاہیم بھی متعدد ہیں۔ (1) کسی کے اوپر ﴿وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ﴾ (2/البقرہ:63) ''اور ہم نے بلند کیا تمہارے اوپر طور کو''۔ اس صورت میں اس کی ضد تحت ہے جس کے معنی نیچے کے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ (6/الانعام:65) ''کہہ دو کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اُوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔'' فَوْقَ اگر حالت جر میں ہو تو عموماً اس کے معنی ''اوپر یا اوپر سے'' مراد ہوتے ہیں جیسے: مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ، مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ، مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ، وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا، عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ۔

(2) کسی جگہ سے بلند سطح یا بلندی کی جانب سے۔ ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ (33/الاحزاب:10) ''جب وہ لوگ آئے تمہارے پاس تم سے بلند جگہ سے اور تم سے پست جگہ سے''۔ اس صورت میں اس کی ضد اسفل آتی ہے یعنی پستی کی جانب سے۔

(3) گنتی میں زیادہ۔ ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ﴾ (4/النساء:11) ''پھر اگر ان کی لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں۔''

(4) جسامت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ اس آیت مبارکہ میں فَوْقَهَا کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں یعنی مچھر یا مچھر سے بڑی چیز (جیسے مکھی یا مکڑی) یا چھوٹی چیز (جیسے مچھر کا پر یا بازو جیسے بعض احادیث میں آیا بھی ہے)۔

(5) حقارت اور ذلت میں زیادہ۔ آیت زیر مطالعہ میں ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ میں فَوْقَهَا سے بعض بزرگوں نے ''حقارت میں زیادہ ہونا'' معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی مچھر اور مچھر سے بھی زیادہ حقیر چیز۔ (واللہ اعلم)

(6) رُتبہ اور فضیلت میں زیادہ۔ ﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾ (43/الزخرف:32) ''اور ہم نے بلند کیا ان میں سے کچھ لوگوں کو رتبہ میں زیادہ کچھ لوگوں سے۔''

(افعال) اِفَاقَةً (1) بے ہوشی یا غشی کے بعد ہوش میں آنا۔ مرض کے بعد قوت پانا۔ صحت یاب ہونا۔ ﴿وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ (7/الاعراف:143) ''اور گرے موسیٰؑ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش آیا تو کہا پاکی تیری ہے۔''

(2) دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا۔

فَوَاقٌ درمیانی وقفہ۔ وہ وقفہ جو دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔ دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد پھر بچے کو پینے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اُتر آتا ہے۔ اور دودھ دوہنے والا بچے کو ہٹا کر خود

دوبارہ دودھ لیتا ہے۔ اس درمیانی وقفے کا نام اصل لغت میں فواق ہے اور بعض کے نزدیک اس کے معنی سکون، راحت اور افاقہ کے ہیں (واللہ اعلم)۔ ﴿ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴾ (38/ص:15) ''انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔'' یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

| اَمَّا |
|---|

اَمَّا حرف ہے جو کسی اجمال کی تفصیل کے لیے آتا ہے اور اَحَدُ الشَّيْئَيْنِ (دو چیزوں میں سے ایک) کے معنی دیتا ہے۔ یہ کلام میں دوبار استعمال ہوتا ہے۔ اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے اس لیے اس کے جواب پر کلمہ 'ف' آتا ہے۔ اَمَّا کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مبتدا اور جس پر 'ف' آئے وہ خبر ہوتی ہے۔

اَمَّا کبھی کلام کی ابتداء کے لیے بھی آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ كَذَا۔

| اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ يَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
|---|

| ح ق ق |
|---|

(ن۔ض) **حَقًّا** کسی چیز یا بات کا کسی چیز یا بات کے مطابق اور موافق ہونا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) ثابت ہونا یعنی کسی چیز کا دعویٰ کے مطابق ہونا۔ ﴿ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:16) ''اور جب کبھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم حکم دیتے ہیں اس کے خوشحال لوگوں کو، پھر وہ حکم عدولی کرتے ہیں اس میں، تو ثابت ہوتی ہے بات اس بستی پر، تو ہم تباہ کرتے ہیں اس کو جیسے تباہ کرنے کا حق ہے۔'' (2) سچ ہونا یعنی کسی دعوے کا چیز کے مطابق ہونا۔ ﴿ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴾ (37/الصافات:31) ''تو سچ ہوا ہم پر ہمارے رب کا فرمان، بیشک ہم چکھنے والے ہیں یعنی عذاب چکھنے والے ہیں''۔ (3) بامقصد ہونا یعنی کسی چیز کا اس کے مقصد کے مطابق ہونا۔ (4) واجب اور لازم ہونا۔ جو چیز ثابت ہو، سچ ہو اور بامقصد ہو، اسے لازم ہونا چاہیے۔ ﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ ﴾ (39/الزمر:19) ''تو کیا جس پر لازم ہوا عذاب کا فرمان۔'' ﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (30/الروم:47) ''اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔''

**حُقَّ** ماضی مجہول ہے۔ اُس پر لازم ہوا۔ اُس پر ثابت ہوا۔ ﴿ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴾ (84/الانشقاق:2) ''اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اُس پر فرض بھی یہی ہے۔''

**حَقٌّ** اسم ذات بھی ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْحَقُّ لِلْفِعْلِ وَالْقَوْلِ: اَلْوَاقِعُ بِحَسْبِ مَا يَجِبُ وَ قَدْرِ مَا يَجِبُ وَفِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يَجِبُ۔ یعنی وہ قول یا عمل حق ہے جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں خود قرآن میں فرمایا گیا: ﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ (آل عمران:3) ''اُتاری تجھ پر کتاب سچی۔'' اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق، نہایت بروقت، سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔'' حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ ایک صحیح اور سچی اور مطابق عدل وانصاف اور مطابق حقیقت بات، خواہ وہ عقیدہ وایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا کے معاملات سے دوسرے، وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہو، خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا حق یا خود اپنے نفس کا حق۔'' (تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۴۵۳)۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ لفظ ''حق'' کئی طرح استعمال ہوتا ہے جس کی مختصر سی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) ثابت شدہ حقیقت، ثابت شدہ سچائی، ٹھیک بات۔ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ﴾ (2/البقرۃ:144) ''اور جن کو ملی ہے کتاب وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے اُن کے رب کی طرف سے۔''

(2) ہر وہ چیز جو با مقصد ہو اور حکمت کے تحت بنائی گئی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہر کام حق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ﴾ (10/یونس:5) ''نہیں پیدا کیں اللہ نے یہ چیزیں مگر با مقصد۔'' ﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ﴾ (6/الانعام:73) ''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ۔'' یعنی یہ تخلیق پُر حکمت اور با مقصد ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مراد ہوتا ہے وہ ہستی جو حکمت کے تحت چیزوں کو ایجاد کرے۔ اسی لیے اَلۡحَقُّ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿فَذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمُ الۡحَقُّ ۚ﴾ (10/یونس:32) ''سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔'' ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰىہُمُ الۡحَقِّ ؕ﴾ (6/الانعام:62) ''پھر وہ سب واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں اس طرح اعتقاد رکھنا جیسا کہ فی الحقیقت وہ ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جزا و سزا، جنت و دوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔ ﴿فَہَدَی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِہٖ ؕ﴾ (2/البقرۃ:213) ''پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔''

(5) ثابت شدہ لازم چیز۔ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ (3/آل عمران:102) ''اے لوگو تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا، جیسا اسکا تقویٰ لازم ہے۔''۔ ﴿وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ﴾ (17/بنی اسرائیل:26) ''اور تو دے قرابت والے کو اسکی ثابت شدہ لازم چیز یعنی اس کا حق۔''

**حَقِیۡقٌ** سزاوار، لائق، ثابت، قائم۔ حَقٌّ سے بروزن فَعِیۡلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ﴿حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ﴾ (7/الاعراف:105) ''قائم ہوں اس بات پر کہ نا کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے۔'' اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''اکثر مفسرین نے حقیق کے معنی جدیر (لائق) کے لیے ہیں۔ اسی لیے ''علٰی'' کو بمعنی ''با'' لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہ ہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں بعض نے ''حقیق'' کو بمعنی ''حریص'' لیا ہے لیکن مترجم محقق رحمۃ اللہ نے ''حقیق'' کو ''قائم وثابت'' کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم وکاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب وتخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔'' بعض قرأتوں میں حَقِیۡقٌ عَلَیَّ بھی آیا ہے۔ اس کے مطابق حقیق کا معنیٰ 'واجب' ہوگا۔ یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے 'واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قرآن مجید میں حقیق ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں۔

**حَاقٌّ** فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل۔ ثابت، سچا، لازم ہونے والا۔

**حَاقَّۃٌ** حاقٌّ کی مونث۔ ثابت، سچی، لازم ہونے والی۔﴿ اَلْحَآقَّۃُ ۝ مَا الْحَآقَّۃُ ۝ ﴾(69/العنکبوت:1-2) ''ثابت ہونے والی، کیا ہے ثابت ہونے والی یعنی قیامت۔'' الحاقہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے استعمال سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لیے جنت اور کفار کے لیے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۸ص ۵۴۵)۔

**اَحَقُّ** افعل التفضیل ہے۔ زیادہ حقدار۔﴿ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ﴾(2/البقرہ:247) ''اور ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں سلطنت کے۔''

(افعال) **اِحْقَاقًا** ثابت کرنا۔﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾(10/یونس:82) ''اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔''

(استفعال) **اِسْتِحْقَاقًا** حق دار ہونا۔ مستحق ہونا۔﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ﴾(5/المائدۃ:107) ''پھر اگر پتہ چل جائے کہ وہ دونوں مستحق ہوئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں اُن دونوں کی جگہ پر اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبایا گیا جو زیادہ قریب ہوں میت کے۔''

رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ كَفَرُوْا (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ يَقُوْلُوْنَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

## ر و د

(ن) **رَوْدًا** نرمی کے ساتھ بار بار کسی چیز کی طلب میں گھومنا۔ چلنا پھرنا۔

**رُوَيْدٌ** رُوَیْدٌ دراصل اِرْوَادٌ کی تصغیر ہے اور اس کے معنی ہیں ''کسی کو تھوڑی تھوڑی مہلت دیتے جانا۔'' یا ''آہستہ آہستہ، چپکے چپکے کسی کی رسی دراز کرتے جانا تاکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے۔''﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾(86/الطارق:17) ''سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پس آپؐ کفار کو تھوڑی سی مہلت اور دے دیں، کچھ وقت اُنہیں کچھ نہ کہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''رُوَیْدٌ، اِرْوَادٌ سے حروفِ زوائد کو حذف کر کے رُوَیْدٌ اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں یہ راودت الریح و تَرَوَّدَ رَوْدًا سے ماخوذ ہے جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ ہمیشہ مصغّر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص ۵۳۸)۔ اور رُوَیْدٌ قرآن مجید میں صرف ایک ہی دفعہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

(افعال) **اِرَادَۃً** طلب کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ارادہ کرنا۔ ارادہ نام ہے اس قوت کا جس میں خواہش، ضرورت اور آرزو کے ملے جلے جذبات ہوں۔ اس کا مرکز دل ہے۔ صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''ارادہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد 'لِ' آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد 'اَنْ' آتا ہے مثلاً ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾(33/الاحزاب:33) ''اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔''﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾(9/التوبۃ:55) ''اللہ تو بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔''﴿ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾

(4/النساء:27)''ہاں، اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔''﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ ﴾(25/الفرقان:62)''اور وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے، اس کے لئے جو چاہے کہ وہ یاددہانی حاصل کرے۔'' اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کا فیصلہ کرنا جیسے فرمایا:﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ﴾(33/الاحزاب:17)''یعنی اگر اللہ تمہاری برائی کا فیصلہ کرے یا تم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے۔'' یا کسی کام کا حکم دینا۔﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾(2/البقرۃ:188)''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ۔ ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں دیوار کے متعلق فرمایا:﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ﴾(18/الکھف:77)''تو وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ تو اس نے اسے ٹھیک کر دیا۔'' اور عربی زبان میں کہا جاتا ہے فَرَسِیْ تُرِيْدُ التِّبْنَ میری گھوڑی بھوسہ کھانا چاہتی ہے۔(واللہ اعلم)

(مفاعلہ) رِوَادًا، مُرَاوَدَةً کسی کو پھسلانا، بہکانا۔ کسی کو ایسے کام کے لیے آمادہ کرنا جس کو کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو۔ عربی میں کہتے ہیں رَاوَدْتُ فُلَانًا عَنْ كَذَا میں نے اس کو اس کام سے پھسلانے کی کوشش کی۔ عام طور پر اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾(12/یوسف:26)''یوسفؑ نے کہا: یہی مجھے پھسلانے کی کوشش کر رہی تھی۔''﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ ﴾(54/القمر:37)''اور یقیناً انہوں نے پھسلایا اس کو یعنی حضرت لوطؑ کو ان کے مہمان کے بارے میں تو ہم نے مٹا دیا ان کی آنکھوں کو۔''

يُضِلُّ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔

ک ث ر

(ک) كَثُرَةً تعداد اور مقدار میں زیادہ ہونا۔ فضیلت میں زیادہ ہونا۔﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ﴾(4/النساء:7)''اس میں سے جو کم ہو اس میں یا زیادہ ہو۔''

كَثْرَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ کثرت۔﴿لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾(5/المائدہ:100)''برابر نہیں ہوتے خبیث اور پاکیزہ چاہے بھلی لگے تجھ کو خبیث کی کثرت۔''

اَكْثَرُ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تر۔ اکثریت۔﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾(7/الاعراف:187)''اور لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔''

كَثِيْرٌ (ضد قَلِيْلٌ)۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بمعنی زیادہ۔ مقدار اور تعداد دونوں صورتوں میں آتا ہے۔ اس کا استعمال عام ہے۔ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾(2/البقرۃ:269)''اور جسے حکمت عطا کی گئی۔ اسے گویا بہت بھلائی دے دی گئی۔'' مذکورہ آیت میں كَثِيْرٌ کا استعمال مقدار کے لیے معنوی طور پر ہوا ہے اور درج ذیل آیت کے ٹکڑا میں اس کا استعمال حسی طور پر ہے اور تعداد کے لیے ہے۔﴿فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾(57/الحدید:27)''تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے انہیں ہم نے ان کا بدلہ دیا۔ اور زیادہ تو ان میں سے نافرمان ہی

تھے۔‘‘ اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

**کَثِیْرَۃٌ** کَثِیْرٌ کا مونث۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ط﴾ (2/البقرۃ:245) ’’تم میں کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔‘‘

**کُثْرٌ** کسی چیز کی بہتات۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**کَوْثَرٌ** کوثر، کُثْرٌ یا کَثْرَۃٌ سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا وزن فَوْعَلٌ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے عرب کوثر کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ط﴾ (108/الکوثر:1) ’’بیشک ہم نے عطا کیا آپؐ کو بے انتہا۔‘‘ علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں جو کہ کتب تفاسیر میں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں اور یہ لفظ دنیا اور آخرت، دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔‘‘

(افعال) **اِکْثَارًا** زیادہ کرنا۔ ﴿فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ ﴾ (89/الفجر:12) ’’پھر انہوں نے زیادہ کیا اس میں فساد کو۔‘‘

(تفعیل) **تَکْثِیْرًا** بتدریج زیادہ کرنا۔ ﴿وَاذْکُرُوْٓا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَّرَکُمْ ص﴾ (7/الاعراف:86) ’’اور یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے تھے تو اس نے زیادہ کیا تم لوگوں کو۔‘‘

(تفاعل) **تَکَاثُرًا** تکاثر کے تین معنی ہیں: (1) زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ کثرت میں تمام فوائد و منافع، مال و دولت، سامان عیش، اسباب لذت، وسائل قوت و اقتدار، اولاد، سب شامل ہیں۔

(2) کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

(3) کثرت پر فخر کرنا۔ ﴿وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ط﴾ (57/الحدید:20) ’’اور ایک دوسرے پر فخر کرنا تمہارے مابین اور ایک دوسرے سے زیادہ ہونے کی کوشش کرنا مال میں اور اولاد میں۔‘‘

(استفعال) **اِسْتِکْثَارًا** کسی چیز کی کثرت چاہنا۔ جمع کرنا۔ ﴿وَ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ﴾ (7/الاعراف:188) ’’اور اگر میں جانتا ہوتا غیب کو تو میں جمع کرتا بھلائی میں سے۔‘‘

| |
|---|
| یَھْدِیْ (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ف س ق**

(ن۔ک) **فِسْقًا** اور **فُسُوْقًا** فِسْقٌ کے لغوی معنی ہیں نکلنا۔ جب چوہا اپنے بل سے نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَارَۃُ مِنْ حُجْرِھَا۔ اسی طرح کھجور جب اپنے چھلکے سے باہر نکل آتی ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَ الرُّطَبُ عَنْ قَشْرِہٖ۔ شریعت کی اصطلاح میں فسق کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہو جانا۔ اطاعت کے دائرے سے باہر نکلنا۔ نافرمانی کرنا۔ اسلام سے پہلے فسق کا لفظ انسانوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف کھجور کا اپنے چھلکے سے باہر نکلنے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ انسانوں کے لیے فاسق کا لفظ قرآنِ کریم نے استعمال کیا۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ط﴾ (18/الکہف:50) ’’تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم سے۔‘‘ ﴿وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّھُمُ الْعَذَابُ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴾ (6/الانعام:49) ’’اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں ان کو عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔‘‘ (اس لفظ کی مزید تشریح آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

**فِسْقٌ** اسم ذات ہے۔نافرمانی۔﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾(6/الانعام:121)''اور تم لوگ مت کھاؤ اس میں سے جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام اور یقیناً یہ نافرمانی ہے۔''

**فُسُوْقٌ** یہ بھی اسم ذات ہے۔نافرمانی۔گناہ۔﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾(49/الحجرات:7)''اور اُس نے ناپسند بنا دیا تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو۔''﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾(49/الحجرات:11)''ایمان کے بعد فسق برا نام ہے۔''

**فَاسِقٌ** ج: فٰسِقُوْنَ: اسم الفاعل ہے۔نافرمانی کرنے والا۔﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾(49/الحجرات:6)''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے۔''﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾(3/آل عمران:82)''تو جو وعدہ سے پھرے اس کے بعد تو وہ لوگ ہی نافرمانی کرنے والے ہیں۔''

**ترکیب** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور اللہ اس کا اسم ہے۔ لَا يَسْتَحْيٖ سے لے کر فَمَا فَوْقَهَا تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔اس میں لَا نفی کا ہے اور فعل مضارع يَسْتَحْيٖ کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اَنْ حرف مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل يَضْرِبَ کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور اَنْ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اس لیے يَضْرِبَ حالت نصب میں ہے۔ مَثَلًا مفعول بِهٖ ہے يَضْرِبَ کا۔اور یہ مصدر مؤوّل،مفعول بِهٖ ہے يَسْتَحْيٖ کا۔ مَثَلًا کے آگے جو'مَا' ہے اسے''ما ابہامیہ'' کہتے ہیں۔جو نکرہ اسم کے عموم اور ابہام کو اور زیادہ کر دیتا ہے یعنی اس کے مفہوم کو اور غیر واضح کر دیتا ہے۔مثلاً عربی میں اٰتِنِيْ كِتَابًا کا مطلب ہے تم مجھے ایک کتاب دو۔ اٰتِنِيْ كِتَابًا مَّا کا مطلب ہے تم مجھے کوئی سی بھی کتاب دے دو۔چنانچہ مَثَلًا مَّا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔صاحب تفسیر ماجدی فرماتے ہیں:''مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا، مَا کے اضافے نے اس کے وصف تنکیر کو اور بڑھا دیا'' بَعُوْضَةً۔ یہ بدل ہے مَثَلًا کا۔'فَ' عطف کا ہے اور'مَا' نکرہ موصوفہ ہے۔اور فَوْقَهَا اس کی صفت ہے اور یہ'مَا'، بَعُوْضَةً پر عطف ہے۔ فَوْقَهَا میں'هَا' ضمیر بَعُوْضَةً کے لیے ہے۔فَوْقَهَا میں''فَوْقَ'' کے عموماً دو مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ایک جو مچھر سے حقارت میں بڑھ کر ہو جیسے مچھر کا پر یا بازو۔دوسرے جو جسامت میں مچھر سے بڑھ کر ہو یعنی مکھی یا مکڑی (واللہ اعلم)۔فَاَمَّا میں'فَ' استئنافیہ ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِيْنَ موصول اور اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہیں۔اور آگے جملہ فعلیہ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ، خبر ہے۔اس میں'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ يَعْلَمُوْنَ فعل مضارع اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور'هٗ' ضمیر اس کا اسم جو کہ مثال کے لیے ہے۔اور اَلْحَقُّ، اَنَّ کی خبر ہے مِنْ رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔یہ جملہ اسمیہ مفعول ہے يَعْلَمُوْنَ کا۔آگے'فَ' عطف کا ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا، موصول اور صلہ مل کر مبتدا ہیں،اور فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ سے بِهٰذَا مَثَلًا تک خبر ہے۔یاد کر لیجیے کہ اسمائے استفہام جملے میں مبتدا، فاعل، مفعول اور جن اسماء میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ خبر بن کر،استعمال ہوتے ہیں۔چنانچہ یہاں مَاذَآ،مفعول مقدم ہے اَرَادَ کا اور اللّٰهُ فاعل ہے۔ بِهٰذَا متعلق فعل ہے اور مَثَلًا تمیز ہے۔ يُضِلُّ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ بِهٖ متعلق فعل ہے اور یہ ضمیر مثال کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے۔ كَثِيْرًا مفعول ہے۔'وَ' عطف کا ہے اور يَهْدِيْ عطف ہے يُضِلُّ پر۔آگے وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ میں'وَ' استئنافیہ ہے اور'مَا' نافیہ ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔'مَا' اور اِلَّا زور دار نفی پیدا کر رہے ہیں۔ اَلْفٰسِقِيْنَ، مفعول ہے يُضِلُّ کا۔(واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:26 |

| بَعُوْضَةً | مَثَلًا مَّا | اَنْ يَّضْرِبَ | لَا يَسْتَحْيٖٓ | اِنَّ اللّٰهَ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| مچھر کے بچے کی | کوئی سی بھی مثال | کہ وہ بیان کرے | حیا نہیں کرتا | بیشک اللہ |

| فَيَعْلَمُوْنَ | فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | فَمَا فَوْقَهَا |
| --- | --- | --- |
| وہ لوگ تو جانتے ہیں | پس وہ لوگ جو ایمان لائے | یا جو اس سے بڑھ کر ہے (حقارت میں یا حجم میں) |

| اَنَّهُ الْحَقُّ | مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ | وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا | فَيَقُوْلُوْنَ |
|---|---|---|---|
| کہ یہ (مثال) صحیح ہے | ان کے رب کی طرف سے | اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا | تو وہ لوگ کہتے ہیں |

| مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ | بِهٰذَا | مَثَلًا ۘ | يُضِلُّ بِهٖ | كَثِيْرًا ۙ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ نے کیا ارادہ کیا | اس سے | بطور مثال کے | وہ گمراہ کرتا ہے اس (مثال) سے | بہتوں کو |

| وَّ يَهْدِيْ بِهٖ | كَثِيْرًا ۭ | وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ |
|---|---|---|
| اور وہ ہدایت دیتا ہے اس (مثال) سے | بہتوں کو | اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس (مثال) سے |

| اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ |
|---|
| مگر نافرمانی کرنے والوں کو |

**نوٹ۔1** اس آیت کا یہ شانِ نزول معروف ہے کہ قرآن مجید میں جب مکھی، مکڑی وغیرہ کی مثالیں دی گئیں تو مخالفین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اتنی حقیر چیزوں کی مثال دے۔ اس لئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ان کی اس بات کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔

لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی دی گئی ہے۔ مچھر جب تک بھوکا یا کم خوراک ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جب زیادہ خوراک کی وجہ سے موٹا تازہ ہوجاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ اسی طرح لوگ جب دنیا کو دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی پکڑ آجاتی ہے۔ (ابن کثیرؒ)

**نوٹ۔2** **فِسْقٌ**: صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ''فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: فسقت الرطبة عن قشرها کہ چھوہارا اپنے پوست (چھلکے) سے باہر ہوگیا اور عرف شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کرکے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں:

(1) ایک فاسق وہ ہے جو نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکرمند رہتا ہے۔

(2) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کا عادی ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکرمند بھی نہیں رہتا۔

(3) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کو اچھا عمل سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو حقیقت نہیں سمجھتا۔

پہلے دو درجے تک فاسق مومن رہتا ہے کیونکہ تصدیق قلبی جو اصل ایمان ہے اس کے دل میں موجود ہے اور صرف تیسرے درجے میں کافر ہوتا ہے۔ (تفسیر حقانی، ج ۱، ص ۴۰۴، ملخصاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اصطلاحِ شرح میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفروانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لیے لفظ فاسق کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین، کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے، (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۶۸)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے اصل معنی خروج کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے

کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ابلیس کے متعلق ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾ (18/ الکہف:50) ’’وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔‘‘ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے مختلف مدارج ہوسکتے ہیں۔ منکر چھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور بڑا بھی، اسی طرح نافرمانی معمولی درجہ کی بھی ہوسکتی ہے اور بغاوت کے درجہ کی بھی۔ چنانچہ قرآن میں یہ لفظ عام منکرات سے لے کر کفر و بغاوت تک سب کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ زیادہ تر اس کا استعمال ان بڑی نافرمانیوں ہی کے لیے ہوا ہے جن کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو اس ہلکے معنی میں ہرگز نہیں لینا چاہیے جس معنی میں اس کو عام طور پر ہمارے فقہاء اور متکلمین نے لیا ہے۔ (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۴۲)۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرہ اطاعت سے باہر نکل جائے۔ ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلام عرب میں نہیں ملتا۔ اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ۔ ص ۱۷)۔

## آیت: 27

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷﴾

**ن ق ض**

(ن) نَقْضًا: کسی بنی ہوئی چیز کو توڑنا۔ عمارت مسمار کرنا۔ رسی کا بل کھولنا۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ﴾ (16/ النحل:92) ’’اور تم لوگ مت ہو اس خاتون کی مانند جس نے توڑا اپنے سوت کو مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے۔‘‘ نقض کا لفظ معنوی طور پر کسی چیز کو توڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ۔

لَا تَنْقُضُوْا: فعل نہی ہے۔ تم لوگ مت توڑو۔ ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ (16/ النحل:91) ’’اور تم لوگ مت توڑو قسموں کو ان کی تاکید کے بعد۔‘‘

(افعال) اِنْقَاضًا: بوجھل کرنا۔ بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب کرنا یا توڑ دینا۔ کسی چیز کا لاغر اور دبلا ہونا۔ ’’ویسے لغتِ عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لادا جائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی ’’کڑکڑ‘‘ کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقاض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔‘‘ (ضیاء القرآن)۔ ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِىْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳﴾ (94/ الانشراح:2-3) ’’اور ہم نے اتارا آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے بوجھ کو جس نے بوجھل کیا آپ ﷺ کی پیٹھ کو۔‘‘

**ع ھ د**

(س) عَهْدًا: (1) مسلسل نگہداشت کرنا۔ وعدہ کرنا۔ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ﴾ (7/ الاعراف:134) ’’انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔‘‘ (2) کسی سے عہد لے کر اسے اس پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔ چنانچہ یہ لفظ تاکید کرنا۔ ذمہ دار بنانا۔ وعدہ لینا۔ کوئی کام کسی کے سپرد کرنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عام طور پر ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور تاکید کی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو کہ وہ دونوں پاک رکھیں میرے گھر کو۔'' ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ﴾ (36/یٰسین:60) ''کیا میں نے وعدہ نہیں لیا تم لوگوں سے اے آدمؑ کی اولاد کہ تم لوگ بندگی مت کرنا شیطان کی۔''

عَهْدٌ — ج: عُهُوْدٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ ایسا وعدہ جس کی مسلسل نگہداشت کی جائے۔ عہد۔ ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ﴾ (17/بنی اسرائیل:34) ''اور تم لوگ پورا کرو وعدہ کو۔'' عام طور پر عہد ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائے اور وعدہ عموماً یک طرفہ ہوتا ہے۔ 'عہد' کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ''عہد لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حفاظت اور رعایت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ وصیت، قسم اور گھر۔ گھر کو عرب عہد اس لیے کہتے ہیں کہ ہر طرف سے پھر کر انسان وہاں آتا ہے۔ اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے۔ تاریخ کو بھی عہد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے۔'' (تفسیر حقانی، ج۱، ص ۴۰۴)۔ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ عہد ان تمام معاملات و معاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص ۳۹۵)

(مفاعلہ) مُعَاهَدَةً — باہم وعدہ کرنا۔ معاہدہ کرنا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ (9/التوبۃ:75) ''اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے معاہدہ کیا اللہ سے کہ اگر وہ دے گا ہم کو اپنے فضل میں سے تو ہم لازماً خیرات کریں گے۔''

| |
|---|
| اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

| | |
|---|---|
| بَعْدُ | بعد۔ ظرف زمان ہے۔ قَبْلُ کی ضد ہے۔ اضافت اس کو لازمی ہے۔ اس کی اعرابی حالت وہی ہوتی ہے جو قَبْلُ کی ہوتی ہے۔ |

| |
|---|
| و ث ق |

(ض) ثِقَةً، وُثُوْقًا — اعتبار کرنا۔ بھروسہ کرنا۔

ثِقَةٌ — قابل بھروسہ آدمی کو کہتے ہیں۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ ثِقَةٌ اور قَوْمٌ ثِقَةٌ۔

(ک) وَثَاقَةً — بہت مضبوط ہونا۔

وَثَاقٌ — اسم ذات ہے۔ یہ وَثَاقٌ اور وِثَاقٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس رسی یا زنجیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔ بندھن، بندش۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ﴾ (47/محمد:4) ''یہاں تک کہ جب تم قتل کر چکو ان کو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو۔'' ﴿وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴾ (89/الفجر:26) ''اور کوئی نہیں جکڑے گا اس کے جکڑ جیسی۔''

مَوْثِقٌ — مَفْعِلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الظرف کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پختہ وعدہ۔ ﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ (12/یوسف:66) ''تو جب انہوں نے دیا ان کو یعنی یعقوبؑ کو اپنا پختہ وعدہ تو انہوں نے کہا اللہ ذمہ دار ہے اس کا جو ہم کہتے ہیں۔''

وُثْقٰى — اسم التفضیل ہے۔ مونث۔ بہت مضبوط۔ ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ﴾ (2/البقرۃ:256) ''تو اُس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ۔''

**مِیۡثَاقٌ** مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔ جکڑنے کی زنجیر یا رسی۔ پھر جکڑی ہوئی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور مراد اس سے ہوتا ہے وہ پختہ عہد جس کو قسموں کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہو یا لکھ کر فریقین کو معاہدہ کا پابند کر دیا گیا ہو۔ ﴿ وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکۡتُمُوۡنَہٗ ﴾(3/آل عمران:187) ''اور جب لیا اللہ نے ان کا پختہ وعدہ جن کو کتاب دی گئی کہ تم لوگ لازماً واضح کرو گے اس کو لوگوں کے لئے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) **اِیۡثَاقًا** کسی کو جکڑنا۔ مضبوط باندھنا۔ ﴿ وَّ لَا یُوۡثِقُ وَ ثَاقَہٗۤ اَحَدٌ ﴾(89/الفجر:26) ''اور کوئی نہیں جکڑے گا اُس کے جکڑ جیسی۔''

(مفاعلہ) **وِثَاقًا** باہم معاہدہ کرنا۔ کسی کو معاہدہ کا پابند کرنا۔ ایک دوسرے کو معاہدے میں جکڑنا۔ ﴿ وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ مِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ﴾(5/المآئدہ:7) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، اور اس کے پختہ عہد کو جس کا اُس نے پابند کیا تھا تم کو۔''

## ق ط ع

(ف) **قَطۡعًا** کاٹنا۔ کسی چیز کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔ جدا کر دینا۔ یہ لفظ مادی طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور معنوی طور پر بھی۔ مثلاً مادی طور پر فرمایا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ﴾(7/الاعراف:124) ''میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا۔'' اور معنوی طور پر پھر یہ بہت سے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً

(1) قَطۡعُ الرَّحِمِ کا مطلب ہے رحمی رشتوں کو کاٹ دینا یعنی رشتے داروں سے حسن سلوک نہ کرنا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ ''اور جس چیز (یعنی رشتہ، قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔''

(2) قَطۡعُ السَّبِیۡلِ یا قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کا لفظی مطلب ہے راستہ کاٹنا۔ پھر اس کے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ (ا) راستہ طے کرنا۔ ان معنوں میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے ﴿ وَ لَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ ﴾(9/التوبۃ:121) ''اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی اُن کے نام لکھا گیا۔'' (ب) راہزنی کرنا۔ راستہ گزرتے لوگوں کو لوٹنا۔ راہزنی کی وجہ سے لوگ اس راستے پر چلنا چھوڑ دیتے ہیں اور راستہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۬ۙ ﴾(29/العنکبوت:29) ''ارے تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم راہزنی کرتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کے ایک معنی قطع نسل بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی جو لوگ اپنی جنسی خواہش مردوں سے پوری کرتے ہیں وہ اپنی نسل بڑھنے کے سلسلے کو کاٹتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ عنکبوت۔ 29 میں تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''راہ مارتے ہو'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی اُن میں رائج ہوگی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یا تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔''

(3) قَطۡعُ الدَّابِرِ کا مطلب ہے کسی چیز کی جڑ کاٹ دینا۔ کسی کو نیست و نابود کر دینا۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَ قَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ﴾(7/الاعراف:72) ''اور کاٹا ہم نے ان لوگوں کی پیٹھ کو جو جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو۔''

(4) قَطۡعُ الۡاَمۡرِ کا مطلب ہے کسی کام کا حتمی فیصلہ کرنا گویا ایک شق پر فیصلہ کر کے دیگر شقوں اور احتمالات کو

کاٹ دیا۔ جیسے فرمایا: ﴿ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴾ (27/النمل:32) ''میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**اِقْطَعْ** ج: اِقْطَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کاٹ۔ ﴿ وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ (5/المائدہ:38) ''اور مرد چور ہو اور عورت چور ہو تو تم لوگ کاٹو ان کے ہاتھ۔''

**قَاطِعٌ** اسم الفاعل ہے۔ کاٹنے والا۔ ﴿ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴾ (27/النمل:32) ''میں کاٹنے والی نہیں کوئی فیصلہ یعنی قطعی یا حتمی فیصلہ کرنے والی نہیں یہاں تک کہ تم لوگ موقع پر موجود ہو۔''

**مَقْطُوْعٌ** اسم المفعول ہے۔ کاٹا ہوا۔ روکا ہوا۔ ختم ہونے والا۔ ﴿ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴾ (56/الواقعہ:32-33) ''اور کثیر میوے، نہ روکے ہوئے اور نہ منع کیے ہوئے۔''

**قِطْعٌ** اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹکڑا۔ حصہ۔ یہ لفظ واحد ہے اس کی جمع اَقْطَاعٌ ہے۔ ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ﴾ (11/ھود:81) ''تو آپ یعنی لوطؑ سفر پر روانہ ہوں اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصے میں۔''

**قِطَعٌ** ٹکڑے۔ یہ لفظ جمع ہے۔ اس کی واحد قِطْعَةٌ ہے۔ (لغات القرآن)۔ ﴿ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ﴾ (10/یونس:27) ''گویا کہ ڈھانک دیے گئے اُن کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ (13/الرعد:4) ''اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعیل) **تَقْطِيْعًا** ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تقسیم کرنا۔ حسی اور معنوی دونوں چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ (47/محمد:15) ''اور ان کو پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو''۔ ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ﴾ (7/الاعراف:160) ''اور ہم نے تقسیم کیا ان کو بارہ نسلی گروہوں میں۔''

**قُطِّعَتْ** ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ﴾ (22/الحج:19) ''ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(تفعّل) **تَقَطُّعًا** ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (لازم و متعدی) ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴾ (2/البقرہ:166) ''جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی، اور وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ان کے تعلقات۔''۔ ﴿ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ﴾ (21/الانبیاء:93) ''اور ان لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے کام کو اپنے مابین یعنی فرقے فرقے ہو گئے۔'' تَقَطَّعَ کے ایک معنی اختلاف کرنا، پھوٹ ڈالنا کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ المومنون آیت 53 ﴿ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے۔''

| ء | م | ر |
|---|---|---|

(ک) **اِمَارَةً** با اختیار ہونا۔ حاکم ہونا۔

(ن) **اَمْرًا** کسی کو کسی کام کیلئے کہنا۔ (1) حکم دینا۔ ﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ (7/الاعراف:12) ''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' جب امر 'حکم' کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ امر ہی کے صیغے میں ہو بلکہ یہ حکم خبر یا اشارہ و کنایہ سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ

نے حضرت اسمٰعیلؑ کو خواب میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بچے کی قربانی کا حکم ہے، کیونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے جب اس واقعے کو بیان کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی زبانی اس کو امر قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ (الصافات۔102) ''ابا جان آپ کیجیے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔''(2) ترغیب دینا۔ ﴿لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰىهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ﴾ (4/النساء:114) ''کوئی خیر نہیں ہے ان کے اکثر مشوروں میں سوائے اسکے جو ترغیب دے خیرات کی یا بھلائی کی۔''۔(3) مشورہ دینا ﴿یُّرِیۡدُ اَنۡ یُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ (7/الاعراف:110) ''وہ یعنی موسیٰؑ ارادہ کرتا ہے کہ وہ نکالے تم لوگوں کو تمہاری زمین سے تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔''

**اُؤمُرْ، مُرْ** فعل امر ہے۔ تو حکم دے۔ مہموز الفاء کا امر دونوں طرح آتا ہے۔ ﴿وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡهَا ؕ﴾ (20/طٰہٰ:132) ''اور تو حکم دے اپنے اہل کو نماز کا اور ثابت قدم رہ اس پر۔'' حدیث مبارک میں ہے: ''مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِيْنَ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔''

**اٰمِرٌ** ج: اٰمِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حکم دینے والا۔ ﴿الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ﴾ (9/التوبۃ:112) ''اور ترغیب دینے والے بھلائی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔''

**اَمَّارٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بطور اسم الفاعل استعمال ہوتا ہے۔ بار بار حکم دینے والا۔

**اَمَّارَةٌ** فَعَّالَةٌ کا وزن ہے۔ بار بار حکم دینے والی۔ ﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (12/یوسف:53) ''بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے۔''

**اَمْرٌ** اَمْرٌ کا لفظ عربی زبان میں بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً

(ا) بطور مصدر، جیسے اوپر لغت میں بیان کیا گیا۔ اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے حکم دینا۔

(ب) بطور اسم ذات بمعنی حکم۔ اس صورت میں اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ﴾ (3/154:) ''آپ کہہ دیجیے کل کا کل حکم اللہ کے لیے ہی ہے۔'' اور اسی معنی کے لحاظ سے اولی الامر کا مطلب ہے ''حکم والے۔'' جیسے سورۃ النساء کی آیت 59 میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''

(ج) اَمْرٌ کی جمع جب اُمُوْرٌ آئے تو بھی یہ بطور اسم ذات کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) ہر شاندار قول و فعل کو کہتے ہیں۔

(2) اختیار۔ جیسے فرمایا: ﴿یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ (3/آل عمران:154) ''وہ لوگ کہتے ہیں کیا ہمارے لئے ہے اختیار میں سے کچھ بھی۔''

(3) فرائض۔ کام۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاَوۡحٰی فِیۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:12) ''اور اس نے وحی کیا ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام (یعنی اُن کے مخصوص کام)۔'' ﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾﴾ (3/آل عمران:186) ''اور اگر تم لوگ ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔''

(4) معاملات: ﴿وَاِلَیۡهِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ﴾ (11/ھود:123) ''اور اس کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے کل کے

کل معاملات۔''

(5) اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے جیسے فرمایا: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ (7/الاعراف:54) ''آگاہ ہوجاؤ، اُسی کے لیے ہے خلق اور امر۔'' اس آیت مبارکہ میں خلق اور امر کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں پہلا مفہوم یہ کہ اس آیت مبارکہ میں خلق سے مراد ہے پیدا کرنا اور امر سے مراد ہے ان کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام دینا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے خلق سے مراد 'عالم خلق' ہے یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں شامل ہے اور امر سے مراد 'عالم امر' ہے، جہاں نہ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں صرف ''کُنْ'' کہہ دیا جاتا ہے اور چیز وجود میں آجاتی ہے۔ فرشتوں، انسانی ارواح اور وحی کا تعلق اسی 'عالم امر' سے ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:85) ''آپؐ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔''

اِمْرٌ اسم ذات ہے۔ ناپسندیدہ یا بری بات۔ خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم بات۔ ﴿ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴾ (18/الکھف:71) ''تو آیا ہے ایک ناپسندیدہ چیز کے پاس یعنی تو نے ایک بہت برا کام کیا ہے۔''

(افتعال) اِئْتِمَارًا مشورہ کرنا۔ سازش کرنا۔ ﴿ قَالَ يٰمُوْسٰى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ ﴾ (28/القصص:20) ''اس نے کہا اے موسیٰؑ بیشک سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں آپؑ کے لئے کہ وہ لوگ آپؑ کو قتل کر دیں۔''

**و ص ل**

(ض) (ا) وَصْلًا (1) ملنا (لازم)۔ ملانا، جوڑنا (متعدی)۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ (13/الرعد:21) ''اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اس کو جس کا حکم دیا اللہ نے کہ وہ جوڑا جائے۔''

(2) کسی سے تعلق رکھنا۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ (4/النساء:90) ''سوائے ان لوگوں کے جو تعلق رکھتے ہیں ایک ایسی قوم سے تمہارے اور جس کے مابین معاہدہ ہے۔''

(ب) وُصُوْلًا پہنچنا۔ اِلٰی صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے وُصُوْل اِلَی اللّٰہِ۔ ﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ﴾ (11/ھود:81) ''انہوں نے کہا اے لوطؑ بیشک ہم آپ (یعنی لوطؑ) کے رب کے رسول ہیں، یہ لوگ ہرگز نہیں پہنچیں گے آپؑ تک۔''

وَصِيْلَةٌ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کے مطابق اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی مرتبہ بھی مادہ پیدا ہوا اور پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے اس اونٹنی کو وصیلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی اور اِن کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی۔ اس اونٹنی کو وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض بزرگوں کی رائے کے مطابق عربوں میں جو بکری مسلسل مادہ بچے دینے کے بعد کسی حمل میں نر اور مادہ بچے اکٹھے دے تو وہ اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو ذبح نہ کرتے اور کہتے وَصَلَتِ الْاُنْثٰی اَخَاھَا پھر اس مادہ بکری کو نر بکرے کے ساتھ ملا کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔ یہ مادہ بکری جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ ﴾ (5/المائدۃ:103) ''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ۔''

(تفعیل) تَوْصِيْلًا ملانا۔ پہنچانا۔ رسی کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنا اور اُسے مضبوط کرنا۔ عربی زبان میں تَوْصِيْلُ الْقَوْلِ کا مطلب

ہے کسی بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ (28/القصص:51) ''اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لیے یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتبط رکھا۔''

| |
|---|
| يُفْسِدُوْنَ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**خ س ر**

(س) **خَسَارًا، خَسْرًا** راس المال میں کمی ہو جانا۔ خود نقصان اٹھانا۔ کسی کو نقصان یا گھاٹے میں ڈالنا۔ (لازم و متعدی)۔ اس کی ضد رَبِحَ (نفع ہونا) ہے۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ (10/یونس:45) ''گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو۔'' ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (7/الاعراف:9) ''اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے نفس کو۔'' اس کا استعمال مادی طور پر مال و اسباب میں کمی کے لیے بھی ہوتا ہے اور معنوی طور پر صحت، عقل، ایمان و ثواب میں نقصان کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے وہ لوگ قیامت کے روز سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے۔ اس کو قرآن مجید نے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ کہا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (39/الزمر:15) ''آپ کہہ دیجیے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں یاد رکھو کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔'' امام راغبؒ کے مطابق قرآن مجید میں جہاں خُسْرَان کا لفظ آیا ہے وہاں ایمان و ثواب میں نقصان اٹھانا ہی مراد ہے، دنیاوی کاروبار و دیگر چیزوں میں نقصان اٹھانا مراد نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

**خَاسِرٌ** ج: خَاسِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:85) ''اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔''

**اَخْسَرُ** ج: اَخْسَرُوْنَ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ گھاٹے میں ہونے والا۔ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ (11/ھود:22) ''یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔'' ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴾ (18/الکھف:103) ''آپ ﷺ کہیے کیا ہم خبر دیں تم لوگوں کو سب سے زیادہ گھاٹے میں ہونے والوں کی بلحاظ اعمال کے۔''

**خُسْرَانٌ** فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بے انتہا گھاٹا۔ ﴿اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (39/الزمر:15) ''سن لو یہ واضح طور پر بے انتہا گھاٹا ہے۔''

**خُسْرٌ** اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴾ (103/العصر:2) ''یقینا تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

**خَسَارٌ** اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴾ (35/فاطر:39) ''اور زیادہ نہیں کرتا کافروں کو ان کا کفر کرنا سوائے گھاٹے کے۔''

(افعال) اِخْسَارًا گھاٹا دینا۔ کمی کرنا۔﴿ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ ﴾(55/الرحمٰن:9)''اور تم لوگ کمی مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔''

مُخْسِرٌ ج: مُخْسِرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔کمی کرنے والا۔﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ ﴾ (26/الشعراء:181)''تم لوگ پورا بھرو پیمانے کو اور مت ہو جاؤ کمی کرنے والوں میں سے۔''

(تفعیل) تَخْسِيْرًا کسی کو گھاٹے میں ڈالنا۔نقصان پہنچانا۔ہلاک کرنا۔﴿ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ ﴾(11/ھود:63)''تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔''

**ترکیب** اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر صفت ہے گزشتہ آیت کے آخری لفظ اَلْفٰسِقِيْنَ کی۔اس لیے اَلَّذِيْنَ محلاً حالت نصب میں ہے کیونکہ اَلْفٰسِقِيْنَ ، يُضِلُّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔عَهْدَ اللّٰهِ ، يَنْقُضُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔مِيْثَاقِهٖ کی ضمیر عہد کے لیے ہے۔ يَقْطَعُوْنَ عطف ہے يَنْقُضُوْنَ پر۔'مَا' اسم موصول ہے اور مفعول ہے۔ اَمَرَ فعل ہے اور اَللّٰهُ اس کا فاعل۔ بِهٖ جار مجرور متعلق ہے اَمَرَ سے اس میں 'ہ' ضمیر اسم موصول 'مَا' کی ضمیر عائد ہے۔اردو میں عام طور پر اسکے ترجمے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اردو میں بیان کا یہ اسلوب رائج نہیں۔آگے اَنْ يُّوْصَلَ میں اَنْ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل میں مصدری معنی پیدا کردیے ہیں۔ يُّوْصَلَ مضارع مجہول ہے اور اَنْ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل 'ھُوَ' ضمیر ہے۔اور یہ مصدر مؤوّل بدل ہے۔ بِهٖ میں 'ہ' ضمیر کا یعنی وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِوَصْلِهٖ (درویش) یعنی ''اور وہ لوگ کاٹتے ہیں اُسے، حکم دیا اللہ نے جس کے جوڑنے کا۔'' آگے يُفْسِدُوْنَ عطف ہے يَقْطَعُوْنَ پر فِي الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا۔ هُمُ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلْخٰسِرُوْنَ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**
البقرۃ:27

| وَيَقْطَعُوْنَ | مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ | عَهْدَ اللّٰهِ | يَنْقُضُوْنَ | اَلَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور وہ لوگ کاٹتے ہیں | اُس کو مضبوط کرنے کے بعد | اللہ کے وعدے کو | توڑتے ہیں | وہ لوگ |

| وَيُفْسِدُوْنَ | اَنْ يُّوْصَلَ | اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ | مَاۤ |
|---|---|---|---|
| اور وہ لوگ فساد کرتے ہیں | جس کے جوڑنے کا | حکم دیا اللہ نے | اسے |

| اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ | فِي الْاَرْضِ ؕ |
|---|---|
| وہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں | زمین میں |

**نوٹ:1** عَهْدُ اللّٰهِ سے مراد وہ ازلی عہد ہے جسے ''عہد الست'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو، اس دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے، جمع کر کے فرمایا تھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔اس وقت سب نے یک زبان ہو کر کہا بَلٰی یعنی کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔اس میں بڑی تاکید کے ساتھ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب اور پروردگار ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسکی ہی اطاعت کی جائے۔یہ وہ ازلی عہد ہے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا۔اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں اسی عہد کی یاد دہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتانے کے لیے آئے۔تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں عہد اللہ کی یہ ہی تفسیر کی ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرمان یا ہدایات جاری کرتا ہے، ان کو عربی محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہے۔ یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے ''مضبوط باندھ لینے کے بعد'' سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲ میں اس عہد و اقرار پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۰)

نوٹ:2 آیت مبارکہ میں یہ جو فرمایا وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ تو اس سے مراد ہے کہ وہ ان تمام تعلقات کو توڑ ڈالتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ ان تعلقات میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور وہ تعلقات بھی شامل ہیں جو ایک انسان کے اپنے گھر والوں، عزیزوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اِن تمام تعلقات کے حقوق ادا کرنے کا نام ہی اسلام ہے اور اِن میں کوتاہی کرنے سے ہی فساد برپا ہوتا ہے اسی لیے آگے فرمایا وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اور اس فساد مچانے کا لازمی نتیجہ ہے آخرت میں نقصان۔ اسی لیے آگے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 28

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾

**كَيْفَ** كَيْفَ اسمائے استفہام میں سے ہے اور کسی چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔ معنی ہوتا ہے کیسا یا کیسے۔ اسمائے استفہام جملے میں مبتداء، خبر، فاعل اور مفعول بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ کیف کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ یہ صرف خبر بنتا ہے، مبتدا نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ کیف جملے میں بطور حال بھی آتا ہے جیسے فرمایا: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق کیف استعمال ہوتو وہاں اظہارِ تعجب یا مخاطب کو تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ یا فرمایا: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وغیرہ۔

| |
|---|
| تَكْفُرُوْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| اَمْوَاتًا اور يُمِيْتُ (م و ت): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَحْيَا اور يُحْيِيْ (ح ی ی): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| تُرْجَعُوْنَ (ر ج ع): البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ |

**ترکیب** كَيْفَ اسم استفہام ہے۔ تَكْفُرُوْنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو آیت 26 میں مذکور فاسقین کے لیے ہے اور بِاللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ جملہ استفہام ہے اور كَيْفَ یہاں اظہارِ تعجب یا کافروں کو تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ وَ كُنْتُمْ میں 'وَ' حالیہ ہے اور كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور اَمْوَاتًا، کَانَ کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے اور یہ جملہ حال بیان کر رہا ہے تَكْفُرُوْنَ کی ضمیر فاعلی کا۔ فَاَحْيَاكُمْ میں 'فَ' حرف عطف ہے اور اَحْيَا فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور كُمْ اس کا مفعول ہے اس جملے کا عطف جملہ ماقبل پر ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور يُمِيْتُ فعل بافاعل اور كُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ يُمِيْتُ کی ضمیر فاعلی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس جملے کا عطف بھی جملہ ماقبل پر ہے۔ یہی ترکیب يُحْيِيْكُمْ کی ہے۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِلَيْهِ متعلق ہے تُرْجَعُوْنَ سے اور یہ حصر کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ تُرْجَعُوْنَ، مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ البقرۃ:28**

| كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ | وَ كُنْتُمْ | اَمْوَاتًا |
|---|---|---|
| تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا | حالانکہ تم لوگ | مردہ تھے |

| فَاَحْيَاكُمْ ۚ | ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ | ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ |
|---|---|---|
| تو اس (اللہ) نے زندہ کیا تم کو | پھر وہ موت دے گا تم کو | پھر وہ زندہ کرے گا تم کو |

| ثُمَّ اِلَيْهِ | تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ |
|---|---|
| پھر اس ہی کی طرف | تم لوٹائے جاؤ گے |

## آیت:29

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ؑ﴾

| |
|---|
| خَلَقَ (خ ل ق): البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ اَلْاَرْضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**ج م ع**

(ف) **جَمْعًا** متفرق چیزوں کو باہم ملا دینا۔ اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ﴾ (3/آل عمران:25) ”تو کیسا ہوگا جب ہم اکٹھا کریں گے ان کو اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ښ﴾ (75/القیامۃ:17) ”یقیناً ہم پر ہے اسکا یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اسکا پڑھنا۔“

**جَمْعٌ** تثنیہ: جَمْعَانِ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ جمع کی ہوئی چیز یعنی جماعت۔ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾ (54/القمر:45) ”شکست دی جائے گی اس جماعت کو اور وہ لوگ پیٹھ پھیریں گے۔“ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ﴾ (3/آل عمران:155) ”تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔“

**جَامِعٌ** اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ﴾ (3/آل عمران:9) ”اے ہمارے رب بیشک تو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

**مَجْمُوْعٌ** ج: مَجْمُوْعُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جمع کیا گیا۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ (11/ھود:103) ”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔“ ﴿اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ڏ﴾ (56/الواقعہ:49-50) ”بیشک اگلے اور پچھلے یعنی سب جمع کیے جانے والے ہیں۔“

**مَجْمَعٌ** اسم الظرف ہے۔ جمع کرنے کی جگہ۔ ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓي اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (18/الکھف:60) ”میں نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ میں پہنچوں دو سمندروں کو ملانے کی جگہ۔“

**جُمُعَةٌ** اور **جُمْعَةٌ** دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لفظی معنی ہے اجتماع۔ جمعہ کا دن، چونکہ اس دن سب نماز کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے جمعہ کہلاتا ہے۔ ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (62/الجمعہ:9) ”جب ندا دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف۔“

**جَمِيْعٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کُل کے کُل۔ سب کے سب۔ جماعت۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ﴾ (2/البقرۃ:38) ”ہم نے کہا تم لوگ اترو اس میں سے سب کے سب۔“ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝﴾ (54/القمر:44) ”یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔“

**اَجْمَعُ** ج: اَجْمَعُوْنَ۔ اَفْعَلُ کے وزن پر صفت ہے۔ سب۔ تمام۔ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ۙ﴾ (15/الحجر:30) ”چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔“ ﴿اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ۙ﴾ (2/البقرۃ:161) ”یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔“

(افعال) اِجْمَاعًا کسی بات یا کام پر جمع ہونا۔ اتفاق کرنا۔ پختہ ارادہ کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ (12/یوسف:102) ''اور آپ اُن کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر۔'' ﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ (12/یوسف:15) ''اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنویں میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اُنہیں اندھیرے کنویں میں ڈال دیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اسی سے ''اجماعِ امت'' ہے جو کہ اصولِ اربعہ میں سے ایک مستقل اصول ہے یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

اَجْمِعْ ج: اَجْمِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جمع کر۔ ﴿ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ﴾ (10/یونس:71) ''تو تم جمع کرلو اپنی تدبیر اور اپنے شریکوں کو۔''

(افتعال) اِجْتِمَاعًا لوگوں یا چیزوں کا جمع ہونا۔ (لازم)۔ ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾ (17/بنی اسرائیل:88) ''آپ ﷺ کہیے کہ اگر اکٹھے ہوں تمام انسان اور تمام جن اس پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مانند تو وہ نہ لاسکیں گے اس جیسا۔''

مُجْتَمِعٌ ج: مُجْتَمِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ جمع ہونے والا۔ ﴿ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴾ (26/الشعراء:39) ''اور کہا گیا لوگوں سے کیا تم لوگ جمع ہونے والے ہو۔''

| |
|---|
| اِسْتَوٰٓى اور سَوّٰى (س و ی): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَلسَّمَآءُ اور سَمٰوٰتٍ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
| كُلٌّ (ك ل ل): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ شَيْءٍ (ش ی ء): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ عَلِيْمٌ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

## ترکیب

هُوَ مبتدا ہے اور یہ ضمیر گذشتہ آیت میں مذکور لفظ اللہ کے لیے ہے۔ اَلَّذِيْ اسم موصول ہے۔ اور جملہ فعلیہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے هُوَ کی۔ خَلَقَ کا مفعول 'مَا' ہے جَمِيْعًا حال ہے اسم موصول 'مَا' کا۔ لَكُمْ، خَلَقَ سے متعلق ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِسْتَوٰٓى فعل اور اس میں شامل ضمیر ''هُوَ'' اس کا فاعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِلَى السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ فَسَوّٰىهُنَّ میں ف عطف کا ہے اور سَوّٰى فعل با فاعل اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ ضمیر هُنَّ، اَلسَّمَآءِ کے لیے ہے جو کہ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ضمیر هُنَّ جائز ہے۔ اور بعض بزرگوں کے نزدیک ''اَلسَّمَآءِ'' یہاں اسم جنس کے طور پر آیا ہے اور معناً جمع ہے۔ اس لیے ''هُنَّ'' کی ضمیر آئی ہے۔ (ماجدیؒ)۔ سَبْعَ حال یا بدل ہے، هُنَّ ضمیر کا۔ اور سَمٰوٰتٍ مضاف الیہ اور تمیز ہے۔ هُوَ۔ مبتدا، بِكُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر مقدم اور عَلِيْمٌ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## ترجمہ
البقرۃ:29

| هُوَ الَّذِيْ | خَلَقَ | لَكُمْ | مَّا فِي الْاَرْضِ | جَمِيْعًا | ثُمَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہی (اللہ) ہے جس نے | پیدا کیا | تمہارے لئے | جو کچھ زمین میں ہے | کُل کا کُل | پھر |

| اِسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ | فَسَوّٰى | هُنَّ | سَبْعَ سَمٰوٰتٍ |
|---|---|---|---|
| وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف | تو اس نے ٹھیک ٹھیک بنا دیا | اُنہیں | سات آسمان |

| وَهُوَ | بِكُلِّ شَيْءٍ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| اور وہ | ہر چیز کو | جاننے والا ہے |

**نوٹ 1:** لَكُمْ میں لام تملیک یعنی ملکیت ظاہر کرنے والا لام نہیں ہے۔ انسان اس زمین کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔ انسان خلیفہ ہے اور خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ لَكُمْ کا لام تمتع کا ہے یعنی فائدہ اٹھانے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ مفہوم ''تمہارے لئے'' یا ''تمہاری خاطر'' کے ترجمہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

**نوٹ:2** اَلسَّمَآءُ کی لغوی بحث آپ آیت بسم اللہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔ یہاں آیت مبارکہ میں ''اَلسَّمَآءُ'' سے اجرام عُلوی (یعنی سورج، چاند، ستارے) یا سمتِ عُلوی (اوپر کی طرف یا بلندی) مراد لیا گیا ہے۔ تراجم میں عام طور پر اس کا ترجمہ ''آسمان'' سے ہی کیا گیا ہے۔ البتہ اس لفظ کے لغوی معنی سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثلاً صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ''پھر توجہ فرمائی اوپر کی طرف۔'' اور صاحبؒ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔'' صاحبؒ تفسیر حقانی اس آیت میں اَلسَّمَآءُ کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اَلسَّمَآءُ کی ہمزہ، واؤ سے بدلی ہوئی ہے۔ پہلے واؤ تھا اور جو واؤ، الف کے بعد زائد ہو، بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جا بجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ﴾ وغیرہ من الآیات۔ پس اس سے وہی آخری معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں اکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے۔'' (تفسیر حقانی ج۱، ص۴۰۹، تلخیصاً)

## آیت:30

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰﴾

**اِذْ** جب، جبکہ۔ اِذْ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کے وقت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اِذْ، اکثر زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہوا ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ﴾ ''اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔'' اِذْ کے بعد فعل بھی آ سکتا ہے (جیسے اوپر آیت میں آیا) اور اسم بھی آ سکتا ہے جیسے فرمایا اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ ''جب وہ دونوں غار میں تھے۔'' قرآنِ مجید میں جہاں کہیں آیت کے شروع میں اِذْ آیا ہے وہاں اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا محذوف مانا جاتا ہے جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ کے معنی ہیں ''اور وہ وقت یاد کرو جب''۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اِذْ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں جب کلام کا آغاز ''اِذْ'' سے ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے خیال کرو۔ تصور کرو، یاد کرو یا ان کے ہم معنی کوئی فعل یہاں محذوف ہے۔ عموماً اس کے بعد کسی ایسی ہی سرگزشت یا واقعہ کا حوالہ آتا ہے جو یا تو مخاطب کے علم میں ہو، یا خود متکلم اس کی قطعیت پر اس درجہ مطمئن ہو کہ ایک معلوم و معروف حقیقت کی حیثیت سے اس کا حوالہ دے سکے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص۱۵۶)

قَالَ، قَالُوْٓا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔
جَاعِلٌ، تَجْعَلُ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

**خ ل ف**

(ن) **خِلَافَةً** کسی کا جانشین ہونا۔ کسی کا قائم مقام ہونا۔

**خَلْفًا** کسی کے پیچھے آنا۔ ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ (7/الاعراف:169) ''پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ (19/مریم:59) ''پھر اُن کے بعد بعض ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ﴾ (7/الاعراف:150) ''تو (حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا تم نے میرے بعد بڑی بری جانشینی کی۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**خَلْفٌ** (1) جانشین۔ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ اس نسل کو کہتے ہیں جو دوسری نسل کے بعد آئے۔ عربی زبان میں خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) کے معنی بھی جانشین کے ہوتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خَلْفٌ (لام کے سکون کے ساتھ) عام طور پر برے جانشین اور بری اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) اچھے جانشین اور اچھی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے (الاعراف۔169) اور (مریم۔59) اور دونوں جگہ مذمت ہی کے انداز میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ خَلَفٌ کا لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

(2) خَلْفٌ، ظرف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہوتا ہے "پیچھے"۔ یعنی جہاتِ ستہ میں سے ہے (اَمَام- خَلْف) (یَمِیْن- شِمَال) (فَوْق- تَحْت) ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ﴾ (2/البقرہ:255) "وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔"

**اُخْلُفْ** فعل امر ہے۔ تو پیچھے رہ۔ تو جانشینی کر۔ ﴿وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ﴾ (7/الاعراف:142) "اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کو، تو میرے پیچھے رہ میری قوم میں یا تو میری قوم میں میری جانشینی کر۔"

**خَالِفٌ** ج: خَالِفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا، خَلْفًا مصدر سے۔ ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (9/التوبۃ:83) "تو تم لوگ بیٹھو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔" پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت میں خٰلِفِیْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خَالِفٌ کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فسد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خَلَفَ اللَّبَنُ دودھ خراب ہوگیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ خلافة اَهْلِ بَیْتِهٖ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہوجاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا فَاقْعُدُوْا مَعَ الْفَاسِدِیْنَ یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔" (ضیاء القران، ج۲ص۲۳۹)

**خَالِفَةٌ** ج: خَوَالِفُ۔ اسم الفاعل خَالِفٌ کا مؤنث ہے۔ پیچھے رہنے والی عورتوں کو کہتے ہیں جو مردوں کے جانے کے بعد گھروں میں رہتی ہیں۔ ﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ (9/التوبۃ:87) "راضی ہوئے اس پر کہ وہ لوگ ہوں پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔"

**خَلِیْفَةٌ** ج: خُلَفَاءُ اور خَلَائِفُ۔ جانشین۔ نائب۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر خَلِیْفٌ تھا لیکن ۃ مبالغہ کا اضافہ کر کے خَلِیْفَةٌ بنایا گیا۔ ۃ مبالغے کے لیے بھی آتی ہے جیسے عَلَّامَةٌ، خَائِنَةٌ وغیرہ۔ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (38/ص:26) "اے داؤد بیشک ہم نے بنایا تم کو جانشین زمین میں۔" ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ (7/الاعراف:69) "جب اس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین، نوحؑ کی قوم کے بعد۔" ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ (35/فاطر:39) "وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین زمین میں۔"

**خِلْفَةٌ** کسی کے پیچھے پیچھے آنے والا۔ اصل میں مصدر ہے جس کا مطلب ہے لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً﴾ (25/الفرقان:62) "وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو پیچھے پیچھے آنے والا ہوتے ہوئے۔"

(افعال) **اِخْلَافًا** (1) وعدہ کے خلاف کرنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ؏﴾ (3/آل عمران:9) "بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں

کرتا۔" (2) کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔ ﴿ وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ يُخۡلِفُهٗ ۚ﴾ (34/سبا:39) "اور جو تم لوگ خرچ کرتے ہو، کوئی بھی چیز، تو وہ اس کے بدلے میں دے گا۔"

**مُخۡلِفٌ** اسم الفاعل ہے۔ وعدہ کے خلاف کرنے والا۔ ﴿ فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ﴾ (14/ابراہیم:47) "تو ہرگز گمان مت کر اللہ کو اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا، اپنے رسولوں سے۔"

(تفعیل) **تَخۡلِيۡفًا** کسی کو پیچھے کر دینا۔ پیچھے چھوڑ دینا۔ ﴿ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ﴾ (9/التوبۃ:118) "اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ خُلِّفُوۡا ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

**مُخَلَّفٌ** ج: مُخَلَّفُوۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ پیچھے چھوڑ ہوا۔ یعنی جس کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ ﴿ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ ﴾ (9/التوبۃ:81) "خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ اپنے بیٹھ رہنے پر۔"

(مفاعلہ) **مُخَالَفَةً اور خِلَافًا** کسی کی مخالفت کرنا۔ کسی کے خلاف روش اختیار کرنا۔ ﴿ فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ ﴾ (24/النور:63) "تو چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کے۔" خِلَافٌ کے معنی "بعد" یا "پیچھے" کے بھی آتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﴾ (9/التوبۃ:81) "پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہؐ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔" (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: "خلاف کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہؐ کے جانے کے بعد آپؐ کے پیچھے یا آپؐ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔" اسی طرح فرمایا: ﴿ وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ ﴾ (17/بنی اسرائیل:76) "اور اُس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ) "اور اس حالت میں یہ بھی آپؐ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے۔" (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: "خلاف یہاں بَعۡد کے معنی میں ہے۔" خلاف کے معنی "مخالف جانب" یا "الٹی طرف سے" کے بھی آتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ﴾ (5/المائدۃ:33) "یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔" (ترجمہ احسن البیان)

(تفعّل) **تَخَلُّفًا** پیچھے رہنا۔ ﴿ مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ ﴾ (9/التوبۃ:120) "مناسب نہیں تھا مدینہ والوں کیلئے اور جو ان کے گرد بدو ہیں کہ وہ لوگ پیچھے رہیں اللہ کے رسولؐ سے۔"

(افتعال) **اِخۡتِلَافًا** (1) کسی چیز یا رائے کے خلاف ہونا۔ مختلف ہونا۔ ﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَ اَلۡوَانِكُمۡ ؕ﴾ (30/الروم:22) "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔" ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۝ ﴾ (5/المائدہ:48) "اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ جتا دے گا تم کو وہ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

(2) آنا جانا، اِلٰی کے صلے کے ساتھ۔ عربی میں کہتے ہیں فُلَانٌ یَخۡتَلِفُ اِلَیۡنَا، فلاں ہمارے پاس آتا جاتا ہے۔

**مُخۡتَلِفٌ** اسم الفاعل ہے۔ مختلف ہونے والا۔ مختلف۔ ﴿ يَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ ﴾ (16/النحل:69) "اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) **اِسۡتِخۡلَافًا** کسی کو جانشین مقرر کرنا۔ نائب بنانا۔ ﴿ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفۡ مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ مَّا يَشَآءُ ﴾ (6/الانعام:133) "اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور جانشین مقرر کرے تمہارے بعد جسے چاہے۔"

**مُسۡتَخۡلَفٌ** ج: مُسۡتَخۡلَفُوۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانشین یا نائب بنایا گیا۔ ﴿ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ ؕ﴾ (57/الحدید:7) "اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو۔"

مَنۡ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ يُفۡسِدُ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

س ف ك

(ض) سَفْكًا خون ریزی کرنا۔ کسی چیز کو بہانا۔ ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ ﴾ (2/البقرۃ:84) ''اور جب ہم نے لیا پختہ وعدہ تم سے کہ تم لوگ نہیں بہاؤ گے اپنوں کا خون۔'' اسی سے انتہائی قاتل یا ظالم شخص کو سَفّاک اور ایسی کارروائی کو سفاکیت کہہ دیا جاتا ہے۔

د م ی

(س) دَمْيٌ زخم سے خون نکلنا۔

دَمٌ ج: دِمَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ خون۔ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ ﴾ (5/المائدہ:3) ''حرام کیا گیا تم پر مردار اور (بہنے والا) خون۔'' ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا ﴾ (22/الحج:37) ''ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ہی ان کے خون۔''

س ب ح

(ف) (ا) سَبْحًا پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ آسمان میں ستاروں اور سیاروں کی گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اسے فَرَسٌ سَابِحٌ کہتے ہیں اور سَبَّاحٌ تیراک کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ستاروں کے متعلق فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾ (21/الانبیاء:33) ''وہی ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو، سب آسمان میں تیرتے ہیں۔'' پھر یہ لفظ کسی کام میں مشغول ہونے اور مصروف ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ (73/المزمل:7) ''بیشک آپؐ کے لئے دن میں طویل مصروفیت ہے۔''

(ب) سُبْحَانًا اپنے بلند مقام پر برقرار رہنا یعنی ہر نقص اور عیب، کمی اور کوتاہی سے پاک ہونا۔ یہ مصدر، مضاف، مضاف الیہ بن کر استعمال ہوتا ہے۔ کسی مفرد اسم کی طرف اس کی اضافت لازمی ہے خواہ وہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ (اللہ پاک ہے) یا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى (پاک ہے وہ ذات جو لے گئی) یا ضمیر ہو، جیسے سُبْحَانَهٗ (وہ پاک ہے) سُبْحَانَكَ (تو پاک ہے) وغیرہ۔ اس کی نصب محذوف فعل کی وجہ سے آتی ہے۔ یعنی اُسَبِّحُ/ نُسَبِّحُ سُبْحَانَهٗ میں یا ہم اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اس ترکیب میں مفعول مطلق ہوتا ہے۔ سُبْحَان کا لفظ ایسے موقع پر بھی بولتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں انسان کو حیرت میں ڈال دیں۔ ہماری زبان میں ''سبحان تیری قدرت'' ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (12/یوسف:108) ''اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔''

سَابِحٌ مؤنث: سَابِحَةٌ ج: سَابِحَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ تیرنے والا۔ ﴿ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴾ (79/النزعت:3) ''قسم ہے تیرنے والیوں کی جیسا کہ تیرنے کا حق ہے۔''

(تفعیل) تَسْبِيْحًا کسی کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ تیرانا۔ ہر نقص و عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنا۔ اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا کے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر ہونے لگا۔ پس تسبیح کا لفظ قولی، فعلی، قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔ یہ سَبْحٌ سے ہے جس کے معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ پھر استعارۃً فلک میں نجوم کی

گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزّہ اور پاک سمجھنا جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو“ (ضیاء القرآن)۔ جس طرح تیرنے والا پانی میں ڈوبنے سے بچتا ہے اسی طرح تسبیح کرنے والا شرک سے نجات پاتا ہے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (42/الشوریٰ:5) ”اور فرشتے پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔“ ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ (24/النور:41) ”ہر ایک کی نماز اور تسبیح اُسے معلوم ہے۔“

**سَبِّحْ** فعل امر ہے۔ تو پاکی بیان کر۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ (3/آل عمران:41) ”اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور پاکی بیان کر رات اور صبح کو۔“

**مُسَبِّحٌ** ج: مُسَبِّحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاکی بیان کرنے والا۔ ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ (37/الصافات:166) ”اور بیشک ہم پاکی بیان کرنے والے ہیں۔“

**حَمْدٌ** (ح م د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

## ق د س

(ک) **قُدْسًا، قُدُسًا** (1) تمام بری صفات سے پاک ہونا۔ اس میں محسوس نجاست کی بجائے معنوی نجاست سے پاک ہونے کا مفہوم ہے یعنی کسی خیال یا اندازے کی غلطی سے پاک ہونا یا شرک سے پاک ہونا وغیرہ۔
(2) بابرکت ہونا۔

**قُدُسٌ** اسم ذات بھی ہے۔ پاکیزگی۔ ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (2/البقرہ:87) ”اور ہم نے دیں عیسیٰؑ بن مریم کو واضح نشانیاں اور ان کو تقویت دی پاکیزگی کی روح سے۔“ روح القدس حضرت جبریلؑ کا لقب ہے۔ انہی کو دوسرے مقام پر روح الامین بھی کہا گیا ہے۔

**قُدُّوْسٌ** صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت پاک۔ بہت برکت والا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ (59/الحشر:23) ”وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے۔“ مولانا مودودیؒ اس آیت میں قُدُّوْسٌ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اصل میں لفظ قُدُّوس استعمال ہوا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ قدس ہے۔ قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزّہ ہونا۔ اور قُدُّوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب، یا نقص، یا کوئی قبیح صفت پائی جائے۔ بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔“ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۱۳)

(تفعیل) **تَقْدِيْسًا** کسی کو معنوی نجاستوں سے پاک کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اس کی پاکیزگی کا اقرار کرنا۔ اس کی مثال زیر مطالعہ آیت ہے۔

**مُقَدَّسٌ** اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ پاک کیا ہوا۔ ﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (20/طٰہٰ:12) ”بے شک آپؐ پاک میدان طویٰ میں ہیں۔“

**مُقَدَّسَةٌ** اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ پاک کی ہوئی۔ ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (5/المائدہ:21) ”اے میری قوم تم لوگ داخل ہو جاؤ پاک کی ہوئی زمین میں جو اللہ نے لکھ دی ہے تمہارے لئے۔“

اَعۡلَمُ اور تَعۡلَمُوۡنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ترکیب**

وَ۔ استئنافیہ ہے اور اِذۡ ظرف زمان ہے اس سے پہلے اُذۡکُرۡ یا اُذۡکُرُوۡا محذوف ہے۔ قَالَ فعل، رَبُّكَ فاعل اور لِلۡمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ مقولہ ہے یعنی وہ بات جو کہی گئی۔ اس میں اِنِّیۡ میں شامل یائے متکلم کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ جَاعِلٌ خبر ہے جبکہ فِی الۡاَرۡضِ متعلق خبر ہے۔ جَاعِلٌ اسم الفاعل ہونے کے ساتھ فعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اور خَلِیۡفَةً اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اگلے جملے میں قَالُوۡا کا فاعل ھُمۡ کی ضمیر ہے جو فرشتوں کے لئے ہے اور تَجۡعَلُ کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے اور مَنۡ اسم موصول ہے۔ یُفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ، یہ دونوں جملے مَنۡ کا صلہ ہیں۔ اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں فعل تَجۡعَلُ کا۔ فِیۡهَا میں هَا کی ضمیر زمین کے لئے ہے۔ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ میں وَ حالیہ ہے۔ نَحۡنُ مبتدا ہے۔ نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور بِحَمۡدِكَ، جار مجرور متعلق ہے نُسَبِّحُ کے۔ جملہ فعلیہ کو اگر جملہ اسمیہ میں تبدیل کیا جائے تو مبتدا پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ وَنُقَدِّسُ میں وَ عطف کا ہے اور نُقَدِّسُ عطف ہے نُسَبِّحُ پر۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے نُقَدِّسُ سے۔ قَالَ کا فاعل ھُوَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے۔ اَعۡلَمُ مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اسم موصول 'مَا' اس کا مفعول ہے۔ جملہ فعلیہ لَا تَعۡلَمُوۡنَ اس کا صلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

**ترجمہ**

البقرۃ:30

| وَاِذۡ قَالَ | رَبُّكَ | لِلۡمَلٰٓئِكَةِ | اِنِّیۡ جَاعِلٌ | فِی الۡاَرۡضِ |
|---|---|---|---|---|
| اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا | تیرے رب نے | فرشتوں سے | کہ میں بنانے والا ہوں | زمین میں |

| خَلِیۡفَةً | قَالُوۡۤا | اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا | مَنۡ | یُّفۡسِدُ فِیۡهَا |
|---|---|---|---|---|
| ایک جانشین/ نائب | ان فرشتوں نے کہا | کیا تو بناتا ہے اس میں | اس کو جو | فساد کرے گا اس میں |

| وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ | وَ | نَحۡنُ نُسَبِّحُ | بِحَمۡدِكَ |
|---|---|---|---|
| اور بہائے گا خون | حالانکہ | ہم تسبیح کرتے ہیں | تیری حمد کے ساتھ |

| وَنُقَدِّسُ لَكَ | قَالَ | اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ | مَا |
|---|---|---|---|
| اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں | اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا | میں جانتا ہوں | وہ جو |

| لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ |
|---|
| تم لوگ نہیں جانتے |

## آیت: 31

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾

عَلَّمَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ء د م**

(س) اَدَمًا گندمی رنگ کا ہونا۔

اٰدَمُ — اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر یہ دراصل اَءْ دَمُ تھا جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہوکر اٰدَمُ بنا۔ گندمی رنگ والا۔ حضرت آدمؑ کا نام ہے۔

| |
|---|
| اَلْاَسْمَآءَ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ کُلَّ (ک ل ل): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |

**ع ر ض**

(ض) عَرَضًا — پیش کرنا۔ سامنے لانا۔ ظاہر ہونا۔ لغات القرآن کے مطابق یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (لغات القرآن، ج۴، ص ۲۷۳)۔ ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (33/ الاحزاب:72) ''بیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر۔''

عَارِضٌ — اسم الفاعل ہے۔ سامنے آنے والی چیز۔ سامنے لانے والا۔ پھر یہ لفظ بادل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بادل کو عارض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اُفق آسمان پر ظاہر ہوکر چھا جاتا ہے یا اس لیے کہ بادل کا وجود قائم رہنے والا نہیں ہوتا اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ صاحبؒ مترادفات القرآن کے مطابق عارض وہ بادل ہیں جو گاڑھے اور پھیلے ہوئے ہوں اور جن سے بونداباندی بھی شروع ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ (46/ الاحقاف:24) ''ان لوگوں نے کہا یہ بادل ہے، برسے گا ہم پر۔''

عُرْضَةٌ — اسم ذات ہے۔ آڑ، رکاوٹ۔ نشانہ، بہانہ۔ ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ (2/ البقرۃ:224) ''اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کیلئے۔'' اس آیت مبارکہ میں عُرْضَةً کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ کسی اچھے کام کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم مت کھایا کرو یعنی جب کسی سے کوئی اچھا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ اللہ کی قسم کو آڑ بنا لے کہ میں نے تو قسم کھالی ہے اب یہ کام نہیں کر سکتا۔ دوسری تفسیر کے مطابق، اپنا مطلب نکالنے کے لیے بات بات پر اللہ کی قسم نہ کھایا کرو۔ اس صورت میں اللہ کا نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا۔ اور تم ہر وقت قسم کے ذریعے سے کام نکالنے کی فکر میں لگے رہو گے۔ اس تفسیر کے مطابق عُرْضَةً کا معنی نشانہ اور بہانہ ہوگا۔ (واللہ اعلم، تلخیص از لغات القرآن، ج۴، ص ۲۷۶)

(س) عَرَضًا — ناپائیدار ہونا۔ عارضی ہونا۔ جلد فنا ہو جانا۔

عَرَضٌ — ہمیشہ نہ رہنے والی چیز۔ ہر وہ چیز جو جلدی فنا ہو جائے۔ عارضی سامان۔ لفظ عَرَضٌ، جوہر کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ جب جوہر کے مقابلے پر آئے تو مطلب ہوتا ہے ناپائیدار چیز، وہ چیز جس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہ ہو۔ اسی لیے بادل کو بھی عارض کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وجود قائم رہنے والا نہیں، جلد ختم ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مال کو عَرَضٌ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیاوی مال کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (8/ الانفال:67) ''تم لوگ چاہتے ہو دنیا کا عارضی سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔''

(ک) عَرَاضَةً — چوڑا ہونا۔

عَرْضٌ — اسم ذات ہے۔ چوڑائی۔ وسعت۔ مولانا مودودیؒ عَرْضٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں لفظ عرض صرف چوڑائی ہی کے لیے نہیں بولا جاتا جو طول کا مدمقابل ہے، بلکہ اسے مجرد وسعت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۵، ص ۳۱۹)۔ ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (57/ الحدید:21) ''بازی لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف، جس کی چوڑائی یا وسعت

زمین اور آسمان کی چوڑائی یا وسعت جیسی ہے۔"

عَرِیْضٌ — فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ چوڑا۔﴿ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴾(41/حٰمٓ السجدۃ:51) "اور جب چھوتی ہے اس کو تکلیف تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا بن جاتا ہے۔" قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: "عریض کے معنی کثیر کے ہیں، عرب طول وعرض کا استعمال مجازاً کثرت کے معنی میں کیا کرتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے اَطَالَ فُلَانٌ فِی الْکَلَامِ وَ اَعْرَضَ فِی الدُّعَاءِ۔یعنی فلاں نے کثرت سے باتیں کیں اور خوب دعائیں کیں۔" (لغات القرآن، ج ۴، ص ۲۸۸)

(افعال) اِعْرَاضًا — منہ موڑ لینا۔ توجہ نہ دینا۔ بے رخی برتنا۔ درگزر کرنا۔ ان معنوں میں عام طور پر اس کے ساتھ "عَنْ" کا صلہ آتا ہے۔﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ﴾(18/الکھف:57) "اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی آیات تو وہ بے رخی برتے ان سے۔"﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ ﴾ (9/توبۃ:95) "اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تا کہ تم اُن سے درگزر کرو سو تم درگزر کرو اُن سے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "اعراض کا مادّہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) عفو و درگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لِتُعْرِضُوْا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ میں دوسرا معنی مقصود ہے۔" اگر اس کے ساتھ "عَلٰی" کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے پیش کرنا۔ اگر اس کے ساتھ "لِ" کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے سامنے آنا۔ اَعْرَضَ لِیْ وہ میرے سامنے آیا۔

مُعْرِضٌ — ج: مُعْرِضُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ منہ پھیرنے والا۔ اعراض کرنے والا۔﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ﴾ (2/البقرۃ:83) "پھر تم نے منہ موڑ لیا سوائے تھوڑے سے تم میں سے اور تم لوگ ہو ہی منہ پھیرنے والے۔"

اَعْرِضْ — فعل امر ہے۔ تو منہ پھیر لے۔ تو بے رخی کر۔﴿ وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ (6/الانعام:68) "اور جب آپؐ دیکھیں ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیات میں تو آپؐ منہ پھیر لیں ان سے۔"

(تفعیل) تَعْرِيْضًا — اشارے کنائے میں بات کرنا یعنی مبہم طور پر بغیر کھولے بات کرنا۔﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ ﴾(2/البقرہ:235) "اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو تم اشارے کنائے میں پیغام دو خواتین کے نکاح کا۔"

| |
|---|
| اَلْمَلٰٓئِكَةِ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ قَالَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ن ب ء |

(ف) نَبَاءَ — آہستہ آواز نکالنا۔ خبر دینا۔

نَبَاٌ — ج: اَنْبَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ عظیم خبر۔ حقیقت۔ عربی زبان میں نَبَاٌ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں۔ (1) وہ نہایت مفید ہو۔ (2) اس سے صحیح علم اور یقین حاصل ہو۔ (3) اور وہ جھوٹ سے پاک ہو۔ یہ تین چیزیں جب کسی خبر میں ہوں، تب وہ نَبَاٌ کہلاتی ہے۔ عربی میں غیر اہم خبر کو نَبَاٌ نہیں کہتے۔﴿ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ ﴾ (38/ص:67-68) "آپؐ کہیے یہ ایک عظیم خبر ہے۔ تم لوگ جس سے بے رخی برتتے

والے ہو"۔ ﴿ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ﴾ (3/آل عمران:44)"یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کرتے ہیں اسکو آپ ﷺ کی طرف۔"

(افعال) اِنۡبَاءً: کسی کو خبر دینا۔ بتادینا۔ ﴿ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ﴾ (2/البقرہ:33)"تو جب انہوںؑ نے بتادیا ان کو ان چیزوں کے نام۔"

اَنۡۢبِئۡ: فعل امر ہے۔ تو بتادے۔ ﴿ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ﴾ (2/البقرہ:33)"اللہ تعالیٰ نے کہا اے آدمؑ آپؑ بتا دیجئے ان کو ان چیزوں کے نام۔"

(تفعیل) تَنۡبِيۡئًا: بتادینا۔ جتادینا۔ ﴿ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ﴾ (9/التوبۃ:94)"ہم کو بتادی ہیں اللہ نے تمہاری خبریں۔"

نَبِّئۡ: فعل امر ہے۔ تو بتادے۔ ﴿ نَبِّئۡ عِبَادِيۡۤ اَنِّيۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴾ (15/الحجر:49)"آپ ﷺ بتادیجئے میرے بندوں کو کہ میں ہی غفور ورحیم ہوں۔"

(استفعال) اِسۡتِنۡبَاءً: کسی سے خبر پوچھنا۔ ﴿ وَيَسۡتَنۡۢبِئُوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ﴾ (10/یونس:53)"اور وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے۔"

صٰدِقِيۡنَ (ص د ق): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

### ترکیب

"وَ" استینافیہ ہے اور عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے، اٰدَمَ اس کا مفعول اوّل اور اَلۡاَسۡمَآءَ مفعول ثانی ہے۔ اَسۡمَآءَ دراصل مضاف تھا لیکن اس پر لام جنس آنے کی وجہ سے اس کا مضاف الیہ اَلۡاَشۡيَآءِ محذوف ہوگیا۔ كُلَّهَا لام جنس کی وضاحت اور تاکید کے لئے آیا ہے اور اَلۡاَسۡمَآءَ کا بدل ہے، اسی لئے كُلَّ حالت نصب میں ہے اور اس کے ساتھ هَا کی ضمیر اَلۡاَشۡيَآءِ کے لئے ہے۔

عَرَضَ کا فاعل بھی رب ہے اور اس کا مفعول هُمۡ کی ضمیر ہے اور عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ عَرَضَهُمۡ میں "هُمۡ" ضمیر کے متعلق مولانا عبد الماجدؒ فرماتے ہیں: "سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر هُمۡ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً و تبعاً اس میں شامل ہوجائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدمؑ کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا"۔ اَنۡۢبِئُوۡنِيۡ فعل امر ہے اور اس میں فاعل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے جو کہ اَلۡمَلٰٓئِكَةِ کے لئے ہے اور اس کا مفعول نِيۡ کی ضمیر ہے جو کہ رب کے لئے ہے۔ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ میں اَسۡمَآءِ مضاف ہے اور بِ کی وجہ سے مجرور ہے۔ جبکہ هٰۤؤُلَآءِ مضاف/ مضاف الیہ ہے اور اس کے آگے اَلۡاَشۡيَآءِ محذوف ہے۔ یعنی بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ الۡاَشۡيَآءِ۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ جملہ شرطیہ ہے۔ اس سے پہلے کا جملہ اس کا جواب شرط ہے۔ صٰدِقِيۡنَ، كَانَ کی خبر کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ (واللہ اعلم)

### ترجمہ

البقرۃ:31

| وَعَلَّمَ | اٰدَمَ | الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا | ثُمَّ عَرَضَهُمۡ |
|---|---|---|---|
| اور اس نے تعلیم دی | آدمؑ کو | تمام (چیزوں) کے ناموں کی | پھر اس نے پیش کیا ان کو |

| عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ | فَقَالَ | اَنۡۢبِئُوۡنِيۡ | بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ | اِنۡ كُنۡتُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| فرشتوں پر | تو کہا | تم لوگ بتاؤ مجھ کو | ان (چیزوں) کے نام | اگر تم لوگ ہو |

| صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ |
|---|
| سچے |

**نوٹ۔1** جب ہم کسی شخص کا کوئی نام رکھتے ہیں، جیسے آصف یا جمیل وغیرہ، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کیا جائے تاکہ اس کی شناخت میں آسانی ہو۔ اسی مقصد کے تحت پالتو جانوروں کے بھی نام رکھے جاتے ہیں۔ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایسے اسماء کو اسم علم کہتے ہیں۔

اب نوٹ کریں کہ اسم علم سے کسی کی شناخت میں تو آسانی ہوتی ہے لیکن نام والے کی خصوصیات کا علم نہیں ہوتا۔ مثلاً آصف سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ کس انسان کی بات ہو رہی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسا انسان ہے؟ جبکہ اسماء جنس سے نام والے کی خصوصیات ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً انسان، گھوڑا، طوطا، درخت، پتھر وغیرہ۔ یہ سب اسمائے جنس ہیں۔ ان میں سے جس کا نام لیا جائے گا تو اس نام کے ساتھ اس جنس کی چیزوں کی خصوصیات بھی ذہن میں آتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسم جنس کے علم کے بغیر اسم علم کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ افادیت۔ اس حوالہ سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء جنس کی تعلیم دی گئی تھی جس میں اشیاء کی خصوصیات (PROPERTIES OF MATTER) کی تعلیم ازخود شامل ہے۔ واللہ اعلم (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت: 32

﴿ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ ﴾

| |
|---|
| قَالُوۡا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ سُبۡحٰنَکَ (س ب ح): البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| عِلۡمَ، عَلَّمۡتَ، اَلۡعَلِیۡمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ح ک م**

(ن) **حُکۡمًا**: کسی چیز کا پختہ یا مضبوط ہونا۔ اس مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً پختہ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔ ﴿ فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ﴾ (2/البقرۃ:113) ''تو اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔''

**اُحۡکُمۡ**: فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ تو حکم دے۔ ﴿ اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ ﴾ (5/المائدہ:42) ''اور اگر آپ فیصلہ کریں تو آپ ﷺ فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف سے۔''

**حَاکِمٌ**: ج: حَاکِمُوۡنَ۔ حُکَّامٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ حکم دینے والا۔ ﴿ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ ﴾ (7/الاعراف:87) ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ﴿ وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَ تُدۡلُوۡا بِہَاۤ اِلَی الۡحُکَّامِ ﴾ (2/البقرۃ:188) ''اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**حَکَمٌ**: حُکۡمٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ماہر حاکم۔ صحیح فیصلہ کرنے والا منصف۔ واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''حَکَمٌ (منصف) ماہر حاکم کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں لفظ حاکم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔'' ﴿ فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ ﴾ (4/النساء:35) ''تو تم لوگ کھڑا کرو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے۔'' ﴿ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا ﴾ (6/الانعام:114) ''(آپ اُن سے پوچھیے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''حَکَمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حَکَمٌ صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱ ص ۵۹۴)

**اَحۡکَمُ**: اَفۡعَلُ التَّفۡضِیۡل ہے۔ زیادہ پختہ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ ﴾ (11/ھود:45) ''اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے پختہ فیصلہ کرنے والا ہے۔''

**حُكْمٌ**

اسم ذات ہے اور قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(1) پختہ فیصلہ، حکم۔﴿ وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴾(18/الکھف:26)''اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے فیصلے میں کسی ایک کو بھی۔''

(2) حکمت۔ حُكْمٌ کا لفظ حکمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں لیکن ہر حکم کو حکمت نہیں۔'' قرآن مجید میں کئی آیات میں حُكْمٌ کا ترجمہ ''حکمت'' سے کیا گیا ہے مثلاً:﴿ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّؤۡتِیَہُ اللّٰہُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ ﴾ (3/آل عمران:79)''کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ ۚ ﴾ (6/الانعام:89)''یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ وغیرہ۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: ''اَلصَّمْتُ حُكْمٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ'' ''خاموشی حکمت ہے لیکن تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔''

(3) دنیاوی حکومت اور اقتدار۔﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗۤ اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ؕ ﴾ (12/یوسف:22)''اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے اُنہیں حکومت اور علم عطا فرمایا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم سے عام طور پر دنیوی قوت واقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔''

(4) سمجھ بوجھ، فہم، وحی، نبوت۔﴿ یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴾ (19/مریم:12)''اے یحییٰؑ کتاب کو مضبوط پکڑو اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل وفہم بھی۔ بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے۔'' آگے لکھتے ہیں: ''فقیہ جلیل ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغرسنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں۔'' (احکام القرآن، بحوالہ تفسیر ماجدیؒ، ۶۵۱)

**حِكْمَةٌ**

اسم ذات ہے۔ دانائی۔ صحیح بصیرت۔ صحیح قوتِ فیصلہ۔ حکمت کہتے ہیں عقل اور تفقُّہ کی اس پختگی کو جس سے انسان درست نتیجے یا صحیح رائے تک پہنچ جائے اور معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرے۔ جس طرح معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرنا، حکمت کے ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ چنانچہ اہل عرب حکمت کا لفظ انسان کی اس قوت وصلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل ورائے کی پختگی اور شرافت و اخلاق کی جامع ہوتی ہے۔﴿ یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ ﴾ (2/البقرہ:269)''وہ عطا کرتا ہے دانائی جس کو وہ چاہتا ہے۔''﴿ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:129)''اور اے ربّ، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے۔'' اس آیت مبارکہ میں تعلیم حکمت کے معنی پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حکمت چونکہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی، اس وجہ سے تعلیم حکمت کے معنی جس طرح کسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی صفت وصلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۳۴۱) اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''حکمت کہتے ہیں وَضْعُ الْاَشْيَاءِ عَلٰى مَوَاضِعِهَا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔

یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبویؐ کہا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص۹۵)۔ مفتی محمد شفیعؒ حکمت کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حکمت کا لفظ قرآنِ پاک میں کئی مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں۔ جو کہ سب ٹھیک ہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ہے وَالْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَ كَمَالُ ذٰلِكَ اِنَّمَا يَحْصَلُ بِالنُّبُوَّةِ۔ یعنی حکمت کے اصل معنی ہر شے کو اس کے صحیح محل (جگہ) میں رکھنے کے ہیں اور اِس کا کمال صرف نبوت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن، حدیث وسنت، نبوت، عمل صالح، صحیح علم، عقل سلیم، تفقہ فی الدین اور کہیں خشیت الٰہی۔ آخری معنوں میں تو خود حدیث شریف میں فرمایا: رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللّٰهِ۔ یعنی اصل حکمت اللہ سے ڈرنا ہے۔ بہر حال حکمت سے مراد یہ سب چیزیں ہیں اور ظاہر یہی قول ہے۔ اور آیت کریمہ ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (معارف القرآن، ج۱، ص۶۴۱ ملخصاً)۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (2/البقرۃ:231) ''اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اُس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اُس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (4/النساء:113) ''اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**حَكِيْمٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ دانا۔ حکمت والا۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ (6/الانعام:83) ''بیشک تیرا رب دانا علم والا ہے۔''

(افعال) **اِحْكَامًا** کسی چیز کو یوں پختہ کرنا کہ اُس میں نقص کا گمان تک نہ رہے۔ مضبوط کرنا۔ ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ (11/ھود:1) ''یہ ایک کتاب ہے، پختہ کیا گیا اس کی آیات کو۔''

**مُحْكَمٌ** اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ مضبوط یا پختہ کیا ہوا۔

**مُحْكَمَةٌ** ج: مُحْكَمَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ مضبوط یا پختہ کی ہوئی۔ ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ (47/محمد:20) ''پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے۔'' ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (3/آل عمران:7) ''وہ ہے جس نے نازل کی آپ ﷺ پر کتاب، اس میں ہیں پختہ کی ہوئی آیات۔'' اس آیت کے تحت صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''محکم کی تعریف امام راغبؒ نے یہ کی ہے فَالْمُحْكَمُ مَا لَا يَعْرِضُ فِيْهِ شُبْهَةٌ مِّنْ حَيْثُ اللَّفْظِ وَلَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى (مفردات) محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بیّن ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۰۹)۔ اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(تفعیل) **تَحْكِيْمًا** کسی کو حاکم تسلیم کرنا۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/النساء:65) ''پس نہیں! آپ ﷺ کے رب کی قسم، وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو حاکم تسلیم کریں اس میں جس میں جھگڑتے ہیں باہم۔''

(تفاعل) تَحَاکُمًا باہمی جھگڑے کو کسی حاکم کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا۔ ﴿ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ ﴾ (4/النساء:60)''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ فیصلے کیلئے جائیں طاغوت کے پاس۔''

**ترکیب**

قَالُوۡا کا فاعل اس میں شامل ھُمۡ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت میں اَلۡمَلٰٓئِکَۃِ کے لئے ہے۔ سُبۡحٰنَکَ سے پہلے فعل محذوف ہے جو کہ نُسَبِّحُ ہوسکتا ہے اور سُبۡحَانَ اس کا مفعول مطلق ہے اور ضمیر کَ اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَا عِلۡمَ میں 'لَا' لائے نفی جنس ہے اور عِلۡمَ اس کا اسم ہے۔ اسی لئے عِلۡمَ تنوین کے بغیر نصب میں ہے۔ لَنَا متعلق ہے محذوف خبر کے۔ آگے اِلَّا حرف استثناء ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ عَلَّمۡتَنَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہیں۔ ان کو لَا عِلۡمَ کا بدل بھی مانا گیا ہے۔ اِنَّکَ میں ضمیر کَ اِنَّ کا اسم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اس لئے ضمیر مرفوعہ اَنۡتَ کے بجائے ضمیر منصوبہ کَ آئی ہے۔ اَنۡتَ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اَلۡعَلِیۡمُ خبر اوّل ہے اِنَّ کی اور اَلۡحَکِیۡمُ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ** — البقرۃ:32

| قَالُوۡا | سُبۡحٰنَکَ | لَا عِلۡمَ لَنَاۤ | اِلَّا مَا |
| --- | --- | --- | --- |
| اُن (فرشتوں) نے کہا | تو پاک ہے (ہر عیب سے) | ہمیں کوئی علم ہے ہی نہیں | مگر جو |

| عَلَّمۡتَنَا | اِنَّکَ اَنۡتَ | الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ |
| --- | --- | --- |
| تو نے سکھایا ہم کو | بیشک تو ہی | جاننے والا، دانا ہے |

## آیت: 33

﴿ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡھُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَھُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ﴾

قَالَ اور متعلقہ صیغے (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔
اَنۡبِئۡ اور اَنۡبَاَ (ن ب ء): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ اَسۡمَآءٌ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ لَمَّا: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
اَعۡلَمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ غَیۡبٌ (غ ی ب): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ سَمٰوٰتٌ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔
اَلۡاَرۡضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

**ب د و**

(ن) بَدۡوًا، بَدَاءً اور بَدَاوَۃً (1) کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ (2) صحرا میں رہنا (عمارت وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صحرا میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحرا میں رہنا بھی ظاہر ہونے کے مترادف ہے)۔ اس کی ضد حَضَارَۃ ہے ایک دیہاتی صحابی زاہرؓ کے بارے میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''ھُوَ بَادِیَتُنَا وَ نَحۡنُ حَاضِرُوۡہٗ۔ زاہر ہمارا دیہاتی یا صحرائی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔''

(1) ﴿ بَلۡ بَدَا لَھُمۡ مَّا کَانُوۡا یُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ ﴾ (6/الانعام:28) ''بلکہ ظاہر ہوا ان کے لئے وہ جو وہ لوگ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔'' (2) دوسرے مفہوم میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

بَادٍ — ج: بَادُوْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ صحرا میں رہنے والا۔ صحرا نشین۔ ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ﴾ (22/الحج:25) ''اور مسجد حرام جس کو بنایا ہم نے لوگوں کیلئے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا۔'' ﴿وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ﴾ (33/الاحزاب:20) ''اور اگر آ جاتے لشکر تو وہ لوگ آرزو کرتے کہ کاش وہ لوگ صحرا نشین ہوتے دیہاتوں میں۔''

بَدْوٌ — اسم ذات ہے۔ صحرا۔ دیہات۔ ہر وہ مقام جہاں کی سب چیزیں ظاہر ہوں بَدْوٌ کہلاتا ہے۔ ﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ (12/یوسف:100) ''اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ لایا تم لوگوں کو صحرا سے۔''

(افعال) اِبْدَاءً — ظاہر کرنا۔ ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾ (3/آل عمران:29) ''آپ ﷺ کہیے اگر تم لوگ خفیہ رکھو اس کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اس کو، جانتا ہے اس کو اللہ۔''

مُبْدٍ — اسم الفاعل ہے۔ ظاہر کرنے والا۔ ﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ (33/الاحزاب:37) ''اور تم خفیہ رکھتے ہو اپنے جی میں وہ جو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔''

كُنْتُمْ (ک و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

**ک ت م**

(ن) كِتْمَانًا — کوئی بات یا چیز چھپانا۔ ''کتمان کا اطلاق اس اخفاء (چھپانے) پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو'' (ماجدیؒ)۔ گویا حق بات کو جان بوجھ کر چھپانے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (2/البقرہ:146) ''اور بیشک ایک فریق ہے ان میں، وہ لوگ چھپاتے ہیں حق کو اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔''

**ترکیب**

قَالَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے۔ یَا حرف ندا ہے اور اٰدَمُ، مُنادیٰ۔ اَنْۢبِئْھُمْ میں اَنْۢبِئْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت آدمؑ کے لیے ہے۔ اور ھُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لئے ہے۔ آگے بِاَسْمَآئِهِمْ متعلق فعل ہے۔ اور یہ هِمْ ضمیر اشیاء کے لئے ہے۔ اشیاء میں چونکہ عاقل اور غیر عاقل تمام مخلوقات شامل تھیں۔ اس لئے اشیاء کے لئے ھَا کے بجائے ھُمْ ضمیر عاقل مخلوقات کی رعایت سے آئی ہے۔ فَلَمَّا میں لَمَّا حرف شرط ہے جو ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے یہاں جملہ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ جملہ شرطیہ ہے اور قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ سے لے کر اخیر تک جواب شرط ہے۔ اَنْۢبَاَھُمْ میں اَنْۢبَاَ کی ضمیر فاعلی حضرت آدمؑ کے لیے ہے اور ھُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لیے ہے۔ بِاَسْمَآئِهِمْ متعلق فعل ہے۔ قَالَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ آگے اَ۔ استفہامیہ ہے اور لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اور اَقُلْ مضارع مجزوم ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے۔ اِنِّیْ میں یْ ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اگلا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔ اِس میں اَعْلَمُ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے اور غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا مفعول ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے۔ اَعْلَمُ۔ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ تُبْدُوْنَ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے اَعْلَمُ کا آگے 'وَ' عطف کا ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے كُنْتُمْ میں كَانَ کا اسم اِس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَكْتُمُوْنَ، كَانَ کی خبر ہے اور یہ جملہ صلہ ہے 'مَا' کا اور اسم موصول اور صلہ عطف ہے جملہ ماقبل پر۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرة:33 |

| قَالَ | يٰۤاٰدَمُ | اَنْۢبِئْهُمْ | بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ | فَلَمَّآ | اَنْۢبَاَهُمْ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا | اے آدمؑ | آپؑ بتائیں ان (فرشتوں) کو | ان (چیزوں) کے نام | تو جب | انہوںؑ نے بتایا ان (فرشتوں) کو |

| بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ | قَالَ | اَلَمْ اَقُلْ | لَّكُمْ | اِنِّىْٓ اَعْلَمُ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| ان (چیزوں) کے نام | اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا | کیا میں نے نہیں کہا تھا | تم سے | کہ یقیناً میں جانتا ہوں |

| غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ | وَاَعْلَمُ | مَا | تُبْدُوْنَ |
| --- | --- | --- | --- |
| آسمانوں اور زمین کے غیب کو | اور میں جانتا ہوں | وہ جو | تم لوگ ظاہر کرتے ہو |

| وَمَا | كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ |
| --- | --- |
| اور وہ جو | تم لوگ چھپایا کرتے ہو |

## آیت:34

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ ﴾

اِذْ: البقرة آیت 30 دیکھیں۔ قُلْنَا (ق و ل): البقرة آیت 8 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓىِٕكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

**س ج د**

(ن) **سُجُوْدًا** اس کے لفظی معنی ہیں جھکنا اور عاجزی اختیار کرنا۔ جھکنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ کسی کے سامنے تعظیماً کمر کو خم دے کر سر کو جھکا دینا بھی جھکنا ہے، جیسے رکوع میں ہوتا ہے اور پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دینا بھی جھکنا ہے، جسے سجدہ کہتے ہیں اور یہ جھکنے کی انتہا ہے۔ اصطلاحِ شرع میں اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اس کی عبادت کی خاطر ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھ دینا۔ سجدہ کرنا۔ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰ ﴾ (15/الحجر:30) ''چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ ﴾ (7/الاعراف:12) ''کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' سجدہ کرنا کسی کی تعظیم کے لیے بھی ہوسکتا ہے، جسے سجدۂ تعظیمی کہتے ہیں اور کسی کی عبادت کرنے کے لیے بھی جسے سجدۂ عبادت کہتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی، پہلے انبیاء کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم کے لیے جائز تھا۔ ہماری شریعت مطہرہ میں یہ حرام ہے (نہ صرف سجدہ تعظیمی، بلکہ غیر اللہ کے لیے رکوع اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے)۔ ہماری شریعت میں صرف سجدۂ عبادت ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں یہ لفظ ساری مخلوق پر بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (22/الحج:18) ''کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں سب، آسمانوں میں اور سب، زمین میں۔'' جس کو سجدہ کیا جائے اس پر ''لام'' کا صلہ آتا ہے۔ اس نے اللہ کو سجدہ کیا، اس جملے کی عربی سَجَدَ اللّٰهَ کرنا غلط ہے۔ صحیح عربی ہو گی سَجَدَ لِلّٰهِ (واللہ اعلم)۔

**سَجْدَةٌ** ج: سُجُوْدٌ۔ اسم ذات ہے۔ سجدہ۔ ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ﴾ (48/الفتح:29) ''ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے۔''

اُسۡجُدۡ ج: اُسۡجُدُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو سجدہ کو۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ ﴾ (22/الحج:77)
''اے ایمان والوتم رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی۔''

سَاجِدٌ ج: سَاجِدُوۡنَ، سُجَّدٌ اور سُجُوۡدٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سجدہ کرنے والا۔ ﴿ اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ﴾ (39/الزمر:9) ''بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہو۔'' ﴿ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''سجدہ کرنے والے، حکم دینے والے بھلائی کا۔'' ﴿ وَّ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا ﴾ (2/البقرہ:58) ''اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں۔'' ﴿ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ ﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔'' (نوٹ: سُجُوۡدٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے جھکنا، یہ سِجۡدَۃٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے اور سَاجِدٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے کرنے والے۔ واللہ اعلم)۔

مَسۡجِدٌ ج: مَسَاجِدُ۔ اسم ظرف مکان بھی ہے اور اسم ظرف زمان بھی۔ چنانچہ اس کا مطلب سجدہ کرنے کی جگہ کے بھی ہیں اور سجدہ کرنے کے وقت، یعنی نماز کے وقت کے بھی ہیں۔ مسجد کے معنیٰ بطور ظرف مکان کے تو جانے پہچانے ہیں ہی، قرآن مجید میں یہ لفظ بطور ظرف زمان بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَّ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ ﴾ (7/الاعراف:29) ''اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت کی حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔'' ﴿ وَّ اَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿ۙ۱۸﴾ ﴾ (72/الجن:18) ''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس تم لوگ مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی۔'' بعض علماء کے نزدیک مساجد اسم آلہ کی جمع ہے بمعنی سجدے کے آلہ و ذریعہ بننے والے اعضاء یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں زانو۔ (واللہ اعلم)۔

اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔

اِلَّا مگر، سوائے۔ یہ حرف استثناء ہے۔ نحو کی اصطلاح میں استثناء سے مراد ہے کہ حرف استثناء کے ماقبل کے جملے میں جو حکم ہے (نفی یا اثبات) اس حکم سے مابعد کو خارج کر دینا یعنی یہ بتلانا کہ مابعد کا حکم ماقبل کے خلاف ہے۔

کسی کلام میں جب اِلَّا کے ذریعے استثناء کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ قواعد ہیں۔ انہیں سمجھنے سے پہلے دو اصطلاحات سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ''پوری قوم آئی سوائے زید کے''۔ اس میں زید کو قوم سے الگ کیا گیا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ جس سے کسی کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اور جس کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ جملے میں قوم مستثنیٰ منہ ہے اور زید مستثنیٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ ایک ہی جنس کے ہوں تو اسے مستثنیٰ متصل کہتے ہیں۔ جیسے مذکورہ جملے میں قوم اور زید کی جنس ایک ہی ہے اس لئے یہ مستثنیٰ متصل کی مثال ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں تمام گھوڑے آئے سوائے گدھے کے، تو اس میں مستثنیٰ منہ گھوڑے کی جنس الگ ہے اور مستثنیٰ گدھے کی جنس الگ ہے۔ اسے مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں اب قواعد نوٹ کریں۔

(۱) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام مثبت ہو (یعنی نفی اور استفہام نہ ہو) اور مستثنیٰ منہ (جو کہ اِلَّا سے پہلے ہوگا) مذکور ہو تو مستثنیٰ ہمیشہ حالت نصب میں ہوگا۔ مثلاً جَآءَ الۡقَوۡمُ اِلَّا زَیۡدًا۔ اس میں کلام مثبت ہے اور مستثنیٰ منہ ''اَلۡقَوۡمُ'' مذکور ہے اس لئے مستثنیٰ زَیۡدًا حالت نصب میں آیا ہے۔

(۲) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کو حالت نصب میں بھی لا سکتے ہیں اور جملے میں اس کی حالت کے

مطابق اعراب بھی لگا سکتے ہیں۔ مثلاً مَاجَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا بھی درست ہے اور چونکہ اس جملے میں زید فاعل ہے اس لئے اِلَّا زَیْدٌ بھی درست ہے۔

(۳) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر اِلَّا کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور مستثنیٰ پر اعراب جملے میں اس کی حالت میں مطابق لگایا جاتا ہے جیسے مَاجَاءَ اِلَّا زَیْدٌ ۔ اس میں زَیْدٌ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مَاضَرَبْتُ اِلَّا زَیْدًا میں زَیْدًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۴) مستثنیٰ منقطع میں جس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے وہ حالت نصب میں آتا ہے۔ غَیْرُ اور سِوٰی بھی استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کا مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، حصہ سوم، صفحہ ۱۱۴ دیکھیں۔ (نوٹ: کبھی اِلَّا، اِنْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ (11/ھود:47) ''اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔'')

| ب | ل | س |
|---|---|---|

(افعال) اِبْلَاسًا سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہونا۔ مایوس ہونا۔ ثلاثی مجرد سے یہ مادہ استعمال نہیں ہوتا۔ تفہیم القرآن میں اس لفظ کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ''بَلَسَ اور اِبْلَاس کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حیرت کی وجہ سے دنگ ہو کر رہ جانا۔ خوف اور دہشت کے مارے دم بخود ہو جانا۔ رنج و غم کے مارے دل شکستہ ہو جانا۔ ہر طرف سے ناامید ہو کر ہمت توڑ بیٹھنا۔ اور اسی کا ایک پہلو مایوسی و نامرادی کی وجہ سے برافروختہ (Desperate) ہو جانا بھی ہے جس کی بنا پر شیطان کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۹۴)۔ صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''اَبْلَسَ کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے اور مایوس ہونے کے ہیں۔'' ﴿وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (30/الروم:12) ''اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی یعنی قیامت تو شدید مایوس و غمگین ہوں گے مجرم لوگ۔''

مُبْلِسٌ اسم الفاعل ہے۔ مایوس و غمگین ہونے والا۔ ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚۖ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ﴾ (43/الزخرف:74-75) ''بیشک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہ نرم نہیں کیا جائے گا ان سے اور وہ لوگ اس میں شدید مایوس و غمگین ہوں گے۔''

اِبْلِیْسُ اِفْعِیْلُ کے وزن پر اسم صفت ہے۔ مایوس و غمگین۔ قرآن مجید میں ایک جن، شیطان کے اسم عَلَم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (ماجدیؒ)۔ ﴿یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴾ (15/الحجر:32) ''اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔''

| ء | ب | ی |
|---|---|---|

(ف) اِبَاءً سختی سے انکار کرنا۔ ﴿یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ﴾ (9/التوبۃ:8) ''وہ لوگ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے منہ سے اور انکار کرتے ہیں ان کے دل۔'' حدیث شریف میں ہے: ''كُلُّكُمْ فِی الْجَنَّةِ اِلَّا مَنْ اَبٰی'' ''تم سب جنتی ہو مگر وہ شخص جس نے (اطاعت الٰہی سے) انکار کیا۔'' (بخاری)

| ك | ب | ر |
|---|---|---|

عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ 'ک ب ر' ہو، اس کے مفہوم میں بڑائی کے معنی ضرور پائے جاتے ہیں۔ البتہ بڑائی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(س)(ن) کِبَرًا عمر میں بڑا ہونا۔ بوڑھا ہو جانا۔﴿ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ ﴾(4/النساء:6)''اور تم لوگ مت کھاؤ یتیموں کے مال بے جا اور جلدی میں کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔''

(ک) کُبَارَةً، کِبَارَةً، کَبَارَةً اس کا مصدر مصباح اللغات میں کِبَارَةً اور لغات القرآن میں کَبَارَةً لکھا گیا ہے۔واللہ اعلم۔ معنوی لحاظ سے بڑا ہونا۔ رتبہ یا اہمیت میں بڑا ہونا۔ بھاری یا دشوار ہونا۔﴿ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ ﴾(17/بنی اسرائیل:50-51)''تم لوگ ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی چیز جو بڑی ہے تمہارے سینوں میں یعنی تمہاری سمجھ میں۔''﴿ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ﴾(6/الانعام:35)''اور اگر آپؐ پر دشوار ہے اُن کا منہ پھیرنا۔''

کِبَرٌ اسم ذات ہے۔ بڑھاپا۔﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ ﴾(3/آل عمران:40)''اس نے کہا اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے لئے کوئی لڑکا اس حال میں کہ پہنچ چکا ہے مجھ کو بڑھاپا۔''

کِبْرٌ اسم ذات ہے۔ بڑائی۔ بڑا۔﴿ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ ﴾(40/المومن:56)''نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر بڑائی، وہ لوگ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں۔''﴿ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾(24/النور:11)''اور جس نے اٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

کِبْرِيَاءُ اسم ذات ہے۔عظمت۔ بزرگی۔ بڑائی۔ وہ ہستی جو ہر ایک کی اطاعت سے بالاتر ہو اور ایسی ہستی صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں فرمایا﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ ﴾(45/الجاثیہ:37)''اور اُسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔'' اور حدیث قدسی میں ہے ''اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهٗ فِي النَّارِ۔(رواہ مسلم)''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میرا تہبند ہے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا (یعنی جو تکبر کرے گا اور اس طرح وہ گویا میری ذات وصفات میں شرک کا ارتکاب کرے) تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''تو میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔''(مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۵۸۶)۔﴿ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾(10/یونس:78)''اور ہو جائے تم دونوں کے لئے بڑائی زمین میں۔''

کَبِيْرٌ ج: کُبَرَاءُ۔اسم صفت ہے۔ بڑا۔ بھاری یا دشوار۔﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ۧ ﴾(35/فاطر:7)''ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔''۔﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ ﴾(33/الاحزاب: 67)''اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے گمراہ کیا ہم کو راستے سے۔''اَلْكَبِيْرُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ ﴾(13/الرعد:9) ''ظاہر اور پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا ہے اور سب سے بلند و بالا۔''(نوٹ: کَبِيْرٌ کا الٹ صَغِيْرٌ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں:''کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ سے ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی چیز دوسری کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے۔ لیکن وہی شئے ایک اور کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے۔''(مفردات القرآن، ج ۲، ص ۸۸۸)۔

کُبَّارٌ کَبِيْرٌ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت بڑا۔﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ ۚ ﴾(71/نوح:22)''اور اُنہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''کَبِيْرٌ، کُبَّارٌ اور کُبَارٌ ہم معنی ہیں۔''

**كَبِيْرَةٌ**
ج: كَبَائِرُ - كَبِيْرٌ کا مونث ہے۔﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾(18/الکہف:49)''کیسی ہے یہ کتاب نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ ہی بڑی چیز کو۔''﴿وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ط﴾(2/البقرہ:143)''اور بیشک وہ بھاری تھی سوائے ان لوگوں کے جن کو ہدایت دی اللہ نے۔''﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾(42/الشوریٰ:37)''اور وہ لوگ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے۔''

**اَكْبَرُ**
ج: اَكَابِرُ - افعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ سب سے بڑا۔﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط﴾(2/البقرہ:219)''اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان دونوں کے نفع سے۔''﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا﴾(6/الانعام:123)''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

**كُبْرٰى**
ج: كُبَرٌ - اَكْبَرُ کا مونث ہے۔﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾﴾(87/الاعلیٰ:12)''جو پڑے گا بڑی آگ میں۔''﴿اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾﴾(74/المدثر:35)''یقیناً وہ جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔''

(افعال) **اِكْبَارًا**
کسی کو بڑا سمجھنا۔ حیران ہونا۔﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ﴾(12/یوسف:31) اس آیت مبارکہ کے کئی طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ''اور جب اُن لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا اِس پر حیران رہ گئیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)''اُن عورتوں نے جب اُسے دیکھا تو بہت بڑا جانا۔''(ترجمہ احسن البیان)''پس جب (یوسفؑ آئے اور) اُنہوں نے اُس کو دیکھا تو اُس کی عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اَكْبَرْنَهٗ کا معنی ہے کہ وہ حسن یوسفی کو دیکھ کر مسحور بھی ہوئیں اور مرغوب بھی۔''

(تفعیل) **تَكْبِيْرًا**
کسی کو بڑا سمجھنا اور بڑا کہنا۔ کسی کی بڑائی بیان کرنا۔ اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی عظمت کو ظاہر بھی کرنا اور اس کی عظمت کا احساس بھی کرنا۔﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾(2/البقرہ:185)''اور تاکہ تم لوگ پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم لوگ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس پر جو اس نے ہدایت دی تم کو۔''

**كَبِّرْ**
فعل امر ہے۔ تو بڑائی بیان کر۔﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾﴾(74/المدثر:3)''اور پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔''﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿١١١﴾﴾(17/بنی اسرائیل:111)''اور اُس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے۔''(ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت کے حاشیہ میں مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لیے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغہ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔''

(تفعّل) **تَكَبُّرًا**
بناوٹی طور پر بڑا بننا۔ واقعی بڑا ہونا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''تکبر دو طرح کا ہوتا ہے (۱) فی نفسہٖ کسی میں خوبیاں اور صفاتِ حسنہ سب سے زائد ہوں۔ (۲) واقع میں تو صفاتِ حسنہ سے خالی ہو اور مدعی ہو کمالِ صفات کا، اول محمود (قابلِ تعریف) ہے اور دوسرا مذموم (قابلِ مذمت) ہے اس لیے اول معنی کا لحاظ کرتے ہوئے متکبر اللہ کی صفت ہے اور محمود ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کافر یا مغرور انسان پر اطلاق ہوتا ہے جو مذموم اور قبیح (برا) ہے۔''(لغات القرآن، ج۵، ص۲۹۹)۔ صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ''تَكَبُّرٌ، یہ فخر کا سب سے آخری درجہ ہے۔ جس میں انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خود پسندی کی اِس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ تو حق بات کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''(بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)(بخاری)۔ پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج۴، ص۵۸۳﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾(7/الاعراف:13)''پس تو اُتر اس سے، پس تیرے لئے

نہیں ہے کہ تو بڑا بنے اس میں۔''

مُتَکَبِّرٌ: ج: مُتَکَبِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑا بننے والا۔ ﴿ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ ﴾ (40/المومن:27) ''میں پناہ میں آتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی، ہر بڑا بننے والے سے۔'' مُتَکَبِّرٌ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں وہ ہستی جس کی عظمت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور جس میں فی نفسہٖ سب سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ چنانچہ فرمایا ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ﴾ (الحشر:23)۔ اس آیت میں اَلْمُتَکَبِّرُ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ اَلْمُتَکَبِّر استعمال ہوا ہے جس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اُس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک جھوٹا ادّعا اور بدترین عیب ہے۔ اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادّعا اور تصنع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے، ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔'' (تفہیم القرآن، ج۵ ص ۴۱۵)

(استفعال) اِسْتِکْبَارًا: بڑائی چاہنا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ﴿ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (34/سبا:31) ''وہ لوگ کہیں گے جن کو کمزور سمجھا گیا ان سے جنھوں نے بڑائی چاہی، اگر نہ ہوتے تم لوگ تو ہم ہوتے ایمان لانے والے۔''

مُسْتَکْبِرٌ: ج: مُسْتَکْبِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑائی چاہنے والا۔ ﴿ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ (16/النحل:22) ''ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بڑائی چاہنے والے ہیں۔''

| |
|---|
| كَانَ (ک و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ كٰفِرِيْنَ (ک ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

''وَ'' استینافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے فعل اُذْکُرْ یا اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْنَا فعل بافاعل ہے اور اس کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اُسْجُدُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ لِاٰدَمَ متعلق فعل ہے۔ لِاٰدَمَ میں ''لام'' اِلٰی کے معنی میں ہے (ماجدیؒ، حقانیؒ) یعنی 'لام' کے معنی 'واسطے' کے نہیں بلکہ 'طرف' اور ''سمت'' کے ہیں۔ فَسَجَدُوْٓا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ اِلَّآ حرف استثناء ہے اور ابلیس، مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ فرشتے اور ابلیس ایک جنس کے نہیں اس لیے حالت نصب میں ہے۔ آگے اَبٰى اور اِسْتَكْبَرَ ماضی کے صیغے ہیں اور اس میں شامل ضمیر فاعلی ابلیس کے لیے ہے۔ درمیان میں حرف عطف ہے۔ آگے بھی 'وَ' عطف کا ہے اور كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُوَ' ہے جو شیطان کے لیے ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور مِنَ الْكٰفِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کے دو طرح ترجمے کیے گئے ہیں یعنی ''وہ تھا'' اور ''وہ ہو گیا''۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''اور تھا وہ کافروں میں کا۔'' اس صورت میں یہ بزرگ اس کے آگے فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ محذوف مانتے ہیں اور دوسری صورت میں ہمارے بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ كَانَ یہاں صَارَ (ہو گیا) کے معنی میں ہے یعنی وہ پہلے کافروں میں سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا گیا مثلاً ''اور کافروں میں سے ہو گیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) (واللہ اعلم)

| ترجمہ | وَاِذْ قُلْنَا | لِلْمَلٰٓئِكَةِ | اسْجُدُوْا | لِاٰدَمَ | فَسَجَدُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:34 | اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا | تمام فرشتوں سے | تم سجدہ کرو | آدمؑ کو | تو انہوں نے سجدہ کیا |

| اِلَّآ اِبْلِيْسَ | اَبٰى | وَاسْتَكْبَرَ | وَكَانَ |
|---|---|---|---|
| سوائے ابلیس کے | اس نے انکار کیا | اور اس نے بڑائی چاہی (یعنی تکبر کیا) | اور وہ تھا یا ہو گیا |

| مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ |
|---|
| انکار کرنے والوں میں سے |

**نوٹ:1** آیت زیر مطالعہ میں کلام مثبت اور مستثنیٰ منہ (ملائکہ) مذکور ہے اس لئے اِبْلِيْسَ کی نصب سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ چنانچہ اس مقام سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن تھا۔ البتہ سورہ کہف کی آیت نمبر 50 میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ ایک جن تھا، اسی لیے ترکیب میں اسے مستثنیٰ منقطع بتایا گیا۔

**نوٹ:2** مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کے حکم کے متعلق فرماتے ہیں: ''سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی و سجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا''...... آگے لِاٰدَمَ کے متعلق لکھتے ہیں...... ''لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائب سلطان حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ یہ کہ اس کو۔ ل یہاں الٰی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمت آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمت کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں رب کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴾۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۰)

**نوٹ:3** یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جن بھی سجدہ کرنے کے حکم میں داخل تھے۔ تو اس کا جواب قاضی بیضاویؒ ان الفاظ میں دیتے ہیں: ''جن بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کے حکم میں شامل تھے لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد جنات کے ذکر کی ضرورت اس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بڑوں کو کسی کی تعظیم و تکریم کا حکم ہوا ہے تو اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ چھوٹے بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں فَسَجَدُوْٓا کی جو ضمیر ہے وہ دونوں گروہوں کی طرف لوٹے گی۔ (بحوالہ تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۶۶)۔ حضرت قاضی بیضاویؒ کے قول کی تائید قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ ﴾ (7/الاعراف:11،12) ''ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا، ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟'' ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ ﴾ (18/الکہف:50) ''اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس، تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

## آیت:35

﴿وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾﴾

| |
|---|
| قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ |

**س ك ن**

(ن) **سُكُوْنًا** حرکت کے بعد ٹھہرنا۔ آرام کرنا۔ سکونت اختیار کرنا۔ آباد ہونا۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ (10/یونس:67) ''وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کیلئے رات کو تاکہ تم لوگ آرام کرو اس میں۔'' ﴿وَّ سَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ (14/ابراہیم:45) ''اور تم لوگوں نے سکونت اختیار کی ان لوگوں کے مکانوں میں، جنھوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔'' جب اِس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سکون حاصل کرنا۔ ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا﴾ (30/الروم:21) ''اور اُسی کی نشانیوں میں ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم اُن سے سکون حاصل کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**اُسْكُنْ** ج: اُسْكُنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آرام کر۔ تو سکونت اختیار کر۔ ﴿وَ اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ﴾ (7/الاعراف:161) ''اور جب کہا گیا ان لوگوں سے کہ تم لوگ سکونت اختیار کرو اس بستی میں۔''

**سَاكِنٌ** اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والا۔ ٹھہرا ہوا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا تو نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلایا سائے کو، اور اگر وہ چاہتا تو وہ بناتا اس کو ٹھہرا ہوا۔''

**مَسْكُوْنٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ آباد مکان کو کہتے ہیں جس میں کوئی رہتا ہو۔

**مَسْكُوْنَةٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مونث۔ آباد مکان۔ غَیْرُ مَسْكُوْنَةٍ کا مطلب ہوگا غیر آباد مکان جس میں کوئی نہ رہتا ہو۔ ﴿لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ﴾ (24/النور:29) ''تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم اُن مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی رہتا نہ ہو اور اُن میں تمہارا کچھ مال ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**مَسْكَنٌ** ج: مَسَاكِنُ۔ اسم الظرف ہے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ مکان۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ﴾ (34/سبا:15) ''سبا والوں کے لیے اُن کے وطن ہی میں نشان موجود تھا۔'' اور مَسَاكِنُ کے لیے اوپر (ابراہیم:45) دیکھیں۔

**سَكَنٌ** اسم ذات ہے۔ راحت۔ آرام۔ تسکین۔ ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ (9/التوبہ:103) ''بیشک آپ کی دعا ان کیلئے باعث تسکین ہے۔'' مفتی محمد شفیعؒ سَكَنٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سَكَن، سکون سے مشتق ہے، ہر ایسی چیز کو سَكَن کہا جاتا ہے جس پر پہنچ کر انسان کو سکون واطمینان اور راحت حاصل ہو۔ اسی لیے انسان کے رہنے کے گھر کو قرآن میں سَكَن فرمایا ہے، جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا، کیونکہ انسان کا گھر خواہ ایک جھونپڑی ہی ہو وہاں پہنچ کر انسان کو عادۃً سکون وراحت حاصل ہوتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص ۴۰۰)

**سَكِیْنَةٌ** اسم ذات ہے۔ ایسا اطمینان اور سکون جس سے دل کو قرار آجائے اور ہر قسم کی تشویش کا خاتمہ ہو جائے۔ صاحب لغات القرآنؒ فرماتے ہیں: ''سَكِیْنَةٌ وہ اطمینان، چین، قرار اور سکون ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے قلب میں اس وقت

نازل فرماتا ہے جب کہ وہ ہولناکیوں کی شدت سے مضطرب (بے قرار) ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جو کچھ بھی اس پر گزرے وہ اس سے گھبراتا نہیں، یہ اس کے لیے ایمان کی زیادتی، یقین میں قوت اور استقلال کو ضروری کر دیتا ہے، اسی وجہ سے حق سبحانہ نے ''یوم الغار'' اور ''یوم حنین'' جیسے قلق واضطراب کے مواقع پر اپنے رسولؐ اور مومنین پر اس کے نازل کرنے کی خبر دی ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۱۹)۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (48/الفتح:4) ''وہی ہے جس نے اتارا سکون مومنوں کے دلوں میں۔'' واضح رہے کہ قرآن مجید میں سَكِيْنَةٌ کا لفظ چھ جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی اطمینان وسکون ہی کے ہیں۔'' (واللہ اعلم)

سِكِّيْنٌ — اسم ذات ہے۔ چھری۔ چاقو۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ''اس کا نام سِكِّيْنٌ اس لیے ہوا کہ مذبوح (جس کو ذبح کیا جائے) کی حرکت کو زائل کر دیتی ہے۔ یہ سُكُوْنٌ سے بروزن فِعِّيْلٌ اسم مشتق ہے۔'' ﴿وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾ (12/یوسف:31) ''اور تیار کی اُن کے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(ک) سُكُوْنَةٌ — متحرک نہ ہونا۔ محتاج ہونا (محتاجی انسان کو متحرک نہیں رہنے دیتی)۔

مَسْكَنَةٌ — اسم ذات ہے۔ محتاجی۔ ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ (2/البقرۃ:61) ''اور تھوپی گئی ان لوگوں پر ذلت اور محتاجی۔''

مِسْكِيْنٌ — ج: مَسَاكِيْنُ۔ اسم صفت ہے۔ مَنْ لَّا شَيْءَ لَهٗ۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ حدیثِ مبارک میں بڑی وضاحت کے ساتھ مسکین کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔ اَلَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ مسکین شخص وہ ہے جو اتنا بھی مال نہیں رکھتا کہ وہ اس کی وجہ سے مستغنی ہو اور اس کے ظاہری حالات کی وجہ سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ محتاج وضرورت مند ہے اسے صدقہ دیا جائے نیز لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کے لیے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔'' (پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص ۲۱۲)۔ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:26) ''اور تو دے قرابت والوں کو ان کا حق اور ضرورت مند کو۔'' ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:177) ''اور اس نے دیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور ضرورت مندوں کو۔''

(افعال) اِسْكَانًا — (1) کسی کو بسانا۔ آباد کرنا۔ ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ (14/ابراہیم:37) ''اے ہمارے رب میں نے آباد کیا اپنی اولاد میں سے، ایسی وادی میں جو بغیر کھیتی والی ہے۔'' (2) کسی کو ٹھہرا دینا۔ ساکن کر دینا۔ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ﴾ (42/الشوریٰ:33) ''اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

| |
|---|
| زَوْجٌ (ز و ج): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ جَنَّةٌ (ج ن ن): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ء ك ل |

(ن) اَكَلًا — کسی چیز کو کھانا۔ اس کا استعمال مادی اور معنوی دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ ﴿وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ (12/یوسف:17) ''اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس تو کھا گیا اس کو بھیڑیا۔'' ﴿وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ (47/محمد:12) ''وہ کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔''

كُلْ — تثنیہ: كُلَا۔ جمع: كُلُوْا۔ واحد مونث: كُلِيْ۔ فعل امر ہے۔ تو کھا۔﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ ﴾(2/البقرہ:58)''تو تم لوگ کھاؤ اس میں سے جہاں سے تم لوگ چاہو۔''

اٰكِلٌ — ج: اٰكِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔﴿ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ ﴾(23/المومنون:20)''وہ اگاتا ہے تیل اور سالن کھانے والوں کے لیے۔''﴿ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ﴾(37/الصافات:66)''جہنّم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔''

مَاْكُوْلٌ — اسم المفعول ہے۔ کھایا ہوا۔﴿ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ﴾(105/الفیل:5)''تو اس نے کر دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند۔''

اَكَّالٌ — اسم المبالغہ ہے۔ بہت کھانے والا۔﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾(5/المائدہ:42)''بہت زیادہ سننے والے جھوٹ کو، بہت زیادہ کھانے والے حرام کو۔''

اُكُلٌ — اسم ذات ہے۔ درختوں اور پودوں کی پیداوار کا وہ حصہ جو انسان کی خوراک بنے۔ پھل، میوہ۔﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ﴾(2/البقرہ:265)''پہنچی اس کو موٹی بوندوں والی بارش تو اس نے دیا اپنا پھل دوگنا۔''

### ر غ د

(س) رَغَدًا — آسودہ وخوش حال ہونا۔

رَغَدٌ — اسم صفت ہے۔ بافراغت۔ کھلا''وہ نعمت اور رزق جس کے حاصل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہ ہو اور وہ اتنی کثیر ہو کہ اس کے ختم ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔''(معارف القرآن)﴿ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾(16/النحل: 112)''آتا اس کو یعنی بستی کو اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے۔''

### حَيْثُ

حَيْثُ ظرف مکان ہے اور مبنی بر ضمہ ہے۔ معنیٰ ہوتا ہے''جہاں سے''، ''جس جگہ سے'' وغیرہ۔ زیادہ تر مکان مبہم (غیر واضح جگہ) کے لیے آتا ہے اس لیے کسی جملے سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ حَيْثُ کے ایک معنی''اہل'' کے بھی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجدؒ، سورۃ الانعام کی آیت 124 کا ترجمہ کرتے ہیں:﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾''اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی رسالت کا اہل ہے'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں:''حَيْثُ یہاں بطور ظرف کے موضع وموقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔''(نوٹ: ح ی ث مادہ سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم)

شِئْتُمَا (ش ی ء): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

### ق ر ب

(س۔ک) قُرْبًا، قُرْبَانًا — کسی کے نزدیک جانا (س)۔ کسی کے قریب ہونا (ک)۔ قرب کا استعمال قرآنِ مجید میں کہیں باعتبار مکان کے ہوا ہے، کہیں باعتبار زمان کے، کہیں باعتبار نسب کے اور کہیں باعتبار درجہ کے ہوا ہے۔ بندہ سے اللہ کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل ورحمت سے متوجہ ہے۔ قرب کا لفظ بطور کنایہ، ہم بستری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ثلاثی مجرد سے ماضی معروف اور مضارع معروف کے صیغے استعمال نہیں ہوئے، البتہ مصدر قُرْبَانًا استعمال ہوا ہے۔﴿ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ﴾(46/الاحقاف:28)''سو اُن کی مدد اُن لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں اُنہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا تقرب کے لیے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

لَا تَقْرَبْ — فعل نہی ہے۔ تو قریب مت جا۔﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾(2/البقرہ:187)''یہ اللہ کی حدود ہیں تو تم لوگ

ان کے نزدیک مت جاؤ۔'' قرآن مجید میں جہاں کہیں لَا تَقْرَبُوْا کے الفاظ آئے ہیں وہاں قرب سے قرب مکانی مراد ہے۔

**اَقْرَبُ** ج: اَقْرَبُوْنَ۔ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قریب کے رشتے دار۔ ﴿وَلَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ (4/النساء:11) ''اور تم لوگ نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے بلحاظ نفع کے۔'' ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ (4/النساء:7) ''مردوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت میں اَقْرَبُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ اَقْرَبُوْنَ ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو حاوی ہے، خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں، یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں، یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوئے ہیں، لفظ ''اَقْرَبُوْنَ'' سب پر حاوی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۲، ص ۳۱۰)

**قُرْبٰى** اَقْرَبُ کا مونث ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قرابت والے۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (6/انعام:152) ''اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو اگرچہ وہ ہو قرابت والا۔''

**قَرِيْبٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ قریب۔ نزدیک۔ ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ (2/البقرہ:186) ''اور جب آپؐ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقینا میں نزدیک ہوں۔'' قریب واحد و جمع سب کے لیے آتا ہے، لفظ مذکر ہے لیکن مؤنث غیر حقیقی پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے، جیسے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

**مَقْرَبَةٌ** (ا) مصدر میمی ہے۔ قرابت ہونا۔ (ب) اسم ہے۔ قرابت۔ رشتہ دار۔ ﴿يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ (90/البلد:15) ''کسی رشتے دار یتیم کو۔''

**قُرْبَةٌ** ج: قُرُبَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ نزدیک ہونے کا ذریعہ۔ ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ (9/التوبہ:99) ''اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسولؐ کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

**قُرْبَانٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے لغوی معنی کے لحاظ سے قربان ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ خواہ یہ قرب کسی جانور کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے حاصل کیا جائے یا اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کر کے یا اعمال صالح کے ذریعے سے، جیسے ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ (اربعین نوویؒ، حدیث نمبر 38)۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے قربان اس ذبیحہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے اور اردو زبان میں یہی مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ (3/آل عمران:183) ''بیشک اللہ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم بات نہ مانیں گے کسی رسول کی یہاں تک کہ وہ آئے ہمارے پاس کسی ایسی قربانی کے ساتھ، کھاتی ہو جس کو آگ۔'' ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ (5/المائدۃ:27) ''آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی اُنہیں سنا دو، اُن دونوں نے ایک نذرانہ پیش

کیا۔'' (ترجمہ احسن البیان) اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''قُرْبَانًا: قربانی یہاں اصطلاحی معنیٰ میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنیٰ اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔'' قربان کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع قَرَابِیْنُ بھی آتی ہے۔ قرآن مجید میں قربان کا لفظ مصدری معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جس کی مثال پہلے آچکی ہے۔

(تفعیل) تَقْرِيبًا — کسی کو کسی کے نزدیک کرنا۔ پیش کرنا۔ ﴿فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾﴾ (51/الذّٰریٰت:26-27) ''تو وہ لایا ایک موٹا بچھڑا پھر اس نے قریب کیا اس کو، ان کے یعنی فرشتوں کے، کہا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں۔''

مُقَرَّبٌ — ج: مُقَرَّبُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ قریب کیا ہوا۔ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾﴾ (7/الاعراف:114) ''اس نے یعنی فرعون نے کہا ہاں اور یقیناً تم لوگ قریب کئے ہوئے لوگوں میں ہو گے۔''

(افتعال) اِقْتِرَابًا — قریب ہونا۔ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ (21/الانبیاء:1) ''قریب ہوا لوگوں کے لئے ان کا حساب۔''

اِقْتَرِبْ — فعل امر ہے۔ تو قریب ہو جا۔ ﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾﴾ (96/العلق:19) ''خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔''

## ش ج ر

(ن) شَجَرًا، شُجُوْرًا — باہم مختلف ہونا۔ جھگڑنا۔

شَجَرٌ — اسم ذات ہے۔ (1) تنے والا درخت (کیونکہ درخت کی شاخیں مختلف سمت میں پھیلتی ہیں شاید اسی لیے شجر کہلاتا ہے) (واللہ اعلم)۔ درخت کی جنس کے لیے شَجَرٌ۔ ایک درخت کے لیے شَجَرَةٌ جبکہ جمع اَشْجَارٌ ہے۔ ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ (36/یٰسٓ:80) ''جس نے بنایا تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو۔'' عربی زبان میں شجر کا لفظ صرف درخت کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ اس کے مفہوم میں پودے، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ چنانچہ سورۃ النحل کی آیت 10 میں فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ حضرت مولانا عبدالماجدؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''وہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اُسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اُس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اُس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم مویشی چراتے ہو۔'' اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ ابن قتیبہؒ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔'' اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ شجر اکثر درخت کے لیے بولا جاتا ہے، جو ساق یعنی تنے پر کھڑا ہوتا ہے، اور کبھی مطلق زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو بھی شجر کہتے ہیں، گھاس اور بیل وغیرہ بھی اس میں داخل ہوتی ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں، کیونکہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔''

(2) اختلاف۔ جھگڑا۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/النساء:65) ''(پس

نہیں! تیرے رب کی قسم، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپؐ کو حاکم تسلیم کر لیں اس میں جس میں جھگڑا ہے
ان کے مابین۔‘‘

| |
|---|
| اَلظّٰلِمِیْنَ (ظ ل م): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

’وَ‘ استئنافیہ ہے۔ قُلْنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یَا۔ حرف ندا ہے اور اٰدَمُ۔ منادیٰ ہے۔ اُسْكُنْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُسْكُنْ کے اندر اَنْتَ کی ضمیر موجود ہے پھر ایک اور اَنْتَ کی ضمیر آگے کیوں آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُسْكُنْ کی ضمیر فاعلی کی تاکید کے لیے آئی اور اس کے بعد ’وَ‘ عطف کا ہے اور آگے زوج اسم ہے اور عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ اسم کا اسم پر، فعل کا فعل پر اور جملے کا جملے پر عطف ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں زَوْجُكَ کا عطف، فعل اُسْكُنْ پر نہیں ہو سکتا اس لیے اُسْكُنْ کی ضمیر فاعلی کو الگ سے لکھا گیا۔ اس کی اور مثالیں بھی قرآن مجید میں دیکھی جا سکتی ہیں مثلاً المائدہ۔24، ابراہیم:8 وغیرہ۔ (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص:163 ’’المعطوف‘‘)۔ اَلْجَنَّةَ۔ اُسْكُنْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ آگے ’وَ‘ پھر عطف کا ہے اور كُلَا فعل امر میں تثنیہ کا صیغہ ہے اور كُلَا اُسْكُنْ پر عطف ہے۔ مِنْهَا میں ’ھا‘ ضمیر اَلْجَنَّةَ کے لیے ہے۔ رَغَدًا۔ صفت ہے محذوف مفعول مطلق کی یعنی وَكُلَا مِنْهَا اَكْلًا رَغَدًا۔ حَيْثُ۔ ظرف مکان ہے اور شِئْتُمَا۔ ماضی میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ آگے پھر ’وَ‘ عطف کا ہے اور لَا تَقْرَبَا۔ فعل نہی ہے اور اس کا عطف ’’كُلَا‘‘ پر ہے۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ مرکب اشاری اور لَا تَقْرَبَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ فَتَكُوْنَا میں ’ف‘ سببیہ ہے اسی لیے تَكُوْنَا منصوب ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص: 75)۔ تَكُوْنَا کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمَا ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ متعلق خبر ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ’’میرے نزدیک فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ’’پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے‘‘۔ ظلم کے معنی نقصان، کمی و کوتاہی کے آتے ہیں۔ جیسا کہ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا (کہف) میں۔ (تفسیر عثمانیؒ، الاعراف۔19 کے تحت)۔

**ترجمہ — البقرۃ:35**

| وَقُلْنَا | يٰۤاٰدَمُ | اسْكُنْ | اَنْتَ وَزَوْجُكَ | الْجَنَّةَ |
|---|---|---|---|---|
| اور ہم نے کہا | اے آدمؑ | تم رہو | تم بھی اور تمہاری بیوی بھی | اس جنت میں |

| وَكُلَا | مِنْهَا | رَغَدًا | حَيْثُ شِئْتُمَا |
|---|---|---|---|
| اور تم دونوں کھاؤ | اس میں سے | جی بھر کے | جہاں سے تم دونوں چاہو |

| وَلَا تَقْرَبَا | هٰذِهِ الشَّجَرَةَ | فَتَكُوْنَا |
|---|---|---|
| اور تم دونوں نزدیک مت جانا | اس درخت کے | ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے |

| مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۵ |
|---|
| نقصان اٹھانے والوں میں سے |

**نوٹ:1** سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر۔7 میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ اور وہی لوگ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں محکم اور متشابہ، دونوں پہلو شامل ہیں۔ محکم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا تھا جس کی

پابندی نہیں کی گئی۔ متشابہ بات یہ ہے کہ وہ درخت کس چیز کا تھا۔

قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالبعلم اپنی توجہ کو اس بات پر مرتکز کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے کا کیا نتیجہ نکلا اور اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔ اگر طالبعلم اس جستجو میں لگے گا کہ وہ درخت کس چیز کا تھا، تو اس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اصل سبق سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی اور وہ ہدایت سے محروم رہے گا۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

## آیت: 36

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶﴾

| ز ل ل |
|---|

(ض) زَلَّةً، زَلًّا: بلا ارادہ پھسل جانا۔ لغزش ہو جانا۔ بلا ارادہ گناہ ہو جانا۔ ﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ (2/البقرۃ:209) ”پھر اگر لغزش ہو جائے تم لوگوں سے اس کے بعد جو آئیں تمہارے پاس روشن دلیلیں۔“ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ (16/النحل:94) ”اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِزْلَالًا: کسی کو پھسلا دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(استفعال) اِسْتِزْلَالًا: کسی کو پھسلانے کا ارادہ کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ﴾ (3/آل عمران:155) ”بیشک بہکا دیا ان کو شیطان نے بسبب بعض چیزوں کے جو انہوں نے کمائیں۔“

| | |
|---|---|
| اَلشَّيْطٰنُ (ش ط ن، ش ی ط): اعوذ باللہ دیکھیں۔ | اَخْرَجَ (خ ر ج): البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ |
| قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | |

| ھ ب ط |
|---|

(ض) هُبُوْطًا، هَبْطًا: هُبُوْطٌ اور هَبْطٌ کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً بلندی سے نیچے اترنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾۔ گر پڑنا جیسے فرمایا: ﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ﴾ (2/البقرۃ:74) ”اور یقیناً ان پتھروں میں وہ بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے۔“ مسافر کا سواری سے کسی منزل پر اترنا جیسے فرمایا: ﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ﴾ (11/ھود:48) ”ارشاد ہوا اے نوحؑ (کشتی سے) اتریئے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپؑ پر ہیں اور اُن قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کسی شہر میں داخل ہونا جیسے فرمایا: ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ﴾ (2/البقرۃ:61) ”اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی سب چیزیں ملیں گی۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت میں اِهْبِطُوْا کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ”هَبَطَ کے اصلی معنی گرنے کے ہیں اور استعمال میں یہ کسی مسافر کے کسی منزل میں اترنے کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہیں گے هَبَطْنَا الْوَادِيَ (ہم وادی میں داخل ہوئے) یہیں

سے اِهْبِطُوْا مِصْرًا کا محاورہ رائج ہوا اور هُبُوْط کا لفظ نزول کے مرادف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔ اس استعمال کی وجہ غالباً یہ ہوئی ہوگی کہ مسافر جب کسی مقام پر قیام کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں وہ اپنے مرکب سے اترتا ہے۔‘‘ (تدبر قرآن، ج۱، ص ۲۲۵)۔ کسی چیز کو کم کر دینا، گھٹا دینا۔ عربی میں کہتے ہیں هَبَطَ الْمَرَضُ لَحْمَ الْعَلِيْلِ بیماری نے اس کے گوشت کو کم کر دیا اور اَلْهَبِيْطُ کمزور اور لاغر اونٹ کو کہتے ہیں۔ یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

هُبُوْط یا هَبْط کا لفظ جب انسان یا جن کے لیے بولا جائے تو اس میں حقارت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (7/الاعراف:13) ’’حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

**اِهْبِطْ** تثنیہ: اِهْبِطَا۔ ج: اِهْبِطُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو اُتر۔ اِهْبِطْ کے لیے اوپر الاعراف۔13 دیکھیں۔ ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ (20/طٰہٰ:123) ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں جہاں سے اتر جاؤ سب کے سب تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔‘‘ اور اِهْبِطُوْا آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

| |
|---|
| **بَعْضٌ** (ب ع ض): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

**ع د و**

(ن) **عَدْوًا** حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم و زیادتی کرنا۔ دشمنی کرنا۔ اگر اس کا تعلق چلنے سے ہو تو مطلب ہوتا ہے دوڑنا کیونکہ دوڑنا، چلنے سے تجاوز ہی ہے۔ ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾ (7/الاعراف:163) ’’جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہفتہ کے دن میں۔‘‘ ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ﴾ (10/یونس:90) ’’تو ان کا پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔‘‘ ﴿فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ (6/الانعام:108) ’’تو وہ برا کہیں گے اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے کسی علم کے بغیر۔‘‘

**لَا تَعْدُ** فعل نہی ہے۔ تو حد سے مت بڑھ۔ ﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾ (4/النساء:154) ’’اور ہم نے کہا ان سے تم لوگ حد سے مت بڑھو ہفتہ کے دن میں۔‘‘

**عَادٍ** ج: عَادُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حد سے بڑھنے والا۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ﴾ (2/البقرۃ:173) ’’پس جو مجبور ہوا، نہ سرکشی کرنے والا نہ حد سے بڑھنے والا، تو کوئی گناہ نہیں اس پر۔‘‘ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾﴾ (23/المومنون:7) ’’پس جو چاہے اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔‘‘

**عَادِيَةٌ** ج: عَادِيَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑی تیزی سے دوڑنے والی۔ قرآن مجید میں اس کی جمع گھوڑوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً: ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾﴾ (100/العادیات:1) ’’قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)

**عَدُوٌّ** اسم صفت ہے۔ دشمن۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اَعْدَاءٌ بھی آتی ہے۔ ﴿وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾﴾ (2/البقرۃ:168) ’’اور تم لوگ پیروی مت کرو شیطان کے نقش قدم کی بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔‘‘ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ

عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿98﴾ ﴾(2/البقرۃ:98)''جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔''﴿وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ ﴾(41/حم السجدہ:19)''اور جس دن ہانکے جائیں گے اللہ کے دشمن آگ کی طرف۔''واضح رہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (جیسے اوپر البقرۃ۔98) اور بندے کے لیے بھی۔ بندے کی دشمنی اللہ سے یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں، فرشتوں اور اولیاء اللہ سے دشمنی رکھے اور اللہ کی دشمنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسے شخص کو اس کے گناہ پر سزا دے گا اور اس کی مغفرت نہیں کرے گا۔ عَدُوٌّ کی قسمیں بھی دو ہیں۔ ایک دشمنی وہ ہے جو کوئی قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی سے رکھے جیسے فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ ﴾(الانعام:112) یا فرمایا ﴿اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ﴿53﴾ ﴾(بنی اسرائیل:53) اور دوسری دشمنی وہ ہے کہ جس میں قصد و ارادہ کا دخل تو نہ ہو لیکن اس دشمنی کی حالت ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے کسی شخص کو ویسی ہی تکلیف پہنچے جیسی کہ دشمنوں سے پہنچتی ہے مثلاً فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَ اَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ ۚ ﴾(التغابن:14) بعض بیویوں اور اولاد کو جو دشمن قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ اور اس کے احکامات کو بھلا دیتا ہے جس کا آخری انجام نقصان اور خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ جو اہل و عیال اتنے بڑے نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

**عَدَاوَةٌ**: اسم ذات ہے۔ دشمنی۔ اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے۔ یعنی باہمی ہم آہنگی نہ ہونا۔ ﴿وَ اَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾(5/المائدہ:64)''اور ہم نے ڈال دی ان کے مابین دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک کے لیے۔''

**عُدۡوَانٌ**: اسم ذات ہے۔ زیادتی۔ ظلم۔ عُدۡوَانٌ وہ ظلم ہے جو عدل نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ﴿وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۖ﴾(5/المائدہ:2)''اور تم لوگ تعاون مت کرو گناہ اور زیادتی پر۔''

**عُدۡوَةٌ**: اسم ذات ہے۔ کسی چیز کی حد۔ کنارہ۔ ﴿اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا ﴾(8/الانفال:42)''جب تم لوگ تھے نزدیکی کنارے پر۔''

**(مفاعلہ) مُعَادَاةٌ اور عِدَاءٌ**: باہم جھگڑا کرنا۔ کسی سے دشمنی رکھنا۔ ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ﴾(60/الممتحنۃ:7)''قریب ہے کہ اللہ پیدا کر دے تمہارے مابین اور ان کے مابین جن سے تمہارا جھگڑا ہے، ان میں سے کچھ کے، محبت۔''

**(تفعّل) تَعَدٍّ**: کوشش کر کے تجاوز کرنا۔ جانتے بوجھتے تجاوز کرنا۔

**يَتَعَدَّ**: مضارع مجزوم ہے۔ ﴿وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا﴾(4/النساء:14)''اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کیا اس کی حدود سے تو وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں۔''

**(افتعال) اِعۡتِدَاءٌ**: اہتمام سے تجاوز کرنا۔ زیادتی کرنا۔ ﴿وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ ﴾(2/البقرۃ:65)''اور تم لوگ جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تجاوز کیا تم میں سے ہفتہ کے دن میں۔''﴿فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿178﴾ ﴾(2/البقرۃ:178)''پس جو زیادتی کرے اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

**اِعۡتَدِ**: ج: اِعۡتَدُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو زیادتی کر۔ ﴿فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ﴾(2/البقرۃ:194)''پس جس نے زیادتی کی تم لوگوں پر تو تم لوگ زیادتی کرو اس پر، اس کی مانند جو اس نے زیادتی کی تم پر۔''

**مُعْتَدٍ** ج: مُعْتَدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حد سے بڑھنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ ﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۙ﴾ (50/قٓ:25) ''جو نیک کام سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا تھا۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾ (2/البقرہ:190) ''بیشک اللہ پسند نہیں کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔''

| |
|---|
| **اَلْاَرْضُ** (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ق ر ر |

(ض۔س) (ا) **قَرًّا** اور **قُرُوْرًا** کسی چیز کا ٹھنڈا ہو کر جم جانا۔ ٹھنڈا ہونا۔ ٹھنڈا رکھنا (لازم و متعدی) ﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا ﴾ (20/طٰہٰ:40) ''تو ہم نے لوٹایا آپؑ کو (یعنی موسیٰؑ کو) آپؑ کی والدہ کی طرف تاکہ ٹھنڈی ہو اس کی آنکھ۔''

(ب) **قَرَارًا** ٹھہرنا۔ ﴿ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝﴾ (23/مومنون:50) ''اور ہم نے ابن مریمؑ اور اُن کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا اور ہم نے اُن دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**قَرِّ** فعل امر ہے۔ تو ٹھنڈا رہ۔ ٹھنڈا رکھ۔ تو ٹھہر۔ ﴿ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾ (19/مریم:26) ''پس تو کھا اور تو پی اور تو ٹھنڈی رکھ آنکھ۔'' (قَرِّيْ، واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔ ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ (33/الاحزاب:33) ''اور تم ٹھہری رہو اپنے گھروں میں۔'' (قَرْنَ، جمع مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔

**قَرَارٌ** (1) اسم ذات بھی ہے۔ مطلب ہے ٹھہراؤ۔ ﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِۨجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝﴾ (14/ابراہیم:26) ''اور مثال گندی بات کی جیسے درخت گندہ اُکھاڑ لیا اُس کو زمین کے اُوپر سے کچھ نہیں اُس کو ٹھہراؤ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) اسم ظرف ہے۔ مطلب ہے ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقام۔ ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝﴾ (23/المؤمنین:13) ''پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝﴾ (14/ابراہیم:29) ''جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔''

**قُرَّةٌ** اسم ذات ہے۔ ٹھنڈک۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ﴾ (25/الفرقان:74) ''اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ ﴾ (28/القصص:9) ''اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔'' یہاں اس آیت مبارکہ میں قُرَّةٌ کو لمبی 'ت' کے ساتھ لکھا گیا ہے (واللہ اعلم)۔

**قَارُوْرَةٌ** ج: قَوَارِيْرُ۔ شیشہ۔ ﴿ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ (76/الدھر:16) ''چاندی کے شیشے۔'' چاندی کے قواریر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ چاندی کی طرح سفیدی اور شیشے کی طرح صفائی ان برتنوں میں ہوگی۔

(افعال) **اِقْرَارًا** (1) کسی کو ٹھہرانا۔ (2) کسی بات کا اقرار کرنا۔ ﴿ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ ﴾ (22/الحج:5) ''اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو ہم چاہتے ہیں۔'' ﴿ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا ﴾ (3/آل عمران:81) ''ان لوگوں نے کہا ہم نے اقرار کیا، اس نے کہا تو تم لوگ گواہ رہو۔''

(استفعال) **اِسْتِقْرَارًا** ٹھہرے رہنا۔ قرار پکڑنا۔ ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ ﴾ (7/الاعراف:143)

''لیکن تو دیکھ پہاڑ کی طرف پس اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تب تو دیکھے گا مجھ کو۔''

**مُسْتَقِرٌّ** اسم الفاعل ہے۔قرار پکڑنے والا۔ٹھہرنے والا۔﴿ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴾(54/القمر:38)''اور ان پر صبح تڑکے آ چکا ہے ٹھہرنے والا عذاب۔''

**مُسْتَقَرٌّ** اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ٹھہرنے کی جگہ۔ٹھکانہ۔مقررہ وقت۔﴿ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴾(75/القیامہ:12)''تیرے رب کی طرف اس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے۔''﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾(6/الانعام:67)''ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت میں مُّسْتَقَرٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''مُّسْتَقَرٌّ کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے،بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں۔''

| | | |
|---|---|---|
| م | ت | ع |

(ف) **مُتُوْعًا** کسی چیز کا بڑھنا۔بلند ہونا۔

**مَتَاعٌ** ج:اَمْتِعَةٌ۔سامانِ زندگی میں سے ہر وہ چیز مَتَاعٌ کہلاتی ہے جس سے انسان یا کوئی جاندار اپنے زندہ رہنے کے لیے فائدہ اٹھائے۔ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر وہ فنا ہو جائے۔عارضی سامان۔﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ﴾(4/النساء:77)''آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔''﴿ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ ﴾(4/النساء:102)''چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اگر تم لوگ غافل ہوا پنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے۔''

(تفعیل) **تَمْتِيْعًا** لمبا کرنا یا بلند کرنا۔کسی دوسرے کو ایسا سامانِ دنیا دینا جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے۔فائدہ پہنچانا۔﴿ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ﴾(25/الفرقان:18)''اور لیکن تو نے عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانے دیا ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک کہ وہ لوگ بھول گئے یاد دہانی کو۔''

**مَتِّعْ** ج:مَتِّعُوْا۔فعل امر ہے۔تو فائدہ اٹھانے دے۔تو برتنے کی چیز دے۔﴿ وَ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ﴾(2/البقرہ:236)''اور برتنے کا سامان دو ان عورتوں کو وسعت والے پر ہے اس کی قدرت کے مطابق اور تنگدست پر ہے اس کی قدرت کے مطابق۔''

(تفعّل) **تَمَتُّعًا** کوشش کر کے کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔﴿ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ﴾(47/محمد:12)''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کھاتے ہیں چوپائے۔''(حج کے ایک ہی سفر میں پہلے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا جائے پھر مکہ مکرمہ سے ہی حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے تو اسے (ڈبل فائدہ اٹھانے کی وجہ سے)''حج تمتّع'' کہتے ہیں)۔

**تَمَتَّعْ** ج:تَمَتَّعُوْا۔فعل امر ہے۔تو فائدہ اٹھا۔﴿ فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾(11/ھود:65)''تو انہوںؑ نے کہا تم لوگ فائدہ اٹھا لو اپنے گھر میں تین دن۔''قرآن مجید میں جہاں کہیں تَمَتَّعْ اور تَمَتَّعُوْا (فعل امر) کے صیغے آئے ہیں تو اس سے دنیا سے فائدہ اٹھانے کو کہا گیا ہے اور بطور ڈانٹ کے کہا گیا ہے۔یعنی تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے برت لو جو برتنا ہے۔(لغات القرآن۔تلخیصاً)

(استفعال) **اِسْتِمْتَاعًا** کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔''کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا جائے تو اس کو استمتاع کہتے ہیں عربی قواعد کی

رو سے کسی کلمہ کے مادے میں 'س' اور 'ت' کا اضافہ کر دینے سے طلب وحصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۲،ص:۳۶۶) ﴿ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا ۚ ﴾ (46/الاحقاف:20) ''تم لوگ لے گئے اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں اور تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا اس سے۔''

## ح ی ن

(ض) حَيۡنًا کسی چیز کا وقت قریب آنا۔

حِيۡنٌ ظرف زمان ہے۔ وقت۔ حِيۡنٌ کہتے ہیں طویل اور لامحدود زمانے کا ایک محدود حصہ یعنی وہ خاص وقت جو اس طویل زمانے کے اندر کبھی پیش آیا ہو۔ اس طویل اور لامحدود زمانے کو قرآن میں الدّھر کہا گیا ہے۔ حِيۡنٌ ظرف مبہم ہے یعنی اس میں غیر معین وقت کا مفہوم ہے۔ اگر کسی معین وقت کا ذکر ہو تو اس کے بعد مضاف الیہ یا کوئی فعل لاتے ہیں۔ ﴿ وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴾ (10/یونس:98) ''اور ہم نے برتنے دیا ان کو ایک وقت تک یعنی کچھ عرصہ تک۔'' (غیر معین) ﴿ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:177) ''اور ڈٹے رہنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔'' (معین وقت) ﴿ وَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ حِيۡنَ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ﴾ (25/الفرقان:42) ''اور وہ لوگ جلد ہی جان لیں گے جس وقت وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔'' (معین وقت)۔

حِيۡنَئِذٍ۔ حِيۡنٌ کے بعد اِذۡ کا اضافہ کر کے حِيۡنَئِذٍ بنا دیا جاتا ہے۔ اور یہ کسی معین وقت کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی ''اس وقت''۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ﴾ (56/الواقعۃ:84) ''اور تم اس وقت (مرنے والے کی حالت کو) دیکھ رہے ہوتے ہو۔''

## ترکیب

اَزَلَّ فعل۔ ھُمَا اس کا مفعول اور اَلشَّيۡطٰنُ اس کا فاعل ہے۔ ھُمَا کی ضمیر مفعولی، حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا کے لیے ہے۔ عَنۡهَا متعلق فعل ہے۔ عَنۡ یہاں پر سببیہ ہے اور 'ھا' ضمیر گزشتہ آیت میں لفظ اَلشَّجَرَةَ کے لیے ہے۔ مطلب ہے ''اس درخت کے باعث'' یا ''اس درخت کی وجہ سے'' شیطان نے حضرت آدمؑ اور حوّا کو پھسلا دیا۔ آگے اَخۡرَجَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو اَلشَّيۡطٰنُ کے لیے ہے اور ھُمَا اس کا مفعول ہے۔ مِمَّا۔ مِنۡ اور مَا کا مرکب ہے۔ كَانَا بھی تثنیہ کا صیغہ ہے اور مراد حضرت آدمؑ اور حوّا ہیں۔ فِيۡهِ متعلق فعل ہے۔ فِيۡهِ میں 'ہ' ضمیر، اَلۡجَنَّةَ کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے مؤنث ضمیر 'ھا' آتی۔ چنانچہ اس سے 'عزت وراحت' مراد لی گئی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''پھر نکالا ان کو اس عزت وراحت سے کہ جس میں تھے۔'' قُلۡنَا ماضی کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحۡنُ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِهۡبِطُوۡا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ ہے جو کہ حضرت آدمؑ، بی بی حوّا اور شیطان کے لیے ہے۔ گویا اِهۡبِطُوۡا کے حکم میں یہ سب شامل تھے۔ اگلا جملہ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ، اِهۡبِطُوۡا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے یعنی ''تم سارے اتر جاؤ اس حال میں کہ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔'' بَعۡضُكُمۡ مبتدا ہے، عَدُوٌّ خبر اور لِبَعۡضٍ متعلق خبر ہے۔ آگے مُسۡتَقَرٌّ اور مَتَاعٌ مبتدا مؤخر ہیں۔ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ قائم مقام خبر مقدم اور اِلٰى حِيۡنٍ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| فَاَخۡرَجَهُمَا | عَنۡهَا | الشَّيۡطٰنُ | فَاَزَلَّهُمَا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| پھر اس نے نکالا ان دونوں کو | اس (درخت کی وجہ) سے | شیطان نے | پھر پھسلا دیا ان دونوں کو | البقرۃ:36 |

| بَعۡضُكُمۡ | اهۡبِطُوۡا | وَقُلۡنَا | مِمَّا كَانَا فِيۡهِ ۖ |
|---|---|---|---|
| (اس حال میں کہ) تم میں سے بعض | تم لوگ اترو | اور ہم نے کہا | اس میں سے جس (عزت وراحت) میں وہ دونوں تھے |

| لِبَعۡضٍ | عَدُوٌّ ۚ | وَلَكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ | مُسۡتَقَرٌّ |
|---|---|---|---|
| بعض کے | دشمن ہیں | اور تمہارے لیے زمین میں ہے | ایک ٹھہرنے کی جگہ |

| وَّمَتَاعٌ | اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۳۶﴾ |
|---|---|
| اور فائدہ اٹھانے کا کچھ سامان | ایک عرصہ کے لیے |

نوٹ:1 ایک اہم بات یہ نوٹ کرلیں کہ فَاَزَلَّهُمَا میں ضمیر مفعولی هُمَا تثنیہ کے صیغے میں آئی ہے۔اس سے وضاحت ہوجاتی ہے کہ لغزش میں حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا، دونوں شامل تھے۔اس لیے یہ عام خیال غلط ہے کہ بی بی حوّا نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا۔اس کی مزید تصدیق آگے فَاَخۡرَجَهُمَا کے الفاظ سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے نکلوانے کا ذمہ دار شیطان کو قرار دیا ہے۔اس کی ذمہ دار اگر بی بی حوّا ہوتیں تو اَخۡرَجَ کے بجائے اَخۡرَجَتۡ کا صیغہ آتا اور ضمیر مفعولی واحد مذکر آتی۔(اَخۡرَجَتۡهُ)۔شیطان نے اُس درخت کی وجہ سے حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حوّا کو کیسے بہکایا اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ آیت 120 میں ہے۔

نوٹ:2 انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں البتہ ان سے نسیان (بھول)، اجتہادی غلطی وغیرہ کا صدور ہوسکتا ہے جو کہ عصمت کے خلاف نہیں۔حضرت آدمؑ سے شجرہ ممنوعہ کھالینے میں نسیان ہی ہوا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿فَنَسِيَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾﴾ (طٰہٰ:115)''سو وہ بھول گئے اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد۔''

## آیت:37

## ﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۳۷﴾ ﴾

تَلَقّٰى (ل ق ی):البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م):البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب):الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ك ل م**

(ض۔ن) كَلۡمًا زخم لگانا۔'ک ل م' ان مادوں میں سے ہے جن کا مفہوم ثلاثی مزید فیہ میں جاکر بالکل تبدیل ہوجاتا ہے۔

(تفعیل) تَكۡلِيۡمًا کسی سے بات چیت کرنا۔گفتگو کرنا۔﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ (3/آل عمران:41)''اس نے یعنی اللہ نے کہا آپؑ کی نشانی ہے کہ آپؑ بات نہیں کریں گے لوگوں سے تین دن۔''﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾﴾ (4/النساء:164)''اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔''

(تفعّل) تَكَلُّمًا بولنا۔کہنا۔﴿لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ﴾ (78/النبا:38)''وہ لوگ نہیں بولیں گے مگر وہ جس کو اجازت دی اللہ نے۔''

كَلِمَةٌ ج: كَلِمَاتٌ اور كَلِمٌ۔اسم ذات ہے۔كَلِمَةٌ کا لغوی معنیٰ ''بامعنی بات'' ہے جس کا ادراک سماعت سے ہوسکے اور اس کا مفہوم بھی سمجھ میں آسکے۔اس کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور اِن کے معانی دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسے كَلِمَةُ التَّوۡحِيۡدِ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوۡلُ اللّٰهِ)، كَلِمَةُ التَّقۡوٰى (بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ) اور بامعنی کلام کے ہر جز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ اسم ہو، فعل ہو یا حرف ہو۔چنانچہ عربی زبان میں کسی بات، خطبہ، شعر اور پورے

قصیدے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی کَلِمَۃُ اللہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ کلمہ کُنْ سے پیدا ہوئے تھے۔ کلمہ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنیٰ عجائباتِ قدرت، قوانین فطرت اور اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارنامے مراد ہوتے ہیں۔(تفہیم القرآن) چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (18/الکہف:109) ''کہہ دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اُس کی مدد کو لائیں۔'' جب کلمہ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے انسان کی طرف ہو تو اس سے مراد احکام الٰہیہ اور فرامین الٰہیہ ہوتے ہیں۔﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴾ (39/الزمر:19) ''بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپ اُسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔'' ﴿ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ﴾ (23/المومنون:100) ''یہ تو بس ایک بات ہے، وہ اس کا کہنے والا ہے۔﴿ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (10/یونس:82) ''اور سچ کرتا ہے اللہ حق کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔''
﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ (5/المائدہ:13) ''وہ لوگ پھیرتے ہیں الفاظ کو ان کے اصل مقام سے۔''

**کَلَامٌ** اسم ذات ہے۔ منظم، مرتب اور مکمل بات۔ کلام۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ہر ایسی مفید بات کو کہتے ہیں جو مخاطب کی سمجھ میں آنے والی ہو۔ اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ایسی صفت ہے جس سے کوئی زندہ اپنے مافی الضمیر (جو کچھ اُس کے دل میں ہے) کو زبانی الفاظ، تحریر یا اشارات کے ذریعے دوسرے کو سمجھا سکے۔﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (48/الفتح:15) ''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ تبدیل کر دیں اللہ کے کلام کو۔''

| ت و ب |
|---|

**(ن) تَوْبًا، تَوْبَةً اور مَتَابًا** رجوع کرنا۔ پلٹنا۔ واپس ہونا۔ (۱) گناہ کے بعد بندے کا اپنی غلطی پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پلٹنا۔ توبہ کرنا۔ (۲) اللہ کا پلٹنا بندے پر اپنی شفقت اور رحمت کے ساتھ۔ توبہ قبول کرنا۔ توبہ کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ کبھی اِلٰی کا صلہ آتا ہے اور کبھی صلہ کے بغیر آتا ہے۔ اس وقت دراصل اِلَى اللّٰهِ کے الفاظ محذوف ہوتے ہیں۔ جبکہ توبہ قبول کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ﴾ (5/المائدہ:74) ''تو وہ لوگ کیوں نہیں پلٹتے اللہ کی طرف یعنی کیوں توبہ نہیں کرتے اور مغفرت طلب کرتے اس سے۔''
﴿ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ (6/الانعام:54) ''بیشک وہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا پھر وہ پلٹا یعنی اس نے توبہ کی اس کے بعد۔'' ﴿ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ﴾ (33/الاحزاب:24) ''تاکہ اللہ جزا دے سچوں کو ان کی سچائی کے سبب سے اور تاکہ وہ عذاب دے منافقوں کو اگر وہ چاہے، یا وہ ان کی توبہ قبول کرے۔'' ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ (66/التحریم:8) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔'' ﴿ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴾ (25/الفرقان:71) ''اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اُس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔''

**تُبْ** ج: تُوْبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو توبہ کر یا توبہ قبول کر۔﴿ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ﴾ (2/البقرۃ:128) ''اور تو سمجھا دے ہم کو ہمارے عبادت کے طریقے اور تو ہماری توبہ قبول فرما۔'' ﴿ وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ﴾

(11/ھود:52) ’’اور اے میری قوم تم لوگ مغفرت طلب کرو اپنے رب کی پھر تم لوگ توبہ کرو۔‘‘

**تَآئِبٌ** ج: تَآئِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر کا صیغہ۔ توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾ (9/التوبۃ:112) ’’توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے۔‘‘ قرآن مجید میں تائب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا۔

**تَآئِبَۃٌ** ج: تَآئِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ توبہ کرنے والی۔ ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ﴾ (66/التحریم:5) ’’جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں۔‘‘

**تَوَّابٌ** ج: تَوَّابُوْنَ۔ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ اور بار بار توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (9/التوبۃ:104) ’’اور یہ کہ اللہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔‘‘ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:222) ’’یقیناً اللہ پسند کرتا ہے بار بار توبہ کرنے والوں کو۔‘‘ تَوَّابٌ کا لفظ اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’لفظ تَوَّابٌ بندہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:222) ’’اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جیسے اس آیت میں ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (2/البقرۃ:37) ’’جب بندے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا، اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں توبہ قبول کرنے والا، یہ صرف لفظ تَوَّابٌ کا حکم ہے اسی معنی کا دوسرا لفظ تَآئِبٌ ہے، اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں، اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے وہ بھی غلط نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان میں صرف وہی صفات اور القاب استعمال کرنا جائز ہیں جن کا ذکر قرآن وسنت میں وارد ہے، باقی دوسرے الفاظ اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال درست نہیں۔‘‘ (معارف القرآن، ج ا، ص ۲۰۱)۔

**تَوْبَۃٌ اور تَوْبٌ** اسم ذات ہیں۔ توبہ۔ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (9/التوبۃ:104) ’’کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔‘‘ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ﴾ (40/المومن:3) ’’گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘

توبہ جب بندے کی طرف سے ہو تو وہ چار چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (ا) اپنے کیے ہوئے گناہ کو گناہ سمجھنا اور اُس پر ندامت ہونا۔ (ب) اس گناہ کو بالکل چھوڑ دینا۔ (ج) آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ یعنی گزشتہ پر ندامت اور اعتراف جرم، حال میں اُس کا ترک کرنا اور مستقبل میں نہ کرنے کا ارادہ کرنا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ (د) اگر معاملہ حقوق العباد کا ہو تو جس کا حق مارا ہو اس کا حق واپس کرنا یا اس سے معافی مانگنا اور اگر معاملہ حقوق اللہ کا ہے تو جو فرائض فوت ہو چکے ہوں اور اگر ان کی قضا ہے، تو قضا ادا کرنا۔ یہ چار چیزیں کسی توبہ میں ہوں، تب وہ حقیقتاً توبہ ہے۔

| |
|---|
| اَلرَّحِيْمُ (رح م): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

**ترکیب**

فَتَلَقّٰى فعل ماضی، اٰدَمُ فاعل، مِنْ رَّبِّهٖ متعلق فعل اور كَلِمٰتٍ مفعول ہے۔ تَابَ کے ساتھ عَلٰى کا صلہ آیا ہے چنانچہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ حضرت آدمؑ پر متوجہ ہوا یا دوسرے الفاظ میں ان کی توبہ قبول کی۔ عَلَيْهِ میں ’ہ‘ ضمیر حضرت آدمؑ کے لیے اور تَابَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، اس لیے اِنَّهٗ میں اِنَّ کے بعد ضمیر مرفوعہ هُوَ کے بجائے ضمیر منصوبہ ہٗ آئی ہے۔ هُوَ ضمیر فاصل ہے، کیونکہ تَوَّابٌ اور رَحِيْمٌ خبریں معرّف باللّام ہیں اور اس سے حصر کا مفہوم بھی پیدا ہوا ہے۔

| ترجمہ | فَتَلَقّٰٓی | اٰدَمُ | مِنْ رَّبِّهٖ | كَلِمٰتٍ | فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:37 | تو سیکھ لیے | حضرت آدمؑ نے | اپنے رب سے | کچھ الفاظ | تو اس (اللہ تعالیٰ) نے توبہ قبول کی ان (آدمؑ) کی |

| |
|---|
| اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ |
| یقیناً وہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ:1** دیکھیے یہاں تَلَقّٰی کی جگہ عَلَّمَ کا لفظ بھی آسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کلمات کا علم سکھا دیا اور تَعَلَّمَ بھی آسکتا تھا کہ حضرت آدمؑ نے خود کوشش کر کے کلمات سیکھ لیے۔ لیکن یہاں تَلَقّٰی آیا ہے جو فصاحت اور بلاغت کی انتہا ہے اور اس ایک لفظ نے حضرت آدمؑ کی کیفیت کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی وہ جنت سے نکالے جانے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کی وجہ سے بہت بے قرار تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمات سکھائے تو انہوں نے ان کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا۔ مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں: ”تَلَقّٰی کے معنی ہیں شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اس کو قبول کرنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اُن کو توبہ کے کلمات کی تلقین کی گئی تو آدمؑ نے اہتمام کے ساتھ اُن کو قبول کیا۔“ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۹۹)۔ یہ کلمات سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 23 میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾﴾۔ اس آیت مبارکہ سے عیسائیوں کے عقیدے (Original Sin) کی بھی نفی ہوگئی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ان کلمات کو اپنی دعا میں اپناؤ جن کے ذریعے تمہارے باپ آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 38

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾

| |
|---|
| قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اِهْبِطُوْا (ھ ب ط): البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ جَمِيْعًا (ج م ع): البقرۃ آیت 29 دیکھیں۔ |

**اِمَّا** اِمَّا ”حروف غیر عاملہ“ میں سے ہے اس کے معنی ہوتے ہیں ”یا“ اور یہ جملے میں دو بار استعمال ہوتا ہے اور کئی معنی دیتا ہے۔

(1) بطور حرف تفصیل: جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾﴾ (76/الدھر:3) ”ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار ہوا اور یا کافر ہو گیا۔“ (ترجمہ ماجدیؒ) ”ہم نے اس کو سجھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) شک وابہام کے موقع پر جیسے: جَاءَ اِمَّا زَيْدٌ وَاِمَّا خَالِدٌ۔ یا تو زید آیا ہے یا خالد گویا یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون آیا ہے۔

(3) اِبَاحَت (جائز قرار دینا) اور تخییر (اختیار دینا) کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ (7/الاعراف:115) ”وہ (جادوگر) بولے اے موسیٰؑ یا تو آپؑ پہلے ڈال لیں یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہوں“ یہاں اس آیت مبارکہ میں اِمَّا تخییر کے معنی دے رہا ہے۔

**نوٹ:** کبھی اِمَّا، اِنْ شرطیہ اور 'ما' زائدہ کا مرکب ہوتا ہے اور 'ما' زائدہ تاکید کے معنی دیتا ہے۔ اِنْ شرطیہ کے ساتھ مضارع مجزوم آتا ہے لیکن اِمَّا کے ساتھ مضارع، نِ ثقیلہ کے ساتھ آتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے یا فرمایا: ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ﴾ (9/مریم:26) ”پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی۔“ ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ﴾ (17/بنی اسرائیل:28) ”اور اگر آپؐ کو اُن سے منہ پھیرنا ہی پڑے۔“ وغیرہ۔

| |
|---|
| يَاْتِيَنَّ (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ هُدًى (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |

ت ب ع

(س) تَبَعًا: کسی کے نقشِ قدم پر چلنا۔ کسی کی پیروی کرنا۔﴿ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (14/ابراہیم:36)''پس جس نے میری پیروی کی تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بہت ہی بخشنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔''

تَابِعٌ: ج: تَابِعُوْنَ اور تَبَعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیروی کرنے والا۔ خدمت کرنے والا۔ نوکر۔ ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:145)''اور آپؐ پیروی کرنے والے نہیں ہیں ان کے قبلہ کی۔''﴿ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ﴾ (40/المومن:47)''بیشک ہم تو تمہاری پیروی کرنے والے تھے۔''﴿ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ﴾ (24/النور:31)''یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں مردوں میں سے۔'' (نوٹ: تَبَعٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنا اور تَابِعٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنے والے)۔

تَبِیْعٌ: فَعِیْلٌ کے وزن پر بمعنی اسم الفاعل ہے۔ اس لفظ کے لفظی معنی ہیں''پیچھا کرنے والا'' البتہ ہمارے بزرگوں نے اس لفظ کے کئی طرح سے ترجمے کیے ہیں، مثلاً: باز پرس کرنے والا۔ دعویٰ کرنے والا۔ انتقام لینے والا، وغیرہ۔ قرآن مجید میں یہ ایک ہی مرتبہ، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 69 میں استعمال ہوا ہے۔﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴾ ''اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اُس کا کوئی باز پرس کرنے والا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)''پھر تم اپنے لیے ہم پر اُس کا دعویٰ (پیچھا) کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)''پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

تُبَّعٌ: یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔﴿ اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ﴾ (44/الدخان:37)''کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا یمن کے بادشاہوں کی قوم۔''

(افعال) اِتْبَاعًا: (۱) کسی کے پیچھے لگنا۔ (۲) کسی کو کسی کے پیچھے لگانا، اس صورت میں اس کے دو مفعول ہوتے ہیں۔﴿ فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:175)''پس پیچھے لگا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔''﴿ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ ﴾ (28/القصص:42)''تو ہم نے ان کے پیچھے لگا دیا اس دنیا میں لعنت کو۔''

(افتعال) اِتِّبَاعًا: اہتمام سے پیروی کرنا۔ پیچھا کرنا۔﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ﴾ (3/آل عمران:53)''اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل کیا اور ہم نے پیروی کی اِن رسولؑ کی۔'' پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۲۲۳)

اِتَّبِعْ: ج: اِتَّبِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پیروی کر۔﴿ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ﴾ (31/لقمان:15)''اور تو پیروی کر اس کے راستے کی جس نے رخ کیا میری طرف۔''﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرۃ:170)''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ پیروی کرو اُس کی جس کو نازل کیا اللہ نے۔''

مُتَّبَعٌ: ج: مُتَّبَعُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کی پیروی کی جائے۔ جس کا پیچھا کیا جائے۔﴿ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴾ (44/الدخان:23)''تو تم روانہ ہو میرے بندوں کے ساتھ رات کے وقت یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

(تفاعل) **تَتَابُعًا** ایک کے پیچھے ایک آنا۔ لگاتار آنا۔

**مُتَتَابِعٌ** ج: مُتَتَابِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ایک کے پیچھے ایک آنے والا۔ لگاتار آنے والا۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ (4/النساء:92) ''پس جو نہ پائے تو روزہ (رکھنا) ہے ایک کے پیچھے ایک آنے والے یعنی مسلسل دو مہینوں کا۔''

| خ | و | ف |
|---|---|---|

(ف) **خَوْفًا اور خِيْفَةً** آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف و مصیبت کا اندیشہ کرنا۔ ڈرنا۔ خوف محسوس کرنا۔ اس کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ (11/ھود:103) ''بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرے آخرت کے عذاب سے۔'' ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ (7/الاعراف:205) ''اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' خِيْفَةٌ، اصل میں خِوْفَةٌ تھا۔ 'و' ، 'ی' میں تبدیل ہوگئی اور خ کی زبر کو 'ی' کی مناسبت سے زیر میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح خِيْفَةٌ بن گیا۔ اَلْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ: امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے، اسی قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے بلکہ خوف الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے اور طاعات کو اختیار کرے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا وہ خائف یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔'' (مفردات القرآن، ج ا، ص ۳۲۳)

**خَوْفٌ** اسم ذات بھی ہے۔ ڈر۔ خوف۔ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾ (2/البقرہ:155) ''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''خوف اور خشیّت میں فرق: مولانا مودودیؒ ان دو لفظوں میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں ڈر کے لیے خوف اور خشیّت دو لفظ استعمال ہوتے ہیں جن کے مفہوم میں ایک باریک فرق ہے۔ خوف کا لفظ بالعموم اُس ڈر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی کی طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کے احساس کی بنا پر آدمی کے دل میں پیدا ہو۔ اور خشیت اُس ہیبت کے لیے بولتے ہیں جو کسی کی عظمت کے تصور سے آدمی کے دل میں طاری ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۱۲۳)

**خَائِفٌ** ج: خَائِفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ڈرنے والا۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ (28/القصص:21) ''پس وہ نکلے اس (بستی) سے ڈرنے والا ہوتے ہوئے، (اپنی گرفتاری) کا انتظار کرتے ہوئے۔''

**خَفْ** ج: خَافُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ڈر۔ ﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (3/آل عمران:175) ''پس تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

(تفعیل) **تَخْوِيْفًا** خوف دلانا۔ ڈرانا۔ ﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ﴾ (39/الزمر:16) ''یہ ہے، خوف دلاتا ہے اللہ اس سے اپنے بندوں کو۔'' ''اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔'' (راغبؒ)۔ ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ (17/بنی اسرائیل:59) ''اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر (لوگوں کو عذاب سے) خوف زدہ کرنے کے لیے۔''

(تفعّل) **تَخَوُّفًا** انسان میں خوف ظاہر ہونا۔ ڈرنا۔ خوف محسوس کرنا۔ جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو پھر اس سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں (1) کسی کو ڈرانا یا خوف دلانا۔ (2) تَنَقُّصٌ یعنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ کم کرنا۔ قرآن مجید میں تَخَوُّفًا

ایک ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے سورۂ نحل کی آیت 47 میں: ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ﴾ اس آیت کا ترجمہ ان دونوں مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ ''یا پکڑے اُن کو ڈرانے کے بعد'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''یا اُنہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے'' (ترجمہ ماجدیؒ)

## ح ز ن

(س) حَزَنًا: غمگین ہونا۔ پچھتانا۔ (لازم) ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ (41/حٰم السجدہ:30) ''اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ خوف مت کرو اور غمگین مت ہو۔''

(ن) حَزَنًا: غمگین کرنا۔ (متعدی) ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ (3/آل عمران:176) ''اور غمگین نہ کریں آپؐ کو وہ لوگ جو باہم سبقت کرتے ہیں کفر میں۔''

حُزْنٌ اور حَزَنٌ: دونوں اسم ذات ہیں۔ غم۔ افسوس۔ کسی مقصد و مراد کے فوت ہو جانے سے پیدا ہونے والے غم کو یا کسی پیاری چیز سے محروم ہو جانے پر دل میں جو دکھ پیدا ہوتا ہے اُسے حزن کہتے ہیں۔ اس کا تعلق ماضی سے ہے۔ ﴿ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ ﴾ (12/یوسف:84) ''اور سفید ہو گئیں انؑ کی آنکھیں غم سے۔'' ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾ (35/فاطر:34) ''اور ان لوگوں نے کہا تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔''

## ترکیب

قُلْنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اگلا جملہ وہ بات ہے جو کہی گئی ہے۔ اِهْبِطُوْا فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ مِنْهَا متعلق فعل ہے اور 'هَا' ضمیر اَلْجَنَّةَ کے لیے ہے اور جَمِيْعًا لفظاً تو اِهْبِطُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے اور معناً تاکید ہے یعنی تم سب اترو۔ فَاِمَّا میں 'فَ' حرف عطف ہے اور اِمَّا، اِنْ شرطیہ اور 'مَا' زائدہ کا مرکب ہے۔ 'مَا' زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ يَاْتِيَنَّ، اصل میں فعل مضارع يَاْتِيْ پر نون ثقلیہ داخل کرنے سے بنا ہے۔ اس کا مفعول كُمْ ضمیر ہے، مِنِّيْ متعلق فعل ہے اور هُدًى اس کا فاعل ہے اس لیے محلاً حالت رفع میں ہے۔ مِنِّيْ اصل میں حرف جر مِنْ اور یائے متکلم کا مرکب جاری ہے۔ یہ ان بعض صورتوں میں سے ہے جہاں ن وقایہ آتا ہے چنانچہ یہ مِنْ نِيْ ہے۔ جب ان کو ملایا تو ن وقایہ کا مِنْ کے 'ن' کے اندر ادغام ہوا اور مِنِّيْ بن گیا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى، جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط اگلا پورا جملہ فَمَنْ تَبِعَ سے لے کر اخیر تک ہے جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے۔ چنانچہ فَمَنْ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ مَنْ شرطیہ اور مبتدا ہے۔ مَنْ موصول، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں مَنْ کی لفظی رعایت کے تحت واحد مذکر غائب کا صیغہ تَبِعَ آیا ہے۔ لیکن مَنْ یہاں جمع کے معنوں میں ہے اس لیے آگے عَلَيْهِمْ اور وَلَا هُمْ میں اس کی معنوی رعایت کرتے ہوئے جمع کی ضمیریں آئی ہیں۔ تَبِعَ فعل ماضی ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے هُدَايَ اس کا مفعول ہے جو کہ مرکب اضافی ہے۔ هُدَا دراصل اَلْهُدٰی تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف گرا تو هُدٰی باقی بچا اور قاعدہ یہ ہے کہ الف مقصورہ (جس کے آخر میں ـــ ی ہو) والے لفظ کے بعد اگر ضمیر آئے تو اسے الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ هُدٰی کی 'ی' گری اور هُدَا باقی بچا۔ اس کے آگے یَ دراصل یائے متکلم ہے جس سے پہلے اگر الف ہو تو اسے فتحہ سے پڑھتے ہیں۔ تَبِعَ هُدَايَ، جملہ فعلیہ بن کر مَنْ کی خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ، شرط ہے اور محلاً مجزوم ہے۔ آگے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، اس شرط کی جزا ہے۔ اس میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے، لَا نفی کا ہے، خَوْفٌ مبتداء ہے اور عَلَيْهِمْ محذوف خبر سے متعلق ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے لَا نافیہ ہے۔ هُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ يَحْزَنُوْنَ اس کی خبر۔ جملہ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ معطوف ہے جملہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ پر۔ اور جملہ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ اپنے جواب شرط کے ساتھ مل کر (جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے) معطوف ہے جملہ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا پر۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ آیت کے آخری حصے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں: ''خوف کی نفی تو عام انداز میں کر دی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزْنَ عَلَيْهِمْ،

بلکہ بصیغۂ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔''

(معارف القرآن، ج۱،ص ۲۰۲)

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:38 |

| قُلْنَا | اهْبِطُوْا | مِنْهَا | جَمِيْعًا | فَاِمَّا | يَاْتِيَنَّكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم نے کہا | تم لوگ اترو | اس (جنت) سے | سب کے سب | پھر اگر | آئے تمہارے پاس |

| مِّنِّىْ | هُدًى | فَمَنْ | تَبِعَ | هُدَاىَ | فَلَا خَوْفٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| میری طرف سے | کوئی ہدایت | پس جس نے | پیروی کی | میری ہدایت کی | تو نہ کوئی خوف ہوگا |

| عَلَيْهِمْ | وَلَا | هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ |
|---|---|---|
| ان پر | اور نہ ہی وہ لوگ | غمگین ہوں گے |

**نوٹ:1** ''نیچے اُترنے کا حکم دو بار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبول توبہ کے بعد، پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دوسری بار منصب خلافت سنبھالنے کے لیے دونوں حکموں کی غرض وغایت الگ الگ ہے، اس لیے یہاں تکرار نہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص ۵۱)

**نوٹ:2** اس آیت مبارکہ کے مطالعے کے بعد اگر استاد محترم جناب عامر سہیل صاحب کی کتاب 'لسان القرآن' سے جملہ شرطیہ کے قواعد دوبارہ پڑھ لیے جائیں تو انشاء اللہ کافی فائدہ ہوگا۔

## آیت: 39

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۤئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع﴾

| |
|---|
| كَفَرُوْا (ک ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ كَذَّبُوْا (ک ذ ب): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| اٰيٰتٌ: نوٹس کے آغاز میں لفظ سورۃ کے بعد دیکھیں۔ |

**ص ح ب**

(س) صُحْبَةٌ کسی کے ساتھ رہنا۔ ساتھی ہونا۔

صَاحِبٌ ج: اَصْحَابٌ، صَحَابَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ والا۔ ساتھی۔ ساتھ رہنے والا لیکن ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت بکثرت ہو۔ کسی شے کے مالک کو بھی صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے صَاحِبُ الْبَيْتِ۔ گھر کا مالک۔ اور اسی طرح اُس کو بھی جو اس شے میں تصرف کا مالک ہو۔ ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ﴾ (9/التوبۃ:40) ''جب انہوںؐ نے کہا اپنے ساتھی سے آپؓ غمگین نہ ہوں۔'' ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ﴾ (68/القلم:48) ''اور آپؐ مت ہوں مچھلی والےؑ کی مانند۔'' ﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ﴾ (6/الانعام:71) ''اس کے کچھ ساتھی ہیں، وہ لوگ بلاتے ہیں اس کو ہدایت کی طرف کہ تو آ ہمارے پاس۔'' ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ (7/الاعراف:44) ''اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو۔'' صَحَابَةٌ، نبی اکرمؐ کے ساتھیوں کو کہتے ہیں جو حضورؐ پر

ایمان لائے، اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

صَاحِبَةٌ — ج: صَاحِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ ساتھ رہنے والی۔ بیوی۔ چونکہ بیوی رفیقہ حیات ہوتی ہے اس لیے صاحبہ کہلاتی ہے۔ ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ (6/الانعام:101) ''اللہ تعالیٰ کی اولاد کہاں سے ہوسکتی ہے حالانکہ اُس کی کوئی بیوی تو ہے ہی نہیں۔''

(افعال) اِصْحَابًا — کسی کو رفاقت دینا۔ کسی کی تائید و حمایت کرنا۔ ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ﴾ (21/الانبیاء:43) ''وہ لوگ طاقت نہیں رکھتے اپنے آپ کی مدد پر اور نہ ہی وہ ہماری طرف سے رفاقت دیے جاتے ہیں۔'' ''وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اُنہیں ہماری تائید میسر ہوگی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ يُصْحَبُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

(مفاعلہ) مُصَاحَبَةٌ — باہم ساتھ رہنا۔ مل کر رہنا۔ کسی کو ساتھ رکھنا۔

لَا تُصَاحِبْ — فعل نہی ہے۔ تو ساتھ نہ رکھ۔ ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِيْ﴾ (18/الکہف:76) ''تو آپ ساتھ نہ رکھیں مجھے۔''

صَاحِبْ — فعل امر ہے۔ تو ساتھ رہ۔ ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (31/لقمان:15) ''اور تو ساتھ رہ ان دونوں کے یعنی والدین کے دنیا میں اچھے طریقے سے۔''

اَلنَّارُ (ن و ر): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ خٰلِدُوْنَ (خ ل د): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

**ترکیب**

وَ عطف کا ہے اور الَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور مبتدا ہے اور یہ گزشتہ آیت میں فَمَنْ کے مَنْ پر عطف ہے۔ كَفَرُوْا اس کا صلہ ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ معطوف ہے كَفَرُوْا پر۔ بِاٰيٰتِنَآ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے، تَبِعَ هُدَایَ اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہوگئی ہے، بِاٰيٰتِنَآ۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے ''میری'' ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت و اقتدار کا ہے، اس لیے یہاں ''ہماری'' ہی موزوں ہے۔'' آگے اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور اَصْحٰبُ النَّارِ اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے الَّذِيْنَ کی۔ هُمْ پھر مبتدا ہے، فِيْهَا متعلق خبر ہے 'ھا' ضمیر اَلنَّارِ کے لیے ہے اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اَصْحٰبُ النَّارِ کا۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:39**

| اَصْحٰبُ النَّارِ | اُولٰٓئِكَ | بِاٰيٰتِنَآ | وَ كَذَّبُوْا | وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا |
|---|---|---|---|---|
| آگ والے ہیں | تو وہ لوگ | ہماری نشانیوں کو | اور جھٹلایا | اور جن لوگوں نے انکار کیا |

| خٰلِدُوْنَ | فِيْهَا | هُمْ |
|---|---|---|
| ہمیشہ رہنے والے ہیں | اس (آگ) میں | وہ لوگ |

**نوٹ**

انکار اور تکذیب تقریباً ہم معنی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے، میں نہیں مانتا تو یہ انکار ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور اس غلط بات کو میں جھٹلاتا ہوں تو یہ تکذیب ہے۔

## آیت:40

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝40﴾

**اِبْنٌ** بیٹا۔تثنیہ:اِبْنَانِ (رفع)اِبْنَيْنِ (نصب،جر)

ج:جمع سالم: بَنُوْنَ (رفع)بَنِيْنَ (نصب،جر)

جمع مکسر: اَبْنَاءُ (غیر منصرف)

مؤنث:بیٹی۔اِبْنَةٌ اور بِنْتٌ۔تثنیہ:اِبْنَتَانِ (رفع)اِبْنَتَيْنِ (نصب،جر)

ج:بَنَاتٌ

صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں:''اگرچہ اِبْنٌ کے معنی بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔اس لیے اِس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی، ج۱،ص:۴۴۰)

### اِبْنٌ کا اعراب:

اِبْنٌ کا اعراب اس لفظ کے اعراب کے مطابق ہوتا ہے جس کے لیے اِبْنٌ کا لفظ آیا ہو۔جیسے قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ:114)۔ اس جملہ میں لفظ عیسیٰ فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے اس لیے اِبْنُ (نون کی پیش کے ساتھ) آیا ہے۔بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدۃ:46)۔ یہاں لفظ عیسیٰ حرفِ جار ب کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے اس لیے اِبْنِ (نون کی زیر کے ساتھ) آیا ہے۔وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (البقرۃ:87) میں اٰتَيْنَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے لفظ عیسیٰ حالتِ نصب میں ہے اس لیے اِبْنَ (نون کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔

### اِبْنٌ کی تصغیر:

تَصْغِيْرٌ کا مطلب ہے چھوٹا پن۔کسی چیز میں چھوٹا پن بتانے کے لیے ثلاثی اسم کو فُعَيْلٌ یا فُعَيْلَةٌ کے وزن پر لے آتے ہیں جسے اَلْاِسْمُ التَّصْغِيْر یا اَلْاِسْمُ الْمُصَغَّر کہتے ہیں اور اصل لفظ کو مُكَبَّرٌ کہتے ہیں۔چنانچہ اِبْنٌ (دراصل بَنْوٌ) کا اسم تصغیر بُنَيْوٌ بنتا ہے۔'و' کو'ی' میں تبدیل کر کے بُنَيْيٌ بنا اور پھر'ی' کا ادغام ہو کر بُنَيٌّ بن گیا۔مطلب ہے چھوٹا سا بیٹا۔یا پیارا سا بیٹا۔﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ (31/لقمان:13)''اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک مت کرو۔''

### اِبْنُ السَّبِيْلِ:

لفظی معنی ہے راستے کا بیٹا۔لیکن عربی زبان میں یہ مسافر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔عربی زبان میں اَبْنَاءُ السَّبِيْلِ استعمال ہی نہیں ہوتا۔مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''اِبْنٌ کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لیے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں اِبْنٌ اور اَبٌ اور اَخٌ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بھی بولتے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو،اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے۔'' (معارف القرآن، ج۴،ص۴۰۹)

**اِسْرَآءِيْلُ** اسرائیل،حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کا لقب ہے۔بعض بزرگوں کے نزدیک یہ ان کا دوسرا نام ہے۔اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے۔یہ مرکب اضافی ہے اور غیر منصرف ہے۔''اِسْرَا'' کے معنی بندہ کے ہیں اور''اِيْل''عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔لہٰذا اسرائیل

کے معنی ہوں گے عَبۡدُ اللّٰہِ یعنی اللہ کا بندہ۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ اِن بیٹوں سے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل'' تو ایک قومی ونسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف ومسخ شدہ ہو کر، لیکن بہرحال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی ونبوت اور عقیدۂ جزا وسزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء ومعارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر وکہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۳)۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید کے نزول کے وقت تک ان پر عروج وزوال کے چار ادوار آ چکے تھے۔ دو مرتبہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں ہوئیں اور انہیں عروج نصیب ہوا، جبکہ دو مرتبہ دنیا پرستی، شہوت پرستی اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دینے کی سزا میں ان پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برسے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں آئے گا۔ اُس وقت جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا وہ اپنے اس زوال کے دور میں تھے۔'' (بیان القرآن، ج ا، ص: ۲۴۹)۔

| ذ | ك | ر |
|---|---|---|

(ن) **ذِكۡرًا** یاد رکھنا۔ یاد کرنا۔ کسی کا ذکر کرنا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں، جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔'' (معارف القرآن، ج ا، ص: ۳۹۲) ﴿ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ ﴾ (3/آل عمران: 191) ''وہ لوگ جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں کے بل۔'' ﴿ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡہُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَہٗ ۚ ﴾ (18/الکہف:63) ''اور نہیں بُھلائی مجھے وہ بات مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔''

**اُذۡکُرۡ** ج: اُذۡکُرُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو یاد کر۔ ﴿ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَۃً ﴾ (7/الاعراف:205) ''اور تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' اُذۡکُرُوۡا آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

**ذَاکِرٌ** ج: ذَاکِرُوۡنَ۔ ذَاکِرِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذکر کا صیغہ۔ یاد کرنے والا۔ ذکر کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ (11/ھود:114) ''بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو۔ یہ ایک بڑی نصیحت ہے یاد کرنے والوں کے لیے۔''

**ذَاکِرَۃٌ** ج: ذَاکِرَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ یاد کرنے والی۔ ذکر کرنے والی۔ ﴿ وَ الذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ۙ ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔''

**مَذۡکُوۡرٌ** اسم المفعول ہے۔ جس کو یاد کیا جائے۔ جس کا ذکر کیا جائے۔ ﴿ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ﴿۱﴾ ﴾ (76/الدھر:1)۔ ''وہ نہیں تھا کوئی قابل ذکر چیز۔''

**ذِکۡرٌ** اسم ذات بھی ہے۔ یاد۔ نصیحت۔ کسی کا ذکر۔ ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:14) ''اور تو قائم کر نماز کو میری یاد کے لیے۔'' ﴿ اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ﴾ (7/الاعراف:63) ''تو کیا تم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس ایک نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔ ﴿ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ ﴾ (21/الانبیاء:10) ''ہم نے نازل کی ہے تمہاری طرف ایک کتاب، اس میں تمہارا ذکر ہے۔''

**ذِکۡرٰی** اسم ذات ہے لیکن اس میں ذِکۡرٌ کی بنسبت مبالغہ ہے۔ بڑی نصیحت۔ اوپر ذَاکِرٌ میں آیت نمبر (11/ھود:114) دیکھیں۔

**ذَکَرٌ** تثنیہ: ذَکَرَانِ، ذَکَرَیْنِ۔ ج: ذُکُوْرٌ، ذُکْرَانٌ۔ نر۔ مرد۔ اس کی ضد اُنْثٰی ہے اور یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب جنس کا اظہار مقصود ہو۔ خواہ مردوں میں یا حیوانات میں۔ ﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج﴾ (3/آل عمران:195) ''کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، کوئی بھی مرد ہو یا عورت۔'' ﴿قُلْ ءٰٓالذَّکَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ﴾ (6/الانعام:143) ''آپؐ کہیے کیا اللہ نے اِن دونوں کو حرام کیا یا دونوں مادہ کو۔'' ﴿مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا﴾ (6/الانعام:139) ''جو ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے۔'' ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٥﴾﴾ (26/الشعراء:165) ''کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔'' کنایۃً ذَکَرٌ سے مرد کی شرم گاہ بھی مراد لی جاتی ہے۔

(تفعیل) **تَذْکِیْرًا اور تَذْکِرَۃً** یاد دلانا۔ نصیحت کرنا۔ ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىھُمَا الْاُخْرٰی ط﴾ (2/البقرۃ:282) ''کہ بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلائے ان میں سے دوسری۔'' ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعْرَضَ عَنْھَا﴾ (18/الکہف:57) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی نشانیاں اور وہ اعراض کرے ان سے۔'' ﴿یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ (10/یونس:71) ''اے میری قوم اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے یاد دہانی کرانا۔''

**تَذْکِرَۃٌ** اسم ذات بھی ہے۔ یاد دہانی۔ جس کے ذریعے کسی چیز کو یاد دلایا جائے۔ ﴿وَاِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿٤٨﴾﴾ (69/الحاقۃ:48) ''اور یقیناً وہ یعنی قرآن مجید یاد دہانی ہے متقی لوگوں کے لیے۔''

**ذَکِّرْ** فعل امر ہے۔ تو یاد دہانی کرا۔ ﴿فَذَکِّرْ قف اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ﴿٢١﴾ ط﴾ (88/الغاشیۃ:21) ''آپؐ یاد دہانی کرائیے آپؐ تو بس یاد دہانی کرانے والے ہیں۔''

**مُذَکِّرٌ** اسم الفاعل ہے۔ یاد دہانی کرانے والا۔ اوپر آیت نمبر (88/الغاشیۃ:21) دیکھیں۔

(تفعّل) **تَذَکُّرًا** اس کا ماضی تَذَکَّرَ اور اِذَّکَّرَ، مضارع یَتَذَکَّرُ اور یَذَّکَّرُ، نیز مخاطب کے صیغوں میں مضارع تَتَذَکَّرُ اور تَذَکَّرُ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یاد دہانی حاصل کرنا۔ یاد کرنا۔ نصیحت پکڑنا۔ تَذَکُّرٌ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص غفلت اور بھلاوے میں پڑا ہوا ہو اور چونک کر اُس چیز کو یاد کرلے جس سے غافل تھا۔ ﴿فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ﴾ (20/طٰہٰ:44) ''پس تم دونوں کہنا، اس سے نرم بات شاید کہ وہ نصیحت پکڑے۔'' ﴿سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿١٠﴾﴾ (87/الاعلیٰ:10) ''وہ نصیحت پکڑے گا جو خوف کرتا ہے۔'' ﴿اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿٣﴾﴾ (10/یونس:3) ''تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے۔''

(افتعال) **اِدِّکَارًا** قرآن مجید میں اس کا استعمال ''ذ'' کو ''د'' میں تبدیل کر کے ہوا ہے جو ایک استثنائی صورت ہے۔ اس لیے اِذِّکَارٌ، اِدِّکَارٌ ہو گیا اور 'ت'، 'ذ' میں اس لیے تبدیل ہوئی کہ یہ باب افتعال کا خصوصی قاعدہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے 'ف' کلمہ پر اگر د، ذ یا ز میں سے کوئی حرف ہو تو افتعال کی 'ت' وہی حرف بن جاتی ہے اور پھر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ 'ذ' پہلے 'د' میں تبدیل ہو گئی، اس لیے 'ت' بھی 'د' میں تبدیل ہو گئی اور پھر دونوں کا ادغام ہو گیا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ سوچنا۔ غور کرنا۔ یاد کرنا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْھُمَا وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّۃٍ﴾ (12/یوسف:45) ''اور کہا اس نے جس نے نجات پائی ان دونوں میں سے اور اس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد۔''

مُدَّكِرٌ — اسم الفاعل ہے۔ نصیحت حاصل کرنے والا۔ یاد کرنے والا۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (54/القمر:17) ''اور ہم نے آسان کیا ہے قرآن کو یاددہانی کے لیے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔''

| |
|---|
| نِعْمَتِيَ اور اَنْعَمْتُ (ن ع م): الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔ |

**و ف ی**

(ض) وَفَاءٌ — کسی چیز کو مکمل کرنا۔ پورا کرنا۔

اَوْفٰى — اَفْعَلُ کے وزن پر افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پورا کرنے والا۔ پورا۔ مکمل۔ ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ (9/توبۃ:111) ''اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدے کو اللہ سے۔'' ﴿ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ (53/النجم:41) ''پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

(افعال) اِيْفَاءٌ — وعدہ، نذر، ناپ تول وغیرہ پورا کرنا۔ ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (3/آل عمران:76) ''کیوں نہیں! جس نے پورا کیا اپنے عہد کو اور تقویٰ کیا تو بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقی لوگوں کو۔'' ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (12/یوسف:59) ''کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا بھرتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں۔'' ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ (13/الرعد:20) ''وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو۔''

اَوْفِ — ج: اَوْفُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پورا کر۔ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ (12/یوسف:88) ''پس آپؐ پورا بھریئے ہمارے لیے پیمانے کو۔'' ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ (7/الاعراف:85) ''پس تم لوگ پورا کرو ناپ اور تول کو۔''

لِيُوْفِ — ج: لِيُوْفُوْا۔ فعل امر غائب ہے۔ اسے چاہیے کہ پورا کرے۔ ﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ (22/الحج:29) ''اور ان لوگوں کو چاہیے کہ پورا کریں اپنی منتوں کو اور طواف کریں قدیم گھر کا۔''

اُوْفِ — مضارع مجزوم میں واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ (نوٹ: یہاں ایک بات کا خاص خیال رہے۔ وہ یہ کہ فعل امر کے واحد مذکر حاضر کے صیغے میں الف پر زبر آتی ہے (اَوْفِ) اور مضارع مجزوم میں واحد متکلم کے صیغے میں الف پر پیش آتی ہے۔ (اُوْفِ)۔

مُوْفٍ — ج: مُوْفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا کرنے والا۔ ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ (2/البقرة:177) ''اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب کبھی باہم عہد کریں۔''

(تفعیل) تَوْفِيَةٌ — (1) کسی کام کو کامل طور پر پورا کرنا۔ ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾ (53/النجم:37) ''اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جو پوری طرح (احکام) بجالائے۔''

(2) حق پورا پورا دے دینا۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ (3/آل عمران:57) ''اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائیں اور عمل کریں نیک تو وہ یعنی اللہ پورا پورا دے گا ان کو ان کے اجر۔''

يُوَفّٰى — مضارع مجہول ہے۔ اُسے دیا جائے گا پورا حق۔ ﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ (16/النحل:111) ''اور پورا حق دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا۔'' ﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (3/آل عمران:185) ''اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے۔''

**یُوَفِّ** مضارع مجزوم ہے۔﴿ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیۡہِمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فِیۡہَا ﴾(11/ھود:15)''جو چاہتا ہے دنیا کی زندگی کو اور اس کی زینت کو تو ہم پورا حق دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس دنیا میں۔''

**مُوَفٍّ** ج: مُوَفُّوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا دینے والا۔﴿ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ غَیۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴾(11/ھود:109)''اور ہم اُن سب کو اُن کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہیں۔''

(تفعّل) **تَوَفِّیۡ** اس کے اصل معنیٰ ہیں کسی چیز کو پورا لے لینا، وصول کر لینا اور اس پر کامل طور پر قبضہ کر لینا۔ یہ لفظ کنایۃً 'موت دینا' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا حقیقی معنیٰ نہیں بلکہ مرادی اور تعبیری معنیٰ ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ (1) سوتے وقت ظاہری احساس وشعور کو لے لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:﴿ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ﴾(6/الانعام:60)''اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (2) موت کے وقت روح کو قبض کر لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً﴿ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ﴾(39/الزمر:42)''اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی اُنہیں اُن کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)۔ (3) حضرت عیسیٰؑ کو ان کی زندگی میں ان کی روح اور بدن سمیت آسمانوں میں اٹھائے جانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:﴿ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ ﴾(5/المائدۃ:117)''پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:''اَلتَّوَفِّیۡ فِیۡ لُغَۃِ الۡعَرَبِ مَعۡنَاہَا الۡقَبۡضُ وَ الۡاِسۡتِیۡفَاءُ وَ ذٰلِکَ ثَلَاثَۃُ اَنۡوَاعٍ، اَحَدُہَا التَّوَفِّیۡ فِی النَّوۡمِ وَ الثَّانِیۡ تَوَفِّی الۡمَوۡتِ وَ الثَّالِثُ تَوَفِّی الرُّوۡحِ وَ الۡبَدَنِ جَمِیۡعًا۔''(معارف القرآن، ج ۲، ص ۷۳)''التوفی کا معنی لغت عرب میں قبض کرنے اور پورا لینے کے ہیں۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ نیند میں وصول کرنا، موت کے وقت وصول کرنا اور روح اور بدن کا مکمل وصول کرنا۔'' اور کلیات ابوبقاء میں ہے:''اَلتَّوَفِّی الۡاِمَاتَۃُ وَ قَبۡضُ الرُّوۡحِ وَ عَلَیۡہِ اسۡتِعۡمَالُ الۡعَامَّۃِ اَوِ الۡاِسۡتِیۡفَاءُ وَ اَخۡذُ الۡحَقِّ وَ عَلَیۡہِ اسۡتِعۡمَالُ الۡبُلَغَاءِ''''توفی'' کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا۔''(تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:''موت اور نوم میں لفظ''توفی'' کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ہی نا آشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لیے لفظ''توفی'' کا استعمال موت اور نوم پر اُن کے یہاں شائع نہ تھا قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت ونوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کر لے۔''(تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں تو توفی کے معنی ''لے لینے، قبض کر لینے'' کے بہت واضح ہیں چنانچہ فرمایا:﴿ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ ﴾(4/النساء:15)''پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے اُن کو موت۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

تَوَفَّ — فعل امر ہے۔ تو موت دے۔ ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (3/آل عمران:193) ''اے ہمارے رب پس تو بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔''

يُتَوَفّٰى — ج: يُتَوَفَّوْنَ۔ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اسے لیا جاتا ہے۔ اُسے موت دی جاتی ہے۔ ﴿وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى﴾ (22/الحج:5) ''اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور تم میں سے وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ (2/البقرۃ:243) ''اور وہ جنہیں موت دی جائے تم میں سے یعنی تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں۔''

مُتَوَفٍّ — اسم الفاعل ہے۔ حق پورا لینے والا۔ موت دینے والا۔ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ (3/آل عمران:55) ''جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں پورا لینے والا ہوں آپ کو اور اٹھانے والا ہوں آپ کو اپنی طرف۔''

(استفعال) اِسْتِيْفَاءً — پورا پورا لینا۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴾ (83/المطففین:2) ''وہ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔''

| |
|---|
| عَهْدٌ (ع ھ د): البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ر ھ ب |

(س) رَهْبَةً — کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر لرزش اور کپکپی طاری ہونا۔ خوف محسوس کرنا۔ ڈرنا۔ ﴿وَفِىْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ (7/الاعراف:154) ''اور ان تختیوں کی تحریر میں ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

اِرْهَبْ — ج: اِرْهَبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ڈر۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَهَبٌ، رَهْبَةٌ، رَهْبٌ — اسم ذات ہیں۔ ڈر۔ خوف۔ ایسا ڈر یا خوف جو کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر طاری ہو اور امام راغبؒ کے مطابق ایسا ڈر یا خوف جس میں احتیاط اور بے چینی دونوں شامل ہوں۔ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا﴾ (21/الانبیاء:90) ''بے شک وہ لوگ باہم سبقت کرتے تھے بھلائی میں اور ہم کو پکارتے تھے توقع کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' ﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (59/الحشر:13) ''بے شک تم لوگ زیادہ ہو بلحاظ خوف کے ان کے سینوں میں بنسبت اللہ کے۔'' ﴿وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ (28/القصص:32) ''اور ملا لیں اپنی طرف اپنے باز و خوف سے (بچنے کے لیے)۔''

رَاهِبٌ — ج: رُهْبَانٌ۔ اللہ سے بہت ڈرنے والا۔ درویش۔ تارک دنیا۔ یہود میں جو لوگ خدا ترس تھے ان کو راہب کہتے تھے۔ یہ لوگ دنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ رہتے اور اپنی خانقاہوں میں ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ امت محمدیہؐ میں جو لوگ خدا ترس ہیں ان کو متقی کہتے ہیں۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ رُهْبَانٌ، واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جب واحد استعمال ہو تو اس کی جمع رَهَابِيْنُ آتی ہے۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا﴾ (5/الاعراف:82) ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں۔''

رَهْبَانِيَّةٌ: اِسم ذات ہے۔ اللہ کے ڈر سے ترکِ دنیا۔ گوشہ نشینی۔ صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَهْبَانِيَّت (بفتح را) اور رُهْبَانِيَّت (بضم را) پہلی صورت میں یہ رَهْب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُهْبَان (جو رَاهِبٌ کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرزِ حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرزِ زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) فرطِ خوف سے عبادات و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں: (رہبانیت کا مطلب ہے) دنیا کے مشاغل کو ترک کر دینا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دینا، اہل دنیا سے عزلت گزینی، اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دینا۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵ ص: ۱۲۷، تلخیصاً)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''رہبانیت کے معنی ترک لذات وتحمل شدائد (یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا) کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۱۰۷۴)۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ''اس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے'' کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۷۱۸)۔ ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ (57/الحدید:27) ''اور دنیا سے کنارہ کشی! انہوں نے ابتدا کی اس کی، ہم نے اس کو فرض نہیں کیا ان پر۔''

(افعال) اِرْهَابًا: کسی پر رعب ڈالنا۔ دھاک بٹھانا۔ کسی کو خوف زدہ کرنا۔ ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (8/الانفال:60) ''تم لوگ رعب رکھتے ہو اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر۔''

(استفعال) اِسْتِرْهَابًا: خوفزدہ کرنا۔ ڈرانا۔ ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ (7/الاعراف:116) ''انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ان کو خوفزدہ کیا۔''

**ترکیب**

'یَا' حرف ندا ہے۔ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ مرکب اضافی ہے۔ اِبْنٌ کی جمع سالم حالت رفع میں بَنُوْنَ اور نصب وجر میں بَنِيْنَ آتی ہے۔ یہ جب مضاف بنتے ہیں تو نون اعرابی گر جاتا ہے۔ اصل مرکب تھا بَنُوْ اِسْرَآءِيْلَ۔ اس پر حرف ندا 'یَا' داخل ہوا تو اس نے مضاف کو نصب دی۔ اس طرح یہ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہو گیا۔ اِسْرَآءِيْلَ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور چونکہ یہ غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں 'ل' پر ایک زبر آئی۔

اُذْكُرُوْا فعل امر ہے اور نِعْمَتِيَ اس کا مفعول ہے۔ یہ دراصل نِعْمَتِيْ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ یائے متکلم کو آگے ملانے کے لیے اگر حرکت دینی ہو تو اسے فتحہ دیتے ہیں۔ چنانچہ آگے اَلَّتِيْٓ سے ملانے کے لیے نِعْمَتِيْ کے بجائے نِعْمَتِيَ استعمال ہوا۔ اَلَّتِيْٓ اسم موصول ہے اور اَنْعَمْتُ، ماضی میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں ضمیر اَنَا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور عَلَيْكُمْ، جار مجرور متعلق فعل ہے۔ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ، صلہ ہے اَلَّتِيْٓ کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہے نِعْمَةٌ کی۔

'وَ' حرف عطف ہے اور اَوْفُوْا عطف ہے اُذْكُرُوْا پر۔ اَوْفُوْا فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے اور بِعَهْدِيْٓ میں 'بِ' حرف جار اور عَهْدِيْ، مضاف، مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب جاری متعلق فعل ہے۔ آگے اُوْفِ دراصل مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ اُوْفِيْ تھا۔ جواب امر ہونے کی وجہ

سے مضارع مجزوم ہوا تو ”ی“ گر گئی۔ اس لیے اُوْفِ استعمال ہوا اور بِعَهْدِكُمْ متعلق ہے اُوْفِ سے۔

آگے اِيَّایَ میں ی متکلم مفعول بہ ہے اِرْهَبُوْا کا جس کو تاکید کے لیے پہلے لایا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے سورہ الفاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ اور یاد کر لیجیے کلمہ ’اِیَّا‘ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنا ہو۔ اس سے عموماً تاکید کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ فَارْهَبُوْنِ میں ’ف‘ زائدہ ہے اور اِرْهَبُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور آگے ’نِ‘ دراصل نونِ وقایہ ہے۔ یہ جملہ اِرْهَبُوْنِیْ تھا۔ اِرْهَبُوْا کے واوالجمع کا الف ضمیر لگنے کی وجہ سے گر گیا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب امر کے صیغے کے بعد ’ی‘ متکلم آئے تو اس پر ایک ’ن‘ داخل کر دیتے ہیں جسے ’ن‘ وقایہ کہتے ہیں۔ وقایہ کا معنی ہے ’بچانا‘ اور یہ نون فعل امر کے آخری حرف ساکن اور یاء ساکن کے ذریعے پیدا ہونے والے ”التقاء ساکنین“ سے بچانے کے لیے لگتا ہے۔ چنانچہ ’ن‘ وقایہ داخل کرنے کے بعد یہ اِرْهَبُوْنِیْ بن گیا۔ اور جب ضمیر مفعولی نِیْ کے آگے وقف کرنا ہو تو عموماً اس کی ’ی‘ کو گرا دیتے ہیں اور ’ن‘ وقایہ کو بڑا کر کے لکھ دیتے ہیں۔ اس کی پہچان ’ن‘ کی زیر سے ہوتی ہے۔ یہاں ایک بات اور نوٹ کیجیے، اگر جملہ یہ ہوتا اِیَّایَ فَارْهَبُوْا تو بھی اس میں تاکید کا مفہوم ہوتا لیکن یہاں ضمیر منفصل کے بعد فعل امر اِرْهَبُوْا کے ساتھ ایک اور ضمیر مفعولی لائی گئی جس سے نہایت تاکید کا اسلوب پیدا ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس اسلوب سے قریب ترین ترجمانی یہ ہوگی ”اور مجھ ہی سے، مجھ ہی سے تم لوگ ڈرو۔“ (واللہ اعلم)

| اَنْعَمْتُ | الَّتِیْٓ | نِعْمَتِیَ | اذْكُرُوْا | يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| میں نے انعام کیا | جس کو | میری نعمت کو | تم لوگ یاد کرو | اے اسرائیل کے بیٹو | البقرۃ:40 |

| بِعَهْدِكُمْ | اُوْفِ | بِعَهْدِیْٓ | وَاَوْفُوْا | عَلَيْكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو | تو میں پورا کروں گا | میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو | اور تم لوگ پورا کرو | تم لوگوں پر |

| فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ | وَاِيَّایَ |
|---|---|
| تم لوگ ڈرو مجھ سے | اور صرف مجھ سے ہی |

**نوٹ:1** اس آیت سے بنواسرائیل کی فردِ جرم کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی باتیں ذہن نشین ہونا ضروری ہیں۔

(۱) ہم سے پہلے بنواسرائیل امت مسلمہ کے عہدے پر فائز تھے۔ پھر انہیں معزول کر کے امت محمد ﷺ کو اس عہدے پر فائز کیا گیا۔ چنانچہ اس فردِ جرم (Charge Sheet) کے ذریعے بنواسرائیل پر ان کی معزولی کے سلسلہ میں حجت قائم کی گئی ہے۔

(۲) ہمارے حوالے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کان کھول رہا ہے کہ اگر تم ایسے کام کرو گے تو تم بھی انہی کی طرح دنیا اور آخرت میں ذلیل و رسوا ہو گے۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اس فردِ جرم کا مطالعہ کرتے وقت اگر ہم بنواسرائیل کو برا بھلا کہتے رہے اور خود کو پارسا سمجھتے رہے تو پھر ہم ہدایت سے محروم رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فردِ جرم کے آئینے میں ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ اسی صورت میں یہ فردِ جرم قرآن مجید میں نقل کرنے کا مقصد پورا ہوگا۔

(۳) بنواسرائیل کی فردِ جرم میں بھی اور قرآن مجید کے دیگر مقامات میں جہاں تاریخی واقعات کا ذکر ہے، وہاں عام طور پر آپ کو ترتیب زمانی نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخی واقعات اس ترتیب سے نہیں بیان کیے گئے جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تاریخ کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہدایت دینے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اور اس مقصد کے تحت تاریخی واقعات کو استدلال یا ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخی حوالہ دیتے وقت موضوع سے اس کی مناسبت کو پیش نظر رکھا گیا ہے نہ کہ زمانے کی ترتیب کو۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:2** آیت زیرِ مطالعہ میں جس عہد کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل بعض علماء کے نزدیک آل عمران کی آیت 81 میں بیان کی گئی ہے، بعض علماء کے نزدیک المائدہ کی آیت 12 میں اور بعض علماء کے مطابق اس عہد کا ذکر تورات کی کتاب استثناء، باب 15، آیت نمبر 18، 19 میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 41

﴿وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّ اِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾﴾

| | |
|---|---|
| اٰمِنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | اَنْزَلْتُ (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| مُصَدِّقًا (ص د ق): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | تَكُوْنُوْا (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

**ء و ل**

**(ن) اَوْلًا اور مَآلًا** لوٹنا۔ کسی چیز کا اپنے اصل کی طرف واپس ہونا۔ اس مادہ سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**اٰلٌ** اسم صفت ہے۔ کسی کے ساتھ تعلق والا۔ ساتھی۔ پیروکار۔ Follower۔ اٰلٌ کی اصل کیا ہے اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل اَوْلٌ تھا۔ جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ 'وْ' کو الف سے بدلا گیا تو آالٌ بن گیا۔ اس کو پھر الف کے اوپر کھڑی زبر کے ساتھ اٰلٌ لکھا جاتا ہے اور معنیٰ یہ ہوئے کہ جو شخص کسی کی طرف اس کی قرابت اور دوستی کی وجہ سے لوٹے وہ اس کے اٰلٌ میں سے ہے۔ اٰلٌ کا لفظ ہمیشہ اسم عَلَم کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس کی اضافت غیر ذوی العقول، اسم نکرہ یا ضمیر کی طرف جائز نہیں۔ چنانچہ اٰلُ رَجُلٍ بولنا جائز نہیں۔ اس کی اضافت کسی قابل تعظیم اور معروف ہستی کی طرف ہوتی ہے جیسے ال محمدؐ، ال ابراہیمؑ اور ال عمران وغیرہ۔ لیکن ال الخیاط یا ال الحجام نہیں بولتے۔ اور فرعون چونکہ کوئی قابل تعظیم ہستی نہیں اس لیے جب ال فرعون کہا جائے تو وہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ فرعون اسم عَلَم بھی ہے اور اپنے کفر کی وجہ سے ایک معروف ہستی بھی ہے۔ عربی زبان میں ال کے قریب المعنی ایک لفظ اَھْلٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اِن دونوں میں کچھ فرق ہیں۔ مثلاً: (1) اَھْلٌ کا دائرہ اس لحاظ سے محدود ہے کہ اس میں کسی شخص کے صرف گھر والے یعنی اس کے بیوی بچے سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ اس شخص کے ساتھی ہوں یا نہ ہوں، جبکہ کسی شخص کی ال میں وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور اس سے ذہنی یگانگت رکھنے والے ہوں خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ اہل فرعون سے صرف اس کے گھر والے مراد ہوں گے اور ال فرعون سے مراد اس کے گھر میں سے اس سے متفق رشتے دار، اس کے اہل کار اور وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون کے ساتھی اور مددگار رہتے تھے۔ حضرت آسیہ سلام علیہا (فرعون کی بیوی)، فرعون کے اہل میں سے تو ہیں لیکن اس کی ال میں شامل نہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے قارون، ال فرعون میں سے تھا۔ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ال محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو حضورؐ کے طریقے پر نہ ہو،

خواہ وہ خاندانِ رسالت کا کوئی فرد ہی کیوں نہ ہو۔اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلتا ہو چاہے اس کا حضورؐ سے کوئی نسبی تعلق نہ بھی ہو۔ (۲) اَھْلُ کا دائرہ اس لحاظ سے وسیع ہے کہ یہ غیر ذوی العقول، معرفہ، نکرہ اور ضمیر کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے۔ کسی شہر کی طرف نسبت کریں گے تو اَھْلُ استعمال کریں گے جیسے اہل مدینہ، اہل بلد وغیرہ۔ کسی پیشے کی طرف نسبت کریں گے تو بھی اَھْلُ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اھل الخیاط، (درزی کے گھر والے) اھل الحجام (نائی کے گھر والے) وغیرہ۔ لیکن ال البلد یا ال الارض وغیرہ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔

**اَوَّلُ** پہلا۔ ج: اَوَّلُوْنَ۔ اَوَّلِیْنَ۔ مؤنث: اُوْلٰی۔ پہلی۔ یہ افعل التفضیل میں اَفْعَلُ کے وزن پر صیغہ صفت ہے۔ اصل میں اَءْوَلُ بنتا ہے۔ پھر مہموز کے لازمی قاعدے کے تحت اس کو اٰوَلُ لکھا جاتا ہے لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ کا واؤ میں ادغام کر کے اَوَّلُ لکھا اور بولا جاتا ہے۔ ﴿وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (7/الاعراف:143) ’’اور میں ایمان لانے والوں کا پہلا ہوں۔‘‘ ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی﴾ (87/الاعلیٰ:18) ’’بے شک یہ پہلے صحیفوں میں ہے۔‘‘ اَوَّلُ کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔ (1) عددی ترتیب کے لحاظ سے یعنی وہ عدد جس سے پہلے کوئی عدد نہیں۔ اس لحاظ سے اوّل کے بعد ثانی۔ پھر ثالث وغیرہ آتا ہے۔ (2) ترتیب کار یا نظامِ صناعی کے لحاظ سے جیسے اَلْاَسُّ اَوَّلًا ثُمَّ الْبِنَاءُ یعنی پہلے بنیاد رکھی جائے گی پھر تعمیر ہو گی۔ (3) ترتیب زمانی کے لحاظ سے۔ اس لحاظ سے اوّل کی ضد اٰخِرٌ بمعنی پچھلا ہے۔ اور اُولیٰ (پہلی۔ دنیا) کی ضد اٰخِرت (پچھلی۔ اخروی زندگی) ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (56/الواقعۃ:49، 50) ’’آپؐ فرما دیجیے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)

اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو جیسے هُوَ الْاَوَّلُ تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اور یہ بھی نوٹ کیجیے کہ اَوَّلُ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ۔

**اُوْلُوْا** والے۔ یہ جمع ہے اور اس کی واحد نہیں آتی۔ یہ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے اور حالت رفع میں اُوْلُوْا اور حالت نصب وجر میں اُوْلِیْ لکھا جاتا ہے۔ ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ (27/النمل:33) ’’انہوں نے کہا ہم قوت والے ہیں۔‘‘ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ (17/بنی اسرائیل:5) ’’پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

مؤنث: اُوْلَاتُ۔ والیاں۔ حالت رفع میں اُوْلَاتُ اور حالت نصب وجر میں اُوْلَاتِ لکھا جاتا ہے۔ ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (65/الطلاق:4) ’’اور حمل والیاں یعنی حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔‘‘

**اُوْلَآءِ** یہ سب۔ جمع قریب کے لیے اسم اشارہ ہے۔ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ ﴿هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ﴾ (3/آل عمران:119) ’’سنو! تم تو یہ ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ محبت نہیں کرتے تم سے۔‘‘ ﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤی اَثَرِیْ﴾ (20/طٰہٰ:84) ’’حضرت موسیٰؑ نے عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے۔‘‘ (نوٹ: اُوْلَآءِ

کے شروع میں 'ھَا' داخل کرنے سے یہ ھَاُولَاءِ بن جاتا ہے۔ جسے پھر ھٰٓؤُلَآءِ لکھا جاتا ہے اور یہ بھی جمع قریب کے لیے اشارہ ہے۔ اِس کے آخر میں کاف خطاب لگانے سے یہ اُولَاءِكَ بن جاتا ہے۔ جسے پھر اُولٰٓئِكَ لکھا جاتا ہے اور یہ اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔)

(تفعیل) تَاْوِیْلًا کسی چیز کو اس کے اصل کی طرف لوٹانا۔ کسی بات یا واقعہ کا انجام بتانا۔ اس باب سے بھی قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

تَاْوِیْلٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کا آخری انجام۔ اخیر نتیجہ۔ خواب کی تعبیر۔ کسی شے کو خواہ وہ شے علم ہو یا فعل، اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانے کا نام تاویل ہے۔ علم کی مثال جیسے فرمایا: ﴿وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ﴾ (3/آل عمران:7) ''حالانکہ کوئی اس کا صحیح مطلب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔'' اور فعل کی مثال: ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ﴾ (7/الاعراف:53) ''ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجے کا انتظار ہے۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''تَاْوِیْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں۔'' اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الٰہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔'' ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۧ﴾ (4/النساء:59) ''یہ بہتر ہے اور اچھا ہے بلحاظ انجام کار کے۔'' ﴿وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۡ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ﴾ (12/یوسف:21) ''اور اس طرح ہم نے سکونت دی یوسفؑ کو زمین میں اور تاکہ ہم سکھائیں ان کو خوابوں کی تعبیر۔''

| |
|---|
| كَافِرٌ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ تَشْتَرُوْا (ش ر ی): البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ اٰیٰتٌ: نوٹس کے آغاز میں دیکھیں۔ |

**ث م ن**

(ض۔ن) ثَمْنًا کسی چیز کا آٹھواں حصہ لینا۔

(ک) ثَمَانَةً کسی چیز کا قیمتی ہونا۔

ثَمَنٌ اسم ذات ہے۔ قیمت۔ بیچنے والا جو کچھ فروخت شدہ چیز کے بدلے میں لیتا ہے خواہ نقد ہو یا سامان، وہ ثمن کہلاتا ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کے عوض حاصل کی جائے اُسے بھی ثمن کہتے ہیں۔ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ﴾ (12/یوسف:20) ''اور انہوں نے بیچا اس کو کم قیمت میں۔''

ثَمَانِیَةٌ اور ثَمَانٍ یا ثَمَانِیَ آٹھ (۸)۔ اسم عدد ہے۔ ثَمَانِیَةٌ مذکر معدود کے لیے آتا ہے اور ثَمَانِیَ مونث معدود کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ﴾ (39/الزمر:6) ''اور اس نے اتارے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے۔'' ﴿اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ﴾ (28/القصص:27) ''کہ تم ملازمت کرو میری آٹھ سال۔''

ثَمَانُوْنَ اور ثَمَانِیْنَ اسی (۸۰)۔ ثَمَانُوْنَ (رفع)۔ ثَمَانِیْنَ (نصب اور جر) ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً﴾ (24/النور:4) ''تو تم لوگ مار وان کو اسی کوڑے۔''

ثَامِنٌ — ترتیب میں آٹھواں۔ ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط﴾ (18/ الکہف:22) ''وہ لوگ کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔''

ثُمُنٌ — آٹھواں حصہ یعنی 1/8۔ ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (4/ النساء:12) ''پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا۔''

**ق ل ل**

(ض) قِلَّةٌ — (۱) کسی چیز کا کم ہونا۔ (۲) کسی چیز کا بلند ہونا (ہلکی چیز اوپر اٹھتی ہے)۔ ﴿وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط﴾ (4/ النساء:7) ''اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین اور قرابت داروں نے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔''

قَلِيْلٌ — ج: قَلِيْلُوْنَ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کم۔ تھوڑا۔ ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ (11/ ھود:40) ''اور ایمان نہیں لائے اس کے ساتھ مگر تھوڑے سے لوگ۔'' ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ﴾ (26/ الشعراء:54) ''اور یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔''

قَلِيْلَةٌ — قَلِيْلٌ کی مؤنث۔ تھوڑی۔ ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط﴾ (2/ البقرۃ:249) ''بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔''

اَقَلُّ — اسم التفضیل ہے۔ کسی سے کم یا سب سے کم۔ ﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا﴾ (72/ الجن:24) ''پس وہ لوگ جان لیں گے کہ کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ کم ہے بلحاظ گنتی کے۔''

(افعال) اِقْلَالًا — کسی کو ہلکا پانا۔ ہلکا سمجھنا۔ بلند کرنا۔ اٹھالینا۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ (7/ الاعراف:57) ''یہاں تک کہ جب بھی وہ ہوا بلند کرتی ہے بھاری بادل کو۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''یہاں اَقَلَّتْ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ وہ بادل جن کو (ہوا) اٹھا کر لاتی ہے اگرچہ فی نفسہٖ بھاری ہوتے ہیں مگر ہوا کی قوت کے اعتبار سے نہایت ہلکے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ۲ ص ۸۶۴)۔ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔''

(تفعیل) تَقْلِيْلًا — کم کرنا۔ ﴿وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ﴾ (8/ الانفال:44) ''اور اس نے کم کیا تمہیں ان کی آنکھوں میں۔''

اِتَّقُوْا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

**ترکیب**

'وَ' عطف کا ہے۔ اٰمِنُوْا فعل امر ہے اور یہ گزشتہ آیت میں اَوْفُوْا پر عطف ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ بِمَا میں 'بِ' حرف جار ہے، مَا اسم موصول ہے اور اَنْزَلْتُ، صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں 'بِ' کی وجہ سے اور یہ مرکب جاری متعلق ہے اٰمِنُوْا سے اور اس میں اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ مُصَدِّقًا حال ہے، اسم موصول 'مَا' کا اور آگے مرکب جاری لِمَا مَعَكُمْ متعلق ہے مُصَدِّقًا سے اور اس میں اشارہ ہے تورات کی طرف۔ 'وَ' عطف کا ہے اور لَا تَكُوْنُوْا، كَانَ کا فعل نہی ہے، اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ اس کی خبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مضاف اَوَّلَ حالت نصب میں ہے۔ اَوَّلَ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے مثلاً اوّلُ المسلمین، اوّلُ المومنین وغیرہ لیکن یہاں کافرین یا کفار کی بجائے کافر واحد آیا ہے اس کا جواب صاحبؒ تفسیر ماجدیؒ اور صاحبؒ تفسیر حقانی کے مطابق یہ ہے کہ کافر صورۃً واحد ہے لیکن معنیً جمع ہے اور تقدیر کلام میں

ایک مضاف محذوف ہے یعنی اَوَّلَ فَرِیۡقٍ کَافِرٍۢ بِہٖ یعنی سب سے پہلے انکار کرنے والا گروہ نہ بنو۔ بِہٖ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے۔ آگے وَلَا تَشۡتَرُوۡا میں وَ عطف کا ہے اور لَا تَشۡتَرُوۡا ، لَا تَکُوۡنُوۡا پر عطف ہے۔ لَا تَشۡتَرُوۡا فعل نہی اور اَنۡتُمۡ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ بِاٰیٰتِیۡ متعلق فعل ہے۔ اٰیٰتِیۡ پر بِ کا صلہ بتا رہا ہے کہ اس کے بدلے کچھ حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ ثَمَنًا قَلِیۡلًا مرکب توصیفی مفعول بنفسہٖ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ آگے اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ کی ترکیب بھی وہی ہے جو گزشتہ آیات میں اِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فعل امر اِرۡہَبُوۡا تھا، یہاں اِتَّقُوۡا ہے۔

| مُصَدِّقًا | اَنۡزَلۡتُ | بِمَاۤ | وَاٰمِنُوۡا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے | میں نے نازل کیا | اس (قرآن) پر جو | اور تم لوگ ایمان لاؤ | البقرۃ:41 |

| اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِہٖ | وَلَا تَکُوۡنُوۡۤا | مَعَکُمۡ | لِّمَا |
|---|---|---|---|
| سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے | اور تم لوگ مت بنو | تمہارے ساتھ ہے | اس (تورات) کی جو |

| وَاِیَّایَ | ثَمَنًا قَلِیۡلًا | بِاٰیٰتِیۡ | وَلَا تَشۡتَرُوۡا |
|---|---|---|---|
| اور صرف مجھ سے ہی | تھوڑی قیمت کو | میری آیات کے بدلے | اور تم لوگ مت خریدو |

| فَاتَّقُوۡنِ |
|---|
| مجھ ہی سے بچتے رہو/ مجھ ہی سے ڈرو |

**نوٹ:1** آیت مبارکہ میں یہود کو فرمایا وَلَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِہٖ ''اور اے یہود تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو'' جبکہ مشرکین مکہ یہود سے پہلے حضورؐ کی دعوت کا انکار کر چکے تھے تو پھر ایسا کیوں فرمایا؟ اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ اگرچہ مشرکین مکہ، یہود سے پہلے انکار کر چکے تھے مگر ان کا انکار جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا۔ جبکہ یہود حق کو خوب پہچانتے تھے اور ان کا انکار جانتے بوجھتے تھا۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اوّل مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو، اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بے خبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اوّل تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص۹)۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہجرت کے بعد، مدینہ میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے قرآن مجید اور حضورؐ کی رسالت کا پہلے انکار کرنے والے یہودی تھے اس لیے ایسے فرمایا۔ (واللہ اعلم)۔

**نوٹ:2** تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو، کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں ثمن قلیل ہے۔

**نوٹ:3** آیت نمبر 40 میں وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ فرمایا اور آیت زیر مطالعہ میں وَاِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ فرمایا۔ دونوں کا ترجمہ عام طور پر ''ڈرنا'' سے کیا جاتا ہے۔ انہی کا ایک ہم معنی لفظ ہے خُشُوۡع۔ ان تینوں لفظوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''رہبت، تقویٰ، خشوع سب ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ کسی کے عظمت و جلال کے تصور سے دل پر جو لرزش اور کپکپی طاری ہوتی ہے وہ **رہبت** ہے۔ اس لرزش و کپکپی سے صاحب

عظمت وجلال کے لیے دل میں جو عجز وفروتنی اور پستی و نیازمندی کی حالت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت میں بے نیازی کی جگہ فقر کا اور گھمنڈ کی جگہ اخبات کا جو احساس ابھرتا ہے وہ **خشوع** ہے۔ اسی طرح اس صاحب عظمت وجلال کے قہر وغضب سے بچنے، اس کے مقرر کردہ حدود کی مخالفت سے احتراز اور اس کے احکام وآیات کی خلاف ورزی سے اجتناب واحتیاط کی جو بے چینی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اور جو خلوت وجلوت ہر جگہ آدمی کو بیدار اور چوکنا رکھتی ہے وہ **تقویٰ** ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۱۸۲)

## آیت:42

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ ﴾

**ل ب س**

(ض) لَبْسًا: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھپا دینا۔ پھر اسی مناسبت سے یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خلط ملط کرنا۔ گڈمڈ کرنا۔ مشتبہ کرنا۔ کسی کام کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو جانا۔ کسی کو کسی معاملے کے بارے میں شبہ میں ڈال دینا (عَلٰی کے صلے کے ساتھ)۔ ﴿ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ﴾ (3/آل عمران:71) ''اے اہل کتاب تم لوگ کیوں گڈمڈ کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ۔'' ﴿ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ ﴾ (6/الانعام:9) ''اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور اُن کو اُسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ لَبْسٌ کا لفظ لڑا دینا، بھڑا دینا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ (6/الانعام:65) ''یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

لَبْسٌ: اسم ذات بھی ہے۔ شبہ۔ شک۔ ﴿ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ﴾ (50/قٓ:15) ''تو کیا ہم تھک گئے پہلی تخلیق سے؟ بلکہ یہ لوگ شک میں ہیں نئی تخلیق کے بارے میں۔''

(س) لُبْسًا: پوشاک پہننا۔ کپڑا پہننا۔ ﴿ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا ﴾ (18/الکہف:31) ''اور وہ لوگ پہنیں گے سبز کپڑے۔''

لِبَاسٌ: اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو پہنی جائے۔ ﴿ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ ﴾ (7/الاعراف:26) ''اے آدمؑ کی اولاد ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر ایک لباس، وہ چھپاتا ہے تمہاری بری چیزوں کو اور بطور آرائش کے۔''

لباس کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو انسان کی کمزوریوں اور برے کاموں پر پردہ ڈال سکے۔ اس لیے قرآن مجید میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''وہ (بیویاں) تمہاری لباس ہیں اور تم ان (بیویوں) کا لباس ہو'' ظاہری جسمانی لباس کے علاوہ ایک باطنی لباس بھی ہے جو انسان کے باطن کی زینت وآرائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس باطنی لباس کو قرآن لِبَاسُ التَّقْوٰی کہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ﴾ (7/الاعراف:26) ''اور پرہیز گاری کا لباس، وہ تو سب سے بہتر ہے۔'' حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اس

باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لیے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا:﴿ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ﴾ (16/النحل:112) ''بھوک اور خوف کا لباس۔'' تو یہ بھوک اور خوف کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا، جیسے لباس انسان کے بدن کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ قرآنِ مجید میں رات کو بھی لباس کہا گیا ہے۔﴿ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ ﴾ (78/النبا:10) ''اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنا دیا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ رات کو لباس اس لیے کہا کہ رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ یا اس لیے کہ جیسے لباس پہن کر آدمی اپنے آپ کو آرام دہ محسوس کرتا ہے اسی لیے رات کو لباس کہا کیونکہ رات کو ہر جاندار آرام اور سکون محسوس کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

**لَبُوْسٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس سے مراد ہر طرح کا لباس ہے اور عام طور پر لڑائی کے وقت پہنے جانے والی زرہ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ ﴾ (21/الانبیاء:80) ''اور ہم نے اُنؑ کو زرہ بنانے کا ہنر سکھا دیا تمہارے لیے تاکہ وہ تمہاری حفاظت کرے تمہاری لڑائی میں۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لبوس لغت کے اعتبار سے اسلحہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اوڑھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے۔ مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو جنگ میں حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۶ ص ۲۱۱)

| |
|---|
| اَلْحَقُّ (ح ق ق): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

**ب ط ل**

(ن) **بَطْلًا، بُطْلَانًا** یہ لفظ حق کی ضد ہے۔ اس لیے سورۃ البقرہ کی آیت:26 میں لفظ حق کی وضاحت پھر دیکھ لیں۔
(۱) ثابت نہ ہونا۔ (۲) جھوٹ ہونا۔ (۳) بے مقصد ہونا۔ بیکار ہونا۔ ضائع ہونا یعنی وجود بے معنی ہونا۔ (۴) واجب نہ ہونا۔﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (7/الاعراف:118) ''پس واقع ہوا حق اور ضائع ہوا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔''

**بَاطِلٌ** فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے مقصد۔ بیکار۔ ناحق۔﴿ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ ﴾ (۴/النساء:161) ''اور بسبب ان کے کھانے کے لوگوں کا مال ناحق۔''

(افعال) **اِبْطَالًا** باطل کرنا۔ ضائع کرنا۔﴿ قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ ﴾ (10/یونس:81) ''حضرت موسیٰؑ نے کہا جو تم لوگ جو لائے ہو، سو وہ جادو ہے۔ بے شک اللہ باطل کرے گا اس کو۔''﴿ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾ (47/محمد:33) ''اور تم مت ضائع کرو اپنے اعمال۔''

**مُبْطِلٌ** ج: مُبْطِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ باطل کرنے والا۔ ناحق کرنے والا۔ گمراہ۔﴿ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (30/الروم:58) ''اور اگر تم ان کے پاس لاؤ کوئی نشانی تو لازماً کہیں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم لوگ مگر ناحق کرنے والے یعنی گمراہ۔''

| | |
|---|---|
| تَكْتُمُوْا (ک ت م): البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

 'وَ' عطف کا ہے اور لَا تَلْبِسُوْا عطف ہے گزشتہ آیت میں لَا تَشْتَرُوْا پر۔ لَا تَلْبِسُوْا باب ضرب سے فعل نہی ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر فاعل ہے، اَلْحَقَّ مفعول اور بِالْبَاطِلِ متعلق فعل ہے۔ وَتَكْتُمُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور تَكْتُمُوْا، تَلْبِسُوْا پر عطف ہے۔ اسی لیے 'لَا' نہی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اور اَلْحَقَّ اس کا مفعول ہے۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں 'وَ' حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ تَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے تَكْتُمُوْا کی ضمیر فاعلی کا۔

**ترجمہ** البقرۃ:42

| وَلَا تَلْبِسُوا | الْحَقَّ | بِالْبَاطِلِ | وَتَكْتُمُوا |
|---|---|---|---|
| اور تم لوگ گڈمڈ مت کرو | حق کو | باطل کے ساتھ | اور تم لوگ مت چھپاؤ |

| الْحَقَّ | وَ | اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ |
|---|---|---|
| حق کو | اس حال میں کہ | تم لوگ (اسے) جانتے ہو |

**نوٹ**

آیت مبارکہ میں لَا تَلْبِسُوْا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''تلبیس کے اصلی معنیٰ ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۴)

## آیت:43

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ﴾

| |
|---|
| اَقِيْمُوْا (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ اَلصَّلٰوةَ (ص ل و): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| اٰتُوْا (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |

**ز ك و**

(ن) زَكَاءً اس مادے میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں۔

(1) پاک ہونا۔ عربی زبان میں نفس زکیہ اس نفس کو کہا جاتا ہے جو گناہوں سے پاک ہو۔

(2) بڑھنا۔ نشوونما پانا۔ زیادہ ہونا۔ عربی زبان میں زَكَا الزَّرْعُ کے معنی ہیں کھیتی بڑھی اور پھلی پھولی۔ ﴿ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ﴾ (24/النور:21) ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم لوگوں پر اور اس کی رحمت تو پاک نہ ہوتا تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی بھی۔''

اَزْكٰى افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پاک۔ زیادہ ستھرا۔ ﴿ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ﴾ (2/البقرۃ:232) ''یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہے اور صاف تر ہے۔''

زَكِيٌّ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مذکر۔ گناہوں سے پاک۔ ستھرا۔ پاکیزہ۔ ﴿ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ ﴾ (19/مریم:19) ''تاکہ میں عطا کروں تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا۔''

**زَكِيَّةً** فَعِيْلَةٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مونث۔ گناہوں سے پاک۔ ستھری۔ پاکیزہ ﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ﴾ (18/الکہف:74) ''حضرت موسیٰ بولے کیا تو نے مارڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے۔''

**(تفعیل) تَزْكِيَةً** (1) پاک کرنا۔ نشوونما دینا۔ عام طور پر یہ لفظ باطنی صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (24/النور:21) ''اور لیکن اللہ پاک کرتا ہے اُس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔'' ﴿يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (2/البقرۃ:151) ''وہ پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت۔''

(2) اپنی پاکیزگی خود بیان کرنا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ﴾ (4/النساء:49) ''کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۟ ع﴾ (53/النجم:32) ''سومت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ نفس انسانی کے تزکیے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے تزکیہ بالفعل، یعنی اچھے اعمال کے ذریعے اپنے آپ کو درست کر لینا۔ یہ پسندیدہ بھی ہے اور مطلوب بھی جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ''وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔'' دوسرا ہے تزکیہ بالقول یعنی ایک متقی شخص کا دوسرے شخص کا تزکیہ کرنا اور اس کی خوبیوں کی گواہی دینا۔ قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے فرائض منصبی ایک خاص ترتیب کے ساتھ تین دفعہ بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک تزکیہ ہے۔ مثلاً: (البقرۃ:151) (آل عمران:164) (الجمعہ:2)۔ سورۃ النساء کی آیت 49 اور سورۃ النجم کی آیت 32 میں جس چیز کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کچھ لوگ اپنے نفس کے تزکیے کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے کو یقینی سمجھ کر خود کو پاک صاف سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اپنی تعریف آپ کرنے کی اکثر وجہ تکبر ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ یہ چیز خلاف خوفِ الٰہی بھی ہے کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ لہٰذا اس چیز سے بچنا چاہیے۔ حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے، ''چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام بَرَّۃ تھا (جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا، تو آپؐ نے فرمایا: لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ، سَمُّوْهَا زَيْنَبَ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ) یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے، پھر بَرّہ کے بجائے آپؐ نے زینب نام رکھا۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۳۰)۔

**زَكٰوةً** اسم ذات ہے۔ ستھرائی۔ پاکیزگی۔ زکوٰۃ۔ لغات القرآن کے مطابق یہ تَزْكِيَةٌ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ اصلاً زَكَوَةٌ ہے جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو کر زَكَاةٌ بنتا ہے اور قرآن مجید کی خاص املاء میں زَكٰوةٌ لکھا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کے اندر پاکیزگی اور نشوونما دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مال کے اس حصے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق کسی مال میں سے نکالا جائے اور اس کے احکام کے مطابق خرچ کیا جائے۔ مال کے اس مقررہ حصے کو زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے نفس اور مال دونوں کو پاکیزگی بھی ملتی ہے اور اس سے مال میں برکت اور بڑھوتری بھی ہوتی ہے۔ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ (2/البقرۃ:277) ''اور اُنہوں نے نماز قائم کی اور

زکوٰۃ ادا کی۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴾ (23/المومنون:4) ''زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔'' اس آیت مبارکہ کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں زکوٰۃ کا مفہوم دو معنوں سے مرکب ہے۔ ایک ''پاکیزگی'' دوسرے ''نشوونما''۔ کسی چیز کی ترقی میں جو چیزیں مانع ہوں اُن کو دور کرنا، اور اس کے اصل جوہر کو پروان چڑھانا، یہ دو تصورات مل کر زکوٰۃ کا پورا تصور بناتے ہیں۔ پھر یہ لفظ جب اسلامی اصطلاح بنتا ہے تو اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ مال جو مقصدِ تزکیہ کے لیے نکالا جائے۔ دوسرے بجائے خود تزکیہ کا فعل اگر يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے یا ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بات صرف مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تزکیہ کا فعل کرتے ہیں، اور اس صورت میں بات صرف مالی زکوٰۃ ادا کرنے تک محدود نہ رہے گی بلکہ تزکیۂ نفس، تزکیۂ اخلاق، تزکیۂ زندگی، تزکیۂ مال، غرض ہر پہلو کے تزکیے تک وسیع ہو جائے گی۔'' (تفہیم القرآن، ج۳، ص ۲۶۳)۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے (1) اصطلاحی زکوٰۃ کے لیے جیسے اوپر البقرہ کی آیت 277۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر اصطلاحی زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ (2) پاکیزگی کے لیے مثلاً: ﴿ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ (18/الکہف:81) ''پھر ہم نے چاہا کہ بدل دے اُن کو اُن کا رب بہتر اُس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ۭ وَ كَانَ تَقِيًّا ﴾ (19/مریم:13) ''اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ (3) عام صدقہ کے لیے مثلاً: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴾ (30/الروم:39) ''اور تم جو صدقہ دو گے جسے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے دیا جائے۔''

(تفعّل) تَزَكِّيْ پاکیزگی حاصل کرنا۔ پاک ہونا۔ ﴿ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ ﴾ (35/فاطر:18) ''اور جس نے پاکیزگی حاصل کی تو وہ تو بس پاکیزگی حاصل کرتا ہے اپنے ہی لیے۔'' ﴿ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴾ (80/عبس:7) ''آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاکیزگی حاصل نہیں کرتا۔'' ''ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی تزکّیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآن مجید کی حسب ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں: ﴿ وَ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴾ (20/طٰہٰ:76) ''اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔'' یعنی اسلام لے آئے۔ ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ﴾ (80/عبس:3) اور ''تمہیں کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی اختیار کرے۔'' یعنی مسلمان ہو جائے۔ ﴿ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴾ (80/عبس:7) ''اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے۔'' یعنی مسلمان نہ ہو۔ (ابن جریرؒ بحوالہ تفہیم القرآن، ج۶ ص ۲۴۲) نوٹ: يَزَّكّٰى اصل میں يَتَزَكّٰى ہے۔

| ر | ك | ع |
|---|---|---|

(ف) رَكَعًا، رُكُوْعًا عاجزی کے اظہار میں جھکنا۔ پشت میں خم ڈالنا۔ اصطلاحاً رکوع نماز کا ایک رکن ہے۔ لغوی معنی جھکنے کے اعتبار سے عربی زبان میں رکوع، سجود یعنی سجدہ کرنا کے معنوں میں بھی اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے اس شعر میں ہے (فَخَرَّ عَلٰى وَجْهِهٖ

رَاکِعًا ـــــــ وَتَابَ اِلَی اللّٰہِ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ)۔یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہِ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔اس شعر میں رَاکِعًا کا معنی سَاجِدًا (سجدہ کرنے والا) ہے۔(روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن)۔حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''رکوع کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں،اور اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ سجدہ پر بھی بولا جا سکتا ہے،کیونکہ وہ بھی جھکنے کا انتہائی درجہ ہے،مگر اصطلاحِ شرع میں اس خاص جھکنے کو رکوع کہتے ہیں جو نماز میں معروف و مشہور ہے۔''(معارف القرآن،ج۱،ص۲۱۵)۔﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ ﴾(77/المرسلٰت:48)''اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے کہ تم لوگ رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو وہ لوگ رکوع نہیں کرتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے۔''

اِرْکَعْ ج:اِرْکَعُوْا فعل امر ہے۔تو رکوع کر۔اوپر آیت نمبر(77/المرسلٰت:48)دیکھیں۔

رَاکِعٌ ج: رَاکِعُوْنَ اور رُکَّعٌ۔اسم الفاعل ہے۔جھکنے والا۔عاجزی کرنے والا۔رکوع کرنے والا۔﴿ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَ خَرَّ رَاکِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ ﴾(38/صٓ:24)''سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت میں بھی صاحبؒ ضیاء القرآن کے مطابق رَاکِعٌ سے مراد سَاجِدٌ ہے۔﴿ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ﴾ (3/آل عمران:43)''اور آپ (اے مریم) رکوع کریں رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''﴿ اَنْ طَہِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ ﴾(2/البقرۃ:125) ''کہ تم دونوں پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے۔''

**ترکیب**

وَ حرف عطف ہے اور اَقِیْمُوْا گزشتہ آیت میں لَا تَلْبِسُوْا پر عطف ہے۔اَقِیْمُوْا فعل امر میں جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔اَلصَّلٰوۃَ اس کا مفعول ہے۔آگے وَاٰتُوْا میں وَ عطف کا ہے اور اٰتُوْا بھی فعل امر ہے اور اَلزَّکٰوۃَ اس کا مفعول ہے۔وَارْکَعُوْا میں وَ عطف کا ہے اور اِرْکَعُوْا بھی فعل امر ہے۔مَعَ ظرف ہے اور مضاف ہے اور متعلق ہے اِرْکَعُوْا سے،اَلرّٰکِعِیْنَ مضاف الیہ ہے۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:43**

| وَاَقِیْمُوا | الصَّلٰوۃَ | وَاٰتُوا | الزَّکٰوۃَ | وَارْکَعُوْا |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| اور تم لوگ قائم کرو | نماز کو | اور تم لوگ ادا کرو | زکوۃ | اور تم لوگ جھکو |

| مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ |
| --- |
| (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ |

**نوٹ:1**

آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل سے جو یہ فرمایا وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ تو اس سے کیا مراد ہے۔حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کا جواب دیتے ہیں''یہاں نماز کا ایک جز بول کر کُل نماز مراد لی گئی ہے،جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ فرما کر پوری نماز فجر مراد ہے اور بعض روایات حدیث میں سجدہ کا لفظ بول کر پوری رکعت یا نماز مراد لی گئی ہے،اس لیے مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔''لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ نماز کے بہت سے ارکان میں سے خاص رکوع کا ہی کیوں ذکر کیا گیا تو اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیعؒ اِن الفاظ میں دیتے ہیں''یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا،مگر رکوع نہیں تھا،رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے،اس لیے راکعین کے لفظ سے امت محمدیہؐ کے نمازی مراد ہوں گے،جن کی نماز میں رکوع بھی ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم بھی امت محمدیہؐ کے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو،یعنی اوّل ایمان قبول کرو پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔''(معارف القرآن،ج۱،ص۲۱۵)۔

**نوٹ:2** ہمارے بزرگوں میں ایک بحث ہوئی ہے کہ کیا کافروں کو شریعت کے فروعی احکامات کا مخاطب بنانا درست ہے۔تو اس کا جواب جمہور علماء نے یہ دیا ہے کہ آیت مبارکہ کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ کے ماتحت ہیں۔یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکامات پر عمل کرو۔“ (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ۔تلخیصاً)۔

## آیت:44

﴿ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

| |
|---|
| تَاۡمُرُوۡنَ (ء م ر): البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |

**ب ر ر**

(س۔ض) **بِرًّا** احسان وحسنِ سلوک کرنا۔نیکی وبھلائی کرنا۔کسی کے حق کو پورا کرنا، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو، ماں باپ کا حق ہو یا عام بندوں کا حق ہو۔اِن بنیادی حقوق کے علاوہ اس لفظ میں ان حقوق کو پورا کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے جو معاہدات، قول وقرار اور قسموں سے پیدا ہوتے ہیں۔﴿ لَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ ﴾(60/الممتحنۃ:8)”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔“

**بِرٌّ** اسم ذات بھی ہے۔نیکی۔اس میں اعتقادی اور عملی دونوں قسم کی نیکیاں شامل ہیں اور قرآن مجید میں سورہ البقرہ کی آیت 177 میں اس کی تفصیل ہے﴿ لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ ﴾(2/البقرۃ:177)”نیکی (بس یہی) نہیں کہ تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف۔“ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:”بِرٌّ کے معنی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرٌّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ اَلۡبِرُّ اِسۡمٌ جَامِعٌ لِّلطَّاعَاتِ وَاَعۡمَالِ الۡخَيۡرِ الۡمُقَرِّبَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (کبیر) (تفسیر ماجدیؒ،ص ۸۴)۔مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:”یہ لفظ احسان اور نیکی کی تمام قسموں پر بھی حاوی ہے اور عدل کا بھی ہم معنی ہے۔اپنے استعمالات کے لحاظ سے یہ لفظ اثم (حق تلفی) عقوق (والدین کی نافرمانی) غدر (بے وفائی) اور ظلم کا ضد ہے۔“ (تدبر قرآن،ج۱،ص۱۸۷)۔حدیث میں ہے: حج مبرور کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں۔اس میں حج مبرور سے مراد بِرّ یعنی نیکیوں سے بھرپور حج ہے۔

**بَارٌّ** ج:اَبۡرَارٌ۔اسم الفاعل ہے۔نیکی کرنے والا۔بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی نیک۔شریعت کی رو سے بَارٌّ وہ ہے جو اپنے ذمے عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کرے، اپنے رب کی اطاعت کرے اور اس کے منع کیے ہوئے افعال سے پرہیز کرے۔﴿ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ﴾(3/آل عمران:193)”اور تو موت دے ہم کو نیکی کرنے والوں یعنی نیک لوگوں کے ساتھ۔“

**بَرٌّ** ج:بَرَرَةٌ۔فَاعِلٌ کے وزن پر بَارِرٌ تھا۔الف گر گیا تو بَرِرٌ ہوا پھر ادغام ہو کر بَرٌّ بنا۔اسم صفت ہے۔اس کی نسبت اللہ

تعالیٰ اور بندے دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے احسان کرنے والا۔﴿ اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ﴾ (52/الطور:28) ’’یقیناً وہی احسان کرنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔‘‘ اور جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں حسنِ سلوک کرنے والا۔ اطاعت گزار۔ فرمانبردار۔ نیک۔ ﴿ وَ کَانَ تَقِیًّا ۙ وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَیْہِ ﴾ (19/مریم:13-14) ’’اور وہ یعنی یحییٰ تقوے والے تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ۔‘‘ اس کی جمع قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ فرشتوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ ﴿ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ﴾ (80/عبس:16) ’’جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ صاحبؒ لغات القرآن بَرَرَۃٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’بَرَرَۃٌ، اَبْرَارٌ کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اَبْرَارٌ بَارٌّ کی جمع ہے اور بَرَرَۃٌ بَرٌّ کی اور جس طرح عَدْلٌ (یعنی سرتاپا انصاف) عَادِلٌ سے زیادہ بلیغ ہے اسی طرح بَرٌّ، بَارٌّ سے زیادہ بلیغ ہے۔‘‘ (لغات القرآن، ج۲،ص۲۷)

بَرٌّ صفت کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ خشکی۔ (جس طرح حسنِ سلوک کرنے والا اپنے اندر سکون اور ٹھہراؤ محسوس کرتا ہے اسی طرح پانی پر ہچکولوں کے مقابلے میں خشکی پر انسان کو سکون اور ٹھہراؤ ملتا ہے)۔ ﴿ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ (6/الانعام:59) ’’اور وہ جانتا ہے جو خشکی اور تری میں ہے۔‘‘

## ن س ی

(س) نَسْیًا اور نِسْیَانًا نسیان کا معنی ہے انسان کا اس چیز کو محفوظ نہ رکھنا جو اسے ودیعت کی گئی۔ اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری اور غفلت ہوتی ہے اور کبھی قصداً بھی انسان کسی چیز کو اپنے دل سے مٹا دیتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ کسی بات یا چیز کو بلا ارادہ بھلا دینا یا ارادۃً بھلا دینا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ لَقَدْ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ﴾ (20/طٰہٰ:115) ’’اور ہم نے حکم دیا تھا آدمؑ کو اس سے پہلے (کہ وہ اُس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اُس کا کوئی قصد۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی ﴾ (87/الاعلیٰ:6) ’’ہم پڑھائیں گے آپؐ کو تو آپؐ نہیں بھولیں گے۔‘‘ ﴿ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ﴾ (32/السجدۃ:14) ’’پس اب چکھو سزا اُس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ ﴾ (5/المائدۃ:13) ’’اور اُنہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ اُنہیں نصیحت کی گئی تھی۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ہر وہ نسیان جو قصد و ارادہ سے ہو، قابل مذمت ہے اور جو بغیر قصد اور ارادہ سے ہو وہ معاف ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَالنِّسْیَانُ۔ اٹھا لیا گیا (یعنی معاف کر دیا گیا) میری امت سے خطاء اور نسیان کو۔‘‘ نسیان کا لفظ جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِہٖٓ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ﴾ (7/الاعراف:165) ’’پھر جب اُنہوں نے فراموش کر دی جو اُنہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے نجات دے دی اُنہیں جو روکتے تھے برائی سے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’نسیان جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج۲،ص۹۷)۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے مثلاً: ﴿ فَالْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا ﴾ (7/الاعراف:51) ’’سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔‘‘ ﴿ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ ﴾

(9/التوبۃ:67)''انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اس (اللہ) نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔'' اور ﴿ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ﴾ (32/السجدۃ:14)''ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا۔'' ایسی تمام آیات جہاں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہاں اس کے معنی ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہوتے ہیں کیونکہ بھولنا ایک انسانی عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ چنانچہ الاعراف:51 کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان وانساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔'' اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازیؒ نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نسی بمعنی ترک یعنی ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کر دیا ہے۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ السجدہ:14 کے تحت فرماتے ہیں:''نسیان کا معنی بھلا دینا اور فراموش کر دینا ہے لیکن کسی چیز کو ترک کرنے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ وہاں بھولنا اور فراموش کرنا مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وہاں فقط ترک کرنا، نظر انداز کرنا کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوگا علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: قولہٗ عزوجل۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّمَا مَعْنَاهُ تَرَكُوا اللّٰهَ فَتَرَكَهُمْ۔'' (لسان العرب بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۳ ص ۶۳۴)

لَا تَنْسَ — فعل نہی ہے۔ تو مت بھول یا مت بھلا۔ ﴿ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ (28/القصص:77)''اور تو مت بھول اپنے حصے کو دنیا میں سے۔''

نَسْیٌ — اسم ذات ہے۔ وہ معمولی چیز جو توجہ کے قابل نہ ہو۔ ﴿ وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴾ (19/مریم:23)''اور میں ہوتی ایک معمولی چیز بھولی ہوئی۔'' اس آیت میں نَسْیٌ کے متعلق امام راغبؒ فرماتے ہیں:''نَسْیٌ کے معنی ہیں وہ حقیر چیز جس کی طرف کوئی دھیان نہ دے اگرچہ وہ بھولی ہوئی نہ ہو پھر بھولی ہوئی چیز کے معنی کو ظاہر کرنے کے لیے مَنْسِيًّا کا لفظ لایا گیا۔'' (تلخیصاً)

مَنْسِیٌّ — مَفْعِيٌّ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ وہ چیز جس کو بھلا دیا جائے۔ فراموش شدہ چیز۔ بھولی ہوئی چیز۔ اوپر (19/مریم:23) دیکھیں۔

نَسِیٌّ — فَعِيْلٌ کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے۔ بھولنے والا۔ ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ (19/مریم:64)''اور نہیں ہے آپؐ کا رب بھولنے والا۔''

(افعال) اِنْسَاءً — کسی دوسرے کو کوئی چیز یا بات بھلا دینا۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (59/الحشر:19)''اور تم لوگ مت ہوان لوگوں کی مانند جو بھولے اللہ کو تو اس نے یعنی اللہ نے ان کو بھلا دیا اپنا آپ۔'' ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ (2/البقرۃ:106)''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا ہم بھلا دیتے ہیں۔''

اَنْفُسٌ (ن ف س): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

ت ل و

(ن) تَلَوْا — کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ پیروی کرنا۔ اتباع کرنا۔ اصل میں تَلَا يَتْلُوْ کا مطلب پیروی کرنا ہے۔ یہ پیروی کبھی ظاہری

اور جسمانی طور پر کسی کے پیچھے پیچھے چلنے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کو پڑھنے اور اس کے معنی میں غور وفکر کر کے جو راستہ سمجھ آئے اس پر چلنے سے ہوتی ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مصدر تَلْوٌ اور تُلُوٌّ استعمال ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تِلَاوَۃٌ مصدر استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں تِلْوٌ اونٹنی کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کا دودھ چھڑا دیا جائے اور وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے۔ (مصباح) ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝﴾ (91/الشمس:2) ''قسم ہے چاند کی جب وہ پیچھے پیچھے چلا اس (سورج) کے۔''

**تِلَاوَۃٌ** کسی چیز کو پڑھنا اور اس کی پیروی کرنا۔ تلاوت کا لفظ، قرأت (پڑھنا) سے خاص ہے۔ قرأت کا لفظ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے عام ہے خواہ کوئی تحریر پڑھی جائے، کوئی کتاب یا ایک آدھ لفظ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ قرأت کی جائے اس کی پیروی بھی لازماً کی جائے جبکہ تلاوت میں یہ مفہوم ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کی پیروی بھی کی جائے۔ چنانچہ تلاوت کے اندر قرأت کا مفہوم ہے لیکن قرأت کے اندر تلاوت کا مفہوم نہیں ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں کسی کے خط کو پڑھنے کے لیے تَلَوْتُ رُقْعَتَكَ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔ اصطلاحاً تلاوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے کیونکہ ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان میں درج شدہ ہدایات کی پیروی کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں ہے اس لیے تلاوت کا لفظ قرآن پاک کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے جب ''تلاوت قرآنِ پاک'' کہا جائے تو اس میں دو مفہوم ہیں ایک قرآنِ پاک کو پڑھنا اور دوسرا اس پر عمل کرنا۔ تَلَا یَتْلُوْ کے بعد اگر مفعول بنفسہٖ آئے تو مطلب ہوتا ہے پڑھنا یعنی تلاوت کرنا۔ اور اگر عَلٰی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ﴾ (2/البقرۃ:113) ''اور کہا نصاریٰ نے کہ نہیں ہیں یہود کسی چیز پر حالانکہ وہ لوگ پڑھتے ہیں کتاب کو۔'' ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ﴾ (39/الزمر:71) ''کیا نہیں پہنچے تم لوگوں کے پاس کچھ رسول تم میں سے، وہ لوگ پڑھ کر سناتے تھے تم کو تمہارے رب کی آیات۔'' ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ﴾ (2/البقرۃ:121) ''وہ لوگ جن کو ہم نے دی کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسے کہ اُس کو پڑھنے کا حق ہے۔'' امام راغبؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''کہ وہ اس کو پڑھ کر سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ (2/البقرۃ:102) جس میں تلاوت کی نسبت شیاطین کی طرف کی گئی ہے تو ہمارے بزرگوں نے اس کی تین طرح سے وضاحت کی ہے (1) اگر تَتْلُوْا، تِلَاوَۃٌ سے مشتق ہے تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ''اور انہوں نے پیروی کی اس کی جس کو شیاطین پڑھا کرتے تھے۔'' (عام طور پر اسی طرح ترجمہ کیا گیا ہے) اس صورت میں شیاطین کے پڑھنے کو تلاوت کہا گیا تو اس کی وجہ امام راغبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اِن شیاطین کو یہ گمان باطل اور زعم تھا کہ وہ کتب الٰہیہ کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (2) اگر تَتْلُوْا، تَلْوٌ یا تُلُوٌّ سے مشتق ہو تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ''اور انہوں نے پیروی کی اس چیز کی جس کی پیروی کی شیاطین نے۔'' لیکن آیت کا یہ ترجمہ میرے علم کی حد تک نہیں کیا گیا۔ (3) ایک تیسری وجہ جو صاحبؒ ضیاء القرآن نے لکھی ہے وہ یہ کہ تَلْوٌ کا ایک معنی بہتان باندھنا بھی ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ یہودی پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سلیمانؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ امام راغبؒ کے مطابق تلاوت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی نازل کرنے کے ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿3/آل عمران:58﴾ ''یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں نشانیوں میں سے ہے اور پُر حکمت مضمون میں سے۔'' تو اس آیت میں نَتْلُوْهُ کے معنی نازل کرنا کے ہیں۔

اُتْلُ — فعل امر ہے۔ تو پڑھ کر سنا۔﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾(29/العنکبوت:45) ''آپ پڑھیے جو وحی کیا گیا آپ کی طرف کتاب میں سے۔''﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ﴾(10/یونس:71) ''پڑھ کر سناؤ ان لوگوں کو نوحؑ کی خبر۔''

تَالٍ — اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ تلاوت کرنے والا (تِلَاوَةٌ سے)

تَالِيَةٌ — ج: تَالِيَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ تلاوت کرنے والی (تِلَاوَةٌ سے)۔﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴾ (37/الصافات:3) ''پھر ذکر کی تلاوت کرنے والے (فرشتوں کی)۔''

| |
|---|
| اَلْكِتَابُ (ك ت ب): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |

## ع ق ل

(ض) عَقْلًا — عربی زبان کا یہ لفظ کئی معنی کا مجموعہ ہے۔ مثلاً روکنا۔ منع کرنا۔ کسی شے پر غور و فکر کر کے اس کی حقیقت کو سمجھ لینا۔ دانا ہونا۔ دانائی کی صلاحیت کو استعمال کرنا۔ غلطی کا احساس کرنے کے قابل ہونا۔ عربی میں عِقَالٌ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا پاؤں باندھ دیا جائے اور جس سے اونٹ آزادی سے چل پھر نہ سکے۔ سر پر باندھنے کی رسی کو بھی عِقَالٌ کہا جاتا ہے۔ عورت جب اپنے بال باندھ لے تو کہتے ہیں عَقَلَتِ الْمَرْءَةُ شَعْرَهَا۔ اسی طرح عَقَلَ لِسَانَهٗ کا معنی ہے اس نے اپنی زبان روک لی۔ قرآن مجید میں اس مادے سے ماضی اور مضارع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اکثر ان کا ترجمہ ''عقل'' سے کیا گیا ہے۔ عقل بطور اسم ذات قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔﴿ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾(2/البقرۃ:75) ''وہ لوگ سنتے ہیں اللہ کے کلام کو پھر وہ بدل دیتے ہیں اس کو اس کے بعد کہ جو انہوں نے سمجھا اس کو۔''﴿ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾(2/البقرۃ:73) ''اس طرح اللہ زندہ کرے گا مردہ کو اور وہ دکھاتا ہے تم لوگوں کو اپنی نشانیاں شاید تم لوگ عقل سے کام لو۔'' اصل میں عقل وہ روحانی نور (یاقوت) ہے جس سے چیزوں کی حقیقت کو سمجھا جاتا ہے، جس سے نقصان دہ چیزوں سے بچا جاتا ہے، جس سے انسان نفع اور نقصان کا فرق کرتا ہے، جو انسان کو فائدہ مند چیزوں کے حصول اور قبول علم کے لیے ہر وقت تیار رکھتا ہے اور جس سے انسان سوچ و بچار کرتا ہے۔ عقل کو عقل بھی اس لیے کہتے ہیں کہ عقل کے معنی منع کرنے کے ہیں چونکہ عقل عاقل کو نازیبا باتوں سے روکتی رہتی ہے، اس لیے اس کا نام ''عقل'' ہوا۔ اس روکنے کے مفہوم کے لحاظ سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں (یعنی بری باتوں سے روکنے والی عقل)۔ اس کی جمع قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے لِاُولِي النُّهٰى (طٰہٰ:54)۔ یا عقل مَعْقِلٌ سے ماخوذ ہے، معقل کہتے ہیں جائے پناہ کو، اور چونکہ عقلمند کو عقل کے تلے ہی پناہ ملتی ہے اس لیے اس کو عقل کہنے لگے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے چنانچہ فرمایا:﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾(22/الحج:46) ''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کے دل سمجھنے والے یا اِن کے کان سننے والے ہوتے؟۔'' عقل کی قسموں

کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے: اَلْعَقْلُ عَقْلَانِ۔ مَطْبُوْعٌ وَمَسْمُوْعٌ۔ عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو طبیعت میں ودیعت کی جاتی ہے اور دوسری وہ جو سن کر حاصل ہوتی ہے۔ وَلَا یَنْفَعُ مَسْمُوْعٌ اِذَا لَمْ یَكُ مَطْبُوْعٌ اور وہ عقل جو سن کر حاصل ہوتی ہے وہ فائدہ مند نہیں ہوتی جب تک طبیعت میں ودیعت کی جانے والی عقل موجود نہ ہو۔ كَمَا لَا یَنْفَعُ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَضَوْءُ الْعَیْنِ مَمْنُوْعٌ جس طرح سورج کی روشنی اس وقت فائدہ نہیں دیتی جب آنکھ میں روشنی نہ ہو۔ عقل کے پہلے معنی کی طرف آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مَا خَلَقَ اللّٰہُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَیْہِ مِنَ الْعَقْلِ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو۔ اور دوسرے معنی کی طرف آنحضرتؐ کے اس ارشاد میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ مَا كَسَبَ اَحَدٌ شَیْئًا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ یَّهْدِیْهِ اِلٰی هُدًی اَوْ یَرُدُّهٗ عَنْ رَدًی کہ کسی شخص نے اس عقل سے بڑھ کر کوئی چیز حاصل نہیں کی جو انسان کی رہنمائی کرے یا اسے ہلاکت سے بچائے چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ (29/العنکبوت:43) ''اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔'' میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فقدان عقل کی وجہ سے کفار کی مذمت فرمائی ہے وہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ (2/البقرۃ:171) ''جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔'' (تلخیص از مفردات القرآن، مترادفات القرآن، لغات القرآن، مصباح اللغات)

**ترکیب**

اَ استفہامیہ ہے اور اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ تَاْمُرُوْنَ فعل ہے اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اَلنَّاسَ مفعول ہے اور بِالْبِرِّ متعلق فعل ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ جس کو حکم دیا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور جو حکم دیا جائے اس کے ساتھ زیادہ تر 'بِ' یا 'اَنْ' کا صلہ آتا ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے تَنْسَوْنَ، تَاْمُرُوْنَ پر عطف ہے اور اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اس کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ حال ہے تَنْسَوْنَ کی ضمیر فاعلی کا۔ آگے اَ استفہامیہ ہے، 'فَ' حرف عطف ہے، لَا نافیہ ہے اور تَعْقِلُوْنَ فعل اور اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | اَتَاْمُرُوْنَ | النَّاسَ | بِالْبِرِّ | وَتَنْسَوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:44 | کیا تم حکم دیتے ہو | لوگوں کو | نیکی کا | اور تم بھول جاتے ہو |

| اَنْفُسَكُمْ | وَ | اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ | الْكِتٰبَ |
|---|---|---|---|
| اپنے آپ کو | حالانکہ | تم پڑھتے ہو | کتاب |

| اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ |
|---|
| تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے |

**نوٹ** اس آیت مبارکہ کی تفسیر اگر معارف القرآن سے دیکھ لی جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ بہر حال حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’آیت کا مطلب یہ نہیں کہ بےعمل آدمی کو وعظ کہنا جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بےعمل نہیں ہونا چاہیے۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۲۱۸)

## آیت:45

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾

| |
|---|
| اِسْتَعِيْنُوْا (ع و ن): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ |

**ص ب ر**

(ض) **صَبْرًا** صَبْرٌ کے لغوی معنی ہیں روکنا اور باندھنا۔ عربی میں صَبَرْتُ الدَّابَّةَ کے معنی ہیں میں نے جانور کو کھانا کھلائے بغیر باندھ دیا۔ اسی طرح صَبَرْتُ نَفْسِيْ عَنْ كَذَا کے معنی ہیں میں نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک دیا۔ اس لغوی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن وسنت میں استعمال ہو تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں مشکل اور ناموافق حالات میں عقل اور شریعت دونوں یا اِن میں سے کسی ایک کے تقاضے کے مطابق اپنے آپ کو روکے رکھنا، مشکلات اور تکلیفوں کو برداشت کرنا، ان کو سہنا، ثابت قدمی سے اپنے کام پر لگے رہنا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (46/الاحقاف:35) ’’تو آپؐ ثابت قدم رہیں جیسے کہ ثابت قدم رہے ہمت والے رسول۔‘‘ ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ﴾ (25/الفرقان:20) ’’اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ کیا تم صبر کرو گے۔‘‘ (نوٹ: صبر کی مزید تفصیل آگے نوٹ 1 میں دیکھیں)۔

**اِصْبِرْ** ج: اِصْبِرُوْا فعل امر ہے۔ تو ثابت قدم رہ۔ تو برداشت کر۔ اوپر آیت نمبر (46/الاحقاف:35) دیکھیں۔ ﴿فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ﴾ (7/الاعراف:87) ’’تو تم صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے درمیان۔‘‘

**صَابِرٌ** ج: صَابِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ثابت قدم رہنے والا۔ برداشت کرنے والا۔ ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ (18/الکھف:69) ’’حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔‘‘ ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ﴾ (8/الانفال:65) ’’اگر ہوں تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے، تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو سو پر۔‘‘ ﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (37/الصافات:102) ’’بیٹے نے جواب دیا ابا جان آپ کر دیجئے جو آپ کو حکم ہوا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔‘‘

**صَابِرَةٌ** ج: صَابِرَاتٌ۔ صبر کرنے والی۔ ﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ﴾ (8/الانفال:66) ’’پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے۔‘‘ ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ (33/الاحزاب:35) ’’اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔‘‘

**صَبَّارٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والا۔ بہت زیادہ جھیلنے اور برداشت کرنے والا۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝﴾ (14/ابراہیم:5) ’’بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والے، شکر گزار کے لیے۔‘‘

صَبْرٌ — اسم ذات بھی ہے۔ ثابت قدمی۔ برداشت۔ استقامت۔ استقلال۔﴿ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (103/العصر:3) ''اور باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی ثابت قدمی کی۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

مَا اَصْبَرَ — صیغۂ تعجب ہے۔﴿ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴾ (2/البقرۃ:175) ''تو وہ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔''

(مفاعلہ) مُصَابَرَةً — کسی کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا۔ عام طور پر یہ لفظ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

صَابِرْ — ج: صَابِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ ثابت قدمی میں غالب آؤ یا غالب رہو۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ﴾ (3/آل عمران:200) ''اے ایمان والو صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلے میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لیے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِصْطِبَارًا — اہتمام سے ڈٹے رہنا۔ ثابت قدم رہنا۔

اِصْطَبِرْ — فعل امر ہے۔ اہتمام سے ڈٹے رہو۔ ثابت قدم رہو۔﴿ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ (20/طٰہٰ:132) ''اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود ڈٹے رہو اس پر یعنی نماز پر۔''

| |
|---|
| اَلصَّلٰوةُ (ص ل و): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ كَبِيْرَةٌ: (ک ب ر) البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ اِلَّا: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |

## خ ش ع

(ف) خُشُوْعًا — عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ (خشوع اصل میں وہ قلبی سکون اور انکساری ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہو۔ اس سے اطاعت میں آسانی ہو جاتی ہے۔ کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں جس کو خضوع کہتے ہیں)۔ آنکھوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آنکھوں کا جھک جانا۔ آواز کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز کا آہستہ اور پست ہو جانا۔ زمین کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے زمین کا خشک اور بنجر ہو جانا۔ چہرے کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے چہرے کا جھک جانا۔ عربی زبان میں اونٹ کا کوہان اگر لاغری کے سبب سے بیٹھ جائے تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (57/الحدید:16) ''کیا وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔''﴿ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴾ (20/طٰہٰ:108) ''اور پست ہو جائیں گی آوازیں اللہ کے حضور، پس تو نہیں سنے گا مگر کچھ گھس پھس۔'' (نوٹ: خشوع کی حقیقت آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

خَاشِعٌ — ج: خَاشِعُوْنَ اور خُشَّعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذکر کا صیغہ۔ جھکنے والا۔ عاجزی کرنے والا۔﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا ﴾ (59/الحشر:21) ''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اُس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا۔''﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾ (23/المؤمنون:2) ''وہ لوگ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ﴾ (54/القمر:7) ''اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔''

خَاشِعَةٌ — ج: خَاشِعَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ جھکنے والی۔ عاجزی کرنے والی۔﴿ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴾ (79/النّٰزعٰت:9) ''اُن کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔''﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ﴾ (88/الغاشیۃ:2) ''کتنے ہی چہرے اُس دن (ذلت کی وجہ سے) جھکے ہوں گے۔''﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ﴾

(41/حٰمٓ السجدۃ:39)''اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ خشک اور بنجر ہے۔''

﴿وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾(33/الاحزاب:35)''اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔''

**ترکیب**

'وَ' عطف کا ہے اور فعل اِسْتَعِيْنُوْا، آیت 43 میں اِرْكَعُوْا پر عطف ہے۔ اِسْتَعِيْنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور بِالصَّبْرِ متعلق فعل ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کرلیں کہ استعانت کے افعال کا مفعول یعنی جس کی مدد طلب کی جائے، وہ بنفسہٖ آتا ہے۔ (جیسے نَسْتَعِيْنُكَ) اور جس چیز کے ذریعے اس کی مدد حاصل کی جائے اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ اس آیت میں اِسْتَعِيْنُوْا کے ساتھ بِالصَّبْرِ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اِسْتَعِيْنُوْا کا مفعول محذوف ہے جو کہ اللہ ہے۔ وَالصَّلٰوةِ میں پھر 'وَ' عطف کا ہے اور اَلصَّلٰوةِ، اَلصَّبْرِ پر عطف ہے اسی لیے حالت جر میں ہے۔ وَاِنَّهَا میں 'وَ' کو استینافیہ اور حالیہ دونوں مانا گیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس کا اسم منصوب آتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ ضمیر 'ھا' آئی ہے جو کہ اَلصَّلٰوة کے لیے ہے۔ لَكَبِيْرَةٌ اس کی خبر ہے جس پر لام تاکید داخل ہے۔ اس لام تاکید کو 'لام مزحلقہ' کہتے ہیں۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے اور جار مجرور عَلَى الْخٰشِعِيْنَ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ | وَاسْتَعِيْنُوْا | بِالصَّبْرِ | وَالصَّلٰوةِ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:45 | اور تم مدد لو | صبر سے | اور نماز سے |

| وَاِنَّهَا | لَكَبِيْرَةٌ | اِلَّا | عَلَى الْخٰشِعِيْنَ |
|---|---|---|---|
| اور یقیناً وہ (نماز) | بھاری ہے | مگر | عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) |

**نوٹ:1** صَبْرٌ: صبر قرآن وسنت کی اہم ترین اصطلاحوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ العصر میں نجات کے چار لوازم بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک صبر ہے۔ دنیا کی اقوام میں سے جس کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی وہ اسی صبر کی وجہ سے ہوئی۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ﴾(7/الاعراف:137)''اور پورا ہوگیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ﴾(32/السجدۃ:24)''اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنادیے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ لفظ 'صبر' ہی سے کیا جاتا ہے لیکن اردو میں یہ لفظ بہت محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے عام طور پر اردو زبان میں مجبوری کا نام صبر ہے۔ ظلم کے آگے گھٹنے ٹیک دینے کا نام صبر ہے۔ کوئی تکلیف اور مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کرنا صبر ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جو صبر کی معنوی وسعت کو بیان کرے۔ البتہ دو لفظوں کو اگر ملا لیا جائے تو صبر کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ دو لفظ ہیں: Patience اور Endurance۔ اردو اور انگریزی کی بنسبت عربی میں اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کا معنی بہت وسیع ہے۔ مولانا مودودیؒ صبر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط (ضابطہ، ڈھنگ) ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا چلا جائے۔''(تفہیم القرآن، ج۱، ص ۷۳)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن وسنت میں نفس کو خلافِ طبع چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔''(معارف القرآن، ج۲، ص ۲۷۴)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''لفظ 'صبر' کے اصل معنی روکنے کے ہیں یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دل برداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جمائے رکھنا۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت نے کچھ زیادہ پاکیزہ صورت اختیار کرلی ہے۔ یعنی قرآن میں عموماً اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندہ پوری طمانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر ڈٹا رہے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑے ان کو پر کاہ کے برابر بھی وقعت

نہ دے۔'' (تدبر قرآن، ج۱،ص۱۸۸)۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔'' پھر آگے لکھتے ہیں: ''صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے آلودہ نہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت و حکمت پر اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (اکبرؒ)

(تفسیر ماجدیؒ،ص۷۵۔۷۶)

صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں:''صبر عقل کا اتباع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں اس لیے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی، صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ صرف عقل ہے تو اس لیے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں، غضب اور شہوت ہے اسی لیے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔(تفسیر حقانی، ج۱،ص۵۹۲)۔

صبر کی قسمیں: حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''صبر کی تین قسمیں ہیں اوّل: صبر علی الطاعات، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے، ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔دوسرے: صبر عن المعاصی، یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لیے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔تیسرے: صبر علی المصائب، یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا حد سے زائد پریشان نہ ہونا، اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔اسی لیے حدیث میں رسولِ کریمؐ نے فرمایا: اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی، یعنی اصل اور معتبر صبر تو وہی ہے جو ابتداءِ صدمہ کے وقت اختیار کر لیا جائے۔'' (معارف القرآن، ج۲،ص ۲۷۴ اور ج۵،ص۱۹۱)۔صاحبؒ تفسیر حقانی صبر کی قسموں کے متعلق لکھتے ہیں: واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور نفسانی۔پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں: فعلی، جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا۔انفعالی، درد اور تکلیف کو برداشت کرنا۔گو اس تکلیف کے آثار خود بخود بشری تقاضوں سے ظاہر ہو جائیں مگر یہ شخص اس حالت میں بھی خلاف قانون عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔اگر ناجائز کھانے پینے اور جنسی خواہش کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے۔اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اس کو راز داری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔اسلام نے اس امت کے لیے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔'' (تفسیر حقانی، ج۱،ص ۵۹۲،تلخیصاً)۔چنانچہ حدیث میں روزے کو صبر کہا گیا ہے، فرمایا: صِيَامُ شَهْرِ الصَّبْرِ وَثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ يُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ۔ماہ رمضان اور ہر ماہ میں تین روزے سینہ سے بغض کو نکال ڈالتے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص۵۶۷)۔

صبر کا اجر: صبر کا اجر بے حساب ہے۔چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ ﴾ (39/الزمر:10) ''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

**نوٹ 2:** **خشوع کی حقیقت:** حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے ''خٰشِعُوْنَ'' کی تفسیر ''خائفون ساکنون'' سے کی ہے۔ اور آیت ''تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ'' بھی دلالت کرتی ہے کہ ''خشوع'' میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ''خشوع'' کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۵۵) ۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''قرآن و سنت میں جہاں خشوع کی ترغیب مذکور ہے اس سے مراد وہ قلبی سکون و انکساری ہے، جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں طاعت آسان ہو جاتی ہے، کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ وہ باادب، متواضع اور شکستہ قلب نظر آتا ہے، اگر دل میں خوف خدا اور تواضع نہ ہو تو خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی باادب اور متواضع نظر آئے وہ خشوع کا حامل نہیں۔ بلکہ آثارِ خشوع کا قصداً اظہار کرنا بھی پسندیدہ نہیں، حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے، فرمایا: سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ارشاد ہے کہ ''موٹا پہننے، موٹا کھانے اور سر جھکانے کا نام خشوع نہیں، خشوع تو یہ ہے کہ تم حق کے معاملہ میں شریف و رذیل کے ساتھ یکساں سلوک کرو، اور اللہ نے جو تم پر فرض کیا ہے اُسے ادا کرنے میں اللہ کے لیے قلب کو فارغ کر لو۔'' حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے کہ: حضرت عمرؓ جب بات کرتے تو سنا کر کرتے تھے، جب چلتے تو تیز چلتے، اور جب مارتے تو زور سے مارتے تھے، حالانکہ بلاشبہ وہ خشوع رکھنے والے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے خاشعین کی سی صورت بنانا شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے اور مذموم ہے، ہاں اگر بے اختیار یہ کیفیت ظاہر ہو جائے تو معذور ہے۔ (قرطبیؒ)

فائدہ: خشوع کے ساتھ ایک دوسرا لفظ خضوع بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے، یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں لیکن خشوع کا لفظ اصل کے اعتبار سے آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لیے بولا جاتا ہے، جب کہ وہ مصنوعی نہ ہو بلکہ قلبی خوف اور تواضع کا نتیجہ ہو، قرآن کریم میں ہے خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (آوازیں پست ہو گئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی تواضع اور انکساری کے لیے استعمال ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (4:26) ''پس اُن کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۲۰)

## آیت 46

﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ ع ۴۶

**ظ ن ن**

(ن) ظَنًّا : علماء لغت فرماتے ہیں کہ ظَنٌّ ان الفاظ میں سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ پھر کسی کے بارے میں خیال و گمان کرنا کبھی تو یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی شک اور وہم سے آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ یہ لفظ یقین کرنا اور شک کرنا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوا سے ظَنٌّ کہتے ہیں۔ اگر علامات قوی ہوں تو ظَنٌّ علم اور یقین کے معنی دیتا ہے اور اگر علامات کمزور ہوں تو شک اور وہم کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے ماضی، مضارع کے صیغے اور ظَنٌّ بطور اسم ذات اِن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ظَنٌّ کے عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کسی کو گمان کیا اور کیا گمان کیا جیسے فرمایا ﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ ﴾ (18/الکھف:36) ''اور میں یہ خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی برپا ہوگی۔'' اور کبھی دو مفعولوں کے قائم مقام ایک جملہ آجاتا ہے۔ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ ﴾ (2/البقرۃ:249)

''اور کہاں ان لوگوں نے جو خیال کرتے تھے کہ وہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔'' ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ﴾ (28/القصص:39) ''اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ لوگ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔'' (ظَنٌّ کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

ظَنٌّ ج: ظُنُوْنٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ خیال۔ گمان۔ ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ (4/النساء:157) ''نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی۔'' ﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ (33/الاحزاب:10) ''اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔''

ظَانٌّ ج: ظَانُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خیال کرنے والا۔ ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ (48/الفتح:6) ''خیال کرنے والے اللہ کے بارے میں برا خیال۔''

| |
|---|
| مُلٰقُوْنَ (ل ق ی): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
| رٰجِعُوْنَ (ر ج ع): البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ |

**ترکیب** یہ پوری آیت گزشتہ آیت میں اَلْخٰشِعِيْنَ کی صفت ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے، يَظُنُّوْنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے۔ اگلا جملہ قائم مقام ہے دومفعولوں کا۔ اس میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، هُمْ اس کا اسم اور مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ اس کی خبر۔ مُلٰقُوْا دراصل باب مفاعلہ کے اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلَاقُوْنَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے اور الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ رَبِّ اس کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور آگے هِمْ کا مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ آگے وَ عطف کا ہے اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، هُمْ اس کا اسم، اِلَيْهِ متعلق فعل ہے اور رٰجِعُوْنَ خبر۔ یہ جملہ عطف ہے اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ پر اور عطف اور معطوف مل کر مفعول ہیں يَظُنُّوْنَ کا اور یہ قائم مقام ہے دومفعولوں کے۔ جملہ فعلیہ يَظُنُّوْنَ اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر صلہ ہے، اَلَّذِيْنَ کا۔ صلہ اور موصول مل کر صفت ہے اَلْخٰشِعِيْنَ کی۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | اَلَّذِيْنَ | يَظُنُّوْنَ | اَنَّهُمْ | مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:46 | وہ لوگ جو | یقین کرتے ہیں | کہ وہ | اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں |

| وَاَنَّهُمْ | اِلَيْهِ | رٰجِعُوْنَ |
|---|---|---|
| اور یہ کہ وہ | اس کی طرف ہی | لوٹنے والے ہیں |

**نوٹ** علماء کرام نے قرآن مجید میں اس فرق کو سمجھنے کے لیے کہ کہاں ظن، یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کہاں شک کے معنی میں، کچھ ضابطے بیان کیے ہیں۔ مثلاً ہر وہ مقام جہاں ظن کی تعریف آئی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہاں یقین مراد ہے اور ہر وہ مقام جہاں اس کی مذمت آئی ہے اور اس پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے وہاں یہ شک اور وہم کے معنی میں ہے۔ ہر وہ مقام جہاں اس کے بعد اَنَّ یا اَنْ آئے وہاں یہ یقین کے معنی دیتا ہے چاہے حقیقت کے اعتبار سے وہ یقین صحیح ہو یا غلط مثلاً ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ﴾ (2/البقرۃ:249) ''وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے، انہوں نے کہا۔'' ﴿وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ (75/القیامۃ:28) ''اور اس (جان) نے یقین کر لیا کہ اب جدائی ہے۔'' اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ ''وہ لوگ جن کو یقین ہے کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے۔'' ﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ (69/الحاقۃ:20) ''مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔'' ان آیات میں ظن، یقین کا معنی دے رہا ہے اور یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے صحیح بھی ہے۔ اب یہ آیات دیکھیں ﴿وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ﴾ (10/یونس:24) ''اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پالیا ہے اس پر۔'' ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ (28/القصص:39) ''انہوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔'' ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ﴾ (48/الفتح:12) ''اور تمہیں یقین تھا کہ اب رسول کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔'' اِن آیات میں ظن، یقین ہی کا معنی دے رہا ہے لیکن یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے غلط ہے۔ اسی طرح حضرت یونسؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ (21/الانبیاء:87) ''اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیے غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔'' یہاں بھی حضرت یونسؑ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس معاملے میں سختی نہیں کریں گے کہ جب وہ اللہ کے لیے اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل دیے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ یقین غلط ثابت ہوا۔ اسی لیے امام راغبؒ کے نزدیک یہاں ظن بمعنی وہم لینا بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اور قرآن مجید میں وہ آیات جہاں ظن، وہم اور شک کے معنوں میں ہے وہاں عام طور پر اس سے پہلے اِنّ یا اِنْ آتا ہے یا ظن کے مقابلے میں کوئی ایسا لفظ ہوتا ہے جو اِس کے مفہوم کو شک اور وہم کے ساتھ مخصوص کرتا ہے یا اِس کی کوئی ایسی صفت بیان کی جاتی ہے جس سے اس کی مذمت ہوتی ہے مثلاً ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾﴾ (53/النجم:28) ''بیشک ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔'' اس مثال میں اِنَّ اور ظَنّ کے مقابلہ میں حق، دونوں باتیں ظَنّ کے معنی وہم وشک بتا رہی ہیں۔ ﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾﴾ (45/الجاثیہ:32) ''ہم تو اُسے محض وہم ہی خیال کرتے ہیں اور اس پر یقین نہیں آتا۔'' اس مثال میں اِنْ اور ظَنّ کے مقابلہ میں یقین کے الفاظ ظن کے معنی وہم بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح الفتح:6 میں ظَنَّ السَّوْءِ (برا خیال) اور آل عمران:154 میں ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (جاہلیت کا گمان) کے الفاظ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

اب قرآن مجید میں سورۃ الحجرات کی آیت 12 دیکھیں جس میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''اے ایمان والو دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ان کلمات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن جائز ہیں۔ اس لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں: واجب، مستحب، مباح اور ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا: لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل۔ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشادِ نبویؐ ہے۔ یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی فلیظن ماشاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔ اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔ مستحب کی مثال: مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سوءِ ظن کرنا مباح ہے۔ لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں، اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔ اسی کے متعلق حضورؐ کی حدیث ہے۔ اذا ظننتم فلا تحققوا۔ یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن و تخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۵۹۶)۔ بعض لوگوں نے سورہ یونس کی آیت 36 ﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ﴾ ''اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم وگمان کی بلاشبہ وہم وگمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔'' سے حجیتِ حدیث میں شک وشبہے پیدا کیے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ اس کے جواب کے لیے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحبؒ کی ترجمان السنۃ اور حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کی سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات 186 تا 200 تک کا مطالعہ انشاء اللہ مفید رہے گا۔

## آیت:47

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

| |
|---|
| اِبْنٌ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ اِسْرَآءِيْلَ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ اُذْكُرُوْا (ذ ک ر): البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| نِعْمَةٌ اور اَنْعَمْتُ (ن ع م): الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔ |

**ف ض ل**

(ن) **فَضْلًا** کسی چیز کا درمیانی درجے یا حق سے زیادہ ہونا۔ اس مادے میں ''زیادتی'' کا مفہوم ہوتا ہے۔ یہ پسندیدہ بھی ہے جیسے علم، حلم، حیاء یا رتبہ میں زیادہ ہونا۔ اور ناپسندیدہ بھی ہے جیسے غصے وغیرہ میں زیادہ ہونا۔ عام طور پر پسندیدہ چیز کے لیے فَضْلٌ اور ناپسندیدہ چیز کے لیے فُضُوْلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ باب (ک) میں اس کا مطلب ہوتا ہے صاحب فضل ہونا۔ یعنی کسی شخص میں ایسی صفات ہونا جس سے وہ دنیا میں مدح وثناء کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر وثواب کا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

**فَضْلٌ** ج: فَضَائِلُ۔ اسم ذات بھی ہے۔ حق سے زیادہ دی ہوئی چیز۔ بڑائی۔ بزرگی۔ فضیلت۔ روزی۔ فضائل کا لفظ رذائل کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ فضائل بمعنی اخلاق فاضلہ اور اخلاق حمیدہ اور رذائل بمعنی اخلاق رذیلہ یعنی برے اخلاق۔ ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ ﴾ (3/آل عمران:73) ''آپ کہہ دیجئے یقیناً بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔'' ﴿ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾ (2/البقرۃ:237) ''اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔'' روزی اور مالی نفع کو اکثر قرآن میں فضل کہا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ (62/الجمعۃ:10) ''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ﴾ (3/آل عمران:174) ''نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ وہ لوٹے۔'' اس آیت میں فضل سے مراد وہ مالی نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ یاد رہے کہ فَضْلٌ کے اصل معنی ''زیادتی'' کے ہیں۔ اس لیے اس کا اطلاق مال ودولت پر بھی ہوتا ہے جو بطور نفع انسان کو حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر بھی خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی۔

(تفعیل) **تَفْضِيْلًا** کسی پسندیدہ چیز میں کسی کو زیادہ کرنا۔ زیادہ دینا۔ فضیلت دینا۔ بزرگی عطا کرنا۔ ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ ﴾ (2/البقرۃ:253) ''یہ رسول ہیں، ہم نے فضیلت دی ان میں سے بعض کو بعض پر۔'' ﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ ﴾ (16/النحل:71) ''اور اللہ نے زیادہ کیا تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں۔'' مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی مسنون دعا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔

(تفعّل) **تَفَضُّلًا** بڑا بننا۔ فضیلت حاصل کرنا۔ عَلٰی کے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ ﴾ (23/المومنون:24) ''یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اَلْعٰلَمِيْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ترکیب**

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... عَلَيْكُمْ تک کی ترکیب کے لیے آیت 40 دیکھیں۔ وَاَنِّیْ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اَنِّیْ، نِعْمَتِیَ پر عطف ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، 'یْ' اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ | اذْكُرُوْا | نِعْمَتِیَ | الَّتِیْٓ | اَنْعَمْتُ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:47 | اے اسرائیل کے بیٹو | تم لوگ یاد کرو | میری نعمت کو | جس کو | میں نے انعام کیا |

| عَلَيْكُمْ | وَاَنِّیْ | فَضَّلْتُكُمْ | عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ |
|---|---|---|---|
| تم پر | اور یہ کہ | میں نے فضیلت دی تم کو | تمام جہانوں پر |

**نوٹ**

صاحبؒ تفسیر عثمانی فرماتے ہیں: ''اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی اُن کا ہم پلہ نہ تھا، جب انہوں نے نبی آخر الزمان اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیھم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضورؐ کے متبعین کو کنتم خیر امۃ کا خلعت ملا۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۰)

## آیت:48

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾

اِتَّقُوْا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ يَوْمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

**ج ز ی**

(ض) جَزَاءً (1) کسی چیز کا کسی کے لیے کافی ہونا۔ (2) بدلہ دینا۔ یہ لفظ خیر کے بدلے میں اچھی جزا دینے اور برائی کے بدلے میں سزا دینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جب بدلہ دینے کا مفہوم ہو تو عام طور پر یہ دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو بدلہ دیا اور کیا بدلہ دیا پھر 'بِ' کے صلے کے ساتھ اُس چیز کا ذکر ہوتا ہے جس چیز کی وجہ سے بدلہ دیا جائے۔ مثلاً ﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ (16/النحل:96) ''اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے اور مفید کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿سَنَجْزِی الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ (6/الانعام:157) ''عنقریب ہم سزا دیں گے اُنہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کبھی ایک مفعول ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿لِيَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ (33/الاحزاب:24) ''تاکہ اللہ جزائے خیر دے سچوں کو اُن کے سچ کے

باعث۔" (3) جب اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے کام آنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ﴾ "کام نہیں آئے گی کوئی جان کسی جان کے۔" یا فرمایا: ﴿لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ﴾ (31/لقمان:34) "کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ کسی کے حسن سلوک پر مسنون کلمہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا اسی سے ہے۔

جَزَاءٌ — اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو کافی ہو۔ بدلہ۔ خیر کے بدلے میں خیر اور شر کے بدلے میں شر جَزَاءٌ کہلاتا ہے۔ ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ﴾ (2/البقرۃ:85) "تو اس کا کیا بدلہ ہے جو یہ کرے تم میں سے۔"

جَازٍ — اسم الفاعل ہے۔ بدلہ دینے والا۔ کام آنے والا۔ کافی ہونے والا۔ ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْـًٔا﴾ (31/لقمان:33) "اور نہ کوئی اولاد کام آئے گی اپنے والد کے کچھ بھی۔"

جِزْیَۃٌ — اسم ذات ہے۔ امان کا بدلہ۔ وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت اپنے غیر مسلم شہریوں (ذمیوں) سے وصول کرتی ہے اور اسے جِزْیَۃٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں ہوتا ہے۔ ﴿حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ﴾ (9/التوبۃ:29) "یہاں تک کہ وہ لوگ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے۔"

(مفاعلہ) مُجَازَاۃً اور جِزَاءً — بدلہ دینا۔ ﴿وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (34/سبا:17) "اور ہم یہ بدلہ اُسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

| |
|---|
| نَفْسٌ (ن ف س): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ شَیْءٌ: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |

**ق ب ل**

(ن) قَبْلًا — کسی کی طرف توجہ کرنا۔ قرآن مجید میں اس باب سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ف) قَبْلًا — کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ قریب ہونا۔ پہلے واقع ہونا۔ قرآن مجید میں اس باب سے بھی فعل استعمال نہیں ہوا۔

(س) قَبُوْلًا، قُبُوْلًا — کسی چیز کو لے لینا۔ قبول کرنا۔ ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ﴾ (9/التوبۃ:104) "کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔" ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ (3/آل عمران:37) "پھر قبول فرمایا اُسے اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ۔" اور آیت زیر مطالعہ۔

قَابِلٌ — اسم الفاعل ہے۔ قبول کرنے والا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (40/المومن:30) "گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا۔"

قَبْلُ — البقرہ آیت 4 کے تحت دیکھیں۔

قُبُلٌ — (1) کسی چیز کا آگے کا حصہ۔ ﴿اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ (12/یوسف:26) "اگر اس کی قمیص پھٹی ہے آگے سے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔" (2) آنکھوں کے سامنے۔ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا﴾ (6/الانعام:111) "اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

قِبَلٌ — یہ دو معانی میں آتا ہے۔ (1) طرف۔ سمت۔ ﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/البقرۃ:177) "نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر لو اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف۔" ﴿فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ﴾ (70/المعارج:36) "پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔"

(2) طاقت۔قدرت۔﴿ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ﴾ (27/النمل:37)''تو ہم لازماً پہنچیں گے ان کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ جس پر کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہوگی ان کو۔''

**قِبْلَةٌ** اسم ذات ہے۔قبلہ۔وہ''سمت''(معارف القرآن) یا''مکان''(تفسیر ماجدیؒ) جس کی طرف متوجہ ہوا جائے۔عرف عام میں اس سمت یا مکان (کعبہ) کو قبلہ کہا جاتا ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔اصل لغت کے اعتبار سے سامنے والے آدمی کی حالت کو قبلہ کہا جاتا ہے پھر یہ لفظ سامنے والے آدمی اور سامنے کی سمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ﴾ (2/البقرۃ:144)''تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپؐ کو اُس قبلے کی طرف جسے آپؐ پسند کرتے ہیں۔''اور سورۂ یونس کی آیت 87 میں جو فرمایا﴿ وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ تو اس آیت مبارکہ میں قبلہ کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔پہلا یہ کہ اپنے گھروں کو ہی نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور دوسرا یہ کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ہمارے بزرگوں نے آیت کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا ہے۔''اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو''(ترجمہ ماجدیؒ)''اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔''(ترجمہ احسن البیان)''اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)''اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رُخ۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

**قَبِيْلٌ** (1) سامنے۔﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:92)''یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) ج: قُبُلٌ۔جماعت۔گروہ۔مختلف اقسام﴿ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾ (7/الاعراف:27)''وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی قوم جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھتے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔(نوٹ: قُبُلٌ کا لفظ'کسی چیز کے آگے کے حصے' اور 'آنکھوں کے سامنے' کے معنوں میں استعمال ہونے کے علاوہ قَبِيْلٌ کی جمع بھی ہے بمعنی گروہ۔جماعت۔)

**قَبِيْلَةٌ** ج: قَبَآئِلُ۔قبیلہ۔قبیلہ اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک ہی باپ کی نسل سے ہو۔﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ (49/الحجرات:13)''اے لوگو بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنایا تم کو شاخیں اور قبیلے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

(افعال) **اِقْبَالًا** کسی کے سامنے ہونا۔کسی کے سامنے یا آگے آنا۔کسی کی طرف متوجہ ہونا یا رخ کرنا۔﴿ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴾ (68/القلم:30)''تو سامنے ہوئے ان میں سے ایک دوسرے کے، باہم ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے۔''﴿ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ﴾ (12/یوسف:82)''اور پوچھ لے اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور اُس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**اَقْبِلْ** فعل امر ہے۔تو آگے آ۔سامنے آ۔﴿ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ﴾ (28/القصص:31)''اے موسیٰؑ سامنے آ اور مت ڈر۔''

(تفعّل) **تَقَبُّلًا** اس طرح قبول کرنا جس میں اجر و ثواب دینا شامل ہو۔﴿ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (5/المائدہ:27)''اس نے کہا اللہ تو بس قبول کرتا ہے متقی لوگوں سے۔''

**تَقَبَّلْ** فعل امر ہے۔تو قبول کر۔﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (2/البقرۃ:127)''اے ہمارے رب! تو قبول فرما ہم سے بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

(تفاعل) تَقَابُلًا ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونا۔ آمنے سامنے ہونا۔

مُتَقَابِلٌ ج: مُتَقَابِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آمنے سامنے ہونے والا۔ ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ (37/الصافات:44) ''تختوں پر آمنے سامنے ہونے والے۔''

(استفعال) اِسْتِقْبَالًا کسی کی طرف متوجہ ہونا۔ کسی کے سامنے آنا۔ خوش آمدید کہنا۔ اسی سے ہے: استقبال القبلۃ (قبلہ رخ ہونا)۔

مُسْتَقْبِلٌ اسم فاعل ہے۔ سامنے آنے والا۔ ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ (46/الاحقاف:24) ''پھر جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل جیسا، اپنی وادیوں کے سامنے آنے والا۔'' یہی لفظ آنے والے زمانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ زمانۂ مستقبل۔

## ش ف ع

(ف) شَفْعًا کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جوڑا بنانا۔ جفت کرنا۔

(ف) شَفَاعَةً سفارش کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: الشفاعه کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا سفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے شامل ہو جانے پر (یہ لفظ) بولا جاتا ہے۔'' اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اِس لیے شفع عربی میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اِس کے مقابلے میں لفظ وتر بمعنی طاق استعمال ہوتا ہے۔ اِس لیے شفاعت کے لفظی معنی ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔'' ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (2/البقرہ:255) ''کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔'' سفارش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اچھی سفارش کرنے والے کو اس کا اجر ملتا ہے اور بری سفارش کرنے والے کو اس کا گناہ ملتا ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (4/النساء:85) ''جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے گناہ) میں سے حصہ ملے گا۔''

شَفْعٌ ایسا عدد جو دو سے تقسیم ہو جائے۔ جفت۔ ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ (89/الفجر:3) ''قسم ہے جفت کی، قسم ہے طاق کی۔''

شَفَاعَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ سفارش۔ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ (74/المدثر:48) ''تو نفع نہیں دے گی ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش۔''

شَافِعٌ ج: شَافِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سفارش کرنے والا۔ اوپر آیت (74/المدثر:48) دیکھیں۔ حدیث مبارک میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ وَّمُشَفَّعٌ۔ قرآن شافع ہے مطلب سفارش کرے گا اور مُشَفَّعٌ ہے یعنی اُس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (بحوالہ مفردات القرآن)۔

شَفِيْعٌ ج: شُفَعَآءُ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سفارش کرنے والا۔ ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ (6/الانعام:70) ''اس کے لیے نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا۔'' ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (10/یونس:18) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہماری سفارش کرنے والے

ہیں اللہ کے پاس۔'' واضح رہے کہ تمام قرآنِ مجید میں شُفَعٰٓؤُا کی املاء اسی طرح عین الف کے ساتھ ہے مگر سورۂ روم کی آیت 13 میں یہ عین واؤ کے ساتھ اس طرح لکھا گیا ہے شُفَعٰٓؤُا۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۸۷)۔

**ء خ ذ**

(ن) **اَخْذًا، اَخْذَۃً** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا یا کسی چیز کا احاطہ کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ کسی چیز کو پکڑنے اور کسی چیز کو لے لینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ﴾ (7/الاعراف:150) ''اور اس نے پکڑا اپنے بھائی کے سر کو۔'' ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ج﴾ (5/المائدۃ:12) ''اور لے چکا ہے اللہ بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ۔'' ﴿لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط﴾ (2/البقرۃ:255) ''نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔'' ﴿فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾﴾ (73/المزمل:16) ''تو ہم نے اُس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔'' ﴿فَاَخَذَھُمْ اَخْذَۃً رَّابِیَۃً ﴿۱۰﴾﴾ (69/الحاقۃ:10) ''تو اللہ نے پکڑ لیا اُنہیں بڑی سختی سے۔'' جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آمادہ کرنا، اکسانا۔ مثلاً: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ﴾ (2/البقرۃ:206) ''اور جب کہا جائے اُسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا کرو تو اُسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**خُذْ** ج: خُذُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پکڑ۔ تو لے۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً﴾ (9/التوبۃ:103) ''آپؐ لیں ان کے مال میں سے صدقہ۔'' ﴿وَمَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ق وَمَا نَھٰىکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج﴾ (59/الحشر:7) ''اور تمہیں جو کچھ رسولؐ دے، لے لو اور جس چیز سے روکے، رک جاؤ۔''

**اٰخِذٌ** ج: اٰخِذُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پکڑنے والا۔ لینے والا۔ ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ ط﴾ (2/البقرۃ:267) ''اور تم لوگ نہیں ہو اس کو لینے والے مگر یہ کہ تم لوگ چشم پوشی کرو اس سے۔''

(مفاعلہ) **مُؤَاخَذَۃً** کسی کو کسی غلطی پر پکڑنا۔ مواخذہ کرنا۔ جواب طلبی کرنا۔ ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ﴾ (18/الکھف:73) ''حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیئے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(افتعال) **اِتِّخَاذًا** کسی کو کچھ بنانا۔ اس کا فعل عام طور پر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یعنی کس کو بنایا اور کیا بنایا۔ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ (4/النساء:125) ''اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔'' ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ﴾ (2/البقرۃ:54) ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بیشک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا﴾ (2/البقرۃ:116) ''اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنایا۔''

**اِتَّخِذْ** ج: اِتَّخِذُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا۔ ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ﴿۹﴾﴾ (73/المزمل:9) ''کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، پس تو بنا اس کو وکیل یعنی کام بنانے والا۔'' ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ط﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور تم لوگ بناؤ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔''

**مُتَّخِذٌ** ج: مُتَّخِذُوْنَ۔ اسم فاعل ہے۔ بنانے والا۔ واحد مذکر۔ ﴿وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾﴾ (18/الکھف:51) ''اور میں نہیں ہوں گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا بازو یعنی مشیر۔'' ﴿وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ط﴾

(5/المائدۃ:5)''اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے۔''

**مُتَّخِذَۃٌ** ج: مُتَّخِذٰتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ بنانے والی۔ واحد مؤنث۔ ﴿وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ (4/النساء:25)''اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار۔''

| ع | د | ل |
|---|---|---|

**(ض) عَدْلًا** یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے برابری کرنا۔ عربی میں کہا جاتا ہے عَدَلْتُ ھٰذَا بِھٰذَا میں نے اس کو، اس کے برابر کر دیا۔ اسی طرح اَیَّامٌ مُعْتَدِلَاتٌ ان دِنوں کو کہا جاتا ہے جب رات اور دن برابر ہوں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَھُمْ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ (6/الانعام:150)''اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں (اوروں کو)۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (4/النساء:129)''اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً﴾ (4/النساء:3)''لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔
اس لفظ کا دوسرا مفہوم ہے کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینا۔ نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے کا نام عدل ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا﴾ (6/الانعام:70)''اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔
اس لفظ کا تیسرا مفہوم ہے انصاف کرنا۔ حق دار کو اس کا حق ادا کرنا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (42/الشوریٰ:15)''اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ (4/النساء:135)''تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔
اس معنی کے اعتبار سے عدل کا لفظ ذوی الاضداد سے ہے۔ اگر یہ باب سمع سے آئے تو پھر اس کے معنی ظلم کرنا اور ناانصافی کرنا کے ہوتے ہیں۔ لیکن ان معنوں میں فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔
اس لفظ کا چوتھا مفہوم ہے کسی چیز کے توازن و تناسب کو قائم رکھنا۔ کسی چیز کو معتدل بنانا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہ رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ﴾ (82/الانفطار:7)''جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔
قرآن مجید میں مصدر عَدْلٌ بمعنی عَدَالَۃٌ (معتبر) بھی استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَّاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ﴾ (65/الطلاق:2)''اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**عُدُوْلًا** عَدَلَ یَعْدِلُ کا مصدر اگر عُدُوْلٌ آئے تو مطلب ہوتا ہے راہِ راست سے انحراف کرنا، ہٹ جانا۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ (4/النساء:135)''تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ﴾ (27/النمل:60)''مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''یعدلون۔ عدول سے ہے جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔''

**اِعْدِلْ** ج: اِعْدِلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو برابر کر۔ تو انصاف کر۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ (6/الانعام:152)''اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو چاہے وہ شخص تمہارا قرابت دار ہی ہو۔''

عَدْلٌ اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کے برابر کوئی دوسری چیز۔ بدلہ۔ عدل۔ انصاف۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (2/البقرہ:123) ''اور قبول نہیں کیا جائے گا اس سے بدلہ اور نفع نہیں دے گی اس کو سفارش۔'' ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ (5/المائدۃ:95) ''یا اس کے برابر روزے رکھنا۔''

**ن ص ر**

(ن) نَصْرًا، نُصْرَةً کسی کی مدد کرنا۔ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ﴾ (3/آل عمران:123) ''اور یقیناً مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''نصر کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبے کے ہو جاتے ہیں اور غلبہ سے مراد دونوں ہیں بہ لحاظ دلائل وعلوم، غلبہ علمی ومعنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی ومُلکی۔ ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:286) ''سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

نَصْرٌ اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (2/البقرہ:214) ''سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔''

اُنْصُرْ فعل امر ہے۔ تو مدد کر۔ ﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (2/البقرہ:250) ''اور تو جمادے ہمارے قدموں کو اور تو مدد کر ہماری کافر قوم پر۔''

نَاصِرٌ ج: نَاصِرُوْنَ اور اَنْصَارٌ۔ اسم فاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ مددگار۔ ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ (47/محمد:13) ''ہم نے ہلاک کیا ان کو تو کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں ہے ان کے لیے۔'' ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ (3/آل عمران:22) ''اور نہیں ہیں اُن کے کوئی بھی مددگار۔'' ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (61/الصف:14) ''حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔'' قرآن مجید میں جہاں مہاجرین و انصار کا ذکر ہے وہاں انصار سے انصارِ مدینہ مراد ہیں جو نصرتِ نبیؐ کی بدولت اس لقب سے سرفراز کیے گئے۔

نَصِيْرٌ ج: اَنْصَارٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں مدد کرنے والا۔ ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (8/الانفال:40) ''پس جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا ہی اچھا حمایتی اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔''

مَنْصُوْرٌ ج: مَنْصُوْرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کی مدد کی جائے۔ مدد کیا ہوا۔ ﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ (17/بنی اسرائیل:33) ''پس اسے چاہیے کہ زیادتی نہ کرے قتل میں یقیناً وہ مدد کیا گیا ہے۔'' ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ﴾ (37/الصافات:172) ''اُن کی ضرور مدد کی جائے گی۔''

نَصْرَانِيٌّ ج: نَصٰرٰی۔ اسم نسبت ہے۔ مدد والا۔ اصطلاحاً یہ لفظ عیسائی لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نَصْرَانِيٌّ کے ماخذ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ یہ ''ناصرہ'' کی طرف منسوب ہے جو کہ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبے کا نام ہے۔ انگریزی میں اسے (Nazareth) کہتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ تھا اور آپؑ ''مسیح ناصری'' اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ اور بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ اس کا ماخذ ''نُصْرَةٌ'' (مدد) ہے اور اس کی وجہ وہ قول ہے جو حضرت عیسٰیؑ کے سوال مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (اللہ کی راہ میں کون میرے مددگار ہیں) کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں)۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا﴾ (3/آل عمران:67) ''ابراہیمؑ یہودی نہیں تھے اور نہ ہی نصرانی۔'' ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ﴾ (2/البقرہ:113) ''اور کہا یہودیوں نے کہ نہیں ہیں

عیسائی کسی چیز پر۔“

| | | |
|---|---|---|
| (تفاعل) | تَنَاصُرًا | ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴾ (37/الصافات:25) ”تم لوگوں کو کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔“ |
| (افتعال) | اِنْتِصَارًا | (1) مدد طلب کرنا۔ (2) بدلہ لینا۔ انتقام لینا۔ (3) ظلم یا ظالم سے بچنا۔ اپنے آپ کو کسی کے حملے سے بچانا۔ ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ (42/الشوریٰ:41) ”اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ (42/الشوریٰ:39) ”اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اُس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ |
| | اِنْتَصِرْ | فعل امر ہے۔ تو بدلہ لے۔ ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (54/القمر:10) ”تو اس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہوں پس تو بدلہ لے۔“ |
| | مُنْتَصِرٌ | ج: مُنْتَصِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بدلہ لینے والا۔ غالب۔ ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴾ (54/القمر:44) ”یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔“ |
| (استفعال) | اِسْتِنْصَارًا | مدد مانگنا۔ ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ (8/الانفال:72) ”اور اگر وہ لوگ مدد مانگیں تم لوگوں سے دین میں تو تم لوگوں پر لازم ہے مدد کرنا۔“ |

**ترکیب** وَاتَّقُوْا میں ’وَ‘ عطف کا ہے اور اِتَّقُوْا گزشتہ آیت میں اُذْكُرُوْا پر عطف ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ آیت کا اگلا حصہ يَوْمًا کی صفات بیان کر رہا ہے۔ چنانچہ لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا، يَوْمًا کی پہلی صفت ہے۔ اس میں لَا نافیہ ہے۔ تَجْزِىْ مضارع معروف کا صیغہ ہے، اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے، نَفْسٌ اس کا فاعل ہے، عَنْ نَّفْسٍ، جار مجرور متعلق فعل ہے اور شَيْئًا مفعول ہے۔ آگے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ، يَوْمًا کی دوسری صفت ہے۔ اس میں ’وَ‘ عطف کا ہے ’لَا‘ نافیہ ہے، يُقْبَلُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے۔ مِنْهَا اس سے متعلق ہے اور شَفَاعَةٌ، نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں ’ھا‘ ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے۔ شَفَاعَةٌ، مونث غیر حقیقی ہے اس لیے اس کا فعل تُقْبَلُ کی بجائے يُقْبَلُ بھی درست ہے۔ اگلا جملہ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ، يَوْمًا کی تیسری صفت ہے۔ اس میں ’وَ‘ عطف کا ہے۔ ’لَا‘ نافیہ ہے۔ يُؤْخَذُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ فِيْهِ محذوف ہے۔ مِنْهَا اس سے متعلق ہے، ’ھا‘ ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے اور عَدْلٌ نائب الفاعل ہے۔ اور اگلا جملہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ، يَوْمًا کی چوتھی صفت ہے۔ اس میں ’وَ‘ عطف کا ہے، ’لَا‘ نافیہ ہے هُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يُنْصَرُوْنَ اس کی خبر ہے۔ يُنْصَرُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اِس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اور اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے۔ آخری صفت وَلَا يُنْصَرُوْنَ (بغیر هُمْ کے) بھی ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان کرنے سے اس میں حصر اور تاکید کا مفہوم پیدا ہوگیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:48 |

| وَاتَّقُوْا | يَوْمًا | لَّا تَجْزِىْ | نَفْسٌ | عَنْ نَّفْسٍ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم لوگ ڈرو | ایک ایسے دن سے جب | کام نہیں آئے گی | کوئی جان | کسی جان کے |

| شَيْئًا | وَّلَا يُقْبَلُ | مِنْهَا | شَفَاعَةٌ | وَّلَا يُؤْخَذُ |
|---|---|---|---|---|
| کچھ بھی | اور قبول نہیں کی جائے گی | اس سے | کوئی سفارش | اور نہیں لیا جائے گا |

| مِنْهَا | عَدْلٌ | وَلَا هُمْ | يُنْصَرُوْنَ ۝ |
|---|---|---|---|
| اس سے | کوئی بدلہ | اور نہ ہی وہ | مدد کیے جائیں گے |

**نوٹ:1** کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نکرہ کی کوئی خصوصیت ایک یا چند فقروں یا جملوں میں بیان کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ نکرہ، محض نکرہ نہیں رہتا۔ اسے نکرہ موصوفہ مخصّصہ کہتے ہیں۔ اس بات کو اُردو کی مثال سے سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ایک ٹھنڈا دن۔ اب یہ کسی بھی ٹھنڈے دن کی بات ہوسکتی ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ محض نکرہ ہے۔ اسے نکرہ محضہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کہیں ایک ایسا ٹھنڈا دن جب پانی جم جائے۔ اس فقرہ میں بھی دن کا لفظ نکرہ ہے کیونکہ ایسا ٹھنڈا دن کوئی بھی دن ہوسکتا ہے۔ لیکن عام ٹھنڈے دنوں کے بنسبت اس دن کی ایک خصوصیت ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ نکرہ محضہ نہیں رہا بلکہ نکرہ موصوفہ مخصّصہ ہوگیا۔

اسی طرح سے آیت زیرِ مطالعہ میں یَوْمًا کا لفظ نکرہ آیا ہے کیونکہ یہ ایک غیر معین دن ہے۔ لیکن جب بھی یہ دن وقوع پذیر ہوگا تو کچھ خصوصیات کا حامل ہوگا جو آیت میں بیان کردی گئی ہیں۔ اس لیے یہ نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ موصوفہ مخصّصہ ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس فرق کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔

**نوٹ:2** اس آیت میں لفظ شَيْئًا کے استعمال کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں مفعول مطلق کا استعمال سمجھنا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں میں نے اس کو مارا یعنی ضَرَبْتُهٗ۔ یہ ایک سادہ جملہ ہے۔ لیکن اگر ہم کہتے ہیں میں نے اس کو ٹھیک ٹھاک مار ماری تو عربی کے جملہ میں یہ انداز پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس فعل کا ذکر ہوا اسی فعل کا مصدر بطور مفعول لے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا۔ اب اس میں ضَرَبْتُ کے بعد ہٗ اصل مفعول ہے اور ضَرْبًا مفعول مطلق ہے جس کی وجہ سے بات میں بہت زور پیدا ہوگیا ہے۔ اسی طرح سے جَزَيْتُهٗ جَزَآءً یعنی میں نے اس کو بدلہ دیا جیسا بدلہ دیتے ہیں یا جیسا بدلہ دینے کا حق ہے۔

اب فرض کریں یہی بات ہم منفی انداز میں کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل نہیں مارا، تو اس کے لیے مَا ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا نہیں کہیں گے بلکہ منفی جملہ میں مفعول مطلق کے طور پر فعل کا مصدر لانے کے بجائے عام طور پر لفظ شَيْئًا لے آتے ہیں۔ اس لیے کہیں گے مَا ضَرَبْتُهٗ شَيْئًا۔ میں نے اس کو کچھ بھی نہیں مارا۔ اسی طرح سے مَا جَزَيْتُهٗ جَزَآءً کے بجائے مَا جَزَيْتُهٗ شَيْئًا کہیں گے۔ میں نے اس کو کچھ بھی بدلہ نہیں دیا۔

اب نوٹ کریں کہ آیت میں اصل جملہ تھا لَا تَجْزِيْ فِيْهِ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ جَزَآءً۔ اس میں فِيْهِ محذوف کر دیا۔ اور مفعول مطلق کے طور پر جَزَآءً کے بجائے شَيْئًا آیا ہے۔ یعنی کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی یا بدلہ میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز نہ دے گی۔

## آیت:49

﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

**ن ج و**

(ن) (ا) نَجَاۃً اور نَجَاءً کسی کا کسی چیز سے الگ ہو جانا۔ رہائی پانا۔ نجات پانا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا﴾ (12/یوسف:45) ''اور کہا اُس شخص نے جس نے نجات پائی اُن دونوں میں سے۔'' ﴿قَالَ لَا تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (28/القصص:25) ''انہوں نے کہا آپؑ (حضرت موسیٰؑ) مت ڈریں۔ آپؑ نے نجات پائی ظالم قوم سے۔''

(ب) نَجْوًا اور نَجْوٰی سرگوشی کرنا۔ دو آدمیوں کا راز داری سے بات کرنا۔ سرگوشی کے معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

نَاجٍ اسم الفاعل ہے۔ نجات پانے والا۔ ﴿ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا ﴾ (12/ یوسف:42) ''اور حضرت یوسفؑ نے کہا اس سے جس کے لیے انہوں نے خیال کیا کہ وہ نجات پانے والا ہے ان دونوں میں سے۔''

نَجِیٌّ یہ لفظ نَجْوٌ یا نَجْوٰی مصدر سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فَعِیْلٌ کے وزن میں کبھی اسم الفاعل اور کبھی اسم المفعول کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ نَجِیٌّ کا معنی دونوں طرح سے کیا گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ''سرگوشی کرنے والا'' کے ہیں (مفردات القران، لغات القرآن) اور بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ''وہ جس سے سرگوشی کی جائے یا جس سے راز کی بات کہی جائے'' کے ہیں (مصباح اللغات، معارف القرآن)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا مصدر تَنَاجٍ (تفاعل) ہے جس کے معنی ہیں ''باہم مشورہ کرنا''۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف کی آیت 80 میں فرمایا ﴿ فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ ﴾۔ اس آیت کا ترجمہ عام طور سے دو طرح کیا گیا ہے مثلاً: ''پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ گویا ہمارے بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں نَجِیٌّ کو نَجْوٌ، نَجْوٰی یا تَنَاجٍ سے اسم الفاعل کے معنی میں لیا ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ مریم کی آیت 52 میں فرمایا ﴿ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ﴿۵۲﴾ ﴾ اس آیت مبارکہ میں عام طور پر نَجِیٌّ کو نَجْوٌ یا نَجْوٰی سے اسم المفعول ''جس سے سرگوشی کی جائے، جس سے راز کی بات کہی جائے'' کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کو قَرَّبْنٰهُ میں ضمیر مفعولی کا حال مانا گیا ہے۔ ''اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''نَجِیًّا سرگوشی اور خصوصی کلام کو مناجات اور جس شخص سے ایسا کلام کیا جائے اُس کو نَجِیٌّ کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۶، ص ۳۹)۔

نَجٰوۃٌ اسم ذات ہے۔ رہائی۔ نجات۔ ﴿ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ ﴾ (40/ مؤمن:41) ''میں بلاتا ہوں تم لوگوں کو نجات کی طرف اور تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔'' نَجٰوۃٌ خاص قرآنی املاء ہے۔

نَجْوٰی اسم ذات بھی ہے۔ سرگوشی۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ﴾ (58/ المجادلۃ:8) ''کیا آپؐ نے ان لوگوں کے حال میں غور کیا جنہیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا۔'' ﴿ لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (4/ النساء:114) ''نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نَجْوٰی کے ماخذ کے بارے میں ہمارے بزرگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ باب نصر سے مصدر ہے بمعنی سرگوشی کرنا اور بطور اسم ذات (سرگوشی) استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ نَجٰوۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں وہ اونچی زمین جو دوسری زمینوں سے ممتاز اور بلندی کی وجہ سے آس پاس کی زمینوں سے جدا ہو۔ آہستہ اور راز سے کہی ہوئی بات بھی چونکہ کسی دوسرے کے سننے سے محفوظ ہو جاتی ہے اس لیے وہ نَجٰوۃٌ کے مشابہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ لفظ نجوت الشئ انجوہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور منفرد کر لینا۔ اسی مناسبت سے دو آدمی جو دوسرے لوگوں سے

الگ تھلگ ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نَجْوٰی کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً هُوَ نَجْوٰی اور هُمْ نَجْوٰی۔ اس لفظ کا استعمال بطور صفت بھی ہوتا ہے جیسے قَوْمٌ نَجْوٰی یعنی سرگوشی کرنے والے لوگ۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓی﴾ (17/بنی اسرائیل:47) ''اور جب وہ سرگوشی کر رہے تھے۔'' اس صورت میں اس سے پہلے لفظ ذُوْ محذوف مانا جاتا ہے۔ اب نوٹ کرلیں کہ نَجْوٰی کا استعمال بطور مصدر (سرگوشی کرنا)، بطور اسم ذات (سرگوشی) اور بطور صفت (سرگوشی کرنے والا، والے) ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(افعال) اِنْجَاءً کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ ﴿اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ (14/ابراہیم:6) ''جب اس نے رہائی دی تم کو آلِ فرعون سے۔''

(تفعیل) تَنْجِيَةً کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ (اس میں تدریجاً نجات دینے کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۸﴾ (23/المومنون:28) ''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے۔''

نَجِّ فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر کا صیغہ۔ تو نجات دے۔ تو چھٹکارا دے۔ ﴿وَّ نَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۱۸﴾ (26/الشعراء:118) ''اور تو نجات دے مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں بھی۔''

مُنَجٍّ ج: مُنَجُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نجات دینے والا۔ ﴿اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ﴾ (29/العنکبوت:33) ''بے شک ہم نجات دینے والے ہیں آپ کو اور آپؐ کے گھر والوں کو۔''

(مفاعلہ) مُنَاجَاةً چپکے چپکے سے کان میں بات کہنا۔ کسی سے سرگوشی کرنا۔ راز داری سے مشورہ دینا۔ ﴿اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ﴾ (58/المجادلہ:12) ''اور جب بھی تم لوگ سرگوشی کرو رسولؐ سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔''

(تفاعل) تَنَاجِيًا باہم ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا۔ باہم خفیہ مشورہ کرنا۔ ﴿اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ﴾ (58/المجادلہ:9) ''تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریمؐ کی نافرمانی کے متعلق۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

اٰلٌ: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔

**فِرْعَوْنُ** ج: فَرَاعِنَةٌ۔ یہ کسی ایک متعین بادشاہ کا نام نہیں بلکہ قدیم مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''لفظ فرعون کے معنی ہیں ''سورج دیوتا کی اولاد'' قدیم اہل مصر سورج کو، جو اُن کا مہادیو یا ربِ اعلیٰ تھا، رَع کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ رَع کا جسمانی مظہر اور اُس کا ارضی نمائندہ ہو، اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا، اور ہر فرماں روا جو تخت نشین ہوتا، ''فرعون'' کا لقب اختیار کر کے باشندگانِ ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا ربِ اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔

یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور جو بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون رعمسیس دوم تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون

جس کا یہاں اِن آیات میں ذکر ہو رہا ہے، (الاعراف:104) منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمسیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔" (تفہیم القرآن، ج ۲،ص ۶۴)۔اور سورۂ یوسف کے تعارف میں فرماتے ہیں: "قرآن مجید حضرت یوسفؑ کے ہم عصر بادشاہ کو "فرعون" کے نام سے یادنہیں کرتا۔کیونکہ "فرعون" مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ (چرواہے بادشاہ، Hyksos kings) مصری مذہب کے قائل نہ تھےلیکن بائیبل میں غلطی سے اس کو بھی "فرعون" ہی کا نام دیا گیا ہے شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ "فراعنۃ" ہی تھے۔" (تفہیم القرآن، ج ۲،ص ۳۸۲)۔امام راغبؒ نے اس کو "ف رع ن" (رباعی) مادہ کے تحت بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عربی زبان میں اس سے سرکشی کے معنی لے کر کہا جاتا ہے تَفَرْعَنَ فُلَانٌ یعنی فلاں نے سرکشی کی۔

| س و م |
|---|

(ن) **سَوْمًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کی طلب میں کہیں جانا۔ چنانچہ سَوْمٌ کا مفہوم دو اجزاء سے مرکب ہے، طلب اور جانا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (1) جانور کا چراگاہ میں جانا۔جیسے سَامَتِ الْاِبِلُ اونٹ چراگاہ میں چرنے کے لیے چلے گئے۔(2) کسی پر کوئی بوجھ ڈالنا یا اس کو تکلیف دینا۔عربی میں کہتے ہیں سَامَهُ ظُلْمًا وَ سَامَهُ خَسْفًا، اس نے اس کو ظلم اور ذلت کا مزہ چکھایا۔عربی زبان میں "سَامَ خَسْفًا" محاورہ ہے جس کا معنی ہے کسی کو تکلیف دینا اور ذلیل وخوار کرنا۔﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ (7/الاعراف:167) "اور جب سنا دیا تیرے رب نے کہ وہ لازماً بھیجتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک اس کو جو تکلیف دے گا ان کو برے عذاب کی۔" یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

**سِيْمَاءٌ** اسم ذات ہے۔ علامت۔ نشان۔﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ (2/البقرہ:273) "تو پہچانے گا ان کو ان کی علامت سے، وہ لوگ نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹتے ہوئے۔"﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ (48/الفتح:29) "ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "سِيْمٰى سے مراد وہ گٹا نہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ جِبَاهِهِمْ۔ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نور باطن ہے جو اُن کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔" (ضیاء القرآن، ج ۴،ص ۵۶۹)

(افعال) **اِسَامَةً** مویشی کو چراگاہ میں لے جانا۔ چرانا۔﴿ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴾ (16/النحل:10) "اور اس سے درخت ہیں، اس میں تم مویشی چراتے ہو۔"

(تفعیل) **تَسْوِيْمًا** اپنے اوپر یا کسی پر نشان لگانا۔

**مُسَوِّمٌ** ج: مُسَوِّمُوْنَ-اسم الفاعل ہے۔نشان لگانے والا-نشان بنانے والا-﴿ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:125)۔صاحبؒ قاموس القرآن اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: "اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کرو گے اور کافر یکا یک تم پر حملہ آور ہوں گے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو اپنے گھوڑوں پر علامت لگانے والے ہوں گے یا جن پر خود علامت لگی ہوگی۔" اور آگے فرماتے ہیں: "پہلے معنی مَسَوِّمِيْنَ پڑھنے کی صورت میں ہیں اور دوسرے مَسَوَّمِيْنَ پڑھنے کی صورت میں۔" (قاموس القرآن، ص ۵۱۸)۔آیت میں لفظ مُسَوِّمِيْنَ ہے لیکن ہمارے اکثر بزرگوں نے اس کا ترجمہ اسم المفعول کے معنی

میں کیا ہے مثلاً: ''اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اُسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر اور تقویٰ قائم رکھا اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے کرے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اگر آ دھمکیں کفار تم پر تیزی سے اُسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''جو نشان دار ہوں گے۔'' (احسن البیان) (واللہ اعلم)۔

**مُسَوَّمٌ** اسم المفعول ہے۔ نشان لگا یا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مذکر۔

**مُسَوَّمَۃٌ** اسم المفعول ہے۔ نشان لگا یا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مؤنث۔ ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾ (51/الذّٰرِیٰت:33-34) ''تا کہ ہم برسائیں اُن پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ (3/آل عمران:14) ''اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے۔''

**س و ء**

(ن) **سَوْءًا** ناپسندیدہ ہونا۔ برا ہونا۔ غمگین ہونا۔ بگڑ جانا۔ (لازم)۔ برا لگنا۔ کسی چیز کو بگاڑ دینا۔ غمگین کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿وَلَمَّا جَاۤءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ﴾ (11/ھود:77) ''اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس تو وہ غمگین ہوئے اُن کے آنے سے۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ساء لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔'' (ضیاء القران، ج۲، ص۳۸۰) ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (67/الملک:27) ''پھر جس وقت اُسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔'' ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ﴾ (9/التوبہ:50) ''اگر پہنچتی ہے آپؐ کو کوئی بھلائی تو وہ بری لگتی ہے ان کو۔'' ﴿فَاِذَا جَاۤءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ﴾ (17/بنی اسرائیل:7) ''پھر جب آیا دوسرے وعدے کا وقت (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں/غمناک کر دیں/اداس کر دیں۔''

نوٹ: سَاۤءَ (بُرا ہے) اور سَاۤءَتْ (بری ہے) بطور فعل ذم بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً ﴿سَاۤءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (5/المائدۃ:66) ''بہت برا ہے جو کر رہے ہیں۔'' ﴿وَسَاۤءَتْ مَصِيْرًا ۝﴾ (4/النساء:97) ''''اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔''

**اَسْوَءُ** مؤنث: سُوْاٰی۔ افعل تفضیل ہے۔ زیادہ برا یا سب سے برا۔ ﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ (39/الزمر:35) ''تا کہ اللہ دور کر دے ان سے بدترین اعمال کو جو انہوں نے کیے۔'' ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ (30/الروم:10) ''پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنہوں نے برا کیا، انتہائی برا، اس واسطے کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو۔'' سُوْاٰی کے مقابلے پر لفظ حُسْنٰی آتا ہے۔ حُسْنٰی ہر اچھے کام کو کہتے ہیں اور سُوْاٰی ہر برے کام کو۔

**سَوْءٌ** صفت ہے۔ برا۔ بری۔ ﴿الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ (48/الفتح:6) ''گمان کرنے والے اللہ کے بارے میں برا گمان۔'' ﴿عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ﴾ (9/التوبۃ:98) ''(حقیقت میں) اُنہی پر ہے بری گردش۔''

**سُوْٓءٌ** اسم ذات (برائی) اور صفت (بُرا، بری) دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ﴾ (13/الرعد:18) ''یہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے۔'' ﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ ﴾ (2/البقرۃ:169) ''بے شک وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔''

نوٹ: سَوْءٌ (س کی زبر کے ساتھ) کا استعمال تو قرآن مجید میں صفت کے طور پر مرکب اضافی کی صورت میں ہوا ہے مثلاً دَائِرَۃُ السَّوْءِ (بری گردش)، مَثَلُ السَّوْءِ (بری صفتیں) قَوْمَ سَوْءٍ (بری قوم) وغیرہ اور سُوْءٌ (س کی پیش کے ساتھ) کا استعمال قرآن مجید میں بطور صفت (برا، بری) بھی ہوا ہے اور بطور اسم ذات (برائی) بھی ہوا ہے۔ بطور صفت تو یہ لفظ اکثر مرکب اضافی کی صورت میں آیا ہے مثلاً سُوْءُ الْعَذَابِ (بُرا عذاب)، سُوْءُ الْحِسَابِ (بُرا حساب) سُوْءُ الدَّارِ (بُرا گھر) وغیرہ۔ اور بطور اسم ذات یہ لفظ فاعل، مفعول یا مرکب جاری کی صورت میں استعمال ہوا ہے اور پھر مختلف آیات میں اس کا مفہوم بھی مختلف لیا گیا ہے مثلاً کہیں یہ برائی کے معنی میں آیا۔ (البقرۃ:169)، کہیں یہ گناہ کے معنی میں آیا ہے (النساء:17)، کہیں یہ سزا اور تکلیف کے معنی میں آیا ہے (النحل:94)، کہیں یہ عیب اور بیماری کے معنی میں آیا ہے (طٰہٰ:22) اور کہیں یہ بدکاری کے معنی میں آیا ہے (یوسف:25) وغیرہ۔ (واللہ اعلم)۔

**سَيِّءٌ** بد۔ برا۔ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ سورہ فاطر کی آیت 43 میں دو مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ﴿ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ ﴾ ''دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**سَيِّئَةٌ** ج: سَيِّئَاتٌ۔ سَيِّءٌ کا مؤنث۔ ہر وہ چیز جو تکلیف اور ناگواری کا باعث بنے۔ یہ لفظ اسم ذات اور صفت دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ برائی۔ برا۔ گناہ۔ ﴿ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ ﴾ (3/آل عمران:120) ''اور اگر تم لوگوں کو پہنچے کوئی برائی تو وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اس سے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً ﴾ (4/النساء:85) ''اور جو کوئی سفارش کرتا ہے کوئی بری سفارش۔'' ﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔــتُهٗ ﴾ (2/البقرۃ:81) ''کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اُس کو اُس کے گناہ نے۔'' اس کی ضد حَسَنَةٌ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو شرعاً اور عقلاً اچھی اور بری ہوں یعنی جن پر جزا یا سزا ملے مثلاً: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ﴾ (6/الانعام:160) ''جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی۔'' اور دوسری قسم وہ ہے جس میں طبعاً کسی شخص کو کوئی چیز اچھی یا بری لگے۔ اس معنی میں فرمایا ﴿ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ۭ ﴾ (7/الاعراف:131) ''تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰؑ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔'' ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔'' اور مولانا مودودیؒ سورہ مومن کی آیت 9 ﴿ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ ﴾ ''اور بچا دے اُن کو برائیوں سے۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''سیئات'' (برائیوں) کا لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تینوں ہی یہاں مراد ہیں ایک غلط عقائد اور بگڑے ہوئے اخلاق اور برے اعمال۔ دوسرے گمراہی اور اعمالِ بد کا وبال۔ تیسرے،

آفات اور مصائب اور اذیتیں خواہ وہ اس دنیا کی ہوں یا عالم برزخ کی، یا روزِ قیامت کی۔ فرشتوں کی دعا کا مقصود یہ ہے کہ ان کو ہر اُس چیز سے بچا جو ان کے حق میں بری ہو۔'' اور اسی آیت کے جز ﴿ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ ﴾ ''جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچا دیا۔'' کے تحت لکھتے ہیں: ''روزِ قیامت کی برائیوں سے مراد میدانِ حشر کا ہول، سائے اور ہر قسم کی آسائشوں سے محرومی، محاسبے کی سختی، تمام خلائق کے سامنے زندگی کے راز فاش ہونے کی رسوائی اور دوسری وہ تمام ذلتیں اور سختیاں ہیں جن سے وہاں مجرمین کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۴، ص۳۹۶)

سَوْءَۃٌ — اسم ذات ہے۔ ناپسندیدہ چیز۔ ہر وہ چیز جس کے اظہار کو آدمی برا سمجھے۔ اصطلاحاً یہ لفظ ستر کی چیزوں (اگر وہ کھلی ہوں) اور انسانی لاش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ سُوْءٌ سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو عقل اور شرعی لحاظ سے بری ہو یا دیکھنے میں بری معلوم ہو۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں سَوْءَۃٌ کا لفظ عورت یا مرد، دونوں کی شرم گاہ پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اور علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں سَوْءَۃٌ کے معنی فرج (شرم گاہ) کے ہیں بعد میں اس کو ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا کہ اگر ظاہر ہو تو اس سے حیاء آنے لگے خواہ وہ کوئی قول ہو یا فعل۔'' سَوْءَۃٌ کا اطلاق ستر کی تمام چیزوں پر ہوتا ہے مثلاً عورت کے بدن اور چھاتی وغیرہ پر اگر وہ کھلے ہوئے ہوں۔ اور انسانی لاش کے لیے سَوْءَۃٌ کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ اگر کچھ عرصہ دفن نہ کی جائے تو دیکھنے میں بہت بری لگتی ہے۔ ﴿ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ﴾ (5/المائدہ:31) ''کیسے وہ چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو۔'' ﴿ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ﴾ (7/الاعراف:26) ''ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر لباس کو، وہ چھپاتا ہے تمہارے ستر کے حصوں کو اور آرائش ہے۔'' چنانچہ سَوْءَۃٌ کا اطلاق، مرد اور عورت کی شرم گاہ پر، ستر کی تمام چیزوں پر اگر وہ کھلی ہوں، انسانی لاش پر اور ہر برے قول یا فعل پر ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(افعال) اِسَاءَۃً — خراب کرنا۔ بگاڑنا۔ برائی کرنا۔ ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ (17/بنی اسرائیل:7) ''اگر تم بھلائی کرو گے تو تم بھلائی کرو گے اپنے آپ سے اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے نفسوں کو ملے گی۔'' اوپر اَسْوَءُ کے تحت آیت نمبر (30/الروم:10) بھی دیکھ لیں۔

مُسِیْءٌ — اسم الفاعل ہے۔ برائی کرنے والا۔ بدکار۔ ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ﴾ (40/المؤمن:58) ''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَذَابٌ (ع ذ ب): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

## ذ ب ح

(ف) ذَبْحًا — کسی جاندار کا گلا کاٹنا۔ ذبح کرنا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ (2/البقرۃ:67) ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم لوگوں کو کہ تم لوگ ذبح کرو ایک گائے۔''

ذِبْحٌ — قربانی کیا ہوا جانور۔ ذبیحہ۔ ﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴾ (37/الصافات:107) ''اور ہم نے اس کے فدیہ میں دیا ایک عظیم ذبیحہ۔''

(تفعیل) تَذْبِيْحًا — کثرت سے ذبح کرنا۔ (آیتِ زیرِ مطالعہ)

اَبۡنَآءُ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ یَسۡتَحۡيُوۡنَ (ح ی ی): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

**اِمۡرَءَةٌ اور مَرۡءَةٌ** ج: نِسَاءٌ اور نِسۡوَةٌ۔ عورت۔ عربی زبان میں نِسَاءٌ کا لفظی ترجمہ ہے عورتیں اور سیاق وسباق کے لحاظ سے اس سے مراد بیویاں، بیٹیاں، قریبی رشتہ دار عورتیں یا کسی اور قسم کی مخصوص عورتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔

**ذٰلِكُمۡ** اسماء اشارہ میں سے ہے اشارہ بعید کے لیے آتا ہے۔ اس میں ذَا اشارہ ہے اور کُمۡ ضمیر جمع، خطاب کے لیے ہے جو کہ مخاطب کے لحاظ سے مذکر، مونث، تثنیہ اور جمع میں بدلتی رہتی ہے لیکن اس سے معنی میں فرق نہیں پڑتا۔

**ب ل و**

(س) بَلَاءً بوسیدہ ہونا۔ زائل ہونا۔ ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ وَ مُلۡكٍ لَّا يَبۡلٰى ۝۱۲۰﴾ (20/طٰہٰ:120) ''اس (شیطان) نے کہا آے آدم کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو۔''

(ن) بَلَاءً کسی کو آزمانا۔ امتحان لینا۔ (یہ تکلیف اور آسودگی، دونوں طرح کی آزمائش کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش دو طرح سے کرتا ہے کبھی تو بندوں کو فراخی اور کشادگی دے کر آزماتا ہے کہ دیکھے وہ شکر گزاری کرتا ہے یا نہیں اور کبھی تنگی کے ذریعہ امتحان کرتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ بَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۱۶۸﴾ (7/الاعراف:168) ''اور ہم نے آزمایا ان کو بھلائیوں سے اور برائیوں سے شائد کہ وہ پلٹ آئیں۔'' ﴿وَ نَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً﴾ (21/الانبیاء:35) ''اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی اور بھلائی سے آزمانے کو۔''

بَلَاءٌ اسم ذات ہے۔ آزمائش، خواہ خیر سے ہو یا شر سے۔ امتحان۔ ایسا غم جو جسم کو گھلا دے۔ تکلیف۔ آزمائش جب خیر سے ہو تو بَلَاءٌ کا ترجمہ عموماً ''انعام اور احسان'' سے بھی کر دیا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں ہمارے بزرگوں نے بَلَاءٌ کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا بھی ہے یعنی ''آزمائش'' کے لفظ سے بھی اور ''انعام اور احسان'' کے الفاظ سے بھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ آیت زیر مطالعہ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔'' اور یہی آیت جب سورہ اعراف میں آتی ہے وہاں ترجمہ کرتے ہیں ''اور اِس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا۔'' (آیت: 141)۔ آیت زیر مطالعہ کے حاشیے میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلِكُمۡ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۱۰) اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ الانفال:17 ﴿وَلِيُبۡلِيَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡهُ بَلَآءً حَسَنًا﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان''، پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔'' اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش'' گویا ایک ہی آیت میں بلاءٌ کا ترجمہ ''احسان'' سے بھی کیا گیا ہے اور ''آزمائش'' سے بھی۔ اس کی وضاحت میں پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا

لغوی معنی اختبار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۷ ۱۳) اور اسی طرح الدخان:33 ﴿ وَاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴾ کا ترجمہ مولانا عبدالماجدؒ یوں کرتے ہیں ''اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں ''بَلٰٓؤٌ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، اِنعام کے معنی میں ہے۔'' اسی آیت کا ترجمہ پیر کرم شاہ صاحبؒ کرتے ہیں ''اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔'' حضرت شیخ الہندؒ نے اس آیت میں بَلٰٓؤٌ کا ترجمہ ''مدد'' سے کیا ہے فرماتے ہیں: ''اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں جن میں تھی مدد صریح'' اس آیت کے حاشیے میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''بَلٰٓؤٌ کے دو معنی آتے ہیں، ایک انعام اور دوسرے آزمائش، یہاں دونوں معنی بلا تکلف ممکن ہیں۔'' (معارف القرآن، ج ۷، ص ۷۶۸)

**بَلٰی** حرف ایجاب ہے یعنی جس کے ذریعے جواب دیا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''کیوں نہیں'' اور یہ ہمیشہ نفی کو اثبات بنانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ (1) نفی ماقبل کی تردید کے لیے مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ﴿ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر تھوڑے دن۔'' اس دعویٰ میں نفی شامل ہے کہ آگ نہیں چھوئے گی۔ اس نفی کی تردید کے لیے آگے فرمایا ﴿ بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً ﴾ ''کیوں نہیں (ضرور چھوئے گی) بلکہ جو کوئی کمائے گا ایک برائی......'' یا اسی طرح فرمایا ﴿ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ﴾ ''کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' اس دعویٰ میں بھی اٹھائے جانے کی نفی ہے۔ اس نفی کی تردید کے لیے فرمایا۔ ''آپؐ کہیے کیوں نہیں (تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) اور میرے رب کی قسم تم لازماً اٹھائے جاؤ گے۔''

(2) اس استفہام کے جواب کے طور پر آتا ہے جس استفہام میں نفی شامل ہو۔ مثلاً فرمایا ﴿ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔'' جواب میں فرمایا بَلٰی (کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں) یا فرمایا ﴿ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ ﴾ ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔'' جواب میں فرمایا ﴿ بَلٰی ﴾ ''کیوں نہیں (ضرور کریں گے بلکہ)۔'' ﴿ قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴾ ''ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پور پور درست کر دیں۔'' بَلٰی اور نَعَمۡ میں فرق یہ کہ نَعَمۡ صرف استفہام کے جواب میں آتا ہے اور کلام ماقبل کی تصدیق کرتا ہے خواہ کلام مثبت ہو یا منفی۔ مثلاً اگر کہا جائے ہَلۡ جَآءَکَ زَیۡدٌ (کیا زید تمہارے پاس آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمۡ تو مطلب ہوگا ''ہاں زید آیا'' اسی طرح اگر کہا جائے مَا جَآءَکَ زَیۡدٌ (زید تمہارے پاس نہیں آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمۡ تو مطلب ہوگا ''ہاں زید نہیں آیا''۔ لیکن اگر کوئی کہے مَا عِنۡدِیۡ شَیۡءٌ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اگر بَلٰی کہا جائے تو اس کے دعویٰ کی نفی ہو جائے گی یعنی کیوں نہیں (تم غلط کہتے ہو تمہارے پاس کچھ ہے اور اگر نَعَمۡ کہا جائے تو اس کی نفی کا اقرار ہو جائے گا یعنی ہاں! تم درست کہتے ہو تمہارے پاس واقعی کچھ نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ﴿ فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ ﴾ ''بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تم نے اسے سچا پایا (وہ کہیں گے) ہاں۔''

(افعال) **اِبْلَاءً** ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے یعنی کسی کو آزمانا۔ امتحان لینا۔ صاحبؒ لغات القرآن کے مطابق اِبْلَاءً کے معنی ہیں ''نعمت دے کر کسی کو آزمانا'' ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا﴾ (8/الانفال:17) ''تا کہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بعض بزرگوں نے اس آیت میں يُبْلِيَ کا ترجمہ ''احسان'' سے بھی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور تا کہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں ''تا کہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختیار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۲، ص ۱۳۷)۔

(افتعال) **اِبْتِلَاءً** کسی کو آزمانا۔ آزمائش میں ڈالنا۔ امتحان لینا۔ ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ (2/البقرہ:124) ''اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کچھ فرمانوں سے تو انہوں نے پورا کیا ان کو۔'' امام راغبؒ ابتلاء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کسی کو ابتلاء میں ڈالنے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کی حالت کو جانچنا اور اس سے پوری طرح باخبر ہونا اور دوسرے یہ کہ اس کی اچھی یا بری حالت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ پھر کبھی تو ابتلاء سے یہ دونوں مفہوم مراد ہوتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو صرف دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے اسے کسی کی حالت سے باخبر ہونے کی ضرورت نہیں لہٰذا آیت کریمہ البقرہ:124 میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش سے مقصود یہ تھا کہ ان کے کمالات کو دوسروں کے سامنے ظاہر کیا جائے۔'' اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اِبْتَلٰى۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تا کہ دوسروں کو ان کے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۶۲)۔

**مُبْتَلٍ** ج: مُبْتَلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آزمانے والا۔ ﴿قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ﴾ (2/البقرہ:249) ''حضرت طالوت نے کہا یقیناً اللہ آزمانے والا ہے تم کو ایک نہر سے۔'' (مُبْتَلٍ جب مضاف ہو تو مُبْتَلِيْ پڑھا جاتا ہے)۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾ (23/المومنون:30) ''بے شک اس قصے میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اِبْتَلِ** ج: اِبْتَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آزما۔ ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى﴾ (4/النساء:6) ''اور تم آزماؤ یتیموں کو۔''

رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

## ع ظ م

(ک) **عَظْمَةً** بڑا ہونا۔ بزرگ ہونا۔

**اَعْظَمُ** افعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾ (73/المزمل:20) ''اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو اُسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس

کا) اجر بہت بڑا ہوگا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَظِیْمٌ — فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بڑا (ہمیشہ اور ہر حال میں)۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾ (2/البقرہ:105) ''اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

(ن) عَظْمًا — ہڈی پر مارنا۔

عَظْمٌ — ج: عِظَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہڈی۔ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ ﴾ (19/المریم:4) ''اس نے کہا اے میرے رب بے شک کمزور ہوئی ہڈی میری۔'' ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ (75/القیامہ:3) ''کیا گمان کرتا ہے انسان کہ ہم جمع نہ کرسکیں گے اس کی ہڈیوں کو۔''

(افعال) اِعْظَامًا — بڑا کرنا۔ بڑا بنانا۔ ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴾ (65/الطلاق:5) ''اور جو اللہ کا تقویٰ کرے گا تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو اور وہ بڑا کر دے گا اس کے لیے اجر کو۔''

(تفعیل) تَعْظِیْمًا — کسی کو بڑا سمجھنا۔ کسی کا ادب و احترام کرنا۔ ﴿وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ (22/الحج:32) ''اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**ترکیب** اِذْ سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ نَجَّیْنَا فعل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل ہے۔ كُمْ اس کا مفعول اور مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ متعلق فعل ہے۔ فِرْعَوْنَ، غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں ایک زبر کے ساتھ آیا ہے۔ یَسُوْمُوْنَ فعل اور اس میں شامل هُمْ کی ضمیر فاعل ہے۔ جو کہ اٰلِ فرعون کے لیے ہے۔ كُمْ اس کا مفعول اوّل اور سُوْٓءَ الْعَذَابِ مفعول ثانی ہے۔ یہ جملہ حال ہے آل فرعون کا۔ اگلے جملے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ اور یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ پچھلے جملے یَسُوْمُوْنَكُمْ ... کا بیان ہیں یا بدل ہیں۔ یُذَبِّحُوْنَ اور یَسْتَحْیُوْنَ دونوں کی ضمیر فاعلی بھی اٰلِ فرعون کے لیے ہیں اور اَبْنَآءَكُمْ اور نِسَآءَكُمْ دونوں مفعول ہیں۔ فِیْ ذٰلِكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ بَلَآءٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ متعلق خبر ہے اور عَظِیْمٌ، بَلَآءٌ کی صفت ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:49

| وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ | مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ | یَسُوْمُوْنَكُمْ |
|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب ہم نے نجات دی تم کو | فرعون کے پیروکاروں سے | وہ تکلیف دیتے تھے تم کو |

| سُوْٓءَ الْعَذَابِ | یُذَبِّحُوْنَ | اَبْنَآءَكُمْ | وَیَسْتَحْیُوْنَ |
|---|---|---|---|
| برے عذاب کی | (یعنی) وہ ذبح کرتے تھے | تمہارے بیٹوں کو | اور وہ زندہ رکھتے تھے |

| نِسَآءَكُمْ | وَفِیْ ذٰلِكُمْ | بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ |
|---|---|---|
| تمہاری عورتوں کو | اور اس میں تھی | تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش |

**نوٹ:1** آیت میں لفظ بَلَآءٌ کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''بَلَآءٌ کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلِكُمْ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۰)

**نوٹ:2** مرکباتِ ناقصہ کا استعمال مختلف زبانوں میں مختلف ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں دنیا کی زندگی (مرکب اضافی)۔ جبکہ دنیوی زندگی (مرکب

توصیفی) کا اردو میں استعمال نہ ہونے جیسا ہے۔اس کے برعکس عربی میں اَلْحَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب توصیفی) استعمال ہوتا ہے۔جبکہ حَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب اضافی) قران مجید میں تو استعمال نہیں ہوا۔اس لیے مرکباتِ ناقصہ کا ترجمہ کرتے وقت متعلقہ زبان کے محاورے کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اَلْحَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب توصیفی) کا ترجمہ دنیا کی زندگی (مرکب اضافی) سے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے آیتِ زیرِ مطالعہ سُوْٓءَ الْعَذَابِ مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ بنتا ہے عذاب کا برا۔لیکن اردو میں اس کا رواج نہیں ہے۔اس لیے صحیح مفہوم واضح کرنے کے لیے اردو محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ برا عذاب (مرکب توصیفی) کیا جاتا ہے۔آگے بھی اس قسم کی مثالیں آئیں گی۔(از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:3** یہاں سے مسلسل کئی رکوع تک بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی ناشکری کے حوالے سے متعدد تاریخی واقعات کا ذکر آئے گا۔یاد رہے کہ ان واقعات میں ترتیب زمانی ملحوظ نہیں ہے۔

## آیت:50

﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾

| |
|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ف ر ق |

(ن۔ض) **فَرْقًا** کسی چیز کو پھاڑ کر الگ الگ کرنا۔جدا جدا کرنا۔﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾﴾ (77/المرسلات:4) ''پھر (قسم) اُن (ہواؤں) کی جو (بادلوں کو) الگ الگ کرنے والی ہیں۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ ''اور جب ہم نے پھاڑ کر الگ کر دیا تمہارے لیے سمندر کو۔''﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ (17/بنی اسرائیل:106) ''اور قرآن، ہم نے جُدا جُدا کیا اس کو تاکہ آپؐ پڑھیں اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر۔'' اس آیت میں قرآن کو جدا جدا کرنے سے بعض کے نزدیک جدا جدا کر کے نازل کرنا ہے اور بعض کے نزدیک اسے سورتوں اور آیتوں کے ذریعہ سے الگ الگ کرنا ہے۔بعض بزرگوں نے فَرَقْنٰهُ سے بَيَّنّٰهُ بھی مراد لیا ہے یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔چنانچہ امام راغبؒ فرماتے ہیں ''قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ کے معنی ہیں کہ ہم نے قرآن میں تمام احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں اور بعض نے فَرَقْنٰهُ کے معنی الگ الگ نازل کرنا بھی لکھے ہیں۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی دونوں باتیں لکھ دی ہیں: ''فَرَقْنٰهُ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔اس کی دوسری تفسیر بَيَّنّٰهُ سے بھی آگئی ہے۔یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔''

**فُرْقَانًا** الگ الگ کرنا۔حق کو باطل سے جدا کرنا۔(لغات القرآن، مصباح اللغات)۔

(س) **فَرَقًا** ڈرنا۔ڈرپوک ہونا۔خوف کی وجہ سے اپنے اصل عقیدے کو چھپا لینا۔﴿وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (9/التوبۃ:56) ''حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔''

**فَارِقٌ** اسم الفاعل ہے۔واحد مذکر۔الگ الگ کرنے والا۔

**فَارِقَةٌ** ج: فَارِقَاتٌ۔اسم الفاعل ہے۔واحد مونث۔الگ الگ کرنے والی۔اوپر آیت المرسلات:4 دیکھیں۔

اُفۡرُقۡ فعل امر ہے۔ تو الگ کر۔ جدا کر۔ ﴿ فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴾(5/المآئدۃ:25)''تو آپ جدائی کر دیں ہم دونوں اور نافرمان قوم کے درمیان۔''

فُرۡقَانٌ فُعۡلَانٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔ یاد رہے کہ اسمائے مبالغہ بھی اسمائے صفت ہوتے ہیں جن میں مصدری معنی کی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ فرقان بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور اسم صفت بھی۔ بطور صفت اس کا مطلب ہے اَلۡفَصۡلُ بَيۡنَ الۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز۔ یا اس کی تعریف یوں کی گئی ہے كُلُّ مَا فَرَقَ بِهٖ بَيۡنَ الۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ فَهُوَ فُرۡقَانٌ۔ ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے، وہ فرقان ہے۔ عربی زبان میں فَرۡقٌ کا لفظ عام ہے جو کسی بھی چیز کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن فرقان کا لفظ خاص طور پر حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ

(۱) قرآنِ مجید کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ ﴾(25/الفرقان:1)''نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''فرقان مصدر ہے مادّہ ف ر ق سے، جس کے معنی ہیں دو چیزوں کو الگ کرنا۔ یا ایک ہی چیز کے اجزاء کا الگ الگ ہونا۔ قرآن مجید کے لیے اس لفظ کا استعمال یا تو فارق کے معنی میں ہوا ہے یا مفروق کے معنی میں، یا پھر اس سے مقصود مبالغہ ہے، یعنی فرق کرنے کے معاملے میں اس کا کمال اتنا بڑھا ہوا ہے کہ گویا وہ خود ہی فرق ہے۔ اگر اسے پہلے اور تیسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ کسوٹی، اور فیصلہ کن چیز، اور معیارِ فیصلہ (Criterion) کے ہوں گے اور اگر دوسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب الگ الگ اجزاء پر مشتمل، اور الگ الگ اوقات میں آنے والے اجزاء پر مشتمل چیز کے ہوں گے قرآن مجید کو ان دونوں ہی اعتبارات سے ''الفرقان'' کہا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۴۳۲)۔

(۲) تورات کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ ﴾(21/الانبیاء:48)''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان۔'' اس آیت میں فرقان سے مراد تورات ہے۔

(۳) یومِ بدر کے لیے آیا ہے: ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ؕ ﴾(8/الانفال:41)''اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''محاورات میں فرقان اُس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دو چیزوں میں واضح طور پر فرق اور فصل کر دے۔ اسی لیے فیصلہ کو فرقان کہتے ہیں کیونکہ وہ حق اور ناحق میں فرق واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور اُن کے مخالف کو شکست ہو کر حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی معنی کے لیے غزوۂ بدر کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)

(۴) معجزات کے لیے آیا ہے: ﴿ وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴾(2/البقرۃ:53) ''اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان تا کہ تم ہدایت پاؤ۔'' اس آیت میں اکثر بزرگوں نے فرقان سے معجزات مراد لیے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

(۵) باطنی نور اور بصیرت کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا

وَّ یُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ ﴾ (8/الانفال:29) ''اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل و بصیرت ہے جس کے ذریعہ حق و باطل، کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا سہل ہو جائے۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)۔

**فَرِیۡقٌ** — فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔ (۱) کسی جماعت سے الگ ہونے والا گروہ۔ فریق۔ ﴿ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ﴾ (2/البقرہ:75) ''اور اس میں سے ایک گروہ ہے جو سنتا ہے اللہ کے کلام کو۔'' (۲) کسی چیز کے جزء یا حصے کو بھی فریق کہتے ہیں۔ ﴿ وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَ تُدۡلُوۡا بِہَاۤ اِلَی الۡحُکَّامِ لِتَاۡکُلُوۡا فَرِیۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ ﴾ (2/البقرۃ:188) ''اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''فریق کا معنی گروہ بھی ہے اور کسی چیز کے حصہ اور جزء کو بھی فریق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔''

**فِرۡقَۃٌ** — کسی جماعت سے الگ ہونے والی ٹکڑی۔ فرقہ۔ ﴿ فَلَوۡ لَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡہُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّہُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَ لِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ ﴾ (9/التوبہ:122) ''اور کیوں نہ نکلا ان سب میں سے ایک گروہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور تاکہ وہ خبردار کریں اپنی قوم کو۔'' نوٹ: فَرِیۡقٌ اور فِرۡقَۃٌ میں فرق یہ ہے کہ فَرِیۡقٌ بڑے گروہ کو کہتے ہیں اور فِرۡقَۃٌ چھوٹے گروہ کو۔ (لغات القرآن، ج ۵، ص ۴۵)

**فِرۡقٌ** — اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا۔ ﴿ فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۶۳﴾ ﴾ (26/الشعراء:63) ''پس وہ پھٹا تو ہر ٹکڑا تھا بڑے تودے کی مانند۔''

(تفعیل) **تَفۡرِیۡقًا** — (۱) جدائی ڈالنا۔ (۲) الگ الگ کرنا۔ (۳) فرق کرنا۔ ﴿ اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴾ (20/طٰہٰ:94) ''مجھے خوف ہوا کہ تو کہے گا کہ تو نے جدائی ڈالی اسرائیل کے بیٹوں کے درمیان۔'' ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ ﴾ (6/الانعام:159) ''بے شک جن لوگوں نے الگ الگ کیا اپنے دین کو یعنی جدا جدا راہیں نکالیں۔'' ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟ ﴾ (2/البقرہ:285) ''ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے مابین۔''

(مفاعلہ) **مُفَارَقَۃً اور فِرَاقًا** — ایک دوسرے سے جدا ہونا اور جدا کرنا۔ ﴿ ہٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِکَ ۚ ﴾ (18/الکہف:78) ''یہ جدا ہونا ہے میرا اور آپ کا۔''

**فَارِقۡ** — ج: فَارِقُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو جدا ہو۔ ﴿ فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ﴾ (65/الطلاق:2) ''تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی سے یا تم لوگ جدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ۔''

(تفعّل) **تَفَرُّقًا** — الگ الگ ہونا۔ ﴿ وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ ﴾ (42/الشوریٰ:14) ''اور وہ الگ الگ نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ جو علم آیا ان کے پاس، باہم حسد کرتے ہوئے۔''

**مُتَفَرِّقٌ** — ج: مُتَفَرِّقُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ الگ الگ ہونے والا۔ الگ الگ۔ ﴿ وَّ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَۃٍ ؕ ﴾ (12/یوسف:67) ''اور تم داخل ہو الگ الگ دروازوں سے۔'' ﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ

اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿۳۹﴾ (12/ یوسف:39) ’’اے قید خانے کے میرے دونوں رفیقو! یہ تو بتاؤ کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔‘‘

| ب ح ر |
|---|

(ف) بَحۡرًا چیرنا۔ پھاڑنا۔ جیسے زمین کو گہرا کرنا یا اونٹ کا کان چیرنا۔

بَحۡرٌ ج: اَبۡحُرٌ اور بِحَارٌ۔ زمین کا نشیب جہاں پانی جمع ہو۔ سمندر۔ دریا۔ ﴿وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ﴾ (2/ البقرۃ:164) ’’اور کشتی جو چلتی ہے دریا میں۔‘‘ ﴿مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ﴾ (31/ لقمان:27) ’’اس کے پیچھے سات سمندر ہوں۔‘‘ ﴿وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ﴿۳﴾﴾ (82/ الانفطار:3) ’’اور جب سمندر بہائے جائیں گے۔‘‘

بَحِیۡرَۃٌ ’’جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔‘‘ (تفسیر عثمانی، ص ۱۶۵)۔ ’’اس کا لغوی معنی ہے کان چرا۔ وہ اونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۵۱۵)۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ﴾ (5/ المآئدۃ:103) ’’اور اللہ نے مقرر نہیں کیا کوئی بھی بحیرہ۔‘‘

| اَنۡجَیۡنَا (ن ج و): البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ |
|---|

| غ ر ق |
|---|

(س۔ن) غَرَقًا اور غَرۡقًا پانی کی تہہ میں چلے جانا۔ ڈوب جانا۔ غوطہ لگانا۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ﴾ (10/ یونس:90) ’’یہاں تک کہ جب آ لیا اس کو ڈوبنے نے یعنی جب وہ ڈوبنے لگا۔‘‘ ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ﴿۱﴾﴾ (79/ النازعات:1) ’’قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں۔‘‘ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری قوت خرچ کرنے کے بھی ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ اغرق النّازع فی القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۶۶۳)۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ’’قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں۔‘‘

(افعال) اِغۡرَاقًا کسی کو ڈبو دینا۔ ﴿وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ (7/ الاعراف:64) ’’اور ہم نے ڈبو دیا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔‘‘

مُغۡرَقٌ ج: مُغۡرَقُوۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو ڈبویا جائے۔ ڈبویا ہوا۔ ﴿وَلَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ (11/ ھود:37) ’’اور آپؐ خطاب نہ کریں مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا یقیناً وہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں۔‘‘

| اٰلُ: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ فِرۡعَوۡنُ: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ |
|---|

| ن ظ ر |
|---|

(ن) نَظَرًا، نَظۡرًا کسی کی طرف نگاہ کر کے اپنی نظر یا فکر کو متحرک کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی طرف محض دیکھنا۔ (۲) صورتحال کو سمجھنے کے لیے دیکھنا۔ (۳) غور و فکر کرنا۔ (۴) دوسرے کے حالات سمجھنے

کے لیے دیکھنا۔ رعایت کرنا۔ (۵) انتظار کرنا۔ عام طور پر انتظار کرنے کا مفہوم باب افتعال میں ہے لیکن ان معنوں میں باب (ن) سے بھی آ جاتا ہے۔﴿ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ (9/التوبہ:127) ''اور جب بھی کوئی صورت اتاری جاتی ہے تو ان میں سے کچھ دیکھتے ہیں کچھ کی طرف۔'' ﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ (27/النمل:27) ''انہوں نے کہا میں دیکھوں گا آیا تو نے سچ کہا یا تو ہے جھوٹ بولنے والوں میں سے۔'' ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (7/الاعراف:185) ''تو کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔'' ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ (2/البقرۃ:210) ''کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے اُن کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں اور فرشتے اور اُن کا فیصلہ ہی کر دیا جائے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اُنْظُرْ** ج: اُنْظُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دیکھ۔﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ (30/الروم:50) ''پس تو غور کر اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف کیسے وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد۔'' ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ﴾ (2/البقرہ:104) ''اور تم لوگ مت کہو راعنا اور کہو آپؐ رعایت کریں ہماری اور سنو۔'' ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا ﴾ (57/الحدید:13) ''اور اُس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے اے نیک بختو ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۔''

**نَاظِرٌ** ج: نَاظِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والا۔﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾ (2/البقرہ:69) ''شوخ ہے اس کا رنگ وہ یعنی گائے خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔''

**نَاظِرَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والی۔﴿ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (27/النمل:35) ''تو میں دیکھنے والی ہوں کہ کس چیز کے ساتھ واپس ہوتے ہیں بھیجے ہوئے لوگ۔''

**نَظْرَةٌ** اسم ذات ہے۔ ایک نگاہ۔ ایک نظر۔﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴾ (37/الصافات:88) ''تو اس نے دیکھا ایک نظر ستاروں کو۔''

(افعال) **اِنْظَارًا** کسی کو مہلت دینا۔﴿ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ (7/الاعراف:195) ''پھر تم لوگ داؤ چلاؤ مجھ پر اور مہلت نہ دو مجھ کو۔''

**نَظِرَةٌ** اسم ذات ہے۔ رعایت۔ مہلت۔﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾ (2/البقرہ:280) ''اور اگر وہ ہے تنگی والا تو مہلت ہے آسانی تک۔''

**اَنْظِرْ** فعل امر ہے۔ تو مہلت دے۔﴿ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:14) ''اس نے کہا تو مہلت دے مجھ کو ان لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک۔''

**مُنْظَرٌ** ج: مُنْظَرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مہلت دیا ہوا یعنی جس کو مہلت دی گئی۔﴿ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:15) ''فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔''

(افتعال) **اِنْتِظَارٌ** راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ (33/الاحزاب:23) ''تو ان میں ہیں وہ، جنہوں نے پورا کیا اپنی منت کو اور ان میں ہیں وہ، جو راہ دیکھتے ہیں۔''

اِنْتَظِرْ — ج: اِنْتَظِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴾ (32/السجدۃ:30) ''پس اے حبیبؐ رخ انور پھیر لیجئے اُن سے اور انتظار فرمایئے وہ بھی منتظر ہیں۔'' ﴿ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ (10/یونس:20) ''تو تم لوگ انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

مُنْتَظِرٌ — ج: مُنْتَظِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ راہ دیکھنے والا۔ انتظار کرنے والا۔ اوپر آیت (10/یونس:20) دیکھیں۔

**ترکیب**

'وَ' حرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ فَرَقْنَا فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ بِكُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْبَحْرَ مفعول ہے۔ بِكُمْ میں 'بِ' بمعنی 'لِ' ہے یعنی فَرَقْنَا لَكُمْ، مطلب ہے تمہارے لیے یا 'بِ' سببیہ ہے یعنی تمہاری وجہ سے۔ 'فَ' حرف عطف ہے۔ اَنْجَيْنَا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور كُمْ مفعول ہے۔ اسی طرح آگے 'وَ' عطف کا ہے، اَغْرَقْنَا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل اور اٰلَ فِرْعَوْنَ مفعول ہے، اسی لیے اٰلَ حالت نصب میں ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ تَنْظُرُوْنَ اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے فَاَنْجَيْنٰكُمْ میں كُمْ ضمیر کا۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:50**

| وَاِذْ | فَرَقْنَا | بِكُمُ | الْبَحْرَ | فَاَنْجَيْنٰكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب | ہم نے پھاڑ کر الگ کیا | تمہارے لیے یا تمہاری وجہ سے | سمندر کو | پھر ہم نے نجات دی تم کو |

| وَاَغْرَقْنَآ | اٰلَ فِرْعَوْنَ | وَ | اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ |
|---|---|---|---|
| اور ہم نے ڈبو دیا | فرعون کے پیروکاروں کو | اس حال میں کہ | تم لوگ دیکھ رہے تھے |

## آیت:51

﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ﴾

**نوٹ**

گزشتہ آیات میں قرآنی الفاظ اور ان کے مادوں کے حوالے اکٹھے دیے گئے تھے۔ لیکن آیت زیر مطالعہ سے الفاظ کے صرف مادے دیے جائیں گے کیونکہ قرآنِ مجید کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ دیکھ کر اس کے مادے کو پہچانے۔

اِذْ البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

**و ع د**

(ض) — (ا) وَعْدًا، مَوْعِدًا، مِيْعَادًا وعدہ کرنا۔ ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (36/یٰسٓ:52) ''یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمٰن نے اور سچ کہا بھیجے ہوؤں نے یعنی رسولوں نے۔''

عِدْ — فعل امر ہے۔ تو وعدہ کر۔ ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ﴾ (17/بنی اسرائیل:64) ''اور تو حصہ دار بن ان کے مال اور اولاد میں اور تو وعدہ کر ان سے۔''

مَوْعُوْدٌ — اسم المفعول ہے۔ جس کا وعدہ کیا گیا۔ ﴿ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴾ (85/البروج:2) ''اور جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

**وَعْدٌ** مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ وعدہ۔﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (10/یونس:48) ’’اور وہ لوگ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم لوگ سچے ہو۔‘‘

نوٹ: وعدہ اور عہد میں فرق یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہوتا ہے اور عہد اس قول کا نام ہے جو دو طرفہ یعنی فریقین کے درمیان باہمی بات چیت سے طے ہوتا ہے جس پر دونوں کو قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔

**مَوْعِدٌ** مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) مصدر میمی بمعنی وعدہ کرنا۔ (2) اسم ظرف بمعنی وعدے کا وقت یا جگہ۔﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ ﴾ (20/طٰہٰ:58) ’’پس تو مقرر کر ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کا وقت جس کے ہم خلاف نہ کریں۔‘‘ ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (11/ھود:17) ’’اور جو کفر کرے گا اُس کے ساتھ مختلف گروہوں میں سے تو آتش جہنم ہی اُس کے وعدے کی جگہ ہے۔‘‘

(3) اسم ذات بمعنی وعدہ۔﴿ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ﴾ (20/طٰہٰ:97) ’’بے شک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔‘‘ ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ﴾ (9/التوبۃ:114) ’’اور نہیں تھا حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا مگر صرف اس وعدے کی وجہ سے جس کا وعدہ انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔‘‘

**مِيْعَادٌ** یہ لفظ بھی مصدر کے علاوہ ’وعدہ‘ اور ’وعدے کا مقرر وقت‘ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ (3/آل عمران:9) ’’بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدے سے۔‘‘ ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ﴾ (8/الانفال:42) ’’اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔‘‘ ﴿ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (34/سبا:30) ’’فرمایئے اے منکرو! تمہارے لیے وعدے کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکو گے۔‘‘

(ب) **وَعِيْدًا** ڈرانا۔ دھمکانا۔﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ (2/البقرۃ:268) ’’شیطان تمہیں فقیری سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔‘‘ ﴿ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:70) ’’پس تم جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔‘‘

**وَعِيْدٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عذاب کا وعدہ۔ دھمکی۔ ڈراوا۔ ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (50/قٓ:45) ’’پس آپؐ یاددہانی کرائیں قرآن کے ذریعے اس کو جو ڈرتا ہے میری دھمکی سے۔‘‘ ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴾ (50/قٓ:20) ’’یہ ہے دن ڈرانے کا۔‘‘

(افعال) **اِيْعَادًا** کسی کو دھمکی دینا۔ ڈرانا۔﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:86) ’’اور تم لوگ مت بیٹھو ہر ایسے راستے پر جہاں تم لوگ ڈراتے ہو۔‘‘

(مفاعلہ) **مُوَاعَدَةً** ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ (2/البقرۃ:235) ’’اور لیکن تم لوگ خواتین سے باہمی وعدہ مت کرو خفیہ طور پر۔‘‘ عموماً مفاعلہ میں مشارکہ ہوتا ہے لیکن عربی میں یہ لفظ یک طرفہ وعدے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ﴾ (7/الاعراف:142) ’’اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰؑ سے تیس رات کا۔‘‘

(تفاعل) تَوَاعُدًا ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ ﴿وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ﴾ (8/الانفال:42) ''اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔''

**ل ی ل**

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

لَیْلٌ اسم جنس ہے۔ اس کی جمع لَیَالٍ اور واحد لَیْلَۃٌ ہے۔ رات۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ①﴾ (97/القدر:1) ''بیشک ہم نے نازل کیا اس کو قدر کی رات میں۔'' ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (17/بنی اسرائیل:1) ''پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔'' لَیْلٌ پر جب 'ال' داخل ہو تو ایک ل کے ساتھ اَلَّیْلُ لکھا جاتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا﴾ (6/الانعام:76) ''پھر جب چھا گئی اُن پر رات تو اُنہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔'' لَیَالٍ اصل میں لَیَالِیٌ ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر لَیَالٍ لکھا جاتا ہے۔ ﴿اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ⑩﴾ (19/مریم:10) ''تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین راتیں مکمل۔''

ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔

**ع ج ل**

(س) عَجَلًا، عُجْلَةً کسی چیز کو وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ جلد بازی کرنا۔ ﴿وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی ۸۴﴾ (20/طٰہٰ:84) ''اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو۔'' ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۱۶﴾ (75/القیامہ:16) ''آپؐ حرکت نہ دیں قرآن کے لیے، اپنی زبان کو تاکہ آپؐ جلدی کریں قرآن پڑھنے میں۔''

عَاجِلَةٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ جلدی ملنے والی۔ پھر اس مفہوم میں یہ لفظ دنیا اور اس کے سازوسامان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''عاجلہ کے لغوی معنی ہیں جلدی ملنے والی چیز۔ اور اصطلاحاً قرآن مجید اس لفظ کو دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے جس کے فائدے اور نتائج اسی زندگی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے کی اصطلاح ''آخرت'' ہے جس کے فوائد اور نتائج کو موت کے بعد دوسری زندگی تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۰۷) ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۲۰﴾ (75/القیامہ:20) ''ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ محبت کرتے ہو دنیا سے۔''

عَجُوْلٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت جلد باز۔ ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۱۱﴾ (17/بنی اسرائیل:11) ''اور انسان بڑا جلد باز ہے۔''

عَجَلٌ اسم ذات ہے۔ جلدی۔ جلد بازی۔ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (21/الانبیاء:37) ''پیدا کیا گیا انسان کو جلد بازی سے۔'' یعنی جلد بازی انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| | عِجۡلٌ | گائے کا بچھڑا، کیونکہ اس میں بڑی تیزی اور پھرتی پائی جاتی ہے جو بیل بننے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔﴿فَرَاغَ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ۝﴾(51/الذریات:26)''پس وہ گیا اپنے گھر والوں کی طرف پھر وہ لایا ایک موٹا بچھڑا۔'' |
| (افعال) | اِعۡجَالًا | جلدی کرانا۔ جلدی کرنا۔﴿وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ یٰمُوۡسٰی ۝﴾(20/طٰہٰ:83)''اور کس چیز نے جلدی کرائی آپؑ کو اپنی قوم سے اے موسیٰؑ۔'' |
| (تفعیل) | تَعۡجِیۡلًا | جلدی دینا۔ جلدی کرنا۔﴿مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِیۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ﴾(17/بنی اسرائیل:18)''جو لوگ طلب گار رہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اُس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اُن میں سے جسے چاہتے ہیں پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے جہنم۔'' |
| | عَجِّلۡ | فعل امر ہے۔ تو جلدی دے۔ تو جلدی کر۔﴿وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ ۝﴾(38/صٓ:16)''اور مذاقاً کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصے کا عذاب یوم حساب سے پہلے۔'' |
| (تفعّل) | تَعَجُّلًا | جلدی کرنا۔﴿فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۚ﴾(2/البقرۃ:203)''تو جس نے جلدی کی دو دنوں میں تو کوئی گناہ نہیں ہے اس پر۔'' |
| (استفعال) | اِسۡتِعۡجَالًا | وقت سے پہلے مانگنا۔ جلدی مچانا۔﴿یَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ﴾(42/الشوریٰ:18)''جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے یعنی قیامت کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اس پر۔'' |

ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

## ترکیب

'وَ' عطف کا ہے۔ اِذۡ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذۡكُرُوۡا محذوف ہے۔ وٰعَدۡنَا باب مفاعلہ سے ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر ہے۔ اس کے دو مفعول ہوتے ہیں کس سے وعدہ کیا اور کیا وعدہ کیا۔ مُوۡسٰی اس کا پہلا مفعول ہے اور اَرۡبَعِیۡنَ دوسرا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ جبکہ لَیۡلَةً تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اَرۡبَعِیۡنَ کو اگر ظرف مانیں تب یہ متعلق فعل ہو گا یعنی وٰعَدۡنَا سے متعلق ہو گا اور معنی ہو جائیں گے ہم نے حضرت موسیٰؑ سے چالیس راتوں میں وعدہ کیا جو کہ صحیح نہیں۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے اور اِتَّخَذۡتُمۡ ماضی کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔ اِتَّخَذَ بھی عموماً دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ کس کو بنایا؟ اور کیا بنایا؟ اس آیت میں اِتَّخَذَ کا پہلا مفعول اَلۡعِجۡلَ ہے جبکہ دوسرا مفعول اِلٰهًا محذوف ہے۔ مِنۡ بَعۡدِهٖ میں 'ہٗ' ضمیر حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے یعنی 'ان کے جانے کے بعد'۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے۔ اَنۡتُمۡ مبتدا اور ظٰلِمُوۡنَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اِتَّخَذۡتُمۡ کی ضمیر فاعلی کا۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَاِذۡ وٰعَدۡنَا | مُوۡسٰۤی | اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَةً | ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:51 | اور (یاد کرو) جب ہم نے وعدہ کیا | حضرت موسیٰؑ سے | چالیس راتوں کا | پھر تم نے بنایا |

| الۡعِجۡلَ | مِنۡۢ بَعۡدِهٖ | وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝ |
|---|---|---|
| بچھڑے کو (معبود) | اس (حضرت موسیٰؑ) کے (جانے کے) بعد | اور تم ظلم کرنے والے تھے |

## آیت:52

﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲﴾

| ع | ف | و |
|---|---|---|

(ن) **عَفَوًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کا نشان مٹا دینا۔ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) معاف کرنا۔ اپنا حق چھوڑ دینا۔ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط﴾ (2/البقرہ:237) ''سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط﴾ (42/الشوریٰ:40) ''اور برائی کا بدلہ اسی جیسی ایک برائی ہے۔ تو جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔''

(۲) جو شخص سزا کا مستحق ہو اسے چھوڑ دینا، اس کے قصور کا بدلہ نہ لینا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے درگزر کرتے ہوئے اس کے گناہوں کو مٹا دینا۔ اِن معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ﴾ (2/البقرۃ:187) ''اور اس نے تم سے درگزر کیا۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ (42/الشوریٰ:25) ''اور وہ ہے جو قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور وہ درگزر کرتا ہے برائیوں سے۔''

(۳) کسی چیز کو بڑھانا۔ زیادہ کرنا۔ اسی معنی میں ارشادِ نبویؐ ہے: قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی اپنی مونچھوں کو کترا ؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ یا زیادہ کرو۔

(۴) بڑھنا۔ زیادہ ہونا۔ (لازم)۔ جو چیز زیادہ اور گھنی ہو جائے تو عربی میں بولتے ہیں عَفَا الشَّیْءُ۔ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے بدل دیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے یہاں تک کہ وہ لوگ زیادہ ہو گئے (مال اور اولاد میں)۔'' اس آیت میں عَفَوْا بمعنی كَثُرُوْا (زیادہ ہونا) ہے۔

**اُعْفُ** ج: اُعْفُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو معاف کر یا درگزر کر۔ ﴿وَاعْفُ عَنَّا ۣ وَاغْفِرْ لَنَا ۣ وَارْحَمْنَا ۣ﴾ (2/البقرہ:286) ''اور تو درگزر فرما ہم سے اور تو بخش دے ہم کو اور تو رحم کر ہم پر۔'' ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط﴾ (2/البقرۃ:109) ''پس تم معاف کرو اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ بھیج دے اپنا حکم۔''

**عَافٍ** ج: عَافُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ درگزر کرنے والا۔ ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط﴾ (3/آل عمران:134) ''اور ضبط کرنے والے غصے کو اور درگزر کرنے والے لوگوں سے۔''

**عَفُوٌّ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ معاف کرنے والا۔ یوں معاف کرنے والا کہ گناہ کا نام ونشان تک نہ رہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳﴾ (4/النساء:43) ''یقیناً اللہ بے انتہا معاف کرنے والا، بے انتہا بخشنے والا ہے۔'' شب قدر میں جو دعا مانگی جاتی ہے اُس میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ اے اللہ بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور تو معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھ سے درگزر کر۔''

**عَفْوٌ** (۱) معافی۔ درگزر۔ (۲) بڑھی ہوئی یعنی اضافی چیز۔ ضرورت سے زائد چیز۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾

(7/الاعراف:199) ''آپؐ پکڑیں یعنی اپنائیں درگزر کو اور ترغیب دیں بھلائی کی۔'' ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (2/البقرہ:219) ''اور یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے کہ کتنا خرچ کریں، آپؐ کہیے کہ اضافی چیز کو۔'' اس آیت میں اَلْعَفْوَ سے مراد ہے مَاسَهُلَ وَتَيَسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ۔ جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر گراں نہ گزرے۔

| |
|---|
| لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ |

**ش ك ر**

(ن) **شُكْرًا اور شُكُوْرًا** کسی نعمت کا اعتراف کرنا اور احسان ماننا۔ شکر ادا کرنا۔ تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ادا کرنا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی دل سے محسن کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے۔ دوسرے یہ کہ زبان سے اس کا اقرار کرے اور تیسرے یہ کہ عمل سے اِن انعامات اور احسانات کا ثبوت دے۔ شکر کی ضد کفر ہے۔ کفر جب شکر کے مقابلے میں استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے انعامات اور احسانات کو چھپا دینا اور بھلا دینا اور اس کا ترجمہ 'ناشکری' سے کیا جاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دل سے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے، دوسرے یہ کہ زبان سے بھی کلمہ شکر ادا کرے اور تیسرے یہ کہ توحید، اسلام اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگا دے۔ اللہ کی ناشکری کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے، نہ زبان سے کلمہ شکر ادا کرے اور ان نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کر دے۔ ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ (27/النمل:40) ''اور جو شکر ادا کرتا ہے تو بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے آپ ہی کے لیے۔'' ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ﴾ (34/سبا:13) ''کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝﴾ (25/الفرقان:62) ''اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنا دیا اُس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے۔''

**اُشْكُرْ** ج: اُشْكُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان مان۔ تو شکر ادا کر۔ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ﴾ (31/لقمان:14) ''کہ تو احسان مان میرا اور اپنے والدین کا۔'' ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ ع﴾ (2/البقرۃ:152) ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔''

**شَاكِرٌ** ج: شَاكِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اس کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے شکر ادا کرنے والا اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے قدردان، اعتراف خدمت کرنے والا اور بندے کی تھوڑی سی اطاعت پر بہت زیادہ اجر دینے والا۔ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ﴾ (16/النحل:121) ''شکر کرنے والا اس کے احسانوں کا۔'' ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (2/البقرۃ:158) ''سو اللہ تو بڑا قدردان ہے بڑا علم رکھنے والا ہے۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ''شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ بہت زائد دیتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷۷)۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝﴾ (21/الانبیاء:80) ''پھر کیا تم شکر گزار بنو گے۔''

مَشْكُوْرٌ — اسم المفعول ہے۔ جس کا شکر ادا کیا جائے۔ قدر کیا ہوا۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:19) ''پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی (اللہ کے ہاں) قدر دانی کی جائے گی۔''

شَكُوْرٌ — فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بے انتہا شکر کرنے والا۔ بڑا قدر دان۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ (14/ابراہیم:5) ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں بار بار صبر کرنے والے، بے انتہا شکر کرنے والے کے لئے۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴾ (42/الشوریٰ:23) ''بے شک اللہ بے انتہا بخشنے والا بے انتہا قدر کرنے والا ہے۔''

**ترکیب**

ثُمَّ۔حرف عطف ہے۔ عَفَوْنَا، ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ عَنْكُمْ متعلق فعل ہے۔ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کا اشارہ گوسالہ پرستی کی طرف ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس کا اسم، ضمیر متصل كُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | ثُمَّ عَفَوْنَا | عَنْكُمْ | مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ | لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:52 | پھر ہم نے درگزر کیا | تم لوگوں سے | اس کے بعد | تاکہ تم لوگ شکر کرو |

## آیت:53

## ﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

وَ عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ اٰتَيْنَا ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ مُوْسٰى اس کا مفعول اوّل ہے اور اَلْكِتٰبَ مفعول ثانی ہے۔ اَلْفُرْقَانَ عطف ہے اَلْكِتٰبَ پر۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ضمیر متصل، كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَهْتَدُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | وَاِذْ اٰتَيْنَا | مُوْسٰى | الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ | لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:53 | اور (یاد کرو) جب ہم نے دی | موسیٰؑ کو | کتاب اور فرقان | تاکہ تم ہدایت پاؤ |

**نوٹ**

یہاں کتاب سے مراد تورات ہے اور فرقان کے بارے میں ہمارے بزرگوں کے متعدد اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے نزدیک کتاب اور فرقان کے درمیان وَ تفسیری ہے اور فرقان سے مراد تورات ہی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے ''معجزات'' مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک ''فتح وغلبہ'' مراد ہے۔ بعض کے نزدیک ''احکام شرعیہ'' یا ''دین کا علم وفہم'' مراد ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت:54

﴿وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ ع ج ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔
ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔

### ب ر ء

(ف) بَرَءَ اَ: اس کا بنیادی مفہوم ہے جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ پھر اس سے مراد لیا جاتا ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ وجود بخشنا۔ پیدا کرنا۔ ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ﴾ (57/الحدید:22) ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اُس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

بَارِءٌ: اسم الفاعل ہے۔ عدم سے وجود میں لانے والا۔ خالق۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ﴾ (59/الحشر:24) ''وہ اللہ ہی پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا ہے۔''

بَرِیَّۃٌ: اسم ذات ہے۔ وجود دی ہوئی چیز۔ مخلوق۔ فَعِیۡلَۃٌ کے وزن پر بَرِیۡئَۃٌ بھی پڑھتے ہیں اور 'ء' کو 'ی' میں تبدیل کر کے بَرِیَّۃٌ بھی پڑھتے ہیں۔ فَعِیۡلَۃٌ کے وزن پر بمعنی اسم المفعول ہے۔ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴾ (98/البینۃ:7) ''یہ لوگ ہی سب سے بہتر مخلوق ہیں۔''

(س) بَرَءَ اَ اور بَرَآءَۃً: کسی مکروہ یا تکلیف دہ چیز سے نجات حاصل کرنا۔ بیزار ہونا۔

بَرِیۡءٌ: ج: بُرَءٰٓؤُا اور بَرِیۡـُٔوۡنَ۔ بَرَآءَۃٌ سے فَعِیۡلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیزار۔ لاتعلق۔ بری الذمہ۔ ﴿وَّ اِنَّنِیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿ۘ۱۹﴾﴾ (6/الانعام:19) ''اور یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔'' ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (60/الممتحنۃ:4) ''یقیناً ہم بیزار ہیں تم لوگوں سے اور اس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔'' ﴿اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ (10/یونس:41) ''تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔'' جب بَرِیۡءٌ بطور صفت استعمال ہو تو وہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہونے میں اپنے موصوف کے مطابق ہوتا ہے۔

بَرَآءٌ: بیزار۔ لاتعلق۔ اصل میں مصدر ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب بطور صفت استعمال ہو تو واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿ۙ۲۶﴾﴾ (43/الزخرف:26) ''یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو۔''

| | | |
|---|---|---|
| | بَرَاءَۃٌ | اسم ذات بھی ہے۔(۱) بیزاری۔ قطع تعلق۔﴿ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴾ (9/التوبہ:1) ''(یہ اعلانِ) بیزاری ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان لوگوں سے جن سے تم لوگوں نے معاہدہ کیا مشرکوں میں سے۔'' (۲) معافی۔ چھٹکارا۔﴿ اَمْ لَکُمْ بَرَآءَۃٌ فِی الزُّبُرِ ﴾ (54/القمر:43) ''یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ ''یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) |
| (افعال) | اِبْرَاءً | بیماری سے نجات دینا۔ شفا دینا۔﴿ وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَ الْاَبْرَصَ ﴾ (3/آل عمران:49) ''اور میں شفا دیتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو۔'' |
| (تفعیل) | تَبْرِئَۃً ، تَبْرِیَۃً | اس کا مصدر تَفْعِلَۃٌ کے وزن پر تَبْرِئَۃٌ بھی پڑھا جاتا ہے اور تَبْرِیَۃٌ بھی۔ الزام سے نجات دینا۔ بری ء الذمہ قرار دینا۔﴿ فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا ﴾ (33/الاحزاب:69) ''تو بری قرار دیا ان کو اللہ نے اس سے جو ان لوگوں نے کہا۔'' |
| | مُبَرَّءٌ | ج: مُبَرَّءُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ بری کیا ہوا۔﴿ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ﴾ (24/النور:26) ''یہ لوگ بری کیے ہوئے ہیں اس سے جو وہ لوگ کہتے ہیں۔'' |
| (تفعّل) | تَبَرُّءًا | مکروہ چیز سے خود بیزار ہو جانا۔ اعلان براءت کرنا۔ بیزاری کا اظہار کرنا۔﴿ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗٓ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنْہُ ﴾ (9/التوبہ:114) ''پھر جب واضح ہوا انؑ پر کہ یقیناً وہ یعنی آذر دشمن ہے اللہ کا تو انہوں نے اعلان براءت کیا اس سے۔'' |

### ق ت ل

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | قَتْلًا | کسی کو قتل کرنا۔ یہ یک طرفہ عمل ہے۔﴿ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ﴾ (4/النساء:157) ''اور ان لوگوں نے یعنی یہودیوں نے یقیناً قتل نہیں کیا انؑ کو یعنی عیسیٰؑ کو۔'' |
| | اُقْتُلْ | ج: اُقْتُلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو قتل کر۔﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ﴾ (9/التوبہ:5) ''پس جب نکل جائیں حرمت والے مہینے تو تم لوگ قتل کرو مشرکوں کو'' اور آیت زیر مطالعہ۔ |
| | قَتْلٌ | اسم ذات بھی ہے۔ قتل۔﴿ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ (2/البقرۃ:191) ''اور فتنہ زیادہ شدید ہے قتل سے۔'' |
| | قُتِلَ | ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ وہ قتل کیا گیا۔﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:33) ''اور جو قتل کیا گیا ناحق۔'' یہ بددعائیہ جملہ بھی ہے۔ لیکن کلام الٰہی میں اس سے مراد ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔﴿ فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ﴾ (74/المدثر:19) ''ہلاک ہو کیسی بات تجویز کی۔''﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴾ (85/البروج:4) ''ہلاک ہوں کھائی کھودنے والے۔'' |
| | قَتِیْلٌ | ج: قَتْلٰی۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں مقتول مراد ہے۔﴿ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ﴾ (2/البقرۃ:178) ''اے ایمان والو فرض کر دیا گیا ہے تم پر مقتولوں کا قصاص (لینا)۔'' |
| | تَقْتِیْلًا | کثرت اور شدت سے قتل کرنا۔﴿ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَھُمْ ﴾ (7/الاعراف:127) ''ہم قتل کرتے رہیں گے ان کے بیٹوں کو۔'' |
| (مفاعلہ) | مُقَاتَلَۃً اور قِتَالًا | ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ جنگ کرنا۔ لڑائی کرنا۔ اس فعل کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بددعا کا مفہوم ہوتا ہے یعنی |

ہلاک کرے۔ ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ﴾ (57/الحدید:10) ''برابر نہیں ہے تم لوگوں میں سے وہ جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور قتال کیا۔ وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے، ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد میں اور قتال کیا۔'' ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ (9/التوبہ:30) ''ہلاک کرے ان کو اللہ، کدھر بہکے جا رہے ہیں۔''

**قَاتِلْ** ج: قَاتِلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جنگ کر۔ تو قتال کر۔ ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ﴾ (4/النساء:84) ''پس آپ قتال کیجئے اللہ کی راہ میں۔'' ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (2/البقرہ:190) ''اور تم لوگ قتال کرو اللہ کی راہ میں۔''

(افتعال) **اِقْتِتَالًا** اہتمام سے لڑنا۔ آپس میں لڑنا۔ ﴿وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ﴾ (2/البقرہ:253) ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔''

## خ ی ر

(ض) **خَيْرًا** فائدہ مند ہونا۔ صاحبِ خیر ہونا۔

**خِيَرًا، خِيَرَةً** پسند کرنا۔ انتخاب کرنا۔ فضیلت دینا۔

**خَيْرٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو سب کو پسندیدہ ہو۔ (۱) عربی زبان میں یہ لفظ ہر بھلائی، نیکی، خیر اور نیک کام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ (2/البقرہ:110) ''اور جو نیکی بھی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو تم پاؤ گے اس کو (یعنی اس کا اجر) اللہ کے ہاں۔'' ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾ (3/آل عمران:104) ''اور ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک ایسی جماعت جو نیکی کی طرف بلائے۔'' (۲) مال و دولت۔ عرب مال کو بھی خیر سے تعبیر کرتے تھے گویا مال بھلائی ہی بھلائی ہے۔ ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ۭ﴾ (100/العدیت:8) ''اور یقیناً وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔'' ﴿قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ﴾ (2/البقرہ:215) ''آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو اپنے مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں۔''

**خَيْرٌ** اس مادہ کا افعل التفضیل اَخْيَرُ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر خَيْرٌ استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی خَيْرٌ استعمال ہوا ہے۔ اَخْيَرُ کہیں نہیں آیا۔ بہتر یا سب سے بہتر۔ ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ ﴾ (7/الاعراف:12) ''میں بہتر ہوں اس سے۔'' ﴿ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝﴾ (3/آل عمران:150) ''بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔'' خَيْرٌ کا استعمال جب افعل التفضیل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع نہیں آتی۔ (لغات القرآن، ج ۲، ص ۳۲۹)

**خَيْرَاتٌ** یہ خَيْرَةٌ کی جمع سالم ہے۔ بھلائیاں۔ نیکیاں۔ نیک عورتیں۔ بہترین اخلاق والی عورتیں۔ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَــيْرٰتِ ﴾ (21/الانبیاء:90) ''بیشک وہ لوگ جلدی کیا کرتے تھے نیکیوں میں۔'' ﴿ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ۚ﴾ (55/الرحمٰن:70) ''اُن میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں۔''

**اَخْيَارٌ** خَيْرٌ کی اَفْعَالٌ کے وزن پر جمع مکسر ہے۔ بہت خیر والے۔ ﴿وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ۭ﴾ (38/ص:48) ''اور یاد کرو اسمٰعیلؑ کو اور یسعؑ کو اور ذوالکفل کو، وہ سب بہت خیر والوں میں سے تھے۔''

خِیَرَۃٌ — مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ اختیار۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (33/الاحزاب:36) ''نہیں ہے کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے، جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا، کہ ہو ان کے لیے پسند کرنے کا اختیار اپنے کام میں۔''

(تفعّل) تَخَيُّرًا — کسی چیز کو اپنے لیے پسند کرنا۔ ﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴾ (56/الواقعہ:20) ''اور پھل، اس میں سے جو وہ لوگ پسند کریں۔''

(افتعال) اِخْتِيَارًا — چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا﴾ (7/الاعراف:155) ''اور چن لیے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد۔''

**عِنْدَ** — یہ ظرف ہے اور قرب کے معنی دیتا ہے۔ پھر کبھی تو بطور ظرف مکان، قربِ مکانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ (27/النمل:40) ''پھر جب حضرت سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا'' یا فرمایا: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ (53/النجم:15) ''اس کے قریب جنۃ الماویٰ ہے۔'' اور کبھی بطور ظرف زمان، قرب زمانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً عِنْدَ الصُّبْحِ صبح کے قریب یا عِنْدَ طلوعِ الشمسِ سورج نکلنے کے قریب۔ اور کبھی معنوی طور پر قرب ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ (27/النمل:40) ''اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب میں سے علم تھا'' یا فرمایا: ﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (3/آل عمران:169) ''بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔'' اس پر حرف جر میں سے صرف مِنْ آتا ہے جو مزید تاکید کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور کوئی حرف نہیں آتا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾ (4/النساء:81) ''پھر جب باہر نکلتے ہیں آپؐ کے پاس سے۔'' (واللہ اعلم)۔

ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

**ترکیب** — 'وَ' عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قَالَ کا فاعل مُوْسٰى ہے اور لِقَوْمِهٖ متعلق فعل ہے۔ يٰقَوْمِ میں میم کی کسرہ بتا رہی ہے کہ اس کا مضاف الیہ یائے متکلم محذوف ہے۔ یعنی یہ فقرہ دراصل يَاقَوْمِيْ ہے۔ اِنَّ کا اسم كُمْ ہے اور ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ بِاتِّخَاذِ میں 'بِ' سببیہ ہے اور اِتِّخَاذِ مصدر ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ كُمْ اس کا مضاف الیہ ہے۔ یہاں پر مصدر، فعل کا کام کر رہا ہے اس لیے اِتِّخَاذِ کا مفعول اوّل اَلْعِجْلَ ہے اور اس کا مفعول ثانی اِلٰهًا محذوف ہے۔ فَتُوْبُوْٓا میں 'فَ' استئنافیہ ہے اور تُوْبُوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اِلٰى بَارِئِكُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب اِلٰى کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے بندے کا اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ کرنا۔ آگے فَاقْتُلُوْٓا میں 'فَ' عطف کا ہے۔ اور اُقْتُلُوْا، تُوْبُوْا پر عطف ہے۔ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ ذٰلِكُمْ مبتدا ہے، خَيْرٌ، خبر اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ظرف ہے آگے فَتَابَ عَلَيْكُمْ سے پہلے ''فَفَعَلْتُمْ مَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مُوْسٰى'' محذوف ہے۔ تَابَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب عَلٰى کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ بندے کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ قبول کرنا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس سے متصل ضمیر اس کا اسم ہے۔ هُوَ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلتَّوَّابُ اور اَلرَّحِيْمُ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى | لِقَوْمِهٖ | يٰقَوْمِ | اِنَّكُمْ | ظَلَمْتُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:54 | اور (یاد کرو) جب کہا موسیٰؑ نے | اپنی قوم سے | اے میری قوم | بے شک تم نے | ظلم کیا |

| اَنۡفُسَکُمۡ | بِاتِّخَاذِکُمُ | الۡعِجۡلَ | فَتُوۡبُوۡۤا | اِلٰی بَارِئِکُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| اپنے آپ پر | بسبب تمہارے بنانے کے | بچھڑے کو (معبود) | پس تم توبہ کرو | اپنے خالق سے |

| فَاقۡتُلُوۡۤا | اَنۡفُسَکُمۡ ؕ | ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ | لَّکُمۡ | عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم قتل کرو | اپنوں کو (یعنی جنہوں نے شرک کیا) | یہ بہتر ہے | تمہارے لیے | تمہارے خالق کے نزدیک |

| فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ | اِنَّہٗ | ہُوَ التَّوَّابُ | الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾ |
|---|---|---|---|
| پس اس (اللہ) نے تمہاری توبہ قبول کی | یقیناً وہ | بہت ہی توبہ قبول کرنے والا | انتہائی رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ:1** آیت میں قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا اور فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص نے خود اپنی گردن پر تلوار چلا دے۔ دراصل حکم یہ تھا کہ ہر قبیلہ کے ایسے افراد جنہوں نے بچھڑے کی پرستش میں حصہ نہیں لیا تھا، اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو قتل کریں جنہوں نے اس کی پرستش کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باپ نے بیٹے کو، بیٹے نے باپ کو اور بھائی نے بھائی کو قتل کیا۔ اس صورتحال کو اپنے آپ کو قتل کرنا کہا گیا ہے۔

**نوٹ:2** بنو اسرائیل نے جب توبہ کر لی یعنی اپنے مجرموں کو قتل کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہاں پر کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ اُلجھن پیدا ہوتی ہے کہ مجرموں کو تو ان کے جرم کی سزا دی گئی پھر توبہ کہاں قبول ہوئی۔

اس ضمن میں پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ توبہ کی قبولیت کا تعلق آخرت کی سزا سے ہے۔ اگر توبہ کرنے کے باوجود کسی کو اپنے گناہ کی سزا دنیا میں ملتی ہے تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور ایسی صورت میں توبہ کی قبولیت یعنی آخرت کی سزا سے بچنے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ اگر کسی کی توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ اس کی دنیا کی سزا بھی معاف کر دے تو یہ اضافی رحمت یعنی اس کا فضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ جرائم کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کرنے سے دنیا کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ مثلاً قتل عمد کا مجرم اگر توبہ کر لے تب بھی پھانسی کی سزا برقرار رہے گی اِلّا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور درخواست کی کہ انہیں رجم کی سزا دی جائے تاکہ ان کی توبہ کی قبولیت اور آخرت کی سزا سے بچنے کی صورت پیدا ہو۔

## آیت:55

﴿وَ اِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

**حَتّٰی** یہ لفظ کسی چیز کی انتہا اور غایت بتلانے کے لیے آتا ہے۔ یہ صرف اسم یا فعل پر داخل ہوتا ہے، کسی ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔ یہ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (۱) بطور حرف جر۔ (تک-Till)۔ اسم کو جر دیتا ہے (عامل)۔ عربی میں کہتے ہیں اَکَلۡتُ السَّمَکَۃَ حَتّٰی رَاۡسِہَا (میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھایا یعنی سر نہیں کھایا)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا ﴿حَتّٰی حِیۡنٍ﴾ (12/یوسف:35) ''کچھ سالوں تک۔'' ﴿حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴿۵﴾﴾ (97/القدر:5) ''فجر کے طلوع ہونے تک۔''

(۲) بطور ناصب مضارع۔ (یہاں تک کہ۔ تاکہ)۔ مضارع پر داخل ہو تو مضارع کو نصب دیتا ہے (عامل)۔ عربی میں کہتے ہیں لَنْ اَجْلِسَ حَتّٰی یَأْذَنَ الْمُعَلِّمُ۔ میں نہیں بیٹھوں گا یہاں تک کہ استاد اجازت دے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾ (3/ آل عمران:92) ''تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہیں کرو گے۔'' یا فرمایا: ﴿ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (2/ البقرۃ:214) ''چھوا ان کو سختی اور مصیبت نے اور وہ ہلا دیے گئے یہاں تک کہ (وقت کے) رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کب آئے گی اللہ کی مدد۔''

(۳) بطور حرفِ عطف (یہاں تک کہ)۔ غیر عامل ہے۔ اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتّٰی رَأْسَهَا (میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھا گیا)۔ یہاں ماقبل کا نصب مابعد کو بھی آگیا ہے۔ لغات القرآن کے مطابق قرآنِ مجید میں حَتّٰی بطورِ عطف استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

## ر ء ی

(ف) رُؤْيَةً اور رَاْیًا

اس کا ماضی رَاٰی اور مضارع میں ہمزہ کو حذف کر کے یَرٰی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا ادراک کرنا۔ دیکھنا۔ خواہ آنکھوں سے دیکھنا ہو، عقل و بصیرت سے دیکھنا ہو یا خواب میں دیکھنا ہو۔ دیکھنے کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ پھر یہ لفظ خیال کرنا یا غور و فکر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ ﴾ (6/ الانعام:76) ''پھر جب چھا گئی انؑ پر رات تو انہوں نے دیکھا ایک تارا۔'' ﴿ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ ﴾ (3/ آل عمران:13) ''ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عقل و بصیرت سے دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴾ (53/ النجم:11) ''جھوٹ نہیں کہا رسولؐ کے دل نے جو دیکھا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یہاں رؤیت بمعنی عقل و بصیرت سے دیکھنا ہے۔ خواب میں دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ ﴾ (37/ الصافات:102) ''بے شک میں دیکھتا ہوں نیند میں کہ میں ذبح کرتا ہوں تجھ کو پس تو دیکھ کہ تو کیا خیال کرتا ہے۔'' خیال کرنے یا تصور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ ﴾ (2/ البقرۃ:165) ''اور کاش تصور کریں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا (اس وقت کا) جب وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔'' جب اس کے ساتھ ہمزہ استفہام ہو، جیسے اَرَاَیْتَ (کیا تو نے دیکھا) یا اَرَاَیْتُمْ (کیا تم نے دیکھا) تو اس سے مراد لی جاتی ہے 'کسی کی حالت پر غور کرنا'، 'یا کسی چیز کو جاننا' یا پھر یہ اَخْبِرْنِیْ (تو مجھے بتا) یا اَخْبِرُوْنِیْ (تم مجھے بتاؤ) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ ﴾ (25/ الفرقان:43) ''کیا آپؐ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۟ؕ ﴾ (107/ الماعون:1) ''کیا آپؐ نے دیکھا اُس کو جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے۔'' یعنی کیا آپؐ نے جانا اور پہچانا اُس شخص کو جو روزِ جزا کو نہیں مانتا۔ ﴿ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۟ۙ ﴾ (26/ الشعراء:205) ''ذرا بتلا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۟ۙ ﴾ (26/ الشعراء:75) ''حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم نے دیکھا یا کیا تم نے ان کی حالت پر غور کیا جنہیں تم پوجتے ہو۔'' ﴿ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۟ؕ ﴾ (56/ الواقعۃ:58) ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ کبھی اس کے آگے کاف خطاب بھی لگا دیا جاتا ہے یعنی اَرَاَیْتَكَ یا اَرَاَیْتَكُمْ۔ ایسی

صورت میں 'ت' تبدیل نہیں ہوتی بلکہ کاف خطاب حسب مقام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
﴿ قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ﴾(17/بنی اسرائیل:62)''اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ ﴾(6/الانعام:40)''آپؐ کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ جب اس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کی حالت پر غور کر کے اسے سمجھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا۔﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ ﴾(25/الفرقان:45) ''کیا آپؐ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نظر نہیں کی۔'' (نوٹ: مادہ ر ء ی کی املاء اور استعمال کے متعلق کچھ ضروری باتیں آگے نوٹ میں دیکھیں)

رأْیٌ: اسم ذات بھی ہے۔ رائے۔ خیال۔﴿ وَ مَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیۡنَ ہُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۚ ﴾(11/ھود:27) ''اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بَادِیُ الرَّأْیِ۔ ابتدائی رائے یا ظاہری، سرسری رائے۔

رُؤْیَا: اسم ذات ہے۔ یہ فُعْلٰی کا وزن ہے۔ اس لیے مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ کبھی 'ء' کو حذف کر کے واؤ کے ساتھ رُوْیَا بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس کا عام اور مشہور معنی ''خواب'' ہے۔ مثلاً فرمایا:﴿ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ ﴾ (12/یوسف:5)''تو مت بیان کر اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے۔'' اور حدیث مبارک میں فرمایا: لَمْ یَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْیَا۔ یعنی مبشراتِ نبوت میں سے صرف خواب رہ گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ عربی زبان میں رُؤْیَا مصدر بمعنی ''حالت بیداری میں دیکھنا'' اور اسم ذات بمعنی ''نظارہ، منظر'' بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اِن معنوں میں قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَ مَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ ﴾(17/بنی اسرائیل:60)''اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہم نے واقعہ معراج میں جو تماشا (بحالتِ بیداری) آپؐ کو دکھلایا تھا......'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ ''اور ہم نے جو منظر آپؐ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''صاحبؒ ضیاء القرآن اِس آیت میں الرُّءۡیَا کا ترجمہ ''نظارہ'' کرتے ہیں اور حاشیے میں فرماتے ہیں:''اس آیت میں رؤیا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے المراد برؤیا ھھنا رؤیا عین یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علماء تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رأیت بعینی رویۃً و رؤیا (مظہریؒ)۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۶۶۸)

رِءْیٌ: اسم ذات ہے۔''وہ دلکش حالت اور ظاہری لباس جو آنکھوں سے دکھائی دے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۹۴)۔ نمود و نمائش۔ ظاہری سج دھج۔ یہ رُؤْیَةٌ سے مشتق ہے۔﴿ وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ہُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا ﴿۷۴﴾ ﴾(19/مریم:74)''اور کتنی قومیں اُن سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں ان سے بہتر تھیں۔''

(افعال) اِرَاءَةً اور اِرَاءً: اس کا ماضی۔ مضارع اَرٰی - یُرِیْ استعمال ہوتا ہے۔ دکھانا۔ سمجھانا۔ اس کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دکھایا اور کیا دکھایا اور دونوں بغیر صلے کے آتے ہیں۔﴿ وَ کَذٰلِکَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ﴾ (6/الانعام:75)''اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت۔''﴿ قَالَ فِرۡعَوۡنُ مَاۤ اُرِیۡکُمۡ اِلَّا

مَآ اَرٰی ﴾(40/مومن:29) ''بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں تم کو جو سوجھی مجھ کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**اَرِ**: ج: اَرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دکھا۔ تو سمجھا۔ ﴿وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ (2/البقرۃ:128) ''اور تو دکھا اور سمجھا ہم کو ہماری عبادت کے طریقے۔'' ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ (31/لقمان:11) ''یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(مفاعلہ) **رِئَاءً اور رِيَاءً**: اس کا ماضی۔ مضارع رَاءٰی۔ یُرَاءِیْ استعمال ہوتا ہے۔ حقیقت کے خلاف دکھانا۔ دکھاوا کرنا۔ ریاکاری کرنا۔ ﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴾ (4/النساء:142) ''وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ (4/النساء:38) ''اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے۔''

(تفاعل) **تَرَاءٍ**: اس کا ماضی۔ مضارع تَرَاءٰی۔ یَتَرَاءٰی استعمال ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھنا۔ آمنے سامنے ہونا۔ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ (8/الانفال:48) ''پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں تو وہ پیچھے ہٹا اپنی ایڑیوں کے بل۔''

| |
|---|
| اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

**ج ہ ر**

(ف) **جَهْرًا، جَهْرَةً اور جِهَارًا**: اس کا بنیادی مفہوم ہے نمایاں کرنا۔ ظاہر کرنا۔ پھر عام طور پر یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) آواز کو ظاہر کرنا (یعنی بلند کرنا) اور اعلان کرنا تاکہ دوسرے سن لیں۔ (۲) کسی چیز کو دکھانے کے لیے ظاہر کرنا تاکہ وہ کھلم کھلا دکھائی دے۔ چنانچہ آواز کے لیے فرمایا: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ (13/الرعد:10) ''برابر ہیں تم میں سے وہ جو چھپائے بات کو اور وہ جو نمایاں کرے اس کو۔'' ﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴾ (71/نوح:8) ''پھر میں نے دعوت دی ان کو آواز بلند کرتے ہوئے۔'' ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ﴾ (4/النساء:148) ''برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اور دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (4/النساء:153) ''تو انہوں نے کہا تو دکھا ہمیں اللہ کھلم کھلا۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔ اور عام مفہوم کے اعتبار سے فرمایا: ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:3) ''وہ جانتا ہے تمہارے چھپانے کو اور تمہارے نمایاں کرنے کو اور وہ جانتا ہے جو تم لوگ کماتے ہو۔''

**اِجْهَرْ**: ج: اِجْهَرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نمایاں کر۔ ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ﴾ (67/الملک:13) ''اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔''

| |
|---|
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ ص ع ق: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یَا حرف ندا ہے۔ اور مُوْسٰی، منادیٰ ہے۔ لَنْ، نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے نُؤْمِنَ حالت نصب میں ہے اور لَكَ متعلق فعل ہے۔ یاد کر لیجیے اگر اٰمَنَ یُؤْمِنُ کے ساتھ 'لِ' کا صلہ آئے تو اس سے مراد ہوتی ہے کسی کی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ اور اگر 'بِ' کا صلہ آئے تو مراد ہوتی ہے قلبی

یقین کے ساتھ کسی کی بات کو ماننا۔ گویا یہاں پر بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے کہہ رہے ہیں کہ تورات کی قلبی تصدیق تو دور کی بات، ہم ظاہری طور پر بھی آپؑ کی بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم علانیہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ لیتے۔ حَتّٰی بھی نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے نَرٰی حالت نصب میں ہے۔ نَرٰی فعل اس میں شامل ضمیر اِس کا فاعل، لفظ اَللّٰہَ اس کا مفعول اور جَھْرَۃً حال ہے۔ جَھْرَۃً کو قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے اور لفظ اَللّٰہَ کا بھی۔ اگر قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تم نے باآواز بلند کہہ دیا اور اگر لفظ اَللّٰہَ کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تک اللہ کو علانیہ یا کھلم کھلا نہیں دیکھ لیتے۔ ہمارے اکثر بزرگوں نے اسے لفظ اَللّٰہَ کا حال مان کر ترجمہ کیا ہے۔ آگے 'فَ' عطف کا ہے۔ اَخَذَتْ، واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ کُمْ مفعول ہے اور اَلصّٰعِقَۃُ، اس کا فاعل۔ 'وَ' حالیہ ہے اور جملہ اسمیہ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ، حال ہے، کُمْ ضمیر کا۔

| حَتّٰی نَرَی | لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ | یٰمُوْسٰی | وَاِذْ قُلْتُمْ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| یہاں تک کہ ہم دیکھیں | ہم ہرگز نہیں مانیں گے آپؑ کی بات | اے موسیٰؑ | اور (یاد کرو) جب تم نے کہا | البقرۃ:55 |

| اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ | وَ | الصّٰعِقَۃُ | فَاَخَذَتْکُمُ | اللّٰہَ جَھْرَۃً |
|---|---|---|---|---|
| تم دیکھ رہے تھے (اور اس کی مدافعت میں کچھ نہیں کر رہے تھے) | اس حال میں کہ | بجلی نے | تو پکڑا تم کو | اللہ کو علانیہ |

**نوٹ** مادہ ''ر ء ی'' کی املاء اور استعمال کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) ثلاثی مجرد میں اس کا ماضی رَءٰی استعمال ہوتا ہے اور عام عربی میں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اسے ''ی'' کو حذف کر کے لکھا گیا ہے جیسے رَاٰکَوْکَبًا۔

(۲) ثلاثی مجرد میں اس کا مضارع ہمزہ کو حذف کر کے یَرٰی استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی اسے ''ی'' کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ البتہ ضمیر مفعولی لگاتے وقت ''ی'' کو حذف کیا گیا ہے جیسے اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ۔

(۳) ثلاثی مجرد میں جمع متکلم کے صیغے میں مضارع مضموم نَرَیُ اور مضارع منصوب نَرَیَ، دونوں تبدیل ہو کر نَرٰی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حَتّٰی نَرٰی میں حَتّٰی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔

(۴) ثلاثی مجرد میں مضارع کے واحد متکلم کا وزن اَفْعَلُ ہے جبکہ باب افعال میں ماضی کے واحد مذکر غائب کا وزن اَفْعَلَ ہے۔ ان دونوں وزن میں یہ مادہ تبدیل ہو کر اَرٰی استعمال ہوتا ہے۔ جملہ کے مفہوم سے ان کا فرق پتہ چلتا ہے۔

(۵) جمع مذکر حاضر کے صیغے تَرَوْنَ کے ساتھ جب نّ ثقیلہ لگے تو تَرَوُنَّ لکھا جاتا ہے۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ (التکاثر:6) اور واحد مؤنث حاضر کے صیغے تَرَیْنَ کے ساتھ جب نّ ثقیلہ لگے تو تَرَیِنَّ بنتا ہے۔ فَاِمَّا تَرَیِنَّ (مریم:26)۔ اس کا فعل امر 'رَ' ہے۔

## آیت:56

### ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ ﴾

**ب ع ث**

(ف) بَعَثًا اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو اٹھا کر کسی طرف بھیجنا۔ اس لیے یہ اٹھانے اور بھیجنے، دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت جب انسانوں کی طرف ہو تو انہی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہیں گے بَعَثْتُ الْبَعِیْرَ میں نے اونٹ کو اٹھایا اور چلایا اور بَعَثُ الْاِنْسَانِ فِیْ حَاجَۃٍ کا مطلب ہوگا کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنا۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو

تو پھر یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا، یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ شاید اِن معنوں میں فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا (واللہ اعلم)۔

(۲) بھیجنا۔ چنانچہ رسولوں کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:213) ''تو بھیجا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر۔'' غیر رسول کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ (7/الاعراف:167) ''اور وہ وقت یاد کرو جب آپؐ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ اِن یہود پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا جو اُنہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ عذاب کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ (6/الانعام:65) ''آپؐ کہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اِس بات پر کہ وہ تم پر بھیج دے عذاب تمہارے اوپر سے۔'' کوّے کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾ (5/المائدۃ:31) ''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیجا۔''

(۳) مُردوں کو زندہ کرنا۔ ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ (2/البقرۃ:259) ''تو موت دے دی اللہ نے ان کو سو سال کے لیے پھر انہیں زندہ کیا۔'' ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ (6/الانعام:36) ''اور مُردوں کو، اللہ ان کو زندہ کرے گا۔'' ﴿فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ﴾ (30/الروم:56) ''تو یہ ہے دوبارہ جی اٹھنے کا دن۔'' یہ صفت اللہ تعالیٰ کبھی اپنے خاص بندوں کو بھی عطا فرما دیتا ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ۔

(۴) نیند سے اٹھانا۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ (18/الکھف:12) ''پھر ہم نے ان کو جگا دیا۔'' ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ (6/الانعام:60) ''پھر وہ تم کو جگا دیتا ہے اس (دن) میں۔''

(۵) کھڑا کرنا، جگہ دینا۔ ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (17/بنی اسرائیل:79) ''قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقامِ محمود میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود میں جگہ دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۶) مقرر کرنا۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾ (5/المائدۃ:12) ''اور ہم نے انہی میں سے بارہ سردار مقرر کیے۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ (2/البقرۃ:247) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔''

**اِبْعَثْ** ج: اِبْعَثُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو اٹھا۔ تو بھیج۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (2/البقرۃ:129) ''اے ہمارے رب! اور تو بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے۔'' ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (4/النساء:35) ''تو ایک منصف اس مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔''

**مَبْعُوْثٌ** ج: مَبْعُوْثُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ اٹھایا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:49) ''کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔'' ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (6/الانعام:29) ''اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔'' یعنی ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ مُردوں کے لیے اس کا استعمال بمعنی جی اٹھنا ہے۔

(انفعال) **اِنْبِعَاثًا** اٹھنا۔ جانا۔ ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا﴾ (91/الشمس:12) ''جب اٹھا ان میں سے زیادہ بدبخت۔'' ﴿وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ (9/التوبۃ:46) ''لیکن ناپسند کیا اللہ نے اُن کے کھڑے ہونے کو۔''

م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ ش ك ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔

**ترکیب** ثُمَّ حرف عطف ہے بَعَثْنَا فعل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل اور کُمْ اس کا مفعول ہے۔ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ متعلق فعل ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، کُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ | مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ | لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:56 | پھر ہم نے اٹھایا تم کو (یعنی زندہ کیا) | تمہاری موت کے بعد | تاکہ تم شکر ادا کرو |

## آیت:57

﴿ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ ﴾

**ظ ل ل**

(س) ظَلًّا، ظُلُوْلًا: (۱) ہمیشہ رہنا۔ دن کے لیے استعمال ہو جیسے ظَلَّ الیوم تو مراد ہوتی ہے دن کا سایہ دار ہونا یا سارا دن سایہ رہنا۔ (۲) ظَلَّ، یَظَلُّ، افعال ناقصہ میں سے بھی ہے۔ اِن معنوں میں اس کے معنی ہوتے ہیں دن میں کسی کام کو کرنا یا سارا دن ایک جیسی حالت رہنا۔ پھر یہ صَارَ (ہو جانا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت دن کی تخصیص نہیں رہتی۔ ان معنوں میں اس کے بعض صیغے کبھی صرف ایک لام کے ساتھ بھی لکھے جاتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا﴾ (16/النحل:58) ''اور جب کبھی خوشخبری دی جاتی ہے ان کے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ۔'' ﴿وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ﴾ (20/طٰہٰ:97) ''اور تو دیکھ اپنے معبود کی طرف جس پر تو ہوا اعتکاف کرنے والا۔''

ظِلٌّ: ج: ظِلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) سایہ۔ اس کی ضد ضِحٌّ (دھوپ) ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اسے ظِلٌّ کہتے ہیں نیز ہر ڈھانپ لینے والی چیز کو بھی ظِلٌّ کہہ دیا جاتا ہے۔ (۲) عزت و حفاظت، ہر قسم کی خوشحالی۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپؐ نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلایا سائے کو۔'' ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾﴾ (77/المرسلات:41) ''متقی لوگ آج سایوں اور چشموں میں ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن) ''پرہیزگار ہر طرح سے عزت و حفاظت میں ہوں گے۔'' (امام راغبؒ)

ظُلَّةٌ: ج: ظُلَلٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے سایہ کیا جائے۔ بادل۔ سائبان۔ ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ﴾ (7/الاعراف:171) ''اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ کو ان کے اوپر جیسے کہ وہ سائبان ہے۔'' ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ (31/لقمان:32) ''اور جب چھا جاتی ہیں ان پر موجیں سائبانوں کی طرح تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو، خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو۔''

ظَلِيْلٌ: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشگی والا سایہ۔ گھنی چھاؤں۔ سایہ دینے والا۔ ﴿لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾﴾ (4/النساء:57) ''ان کے لیے اس میں پاک جوڑے ہیں اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنی چھاؤں میں۔'' ﴿لَا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾﴾ (77/المرسلات:31) ''جو در اصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(تفعیل) تَظْلِيْلًا کسی پر کسی چیز کا سایہ کرنا۔ امان دینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

| غ م م |
|---|

(ن) غَمًّا کسی چیز کو ڈھانپ دینا۔ غمگین کرنا (یعنی خوشی کو ڈھانپ دینا)۔

غَمٌّ اسم ذات ہے۔ رنج۔ بے چینی۔ ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ ﴾ (21/الانبیاء:88) ''تو ہم نے سُن لی اس کی اور ہم نے نجات دی اس کو غم سے۔''

غُمَّةٌ صفت ہے۔ پوشیدہ۔ مُبہم۔ مشتبہ۔ ﴿ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾ (10/یونس:71) ''پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر وہ تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

غَمَامَةٌ ج: غَمَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ بادل۔ کیونکہ یہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
|---|

| م ن ن |
|---|

(ن) مَنًّا، مِنَّةً (۱) کسی پر وزن یا بوجھ ڈالنا۔ اس بنیادی مفہوم سے پھر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) کسی پر احسان کرنا۔ (ب) احسان جتانا۔ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (3/آل عمران:164) ''اللہ نے احسان کیا ہے ایمان لانے والوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے۔'' ﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ ﴾ (49/الحجرات:17) ''وہ لوگ احسان جتاتے ہیں آپؐ پر کہ وہ اسلام لائے۔ آپؐ کہیے تم احسان مت جتاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا۔''
(۲) کم کرنا۔ منقطع کرنا۔ ختم کرنا۔ کمزور کرنا۔

اُمْنُنْ فعل امر ہے۔ تو احسان کر۔ ﴿ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (38/صٓ:39) ''یہ ہماری بخشش ہے۔ پس تو احسان کر یا روکے رکھ کسی حساب کے بغیر۔''

مَنٌّ اسم ذات ہے۔ (۱) مقررہ وزن یعنی ایک مَن۔ (۲) احسان۔ انعام۔ (۳) ایک قسم کی شبنم جو پتھروں اور درختوں پر شہد کی مانند جم کر خشک ہو جاتی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے صحرا میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے نازل کیا تھا (اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان تھا)۔ یہ ذائقے میں میٹھی تھی۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ ﴾ (2/البقرۃ:264) ''اے ایمان والو! تم باطل مت کرو اپنے صدقات کو احسان سے اور تکلیف سے۔'' یعنی احسان جتا کر اور تکلیف دے کر۔ اور آیت زیرِ مطالعہ۔

مَمْنُوْنٌ اسم المفعول ہے۔ (۱) جس پر احسان کیا گیا۔ (۲) جب یہ مصدری معنی نمبر ۲ سے ہو تو مطلب ہوگا جسے ختم کیا گیا، جسے منقطع کیا گیا اور غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا مطلب ہوگا غَيْرُ مَقْطُوْعٍ یعنی جو ختم نہ ہو، جو منقطع نہ ہو اور بعض بزرگوں نے غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا ترجمہ ''بے شمار'' اور ''بغیر عمل'' بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ﴿ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ۧ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:8) ''ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

مَنُوْنٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔(۱) بہت زیادہ احسان جتانے والا۔(۲) موت۔کہا جاتا ہے ذَهَبَتْ بِهِمُ الْمَنُوْنُ، موت نے ان کو تباہ کر دیا۔(۳) زمانہ۔ رَيْبُ الْمَنُوْنِ۔حوادثِ زمانہ۔ رَيْبٌ کا استعمال جب مَنُوْنٌ (زمانہ) کے ساتھ ہوتو اس سے گردش زمانہ یا حوادث زمانہ مراد ہوتا ہے۔کیونکہ زمانہ کی گردشوں کے تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔اور گردش زمانہ سے مراد ہے کسی کی اچھی حالت بری حالت سے تبدیل ہو جائے۔انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَيْبُ الْمَنُوْنِ سے حادثہ موت بھی مراد لیا جاتا ہے۔حادثہ موت میں رَيْبٌ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک وشبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَيْبٌ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردّد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آجائے۔عربی زبان میں رَيْبُ الْمَنُوْنِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴾(52/الطور:30)''کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

سَلْوٰی بٹیر کی قسم کے ایک پرندے کو سلوٰی کہتے ہیں۔امام راغبؒ نے اسے مادہ س ل و کے تحت بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں ''السّلوٰی اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے لیے تسلی کا باعث ہو۔اسی سے اَلسُّلْوٰنِ وَالتَّسَلِّیْ ہے جس کے معنی اطمینان اور راحت کے ہیں۔(واللّٰہ اعلم)۔

ع ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔

ط ی ب

(ض) طِبْتُمْ نفیس و پاکیزہ ہونا۔حلال ہونا۔کسی چیز سے دل کا خوش ہونا۔پسند ہونا۔﴿ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا ﴾(39/الزمر:73)''ان سے کہا اس کے دربان نے السلام علیکم، تم پاکیزہ رہے پس تم اس (جنت) میں داخل ہو جاؤ۔''﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾(4/النساء:3)''تو تم نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں میں سے۔''

طُوْبٰی یہ افعل التفضیل میں واحد مونث کا صیغہ فُعْلٰی ہے۔اصل میں طُيْبٰی تھا۔'ی' 'و' میں تبدیل ہو کر طُوْبٰی بن گیا۔اس کے معنی ہوتے ہیں بہت عمدہ، بہت پاکیزہ، خوشحالی۔حضرت ابن عباسؓ کے مطابق اس کا معنی ہے ''دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک''۔حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے۔﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾(13/الرعد:29)''جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے اچھے تو خوشحالی ہے ان کے لیے اور اچھا انجام ہے۔'' حدیث پاک میں ہے: طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا (وارے نیارے اس شخص کے جو اپنے نامہ اعمال میں زیادہ استغفار پائے) او کما قال۔

طَيِّبٌ ج: طَيِّبُوْنَ۔ صفت ہے۔ پاک۔ پاکیزہ۔حلال۔امام راغبؒ فرماتے ہیں ''اصل میں 'طیّب' وہ چیز ہے کہ جس سے حواس لذت اُٹھائیں اور جی مزہ پائے۔''حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: 'طَيِّبٌ وہ پاکیزہ چیز جس میں شرعی حلال ہونا بھی شامل ہے اور طبعی مرغوب ہونا بھی۔''(معارف القرآن)۔﴿ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾(5/المائدۃ:88)''اور کھاؤ اُس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاکیزہ۔''﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ﴾(7/الاعراف:58)''اور پاکیزہ شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔''﴿ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ﴾(24/النور:26)''اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔''اور انسانوں میں 'طیّب' وہ

ہیں کہ جو جہالت اور بداعمالیوں کی نجاست سے پاک ہوں اور علم وایمان اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوں۔

**طَیِّبَۃٌ** ج: طَیِّبَاتٌ۔ طَیِّبٌ کی مونث۔ پاک۔ پاکیزہ۔ حلال۔ ﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ﴾ (3/آل عمران:38) ''حضرت زکریاؑ نے عرض کی اے میرے رب عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد'' ﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ﴾ (5/المائدۃ:5) ''آج حلال کردی گئیں ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

**طِیْبٌ** خوشبو۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

| | | |
|---|---|---|
| ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** 'وَ' عطف کا ہے۔ ظَلَّلْنَا فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَیْكُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْغَمَامَ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح اَنْزَلْنَا فعل ہے اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَیْكُمْ تعلق فعل ہے اور اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰی اس کے مفعول ہیں۔ كُلُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ آگے مرکب جاری مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ متعلق فعل ہے۔ اس میں طَیِّبٰتِ، مضاف ہے اور مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ رَزَقْنٰكُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہیں۔ آگے 'مَا' نافیہ ہے اور ظَلَمُوْا۔ ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور 'نَا' ضمیر مفعولی ہے۔ ضمیر مفعولی 'نَا' لگنے سے ظَلَمُوْا کا آخری الف گر گیا (واوُ الجمع)۔ نوٹ کر لیجیے اگر یہ ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہوتا تو پھر ظَلَمْنَا آتا۔ لٰكِنْ، لٰكِنَّ کا مخفف ہے اور اس کی تفصیل آیت 12 کے آخر میں دیکھیں۔ كَانُوْٓا افعال ناقصہ میں سے ہے اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُمْ' ہے اور جملہ فعلیہ یَظْلِمُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اس کی خبر ہے۔ اَنْفُسَهُمْ، یَظْلِمُوْنَ کا مفعول ہے اور اس کو تاکید کے لیے مقدم کردیا گیا ہے۔ كَانَ جب مضارع پر داخل ہو تو ماضی استمراری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:57**

| وَظَلَّلْنَا | عَلَیْكُمُ | الْغَمَامَ | وَاَنْزَلْنَا | عَلَیْكُمُ |
|---|---|---|---|---|
| اور ہم نے سایہ فگن کیا | تم پر | بادلوں کو | اور ہم نے اتارا | تم پر |

| الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ | كُلُوْا | مِنْ طَیِّبٰتِ مَا | رَزَقْنٰكُمْ ؕ |
|---|---|---|---|
| من اور سلویٰ | تم کھاؤ | اس کے پاکیزہ سے جو | ہم نے عطا کیا تم کو |

| وَمَا ظَلَمُوْنَا | وَلٰكِنْ | كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ |
|---|---|---|
| اور انہوں نے ظلم نہیں کیا ہم پر | اور لیکن (بلکہ) | وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کیا کرتے تھے |

**نوٹ** آسان عربی گرامر (از لطف الرحمٰن خان صاحب) میں آپ كَانَ اور لَیْسَ پڑھ چکے ہیں۔ یہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو خبر کو نصب دیتے ہیں۔ خبر کو نصب دینے والے تقریباً گیارہ مزید افعال ناقصہ عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ظَلَّ، اَصْبَحَ، مَا زَالَ، مَا دَامَ، مَا بَرِحَ اور مَا فَتِیَٔ قرآنِ مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ اِن میں سے ظَلَّ کی تفصیل آپ آیت زیر مطالعہ میں پڑھ چکے ہیں۔ باقی افعال کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہے اور یہ بات بھی دوبارہ یاد کر لیجیے کہ اِن افعال میں سے لَیْسَ اور مَا دَامَ کے صرف ماضی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور باقی تمام کے ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

اَصْبَحَ ۔ يُصْبِحُ (باب افعال) میں اصل مفہوم ہے، صبح کے وقت ہو جانا لیکن پھر زیادہ تر صرف ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (3/آل عمران:103) ''پھر اس نے الفت پیدا کی تمہارے دلوں کے مابین تو تم ہو گئے اس کی نعمت سے بھائی بھائی۔'' ﴿فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝﴾ (49/الحجرات:6) ''تو تم ہو جاؤ گے اس پر جو تم نے کیا ندامت کرنے والے۔'' كَانَ کی طرح اَصْبَحَ بھی ''تامہ'' ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''صبح کرنا'' یا ''صبح کے وقت آنا'' مثلاً کہیں گے اَصْبَحْنَا بِالْخَيْرِ ہم نے خیریت سے صبح کی۔ اَصْبَحَ عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانُ، صبح کے وقت ان پر طوفان آیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ (28/القصص:18) ''پھر اس نے (یعنی حضرت موسیٰؑ نے) صبح کی شہر میں۔'' ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝﴾ (30/الروم:17) ''سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب صبح کرو۔''

زَالَ ۔ يَزَالُ (ف) کے معنی ہیں زائل ہونا۔ اس سے پہلے جب مَا نافیہ یا لَا لگتا ہے تو معنی ہوتے ہیں زائل نہ ہونا۔ پھر یہ 'ہمیشہ ہونے' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ﴾ (40/مومن:34) ''تو تم ہمیشہ شک میں رہے اس سے جو وہ لایا تمہارے پاس۔'' ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ (2/البقرہ:217) ''اور وہ ہمیشہ قتال کرتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تم کو تمہارے دین سے۔''

مَادَامَ میں اصل فعل دَامَ ہے جس کے معنی ہیں ہمیشہ کے لیے ہو جانا یا رہنا اس کے ساتھ جو مَا لگا ہے۔ یہ مَا ظرفیہ ہے یعنی اس میں ظرف (وقت) کا مفہوم ہے جس کے معنی ہیں 'جب تک'۔ اس طرح مَادَامَ کا مطلب ہو جاتا ہے ''وہ جب تک رہا''۔ ﴿وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝﴾ (19/مریم:31) ''اور اس نے مجھے تاکید کی نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ۔''

بَرِحَ ۔ يَبْرَحُ (س) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھوڑ دینا یا کسی جگہ سے ہٹ جانا۔ جب اس کے ساتھ 'لَا' یا 'لَنْ' لگتا ہے تو نفی پیدا ہو جاتی ہے یعنی کسی چیز کو نہ چھوڑنا یا کسی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس طرح اس میں ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ ہمیشہ حَتّٰى کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝﴾ (20/طٰہٰ:91) ''قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰؑ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

فَتِئَ ۔ يَفْتَأُ (س، ف) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو کسی کام سے روکنا۔ جب اِس کے ساتھ 'لَا' یا 'مَا' نافیہ لگتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو کسی کام سے نہ روکنا۔ اس سے ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی وہ ہمیشہ کرتا رہا یا کرتا رہے گا۔ قرآنِ مجید میں یہ فعل، افعال ناقصہ کی صورت میں صرف ایک مرتبہ سورہ یوسف کی آیت 85 میں استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی 'لَا' محذوف ہے۔ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ (12/یوسف:85) ''انہوں نے کہا اللہ کی قسم آپؑ ہمیشہ کرتے رہیں گے یوسفؑ کا تذکرہ۔'' (واللہ اعلم)۔

افعال ناقصہ کی مزید تفصیل عربی کا معلّم، حصہ سوم سے ایک نظر دیکھ لیں۔

## آیت:58

## ﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

| |
|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| د خ ل |

(ن) دُخُوْلًا داخل ہونا (لازم)۔ اس کی ضد خروج (نکلنا) ہے۔ یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ (3/آل عمران:97) ''اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو داخل ہوا اس میں وہ ہے امن میں ہونے والا'' ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (49/الحجرات:14) ''اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ اس کے ساتھ جب عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی خدمت میں حاضر ہونا، کسی کی زیارت کرنا، یا کسی پر حملہ کرنا۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ (12/یوسف:58) ''اور ایک روز آ نکلے برادرانِ یوسفؑ اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ﴾ (5/المائدۃ:23) ''کہاں دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اِس صورت میں اس کا فعل مجہول بھی استعمال ہوجاتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾ (33/الاحزاب:14) ''اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ لیکن اکثر بزرگوں نے آیت میں دُخِلَتْ کا ترجمہ فعل معروف کے لحاظ سے کیا ہے۔ مثلاً ''اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)، ''اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آ گھسے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)، ''اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (واللہ اعلم)۔ اس کے ساتھ 'بِ' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے داخل کرنا اور دَخَلَ بِاِمْرَءَتِهٖ، کنایۃً بیوی سے ہم بستری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں اُن بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اُدْخُلْ — ج: اُدْخُلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل ہو۔ ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (36/یٰس:26) ''کہا گیا تو داخل ہو جا جنت میں۔'' ﴿وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩﴾ (66/التحریم:10) ''اور کہا گیا تم دونوں داخل ہو آگ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

دَاخِلٌ — ج: دَاخِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ داخل ہونے والا۔ اوپر آیت نمبر (66/التحریم:10) دیکھیں۔ ﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ⑫﴾ (5/المائدۃ:22) ''پھر اگر وہ وہاں سے نکل گئے، تو ہم داخل ہوں گے۔''

(س) دَخَلًا — عقل یا جسم میں خرابی داخل ہونا۔

دَخَلٌ — اسم ذات ہے۔ عقلی یا جسمانی خرابی۔ فساد۔ چھپی ہوئی دشمنی۔ فریب۔ خاندانی عیب یعنی وہ لوگ جو اپنے آپ کو کسی کی جانب منسوب کرتے ہوں اور فی الحقیقت ان میں سے نہ ہوں۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ (16/النحل:94) ''اور اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ۔'' (ترجمہ ضیاء القران)۔

(افعال) اِدْخَالًا — داخل کرنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ﴾ (4/النساء:57) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے بھلے، ہم داخل کریں گے ان کو باغات میں۔''

اَدْخِلْ — ج: اَدْخِلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل کر۔ ﴿وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲﴾ (27/النمل:19) ''اور تو

داخل کر مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں۔'' ﴿ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (40/مومن:46)
''تم داخل کر دو فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں۔''

مُدْخَلٌ — اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ داخل کیا ہوا یا داخل کرنے کی جگہ۔ ﴿ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴾ (4/النساء:31) ''تو ہم دور کریں گے تم سے تمہاری برائیوں کو اور ہم داخل کریں گے تم کو باعزت داخل کرنے کی جگہ میں۔''

(افتعال) اِدِّخَالًا — کسی جگہ مشقت سے داخل ہونا۔ گھسنا۔

مُدَّخَلٌ — اسم المفعول جو بطور ظرف استعمال ہوتا ہے۔ گھسنے کی جگہ۔ ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ (9/التوبہ:57) ''اگر وہ لوگ پائیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی گھسنے کی جگہ۔''

| ق ر ی |
|---|

(ض) قَرًى اور قَرْيًا — جمع کرنا۔ کہتے ہیں قَرَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ۔ میں نے حوض میں پانی جمع کر دیا۔

قَرْيَةٌ — ج: قُرًى۔ جب لام تعریف داخل ہو تو اَلْقُرٰى۔ اسم ذات ہے۔ جہاں انسان جمع ہو کر آباد ہو جائیں۔ اس مفہوم میں یہ لفظ بستی اور بستی والوں، دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ (4/النساء:75) ''اے ہمارے رب تو نکال ہم کو اس بستی سے۔'' ﴿ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ (12/یوسف:82) ''اور آپؑ پوچھ لیجیے اس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔'' ﴿ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ﴾ (59/الحشر:14) ''یہ لوگ نہیں لڑیں گے تم سے جم کر مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے۔'' ﴿ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ﴾ (18/الکہف:59) ''اور یہ بستیوں والے، ہم نے ہلاک کیا ان کو جب انہوں نے ظلم کیا۔'' ﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ (6/الانعام:92) ''اور تاکہ آپؐ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اُس کے اردگرد ہیں۔'' اُمُّ الْقُرٰى: مکہ معظّمہ کا دوسرا نام ہے۔ ام القری کے معنی بستیوں کی اصل اور جڑ کے ہیں۔ یا مرکزی بستی کے۔ مکہ معظّمہ چونکہ ساری دنیا کا دینی مرکز ہے۔ تمام روئے زمین پر خدا کا پہلا گھر وہیں بنا۔ اور قبلۂ اول ہونے کا شرف اسی کو حاصل ہوا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور آج بھی نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم اسلامی کا۔ ان وجوہ سے قرآن مجید نے مکہ معظّمہ کو ام القری کہا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۱، ص ۲۳۷)

| |
|---|
| ء ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ حَيْثُ: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |
| ر غ د: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |

| بَابٌ |
|---|

ج: اَبْوَابٌ۔ دروازہ۔

| |
|---|
| س ج د: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |

| ح ط ط |
|---|

(ن) حَطًّا — اترنا۔ نازل ہونا۔ (لازم)۔ کسی چیز کو اوپر سے نیچے اتارنا یا کسی کا بوجھ اتارنا (متعدی)۔ کہا جاتا ہے حَطَطْتُ الرَّحْلَ میں نے سواری سے پالان اتار کر نیچے رکھ دیا۔

(استفعال) اِسْتِحْطَاطًا بوجھ اتارنے کی درخواست کرنا۔

حِطَّۃٌ اسم ذات ہے۔ بوجھ اتارنے کی درخواست یا دعا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ گناہوں کا بوجھ اتارنے کی دعا کے لیے آیا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ اس سے مراد ہے حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا یعنی اے اللہ ہمارے گناہ ہم سے اتار دے اور بعض بزرگوں نے اس سے مراد لی ہے قُوْلُوْا صَوَابًا یعنی صحیح بات کہنا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''حِطَّۃٌ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرے یہ کہ لوٹ مار اور قتلِ عام کے بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا'' اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''قُوْلُوْا حِطَّۃٌ سے یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حِطَّۃٌ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ و استغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔''

| غ ف ر |
|---|

(ض) غَفْرًا اور غُفْرَانًا اس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ دینا، چھپا دینا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ غَفَرَ کے معنی ہیں کسی چیز پر کوئی ایسی چیز پہنا دینا جو اسے میل کچیل اور دوسری نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں اِغْفِرْ ثَوْبَكَ فِي الْوِعَاءِ اپنے کپڑوں کو تھیلے وغیرہ میں ڈال کر چھپا دو۔ اسی طرح کہتے ہیں غَفَرَ الشَّبَابَ بِالْخِضَابِ اس نے خضاب سے بالوں کی سفیدی کو چھپا دیا۔ اَلْمِغْفَرُ لوہے کے خود (لوہے کی ٹوپی) کو کہتے ہیں جو دوران جنگ سپاہی سر پر پہن لیتے ہیں جس سے سر دشمن کے وار سے محفوظ رہتا ہے۔ اَلْغِفَارَۃُ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے عورتیں اپنے ڈوپٹے کو تیل سے بچانے کے لیے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں اور اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس سے کمان کے گوشے کو لپیٹتے ہیں اور اس بادل کو بھی جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو۔ ان تمام بنیادی مفاہیم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کے گناہوں کو چھپا دینا، ڈھانپ دینا یا بندے کو گناہوں کی سزا سے محفوظ رکھنا۔ پھر اردو میں اس کا ترجمہ معاف کر دینا اور بخش دینا سے کیا جاتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (3/آل عمران:135) ''اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا'' یہ لفظ بندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (42/الشوریٰ:43) ''اور بے شک جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یقیناً یہ حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔'' کبھی یہ لفظ ظاہری طور پر درگزر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چاہے دل سے معاف نہ بھی کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ (45/الجاثیہ:14) ''آپؐ کہیے ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہ وہ لوگ درگزر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی یعنی بدلے کے دن کی۔''

اِغْفِرْ فعل امر ہے۔ تو بخش دے۔ تو درگزر کر۔ ﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ﴾ (23/المؤمنون:118) ''اے میرے رب تو بخش دے اور تو رحم فرما۔''

غَافِرٌ ج: غَافِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ﴾ (40/المؤمن:3) ''معاف کرنے والا گناہ کا اور قبول کرنے والا توبہ کا۔''

غَفُوْرٌ اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ یعنی دل کھول کر بخشنے والا۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (2/البقرۃ:173) ”بے انتہا بخشنے والا ہے ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔“

غَفَّارٌ اسم المبالغہ ہے۔ کثرت سے یعنی بار بار بخشنے والا۔ یہ بھی اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ (20/طٰہٰ:82) ”اور یقیناً میں کثرت سے بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیے نیک پھر اس نے ہدایت پائی۔“

مَغْفِرَةٌ اسم ذات ہے۔ معافی۔ بخشش۔ ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ (2/البقرۃ:221) ”اور اللہ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف۔“

(استفعال) اِسْتِغْفَارًا قول اور عمل سے معافی مانگنا۔ قول اور عمل سے بخشش طلب کرنا۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتی ہے چاہے اللہ کا نام مذکور ہو یا نہ ہو۔ جس سے معافی مانگی جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ جس کے لیے معافی مانگی جائے اس پر لام کا صلہ آتا ہے اور جس غلطی یا گناہ کی معافی مانگی جائے اس پر کبھی لام کا صلہ آتا ہے اور کبھی نہیں۔ ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (27/النمل:46) ”تم لوگ کیوں نہیں بخشش مانگتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ ﴿فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ (3/آل عمران:135) ”پھر انہوں نے معافی مانگی اپنے گناہوں کی۔“ ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ (12/یوسف:98) ”عنقریب میں بخشش طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔“

اِسْتَغْفِرْ ج: اِسْتَغْفِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو معافی مانگ۔ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (3/آل عمران:159) ”اور آپ ﷺ مغفرت طلب کریں ان کے لیے اور مشورہ کریں ان سے فیصلوں میں۔“

مُسْتَغْفِرٌ ج: مُسْتَغْفِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معافی مانگنے والا۔ ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ (3/آل عمران:17) ”اور بخشش طلب کرنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔“

## خ ط ء

(س) (ا) خِطْأً اور خِطْأَةً قصد وارادے کے ساتھ غلطی کرنا۔ گناہ کرنا۔ یہ قابل گرفت ہے۔ قرآنِ مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ب) خَطَأً بنیادی مفہوم ہے صحیح راہ سے ہٹ جانا۔ چوک جانا۔ بغیر قصد اور ارادے کے غلطی کرنا۔ یہ (آخرت کے اعتبار سے) قابل گرفت نہیں۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا ہے۔

خَطِيْٓئَةٌ ج: خَطِيْٓئٰتٌ اور خَطَايَا۔ اسم ذات ہے۔ اس کا مطلب قریب قریب سَيِّئَةٌ کی طرح ہے۔ غلطی۔ گناہ۔ چاہے ارادہ اور قصد سے ہو یا بغیر ارادے اور قصد کے۔ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ (2/البقرۃ:81) ”جس نے کمائی کوئی برائی اور اس کو گھیر لیا اس کی غلطی نے تو وہ لوگ آگ والے ہیں۔“ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا﴾ (4/النساء:112) ”اور جس نے کمائی کوئی خطا یا کوئی گناہ۔“ امام راغبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں خَطِيْٓئَةً سے مراد وہ فعل ہے جو بلا قصد ہوا ہو۔ اور اسی قسم کی خطا کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا ﴿وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ (26/الشعراء:82) ”اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے گا۔“ ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ﴾

(7/الاعراف:161) ''اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے تو ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو۔'' ﴿ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا ﴾ (20/طٰہٰ:73) ''بے شک ہم ایمان لائے اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

**خِطْأٌ** اسم ذات بھی ہے۔ قصد وارادے کے ساتھ کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ یہ قابل گرفت ہے۔ ﴿ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِیَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِیۡرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:31) ''ہم رزق دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی بے شک ان کو قتل کرنا بڑی غلطی ہے۔''

**خَطَأٌ** اسم ذات بھی ہے۔ بغیر ارادے اور قصد سے کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ ﴾ (4/النساء:92) ''اور نہیں ہے جائز کسی مومن کے لیے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو مگر بلا ارادہ غلطی سے۔'' اسی قسم کی خطا کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا رُفِعَ عَنۡ اُمَّتِی الۡخَطَأُ وَالنِّسۡیَانُ کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھا لیے گئے ہیں۔

**خَاطِئٌ** ج: خَاطِئُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والا۔ گناہ گار۔ ﴿ یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیۡنَ ﴾ (12/یوسف:97) ''اے ہمارے والد آپؑ بخشش طلب کریں ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بے شک ہم غلطی کرنے والے تھے۔''

**خَاطِئَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والی۔ گناہگار۔ ﴿ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ ﴾ (96/العلق:16) ''وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔'' کبھی خَاطِئَةٌ کا اطلاق ''گناہ'' کے لیے بھی ہوجاتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۚ ﴾ (69/الحاقۃ:9) ''اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کئے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں اَلۡخَاطِئَةُ: اَلذَّنۡبُ الۡعَظِیۡمُ۔ بہت بڑا گناہ۔

(افعال) **اِخْطَاءً** بلا ارادہ غلطی کرنا۔ چوک جانا۔ ﴿ وَلَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ فِیۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ﴾ (33/الاحزاب:5) ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جس میں تم چوک گئے۔'' اور حدیث پاک میں ہے مَنِ اجۡتَهَدَ فَاَخۡطَاَ فَلَهٗ اَجۡرٌ جس نے اجتہاد کیا لیکن اس سے غلطی ہوگئی اسے پھر بھی اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**مُخْطِئٌ** اسم الفاعل ہے۔ مخطی اُسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اُس سے غلطی ہوجائے۔

| |
|---|
| ز ی د: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ح س ن |

(ک) (ن) **حَسُنَا** پسندیدہ ہونا، خوبصورت ہونا، اچھا یا بھلا ہونا۔ ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیۡقًا ﴾ (4/النساء:69) ''اور اچھے ہوئے وہ لوگ بطور ساتھی کے۔''

**حُسْنٌ** اسم ذات ہے۔ خوبصورتی۔ اچھائی۔ بھلائی۔ نوٹ کر لیجیے یہ لفظ اسم ذات ہے اس لیے بطور صفت نہیں آسکتا کیونکہ اسم ذات صفت نہیں بنتے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴾ (3/آل عمران:195) ''اور اللہ، اس کے پاس ثواب کی خوبصورتی یعنی بہترین بدلہ ہے۔''

**حَسَنٌ** ج: حِسَانٌ۔ مؤنث: حَسَنَۃٌ و حَسْنَآءُ۔ ج: حَسَنَاتٌ اور حِسَانٌ۔ اسم صفت ہے۔ خوبصورت۔ حسین۔ اچھا۔ عمدہ۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو انسان کو حاصل ہو کر اس کی مسرت کا سبب بنے۔ یہ لفظ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (2/البقرۃ:245) ''کون ہے جو قرض دے اللہ کو ایک خوبصورت قرض۔'' ﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ﴾ (4/النساء:85) ''جو سفارش کرے کوئی اچھی سفارش کی تو اس کے لیے ہے ایک حصہ اس میں سے۔'' ﴿فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ﴾ (55/الرحمٰن:70) ''ان میں اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں ہوں گی۔'' ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۚ﴾ (55/الرحمٰن:76) ''سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ ا: حِسَانٌ، حَسَنٌ کی بھی جمع ہے اور حَسَنَۃٌ و حَسْنَآءُ کی بھی جمع ہے۔ چنانچہ الرحمن:70 میں یہ ایک مونث لفظ (خَیْرٰتٌ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے اور آیت 76 میں ایک مذکر لفظ (عَبْقَرِیٌّ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

نوٹ ۲: حَسَنَۃٌ اور اس کی جمع حَسَنَاتٌ صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے شَفَاعَۃٌ حَسَنَۃٌ، مَوْعِظَۃٌ حَسَنَۃٌ، اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ وغیرہ اور بطورِ اسم ذات بھی استعمال ہوتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی ہوتے ہیں، نیکی، بھلائی، خوبی، نعمت وغیرہ۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (2/البقرۃ:201) ''اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ﴾ (11/ھود:114) ''بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔'' حَسَنَۃٌ کی ضد سَیِّئَۃٌ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ٘ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ﴾ (3/آل عمران:120) ''اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے اُنہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اُس سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اَحْسَنُ** مؤنث: حُسْنٰی۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ اچھا یا سب سے اچھا۔ ﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (2/البقرۃ:138) ''اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے بلحاظ رنگ کے۔'' ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ﴾ (7/الاعراف:137) ''اور پورا ہوا تیرے رب کا سب سے اچھا فرمان بنی اسرائیل پر بسبب اس کے جو انہوں نے صبر کیا۔'' ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ ؕ﴾ (9/التوبۃ:52) ''آپؐ یہ بھی کہہ دیجئے تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت میں حُسْنَیَیْنِ، حُسْنٰی کا تثنیہ ہے۔ اور اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (سب سے اچھے نام) سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفاتی نام۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ﴾ (17/بنی اسرائیل:110) ''کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(افعال) اِحْسَانًا

اس کے اصل لغوی معنی ہیں ''کسی کام کو حسن وخوبی کے ساتھ کرنا''۔اس کی پھر دو قسمیں ہیں (1) کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرنا۔اپنے فعل میں حسن پیدا کرنا اور یہ چیز حسنِ علم اور حسنِ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔(2) بندوں کے حقوق حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنا، ان سے حسن سلوک کرنا اور ان پر انعام کرنا۔ان معنوں میں عموماً اِلٰی کا صلا استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾(28/القصص:77)''اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اردو زبان میں احسان کا لفظ عام طور پر اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔کسی شخص کے عمل میں جب احسان کی یہ دونوں قسمیں جمع ہوتی ہیں تب اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بذاتِ خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہتا ہے۔ایک طرف تو اس کی عبادت میں حسن اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔وہ اللہ کی عبادت یوں کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم اسے یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کی وضاحت حدیث جبرئیلؑ میں بیان ہوئی ہے۔حضورؐ نے فرمایا: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (صحیح بخاری) ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی ایسی بندگی کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔'' اسے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس کی بھلائی کا صلہ بھلائی ہی کی صورت میں ملے گا۔آدمی فرائض سے بڑھ کر نوافل ادا کرتا ہے اس کے اعمال اور اخلاق بہترین ہو جاتے ہیں۔اور دوسری طرف اس کے اردگرد انسان ہوں یا حیوان سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔بندوں سے معاملات کرتے وقت ایسا شخص عدل وانصاف سے بلند ہو کر فضل اور عفو کو اختیار کرتا ہے۔کسی مزدور کو مزدوری دیتے وقت طے شدہ رقم سے زیادہ ادا کرتا ہے۔کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو درگزر کرتا ہے۔حیوانات تک ایسے شخص سے فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔(بحوالہ معارف القرآن، ج۵،ص۳۹۱)۔قرآنِ مجید میں سے مثالیں:﴿ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ﴾(18/الکہف:30)''بے شک ہم ضائع نہیں کرتے اس کے اجر کو جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔''﴿ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ﴾ (5/الاعراف:93) ''جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور عمل کیے بھلائیوں والے پھر انہوں نے (مزید) تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر انہوں نے (اور) تقویٰ اختیار کیا اور درجۂ احسان کو پہنچے۔''

**عدل اور احسان میں فرق:** قرآن مجید میں فرمایا:﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾(16/النحل:90) ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''احسان عدل سے بڑھ کر چیز ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کر دینا اور اپنا حق پورا لے لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے لہٰذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱،ص۲۳۷)۔اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دے دے اور اپنا وصول کر لے، نہ کم نہ زیادہ، اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اس کو پہنچاؤ نہ کم نہ زیادہ، اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو، کہ کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کر لو، اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو

معاف کردو، بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو اسی طرح عدل کا حکم تو فرض واجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرع کے طور پر ہوا۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص۳۹۱)۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔

ہر چیز میں احسان کا حکم: اسلام میں ہر چیز میں احسان یعنی حسن وخوبی کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرانِ مجید میں سورہ النحل کی آیت 90 آپ نے پڑھ لی اب صحیح مسلم کی یہ حدیث مبارک دیکھیے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ (مسلم) ''اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے سلسلے میں 'احسان' تم پر فرض کیا ہے، تو جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری تیز کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''

احسان کا بدلہ احسان: قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ﴾ (55/الرحمٰن:60) ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔'' اس آیت میں پہلے احسان سے مراد ہے حسنِ عبادت اور حسنِ معاملات اور دوسرے احسان سے مراد ہے اس کا صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اس آیت کا ترجمہ نہایت خوب صورت انداز سے کیا ہے فرماتے ہیں: ''بھلا کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔''

**مُحْسِنٌ** ج: مُحْسِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ درجۂ احسان پر کام کرنے والا یعنی ہر عمل کو اچھے اور بہترین طریقے سے کرنے والا۔ پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا، جیسے حدیث مبارک میں احسان کی تعریف کی گئی ہے۔ نیکیاں کرنے والا۔ لوگوں سے حسن سلوک کرنے والا۔ ﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠﴾ (2/البقرۃ:112) ''کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لیے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (2/البقرہ:195) ''بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

**مُحْسِنَةٌ** ج: مُحْسِنَاتٌ۔ مُحْسِنٌ کی مؤنث۔ درجہ احسان پر کام کرنے والی۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (33/الاحزاب:29) ''تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم۔''

**اَحْسِنْ** ج: اَحْسِنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان کر۔ ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (28/القصص:77) ''اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (2/البقرۃ:195) ''اور سلوک و احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

**ترکیب**

وَ حرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اُدْخُلُوْا فعل امر کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یہ فعل لازم ہے اس لیے اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ چنانچہ آگے مرکب اشاری هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب

ہے۔ فَکُلُوْا میں 'فَ' عطف کا ہے اور کُلُوْا، اُدْخُلُوْا پر عطف ہے۔ مِنْھَا، جار مجرور متعلق فعل ہیں۔ 'ھَا' ضمیر اَلْقَرْیَۃَ کے لیے ہے۔ حَیْثُ ظرف مکان ہے۔ شِئْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ رَغَدًا، یہاں محذوف مفعول مطلق اَکْلًا کی صفت ہے یعنی یہ جملہ یوں ہے فَکُلُوْا مِنْھَا حَیْثُ شِئْتُمْ اَکْلًا رَغَدًا۔ رَغَدًا کو کُلُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور اُدْخُلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اَلْبَابَ، ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سُجَّدًا، اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے۔ وَقُوْلُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور قُوْلُوْا، فعل امر کا صیغہ ہے۔ حِطَّۃٌ، اگر قُوْلُوْا کا مفعول ہوتا تو حالت نصب میں حِطَّۃً آتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ مفعول نہیں ہے۔ یہاں حِطَّۃٌ محذوف مبتدا کی خبر ہے اس لیے حالت رفع میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے وَقُوْلُوْا دُعَاءُنَا حِطَّۃٌ۔ اَیْ: حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا۔ آگے نَغْفِرْ، فعل امر قُوْلُوْا کا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لَکُمْ متعلق فعل ہے اور خَطٰیٰکُمْ مفعول ہے۔ وَسَنَزِیْدُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے 'سَ' مستقبل کے لیے ہے، نَزِیْدُ جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اَلْمُحْسِنِیْنَ اس کا مفعول ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:58 |

| وَاِذْ قُلْنَا | ادْخُلُوْا | ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ | فَکُلُوْا | مِنْھَا |
|---|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا | تم داخل ہو | اس بستی میں | اور تم کھاؤ | اس میں سے |

| حَیْثُ | شِئْتُمْ | رَغَدًا | وَّادْخُلُوا | الْبَابَ |
|---|---|---|---|---|
| جہاں سے | تم چاہو | جی بھر کے | اور تم داخل ہو | دروازے میں |

| سُجَّدًا | وَّقُوْلُوْا | حِطَّۃٌ | نَّغْفِرْ | لَکُمْ |
|---|---|---|---|---|
| سجدہ کرنے والوں کی حالت میں | اور کہو | معافی ہو | تو ہم بخش دیں گے | تمہارے لیے |

| خَطٰیٰکُمْ | وَسَنَزِیْدُ | الْمُحْسِنِیْنَ ۝ |
|---|---|---|
| تمہاری خطاؤں کو | اور ہم زیادہ دیں گے | نیکی کرنے والوں کو |

## آیت:59

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ ﴾

| ب د ل |
|---|

(ن) بَدْلًا بدلنا۔ بدلے میں لینا۔

بَدَلٌ اسم ذات ہے۔ بدلے میں ملی ہوئی چیز۔ بدل۔ بدلہ۔ ﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (18/الکہف:50) ''بہت برا ہے ظالموں کے لیے بدلہ۔''

(افعال) اِبْدَالًا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا۔ بدلے میں دینا۔ ﴿ عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْھَآ ﴾ (68/القلم:32) ''امید ہے ہمارے رب سے کہ وہ بدلے میں دے ہم کو اس سے بہتر۔''

(تفعیل) تَبْدِیْلًا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا یا بدلے میں دینا (تدریجاً)۔ تبدیل کرنا۔ ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ ﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے رفتہ رفتہ تبدیل کیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے۔''

مُبَدِّلٌ — اسم الفاعل ہے۔ تبدیل کرنے والا۔ ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ﴾ (6/الانعام:34) ''اور کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اللہ کے فرمانوں کو۔''

بَدِّلْ — فعل امر ہے۔ تو بدل۔ تو تبدیل کر۔ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ﴾ (10/یونس:15) ''کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعّل) تَبَدُّلًا — کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ کسی چیز کی جگہ دوسری چیز لینا۔ بدلنا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝﴾ (2/البقرۃ:108) ''اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔''

(استفعال) اِسْتِبْدَالًا — کسی چیز کی جگہ دوسری چیز طلب کرنا۔ تبدیلی چاہنا۔ ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ﴾ (2/البقرۃ:61) ''کیا تم لوگ وہ چاہتے ہو جو گھٹیا ہے اس کے بدلے میں جو بہتر ہے۔''

| |
|---|
| ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ غَيْرُ: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ |
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |

### ر ج ز

(ن) رَجْزًا — (۱) کسی چیز کا خوب ہلنا۔ کپکپانا۔ جب کمزوری کی وجہ سے چلتے وقت اونٹ کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگے تو عرب کہتے ہیں رَجَزَ الْبَعِيْرُ۔ (۲) رجزیہ اشعار (یعنی جنگی اشعار) پڑھنا۔

رِجْزٌ اور رُجْزٌ — اسم ذات ہے۔ (۱) عذاب، جو جسم پر کپکپی طاری کر دے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''رِجْزٌ عام ہے۔ ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔'' اور بعض بزرگوں کے مطابق ایسا عذاب جو اپنی شدت کے باعث لرزہ خیز ہو اور اس کے جھٹکے شدید اور لگاتار ہوں۔ (۲) گندگی۔ نجاست۔ بت۔ ﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (29/العنکبوت:34) ''بے شک ہم نازل کرنے والے ہیں اس بستی کے لوگوں پر ایک عذاب آسمان سے۔'' ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ (8/الانفال:11) ''اور تاکہ وہ لے جائے تم سے شیطان کی گندگی کو۔'' ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾ (74/المدثر:5) ''اور گندگی سے دور رہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور بتوں سے الگ رہئے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

| |
|---|
| س م و: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ف س ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

### ترکیب

'فَ' استئنافیہ ہے۔ بَدَّلَ فعل۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اسم موصول اور صلہ مل کر اس کا فاعل اور قَوْلًا مفعول بِہٖ ہے۔ جملہ غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ، قَوْلًا کی صفت ہے۔ اسی لیے غَيْرَ حالت نصب میں ہے اور مضاف ہے۔ اَلَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ، اسم موصول اور صلہ مل کر مضاف الیہ ہیں۔ قِيْلَ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر 'هُوَ' ہے اور اس سے مراد وہ بات ہے جس کے کرنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا یعنی وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ۔ لَهُمْ متعلق فعل ہے۔ فَاَنْزَلْنَا میں 'فَ' عطف کا ہے۔ اَنْزَلْنَا فعل، رِجْزًا مفعول اور عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا متعلق فعل ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ، رِجْزًا کی صفت ہے۔ رِجْزًا کی تنوین عذاب کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔ بِمَا میں 'بِ' سببیہ ہے اور 'مَا' یہاں مصدریہ ہے جس نے بعد والے جملے میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ كَانُوْا، فعل ناقص ہے اور اس کا اسم اِس میں شامل ضمیر 'هُمْ' ہے اور آگے جملہ فعلیہ يَفْسُقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ بھی یاد کر لیجیے

کہ کَانَ جب مضارع پہ داخل ہو تو اس سے دوام اور استمرار کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ 'ما' مصدریہ سے اب اس سارے جملے کی ترکیب ہو جائے گی بِسَبَبِ فِسْقِهِمُ الْمُسْتَمِرِّ۔ یعنی ان کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا گیا۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ آیت میں اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کی تکرار، ان ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| غَيْرَ الَّذِىْ | قَوْلًا | الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا | فَبَدَّلَ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے علاوہ جو | بات کو | ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا | تو بدل ڈالا | البقرۃ:59 |

| رِجْزًا | عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا | فَاَنْزَلْنَا | قِيْلَ لَهُمْ |
|---|---|---|---|
| ایک عذاب | ان پر جنہوں نے ظلم کیا | تو ہم نے نازل کیا | کہی گئی تھی ان سے |

| بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾ | مِّنَ السَّمَآءِ |
|---|---|
| اُن کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے | آسمان سے |

**نوٹ:1** ''تبدیلی یہ کی کہ بجائے حطۃ براہ تمسخر حنطۃ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا جب شہر میں پہنچے تو اُن پر طاعون پڑا، دوپہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔'' (تفسیر عثمانیؒ ص ۱۲)

**نوٹ:2** اس آیت مبارکہ کے تحت اگر معارف القرآن سے ''کلام میں لفظی تغیر وتبدّل کا حکم شرعی'' پڑھ لیا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

## آیت:60

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

**س ق ی**

(ض) سَقْيًا اور سِقَايَةً کسی کو پلانا۔ سیراب کرنا۔ ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾﴾ (76/الدھر:21) ''اور پلائے گا ان کو ان کا رب انتہائی پاکیزہ شراب۔'' ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (9/البقرۃ:19) ''کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

سُقْيَا مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) مصدر ہے بمعنی کسی کو پلانا۔ (۲) مصدر ہے بمعنی پانی پینا۔ (۳) اسم ذات ہے بمعنی پانی پینے کی باری۔ ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾﴾ (91/الشمس:13) ''اور ان لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

| | | |
|---|---|---|
| | سِقَايَةٌ | مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) پانی پلانے کی جگہ۔(۲) پانی پینے کا برتن۔ پیالہ۔(۳) پانی جمع کرنے کی جگہ۔ حوض۔﴿ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ﴾(12/یوسف:70)''اس نے رکھا پانی کے پیالے کو اپنے بھائی کے تھیلے میں۔'' |
| (افعال) | اِسْقَاءٌ | کسی کو پینے کے لیے دینا۔﴿ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ﴾(16/النحل:66)''ہم پینے کے لیے دیتے ہیں تم کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ۔'' |
| (استفعال) | اِسْتِسْقَاءٌ | کسی سے پانی طلب کرنا۔ پینے کے لیے مانگنا۔﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ ﴾(7/الاعراف:160) ''اور ہم نے وحی کی حضرت موسیٰؑ کی طرف جب پینے کے لیے مانگا اس سے اس کی قوم نے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔ |

ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

## ع ص و

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | عَصْوًا | کسی کو لاٹھی سے مارنا۔ |
| | عَصًا | تثنیہ: عَصَوَانِ۔ ج: عِصِيٌّ اسم ذات ہے۔ لاٹھی۔﴿ قَالَ هِيَ عَصَايَ ﴾(20/طٰہٰ:18)''انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔''﴿ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ ﴾(26/الشعراء:44)''تو ان لوگوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں۔'' |

ح ج ر: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔

## ف ج ر

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | (ا) فَجْرًا | کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنا۔ کسی چیز کو پھاڑ کر پانی بہانا۔ پانی کے بہاؤ کے لیے راستہ چیرنا۔﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ﴾(17/بنی اسرائیل:90)''اور انہوں نے کہا ہم ہرگز نہ مانیں گے تیری بات یہاں تک کہ تو پھاڑ کر بہا دے ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔'' |
| | فَجْرٌ | اصل میں مصدر ہے لیکن بطور ظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ فجر کا وقت۔ صبح۔ فجر کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾(17/بنی اسرائیل:78)''آپؐ نماز قائم کیجیے سورج ڈھلنے (کے بعد) سے لے کر رات کا اندھیرا ہونے تک اور (قائم کیجیے) فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا بھی (یعنی فجر کی نماز)۔'' |
| | (ب) فُجُوْرًا | اس کا لغوی معنی ہے سوار کا زین سے ایک طرف جھک جانا۔ پھر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ کر اپنی مرضی کرنا، حق سے روگردانی کرنا، نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴾(75/القیامہ:5)''بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے آگے بھی یعنی آئندہ بھی۔'' |

**فُجُوْرٌ** اسم ذات بھی ہے۔ نافرمانی۔ برائی۔ ﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۞﴾ (91/الشمس:7-8) ”قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)

**فَاجِرٌ** ج: فَاجِرُوْنَ، فُجَّارٌ اور فَجَرَۃٌ۔ فُجُوْرٌ سے اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا، دین کا پردہ پھاڑنے والا، علانیہ گناہ کرنے والا، جھوٹا۔ ﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۞﴾ (71/نوح:27) ”اور وہ لوگ (اولاد) نہیں جنیں گے مگر نافرمان ناشکری۔“ ﴿اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۞﴾ (38/صٓ:28) ”یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو نافرمانوں جیسا۔“ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۞﴾ (80/عبس:42) ”وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔“

(تفعیل) **تَفْجِيْرًا** پھاڑنا۔ پھاڑ کر بہانا (اس میں تسلسل کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿وَ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۞﴾ (36/یٰسٓ:34) ”اور ہم نے جاری کیے اس میں چشمے۔“

(تفعّل) **تَفَجُّرًا** پھوٹ بہنا۔ (کوشش اور تکلّف سے)۔ ﴿وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ﴾ (2/البقرۃ:74) ”اور بے شک پتھروں میں وہ بھی ہیں جن سے پھوٹ بہتی ہیں نہریں۔“

(انفعال) **اِنْفِجَارًا** پھوٹ بہنا۔ (بلا تکلّف)۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ع ی ن

(ض) **عَيْنًا** (۱) نظر لگانا۔ (۲) پانی یا آنسو جاری ہونا۔ (۳) آنکھ پر مارنا۔

**عَيْنٌ** ج: اَعْيُنٌ۔ اسم ذات ہے۔ آنکھ۔ ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (5/المائدہ:45) ”اور ہم نے واجب کیا ان پر اس میں (یعنی تورات میں) کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔“ ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (11/ھود:37) ”اور آپؑ بنائیں کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے۔“ عربی زبان میں عَيْنٌ کے معنی کسی چیز کا محافظ کے بھی آتے ہیں اور جب کہا جائے فُلَانٌ بِعَيْنِيْ تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ فلاں میری حفاظت اور نگرانی میں ہے۔ چنانچہ ھود:37 کا ترجمہ اس محاورے کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے: ”اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو۔“ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”حق تعالیٰ نے نوحؑ سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۲۹۸)

**عَيْنٌ** ج: عُيُوْنٌ۔ اسم ذات ہے۔ پانی کا چشمہ۔ ﴿عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ (76/الدھر:6) ”ایک چشمہ، پئیں گے اس سے اللہ کے بندے۔“ ﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۞﴾ (26/الشعراء:57) ”تو ہم نے نکالا ان کو باغوں اور چشموں سے۔“

**عَيْنَاءُ** ج: عِيْنٌ۔ یہ اَفْعَلُ الْعیوب میں اَعْيَنُ کی مؤنث ہے۔ مراد ہے بڑی اور خوب صورت آنکھوں والی۔ محاورہ عرب میں عِيْنٌ اور حُوْرٌ آنکھوں کی صفات ہیں اور اس سے عورت کا حسن و جمال مراد لیا جاتا ہے۔ عِيْن سے مراد موٹی موٹی آنکھوں والی اور حُوْر سے مراد ایسی عورت جس کی آنکھوں کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۞﴾ (37/الصافات:48) ”اور ان کے پاس ہیں نگاہ نیچی رکھنے

والیاں، بڑی آنکھوں والیاں۔'' وحشی/نیل گائے کی آنکھیں بھی چونکہ موٹی اور خوب صورت ہوتی ہیں لہٰذا اسے بھی عَيْنَاء کہا جاتا ہے۔

**مَعِيْنٌ** لغت میں اس لفظ کے دو مادے آتے ہیں (۱) م ع ن (ف) مَعْنًا، جس کا مطلب ہے پانی جاری ہونا، پانی جاری کرنا اور (۲) ع ی ن (ض) عَيْنًا، جس کا بھی ایک مطلب ہے پانی جاری ہونا۔ چنانچہ اس کا مادہ اگر م ع ن ہو تو یہ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی ''ہمیشہ اور ہر حال میں جاری شفاف پانی جو کبھی خشک نہ ہو۔'' اور اگر اس کا مادہ ع ی ن ہو تو پھر یہ مَفْعِلٌ کے وزن پر ظرف مکان ہے بمعنی ''پانی جاری ہونے کی جگہ''۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اصل میں مَعْيِنٌ بنے گا، جو پھر قواعد کے اطلاق کے بعد مَعِيْنٌ بن جائے گا۔ حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکویؒ نے ''منتخب لغات القرآن'' میں سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت یہ دونوں باتیں لکھ دی ہیں، البتہ زیادہ تر علماء کی رائے کے مطابق اس لفظ کا مادہ 'م ع ن' ہے (واللہ اعلم)۔ ہم اس لفظ کو 'ع ی ن' کے تحت بھی پڑھ رہے ہیں اور انشاء اللہ سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت 'م ع ن' میں بھی پڑھیں گے۔ ﴿وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴾ (23/المؤمنون:50) ''اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور جہاں چشمے جاری تھے۔''

**قَدْ** قَدْ حرفِ تحقیق ہے اور فعل کے ساتھ مخصوص ہے۔ فعل ماضی پر بھی داخل ہوتا ہے اور مضارع پر بھی۔ ماضی پر داخل ہو تو (۱) ماضی مطلق کو ماضی قریب بنا دیتا ہے اور (۲) تاکید اور فی الواقع ہونے کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور شک کو دور کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (23/المومنون:1) ''یقیناً ایمان والوں نے فلاح پالی۔'' ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ (58/المجادلۃ:1) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی۔'' کبھی تاکید بڑھانے کے لیے قَدْ پر لام تاکید بھی داخل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (48/الفتح:18) ''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا۔'' فعل مضارع پر قَدْ داخل ہو تو تکثیر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ﴾ (2/البقرۃ:144) ''ہم نے کئی بار دیکھا ہے آپؐ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا'' اس آیت میں بقول زمخشری کثرت رؤیت مراد ہے۔ قَدْ کے اور بھی کئی استعمالات ہیں جو لغات القرآن سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ك ل ل: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

**ء ن س**

(ض) اِنْسًا، اُنْسًا — کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر وحشت دور ہونا۔ اجنبیت دور ہونا۔ مانوس ہونا۔

اَلْاِنْسَانُ — البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

(افعال) اِيْنَاسًا — کسی چیز سے انس پانا۔ کسی چیز کو دیکھنا اور جاننا۔ محسوس کرنا۔ صاحبِؒ مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ''انس کے معنی نہ غور کرنا ہے نہ نظر سے دیکھنا اور نہ دیدۂ دل سے دیکھنا (یعنی دل کی نظر سے دیکھنا) بلکہ اس کا معنی مانوس ہونا یا کسی چیز کا قرائن سے معلوم ہونا اور امام راغبؒ کے الفاظ میں کسی سے انس پانا ہے۔ تاہم اپنی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے اس کا ترجمہ دیکھنا سے کر لیا جاتا ہے یعنی دُور سے یا گہری نظر سے دیکھ کر معلوم کر لینا۔'' (مترادفات القرآن:۵۰۶)۔ ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ (4/النساء:6) ''پھر اگر تم دیکھو ان میں سمجھ بوجھ۔'' ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ﴾ (27/النمل:7) ''میں نے آگ دیکھی۔''

(استفعال) اِسْتِیْنَاسًا انسیت چاہنا۔ کسی کو اپنے سے مانوس کرنا تاکہ وحشت دور ہو۔ اجازت لینا۔ اس کے ساتھ 'ل' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کے لیے جی لگا کر بیٹھنا۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ﴾ (24/النور:27) ''اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''تَسْتَاْنِسُوْا: محض اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تَسْتَاْذِنُوْا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تاکہ اسے وحشت نہ رہے۔''

(تفسیر ماجدیؒ، ص:۷۳۶)

مُسْتَاْنِسٌ ج: مُسْتَاْنِسُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ انسیت چاہنے والا۔ جی لگا کر بیٹھ رہنے والا۔ ﴿ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

## ش ر ب

(س) شَرْبًا، شِرْبًا، شُرْبًا پینا۔ ﴿ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ﴾ (2/البقرہ:249) ''پس جس نے پیا اس سے تو وہ نہیں ہے مجھ سے۔''

اِشْرَبْ ج: اِشْرَبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پی۔ ﴿ وَاشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ﴾ (7/الاعراف:31) ''اور تم لوگ پیو اور ضرورت سے زیادہ خرچ مت کرو۔''

شَارِبٌ ج: شَارِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پینے والا۔ ﴿ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴾ (47/محمد:15) ''اور کچھ نہریں ہیں لذیذ شراب کی پینے والوں کے لیے۔''

مَشْرَبٌ ج: مَشَارِبُ۔ اسم الظرف ہے۔ پینے کی جگہ۔ مَشْرَبٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے اور ﴿ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ﴾ (36/یٰسٓ:73) ''اور ان کے لیے ہے اس میں نفع اٹھانے اور پینے کے مقامات۔''

شِرْبٌ پانی پینے کی ایک باری۔ پانی کا ایک حصہ۔ ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (26/الشعراء:155) ''یہ ایک اونٹنی ہے۔ اس کے لیے ہے پینے کی ایک باری اور تمہارے لیے ہے ایک معلوم دن کی پینے کی باری۔''

شُرْبٌ یہ مصدر ہے بمعنی پینا اور اسم کا معنی بھی دیتا ہے بمعنی مشروب۔ ﴿ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴾ (56/الواقعہ:55) ''پھر وہ لوگ پینے والے ہیں پیاسے اونٹ کی طرح پینا۔''

شَرَابٌ اسم ذات ہے۔ پینے کی چیز۔ ''شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ اس سے ذہن اُردو کے لفظ شراب اور اُس کے گندھے، نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔'' (تفسیر ماجدیؒ)۔ ''ہر وہ چیز جس کو چبانا نہ پڑے بلکہ پیا جائے، عربی میں اس کے لیے شراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۶۵)۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴾ (10/یونس:4) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ہے پینے کی چیز کھولتے پانی میں سے۔'' اردو میں جسے شراب کہا جاتا ہے عربی میں اسے ''خمر'' کہتے ہیں۔

(افعال) اِشْرَابًا پلانا۔ ﴿ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ ﴾ (2/البقرۃ:93) ''اور پلایا گیا ان کے دلوں میں بچھڑے (کی محبت کو) ان کے کفر کی وجہ سے۔'' عربی محاورے میں جب کسی کی محبت یا دشمنی دل میں سرایت کر جائے تو اس کے لیے لفظ شَرَابٌ کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ اُشْرِبَ فِیْ قَلْبِهٖ حُبَّ فُلَانٍ کا مطلب ہے، اس کے دل میں اس کی محبت جڑ پکڑ گئی۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''﴿ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمْ ﴾ مراد یہ ہے کہ گوسالا کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ:۴۷)

| |
|---|
| ء ک ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

**ع ث ی**

(ف۔س) عِثِیًّا کفر یا غرور میں مبالغہ کرنا۔ سخت فساد پیدا کرنا۔ انتشار پھیلانا۔

لَا تَعْثَوْا فعل نہی ہے۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ تم فساد مت پھیلاؤ۔ آیت زیر مطالعہ۔ نوٹ: لَا تَعْثَوْا کا مادہ بعض اہل لغت نے 'ع ی ث' بھی لکھا ہے، عَیْثًا مصدر سے۔ عَیْثٌ کا لفظ زیادہ تر فسادِ حسی کے لیے بولا جاتا ہے اور عِثِیٌّ کا لفظ ذہنی اور فکری فساد کے لیے یعنی تقریروں اور لٹریچر کے ذریعے غلط عقائد اور نظریات پھیلانا۔

| |
|---|
| ء ر ض: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ ف س د: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے۔ اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ اِذْ کو آگے ملانے کے لیے زیر دی ہے۔ اِسْتَسْقٰی کے فاعل حضرت موسیٰؑ ہیں اور لِقَوْمِهٖ متعلق فعل ہے۔ فَقُلْنَا میں 'ف' عطف کا ہے اور قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ اِضْرِبْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے، بِعَصَاکَ متعلق فعل ہے اور اَلْحَجَرَ مفعول ہے اس لیے نصب میں ہے۔ اِنْفَجَرَتْ کا فاعل اِثْنَتَا عَشْرَۃَ ہے۔ چونکہ گیارہ سے انیس تک کے عدد میں عَشَرَ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اس لیے اِثْنَتَا (دراصل اِثْنَتَانِ) فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے، مِنْهُ، جار مجرور متعلق فعل ہیں اور 'ہ' ضمیر اَلْحَجَرَ (پتھر) کے لیے ہے، جبکہ عَیْنًا تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ قَدْ تاکید کے لیے ہے اور عَلِمَ کا فاعل کُلُّ اُنَاسٍ ہے۔ یہ چونکہ مرکب اضافی ہے اس لیے فاعل کی رفع صرف مضاف کُلُّ پر آئی ہے۔ مَشْرَبَھُمْ بھی مرکب اضافی اور عَلِمَ کا مفعول ہے، اسی لیے منصوب ہے۔ اس کی نصب بھی صرف مضاف مَشْرَبَ پر آئی ہے۔ کُلُوْا اور اِشْرَبُوْا دونوں امر کے صیغے ہیں ان کے درمیان 'وَ' عطف کا ہے اور ان سے پہلے قُلْنَا لَھُمْ محذوف ہے۔ مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَلَا تَعْثَوْا میں 'وَ' عطف کا ہے 'لَا' نہی کا ہے اور تَعْثَوْا، مضارع مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ فِی الْاَرْضِ متعلق فعل ہے اور مُفْسِدِیْنَ دراصل لَا تَعْثَوْا میں شامل اَنْتُمْ ضمیر فاعلی کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔ اس آخری حصے کے متعلق مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ مُفْسِدِیْنَ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔''

| بِّعَصَاكَ | اضْرِبْ | فَقُلْنَا | لِقَوْمِهٖ | مُوْسٰی | وَاِذِ اسْتَسْقٰی | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اپنی لاٹھی سے | آپؑ ماریئے | تو ہم نے کہا | اپنی قوم کے لیے | حضرت موسیٰؑ نے | اور (یاد کرو) جب پینے کے لیے پانی مانگا | البقرۃ:60 |

| الْحَجَرَ ؕ | فَانْفَجَرَتْ | مِنْهُ | اثْنَتَا عَشْرَةَ | عَيْنًا ؕ | قَدْ عَلِمَ | كُلُّ اُنَاسٍ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| پتھر کو | پس پھوٹ نکلے | اس سے | بارہ | چشمے | جان لیا | ہر ایک گروہ نے |

| مَّشْرَبَهُمْ ؕ | كُلُوْا وَاشْرَبُوْا | مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ | وَلَا تَعْثَوْا |
|---|---|---|---|
| اپنے پینے کی جگہ کو | (اور ہم نے اُن سے کہا) تم لوگ کھاؤ اور پیو | اللہ کے رزق میں سے | اور تم لوگ انتشار مت پھیلاؤ |

| فِي الْاَرْضِ | مُفْسِدِيْنَ |
|---|---|
| زمین میں | فساد برپا کرنے والے ہوتے ہوئے |

**نوٹ** صاحبِ مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ”اَفْسَدَ کا اطلاق صرف ایک بار فساد کرنے پر بھی ہو سکتا ہے اور جب فساد عادت کی شکل اختیار کر جائے تو عَاثَ یا عَثَا آئے گا۔“ (مترادفات القرآن، ص ۶۶۷)۔ اور حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ”لَا تَعْثَوْا، عثیٌ سے مشتق ہے جس کے معنی سخت فساد مچانے کے ہیں۔ یعنی مفسد اور فسادی تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اس کو پھیلاؤ“ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۱۸۹)۔ گویا فسادی کا فساد جب اس کی ذات سے عام معاشرے میں پھیلنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اس کی زد میں آنے لگیں تو یہ شدتِ فساد یعنی عثیٌ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت: 61

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱ؑ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔

### ط ع م

(س) **طَعِمَ، طَعَامًا** اِس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چکھنا۔ چکھنا، کھانے سے بھی ہو سکتا ہے اور پینے سے بھی۔ اس لیے یہ لفظ کسی چیز کو کھانے اور پینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کھانے کے لیے فرمایا: ﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ (33/الاحزاب:53) ”پس جب تم لوگ کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔“ عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے۔ اور پینے کے لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ﴾ (2/البقرۃ:249) ”اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں يَطْعَمْهُ کا ترجمہ چکھنے سے بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً: ”اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

طَعْمٌ — اسم ذات بھی ہے۔ ذائقہ۔ مزہ۔ ﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ﴾ (47/محمد:15) ''اور نہریں ہیں دودھ کی نہیں بدلتا ان کا ذائقہ۔''

طَعَامٌ — اسم ذات بھی ہے۔ اس کے عام معنی ہیں خوراک۔ کھانے کی چیز۔ کھانا۔ جیسے فرمایا: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (3/آل عمران:93) ''سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حدیث مبارک میں طعام کا لفظ گندم کے لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت میں صَاعًا مِنْ طَعَامٍ کے الفاظ آئے ہیں۔ البتہ بعض علماءِ کرام نے اس حدیث میں طعام کے عام معنی ہی لیے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی آیت 5 میں طعام کا لفظ ''ذبیحہ'' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ (5/المائدۃ:5) ''اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔'' اور کبھی طعام کا لفظ اِطْعَامٌ ''کسی کو کھانا کھلانا'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوجاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝﴾ (107/الماعون:3) ''اور فقیر کے کھانا کھلانے پر رغبت نہیں دلاتا۔''

طَاعِمٌ — اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔ ﴿لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ (6/الانعام:145) ''میں نہیں پاتا اس میں جو وحی کیا گیا میری طرف کسی حرام کی ہوئی چیز کو کھانے والے پر، وہ کھاتا ہے جس کو۔''

(افعال) اِطْعَامًا — کسی کو کھانا کھلانا۔ کسی کو کھانا دینا۔ ﴿الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ﴾ (106/قریش:4) ''جس نے کھلایا ان کو بھوک میں۔''

اَطْعِمْ — ج: اَطْعِمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کھلا۔ ﴿وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ﴾ (22/الحج:36) ''اور تم لوگ کھلاؤ قناعت کرنے والے کو (یعنی سوال نہ کرنے والے کو) اور مانگنے والے کو۔''

(استفعال) اِسْتِطْعَامًا — کھانا مانگنا۔ ﴿اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا﴾ (18/الکہف:77) ''جب وہ دونوں پہنچے بستی والوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا اس کے رہنے والوں سے۔''

## و ح د

(ض) وَحْدًا، وَحْدَةً — تنہا ہونا۔ اکیلا ہونا۔ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ﴾ (7/الاعراف:70) ''انہوں نے کہا کیا آپؐ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔'' قاموس القرآن کے مطابق وَحْدٌ کا لفظ ضمیر واحد کی طرف مضاف ہوکر ہی استعمال ہوتا ہے جیسے خَلَقَ اللّٰهُ الْعَالَمَ وَحْدَهٗ، تنہا اللہ نے دنیا پیدا کی۔

وَاحِدٌ — فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تنہا۔ اکیلا۔ ایک۔ ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ (2/البقرۃ:163) ''اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔'' کبھی اس کا استعمال اَحَدٌ کے معنی میں بھی ہوتا ہے یعنی لاثانی، بے نظیر۔ عربی میں کہا جاتا ہے هُوَ وَاحِدُ قَوْمِهٖ۔ وہ اپنی قوم میں لاثانی ہے یعنی علم وفضیلت وغیرہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں یہی معنی مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝﴾ (39/الزمر:4) ''وہی اللہ ہے اکیلا، سب پر غالب۔'' گنتی کا سب سے پہلا عدد بھی ہے یعنی ایک اور کبھی وَاحِدٌ، عدد کی صفت کے طور پر آتا ہے مثلاً اَلْفٌ وَاحِدٌ (ایک ہزار)۔

وَاحِدَةٌ — وَاحِدٌ کی مونث۔ ایک۔ اکیلی۔ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ﴾ (2/البقرۃ:213) ''تھے سب لوگ ایک دین پر۔'' عَشَرَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک عشرہ)، مِائَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک سو)۔

**وَحِيدٌ** فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تنہا۔ اکیلا۔ منفرد۔ ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴾(74/المدثر:11) ’’آپ چھوڑ دیں مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا اکیلا۔‘‘

| | | |
|---|---|---|
| دع و: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ | د ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرة آیت 22 دیکھیں۔ |

**ن ب ت**

(ن) **نَبْتًا اور نَبَاتًا** کسی چیز کا اگنا یا اگانا۔ (لازم و متعدی)۔ ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۤءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ﴾(23/المؤمنون:20) ’’اور ایک درخت، وہ نکلتا ہے طور سینا سے، اگتا ہے روغن کے ساتھ۔‘‘ اس آیت میں تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ’’تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (وہ تیل اگاتی ہے) میں بَا حال کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، کیونکہ نَبَتَ خود متعدی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح اگتی ہے کہ تیل اس میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔‘‘ (لغات القرآن، ج ۲، ص: ۱۹۳)۔

**نَبَاتٌ** اسم ذات بھی ہے۔ زمین سے اگنے والی ہر چیز۔ زمین کی پیداوار۔ سبزہ۔ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ (7/الاعراف:58) ’’اور پاک شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔‘‘ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ’’ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے۔ اسے نَبْتٌ یا نَبَاتٌ کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ تنہ دار ہو جیسے درخت۔ یا بے تنہ۔ جیسے جڑی بوٹیاں لیکن عرف میں خاص کر نبات اسے کہتے ہیں جس کا تنہ نہ ہو۔ بلکہ عوام تو جانوروں کے چارہ پر ہی نبات کا لفظ بولتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ: ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴾(78/النبا:15) ’’تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ میں نبات سے مراد چارہ ہی ہے لیکن یہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور نباتات، حیوانات اور انسان سب پر بولا جاتا ہے اور اِنْبَات! (افعال) کا لفظ ان سب چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۲۴)

(افعال) **اِنْبَاتًا** اگانا۔ بڑھانا۔ نشوونما کرنا۔ ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۤئِقَ﴾(27/النمل:60) ’’اور اس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اس نے اگائے اس سے باغات۔‘‘ ﴿وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾(3/آل عمران:37) ’’اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴾ (71/نوح:17) ’’اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے (اور پیدا کیا ہے)۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

| |
|---|
| ء ر ض: البقرة آیت 11 دیکھیں۔ |

**بَقْلٌ:** سبزی۔ ترکاری۔ ساگ۔ تدبر قرآن کے مطابق بقل کا لفظ سبزیوں اور ترکاریوں کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔

**قِثَّاءٌ:** ایک قسم کی لمبی سبز سبزی۔ تر۔ ککڑی۔

**فُوْمٌ:** گندم۔ گیہوں۔ لہسن۔

**عَدَسٌ:** مسور۔ دال

**بَصَلٌ:** پیاز

نوٹ: اِن الفاظ کے مادوں کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن مادوں سے کوئی اور لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ الفاظ بھی صرف

اسی آیت میں آئے ہیں۔ اس لیے اِن الفاظ کا صرف ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

| |
|---|
| ب د ل: البقرۃ آیت 59 دیکھیں۔ |

| د | ن | و |
|---|---|---|

(ن-س) (ا) دُنُوًّا (۱) قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔ خواہ یہ قرب ذاتی ہو، حکمی ہو، مکانی یا زمانی ہو یا بلحاظ مرتبہ ہو یہ لفظ سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴾ (53/النجم:8) ''پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) (۲) اچھا ہونا۔ بہتر ہونا۔

(ب) دَنَايَةً، دَنَاءَةً کم تر ہونا۔ حقیر ہونا۔ ذلیل ہونا۔

دَانٍ مؤنث دَانِيَةٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ قریب ہونے والا۔ جھکنے والا۔ قریب۔ ﴿ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴾ (55/الرحمٰن:54) ''اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ ﴾ (69/الحاقۃ:22-23) ''اونچے باغ میں جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اَدْنٰى افعل التفضیل ہے۔ واحد مذکر۔ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ ﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾ (2/البقرۃ:282) ''اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ ﴾ (4/النساء:3) ''اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ﴾ (5/المائدۃ:108) ''یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ ﴾ (73/المزمل:20) ''بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ ﴾ (30/الروم:3) ''اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۲) زیادہ بہتر۔ زیادہ مناسب۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ (33/الاحزاب:59) ''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔

(۳) اگر ''خیر'' (بہتر) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے ''حقیر، کم تر'' مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾ ''کیا تم لینا چاہتے ہو وہ جو کم تر ہے اس کے بدلے جو بہتر ہے۔''

(۴) اگر ''اکثر'' (زیادہ) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے ''کم'' مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ﴾ (58/المجادلۃ:7) ''اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۵) اگر ''اکبر'' (بڑا) کے مقابلے پر استعمال ہو اس سے ''چھوٹا یا تھوڑا'' مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَ

لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ ﴾(32/السجدۃ:21)''بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔''(ترجمہ احسن البیان)۔''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(٦) اَلْاَدْنٰى، قرآنِ مجید میں''دنیا'' کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ ﴾(7/الاعراف:169)''پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ لیتے ہیں اِس دنیا کا عارضی سامان اور کہتے ہیں ہمیں بخش دیا جائے گا۔'' اس آیت میں اَلْاَدْنٰى کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''لفظ اَدْنٰى، دُنُوٌّ بمعنی قرب سے بھی مشتق

کہا جا سکتا ہے، اِس صورت میں اَدْنٰى کے معنی اَقْرَب کے ہوجائیں گے، اسی کا مونث دُنْيَا ہے جس کے معنی قریب کے ہیں، آخرت کے مقابلہ یہ جہان انسان سے زیادہ قریب ہے اس لیے اس کو اَدْنٰى اور دُنْيَا کہا جاتا ہے، اور دُوسرا اِحتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ دَنَاءَة بمعنی ذلت سے مشتق ہو تو اس کے معنی ذلیل وحقیر کے ہوجائیں گے، دنیا اور اس کے سب سامان بمقابلہ آخرت کے حقیر وذلیل ہیں اس لیے اس کو اَدْنٰى اور دُنْيَا کہا گیا۔''(معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۰۳)

اَلدُّنْيَا — لفظ دُنْيَا دراصل اَفْعَلُ التَّفْضِيل میں مونث کے صیغے فُعْلٰى کے وزن پر ہے۔ اصل میں دُنْوٰى بنتا ہے۔'وْ' کو'یْ' میں تبدیل کر کے دُنْيَا لکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اسے معرّف باللام اَلدُّنْيَا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اسے دُنُوٌّ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا لفظی معنی 'زیادہ نزدیک، زیادہ قریب' بنتا ہے اور اگر اسے دَنَاءَةٌ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا معنی 'زیادہ حقیر، زیادہ ذلیل' بنتا ہے۔ اصطلاحاً اس سے مراد زمین اور زمینی زندگی ہے اور یہ لفظ آخرت کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ﴾(22/الحج:11)''اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔'' آخرت کے مقابلے میں اس جہاں کے لیے جب اَدْنٰى یا دُنْيَا کا لفظ استعمال ہو تو اس سے دونوں مفہوم مراد لیے جاتے ہیں یعنی یہ جہاں، انسان سے آخرت کے مقابلے میں زیادہ قریب بھی ہے اور اس کا کل سامان آخرت کے مقابلے میں حقیر بھی ہے۔

اگر یہ لفظ''اَقْصٰى'' کے مقابلے پر آئے تب بھی اس سے قریب کا مفہوم لیا جاتا ہے جیسے فرمایا:﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾(8/الانفال:42)''جب تم (مدینے کے) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (کافر) بعید کے ناکے پر۔''

(افعال) اِدْنَاءً — قریب کرنا۔ لپیٹ لینا۔ اس کے ساتھ جب عَلٰى کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے اوپر سے لٹکا لینا﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾(33/الاحزاب:59)''اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''اِدْنَاء کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ عَلٰى کا صلہ آئے تو اس میں اِرْخَاء یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔''(تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۲۹)

خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ ھ ب ط: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔

م ص ر

(ن) مَصْرًا — کوئی سی چیزوں کے درمیان حد ہونا۔

مِصْرٌ — اگر معرب ہو تو اس کا مطلب ہے کوئی بھی فصیل والا شہر۔ آیت زیر مطالعہ۔

مِصْرُ — اگر غیر منصرف ہو تو اس کا مطلب ہے ملک مصر۔ ﴿ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ ﴾ (43/الزخرف:51) ''اے میری قوم کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی حکومت/سلطنت۔''

س ء ل

(ف) سُؤَالًا — سوال کرنا۔ سوال کرنا کبھی تو کسی سے کوئی چیز مانگنے کے لیے ہوسکتا ہے اور کبھی کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنے اور جاننے کے لیے۔ چنانچہ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر انہی دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی سے کوئی چیز مانگنا یا طلب کرنا۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ کس سے مانگا اور کیا مانگا۔ جس سے مانگا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور جو چیز مانگی جائے وہ کبھی بنفسہٖ آتی ہے کبھی مِنْ کے صلے کے ساتھ اور کبھی 'ب' کے صلے کے ساتھ۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔'' ﴿ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ ﴾ (10/یونس:72) ''تو میں نے نہیں مانگا تم سے کوئی بھی معاوضہ۔'' ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ ﴾ (70/المعارج:1) ''مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۲) کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا۔ جس سے پوچھا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں پوچھا جائے وہ کبھی مفعول بنفسہٖ ہوتا ہے۔ جیسے سَاَلْتُہٗ کَذَا، کبھی عَنْ کے صلے کے ساتھ آتا ہے جیسے سَاَلْتُہٗ عَنْ کَذَا اور کبھی 'ب' کے صلے کے ساتھ جیسے سَاَلْتُہٗ بِکَذَا۔ البتہ عَنْ کا صلہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں تینوں طرح استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ ﴾ (39/الزمر:38) ''اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ (17/بنی اسرائیل:85) ''اور وہ آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔'' ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ ﴾ (70/المعارج:1) ''پوچھا ایک پوچھنے والے نے ایک عذاب کے بارے میں جو واقع ہو کر رہے گا'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق یہاں بِعَذَابٍ میں 'ب'، 'عَنْ' کے مرادف ہے۔ (واللہ اعلم)۔ تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن میں اس آیت میں سَاَلَ کے بارے میں دونوں وضاحتیں لکھ دی گئی ہیں۔ یعنی سَاَلَ کا مفہوم ''مانگنے'' یا ''پوچھنے'' دونوں ہو سکتے ہیں اسی لیے اس آیت کو دونوں جگہ لکھ دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

سُؤَالٌ — بطورِ اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ درخواست۔ مطالبہ۔ سوال۔ ﴿ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِہٖ ﴾ (38/صٓ:24) ''(داؤدؑ) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی تجھ پر ظلم کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

سُؤْلٌ — اسم ذات ہے۔ درخواست۔ التجا۔ سوال۔ ﴿ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ۝ ﴾ (20/طٰہٰ:36) ''جواب ملا منظور کرلی گئی ہے آپؑ کی درخواست اے موسیٰؑ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِسْئَلْ　ج:اِسْئَلُوْا۔فعل امر ہے۔تو مانگ۔تو پوچھ۔قرآن مجید میں یہ زیادہ تر جملے کے درمیان میں مَا قبل سے ملا کر لکھا گیا ہے اور ھمزۃ الوصل گرا کر فَسْئَلْ یا وَسْئَلْ آیا ہے۔دو جگہ جملہ کے شروع میں آیا ہے وہاں بھی مادہ کا ھمزہ گرا کر صرف سَلْ آیا ہے۔﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا﴾(12/یوسف:82)''تو آپؑ اُس شہر کے لوگوں سے پوچھ لیں جہاں ہم تھے۔'' ﴿وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا﴾(60/ممتحنۃ:10)''اور تم لوگ مانگو جو تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ لوگ مانگیں جو انہوں نے خرچ کیا۔'' ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(16/النحل:43)''پس تم پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔'' ﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ﴾(2/البقرہ:211)''تو پوچھ بنی اسرائیل سے ہم نے دیں ان کو کتنی ہی روشن نشانیاں۔''

سَائِلٌ　ج: سَائِلُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔ مانگنے والا۔ پوچھنے والا۔ ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾(51/الذریات:19)''اور ان کے اموال میں حق ہے مانگنے والوں کے لیے اور سوال سے بچنے والوں کے لیے۔'' ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ﴾(12/یوسف:7)''یقینا یوسفؑ اور ان کے بھائیوں میں نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔''

مَسْئُوْلٌ　ج: مَسْئُوْلُوْنَ۔اسم المفعول ہے۔ جو مانگا جائے۔ جس کے متعلق پوچھا جائے۔ جس سے سوال کیا جائے۔ جس سے پوچھ گچھ کی جائے۔﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾(17/بنی اسرائیل:36)''بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اُس سے پوچھ ہوگی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾(37/الصافات:24)''اور اُن کو (ذرا) ٹھہراؤ اُن سے پوچھ گچھ ہوگی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

(تفاعل)　تَسَاؤُلًا　باہم ایک دوسرے سے پوچھنا، مانگنا، سوال کرنا۔﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾(78/النبا:1)''کس چیز کے بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔''

| |
|---|
| ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ذ ل ل |

(ض)　ذُلًّا، ذِلَّةً، ذَلَالَةً　(۱) نرم ہونا، عاجزی کرنا (۲) تابعدار یا مطیع ہونا، جھک جانا (۳) ذلیل وخوار ہونا۔﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾(20/طٰہٰ:134)''کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری نشانیوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔''

ذُلٌّ　مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ تابعداری۔ انکساری۔ عاجزی۔﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾(17/بنی اسرائیل:24)''اور جھکا دو اُن کے لیے تواضع وانکسار کے پَر رحمت (ومحبت) سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔امام راغبؒ فرماتے ہیں:''ذُلٌّ (بضمہ ذال) زور وقہر کی وجہ سے جھکنے کو کہتے ہیں مگر جب طبیعت کی تیزی اور سختی از خود مغلوب ہو جائے تو اسے ذِلٌّ (بکسرۂ ذال) کہا جاتا ہے۔لہٰذا بنی اسرائیل:۲۴ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے مقہور ومجبور بن کر رہو۔اور ایک قراءت میں جَنَاحَ الذِّلِّ (بکسرۂ ذال) ہے یعنی ان کے سامنے نرم خو اور اطاعت گزار بن کر رہا کرو۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص۳۶۵)

ذِلَّةٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ ذلت۔ خواری۔ زیر دستی۔ کمزوری۔ اس کی ضد عِزَّۃٌ ہے جس کے معنی ہیں بالادستی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذَلِيْلٌ ج: اَذِلَّةٌ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اس کی ضد عَزِیْزٌ ہے جس کی جمع اَعِزَّۃٌ ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) نرم دِل۔ مہربان۔ ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (5/المایدہ:54) ’’نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) ’’ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)

(۲) کمزور۔ بے سروسامان۔ ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ (3/آل عمران:123) ’’اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) ’’اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم پست تھے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔‘‘

(۳) ذلیل۔ بے عزت۔ ﴿ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ﴾ (27/النمل:34) ’’کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) ’’وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (27/النمل:37) ’’اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔

اردو زبان میں ذلیل کا لفظ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ جبکہ عربی زبان میں، جیسے کہ آپ نے ابھی پڑھا، یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس لفظ کی مزید وضاحت لکھ دی جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ آل عمران کی آیت 123 کے تحت فرماتے ہیں: ’’اَذِلَّةٌ، ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا مقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زور آور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتواں اور دوسروں کے لیے لقمۂ تر کے ہیں اخلاقی رذالت اس لفظ کے بنیادی اجزا میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدہ:54) ’’وہ مسلمانوں کے لیے نہایت نرم اور کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں۔‘‘ یعنی اگر کفار ان کے اندر انگلی دھنسانا اور ان کو اپنے اغراض کے لیے نرم کرنا چاہیں تو وہ پتھر کی چٹان ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے نہایت نرم خو ہیں۔ وہ ان سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آیت زیر بحث (آل عمران:123) میں بھی یہ لفظ مسلمانوں کی صرف اس وقت کی عددی و مادی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں اخلاقی ضعف و ذلت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔‘‘ (تدبر قرآن، ج ۲، ص ۱۷۰)۔

اور صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ’’اَذِلَّةٌ (ذلیل کی جمع) اس کی ضد اَعِزَّۃ ہے جو عَزِیْز کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں عموماً ذلیل کے معنی رذیل، خسیس اور کمینہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور عَزِیْز کے معنی قریبی رشتہ دار۔ یہ دونوں مفہوم لغوی لحاظ سے غلط ہیں۔ حقیقت میں ذلیل کے معنی زیردست اور عَزِیْز کے معنی بالادست ہیں۔ ذَلِیْل کے مفہوم کا تصور عَزِیْز کے مقابلہ کے بغیر محال ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ارشادِ باری ہے: ﴿وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ (3/آل عمران:123) ''اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی جبکہ تم کمزور تھے۔'' (مترادفات القرآن، ص ۵۲۹)۔

**اَذَلُّ** ج: اَذَلُّوْنَ۔ اَذَلِّيْنَ۔ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ کمزور۔ زیادہ ذلیل۔ ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ﴾ (63/المنافقون:8) ''کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے، وہاں سے کمزور (ذلیل) لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝﴾ (58/المجادلۃ:20) ''بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**ذَلُوْلٌ** ج: ذُلُلٌ۔ فَعُوْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ تابعدار۔ سدھایا ہوا۔ پست۔ مسخر۔ آسان۔ فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جا سکے، عرب اسے نَاقَةٌ ذَلُوْلٌ کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ﴾ (2/البقرۃ:71) ''بے شک وہ ایک گائے ہے، نہیں سدھائی گئی کہ وہ ہل چلائے زمین میں۔'' نوٹ کر لیں کہ ذَلُوْلٌ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مونث کے لیے 'ة' لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی لیے البقرۃ:71 میں بَقَرَةٌ کی صفت کے لیے اس کے ساتھ 'ة' نہیں لگائی گئی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ زمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا﴾ (67/الملک:15) ''وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس صورت میں اس سے مراد ہوتا ہے مسخر کی ہوئی زمین، نرم کی ہوئی زمین یا ہموار کی ہوئی زمین۔ ذَلُوْلٌ کی جمع ذُلُلٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ (16/النحل:69) ''پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے راستوں میں چل جو تیرے لیے آسان ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(افعال) **اِذْلَالًا** ذلیل و خوار کرنا۔ ﴿وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ (3/آل عمران:26) ''تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعیل) **تَذْلِيْلًا** ذلیل کرنا۔ تابع کرنا۔ پست کرنا۔ اختیار میں کرنا۔ ﴿وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ﴾ (36/یٰسٓ:72) ''اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا﴾ (76/الدھر:14) ''اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

س ك ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔

**ب و ء**

(ن) **بَوْءٌ** لغت میں اس کے تین معنی آتے ہیں۔ (۱) لوٹنا۔ پھرنا۔ (۲) مستحق ہونا۔ حق دار ہونا۔ (۳) کمانا۔ ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (3/آل عمران:162) ''کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''کیا جو شخص رضائے الٰہی کا تابع ہے وہ بھلا اس جیسا ہو جائے گا جو غضب الٰہی کا مستحق ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اُس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی بَآءُوْ کا ترجمہ پہلے اور

دوسرے معنی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔﴿ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ ﴾(5/المائدۃ:29)''میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو لوٹے میرے قتل کے گناہ اور اپنے پچھلے گناہ کے ساتھ۔''

(تفعیل) تَبۡوِیَۃً کسی کو ٹھکانا دینا۔ کسی مناسب مقام کا تعین کرنا۔ جگہ مقرر کرنا۔﴿ وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ﴾(16/النحل:41)''اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا تھا ہم اُن کو دنیا میں بھی بہت اچھا ٹھکانا دیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِیۡمَ مَكَانَ الۡبَیۡتِ ﴾(22/الحج:26)''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَ اِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ﴾(3/آل عمران:121)''اور یاد کرو (اے محبوبؐ) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپؐ اپنے گھروں سے (اور میدانِ اُحد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُبَوَّءٌ اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ٹھکانہ۔ اقامت کی جگہ۔﴿ وَ لَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ ﴾(10/یونس:93)''اور یقیناً ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو، سچائی کا ٹھکانہ (یعنی بہترین ٹھکانہ)۔''

(تفعّل) تَبَوُّءٌ اقامت اختیار کرنا۔﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ﴾(12/یوسف:56)''اور اس طرح ہم نے اختیار دیا یوسفؑ کو اس زمین میں یعنی ملکِ مصر میں کہ وہ اقامت اختیار کریں اس میں جہاں وہ چاہیں۔'' حدیث مبارک میں فرمایا: مَنۡ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلۡیَتَبَوَّأۡ مَقۡعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ''جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔'' (بحوالہ مفردات القرآن ج ا ص ۱۲۹)

| | | |
|---|---|---|
| غ ض ب: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | |

## ن ب و

(ن) نَبۡوَۃً بلند و بالا ہونا۔

نَبِیٌّ ج: نَبِیُّوۡنَ اور اَنۡبِیَاءُ۔ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بلند و بالا۔ اعلیٰ وارفع۔ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے۔﴿ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الۡكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾﴾(19/مریم:30)''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے دی مجھے کتاب اور اس نے بنایا مجھے نبی۔''﴿ وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ﴾(2/البقرۃ:136)''اور جو دیا گیا نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔''﴿ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ ﴾(2/البقرہ:91)''تو کیوں تم لوگ قتل کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے۔'' مولانا مودودیؒ نَبِیٌّ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نَبِیٌّ' کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ نَبَأ سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی ''خبر دینے والے'' کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے، یعنی رفعت اور بلندی۔ اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے ''بلند مرتبہ'' اور ''عالی مقام''۔ ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبیء ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں اور انبیاء کو نبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔ پس کسی شخص کو

’’رسول نبی‘‘ کہنے کا مطلب یا تو ’’عالی مقام پیغمبر‘‘ ہے یا ’’اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر‘‘ یا پھر ’’وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۷۲)۔ البتہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید میں کسی نبی کے لیے نَبِیْءٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ نَبِیٌّ آیا ہے۔ خود حضورؐ نے بھی اپنے لیے نَبِیٌّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے حضورؐ کو خطاب کر کے کہا یَا نَبِیْءَ اللّٰہِ، تو آپؐ نے ان کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: ’’لَسْتُ بِنَبِیْءِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ نَبِیُّ اللّٰہِ۔‘‘ اب عربی میں نَبِیْءٌ کا لفظ جھوٹے مدعی نبوت کے لیے آتا ہے۔ جیسے تَنَبَّأَ مُسَیْلَمَۃُ (جھوٹا دعویٰ نبوت کیا مسیلمہ نے)۔

نُبُوَّۃٌ: اسم ذات ہے۔ بلندی۔ سرفرازی۔ نبوت۔ نبوت کے اصطلاحی معنی ہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پیغمبری ملنا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ (6/الانعام:89) ’’یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکم اور نبوت۔‘‘

| |
|---|
| غَیْرُ: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

**ع ص ی**

(ض) عِصْیَانًا، عَصْیًا اور مَعْصِیَۃً: حکم عدولی کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ اطاعت سے نکل جانا۔ ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ (73/المزمل:16) ’’پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی۔‘‘ ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (14/ابراہیم:36) ’’پس جس نے پیروی کی میری تو بے شک وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو یقینا تو بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔‘‘ ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ (66/التحریم:6) ’’نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اُس نے اُنہیں حکم دیا۔‘‘

یَعْصِ: مضارع مجزوم ہے۔ ﴿مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (33/الاحزاب:36) ’’اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بھٹک گیا کھلی گمراہی میں۔‘‘

عَصِیٌّ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ یا مبالغے کا صیغہ ہے۔ بڑا نافرمان۔ بہت حکم عدولی کرنے والا (اس میں ہمیشہ یا مسلسل نافرمانی کرنے کا مفہوم ہے)۔ ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ (19/مریم:44) ’’بے شک شیطان رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے۔‘‘

مَعْصِیَۃٌ: مصدر میمی بھی ہے اور اسم بھی۔ مطلب ہے نافرمانی کرنا۔ اور نافرمانی، حکم عدولی۔ ﴿فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ (58/المجادلہ:9) ’’تو تم لوگ باہم مشورہ مت کرو گناہ کا اور سرکشی کا اور ان رسولؐ کی نافرمانی کا۔‘‘

عِصْیَانٌ: مصدر کے علاوہ بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ یہ لفظ اطاعت کی ضد ہے۔ ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (49/الحجرات:7) ’’اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| |
|---|
| ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |

**ترکیب** وَ عطف کا ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یٰمُوْسٰی میں، یَا حرف نداء ہے اور موسیٰ منادیٰ۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے نَصْبِرَ حالت نصب میں ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زور دار نفی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ متعلق ہے نَصْبِرَ کے۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ مرکب توصیفی ہے۔ فَادْعُ میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ اُدْعُ فعل امر ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور رَبَّكَ مفعول ہے۔ اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یُخْرِجْ مجزوم ہوا ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے۔ مِمَّا مرکب ہے۔ مِنْ حرف جار اور 'مَا' اسم موصول کا۔ تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ جملہ فعلیہ صلہ ہے 'مَا' موصول کا اس میں تُنْۢبِتُ فعل ہے اور الْاَرْضُ اس کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی مِمَّا تُنْۢبِتُهُ الْاَرْضُ، صلہ اور موصول مل کر حالت جر میں ہیں مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق ہیں یُخْرِجْ سے۔ مِنْۢ بَقْلِهَا میں 'مِنْ' بیانیہ ہے جو تفصیل یا وضاحت کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہ مِمَّا میں اسم موصول 'مَا' کی وضاحت کر رہا ہے۔ بَقْلِهَا سے بَصَلِهَا تک سارے مرکب اضافی ہیں۔ سارے مضاف مِنْ کی وجہ سے حالت جر میں ہیں اور 'ھَا' ضمیریں، اَلْاَرْضُ کے لیے ہیں۔ قَالَ، ماضی میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ میں 'اَ' استفہامیہ ہے۔ تَسْتَبْدِلُوْنَ مضارع میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اَلَّذِیْ۔ اسم موصول ہے اور آگے جملہ اسمیہ هُوَ اَدْنٰی اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں تَسْتَبْدِلُوْنَ کا۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جو چاہی جا رہی ہے اور آگے 'بِ' صلے کے ساتھ اس چیز کا ذکر ہے جس کے بدلے میں چاہی جا رہی ہے۔ چنانچہ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ میں 'بِ' حرف جر ہے اَلَّذِیْ اسم موصول اور جملہ اسمیہ هُوَ خَیْرٌ اس کا صلہ ہے۔ اور صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں 'بِ' کی وجہ سے۔ اِهْبِطُوْا۔ فعل امر ہے اور مِصْرًا مفعول بِہٖ ہے۔ فَاِنَّ میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ 'مَا' اسم موصول اور سَاَلْتُمْ جملہ فعلیہ اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ وَضُرِبَتْ میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔ ضُرِبَتْ فعل مجہول ہے۔ عَلَيْهِمُ متعلق فعل ہے اور اَلذِّلَّةُ اور اَلْمَسْكَنَةُ نائب الفاعل ہیں۔ بَآءُوْ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کے واو الجمع کا الف خلاف قاعدہ گرا ہوا ہے۔ آگے بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اس سے متعلق ہے۔ ذٰلِكَ۔ مبتدا ہے اور اس سے ذلت اور مسکنت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور بِاَنَّهُمْ سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ بِاَنَّهُمْ میں 'بِ' سببیہ ہے۔ اَنَّ۔ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ هُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور جملہ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ، جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ آگے ذٰلِكَ۔ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے بِمَا سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے۔ جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ بِمَا میں 'بِ' سببیہ ہے۔ 'مَا' مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ یہاں ذٰلِكَ کا اشارہ بھی ذلت اور مسکنت کی طرف ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے، كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ یَعْتَدُوْنَ، كَانَ کی خبر ہے۔ اس جملے میں بھی 'مَا' مصدریہ کی وجہ سے مصدری معنی پیدا ہو گئے ہیں اور یہ جملہ اِن معنوں میں ہے ذٰلِكَ بِعِصْيَانِهِمْ وَبِكَوْنِهِمْ يَعْتَدُوْنَ۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَاِذْ قُلْتُمْ | یٰمُوْسٰی | لَنْ نَّصْبِرَ | عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:61 | اور (یاد کرو) جب کہا تم نے | اے موسیٰؑ | ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے | ایک ہی طرح کے کھانے پر |

| فَادْعُ | لَنَا | رَبَّكَ | يُخْرِجْ لَنَا | مِمَّا |
|---|---|---|---|---|
| پس آپؐ پکاریئے | ہمارے لیے | اپنے رب کو | کہ وہ نکالے ہمارے لیے | اس میں سے جو |

| تُنْۢبِتُ | الْاَرْضُ | مِنْ | بَقْلِهَا | وَقِثَّآئِهَا | وَفُوْمِهَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اُگاتی ہے | زمین | جیسے کہ | اس کی سبزی | اور اس کی ککڑی | اور اس کی گندم/لہسن |

| وَعَدَسِهَا | وَبَصَلِهَا ؕ | قَالَ | اَتَسْتَبْدِلُوْنَ |
|---|---|---|---|
| اوراس کی مسور | اوراس کا پیاز | انہوںؑ نے کہا | کیاتم تبدیلی میں چاہتے ہو |

| الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى | بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ | اِهْبِطُوْا | مِصْرًا | فَاِنَّ |
|---|---|---|---|---|
| اس کو جو کمتر ہے | اس کے بدلے جو بہتر ہے | تم اترو | کسی شہر میں | تو یقیناً |

| لَكُمْ | مَّا سَاَلْتُمْ ؕ | وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ | الذِّلَّةُ | وَالْمَسْكَنَةُ ق |
|---|---|---|---|---|
| تمہارے لیے ہے | وہ جو تم نے مانگا | اوران پر تھوپ دی گئی | ذلت | اور محتاجی |

| وَبَآءُوْ | بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ | ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ |
|---|---|---|
| اور وہ لوگ لوٹے/مستحق ہوگئے | اللہ کے غضب کے ساتھ/ اللہ کے غضب کے | یہ اس لیے کہ وہ |

| كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ | بِاٰيٰتِ اللّٰهِ | وَيَقْتُلُوْنَ | النَّبِيّٖنَ | بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| انکار کیا کرتے تھے | اللہ کی آیات کا | اور قتل کیا کرتے تھے | نبیوں کو | ناحق |

| ذٰلِكَ بِمَا | عَصَوْا | وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ |
|---|---|---|
| یہ اس سبب سے جو | انہوں نے نافرمانی کی | اور جو وہ حد سے تجاوز کیا کرتے تھے |

**نوٹ** آیت کی ترکیب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ لفظ بَآءُوْ میں الف خلافِ قاعدہ محذوف ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھ لیں۔ ابتداءً جب قرآن مجید لکھا گیا تو کچھ الفاظ اس طرح نہیں لکھے گئے جیسے عام عربی میں لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً صَلَاةٌ کے بجائے صَلٰوةٌ۔ اسی طرح واوِ الجمع کا لفظ بعض مقامات پر یا تو خلافِ قاعدہ لکھا گیا ہے یا محذوف ہے۔ اب یہ تحقیق و تفتیش کہ ایسا کیوں ہوا، ایک ایسی سعی ہے جس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اس حوالے سے جو بات سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداءً قرآن مجید جس طرح لکھا گیا تھا، آج تک اسے اسی طرح لکھا جا رہا ہے (اسے رسمِ عثمانی کہا جاتا ہے)۔ اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام پر جو لفظ جس طرح لکھا ہے، اس مقام پر وہی قرآن کا درست املا ہے۔ کسی لفظ کو مروجہ عربی کے مطابق لکھنا یا کسی خلافِ قاعدہ لفظ کو درست کر کے قاعدے کے مطابق لکھنا قرآن مجید کا غلط املا شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے تَتَذَكَّرُوْنَ اور تَذَكَّرُوْنَ ایک ہی لفظ ہے اور اسے دونوں طرح لکھنا درست ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جس مقام پر تَتَذَكَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَذَكَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے اور جہاں تَذَكَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَتَذَكَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کے درجات بلند فرمائے جنہوں نے اتنے غیر لچکدار (RIGID) اصول وضع کر کے قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت:62

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ ﴾

| |
|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ھ و د |

(ن) هَوْدًا (۱) توبہ کرنا۔ رجوع کرنا۔ حق کی طرف لوٹنا۔ (۲) یہودی ہونا۔ یہودی بننا۔ ﴿ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ (7/ الاعراف:156) ''بے شک ہم نے رجوع کیا تیری طرف۔'' ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ﴾ (62/ جمعہ:6) ''اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تم کو زعم ہے کہ تم لوگ اللہ کے دوست ہو، دوسروں کے سوا، تو تم لوگ تمنا کرو موت کی۔''

اَلَّذِيْنَ هَادُوْا اس آیت مبارکہ میں اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کی اصطلاح پہلی مرتبہ آئی ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی وضاحت کر دی جائے۔ حضرت مولانا مودودیؒ سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر 6 ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ نکتہ قابل توجہ ہے ''اے یہودیو'' نہیں کہا ہے بلکہ ''اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو'' یا ''جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی ہے'' فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل دین جو موسیٰؑ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا، اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اِس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اُس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اُس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی، اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کر لی جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کر دیا بلکہ اُن اسرائیلی قبیلوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ، اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے ''یہود'' ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور اَحبار نے اپنے خیالات و نظریات اور رُجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل ہے۔ اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، یعنی ''اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو۔'' ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے، بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ''اے بنی اسرائیل'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور جہاں مذہب یہود

کے پیروؤں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص ۴۸۹) اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں ''اَلَّذِيْنَ هَادُوْا'' ''اور جو لوگ یہودی ہوئے'' یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں۔ خواہ پہلے سے یہودی چلے آ رہے ہوں یا پہلے مشرک تھے اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لیے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل کے نام کے ایک خاندان کا چلا آ رہا تھا۔ اب ذکر ان کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ اَلَّذِيْنَ هَادُوْا آیا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔ تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے۔ لیکن یہود کی صحبت سے متاثر، اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۴۳، ملخصاً)

**هُوْدٌ** یہ اسم الفاعل هَائِدٌ کی جمع ہے یعنی توبہ کرنے والا۔ رجوع کرنے والا۔ قرآن مجید میں یہ اسم علم کے طور پر آیا ہے۔ (۱) بنی اسرائیل کا فرد۔ یہودی۔ هَادَ کے معنی نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ رجوع کرنا بھی ہے اور یہودی ہونا بھی۔ تورات کو تلاوت کے وقت آہستہ آہستہ اور جھوم کر پڑھنے سے ان کا نام یہودی ہوا (مفردات) اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان کی نسبت حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا کی طرف ہے۔ اور بعض بزرگوں کے مطابق بچھڑے کی پرستش سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے۔ ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ (2/البقرۃ:135) ''اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو تم لوگ ہدایت پاؤ گے۔'' (۲) حضرت ھودؑ کا نام۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾ (26/الشعراء:123-124) ''جھٹلایا قوم عاد نے بھیجے ہوؤں کو یعنی رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی ہودؑ نے کہ تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے کیوں نہیں ڈرتے۔''

ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔

## ص ب ء

(ف) **صَبَأَ** مذہب تبدیل کرنا۔ بے دین ہونا۔ جب کوئی شخص اسلام لاتا تھا تو کفار کہتے تھے قَدْ صَبَأَ وہ دین سے پھر گیا۔

**صَابِئٌ** ج: صَابِئُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والا۔ بے دین ہونے والا۔ صابی مذہب کا پیروکار۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آ جائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہل کتاب تھے، اپنے کو ''نصارائے یحییٰ'' کہتے تھے۔ گویا حضرت یحییٰؑ کی اُمت تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مبصرو نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا

فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ (تفسیر ماجدی، ص ۳۴، تلخیصاً)۔
صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ”صَابِئِيْنَ، صَابِیءٌ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتداءً کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے اسی لیے قرآن میں یہودیت وعیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی، یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لا مذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔“ (احسن البیان، ص ۲۷)

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | یَوْمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**ء ج ر**

(ن) **اَجْرًا اور اُجْرَۃً** بدلہ دینا، خواہ وہ بدلہ دنیاوی ہو یا اُخروی۔ مزدوری دینا۔ کسی کی مزدوری کرنا۔ ﴿اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ﴾ (28/القصص:27) ”بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کر دوں تجھ سے دو میں سے اپنی ایک بیٹی کا، اس پر کہ تو مزدوری کرے میری آٹھ برس۔“

**اَجْرٌ** ج: اُجُوْرٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کسی کام کا بدلہ۔ اجرت۔ مزدوری۔ یہ دنیا اور آخرت، دونوں جگہ کے بدلے کے لیے آتا ہے لیکن صرف اچھے بدلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ برے بدلے کے لیے نہیں آتا۔ جبکہ لفظ جزاء اچھے اور برے، دونوں طرح کے بدلے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ (16/النحل:41) ”اور یقیناً آخرت کا بدلہ سب سے بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔“ ﴿اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ (4/النساء:152) ”یہ لوگ ہیں، وہ عنقریب دے گا ان کو ان کے بدلے۔“ قرآن مجید میں اُجُوْر کا لفظ کنایۃً عورتوں کے مہر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَّ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (4/النساء:25) ”اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(استفعال) **اِسْتِئْجَارًا** کسی کو مزدوری پر رکھنا۔ ﴿اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ﴾ (28/القصص:26) ”یقیناً وہ بہتر ہے جس کو آپ نے مزدوری پر رکھا۔“

**اِسْتَأْجِرْ** فعل امر ہے۔ تو مزدوری پر رکھ۔ ﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ (28/القصص:26) ”کہا دو میں سے ایک نے اے میرے والد! آپ مزدوری پر رکھیں اس کو۔“

| | | |
|---|---|---|
| عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اَلصَّابِئِیْنَ تک پورا جملہ اِنَّ کا اسم ہے۔ مَنْ اٰمَنَ سے عَمِلَ صَالِحًا تک جملہ شرطیہ ہے۔ فَلَهُمْ سے یَحْزَنُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ یہ شرط اور جواب شرط مل کر اِنَّ کی خبر ہے۔

مَنْ اٰمَنَ کے بعد مِنْهُمْ محذوف ہے، اس کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمے میں واضح کیا ہے، فرماتے ہیں ”جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر......“۔ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے لیکن جمع کے معنی بھی دیتا ہے اور یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ اس لیے لفظی رعایت کے تحت اٰمَنَ واحد کا صیغہ آیا ہے پھر

معنوی رعایت کے تحت جواب شرط لَھُمْ میں جمع کی ضمیر ھُمْ آئی ہے۔حضرت مفتی محمد شفیعؒ آیت کے آخری حصے فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں: ’’خوف کی نفی تو عام انداز میں کر دی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزْنَ عَلَیْھِمْ، بلکہ بصیغہ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۱ص ۲۰۲)

| ترجمہ | اِنَّ الَّذِیْنَ | اٰمَنُوْا | وَالَّذِیْنَ | هَادُوْا | وَالنَّصٰرٰی |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:62 | بے شک جو لوگ | ایمان لائے | اور وہ لوگ جو | یہودی ہوئے | اور نصرانی ہوئے |

| وَالصّٰبِـِٕیْنَ | مَنْ اٰمَنَ | بِاللّٰهِ | وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ |
|---|---|---|---|
| اور صابئی ہوئے | جو ایمان لایا (ان میں سے) | اللہ پر | اور آخری دن پر |

| وَعَمِلَ صَالِحًا | فَلَھُمْ | اَجْرُھُمْ | عِنْدَ رَبِّھِمْ | وَلَا خَوْفٌ |
|---|---|---|---|---|
| اور عمل کیے نیک | تو ان کے لیے ہے | ان کا اجر | ان کے رب کے پاس | اور کچھ خوف نہیں ہے |

| عَلَیْھِمْ | وَلَا ھُمْ | یَحْزَنُوْنَ |
|---|---|---|
| ان پر | اور نہ ہی وہ لوگ | غمگین ہوں گے |

**نوٹ** اس آیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ’’سلسلۂ عبارت کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کن کن باتوں کو آدمی مانے اور کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اِس زعمِ باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، لہٰذا جو ان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، بہر حال نجات اس کے لیے مقدر ہے اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ جو انسان بھی یہ چیز لے کر حاضر ہو گا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔ خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہو گا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج ۱ص ۸۲)

## آیت:63

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |

**ر ف ع**

(ف) رَفْعًا اٹھانا۔ بلند کرنا۔ یہ حسّی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حسّی طور پر بلند کرنے کے لیے آیت زیر مطالعہ

میں فرمایا:﴿ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ﴾ ''اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور کو۔'' یا فرمایا:﴿ وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰھٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ﴾ (2/البقرۃ:127) ''اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور معنوی طور پر بلند کرنے کے لیے فرمایا:﴿ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴾ (94/ اَلَمْ نَشْرَحْ :4) ''اور ہم نے بلند کیا آپؐ کے لیے آپؐ کے ذکر کو۔'' یا فرمایا:﴿ وَ رَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ (6/الانعام:165) ''اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آواز کے متعلق استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز اونچی کرنا۔ جیسے فرمایا:﴿ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ ﴾ (49/الحجرات:2) ''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریمؐ کی آواز سے۔''

**رَفِیۡعٌ** فَعِیۡلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنیٰ میں۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿ رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ﴾ (40/مومن:15) ''درجات کا بلند کرنے والا، عرش والا۔''

**رَافِعٌ** مؤنث: رَافِعَۃٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ ﴾ (3/آل عمران:55) ''جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ! میں پورا پورا لینے والا ہوں آپؑ کو اور اٹھانے والا ہوں آپؑ کو اپنی طرف۔'' ﴿ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ﴾ (56/الواقعہ:3) ''پست کرنے والی، بلند کرنے والی۔''

**مَرۡفُوۡعٌ** مؤنث: مَرۡفُوۡعَۃٌ۔ اسم المفعول ہے۔ بلند کیا ہوا۔ ﴿ وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ﴾ (52/الطور:5) ''قسم ہے بلند کی ہوئی چھت یعنی آسمان کی۔'' ﴿ فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ ﴾ (80/عبس:13-14) ''عزت دیے ہوئے، بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے صحیفوں میں۔''

فَوۡقَ: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

**ط و ر**

(ن) **طَوۡرًا، طَوۡرًا** قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں لَا اَطُوۡرُ بِہٖ میں اس کے قریب تک نہیں جاؤں گا۔

**طَوۡرٌ** ج: اَطۡوَارٌ۔ بنیادی مفہوم ہے حد و اندازہ۔ پھر مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: حالت۔ مرحلہ۔ طرح طرح سے۔ منزل۔ ہیئت۔ باری۔ عربی میں کہا جاتا ہے عَدَا طَوۡرَہٗ۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا۔ وَجَاوَزَ طَوۡرَہٗ اور وہ اپنے اندازے سے تجاوز کر گیا۔ اَتَیۡتُہٗ طَوۡرًا بَعۡدَ طَوۡرٍ میں اس کے پاس بار بار آیا۔ فَعَلَ کَذَا طَوۡرًا بَعۡدَ طَوۡرٍ اس نے یہ کام ایک بار کے بعد دوسری بار کیا۔ عربی میں اَلنَّاسُ اَطۡوَارٌ کے معنی ہیں لوگ مختلف قسم اور حالات کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴾ (71/نوح:14) ''اور اس نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت مبارکہ میں اطوار کے معنی طرح طرح کی شکل و صورت کے بھی ہو سکتے ہیں یا یہ کہ انسان ماں کے پیٹ میں جو طرح طرح کی حالتیں اور شکلیں بدلتا ہے یعنی نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ اس کی طرف اشارہ ہو یا یہ کہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک جو مختلف مراحل طے کرتا ہے اور جتنے ادوار سے گزرتا ہے، وہ مراد ہوں۔ اگر یہ سب معانی بھی مراد لے لیے جائیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

اَلطُّوْرُ جزیرہ نمائے سیناء کے ایک مخصوص ومتعین پہاڑ کا نام جیسے طور سینین (التین:2) اور طور سِیناء یا طور سَیناء (المومنون:20) بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں طور کے معنی پہاڑ کے ہیں البتہ علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ اُس پہاڑ کو طور کہتے ہیں جو سرسبز وشاداب ہو، خشک پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔ اب طور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام فرمایا، جہاں انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا، ید بیضاء اور عصا کے معجزات جہاں دیے گئے اور جہاں آپؑ کو الواح تورات عطا کی گئیں۔ اسی پہاڑ کو حضرت جبرائیلؑ نے بنی اسرائیل کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر اسی پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ﴿وَالطُّوْرِ ۝١﴾ (52/الطور:1) ''قسم ہے طور کی۔'' ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢﴾ (95/التین:2) ''(اور قسم ہے) طور سینین کی۔'' مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اَلطُّوْرَ۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص ومتعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۳۶)

| |
|---|
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |

| | | |
|---|---|---|
| ق | و | ی |

(س) قُوَّۃً طاقت ور ہونا۔ مضبوط ہونا۔ کسی کام کی قدرت رکھنا۔ کسی چیز کی قابلیت یا صلاحیت ہونا۔ اگر یہ مادہ باب نَصَرَ سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے غالب آنا۔ قَوِيْتُهٗ میں لڑائی میں اس پر غالب آیا۔ اگر باب سَمِعَ سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے طاقتور ہونا۔ سخت بھوکا ہونا۔ مکان کا خالی ہونا، بارش کا رک جانا۔ قَوِیَ وہ طاقتور ہو گیا یا سخت بھوکا ہو گیا، قَوِیَ الدَّارُ مکان خالی ہو گیا۔ قَوِیَ الْمَطَرُ بارش رُک گئی۔ البتہ قرآن مجید میں یہ لفظ طاقت ور ہونا اور کسی کام کی قدرت رکھنے کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

قُوَّۃٌ ج: قُوًی۔ اسم ذات بھی ہے۔ طاقت۔ زور۔ اس کی ضد ضعف ہے۔ قرآن مجید میں قوۃ کا لفظ کئی طرح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً، بدنی قوت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:15) ''اور (عاد) کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔'' اندرونی قلبی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ﴾ (19/مریم:12) ''اے یحییٰؑ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے۔'' یعنی پورے عزم اور حوصلے سے کتاب الٰہی پر عمل کرو۔ خارجی بیرونی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً﴾ (11/ھود:80) ''حضرت لوطؑ نے کہا اے کاش! میرے پاس تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی۔'' چنانچہ بعض بزرگوں نے اس جگہ قوت سے فوجی یا مالی طاقت مراد لی ہے (مفردات)۔ نیز فرمایا: ﴿نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ (27/النمل:33) ''ہم طاقت والے ہیں'' یعنی جسمانی طاقت کے علاوہ ہم کو فوجی، مالی ہر طرح کی طاقت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝٥٨﴾ (51/الذاریات:58) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا (اور) زور والا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اِس کی جمع قُوًی آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥﴾ (53/النجم:5) ''اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

| | | |
|---|---|---|
| | قَوِیٌّ | فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ طاقتور۔ قدرت والا۔ ﴿وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ﴾ (27/النمل:39) ''اور یقیناً میں اس کو (اٹھالانے کی) طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (57/الحدید:25) ''بے شک اللہ تعالیٰ طاقت ور اور غالب ہے۔'' |
| (افعال) | اِقْوَاءٌ | محتاج ہونا۔ ضرورت مند ہونا۔ بنجر زمین پر قیام کرنا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''قِوَاءٌ اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اُجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دُور ہو۔ اِقْوَاءٌ کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا (یعنی قیام کرنا)۔ اسی لیے مسافر کو مُقْوِی کہتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے (یعنی قیام کرنا پڑتا ہے) جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔'' (ضیاء القرآن، ج۵،ص۹۹) |
| | مُقْوِی | ج: مُقْوُوْنَ۔ مُقْوِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ مسافر۔ ﴿نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ﴾ (56/الواقعہ:73) ''ہم نے بنایا اس کو یاددہانی اور برتنے کا سامان ضرورت مندوں/ مسافروں کے لیے۔'' صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''مُقْوِیْنَ، مُقْوِی کی جمع ہے، قِوَآءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقْوِیْنَ سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِیْنَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔'' (تفسیر احسن البیان ص۱۵۲۸) |

## ترکیب

'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ اَخَذْنَا، ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اِس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ مِیْثَاقَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ وَرَفَعْنَا میں 'وَ' عطف کا ہے اور رَفَعْنَا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے۔ اور الطُّوْرَ اس کا مفعول ہے۔ جبکہ فَوْقَكُمْ میں فَوْقَ ظرف مکان ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ خُذُوْا سے پہلے قُلْنَا لَهُمْ محذوف ہے۔ خُذُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ اس کا فاعل ہے۔ اسم موصول 'مَا' اپنے صلے اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ہے۔ اٰتَیْنٰكُمْ میں اٰتَیْنَا فعل بافاعل اور كُمْ اس کا مفعول ہے۔ بِقُوَّةٍ متعلق فعل ہے۔ وَاذْكُرُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اُذْكُرُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ مَا فِیْهِ اس کا مفعول ہے۔ فِیْهِ میں 'ہ' ضمیر مَآ اٰتَیْنٰكُمْ کے لیے ہے۔ آگے لَعَلَّ۔ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ كُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَاِذْ اَخَذْنَا | مِیْثَاقَكُمْ | وَرَفَعْنَا | فَوْقَكُمُ | الطُّوْرَ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:63 | اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے | پختہ وعدہ تم لوگوں سے | اور بلند کیا ہم نے | تمہارے اوپر | کوہ طور کو |

| خُذُوْا | مَآ | اٰتَیْنٰكُمْ | بِقُوَّةٍ | وَّاذْكُرُوْا |
|---|---|---|---|---|
| کہ تم لوگ پکڑو | اس کو جو | ہم نے دیا تم کو | مضبوطی سے | اور تم یاد رکھو |

| مَا | فِیْهِ | لَعَلَّكُمْ | تَتَّقُوْنَ |
|---|---|---|---|
| اس کو جو | اس میں ہے | تاکہ تم | پرہیزگار بن جاؤ |

**نوٹ** ”کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ ”توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے۔“ تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو اُن سب کے سروں پر آن کر اُترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی۔ گنجائش سرتابی اصلاً نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ ”پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیۃ لا اکراہ فی الدین اور نیز قاعدۂ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے“ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ در بارۂ قبول دین ہرگز نہیں ”دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کیے ہوئے تھے“ اور بار بار حضرت موسیٰؑ سے تقاضا کرتے تھے کہ ”کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں“ اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت اُن کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمر بستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لیے تھا نہ کہ قبول دین کے لیے۔“ (تفسیر عثمانی ص ۱۳)

## آیت: 64

﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ ﴾

**و ل ی**

یہ مادہ باب (ح) و (ض) دونوں سے استعمال ہوتا ہے البتہ باب (ض) سے کم استعمال ہوتا ہے۔

(ح) (ض) (ا) وَلَايَةً اور وِلَايَةً کثیر المعنی الفاظ ہیں۔ کسی سے محبت ہونا۔ دوستی ہونا۔ کسی سے گہرا تعلق ہونا۔ واسطہ یا سروکار رہنا۔ کسی کی بگڑی بنانے والا ہونا یعنی کارساز ہونا۔ کسی کام کا متولی و منتظم ہونا۔ کسی کی مدد کرنا۔ حکومت، اختیار یا غلبہ ہونا۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ”اَلْوِلَايَةُ (بکسر الواؤ) کے معنی نصرت اور وَلَايَةٌ (بفتح الواؤ) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔“ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں: ”وَلایۃ (بالفتح) کے معنی کارسازی و انصرام امور کے ہیں اور وِلایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر وَلایۃ (بالفتح) ہے، جس کے معنی دوستی، مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأۃ وِلایۃ (بالکسر) ہے۔ جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۷ ۶۳) ان مصادر سے کوئی فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

(ب) وَلْيًا فاصلے کے بغیر کسی کے پیچھے چلنا۔ متصل ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ کسی کے قریب ہونا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، خواہ یہ قرب بلحاظ مکان ہو، نسب ہو، بلحاظ دین و اعتقاد ہو یا بلحاظ دوستی و نصرت ہو۔ عربی زبان میں وہ بارش جو موسم بہار کی پہلی بارش کے فوراً بعد برسے اسے وَلِیٌّ کہا جاتا ہے۔ پہلی بارش کو وسمی کہتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں دَارُہٗ وَلِیُّ دَارِیْ۔ اس کا گھر میرے گھر کے قریب ہے۔ اسی طرح وَلِیَ الشَّیْءُ الشَّیْءَ کا مطلب ہے ایک چیز دوسری چیز کے قریب ہوئی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ (9/التوبۃ:123) ”تم لوگ قتال کرو ان لوگوں سے جو نزدیک ہیں تمہارے، کافروں میں سے۔“ اور حدیث مبارک میں فرمایا: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کا جو اُن سے ملنے والے ہیں۔ پھر ان کا جو ان سے ملنے والے ہیں۔“

وَالٍ اسم الفاعل ہے۔ مددگار۔ حمایتی۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ ﴾ (13/الرعد:11) ”اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار۔“

وَلِیٌّ

ج: اَوْلِیَاءُ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے اور متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: مددگار۔ حمایتی۔ کارساز۔دوست۔وارث۔﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴾(2/البقرۃ:107)''اور نہیں ہے تم لوگوں کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔'' ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ﴾(5/المآئدہ:51)''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم لوگ مت بناؤ یہود کو اور نصاریٰ کو دوست۔'' قرآن وسنت کی اصطلاح میں کسی مومن کو وَلِیُّ اللّٰہِ کہنا بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کو وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ کہنا بھی جائز ہے اور مومن کو مومن کا ولی کہنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾(3/آل عمران:68)''اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا حمایتی/ مددگار/ ولی ہے۔'' اور مومنین کے متعلق فرمایا: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾(10/یونس:62)''یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور مومنین کے آپس کے تعلق کے متعلق فرمایا: ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (9/التوبۃ:71)''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار/ معاون ہیں۔'' قرآن مجید میں یہ لفظ سرپرست یا وکیل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾(2/البقرۃ:282)''تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ولی سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔'' پھر ولی کا لفظ قرآنِ مجید میں کم از کم تین مقامات پر ''وارث'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴾ (19/مریم:5)''سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے۔'' سب بزرگوں کے نزدیک ولی یہاں صلبی اولاد اور وارث کے مفہوم میں ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل: 33 اور النمل: 49 میں بھی یہ وارث کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الشوریٰ کی آیت 6 ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں یہ لفظ ''اولیاء'' استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودانِ باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرزِ عمل ہیں جن کو قرآن مجید میں ''اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ''ولی'' کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:

(۱) جس کے کہنے پر آدمی چلے جس کی ہدایت پر عمل کرے اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے۔ (النساء، آیات ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ الاعراف ۳، ۲۷ تا ۳۰)۔

(۲) جس کی رہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرہ ۲۵۷۔ بنی اسرائیل ۹۷۔ الکہف ۱۷، ۵۰۔ الجاثیہ ۱۹)۔

(۳) جس کے متعلق آدمی یہ ہے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اُس کے بُرے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اُس کے عذاب سے بچالے گا۔ (النساء ۱۲۳۔ ۱۷۳۔ الانعام ۵۱۔ الرعد ۳۷۔ العنکبوت ۲۲۔ الاحزاب ۶۵۔ الزمر ۳)۔

(۴) جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات ومصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، اولاد دیتا ہے، مرادیں برلاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (ہود، ۲۰۔ الرعد، ۱۶، العنکبوت ۴۱)۔

بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اس کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔ (تفہیم القرآن، ۴ص ۴۸۰)

**مَوْلٰی، مَوْلًی**

ج: مَوَالِیٍ۔ ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی مدد کسی قرابت یا تعلق کی وجہ سے کرے، اسے مَوْلٰی کہتے ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسب کا ہو، دوستی کا ہو، ہم عقیدہ ہونے کا ہو یا آزاد کرنے کا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں کہ وَلِیٌّ اور مَوْلٰی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ہر ایک کے معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ہے اور امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْوَلِیُّ اور اَلْمَوْلٰی، یہ دونوں کبھی اسم الفاعل یعنی مُوَالٍ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم المفعول یعنی مُوَالًی کے معنی میں آتے ہیں۔'' اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عربی زبان کا یہ لفظ بھی بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ بگڑی بنانے والا، کارساز، مالک، دوست، رشتے دار، چچا کا بیٹا، کلالہ، عصبات، عام وارث، آزاد کرنے والا آقا، آزاد شدہ غلام اور ہمسایہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کے معاملے کا والی ہو وہ بھی اس کا مَوْلٰی کہلاتا ہے۔ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ﴾ (3/آل عمران:150) ''بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا﴾ (44/الدخان:41) ''اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ کسی مومن کو مولی اللہ کہنا درست نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کو مومنین کا مَوْلَاهُمْ کہنا درست ہے بلکہ اِس انداز میں کافروں کے لیے بھی مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ البتہ معنی میں فرق ہو جائے گا۔ مومنوں کے لیے معنی ہوں گے مددگار، حمایتی، دوست وغیرہ اور کافروں کے لیے معنی ہوں گے ''مالک''۔ چنانچہ مومنوں کے لیے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (47/محمد:11) ''یہ (مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی تباہی) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست، کارساز، مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔'' اور کافروں کے متعلق فرمایا: ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ (10/یونس:30) ''اور انہیں لوٹا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورہ محمد کی آیت 11 کے تحت فرماتے ہیں: ''لفظ مولیٰ بہت سے معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے ایک معنی کارساز کے ہیں جو اس جگہ (محمد:11) مراد ہیں اور ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ کفار کے بارے میں آیا ہے: ﴿رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ (یونس:30) اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لیے بھی مولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ مولیٰ کے معنی مالک کے ہیں اور مالکیت اللہ تعالیٰ کی عام ہے مومن کافر کوئی اُس سے خارج نہیں۔'' (معارف القرآن، ج۸ص ۳۱) ﴿وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَاۗءِيْ﴾ (19/مریم:5) ''مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ﴾ (33/الاحزاب:5) ''تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**اَوْلٰی**

تثنیہ: اَوْلَيَانِ۔ اَفْعَلُ التَّفضِيل کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ حقدار۔ زیادہ خیرخواہ۔ زیادہ حمایتی۔ عام طور پر ان معنوں میں 'بِ' کا صلہ آتا ہے مثلاً: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ (3/آل عمران:68) ''بے شک لوگوں میں سے قریب تر لوگ حضرت ابراہیمؑ سے تو وہ ہیں جنہوں نے انؑ کی پیروی کی۔'' ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ﴾ (8/الانفال:75) ''اور رشتے دار، ان میں سے بعض زیادہ حقدار ہیں بعض کے اللہ کے قانون میں۔'' ﴿فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ﴾ (4/النساء:135) ''پس اللہ زیادہ خیرخواہ ان دونوں کا۔''

جب اس کے ساتھ 'لام' صلہ آئے تو ڈانٹ اور دھمکی کا مفہوم ہوتا ہے اور مطلب ہوتا ہے خرابی اور برائی سے زیادہ قریب یا خرابی اور برائی کا زیادہ مستحق۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝﴾ (75/القیامۃ:34-35) ''خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری، پھر خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَاَوْلٰی لَهُمْ ۝﴾ (47/محمد:20) ''سو خرابی ہے اُن کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**وَلَایَۃٌ** بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرابت۔ واسطہ۔ اختیار۔ میراث۔ مدد۔ کارسازی۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا﴾ (8/الانفال:72) ''اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا اُن سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ (18/الکہف:44) ''یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔'' (ترجمہ شیخ الہند) ''یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لیے ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) **تَوْلِیَۃٌ** یہ لفظ بھی متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی کو کسی کے قریب کرنا۔ ملا دینا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:129) ''اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یہ عموماً دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو قریب کیا اور کس کے قریب کیا۔

(۲) کسی کو کسی کی طرف پھیر دینا۔ یہ بھی دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی کس کو پھیرا اور کس کی طرف پھیرا۔ اور دونوں مفعول بنفسہٖ آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ (2/البقرۃ:144) ''تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپؐ کو اس قبلہ کی طرف آپؐ راضی ہوں جس سے۔'' ﴿وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ (3/آل عمران:111) ''اور اگر وہ لوگ جنگ کریں گے تم سے تو وہ پھیر دیں گے تمہاری طرف پیٹھوں کو۔''

(۳) کسی کی طرف پیٹھ پھیرنا یا پیٹھ پھیر کر چل دینا یا بھاگ جانا۔ ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا﴾ (31/لقمان:7) ''اور جب بھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اس کو ہماری آیات تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تکبر کرتے ہوئے۔'' کبھی اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ بھی آتا ہے۔ ﴿وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝﴾ (17/بنی اسرائیل:46) ''تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ (27/النمل:10) ''پھر جب انہوں نے اُسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ کرتا ہے تو وہ پیچھے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۴) کسی کی طرف پھرنا یا مڑنا۔ ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَیْهِ﴾ (9/التوبۃ:57) ''اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝﴾ (46/الاحقاف:29) ''پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) کسی کو کسی چیز سے پھیر دینا، ہٹا دینا۔ اِن معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا﴾ (2/البقرۃ:142) ''کس چیز نے اِن (مسلمانوں) کو اُن کے (اس) قبلہ سے جس پر

وہ اب تک تھے ہٹادیا‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ’’کس چیز نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۶) مسلط کر دینا۔ بعض بزرگوں نے (الانعام:129) ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ میں نُوَلِّیْ کا ترجمہ ’’مسلط کر دیں گے‘‘ سے کیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ’’لفظ نُوَلِّیْ کے عربی لغت کے اعتبار سے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک ملا دینے اور قریب کر دینے کے اور دوسرے مسلط کر دینے کے، ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے بھی دونوں طرح کی روایات میں اس کی تفسیر منقول ہے۔‘‘ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ’’نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا میں نولی کے معنی ’’ہم مسلط کر دیں گے‘‘ کے بھی کیے گئے ہیں۔‘‘

وَلِّ — ج: وَلُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ﴾ (2/البقرہ:144) ’’تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف اور جہاں کہیں ہو تم لوگ تو پھیر دو اپنے چہروں کو اس کی طرف۔‘‘

مُوَلٍّ — اسم الفاعل ہے۔ پھیرنے والا۔ ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ (2/البقرہ:148) ’’اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعّل) تَوَلٍّ — یہ لفظ بھی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(ا) اس کا تعدیہ جب بلا واسطہ ہو (یعنی جب اس کا مفعول بنفسہٖ آئے) تو اس سے تین معانی مراد لیے جاتے ہیں۔ (۱) کسی سے دوستی رکھنا جیسے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ﴾ (5/المائدہ:51) ’’اور جو کوئی تم میں سے اُن سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔‘‘ (۲) کسی کام کو اٹھانا۔ قرآنِ مجید میں اس مفہوم میں معنوی طور پر استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (24/النور:11) ’’اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ، اس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (۳) والی و حاکم ہونا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (47/محمد:22) ’’پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت میں تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ ’’حکومت مل جانے‘‘ سے کیا ہے۔

(ب) جب یہ لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، خواہ عَنْ لکھا ہوا ہو یا پوشیدہ ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے پیٹھ پھیرنا، منہ موڑنا، بے رخی کرنا، توجہ نہ کرنا، نزدیکی چھوڑ دینا۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ (3/آل عمران:63) ’’پھر اگر وہ پھر جائیں تو اللہ خوب جانتا ہے فساد کرنے والوں کو۔‘‘ ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾ (88/الغاشیۃ:23) ’’مگر جس نے رُوگردانی کی اور کفر کیا۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ (8/الانفال:20) ’’اور اس سے منہ مت پھیرو اس حال میں کہ تم سنتے ہو۔‘‘

تَوَلَّ — فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر۔ تو منہ پھیر۔ بغیر صلہ عَنْ کے استعمال کی صورت میں اس کا معنی ہوگا تو دوست بنا۔ لیکن اس معنی میں امر کا صیغہ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ تَوَلَّ کا صیغہ پانچ مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ عَنْ کے صلے کے ساتھ آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ (51/الذٰریات:54) ’’پس آپؐ منہ پھیر لیں ان سے تو آپؐ پر کوئی الزام نہیں ہے۔‘‘

| |
|---|
| بَعْدُ: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |

**لَوْلَا اور لَوْمَا** یہ لَوْ حرف شرط اور لَا اور مَا نافیہ سے مرکب ہیں۔ لفظاً کوئی تبدیلی نہیں کرتے۔ اِن کے بعد دو جملے آتے ہیں۔ پہلے کو شرط اور دوسرے کو جزاء کہتے ہیں۔ جزاء پر اکثر لام لگا دیا جاتا ہے (اور کبھی نہیں بھی لگایا جاتا)۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''اگر یہ نہ ہوتا تو''۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ (2/البقرۃ:251) ''اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا﴾ (24/النور:21) ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔'' اگر لَوْلَا ضمیر پر داخل ہو تو ضمیر مرفوع ہوتی ہے جیسے فرمایا: ﴿لَوْ لَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ (34/سبا:31) ''اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔''

یہ دونوں بطور حرف تحضیض بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ حروف جن سے کسی کو کسی فعل پر ابھارا جائے یا ترغیب دلائی جائے اور آمادہ کیا جائے۔ اس صورت میں یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ فعل مضارع بھی ہو سکتا ہے اور ماضی بھی۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''کیوں نہیں ایسا کیا یا ایسا کرتے'' مثلاً: ﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾ (27/النمل:46) ''تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے۔'' ﴿لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ (24/النور:13) ''وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔'' ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (15/الحجر:7) ''کیوں نہیں آپ لے آتے ہمارے پاس فرشتوں کو۔'' کبھی ایک جوابی جملہ بھی آتا ہے جس پر 'ف' داخل ہوتا ہے اور اگر مضارع ہو تو نصب پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ﴾ (63/المنافقون:10) ''اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی دیر تک مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں صدقہ خیرات کر لیتا۔'' ﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ (10/یونس:98) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| | | |
|---|---|---|
| ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | ع ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
| ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | خ س ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** ثُمَّ، حرف عطف ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس سے متعلق ہے۔ فَلَوْلَا میں 'ف' استئنافیہ ہے۔ لَوْلَا، لَوْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہے۔ فَضْلُ اللّٰهِ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ آگے 'و' عطف کا ہے اور رَحْمَتُهٗ، فَضْلُ اللّٰهِ پر عطف ہے۔ اگلا جملہ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ جواب شرط ہے۔ اسی لیے كُنْتُمْ پر لام لگا ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ | مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ | فَلَوْ لَا | فَضْلُ اللّٰهِ | عَلَيْكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:64 | پھر منہ موڑ لیا تم نے | اس (پختہ وعدے) کے بعد (بھی) | تو اگر نہ ہوتا | اللہ کا فضل | تم پر |

| وَ رَحْمَتُهٗ | لَكُنْتُمْ | مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ |
|---|---|---|
| اور اس کی رحمت | تو تم لوگ ہو جاتے | نقصان اٹھانے والوں میں سے |

**نوٹ** ''مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ'' سے مراد ہے قول و اقرار کرنے کے بعد یا کتاب ہدایت اور احکام مل جانے کے بعد اور یہ جو فرمایا ''اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی...... الخ''، تو اس سے مراد ہے کہ انہیں اس نافرمانی کی فوری سزا نہیں دی گئی اور انہیں دوسری قوموں کی طرح تباہ و برباد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں سنبھلنے کی اور اپنے آپ کو درست کرنے کی مزید مہلت دی گئی۔

## آیت:65

﴿وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ۚ﴾

| | | |
|---|---|---|
| قَدۡ: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |

**س ب ت**

(ن) (ض) سَبۡتًا مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) کسی چیز کو قطع کرنا۔ کسی چیز کو کاٹ دینا۔ کہا جاتا ہے۔ سَبَتَ شَعۡرَهٗ اس نے اپنے بال کاٹے۔ سَبَتَ اَنۡفَهٗ۔ اس نے اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ کام کاج کو چھوڑ دینے اور کاروبار کو ترک کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَ يَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۚ﴾ (7/الاعراف:163) ''اور جس دن وہ لوگ کاروبار ترک نہیں کرتے تھے، وہ نہ آتیں ان کے پاس۔'' نوٹ کر لیجئے کہ کچھ بزرگوں نے آیت کریمہ میں لَا يَسۡبِتُوۡنَ کے وہ معنی مراد لیے ہیں جو ترجمے میں دیے گئے ہیں۔ زیادہ تر بزرگوں نے وہ معنی لیے ہیں جو ابھی آگے آ رہے ہیں۔

(۲) ہفتے کے دن میں داخل ہونا۔ ہفتے کا دن ہونا۔ ہفتے کے دن کی تعظیم کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ سَبَتَ فُلَانٌ۔ وہ ہفتے کے دن میں داخل ہوا۔ ﴿وَ يَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۚ﴾ (7/الاعراف:163) ''اور جس دن ہفتہ نہ ہوتو نہ آتی تھیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) زیادہ تر بزرگوں نے آیت کریمہ میں لَا يَسۡبِتُوۡنَ کا ترجمہ ''جب ہفتے کا دن نہ ہوتا'' سے کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(۳) آرام کرنا۔

سَبۡتٌ ہفتہ یعنی سنیچر (SATURDAY) کا دن۔ آیت زیر مطالعہ۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''سبت'' ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں۔ یہ دن بنی اسرائیل کے لیے مقدس قرار دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اور اولادِ اسرائیل کے درمیان پشت در پشت تک دائمی عہد کا نشان قرار دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے، گھروں میں آگ تک نہ جلائی جائے جانوروں اور لونڈی غلاموں تک سے کوئی خدمت نہ لی جائے اور یہ کہ جو شخص اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن بنی اسرائیل نے آگے چل کر اس قانون کی علانیہ خلاف ورزی شروع کر دی۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۹۰)

سُبَاتٌ اسم ذات ہے۔ راحت۔ آرام۔ ﴿وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ۙ﴾ (78/النبا:9) ''اور ہم نے بنایا تمہاری نیند کو آرام۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''سُبَاتًا، سبت سے مشتق ہے جس کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ سُبات وہ چیز ہے جس سے کسی دوسری چیز کو قطع کیا جائے۔ نیند کو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ دن بھر کی محنتوں کا تکان اور کمزوری اس سے قطع ہو جاتی ہے۔ افکار و خیالات منقطع ہو کر دماغ کو آرام ملتا ہے اس لیے سُبات کا ترجمہ راحت کا کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۴۸۳)۔ صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''سُبَاتٌ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی

انسان وحیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تا کہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سو لیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمہارے اعمال کاٹ دیتی ہے یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔ (احسن البیان، ص ۱۶۷۴)

| |
|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

**ق ر د**

(س) قَرْدًا زمین سے چمٹ کر ساکت ہو جانا۔ دھوکا دینا۔

قِرْدٌ ج: قِرَدَۃٌ۔ بندر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

**خ س ء**

(ف) خَسْأً نظر کا کمزور ہونا۔ تھک کر رہ جانا۔ کسی کو دھتکارنا۔۔

(س) خَسْأً دھتکارا جانا۔ دور ہونا۔

خَاسِئٌ ج: خَاسِئُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ (۱) دھتکارا جانے والا۔ ذلیل وخوار۔ (۲) تھکا ماندہ۔ آیت زیرِ مطالعہ اور ﴿ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴾ (67/الملک:4) ''تو لوٹ آئے گی تیری طرف نگاہ تھکی ماندی اور ناکام ہو کر۔''

اِخْسَأْ ج: اِخْسَئُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دور ہو جا۔ دفع ہو جا۔ ﴿ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴾ (23/المومنون:108) ''ارشاد ہو گا تم دفع ہو جاؤ (دھتکارے ہوئے) اس میں اور بات مت کرو مجھ سے۔''

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے۔ قَدْ ماضی پر داخل ہو تو تاکید کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر اس پر لام تاکید بھی داخل کر دیا جائے، جیسے یہاں ہے تو تاکید میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ عَلِمْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ آگے اَلَّذِيْنَ، اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اِعْتَدَوْا، اس کا صلہ ہے۔ مِنْكُمْ اور فِي السَّبْتِ متعلق فعل ہیں۔ اسم موصول اپنے صلے اور متعلقات کے ساتھ مل کر عَلِمْتُمْ کا مفعول ہے۔ فَقُلْنَا میں 'فَ' عطف کا ہے۔ قُلْنَا، ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ لَهُمْ متعلق فعل ہے۔ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ، وہ جملہ ہے جو کہا گیا (مقول القول) اس میں كُوْنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ، كَانَ کا اسم ہے اور قِرَدَةً، اس کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ خٰسِئِيْنَ، قِرَدَةً کی صفت ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ | الَّذِيْنَ | اعْتَدَوْا | مِنْكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:65 | اور تم خوب جان چکے ہو | ان لوگوں کو جنہوں نے | حد سے تجاوز کیا (یعنی نافرمانی کی) | تم میں سے |

| فِي السَّبْتِ | فَقُلْنَا لَهُمْ | كُوْنُوْا | قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ |
|---|---|---|---|
| ہفتے کے دن میں | تو ہم نے کہا ان سے | تم ہو جاؤ | ذلیل/دھتکارے جانے والے بندر |

**نوٹ** یہ واقعہ قدرے تفصیل سے سورہ الاعراف کی آیات 163 تا 166 میں بیان ہوا ہے۔

# آیت:66

﴿فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۶﴾﴾

| |
|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |

| ن ك ل |
|---|

(ن) نَكَلَةً عبرت ناک سزا دینا۔

نَكَالٌ اسم ذات ہے۔ عبرتناک سزا۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔'' مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ ''نکال'' کے معنی عربی لغت میں ایسی سزا کے ہیں جس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے، اور اقدامِ جرم سے باز آ جائیں، اس لیے ''نکال'' کا ترجمہ ہمارے محاورہ کے موافق عبرت خیز سزا کا ہو گیا۔'' ﴿فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ (5/المائدہ:38) ''تو تم لوگ کاٹو ان دونوں کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انہوں نے کیا (اور) عبرت ناک سزا اللہ کی طرف سے۔'' ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾﴾ (79/النازعات:25) ''پھر پکڑا اس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نِكۡلٌ ج: اَنۡكَالٌ۔ لوہے کی بیڑی اور لگام۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اَنۡكَال، نِكۡلٌ کی جمع ہے۔ وہ بھاری بھرکم بیڑیاں جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اور انسان ہل جل نہیں سکتا۔'' ﴿اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّ جَحِيۡمًا ﴿۱۲﴾﴾ (73/المزمل:12) ''بے شک ہمارے پاس ہیں لوہے کی بیڑیاں اور بھڑکتی آگ۔''

(تفعیل) تَنۡكِيۡلًا بتدریج یعنی تسلسل سے عبرتناک سزا دینا۔ رسوا کرنا۔ قید کرنا۔ ﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّاَشَدُّ تَنۡكِيۡلًا ﴿۸۴﴾﴾ (4/النساء:84) ''اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

| ی د ی |
|---|

(ض) يَدۡيًا ہاتھ پر مارنا۔

يَدٌ تثنیہ: يَدَانِ۔ يَدَيۡنِ۔ ج: اَيۡدٍ۔ اسم ذات ہے۔ ہاتھ، ہتھیلی۔ ﴿حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ﴾ (9/التوبہ:29) ''یہاں تک کہ وہ لوگ دیں جزیہ ہاتھ سے۔'' ﴿اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَاۤ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پیر ہیں، وہ لوگ چلتے ہیں جس سے یا ان کے ہاتھ ہیں وہ لوگ پکڑتے ہیں جس سے۔'' استعارہ کے طور پر ''يَدٌ'' کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اختیار یا قبضہ۔ عربی میں کہا جاتا ہے هٰذَا فِيۡ يَدِ فُلَانٍ۔ یہ فلاں کے اختیار میں ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِيۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ﴾ (2/البقرۃ:237) ''یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑنے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہے مراد شوہر ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۱۲۴)۔

(۲) قدرت۔ عربی میں کہتے ہیں لِفُلَانٍ يَدٌ عَلٰى كَذَا۔ فلاں کو اس پر قدرت حاصل ہے یا کہا جاتا ہے مَالِيۡ لِكَذَا

یَدٌ۔ نہیں ہے میرے پاس اس کی قدرت۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ﴾ (51/الذاریات:47) ''اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی۔'' (تفسیر عثمانی ص۶۹۴)۔ ﴿قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (38/ص:75) ''فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے دونوں ہاتھ سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ید کے معنی یہاں قدرت کے بھی کیے گئے ہیں اور نعمت کے بھی۔'' ید کا لفظ کسی پر نعمت کرنے اور احسان کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں یَدَیْتُ اِلَیْہِ میں نے اس پر احسان کیا یا اسے نعمت دی۔

(۳) عربی میں سخی کے متعلق کہا جاتا ہے یَدُہٗ مُطْلَقَۃٌ اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے یعنی خوب خرچ کرتا ہے اور بخیل کے متعلق کہتے ہیں یَدُہٗ مَغْلُوْلَۃٌ اس کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی وہ کنجوس ہے اور خرچ نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ﴾ (5/المائدۃ:64) ''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(۴) قوت۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ﴾ (38/ص:17) ''اور یاد کرو ہمارے بندے داؤدؑ قوت والے کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝﴾ (38/ص:45) ''اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) اور قرآنِ مجید میں یہ جو فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ﴾ (48/الفتح:10) ''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔'' تو اس آیت میں یَدُ اللّٰہِ بیعت ہی سے کنایہ ہے اور اس سے ماقبل کی تاکید ہوگئی یا اس سے مراد مدد و نصرت ہے یعنی اللہ کی مدد و نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**بَیْنَ یَدَیْنِ**

بَیْنَ کی اضافت جب ہاتھوں کی طرف ہو یعنی بَیْنَ یَدَیْ یا بَیْنَ اَیْدِیْ تو اس کے لفظی معنی بنتے ہیں دونوں ہاتھوں یا ہاتھوں کے درمیان۔ لیکن عربی محاورے میں اس کا مطلب ہوتا ہے ''سامنے'' یا ''آگے'' مثلاً: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ (7/الاعراف:17) ''پھر ان کو ان کے سامنے سے بھی آلوں گا اور ان کے پیچھے سے بھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ﴾ (13/الرعد:11) ''انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں، اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ کبھی اس کے معنی ''پہلے'' کے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ﴾ (7/الاعراف:57) ''اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوش خبری لانے والی مینہ سے پہلے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝﴾ (34/سبا:46) ''نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (49/الحجرات:1) ''اے ایمان والو، تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے پہلے (کسی کام میں) سبقت مت کیا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

**و ع ظ**

(ض) **وَعْظًا** انتہائی خلوص اور خیر خواہی سے کسی کو نیکی اور بھلائی کی نصیحت کرنا جس سے اس کے دل میں نرمی پیدا ہو۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ایسی نصیحت کرنا جس میں ڈراوا شامل ہو۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''مَوْعِظَہ اور وعظ کے اصلی معنی ایسی چیزوں کا بیان کرنا ہے جن کو سن کر انسان کا دل نرم ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے، دنیا کی غفلت کا پردہ چاک ہو آخرت کی فکر سامنے آجائے۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۴۲)۔ صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''وعظ کے اصل معنی ہیں عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔'' (احسن البیان، ص ۵۸۰)۔ ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾ (26/الشعراء:136) ''برابر ہے ہم پر چاہے آپؐ نصیحت کریں یا آپؐ نہ ہوں نصیحت کرنے والوں میں سے۔'' ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (2/البقرۃ:221) ''اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور یاد کرو جو اُس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اُس سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**عِظْ** ج: عِظُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو وعظ کر۔ تو نصیحت کر۔ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ﴾ (4/النساء:63) ''پس چشم پوشی کیجیے ان سے اور نصیحت کریں ان کو۔'' ﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ﴾ (4/النساء:34) ''اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو تو انہیں نصیحت کرو۔''

**وَاعِظٌ** ج: وَاعِظُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نصیحت کرنے والا۔ ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾ (26/الشعراء:136) ''برابر ہے ہم پر چاہے آپؐ نصیحت کریں یا آپؐ نہ ہوں نصیحت کرنے والوں میں سے۔''

**مَوْعِظَةٌ** اسم ذات ہے۔ وعظ۔ نصیحت۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (10/یونس:57) ''اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

**ترکیب** فَجَعَلْنٰهَا میں 'ف' استئنافیہ ہے اور جَعَلْنَا کا مفعول اوّل ضمیر مفعولی هَا ہے، اور اس کے مفعول ثانی دو آئے ہیں۔ پہلا مفعول ثانی نَكَالًا ہے اور اس کا متعلق فعل لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ہے۔ جبکہ دوسرا مفعول ثانی مَوْعِظَةً ہے اور لِّلْمُتَّقِيْنَ اس کا متعلق فعل ہے۔ جَعَلْنٰهَا، يَدَيْهَا اور خَلْفَهَا میں هَا کی ضمیریں اس واقعے، بستی یا عقوبت (سزا) کے لیے مانی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی اِن ضمائر کا مرجع مانا جائے آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت'' مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا میں 'مَا' کے متعلق حضرت عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مَا دونوں جگہ مَنْ کے معنی میں آیا ہے یعنی مَا کا استعمال جاندار، صاحب عقل مخلوق کے لیے ہوا ہے۔'' مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد وہ لوگ ہیں جو وہاں موجود تھے یا اس زمانے میں موجود تھے اور مَا خَلْفَهَا سے مراد بعد میں آنے والے لوگ ہیں۔

| ترجمہ | فَجَعَلْنٰهَا | نَكَالًا | لِّمَا | بَيْنَ يَدَيْهَا | وَمَا |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:66 | توہم نے بنادیا اس (واقعہ، بستی یا سزا) کو | نشانِ عبرت | ان کے لیے جو | اس کے سامنے تھے | اور جو |

| خَلْفَهَا | وَمَوْعِظَةً | لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ |
|---|---|---|
| ان کے پیچھے آنے والے تھے | اور نصیحت | پرہیز گاروں کے لیے |

**نوٹ** حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے، فرمانبردار و نافرمان، تو نافرمانوں کے لیے تو یہ واقعہ نافرمانی سے توبہ کرانے والا تھا، اس لیے اس کو نکال فرمایا، اور فرمانبرداروں کو یہ واقعہ فرمانبرداری پر قائم رکھنے والا تھا اس کو مَوْعِظَةً فرمایا۔'' (معارف القرآن، ج ا، ص ۲۴۲)

## آیت:67

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔
ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ ذ ب ح: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔

**بَقَرٌ** بَقَرٌ کا لفظ اسم جنس ہے جو گائے اور بیل دونوں کے لیے آتا ہے۔ واحد گائے کے لیے بَقَرَةٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کی جمع بَقَرَاتٌ ہے اور واحد بیل کے لیے ثَوْرٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کی جمع اَثْوَارٌ آتی ہے۔ ثَوْرٌ کی مونث ثَوْرَةٌ بھی گائے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ آیت زیر مطالعہ کے حاشیے میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''بقرۃ۔ اصلاً صرف گائے کے لیے ہے اور ثور کا مونث ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کے لیے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لیا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷۳)۔ ہمارے بزرگوں میں سے جنہوں نے یہاں بَقَرَةٌ کا ترجمہ ''بیل'' سے کیا ہے ان میں حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ شامل ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ ھ ز ء: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ ع و ذ: استعاذہ دیکھیں۔
ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

**ج ہ ل**

(س) جَهْلًا، جَهَالَةً جہل کا لفظ علم اور حلم (دانش) کے مقابلے پر آتا ہے چنانچہ جب یہ لفظ علم کے مقابل استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ذہن کا علم سے خالی ہونا، لاعلم ہونا، ناواقف ہونا اور یہی اس کے اصل معنی ہیں۔ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس کے لازمی طور پر دو نتیجے نکلتے ہیں (۱) کسی چیز کے متعلق غلط یقین واعتقاد قائم کر لینا اور (۲) کسی کام کو جس طرح کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے، اس کے خلاف کرنا، چاہے اس کام کے متعلق اعتقاد صحیح ہو یا غلط۔
جب یہ لفظ حلم (دانش) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں نادان ہونا۔ بے وقوف ہونا۔ احمق

ہونا۔ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ (7/الاعراف:138) ''موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ (6/الانعام:111) ''اور لیکن ان کی اکثریت جاہل (لاعلم) ہے۔''

**جَاهِلٌ** ج: جَاهِلُوْنَ۔ اسم فاعل ہے۔ نہ جاننے والا۔ ناواقف۔ نادان۔ بے سمجھ۔ بے وقوف۔ ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ﴾ (2/البقرۃ:273) ''ناواقف ان کو غنی سمجھتا ہے۔'' اس آیت میں جَاهِلٌ کے متعلق امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''جاہل کا لفظ عموماً بطور مذمت بولا جاتا ہے۔ مگر کبھی بطور مذمت نہیں بھی آتا چنانچہ یہاں (البقرۃ:273) الجاہل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کی حالت سے ناواقف ہیں لہٰذا یہاں یہ لفظ مذمت کے لیے نہیں ہے۔''۔ ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (25/الفرقان:63) ''اور جب کبھی ان سے خطاب کرتے ہیں لاعلم/ بے سمجھ لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام۔''

**جَهُوْلٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بڑا ہی جاہل۔ بڑا ہی نادان۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (33/الاحزاب:72) ''بے شک وہ یعنی انسان بڑا ظالم ہے، بڑا ہی جاہل ہے۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ظلوم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، اور جہول سے مراد انجام سے ناواقف۔'' اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ظَلُوْمًا یعنی اپنی عملی زندگی میں بڑا حق ناشناس، جَهُوْلًا۔ یعنی اپنی اعتقادی زندگی میں بڑا کوتاہ اندیش۔''

**جَهَالَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ لاعلمی۔ نادانی۔ حماقت۔ بے وقوفی۔ ﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (6/الانعام:54) ''کہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا نادانی سے پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کی تو اللہ بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ (49/الحجرات:6) ''کہ کہیں تم لوگ جا پڑو کسی قوم پر لاعلمی میں۔'' ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ (4/النساء:17) ''توبہ جس کا قبول کرنا (حسب وعدہ) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے، جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو) کر بیٹھتے ہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔

**جَاهِلِيَّةٌ** اسم نسبت ہے۔ جاہلیت۔ قبل از اسلام کے حالات اور زمانے کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ ''جاہلیت'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی اخلاق وآداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۴، ص۹۱)۔ نیز فرماتے ہیں: ''جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانۂ قبلِ اسلام کو جاہلیت کا دَور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس وگمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دَور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی راہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیے

ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اِس جُزوی علم کے ساتھ ظنون واوہام اور قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں وہ بھی اُسی طرح ''جاہلیت'' کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اِس تعریف میں آتے تھے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۷۹)۔

مولانا مودودیؒ کی مذکورہ وضاحت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ''جاہلیت'' محض ایک لفظ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

قرآن مجید میں یہ اصطلاح چار جگہ آئی ہے اور ہر جگہ جاہلیت کی کسی مخصوص جہت (Dimension) کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(1) سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 154 میں ''ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے یعنی جاہلیت کا گمان اور مراد اس سے اعتقادی گمراہی ہے یعنی منافقین ویسے تو اللہ اور رسولؐ کے ماننے کا اقرار کرتے تھے لیکن اللہ، اس کی صفات اور اس کے وعدوں کے بارے میں خیالات وہی تھے جو زمانہ جاہلیت کی تاریکی میں تھے۔

(2) اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 50 میں ''حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے یعنی جاہلیت کا فیصلہ۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''جاہلیت اس نظام حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالق کائنات کو نہ ہو بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔ جہاں اِقتدار وحکومت کی مسند پر وحی الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور نا تمام علم قابض ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۴۸۰) اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہوگا جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۲۹۷)

(3) اس کے بعد سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 33 میں ''تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے یعنی جاہلیت کا دکھاوا کرنا۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب وتمدن ہے، جو اسلام سے قبل، دنیا خصوصاً عرب میں یونانی ورومی تمدن کے اثر سے رائج تھی۔ مکہ ومدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر آزادانہ گھوما پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی قوموں میں دستور ہے...... اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (الجاهلية الاخرٰی) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔ ''تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ'' کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی بیٹھتی بولتی رہتی تھیں۔ اور یہاں ممانعت اسی سے آئی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۸۶۳) اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن وجمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۵۶۱)

(4) اس کے بعد سورۃ الفتح کی آیت نمبر 26 میں ''حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ'' آیا ہے یعنی جاہلیت کی حمیت (غیرت۔ خود داری) اور یہاں اس سے مراد قریش کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انہوں نے اختیار کیا۔

**ترکیب**

'' وَ '' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف۔ قَالَ کا فاعل مُوسٰیؑ ہیں اور لِقَوْمِهٖ متعلق فعل ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً اس کی خبر ہے۔ اس میں يَاْمُرُ فعل ہے۔ اس کا فاعل اس میں

شامل ضمیر هُوَ ہے۔ کُمْ مفعول بہٖ ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَذْبَحُوْا، حالت نصب میں ہے۔ بَقَرَۃً، تَذْبَحُوْا کا مفعول بہٖ ہے۔ اَمَرَ یَاْمُرُ میں جس چیز کا حکم دیا جائے اس پر 'ب' یا 'اَنْ' کا صلہ آتا ہے۔ قَالُوْا، ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ آگے 'ءَ' استفہامیہ ہے۔ تَتَّخِذُ کا مفعول اوّل 'نَا' ہے جبکہ هُزُوًا اس کا مفعول ثانی ہے۔ هُزُوًا، مصدر ہے یہاں بمعنی مفعول آیا ہے، یعنی وہ جس کا مذاق اڑایا جائے۔ آگے قَالَ کا فاعل حضرت موسیٰؑ ہیں۔ اَعُوْذُ، مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور بِاللّٰهِ اس سے متعلق ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے، اسی لیے اَكُوْنَ حالت نصب میں ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنَا ہے، خبر محذوف ہے اور مِنَ الْجٰهِلِيْنَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | | | | |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:67 | وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى | لِقَوْمِهٖٓ | اِنَّ اللّٰهَ | يَاْمُرُكُمْ |
| | اور (یاد کرو) جب کہا حضرت موسیٰؑ نے | اپنی قوم سے | کہ اللہ | حکم دیتا ہے تم کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَنْ تَذْبَحُوْا | بَقَرَةً | قَالُوْٓا | اَتَتَّخِذُنَا |
| کہ تم ذبح کرو | ایک گائے | انہوں نے کہا | کیا آپؑ بناتے ہیں ہم کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| هُزُوًا | قَالَ | اَعُوْذُ بِاللّٰهِ | اَنْ اَكُوْنَ |
| مذاق کا نشانہ | انہوںؑ نے کہا | میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں (اس سے) | کہ میں ہوں |

| |
|---|
| مِنَ الْجٰهِلِيْنَ |
| جاہلوں میں سے |

نوٹ:1 بنی اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اور قاتل لا پتہ تھا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آپؑ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر قاتل کا نام بتائیں۔ اس پر گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو حسبِ عادت انہوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم نے تو قاتل کا نام پوچھنے کے لیے کہا تھا، آپؑ گائے ذبح کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے؟

نوٹ:2 ''جہل کا لفظ علم کے مقابل میں بھی آتا ہے اور حلم (دانش) کے مقابل میں بھی۔ یہاں یہ حلم کے مقابل میں ہے مطلب یہ ہے کہ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں کوئی ہنسی مسخری کی بات کروں، یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ خدا کا حکم ہے اور اسی میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی ہے۔'' (تدبر القرآن، ج۱،ص:۲۰۳)

## آیت:68

﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾ (۶۸)

| |
|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ب ی ن |

(ض) بَيْنًا (ا) کسی چیز کا الگ ہو جانا یا جدا ہو جانا اور جو کچھ اس میں پوشیدہ ہو، اس کا ظاہر ہو جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ

’’جدا ہونا‘‘ اور ’’ظاہر ہونا‘‘ کے معنوں میں الگ الگ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(ب) بَیَانًا اور تِبْیَانًا کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا۔ تِبْیَانٌ مصدر قرآنِ مجید میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (16/النحل:89) ’’اور ہم نے آپؐ پر کتاب اتاری ہے، ہر بات کو کھول دینے والی۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت میں تبیان کا ترجمہ بطور اسم الفاعل کیا گیا ہے۔ اور بعض بزرگوں نے تبیان کو اسم ذات بمعنی ’’تفصیلی بیان‘‘ ’’کھلا بیان‘‘ لے کر ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً ’’اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) ’’اور اتاری ہم نے آپؐ پر یہ کتاب اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

بَیِّنٌ مونث: بَیِّنَةٌ۔ ج: بَیِّنَاتٌ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں واضح۔ روشن۔ یہ لفظ کسی دلیل یا سند کی صفت کے طور پر آتا ہے اور اکثر موصوف یعنی دلیل یا سند کا لفظ محذوف کر کے صرف صفت استعمال کر لی جاتی ہے بمعنی واضح دلیل یا واضح حجت، چاہے حسی ہو چاہے عقلی۔ ﴿لَوْ لَا يَأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ﴾ (18/الکہف:15) ’’وہ لوگ کیوں نہیں لاتے ان پر یعنی جھوٹے معبودوں پر کوئی روشن دلیل۔‘‘ ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (6/الانعام:157) ’’تو آچکی ہے تم لوگوں کے پاس روشن دلیل تم لوگوں کے رب کی طرف سے۔‘‘ ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ﴾ (2/البقرہ:87) ’’اور ہم نے دیں عیسیٰؑ ابن مریم کو روشن (نشانیاں)۔‘‘ ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ (2/البقرہ:92) ’’بے شک آئے تمہارے پاس موسیٰؑ روشن دلیلیں لے کر۔‘‘ یہ بات یاد رہے کہ قرآنِ پاک میں جب آتا ہے کہ ’’رسول ان کے پاس ’’بَیِّنَاتٌ‘‘ لے کر آئے تو وہاں بینات سے مراد ہوتا ہے (۱) معجزات یعنی ایسی نمایاں علامات اور نشانیاں جو ان رسولوں کے مامور من اللہ ہونے پر واضح شاہد ہوں۔ (۲) دلائل یعنی ایسی روشن دلیلیں جو ان کی پیش کردہ تعلیم کے حق ہونے کا ثبوت دیں۔ (۳) احکام یعنی زندگی کے مسائل سے متعلق ایسی واضح ہدایات جنہیں دیکھ کر ہر معقول آدمی یہ جان سکتا ہے کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کوئی خود غرض جھوٹا آدمی نہیں دے سکتا۔ (واللہ اعلم)۔

بَیْنَ ظرف ہے۔ مضاف بن کر آتا ہے اسی لیے تنوین اور لام تعریف کے بغیر منصوب ہے۔ درمیان۔ بیچ۔ بین کا استعمال یا تو وہاں ہوتا ہے جہاں مسافت پائی جائے جیسے بَيْنَ الْبَلَدَيْنِ (دو شہروں کے درمیان) یا جہاں دو یا دو سے زیادہ کا عدد موجود ہو۔ جیسے بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ (دو آدمیوں کے درمیان) یا بَيْنَ الْقَوْمِ (قوم کے درمیان)۔ جس جگہ معنی وحدت کے ہوں وہاں بین کی اضافت ہو تو تکرار ضروری ہے جیسے ﴿وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:5) ’’اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے۔‘‘ ﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا﴾ (20/طٰہٰ:58) ’’پس تو ہمارے درمیان اور اپنے درمیان وعدے کی جگہ یا وقت مقرر کر لے۔‘‘

بَیَانٌ اسم ذات بھی ہے۔ کلام۔ گفتگو جس کے ذریعے کوئی اپنے مافی الضمیر کو واضح کرے۔ اس معنی کے اعتبار سے قرآنِ مجید کو بَیَانٌ کہا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ (3/آل عمران:138) ’’یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ کسی مشکل، مجمل اور مبہم کلام کی تشریح کو بھی بیان کہا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲﴾ (75/القیامۃ:19) ’’پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔‘‘ اور انسان کے متعلق جو فرمایا: ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④﴾ (55/الرحمٰن:4) ’’پھر سکھلایا اس کو بات کرنا۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ) تو اس میں بیان کے دونوں معنی مراد ہو

سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ بیان استعمال ہوا ہے۔ اس کے ایک معنی تو اظہار مافی الضمیر کے ہیں، یعنی بولنا اور اپنا مطلب و مدعا بیان کرنا۔ اور دوسرے معنی ہیں فرق و امتیاز کی وضاحت، جس سے مراد اس مقام پر خیر و شر اور بھلائی اور برائی کا امتیاز ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۲۴۹)

(افعال) **اِبَانَۃٌ** ظاہر ہونا۔ واضح ہونا۔ ظاہر کرنا۔ واضح کرنا۔ (لازم و متعدی) ﴿وَلَا یَکَادُ یُبِیْنُ ﴾ (43/الزخرف:52) ''اور لگتا نہیں کہ وہ واضح کرے یعنی واضح بات کرے۔''

**مُبِیْنٌ** اسم الفاعل ہے۔ جس کا معنی ہے ظاہر کرنے والا، ظاہر ہونے والا۔ پھر یہ لفظ بطور صفت استعمال ہوتا ہے بمعنی صاف۔ واضح۔ کھلا۔ روشن۔ ﴿اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ (2/البقرہ:168) ''بے شک وہ یعنی شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

(تفعیل) **تَبْیِیْنًا** کسی چیز کو خوب اچھی طرح سے ظاہر کرنا یا واضح کرنا۔ کسی چیز کا خوب اچھی طرح سے ظاہر ہونا یا واضح ہونا۔ (لازم و متعدی)۔ عربی میں کہتے ہیں: ''قَدْ بَیَّنَ الصُّبْحُ لِذِیْ عَیْنَیْنِ آنکھوں والے کے لیے صبح نکل آئی، بَیَّنَ الشَّجَرُ درخت اُگ آیا، بَیَّنَ الْقَرْنُ سینگ نکل آیا۔'' قرآن مجید میں فرمایا: ﴿کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴾ (3/آل عمران:103) ''اس طرح اللہ خوب اچھی طرح واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی نشانیوں کو تاکہ تم لوگ ہدایت پاؤ۔''

**مُبَیِّنَۃٌ** ج: مُبَیِّنَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ خوب واضح یا خوب واضح کرنے والی۔ ﴿اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ﴾ (4/النساء:19) ''سوائے اس کے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں۔'' ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ (24/النور:34) ''اور ہم نے نازل کیں ہیں تم لوگوں کی طرف خوب واضح کرنے والی آیات یا خوب واضح آیات۔''

(تفعّل) **تَبَیُّنًا** (۱) بتکلف جدا ہونا۔ الگ ہونا۔ (۲) کسی چیز کا ازخود واضح ہونا۔ ظاہر ہونا۔ (۳) کسی چیز کے متعلق تحقیق کرنا۔ چھان بین کرنا۔ ﴿قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ﴾ (2/البقرہ:256) ''بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ؕ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:53) ''ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں، آفاق (دنیا، عالم) میں اور ان کے اپنے وجود میں یہاں تک کہ واضح ہو جائے گا ان پر کہ یہ قرآن واقعی حق ہے۔''

**تَبَیَّنْ** ج: تَبَیَّنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو واضح ہو۔ تو تحقیق کر۔ ﴿اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا﴾ (49/الحجرات:6) ''اگر آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کے ساتھ تو تم تحقیق کیا کرو۔''

(استفعال) **اِسْتِبَانَۃٌ** (۱) کسی چیز کی وضاحت طلب کرنا۔ (۲) واضح ہونا۔ ﴿وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ۧ﴾ (6/الانعام:55) ''اور اس طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو تاکہ واضح ہو جائے مجرموں کا راستہ۔''

**مُسْتَبِیْنٌ** اسم الفاعل ہے۔ واضح ہو جانے والا۔ ظاہر۔ واضح۔ ﴿وَاٰتَیْنٰھُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ۚ﴾ (37/الصافات:117) ''اور ہم نے دی ان دونوں کو واضح کتاب۔''

**بَقَرَۃٌ**: البقرۃ آیت 67 دیکھیں۔

**ف ر ض**

(ض) **فُرُوْضًا** گائے کا عمر رسیدہ ہونا یعنی گائے کا بوڑھی ہونا۔

**فَارِضٌ** فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔اس کے مفہوم میں کچھ اختلاف ہے لفظی معنی ہے بوڑھی ہونے والی یا بوڑھا ہونے والا۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس سے مراد ہے وہ بوڑھی گائے جو بچہ جننا چھوڑ دے۔ اِن بزرگوں کے نزدیک فَارِضٌ بوڑھی گائے کے لیے ہی بولا جاتا ہے۔اس کی مونث فَارِضَۃٌ استعمال نہیں ہوتی۔اور بعض بزرگ جن میں امام راغبؒ بھی ہیں، اس سے عمر رسیدہ گائے اور بیل دونوں مراد لیتے ہیں۔اِن بزرگوں کے نزدیک فُرُوْضًا (مصدر) کا معنی ہے گائے یا بیل کا بوڑھا ہونا۔ فَارِضٌ آیت زیرِ مطالعہ میں استعمال ہوا ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ دونوں طرح کیا ہے۔یعنی ''بوڑھی'' کے لفظ سے بھی اور ''بوڑھا'' کے لفظ سے بھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ ''بوڑھی'' سے کیا ہے۔جبکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کا ترجمہ ''بوڑھا'' سے کیا ہے اور حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ نے اس کا ترجمہ ''بڈھا'' سے کیا ہے اور مراد ''بیل'' لیا ہے۔(واللہ اعلم)۔

(ک) **فَرَاضَۃً** علم فرائض کا جاننا۔اس مادے سے فعل غالباً قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**فَارِضٌ و فَرَضِیٌّ** علم فرائض کا جاننے والا۔علم فرائض کا ماہر۔اِن معنوں میں یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(ض) **فَرْضًا** اس کے لغوی معنی ہیں کسی سخت چیز کو کاٹنا اور اس میں نشان ڈالنا یا اثر کرنا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ قرآنِ مجید میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً: (۱) مقرر کرنا۔ (۲) عزم کرنا۔ (۳) خود اپنے اوپر یا دوسرے پر کچھ واجب کرنا، کسی چیز کو ضروری قرار دینا یا فرض کرنا۔اِن معنوں میں عموماً عَلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۴) کسی چیز کی اجازت دینا اور روک اور بندش کو دور کر دینا۔ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ﴾ (2/البقرۃ:236) ''کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اُس وقت کہ اُن کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو اُن کے لیے کچھ مہر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ (2/البقرہ:197) ''حج معلوم مہینوں میں ہے، تو جس نے فرض کیا ان میں حج کو۔'' ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا﴾ (24/النور:1) ''یہ (ایک عظیم الشان) سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اُس (کے احکام) کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ﴾ (28/القصص:85) ''جس (خدا) نے آپؐ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپؐ کو آپؐ کے وطن میں پھر پہنچا کر رہے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ﴾ (33/الاحزاب:38) ''نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اُس کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ﴾ (66/التحریم:2) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَفْرُوْضٌ** اسم المفعول ہے۔فرض کیا ہوا۔مقرر کیا ہوا۔ ﴿وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾ (4/النساء:7) ''اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے اور قرابت داروں نے، کم ہو یا زیادہ، فرض کیا ہوا ایک حصہ ہے۔''

فَرِيْضَةٌ — فَعِيْلَةٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مونث۔ ج: فرائض۔ جو فرض ہو۔ لازم کیا ہوا۔ مقرر کیا ہوا۔ حق مہر۔ ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ (4/النساء:11) ''یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے۔'' ﴿وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ (2/البقرۃ:237) ''اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لیے مہر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

| ب ك ر |
|---|

(ن) بُكُوْرًا — صبح سویرے کچھ کرنا۔ کسی کام کے لیے صبح سویرے نکلنا۔ موسم کے پہلے پھل کو باکورۃ الثمر کہا جاتا ہے جبکہ صبح سویرے کے لیے الصباح الباکر بولا جاتا ہے اور صبح سویرے کوئی کام کرنے کے لیے تبکیر (تفعیل) سے افعال استعمال ہوتے ہیں۔

بِكْرٌ — ج: اَبْكَارٌ۔ ہر چیز کا ابتدائی حصہ۔ پہلا بچہ (چاہے مذکر ہو یا مونث)۔ کنواری (اِن معنوں میں یہ ثَيِّبٌ کی ضد ہے)۔ جوان گائے جس نے ابھی کوئی بچہ نہ جنا ہو۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ (56/الواقعہ:36) ''اور ہم نے بنایا ان کو کنواریاں۔''

بُكْرَةٌ — دن کا ابتدائی حصہ۔ صبح سویرے۔ ﴿اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا﴾ (19/مریم:11) ''کہ تم لوگ تسبیح کرو صبح سویرے اور شام کو۔''

اِبْكَارٌ — دن کا ابتدائی حصہ۔ صبح۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ (3/آل عمران:41) ''اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ع و ن: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ ف ع ل: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

**ترکیب**

قَالُوْا ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اُدْعُ فعل امر ہے۔ لَنَا اس سے متعلق ہے اور رَبَّكَ اس کا مفعول ہے۔ اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے يُبَيِّنْ مجزوم ہوا ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور جملہ اسمیہ مَا هِيَ اس کا مفعول ہے۔ اس میں مَا، مبتدا ہے اور هِيَ اس کی خبر۔ قَالَ، ماضی میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اِنَّهٗ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، 'ہ' ضمیر اس کا اسم ہے اور اگلا جملہ فعلیہ يَقُوْلُ......اس کی خبر ہے۔ اِنَّهٗ میں 'ہ' ضمیر رَبَّ کے لیے ہے۔ يَقُوْلُ کی ضمیر فاعلی بھی رَبَّ کے لیے ہے۔ آگے اِنَّ پھر حرف مشبہ بالفعل ہے۔ 'هَا' ضمیر اس کا اسم ہے اور یہ 'ھا' گائے کے لیے ہے۔ بَقَرَةٌ، اِنَّ کی خبر ہے اور یہ نکرہ مخصوصہ ہے کیونکہ آگے لَا فَارِضٌ، لَا بِكْرٌ اور عَوَانٌ اس کی تین صفتیں آئی ہیں۔ بَيْنَ ذٰلِكَ، مضاف اور مضاف الیہ، ظرف مکان ہے اور عَوَانٌ سے متعلق ہے اور اس سے مراد ہے اِن دونوں عمروں کے درمیان۔ فَافْعَلُوْا میں 'فَ' استئنافیہ ہے اور اِفْعَلُوْا، فعل امر کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ آگے 'مَا' اسم موصول ہے اور تُؤْمَرُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ اسم موصول اور صلہ مل کر مفعول ہے اِفْعَلُوْا کا۔ تُؤْمَرُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اور اسم موصول کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ یعنی مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ۔

| ترجمہ | قَالُوْا | اُدْعُ | لَنَا | رَبَّكَ | يُبَيِّنْ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:68 | انہوں نے کہا | آپؑ پکاریئے | ہمارے لیے | اپنے رب کو | کہ وہ واضح کردے |

| لَنَا | مَا هِيَ | قَالَ | اِنَّهٗ | يَقُوْلُ | اِنَّهَا | بَقَرَةٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ہمارے لیے (کہ) | وہ (گائے) کیسی ہے | انہوںؑ نے کہا | کہ وہ (رب) | فرماتا ہے | کہ وہ | ایک ایسی گائے ہے جو |

| لَا فَارِضٌ | وَّلَا بِكْرٌ | عَوَانٌ | بَيْنَ ذٰلِكَ | فَافْعَلُوْا |
|---|---|---|---|---|
| نہ بوڑھی ہو | اور نہ کنواری ہو (بلکہ) | درمیان میں ہو | اس کے (یعنی بڑھاپے اور جوانی کے) | پس تم کرو |

| مَا | تُؤْمَرُوْنَ |
|---|---|
| وہ جس کا | تمہیں حکم دیا جاتا ہے |

## آیت:69

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾﴾

ق و ل: البقرة آیت 8 دیکھیں۔ دع و: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔
ب ی ن: البقرة آیت 68 دیکھیں۔

**لَوْنٌ** ج: اَلْوَانٌ۔ رنگ۔ یہ لفظ ہر قسم کے رنگ پر بولا جاتا ہے۔ لَوْنٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے نیز فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ۭ﴾ (30/الروم:22) ''اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اور کبھی الوان سے کسی چیز کے انواع واقسام مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے: فُلَانٌ اَتٰی بِالْاَلْوَانِ مِنَ الْاَحَادِيْثِ اس نے رنگا رنگ کی باتیں کیں اور اَلْوَانٌ مِنَ الطَّعَامِ سے مراد ہیں قسم قسم کے کھانے۔'' (لیکن اِن معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔ (واللہ اعلم)

بَقَرَةٌ: البقرة آیت 67 دیکھیں۔

**ص ف ر**

(س) صَفَرًا، صُفْرَةً — زرد ہونا۔ پیلا ہونا۔

اَصْفَرُ — مونث: صَفْرَاۗءُ ج: صُفْرٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ زرد رنگ والا یعنی زرد۔ پیلا۔ سفیدی اور سیاہی کا درمیانی رنگ جو سیاہی سے زیادہ قریب ہو۔ ﴿اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ﴾ (2/البقرہ:69) ''بیشک وہ ایک پیلی گائے ہے۔'' ﴿كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾﴾ (77/المرسلات:33) ''گویا کہ وہ پیلے اونٹ ہیں۔'' امام راغبؒ کے مطابق زرد رنگ چونکہ سیاہی سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے صُفْرٌ کے معنی کبھی سیاہ کے بھی کر دیے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(اِفْعِلَالٌ) اِصْفِرَارًا — زرد ہو جانا۔ پیلا پڑ جانا۔

مُصْفَرٌّ — اسم المفعول ہے۔ زرد ہونے والا۔ ﴿وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ (30/الروم:51) ''اور اگر ہم بھیج دیتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز کھیتوں کو کہ وہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

ف ق ع

(ف۔س) فَقْعًا، فُقُوْعًا: رنگ کا صاف اور خالص ہونا۔ گہرا زرد ہونا۔

فَاقِعٌ: فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ چمکیلا۔ شوخ۔ اکثر یہ لفظ پیلے رنگ کے لیے بطور صفت استعمال ہوتا ہے یعنی گہرا زرد رنگ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''گائے کے رنگوں میں سنہرا اور زرد رنگ سب سے زیادہ دل پسند رنگ ہے۔ عرب شعرا اسی پسندیدگی کے سبب سے محبوبہ کے لیے بھی یہ صفت لاتے ہیں۔ ''فاقع'' کا لفظ اسی رنگ کی گہرائی اور شوخی کے لیے آتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص۲۰۳)

س ر ر

(ن) سُرُوْرًا: کسی کو خوش کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

سُرُوْرٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ دلی خوشی۔ دل کا سرور۔ ﴿وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾ (76/الدھر:11) ''اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عام طور پر وہ خوشی جو دل ہی دل میں محسوس ہو اور ظاہر میں اس کا اثر نہ ہو سُرُوْرٌ کہلاتی ہے۔

مَسْرُوْرٌ: اسم المفعول ہے۔ خوش کیا ہوا۔ خوش وخرم۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ (84/الانشقاق:13) ''بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں خوش وخرم۔''

سَرَّآءُ: فَعْلَآءُ کا وزن ہے۔ فراخی۔ خوشحالی۔ اصل میں حالت شادمانی کا نام سَرَّآءُ ہے اور یہ لفظ ضَرَّآءُ کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ (3/آل عمران:134) ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی۔''

سِرٌّ: ج: اَسْرَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ چھپی ہوئی بات۔ بھید۔ راز۔ دل میں جو بات چھپی ہوئی ہو اسے سِرٌّ کہتے ہیں۔ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ﴾ (9/التوبہ:78) ''کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھید کو اور ان کی سرگوشی کو۔''

سَرِيْرَةٌ: ج: سَرَآئِرُ۔ اسم ذات ہے۔ بھید۔ راز۔ ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ (86/الطارق:9) ''جس روز جانچا جائے گا بھیدوں کو۔''

سَرِيْرٌ: ج: سُرُرٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ تخت۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلسَّرِيْرُ (تخت) وہ جس پر کہ (ٹھاٹھ سے) بیٹھا جاتا ہے یہ سُرُوْر سے مشتق ہے کیونکہ خوشحال لوگ ہی اس پر بیٹھتے ہیں اس کی جمع اَسِرَّةٌ اور سُرُرٌ آتی ہے۔'' ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ﴾ (88/الغاشیہ:13) ''اس میں تخت ہیں اونچے بچھے ہوئے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(افعال) اِسْرَارًا: راز یا بھید کو چھپانا۔ راز یا بھید کو ظاہر کرنا۔ (ضد)۔ جب اس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی دوسرے کو چپکے سے راز کی کوئی بات بتانا۔ ﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ﴾ (12/یوسف:77) ''تو چھپایا اس کو یوسفؑ نے اپنے جی میں۔'' ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ (10/یونس:54) ''اور وہ لوگ چھپائیں گے ندامت کو جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔'' ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ (66/التحریم:3) ''اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب پیمبرؐ نے ایک بات اپنی کسی بیوی سے چپکے سے فرمائی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

اَسِرَّ ج: اَسِرُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو چھپا۔ ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ط﴾ (67/الملک: 13) ''اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔''

| |
|---|
| ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

قَالُوْا۔ ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اُدْعُ فعل امر کا صیغہ ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور مرکب اضافی رَبَّكَ اس کا مفعول ہے۔ اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے يُبَيِّنْ۔ مجزوم ہوا ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور جملہ اسمیہ مَا لَوْنُهَا۔ يُبَيِّنْ کا مفعول ہے۔ اس میں 'مَا' اسم استفہام ہے اور مبتدا ہے لَوْنُهَا اس کی خبر ہے۔ آگے اِنَّهَا میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور 'هَا' ضمیر اس کا اسم ہے جو گائے کے لیے ہے۔ آگے بَقَرَةٌ، اِنَّ کی خبر ہے اور صَفْرَآءُ اس کی صفت اوّل ہے۔ اور فَاقِعٌ، بَقَرَةٌ کی صفت ثانی ہے۔ لَوْنُهَا، فاعل ہے اسم الفاعل فَاقِعٌ کا۔ اگلا جملہ فعلیہ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ، صفت ثالث ہے بَقَرَةٌ کی۔ تَسُرُّ، واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ اور اس کا فاعل اس میں شامل هِيَ کی ضمیر ہے جو کہ بَقَرَةٌ کے لیے ہے۔ اَلنّٰظِرِيْنَ مفعول ہے تَسُرُّ کا اسی لیے حالت نصب میں ہے اور یہ جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے۔

**ترجمہ** — البقرۃ: 69

| قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ | يُبَيِّنْ لَّنَا | مَا |
|---|---|---|
| انہوں نے کہا آپؐ پکاریئے ہمارے لیے اپنے رب کو | کہ وہ واضح کردے ہمارے لیے | کیا ہے |

| لَوْنُهَا ط | قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ | اِنَّهَا | بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا | فَاقِعٌ |
|---|---|---|---|---|
| اس (گائے) کا رنگ | انہوںؑ نے کہا کہ وہ (رب) کہتا ہے | کہ وہ | ایک پیلی گائے ہے | شوخ ہے/خوب گہرا ہے |

| لَّوْنُهَا | تَسُرُّ | النّٰظِرِيْنَ |
|---|---|---|
| اس کا رنگ | وہ (گائے) خوش کرتی ہے | دیکھنے والوں کو |

**نوٹ**

آیتِ مبارکہ کی ترکیب میں بتایا گیا کہ فَاقِعٌ، صفت ثالث ہے بَقَرَةٌ کی اور لَوْنُهَا اس کا فاعل ہے۔ چنانچہ یاد کر لیجیے کہ اسم الفاعل بھی فعل معروف کی طرح کام کرتا ہے اور فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے بشرطیکہ وہ معرف باللّام ہو یا ہمزہ استفہام یا مَا نافیہ کے بعد آیا ہو یا ترکیب میں خبر یا صفت واقع ہوا ہو۔ یہاں فَاقِعٌ، بطور صفت استعمال ہوا ہے اور اس نے فعل کی طرح کام کیا ہے اس لیے لَوْنُهَا اس کا فاعل ہے اور حالت رفع میں ہے۔ (واللہ اعلم)

## آیت: 70

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | بَقَرَةٌ: البقرۃ آیت 67 دیکھیں۔ | ش ب ہ: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ہ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ترکیب** اِنَّ کا اسم اَلْبَقَرَ ہے اس لیے منصوب ہے اور یہاں بَقَرَۃٌ کے بجائے اَلْبَقَرَ اسم جنس آیا ہے۔ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اِنَّا میں شامل نَا کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اسم الفاعل لَمُهْتَدُوْنَ اس کی خبر ہے جس پر لام تاکید داخل ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ جملہ فعلیہ شرط ہے اور اِنَّا لَمُهْتَدُوْنَ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ۙ | قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ | ترجمہ |
| کہ وہ واضح کردے ہمارے لیے کہ وہ کیا ہے | انہوں نے کہا آپؑ پکاریئے ہمارے لیے اپنے رب کو | البقرۃ:70 |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اللّٰهُ | اِنْ شَآءَ | وَاِنَّآ | عَلَیْنَا ؕ | تَشٰبَهَ | اِنَّ الْبَقَرَ |
| اللہ نے | اگر چاہا | اور یقیناً ہم | ہم پر | باہم ملتے جلتے ہوگئے ہیں | بے شک تمام گائے بیل |

| |
|---|
| لَمُهْتَدُوْنَ ۝ |
| توضرور ہدایت پانے والے ہیں (یعنی ضرور ہدایت پالیں گے) |

**نوٹ:1** گائے کے قصے میں اب تک جو آیات زیرِ مطالعہ آئی ہیں ان میں ایک دو باتیں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پس منظر ذہن میں واضح ہو۔ فرعونوں کے دور میں مصر میں گائے کی پرستش عام تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو لوگ تھے ان کی اکثریت مصر میں پیدا ہوئی تھی اور اسی ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ گو مصر میں انہوں نے گائے کی پرستش نہیں کی لیکن اس کی عظمت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی اسی بات نے انہیں بچھڑے کی پرستش پر آمادہ کیا اور اسی وجہ سے وہ گائے ذبح کرنے سے کترا رہے تھے۔

**نوٹ:2** اب پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ آیات 67-68 اور 69 میں حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لفظ بَقَرَۃٌ (کوئی ایک گائے) استعمال کررہے ہیں لیکن اس آیت میں بنی اسرائیل نے اسم جنس اَلْبَقَرَ استعمال کیا ہے جس میں گائے اور بیل دونوں شامل ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ان کی بات میں واحد مذکر کا صیغہ تَشٰبَهَ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصل شبہ اور الجھن بیل کے متعلق تھی۔ اگر گائے کے متعلق ہوتی تو تَشَابَهَتْ آتا۔

ان لوگوں کا یہ اندازِ کلام اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ گائے ذبح کرنے کے حکم کو بیل ذبح کرنے کے حکم میں تبدیل کردے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:3** تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے ہر دفعہ یہ کہا کہ آپ ''اپنے رب'' کو پکاریئے۔ ہر جگہ رَبَّكَ کہا ہے کسی ایک جگہ بھی رَبَّنَا نہیں کہا کہ آپ ''ہمارے رب'' کو پکاریئے۔ یہ اندازِ کلام بھی بہت کچھ غمازی کررہا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت:71

﴿ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

| |
|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ بَقَرَۃٌ: البقرۃ آیت 67 دیکھیں۔ ذ ل ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |

**ث و ر**

(ن) ثَوْرًا بنیادی مفہوم ہے بھڑکنا اور جوش میں آنا۔ غبار، بادل، اور دھویں کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے غبار، دھویں یا بادل وغیرہ کا اوپر اٹھنا اور پھیلنا۔

(افعال) اِثَارَۃً (۱) جوش دلانا۔ ابھارنا۔ (۲) اوپر اٹھانا اور پھیلانا۔ (۳) زمین جوتنا اور کھیتی باڑی کرنا۔ ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا﴾ (30/الروم:48) ''اللہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو تو وہ اوپر اٹھاتی ہیں بادلوں کو'' ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ﴾ (30/الروم:9) ''وہ لوگ زیادہ شدید تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے جوتا زمین کو اور آباد کیا اس کو۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''عام طور پر اثار و الارض کا معنی زمین میں ہل چلانا کیا جاتا ہے، لیکن علامہ ابن حیان نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ قلبوا وجه الارض لاستنباط المياه واستخراج المعاون والقاء البذر فيها للزراعة: والاثارة تحريك الشئ حتى ترتفع ترابهٗ (البحر) یعنی اثارۃ کا لغوی معنی تو کسی چیز کو اس طرح متحرک کرنا اور اسے جنبش دینا ہے کہ اس سے گرد و غبار اُڑنے لگے، لیکن اہل عرب اثار و الارض کا یہ معنی مُراد لیتے ہیں کہ زمین کی سطح کو اس طرح اُلٹ پلٹ کرنا تاکہ اس سے پانی نکالا جا سکے، معدنیات نکالی جا سکیں اور کھیتی باڑی کے لیے اس زمین میں بیج ڈالا جا سکے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۵۶۴) ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴﴾ (100/العادیات:4) ''پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔''

ثَوْرٌ اسم ذات ہے۔ بیل (کیونکہ یہ زمین جوتتا ہے)۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

ء ر ض: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ س ق ی: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔

**ح ر ث**

(ن) حَرْثًا کھیتی باڑی کے لیے زمین کو تیار کرنا اور اس میں بیج ڈالنا، بیج بونا۔ ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴﴾ (56/الواقعہ:63-64) ''کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں جو تم بوتے ہو، کیا تم اُگاتے ہو اس کو یا ہم اگانے والے ہیں۔''

حَرْثٌ اسم ذات بھی ہے۔ کھیتی۔ آیتِ زیرِ مطالعہ نیز فرمایا ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:205) ''پھر جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ قرآنِ مجید میں عورتوں کو بطور تشبیہ کھیتی سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠﴾ (2/البقرۃ:223) ''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔'' جس طرح بیج ڈالنے سے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح رحم میں نطفہ ڈالنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور امام راغبؒ کے مطابق حَرْثٌ بمعنی آبادی بھی آ جاتا ہے۔

**س ل م**

(س) سَلَامًا اور سَلَامَۃً (۱) ظاہری اور باطنی آفات سے محفوظ رہنا، اُن سے چھٹکارا پانا اور بری ہونا۔ سلامتی میں ہونا۔ سلامتی کی دعا دینا۔ (۲) عیب اور نقص سے پاک ہونا۔ صحیح و سالم ہونا۔

**سَالِمٌ** ج: سَالِمُوْنَ- فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔صحیح وسالم۔صحت مند وتندرست۔﴿وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴾(68/القلم:43)''اور یقیناً وہ بلائے جاتے تھے سجدوں کی طرف اس حال میں کہ وہ لوگ صحیح و سالم تھے۔''

**سَلِيْمٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔آفات سے محفوظ۔پاک صاف۔قرآنِ مجید میں یہ لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں مرتبہ قلب کی صفت کے طور پر آیا ہے۔﴿اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾(26/الشعراء:89)''مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)﴿اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾(37/الصافات:84)''جب وہ اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم کے ساتھ متوجہ ہوئے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جو شرک اور کفر سے پاک ہو۔

**سَلَمٌ** اسم ذات ہے۔قرآن مجید میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً:

(ا) پورے کا پورا۔﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ﴾(39/الزمر:29)''بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال،ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(۲) صلح۔﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾(4/النساء:90)''سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۳) اطاعت۔﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾(16/النحل:28)''تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ﴾(16/النحل:87)''اس دن وہ سب (عاجز ہو کر) اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

**سَلْمٌ** اسم ذات ہے۔صلح۔مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾(8/الانفال:61)''اور اگر وہ لوگ جھکیں صلح کے لیے تو آپؐ بھی جھکیں اس کے لیے۔''لَهَا میں 'هَا' ضمیر اَلسَّلْمِ کے لیے ہے کیونکہ یہ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

**سِلْمٌ** اسم ذات ہے۔دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(ا) صلح و امن۔(۲) اسلام۔یہ لفظ بھی مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾(2/البقرہ:208)''اے ایمان والو! تم داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے کے پورے۔''اس آیت کے تحت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''اَلسِّلْمِ کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔لیکن السِّلم سے مراد دین اسلام لی گئی ہے اہل لغت نے بھی اسے قبول کیا ہے اور صحابہ اور تابعین سے بھی مروی ہے۔'' اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''سلم بالکسر و بالفتح دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے،ایک صلح دوسرے اسلام،اس جگہ جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کے نزدیک اسلام مراد ہے۔''

**سُلَّمٌ** اسم ذات ہے۔سیڑھی۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:''سیڑھی کے ذریعہ چونکہ آدمی سلامتی کے ساتھ اوپر پہنچ جاتا ہے اس لیے اس کا نام سُلَّمٌ ہوا۔''﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾(52/الطور:38)''کیا اُن کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

سَلَامٌ — اسم ذات بھی ہے۔ (۱) سلامتی۔ سلامتی کی دعا۔ (۲) صلح۔ عدم مخالفت۔ ﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (6/الانعام:127) ''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس۔'' ﴿وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴾ (10/یونس:10) ''اور ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ ''سلامتی ہو''۔'' اَلسَّلَامُ، اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ﴾ (59/الحشر:23) ''وہ بادشاہ ہے، نہایت مقدس، سراسر سلامتی۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ السّلام استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں سلامتی۔ کسی کو سلیم، یا سالم کہنے کے بجائے سلامتی کہنے سے خود بخود مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو حَسِین کہنے کے بجائے حسن کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سراپا حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو السَّلام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سراسر سلامتی ہے۔ اس کی ذات اِس سے بالاتر ہے کہ کوئی آفت، یا کمزوری یا خامی اس کو لاحق ہو، یا کبھی اس کے کمال پر زوال آئے۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص۴۱۴)۔

(افعال) اِسْلَامًا — کسی کی فرمانبرداری قبول کرنا۔ تابعداری کرنا۔ جھک جانا۔ مطیع ہو جانا۔ (اس طرح انسان عافیت میں آجاتا ہے)۔ اصطلاحاً اس کا معنی ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرنا یعنی اسلام لانا۔ ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ (49/الحجرات:14) ''اور لیکن تم لوگ کہو ہم نے فرمانبرداری قبول کی اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔''

اَسْلِمْ — ج: اَسْلِمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو فرمانبرداری قبول کر۔ ﴿ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ﴾ (22/الحج:34) ''پس تمہارا معبود واحد اللہ ہے تو اس کی ہی تم لوگ فرمانبرداری کرو۔''

مُسْلِمٌ — ج: مُسْلِمُوْنَ۔ مُسْلِمِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ فرمانبرداری قبول کرنے والا۔ تابعدار۔ مسلمان۔ ﴿ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ (12/یوسف:101) ''تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ تو وفات دے مجھ کو اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں اور تو ملا دے مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ۔'' ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:136) ''اور ہم اُسی اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''

مُسْلِمَةٌ — ج: مُسْلِمَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ فرمانبرداری قبول کرنے والی۔ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ (2/البقرۃ:128) ''اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو۔'' ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ﴾ (33/الاحزاب:35) ''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔''

اِسْلَامٌ — اسم ذات بھی ہے۔ اصطلاحاً دین اسلام یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کا ضابطۂ حیات۔ علامہ ابن کثیرؒ نے 'اسلام' کے مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے: هو اتباع الرسل فيما بعثهم الله به فى كل حين حتى ختموا بمحمد صلى الله تعالى عليه و اٰله وسلّم الذى سد جميع الطريق اليه الا من جهة محمد صلى الله عليه وسلم ''ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت و اتباع کو اسلام کہتے ہیں یہاں تک کہ سیدنا محمد رسول اللہؐ کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام نام ہو گیا اتباع محمدیؐ کا۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص۲۱۵)۔ حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''اسلام کے اصلی معنی سونپ دینے کے ہیں ''مذہب اسلام'' کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے

واحد کے سپرد کر دینے اور اُس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا ''اسلام'' انقیاد و تسلیم کا اور ''مسلمانی''، حکم برداری کا دوسرا نام ہوا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۶۶)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے آل عمران ۱۹ اور ۸۵ کے تحت اس لفظ کی وضاحت فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اسلام کے اصل معنی ہیں اطاعت اور فرمانبرداری اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اس کے تابع فرمان ہو جانا۔ پھر یہ لفظ کبھی تو اپنے عام مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (3/آل عمران:83) ''اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے۔'' کبھی یہ لفظ سابقہ انبیاء پر اور ان پر اپنے اپنے زمانے میں ایمان لانے والوں پر بولا جاتا ہے۔ سابقہ انبیاء کا اپنے آپ کو مسلم کہنا اور اپنی امت کو امت مسلمہ کہنا قرآن سے ثابت ہے مثلاً حضرت نوحؑ نے فرمایا: ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (10/یونس:72) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو اور اپنی امت کو امت مسلمہ فرمایا ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ ﴾ (2/البقرۃ:128) اور حضرت عیسیٰؑ کے حواریین نے اسی معنی کے اعتبار سے کہا تھا: ﴿ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (3/آل عمران:52) اور بعض اوقات یہ لفظ خصوصیت سے اس دین اور شریعت کے لیے بولا جاتا ہے جو سب سے آخر میں خاتم الانبیاء ﷺ لے کر آئے اور جس نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور جو ابد قیامت تک رہے گا۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ صرف دین محمدیؐ اور امت محمدیؐ کے لیے مخصوص ہے۔ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ ﴾ (3/آل عمران:19) ''دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ﴾ (3/آل عمران:85) ''اور جو تلاش کرتا ہے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اس سے۔''

**(تفعیل) تَسْلِيْمًا**

یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی کو آفت سے بچانا۔ محفوظ رکھنا۔ ﴿ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ ﴾ (8/الانفال:43) ''اور اگر وہ تمہیں دکھا تا ان لوگوں کو زیادہ تو تم لوگ ہمت ہار دیتے اور تم لوگ جھگڑتے فیصلے میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچا لیا۔''

(۲) کوئی چیز کسی کے حوالے کر دینا۔ سپرد کر دینا۔ ادا کر دینا۔ ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾ (2/البقرۃ:233) ''تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالے کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ان معنوں میں عموماً اِلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳) سلام کرنا۔ سلامتی کی دعا دینا یعنی اللہ تعالیٰ تمام ظاہری اور باطنی آفات سے محفوظ رکھے۔ اِن معنوں میں عموماً علٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ۭ ﴾ (24/النور:27) ''تم لوگ داخل مت ہو کسی کے گھروں میں اپنے گھروں کے علاوہ یہاں تک کہ اجازت مانگ لو اور سلامتی کی دعا دے دو یا سلام کر لو اس میں رہنے والوں کو۔''

(۴) قبول کرنا۔ تسلیم کرنا۔ ﴿ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾ (4/النساء:65) ''پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۵) صحیح و سالم رکھنا۔

سَلِّمْ — ج: سَلِّمُوْا۔فعل امر ہے۔تم سلام کرو۔تم سلام بھیجو۔﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ (24/النور:61)''پس جب بھی تم داخل ہو گھروں میں تو سلام کرو اپنوں کو۔''﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾(33/الاحزاب:56)''اے ایمان والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

مُسَلَّمَةٌ — اسم المفعول ہے، بطور صفت آتا ہے۔بچایا ہوا۔سپرد کیا ہوا۔بے عیب۔صحیح سالم۔﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ﴾(4/النساء:92)''اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو ایک مسلمان گردن یعنی مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے سپرد کیا ہوا اس کے گھر والوں کو۔'' آیت زیر مطالعہ میں اس سے مراد ہے بے عیب، صحیح سالم، ہر مشقت سے محفوظ رکھی ہوئی گائے۔

## و ش ی

(ض) وَشْيًا، شِيَةً — کسی چیز کو مصنوعی طور پر سجانا۔نقش و نگار بنانا۔

شِيَةٌ — ج: شِيَاتٌ۔اسم ذات ہے۔داغ۔نشان۔آیت زیر مطالعہ۔شِيَةٌ اصل میں وَشْيٌ تھا۔شروع کے واؤ کو حذف کر کے آخر میں ۃ بڑھا دی گئی جیسے وَعْدٌ سے عِدَةٌ۔(منتخب لغات القرآن)۔

**اَلْـٰٔنَ** — اب۔ظرف زمان ہے۔مبنی بر فتح ہے۔ہر وہ لمحہ جو ماضی اور مستقبل کے درمیان فرض کیا جائے اسے اَلْـٰٔنَ کہتے ہیں۔اور یہ ہمیشہ الف لام کے ساتھ آتا ہے۔استادِ محترم مفتی سعید صاحب نے اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اصل میں یہ لفظ ''آن/ان'' ہے بمعنی معمولی وقت جیسے اردو میں بھی کہا جاتا ہے آن کی آن میں یہ کام ہو گیا، پھر عربی زبان میں ''اَلْ'' کے شروع میں لگنے سے تعریف و تخصیص پیدا ہو کر نکرہ لفظ معرفہ بن جاتا ہے اور زمانے اور وقت سے تعلق رکھنے والے الفاظ پر الف لام داخل ہونے سے موجود و حاضر کے معنی میں آجاتے ہیں جیسے یَوْمٌ (کوئی سا دن) اَلْيَوْم (حاضر دن یعنی آج)، لَيْلَةٌ (کوئی سی رات) اَللَّيْلَه (آج کی رات)، سَاعَةٌ (کوئی سی ساعت (گھنٹہ) اَلسَّاعَه (موجودہ گھنٹہ)، اسی طرح آنٌ (کوئی سی آن اور لمحہ وقت) الآن/ اَلْـٰٔنَ (آنِ موجود۔اب)۔

## ج ی ء

(ض) جِيْئَةً، مَجِيْئًا — (۱) آنا (لازم)۔(۲) جَآءَ بِهٖ کسی کے ساتھ آنا یعنی لانا (متعدی)۔(۳) کوئی کام کرنا۔﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾(17/بنی اسرائیل:81)''اور آپؐ کہیے حق آیا اور باطل مٹا۔''﴿ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ﴾(6/الانعام:91)''کس نے اتارا کتاب کو جو لائے موسیٰ ؑ۔''﴿ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴾(19/مریم:27)''بے شک آپ نے کیا ہے ایک حیران کن کام۔''﴿ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا ﴾(25/الفرقان:4) اَیْ۔فَعَلُوْهُ۔''انہوں نے بڑا ظلم کیا۔'' آیت 23 کے تحت نوٹ 2 بھی ایک نظر دیکھ لیں۔

جِيْٓءَ — فِيْلَ کے وزن پر ماضی مجہول ہے۔لایا گیا۔ویسے لازم افعال کا مجہول نہیں آتا۔لیکن 'ب' صلے کے ساتھ مجہول استعمال ہو جاتا ہے۔﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾(39/الزمر:69)''اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور گواہ۔''

(افعال) اِجَاءَةً — کسی کو لانا۔﴿ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ﴾(19/مریم:23)''تو لایا اس کو دردِ زہ کھجور کے تنے کی طرف۔''

ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ ذ ب ح: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ ل و د: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔
ف ع ل: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔

**ترکیب**

اِنَّهَا بَقَرَةٌ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے 'ھا' ضمیر اِس کا اسم ہے اور بَقَرَةٌ اس کی خبر ہے۔ لَا ذَلُوْلٌ، بَقَرَةٌ کی صفت اول ہے۔ ذَلُوْلٌ چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کے ساتھ 'ۃ' نہیں لگائی گئی۔ تُثِيْرُ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ھِیَ کی ضمیر ہے جو بَقَرَةٌ کے لیے ہے جبکہ اَلْاَرْضَ اس کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ صفت ہے، ذَلُوْلٌ کی۔ آگے وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ میں 'وٴ' عطف کا ہے 'لَا' زائدہ تاکید کے لیے ہے تَسْقِي فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر 'ھِیَ' ہے جو بَقَرَةٌ کے لیے ہے اور اَلْحَرْثَ اس کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ بھی ذَلُوْلٌ کی صفت ہے۔ مُسَلَّمَةٌ، صفت ثانی ہے، بَقَرَةٌ کی۔ آگے لَا شِيَةَ فِيْهَا میں لَا، لائے نفی جنس ہے، شِيَةَ اس کا اسم ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور فِيْهَا متعلق خبر ہے۔ یہ جملہ صفت ثالث ہے بَقَرَةٌ کی۔ اَلْئٰنَ، ظرف زمان ہے اور یہ جِئْتَ بِالْحَقِّ سے متعلق ہے۔ جِئْتَ فعل اور بِالْحَقِّ متعلق فعل ہے۔ 'بِ' صلے کی وجہ سے اس کا ترجمہ ہوگا ''تو لایا حق کو''۔ فَذَبَحُوْهَا میں 'فَ' استینافیہ ہے۔ ذَبَحُوْا فعل اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل اور 'ھا' اس کا مفعول ہے۔ آگے 'وٴ' حالیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ كَادُوْا، افعال مقاربہ میں سے ہے اس کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ يَفْعَلُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ حال ہے ذَبَحُوْا کی ضمیر فاعلی کا۔

| ترجمہ | قَالَ | اِنَّهٗ | يَقُوْلُ | اِنَّهَا | بَقَرَةٌ | لَّا ذَلُوْلٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:71 | انہوںؑ نے کہا | کہ وہ (رب) | کہتا ہے | کہ وہ | ایک ایسی گائے ہے | جو سدھائی نہیں گئی |

| تُثِيْرُ | الْاَرْضَ | وَلَا تَسْقِي | الْحَرْثَ ۚ | مُسَلَّمَةٌ |
|---|---|---|---|---|
| کہ وہ جوتتی ہو | زمین کو | اور وہ پانی نہیں پلاتی | کھیتی کو | بے عیب ہے |

| لَّا شِيَةَ | فِيْهَا ۭ | قَالُوا | الْئٰنَ | جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ |
|---|---|---|---|---|
| کسی قسم کا کوئی نشان نہیں | اس میں | انہوں نے کہا | اب | تو لایا حق کو |

| فَذَبَحُوْهَا | وَمَا كَادُوْا | يَفْعَلُوْنَ ؀ |
|---|---|---|
| تو انہوں نے ذبح کیا اُس (گائے) کو | اور لگتا نہیں تھا کہ | وہ کریں گے |

## آیت:72

﴿ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ؀ۚ ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

**د ر ء**

(ف) دَرَءَ (۱) جھگڑنا۔ (۲) دفع کرنا۔ ہٹانا۔ ٹالنا۔ (۳) دھکا دینا۔ پھینکنا۔ ﴿وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ (13/الرعد:22) ''اور وہ لوگ ٹالتے رہتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''درء کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَادْرَءُوْا

عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ (تفسیر ماجدی ص ۳۸)

اِدْرَءْ ج: اِدْرَءُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ہٹا۔ ﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ﴾ (3/ آل عمران:168) ''آپؐ کہئے تو تم لوگ ہٹالو اپنی جانوں سے موت کو۔''

(تفاعل) تَدَارُءًا، اِدَّارُءًا جھگڑنا اور جھگڑے میں بات کو یا الزام کو ایک دوسرے پر ڈالنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

| |
|---|
| ع ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ ك ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ |

**ترکیب** 'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قَتَلْتُمْ کا مفعول نَفْسًا ہے۔ فَادّٰرَءْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یہ اصل میں تَدَارَءْتُمْ تھا۔ 'ت' 'د' میں تبدیل ہوگئی اور 'ف' کلمہ کی 'د' میں اس کا ادغام ہوگیا پھر پڑھنے کے لیے شروع میں ہمزہ کا اضافہ کیا گیا تو اِدّٰرَءْتُمْ بن گیا۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے، فِيْهَا اس سے متعلق ہے اور اس میں 'ھا' ضمیر نَفْسًا کے لیے ہے۔ آگے 'وَ' استینافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰهُ، مبتدا ہے اور اسم الفاعل مُخْرِجٌ اس کی خبر ہے۔ یہ مُخْرِجٌ فعل کا کام بھی کررہا ہے اور آگے اسم موصول 'مَا' اپنے صلے كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ہے۔ (واللہ اعلم)

**ترجمہ** البقرۃ:72

| فَادّٰرَءْتُمْ | نَفْسًا | وَاِذْ قَتَلْتُمْ |
|---|---|---|
| تو الزام ایک دوسرے پر ڈالا | ایک جان کو | اور (یاد کرو) جب تم نے قتل کیا |

| كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ | مَّا | مُخْرِجٌ | وَاللّٰهُ | فِيْهَا |
|---|---|---|---|---|
| تم چھپاتے تھے | وہ جو | نکالنے والا تھا | اور اللہ | اس میں (یعنی اس قتل کا) |

**نوٹ:1** آیت میں اِدّٰرَءْتُمْ کا ترجمہ ''جھگڑنے'' اور ''الزام کو ایک دوسرے پر ڈالنے''، دونوں طرح سے کیا گیا ہے۔ مثلاً ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**نوٹ:2** ایک مرتبہ پھر یاد کرلیں کہ جملہ اگر اِذْ سے شروع ہو تو اس کا ترجمہ ماضی میں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ کا ترجمہ ''اللہ نکالنے والا ہے'' کی بجائے ''اللہ نکالنے والا تھا'' کیا گیا ہے۔

## آیت:73

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

| |
|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ ب ع ض: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ ع ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

فَقُلْنَا میں 'فَ' عطف کا ہے اور قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اِضْرِبُوْہُ میں اِضْرِبُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اس کا مفعول 'ہٗ' ضمیر ہے جو واحد مذکر ہے اس لیے یہ مقتول کے لیے ہے۔ بِبَعْضِھَا، مرکب جاری متعلق ہے اِضْرِبُوْا سے۔ اس میں 'ھَا' ضمیر واحد مؤنث ہے اس لیے یہ گائے کے لیے ہے۔ یہ بھی یاد کرلیں کہ ضَرَبَ جب مارنے کے معنوں میں ہو تو جس چیز کے ساتھ مارا جائے اس پر 'بِ' کا صلہ آتا ہے اور جسے مارا جائے وہ بغیر صلے کے آتا ہے۔ کَذٰلِكَ میں 'کَ' حرف تشبیہ ہے، ذَا اسم اشارہ ہے، لِ لام بعد ہے اور كَ کاف خطاب ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے 'اس طرح'۔ یُحْیِ، فعل لفظ اللّٰهُ فاعل اور اَلْمَوْتٰی اس کا مفعول۔ یُرِیْ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول اوّل کُمْ ہے اور اٰیٰتِهٖ مفعول ثانی ہے۔ یہ دراصل اٰیَاتٍ (حالتِ نصب) تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی اور ہٖ کی ضمیر مضاف الیہ ہے۔ لَعَلَّ، حرف مشبہ بالفعل، کُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَعْقِلُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | فَقُلْنَا | اضْرِبُوْهُ | بِبَعْضِهَا ؕ | كَذٰلِكَ | يُحْيِ اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:73 | تو ہم نے کہا | تم لوگ مارو اس (مقتول) کو | اس (گائے) کے حصہ سے | اس طرح | زندہ کرتا ہے اللہ |

| الْمَوْتٰى ۙ | وَيُرِيْكُمْ | اٰيٰتِهٖ | لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ |
|---|---|---|---|
| مردہ کو | اور وہ دکھاتا ہے تم کو | اپنی نشانیاں | تاکہ تم عقل کرو |

**نوٹ**

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا لگنے کے بعد مقتول زندہ ہو گیا اور قاتل کا نام اور پتہ وغیرہ بتا کر پھر مر گیا۔ آیت میں کَذٰلِكَ کے لفظ سے بھی اس طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ قرآنِ مجید نے اس واقعے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے امکان کو بھی واضح کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## آیت:74

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ ﴾

**ق س و**

(ن) **قَسْوًا** ٹھوس ہونا۔ سخت ہونا۔ یہ لفظ عموماً دل کی سختی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے پھر بے رحم ہونا، سنگدل ہونا، حق قبول نہ کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں: اَلذَّنْبُ مُسْقَاةٌ لِّلْقَلْبِ گناہ دل کو سخت بنانے والا ہے۔ ﴿ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ ﴾ (57/الحدید:16) ''پس طویل ہوئی ان پر مدت تو سخت ہو گئے ان کے دل۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

**قَاسٍ** مؤنث: قَاسِيَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سخت ہونے والا یعنی سخت۔ ﴿ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ ﴾ (22/الحج:53) ''آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے اور سخت ہیں جن کے دل۔''

**قَسْوَةٌ** اسم ذات ہے۔ سختی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ بَعُدَ: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ ح ج ر: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔

| ش | د | د |
|---|---|---|

(ض) شِدَّۃً مضبوط و قوی ہونا۔

(ن) شَدًّا سخت کرنا۔ مضبوط کرنا۔ مضبوطی سے باندھنا۔ کسنا۔ ﴿ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ ﴾ (38/صٓ:20) ''اور ہم نے مضبوط کیا اس کی سلطنت کو۔''

شُدُّ اور اُشْدُدْ ج: شُدُّوْا دونوں فعل امر ہیں۔ تو سخت کر۔ تو مضبوط کر۔ تو مضبوطی سے باندھ۔ ﴿ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ ﴾ (47/محمد:4) ''تو تم لوگ مضبوطی سے باندھو رسیاں۔'' ﴿ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ (10/یونس:88) ''اور تو سخت کر دے ان کے دلوں کو۔''

اَشَدُّ اَفْعَلُ التَّفضیل ہے۔ زیادہ سخت۔ ﴿ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:191) ''اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

شَدِيْدٌ ج: اَشِدَّاءُ اور شِدَادٌ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔ مضبوط۔ ﴿ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (57/الحدید:20) ''اور آخرت میں ایک شدید عذاب ہے اور مغفرت ہے اللہ کی طرف سے۔'' ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (48/الفتح:29) ''سخت ہیں کافروں پر اور نرم ہیں آپس میں۔'' ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ ﴾ (12/یوسف:48) ''پھر آئیں گے اس کے بعد سات شدید یعنی سات سختی والے سال۔''

(افعال) اِشْدَادًا عقل یا عمر کی پختگی کو پہنچنا۔ مضبوط ہونا۔

اَشُدٌّ اسم ذات ہے۔ قوت و عقل کی پختگی اور مضبوطی کا زمانہ۔ یہ لفظ جمع ہے جس کا واحد نہیں آتا یا واحد ہے جو جمع کے وزن پر ہے۔ انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت کی طرف بڑھتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت آ سکتی تھی اور اس کی عقل جتنی پختہ ہو سکتی تھی، وہ ہو جائے۔ اس وقت یا زمانے کو اَشُدٌّ کہتے ہیں۔ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے یہ وقت مختلف ہوتا ہے۔ کسی پر یہ زمانہ جلدی آ جاتا ہے اور کسی پر دیر سے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں میں بھی اس عمر کے تعین میں اختلاف ہوا ہے بعض کے نزدیک یہ عمر ۱۵ یا ۱۸ سال ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۵ یا ۳۰ سال ہے اور بعض کے نزدیک یہ عمر ۴۰ سال ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ عمر ۲۵ سال کی ہے۔ البتہ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اَشُدٌّ کی ابتداء بالغ ہو جانے سے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انعام:۱۵۲ ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ ﴾ ''یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) میں اس کی تفسیر ''سن بلوغ'' (یعنی جب یتیم بالغ ہو جائے) سے کی گئی ہے اور جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ معلوم ہوا کہ جب یتیم کے معاملے میں اَشُدٌّ استعمال ہو تو مراد سنِ بلوغ ہوتا ہے۔ اس کے بعد انسان پر جسمانی اَشُدٌّ کا وقت آتا ہے جب وہ پوری طرح سے جوان ہو جاتا ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى ﴾ (28/القصص:14) ''اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حاشیے میں صاحبؒ تفسیر عثمانی فرماتے ہیں ''یعنی موسیٰؑ جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے'' (اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت موسیٰؑ کی عمر مبارک کا یہ وہ وقت تھا جب انہیں نبوت ابھی نہیں ملی تھی لیکن پھر بھی ان کے لیے اَشُدٌّ کا لفظ استعمال ہوا) اور اس کے بعد انسان پر عقلی اَشُدٌّ کا وقت آتا ہے جو کہ

قرآنِ مجید کے مطابق چالیس سال کی عمر ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ﴾ (46/الاحقاف:15) ''یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا چالیس برس کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور یہی وہ عمر ہے جس میں اکثر انبیاءؑ کو نبوت ملتی تھی۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ تفسیر عثمانی فرماتے ہیں: ''چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اس لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔'' اس تفصیل سے ہمارے بزرگوں کے درمیان اَشُدٌّ کی عمر کا جو اختلاف ہوا ہے وہ اختلاف بھی نہیں رہتا۔ باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(افتعال) اِشْتِدَادًا سخت ہونا۔ مضبوط ہونا۔ ﴿اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ١شْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ﴾ (14/ابراہیم:18) ''ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں، زور سے چلی جس پر ہوا سخت آندھی کے دن۔''

| |
|---|
| ف ج ر: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ ن ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |

**ش ق ق**

(ن) شَقًّا اور مَشَقَّةً پھاڑنا۔ کام کا دشوار ہونا۔ کسی کو تکلیف دینا۔ کسی کو مشقت میں ڈالنا۔ ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ﴾ (80/عبس:26) ''پھر ہم نے پھاڑا زمین کو جیسا پھاڑنے کا حق ہے۔'' ﴿وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ﴾ (28/القصص:27) ''اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اَشَقُّ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ دشوار۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ﴾ (13/الرعد:34) ''اور یقیناً آخرت کا عذاب سب سے زیادہ دشوار ہے۔''

شِقٌّ اسم ذات ہے۔ وہ دشواری اور مشقت جو انسان کے بدن کو لاحق ہو۔ ﴿لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ﴾ (16/النحل:7) ''تم لوگ نہیں ہو پہنچنے والے اس کو مگر جان کی سخت مشقت سے۔''

شُقَّةٌ اسم ذات ہے۔ وہ منزل مقصود جس تک بمشکل پہنچا جائے (مفردات)۔ مشکل سفر۔ ﴿وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ﴾ (9/التوبہ:42) ''اور لیکن دور ہوا ان پر مشکل سفر۔''

(مفاعلہ) شِقَاقًا ایک دوسرے کی مخالفت کرنا۔ ضد کرنا۔ جھگڑنا۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ﴾ (8/الانفال:13) ''یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی۔'' ﴿وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ﴾ (16/النحل:27) ''اور اُن سے پوچھے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

شِقَاقٌ اسم ذات بھی ہے۔ مخالفت۔ ضد۔ عداوت۔ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ﴾ (2/البقرۃ:137) ''اور اگر منہ موڑے رہیں، تو بس (بڑی) مخالفت میں پڑے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعّل) تَشَقُّقًا پھٹ جانا۔ ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ﴾ (25/الفرقان:25) ''اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(انفعال) اِنْشِقَاقًا پھٹ جانا۔ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①﴾ (54/القمر:1) ''قریب ہوئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔''

| |
|---|
| خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ م و ہ: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ ھ ب ط: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |

**خ ش ی**

(س) **خَشْیًا، خَشْیَۃً** ڈرنا۔اندیشہ ہونا۔﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾(98/البینۃ:8)''یہ ہے اس کے لیے جو ڈرا اپنے رب سے۔'' ﴿فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾(18/الکہف:80)''پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کردے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

**اِخْشَ** ج: اِخْشَوْا۔فعل امر ہے۔تو ڈر۔﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ﴾(2/البقرہ:150)''تو تم لوگ مت ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے۔''

**خَشْیَۃٌ** اسم ذات بھی ہے۔خوف۔ڈر۔ہیبت۔﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾(4/النساء:77)''پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ان میں سے ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے بھی زیادہ ڈر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔امام راغبؒ لکھتے ہیں: ''اَلْخَشْیَۃُ۔اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل پر طاری ہو جائے۔یہ بات عام طور پر اس چیز کا علم ہونے سے ہوتی ہے جس سے انسان ڈرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ:﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾(28:35)''اور خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔''میں خشیت الٰہی کے ساتھ علماء کو خاص کیا ہے۔''(مفردات القرآن،ا،ص ۲۹۸)۔مولانا مودودیؒ خوف اور خشیت میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''عربی زبان میں ڈر کے لیے خوف اور خشیت دو لفظ استعمال ہوتے ہیں جن کے مفہوم میں ایک باریک فرق ہے۔خوف کا لفظ بالعموم اُس ڈر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی کی طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کے احساس کی بنا پر آدمی کے دل میں پیدا ہو۔اور خشیت اُس ہیبت کے لیے بولتے ہیں جو کسی کی عظمت کے تصور سے آدمی کے دل پر طاری ہو۔''(تفہیم القران،ج۵،ص ۱۲۳)۔صاحبؒ مصباح اللغات فرماتے ہیں:''کلیات میں ہے کہ خشیۃ میں خوف سے زیادہ مبالغہ ہے اس وجہ سے کہ خشیۃ ''شَجَرَۃٌ خَاشِیَۃٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سوکھا درخت اور خوف ''نَاقَۃٌ خَوْفَاءُ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بیمار اونٹنی۔اور ظاہر ہے کہ سوکھے درخت میں درخت کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے بخلاف بیمار اونٹنی کے کہ اُس میں اونٹنی کا خاتمہ نہیں ہوتا،نقصان ہوتا ہے۔اور خوف کے معنی نقصان ہی کے ہیں اور خوف خائف کی کمزوری کی وجہ سے ہو جاتا ہے بخلاف خَشْیَۃ کے کہ جس سے ڈرا جائے اس کی عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔''(مصباح اللغات،ص ۲۰۴)

ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

**غ ف ل**

(ن) **غَفْلَۃً، غَفْلًا** غافل ہونا۔کسی حقیقت کو ذہن میں حاضر نہ رکھنا۔بے خبر ہونا۔عربی میں اَرْضٌ غُفْلٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر نشان راہ نہ ہو اور نا تجربہ کار آدمی کو بھی غُفْلٌ کہا جاتا ہے۔﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ﴾(4/النساء:102)''تمنا کی ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا،کاش تم لوگ غافل ہو اپنے ہتھیاروں سے۔''

**غَافِلٌ** ج: غَافِلُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔غفلت کرنے والا۔آیت زیرِ مطالعہ۔نیز فرمایا:﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾(10/یونس:92)''اور بے شک لوگوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔''

**غَافِلَةٌ** ج: غَافِلَاتٌ۔ غفلت کرنے والی۔ بے خبر۔ بھولی بھالی۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ (24/النور:23) ''جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت کرنے والیوں، بے خبر، ایمان والیوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اَلْغٰفِلٰتِ: اردو محاورے میں ایسے موقع پر بھولی بھالی، سیدھی سادھی کہتے ہیں۔'' اور صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''غافلات سے مراد وہ پاک طینت خواتین ہیں جو طبعاً اتنی نیک ہوتی ہیں کہ ان کے دلوں میں ان فضول حرکتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی فطری عفت کے باعث کمینہ خصلت لوگوں کے طور اطوار سے بالکل ناواقف اور انجان ہوا کرتی ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۰۶)۔

**غَفْلَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ غفلت۔ ''غفلت'' اس بھول کا نام ہے جو انسان کو ہوشیاری اور بیداری کی کمی سے پیش آتی ہے۔ ﴿ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ﴾ (21/الانبیاء:97) ''ہائے ہماری بدبختی ہم تھے غفلت میں اس سے۔''

(افعال) **اِغْفَالًا** غافل کرنا۔ عربی میں اِغْفَالُ الْكِتَابِ کے معنی ہیں کتاب کو نقطے اور اعراب لگائے بغیر چھوڑ دینا۔ ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ (18/الکہف:28) ''اور بات مت مانیں اس کی ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔''

ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

**ترکیب** ثُمَّ حرف عطف ہے۔ قَسَتْ فعل، قُلُوْبُكُمْ فاعل اور مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ متعلق فعل ہے۔ فَهِيَ میں 'فَ' استئنافیہ ہے اور هِيَ کی ضمیر قُلُوْبٌ کے لیے ہے اور جملہ میں هِيَ مبتداء ہے۔ اس کی خبر قَسْوَةٌ محذوف ہے، جبکہ كَالْحِجَارَةِ متعلق خبر تھا جو اب قائم مقام خبر ہے۔ اَوْ کے بعد هِيَ مبتداء محذوف ہے۔ اَشَدُّ اس کی خبر ہے، جس کی تمیز قَسْوَةً ہے (حقانیؒ) اس لیے منصوب ہے۔ وَاِنَّ میں 'وَ' استئنافیہ ہے اور اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اس کی خبر محذوف ہے اور مِنَ الْحِجَارَةِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ لَمَا میں 'مَا' اسم موصول ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے اور اگلا جملہ فعلیہ يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ يَتَفَجَّرُ۔ فعل، اَلْاَنْهٰرُ فاعل اور مِنْهُ متعلق فعل ہے۔ مِنْهُ میں 'ہ' ضمیر سے مراد پتھروں میں سے وہ ایک پتھر ہے جس سے نہریں پھوٹ بہتی ہیں۔ کیونکہ اگر حِجَارَةٌ، جو کہ جمع مکسر ہے، کے لیے ضمیر آتی تو 'هَا' ضمیر آنی چاہیے تھی جو کہ آگے آئی بھی ہے۔ مولانا مودودیؒ یہاں ترجمہ کرتے ہیں ''کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں۔'' آگے پھر 'وَ' حرف عطف ہے، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، مِنْهَا قائم مقام خبر مقدم ہے اور یہ 'هَا' ضمیر اَلْحِجَارَةِ کے لیے ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے۔ آگے جملہ فعلیہ يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ، اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر، اِنَّ کا اسم ہے۔ يَشَّقَّقُ، اصل میں يَتَشَقَّقُ تھا۔ 'ت'، 'ش' میں تبدیل ہوئی پھر دوسری ش میں اس کا ادغام ہو گیا۔ اس کا فاعل اس میں شامل 'هُوَ' کی ضمیر ہے اور اس سے مراد وہ پتھر ہے جو پھٹ جاتا ہے۔ فَيَخْرُجُ میں 'فَ' عطف کا ہے اور يَخْرُجُ عطف ہے يَشَّقَّقُ پر، مِنْهُ متعلق فعل ہے اور اس 'ہ' ضمیر سے مراد وہ پتھر ہے جو پھٹ جاتا ہے۔ اَلْمَآءُ، فاعل ہے يَخْرُجُ کا۔ اسی طرح آگے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْهَا، قائم مقام خبر مقدم، لَمَا میں 'مَا' اسم موصول اور اس پر لام تاکید داخل ہے اگلا جملہ فعلیہ يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ آگے 'وَ' استئنافیہ ہے 'مَا' نافیہ ہے، لفظ اللہ مبتداء ہے، جو کہ اب 'مَا' کا اسم کہلائے گا، بِغَافِلٍ میں 'بِ' زائدہ تاکید کے لیے ہے اور غَافِلٍ خبر ہے۔ غَافِلٍ لفظاً مجرور ہے، جبکہ محلاً منصوب ہے 'مَا' کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ آگے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ، متعلق خبر ہے۔ عَمَّا، عَنْ اور اسم موصول 'مَا' کا مرکب ہے جملہ فعلیہ تَعْمَلُوْنَ، صلہ ہے 'مَا' کا اور صلہ اور موصول، حالتِ جر میں ہیں عَنْ کی وجہ سے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:74 |

| ثُمَّ قَسَتْ | قُلُوْبُكُمْ | مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ | فَهِيَ |
|---|---|---|---|
| پھر سخت ہو گئے | تمہارے دل | یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی | پس وہ (دل) |

| كَالْحِجَارَةِ | اَوْ اَشَدُّ | قَسْوَةً | وَاِنَّ | مِنَ الْحِجَارَةِ |
|---|---|---|---|---|
| پتھروں کی مانند ہیں | بلکہ (وہ) زیادہ ہیں | بالحاظ سختی کے | اور یقیناً | پتھروں میں سے |

| لَمَا | يَتَفَجَّرُ | مِنْهُ | الْاَنْهٰرُ | وَاِنَّ | مِنْهَا | لَمَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ایسا بھی ہے | پھوٹ بہتی ہیں | جس سے | نہریں | اور یقیناً | ان میں | ایسا بھی ہے |

| يَشَّقَّقُ | فَيَخْرُجُ | مِنْهُ | الْمَآءُ | وَاِنَّ مِنْهَا | لَمَا |
|---|---|---|---|---|---|
| جو پھٹ جاتا ہے | اور نکلتا ہے | اس سے | پانی | اور یقیناً ان میں | ایسا بھی ہے |

| يَهْبِطُ | مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ | وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ | عَمَّا | تَعْمَلُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| جو گر پڑتا ہے | اللہ کے خوف سے | اور اللہ ہرگز غافل نہیں ہے | اس سے جو | تم لوگ کرتے ہو |

**نوٹ** حضرت شیخ الہندؒ آیت میں مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ کا مطلب بیان کرتے ہیں: ''یعنی عامیل کے جی اُٹھنے کے بعد'' مطلب یہ کہ ایسی نشانی قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے۔''

## آیت:75

﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ ﴾

| ط م ع |
|---|

(س) طَمْعًا، طَمَعًا اور طَمَاعِيَةً خواہش کے ساتھ کسی چیز کی اُمید رکھنا۔ آرزو کرنا۔ لالچ کرنا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''کسی چیز کی بہت زیادہ خواہش کرنے کو طَمَعٌ اور طَمَاعِيَةٌ کہتے ہیں۔ طَمِعٌ اور طَامِعٌ بہت زیادہ خواہش کرنے والا۔ چونکہ طمع عموماً خواہش نفس کے زیر اثر ہوتی ہے اسی لیے طمع کا اکثر استعمال لالچ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی امید رکھنے کے معنی میں بھی۔'' (لغات القرآن، ج۶، ص۲۶)۔ ﴿ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝٨٤ ﴾ (5/المائدۃ:84) ''اور ہم آرزو کرتے ہیں کہ ہم کو داخل کرے ہمارا رب صالح لوگوں کے ساتھ۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

طَمَعٌ اسم ذات بھی ہے۔ لالچ۔ آرزو۔ امید۔ ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴾ (7/الاعراف:56) ''اور تم لوگ پکارو اس کو خوف کرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے۔''

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | قَدْ: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ک ل م: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ |
| ع ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | | |

**ح ر ف**

(ض) **حَرْفًا** کسی چیز کے کنارے پر ہونا۔ حَرَفَ الشَّیْءَ عَنْ وَجْھِہٖ کسی چیز کو اس کے صحیح رخ سے موڑ کر دوسری سمت میں کر دینا۔ پھیرنا۔ جھکانا۔

**حَرْفٌ** ج: اَحْرُفٌ اور حُرُوْفٌ۔ اسم ذات بھی ہے کنارہ۔ دہانہ۔ عربی میں حَرْفُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کے کنارے کے ہیں، اسی سے پہاڑ، کشتی اور تلوار کے کنارے کو حَرْفٌ کہتے ہیں۔ لاغر اونٹنی کو بھی حرف کہا جاتا ہے۔ حَرْفٌ آواز کو ظاہر کرنے والے نشان کو بھی کہتے ہیں جیسے حروف تہجی اور خاص علم صرف کی اصطلاح میں حرف سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے معنی دوسرے لفظ کے ساتھ ملے بغیر سمجھ نہ آئیں۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ﴾ (22/الحج:11) ''اور لوگوں میں وہ بھی ہے جو بندگی کرتا ہے اللہ کی ایک کنارہ پر۔'' اگر کوئی شخص کسی معاملے میں ایسے موقع پر ہو کہ اگر اسے وہ معاملہ پسند نہ آئے یا اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو اور وہ اس معاملے کو چھوڑ دے تو عربی میں کہتے ہیں فُلَانٌ عَلٰی حَرْفٍ مِّنْ اَمْرِہٖ۔

(تفعیل) **تَحْرِيْفًا** کسی چیز کو کنارے پر کرنا۔ کسی چیز کو ایک طرف مائل کر دینا۔ پھیرنا۔ جھکانا۔ تَحْرِيْفُ الْقَلَمِ کے معنی ہیں قلم کو ٹیڑھا قط لگانا یعنی قلم کو ٹیڑھا کاٹنا اور تَحْرِيْفُ الْكَلَامِ کے معنی ہیں کلام کو اس کے موقع و محل سے پھیر دینا اور اس میں ردوبدل کر دینا۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو کلام کے الفاظ میں تبدیلی کر دینا (لفظی تحریف) یا بات کو اس کے اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کوئی دوسرے معنی بیان کرنا جو بات کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو (معنوی تحریف)۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ﴾ (5/المآئدہ:13) ''وہ لوگ پھیر دیتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے یعنی بات کو بدل دیتے ہیں۔''

(تفعّل) **تَحَرُّفًا** کسی ایک جانب جھک جانا۔ پھر جانا۔ دشمنوں سے لڑائی کے وقت جنگی چال کے طور پر میدانِ جنگ سے اس طرح پیٹھ پھیرنا کہ جس سے دشمن کو غفلت میں ڈال کر اچانک حملہ کرنے کا ارادہ ہو۔ اس ارادے سے پیٹھ پھیرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

**مُتَحَرِّفٌ** اسم الفاعل ہے۔ کسی ایک جانب جھکنے والا۔ پھرنے والا۔ لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا۔ ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ (8/الانفال:16) ''جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

| | | |
|---|---|---|
| بَعْدُ: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اَ۔ حرف استفہام ہے۔ 'فَ' عطف کا ہے اور اس سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے۔ تَطْمَعُوْنَ فعل مضارع ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے اور نواصب مضارع میں سے بھی ہے اسی لیے يُؤْمِنُوْا منصوب ہوا ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے۔ اَنْ مصدریہ نے اگلے جملہ

کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ جملہ یوں ہے اَفَتَطۡمَعُوۡنَ فِیۡ اِیۡمَانِهِمۡ لَكُمۡ۔ نوٹ کر لیجیے یہاں یُؤۡمِنُوۡا کے ساتھ بِكُمۡ نہیں آیا بلکہ لَكُمۡ آیا ہے۔ چنانچہ ترجمہ کریں گے ''کہ وہ لوگ تمہاری بات مان لیں'' (اٰمَنَ یُؤۡمِنُ کے ساتھ 'ل' اور 'ب' صلے کا استعمال ایک دفعہ پھر پڑھ لیں)۔ آگے وَ قَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ میں 'وٗ' حالیہ ہے۔ قَدۡ، تاکید کے لیے ہے۔ كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ فَرِیۡقٌ نکرہ مخصوصہ ہے اور كَانَ کا اسم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے، مِنۡهُمۡ متعلق خبر ہے اور یَسۡمَعُوۡنَ سے شروع ہونے والا جملہ، فَرِیۡقٌ کی صفت ہے۔ كَلٰمَ اللّٰهِ، مرکب اضافی، یَسۡمَعُوۡنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ یُحَرِّفُوۡنَهٗ میں 'ہٗ' ضمیر كَلٰمَ اللّٰهِ کے لیے ہے۔ مِنۡۢ بَعۡدِ متعلق فعل ہے۔ مَا عَقَلُوۡهُ میں 'مَا' کو مصدریہ مانا گیا ہے جس نے اگلے جملے کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور پورا مصدر مُؤَوَّل مضاف الیہ ہے بَعۡدِ کا۔ اور یہ جملہ یوں ہے مِنۡۢ بَعۡدِ عَقۡلِهِمۡ اِیَّاهُ (سلیمان یاقوت)۔ عَقَلُوۡهُ میں 'ہٗ' ضمیر بھی كَلٰمَ اللّٰهِ کے لیے ہے۔ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ میں 'وٗ' حالیہ ہے، هُمۡ مبتدا ہے اور یَعۡلَمُوۡنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اَفَتَطۡمَعُوۡنَ | اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا | لَكُمۡ | وَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:75 | تو کیا تم (اے مسلمانو!) امید رکھتے ہو | کہ وہ لوگ مان لیں گے | تمہاری بات | حالانکہ |

| قَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ | مِّنۡهُمۡ | یَسۡمَعُوۡنَ | كَلٰمَ اللّٰهِ | ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| ایک ایسا گروہ تھا / ہے | ان میں | جو سنتے تھے / ہیں | اللہ کے کلام کو | پھر وہ بدل دیتے تھے / ہیں اُس کو |

| مِنۡۢ بَعۡدِ | مَا | عَقَلُوۡهُ | وَ | هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے بعد | کہ جو | انہوں نے سمجھا اس کو | حالانکہ | وہ جانتے تھے / ہیں |

**نوٹ:1** آیت مبارکہ میں ''وَقَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ'' کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ان میں ایک فرقہ تھا''۔ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں۔'' آیت کے یہ دونوں ترجمے ممکن ہیں۔ چنانچہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''وَقَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ۔ كَانَ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، اور لغت ونحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے اُن کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور ہمعصر یہود کا ہو رہا ہے۔ ائمہ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ حجت معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور ملزم انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۳۹)

**نوٹ:2** یَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ میں كَلٰمَ اللّٰهِ سے مراد یہود کے آسمانی صحیفے ہیں جن میں تورات بھی ہے اور مختلف اوقات میں انہیں آسمانی ہدایت کے جو صحیفے دیے گئے، وہ بھی شامل ہیں۔

## آیت:76

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ لِیُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | ل ق ی: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | خ ل و: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ | ب ع ض: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |

ح د ث

(ن) حَدُوْثًا، حُدُوْثًا کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے نہیں تھی (فعل لازم)۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ قرآن مجید میں یہ زیادہ تر کسی بات یا خبر کے لیے استعمال ہوا ہے البتہ ثلاثی مجرد سے فعل قرآن میں نہیں آیا۔

حَدِیْثٌ ج: اَحَادِیْثُ۔ فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔ ''ہر وہ کلام جو انسان تک پہنچ سکے خواہ بذریعہ سماعت، خواہ بذریعہ وحی، عالم خواب میں ہو یا بحالتِ بیداری، اس کو حدیث کہتے ہیں۔'' (لغات، ج۱، ص۳۲)۔ اصطلاح قرآن وسنت میں نبی اکرمؐ، صحابہ کرامؓ اور تابعین کے قول وفعل وتقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں حدیث کا لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) بات۔ ﴿ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ﴾ (66/التحریم:3) ''اور جب چھپا کر کہی نبیؐ نے اپنی کسی عورت سے ایک بات۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ﴾ (6/الانعام:68) ''یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی اور بات میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) خبر۔ ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ① ﴾ (88/الغاشیہ:1) ''کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۳) قرآنِ مجید۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو بھی حدیث کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ ﴾ (52/الطور:34) ''پس چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ⑧ ﴾ (56/الواقعۃ:81) ''اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۴) خواب۔ ﴿ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ (12/یوسف:6) ''اور سکھا دے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۵) داستان۔ افسانہ۔ ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ﴾ (34/سبا:19) ''تو ہم نے بنا دیا اُن کو افسانے۔'' اس معنیٰ میں اس کا واحد اُحْدُوْثَةٌ بھی آتا ہے۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج۳، ص:۲۵۶)۔

(افعال) اِحْدَاثًا ایجاد کرنا۔ پیدا کرنا۔ کسی چیز کو نئے سرے سے شروع کرنا۔ ﴿ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ⑪ ﴾ (20/طٰہٰ:113) ''یا یہ کہ یہ (قرآن) اُن کے لیے سمجھ پیدا کرے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ⑦ ﴾ (18/الکہف:70) ''تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اُس کا ذکر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

مُحْدَثٌ اسم المفعول ہے۔ ہر وہ قول وفعل جو نیا ظہور پذیر ہوا ہو۔ نئی چیز۔ ﴿ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ⑤ ﴾ (26/الشعراء:5) ''اور نہیں پہنچتی اُن کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(تفعیل) تَحْدِیْثًا خبر دینا۔ بیان کرنا۔ بات کرنا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ یَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ ﴾ (99/الزلزال:4) ''اس دن وہ بیان کرے گی اپنی خبروں کو۔''

حدیث کی اصطلاح میں حَدَّثَ عَنْ فُلَانٍ کا مطلب ہوتا ہے فلاں نے فلاں سے روایت بیان کی۔

حَدِّثْ فعل امر ہے۔ تو خبر دے۔ تو بیان کر۔ ﴿ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ (93/الضحیٰ:11) ”اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

مُحَدَّثٌ اسم المفعول ہے۔ وہ شخص جس کو بیداری یا خواب میں اللہ کی طرف سے یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے کچھ سنائی دے یا القاء کیا جائے۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ حدیث رسولؐ میں حضرت عمرؓ کے لیے استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا: ”اِنْ یَّكُنْ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُحَدَّثٌ فَهُوَ عُمَرُ۔ اگر اس امت میں کوئی محدّث ہوتے تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے۔“ (بحوالہ مفردات القرآن)

| ف | ت | ح |
|---|---|---|

(ف) فَتْحًا اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو کھولنا۔ کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنا۔ یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ظاہری طور پر جیسے فَتْحُ الْبَابِ (دروازہ کھولنا)، فَتْحُ الْقُفْلِ (تالہ کھولنا)، فَتْحُ الْمَتَاعِ (سامان کھولنا)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ ﴾ (12/یوسف:65) ”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا“ یا فرمایا: ﴿ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (15/الحجر:14) ”اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں۔“ اور معنوی طور پر جیسے فَتْحُ الْهَمِّ (غم کھل جانا یعنی غم دور ہو جانا)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ (6/الانعام:44) ”پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی، فراموش کر دی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی ہر چیز کی فراوانی کر دی)۔“ نیز فرمایا: ﴿ لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (7/الاعراف:96) ”تو ہم لازماً ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔“ اس بنیادی مفہوم کے علاوہ یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی کو کوئی بات بتانا۔ اس پر اسے ظاہر کر دینا۔ اِن معنوں میں عموماً عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ فَتَحَ عَلَیْهِ كَذَا۔ اس نے اس کو فلاں بات بتائی یا اس پر فلاں بات ظاہر کر دی۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ﴾ ”کیا تم بیان کرتے ہو ان سے وہ بات جو اللہ نے کھولی تم پر (یعنی جو ظاہر کی تم پر)۔“

(۲) کسی چیز کا ایسا فیصلہ کر دینا جس سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور کسی فریق کو شک و شبہ نہ رہے۔ ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:89) ”اے ہمارے رب تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿ ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ﴾ (34/سبا:26) ”پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے مابین حق سے۔“

(۳) فتح دینا۔ ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴾ (48/الفتح:1) ”(اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی اور فتح بھی صاف اور واضح۔“

(۴) کوئی کام شروع کرنا۔ عربی میں فَتَحَ فُلَانٌ كَذَا کا مطلب ہے فلاں نے یہ کام شروع کیا۔

(۵) ملک فتح کرنا۔ غالب ہونا۔

اِفْتَحْ فعل امر ہے۔ تو کھول۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ (7/الاعراف:89) ”اے ہمارے رب تو فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان انصاف سے۔“

**فَاتِحٌ** ج: فَاتِحُوْنَ-اسم الفاعل ہے۔ کھولنے والا۔ فیصلہ کرنے والا۔قاضی۔﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:89)''اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔''

**فَاتِحَۃٌ** اسم الفاعل ہے۔واحد مونث (۱) کھولنے والی۔(۲) ہر چیز کے آغاز کو فَاتِحَۃٌ کہا جاتا ہے جس سے کسی چیز کو شروع کیا جائے۔اسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کو فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ کہا جاتا ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''فاتحہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی مضمون، کتاب یا کسی شے کا افتتاح ہو۔یہ''دیباچہ''اور''آغازِ کلام'' کا ہم معنی ہے۔''

**فَتَّاحٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت کھولنے والا۔بہت فیصلہ کرنے والا۔اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴾(34/سبا:26)''اور وہ ہی بہت فیصلہ کرنے والا، ہر حال میں جاننے والا ہے۔''

**مِفْتَحٌ** ج: مَفَاتِحُ۔ اسم الآلہ ہے۔کھولنے کا آلہ یعنی کنجی۔ چابی۔﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ﴾(6/الانعام:59)''اور اُسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

**مَفْتَحٌ** ج:مَفَاتِحُ۔ خزانہ۔﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ ﴾(6/الانعام:59)''اور اُسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

نوٹ:مَفَاتِحُ، مِفْتَحٌ(چابی) کی بھی جمع ہے اور مَفْتَحٌ (خزانہ) کی بھی۔

**فَتْحٌ** اسم ذات بھی ہے۔فتح۔فیصلہ۔﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ﴾(61/الصف:13)''مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ ﴾(32/السجدہ:29)''فیصلے کے دن نفع نہیں دے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا، ان کا ایمان۔''

(تفعیل) **تَفْتِيْحًا** کثرت سے کھولنا (مبالغے کا مفہوم ہے)۔﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ﴾(7/الاعراف:40)''ذرا سا بھی نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔''

نوٹ:تُفَتَّحُ مضارع مجہول، واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔

**مُفَتَّحٌ** مؤنث مُفَتَّحَۃٌ۔ اسم المفعول ہے۔کھولا ہوا۔﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴾(38/ص:49-50)''یقیناً متقی لوگوں کے لیے اچھا ٹھکانہ ہے، عدن کے باغات ہیں، کھولے گئے ہیں ان کے لیے دروازے۔''

(استفعال) **اِسْتِفْتَاحًا** فتح مانگنا۔فیصلہ مانگنا۔﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾(2/البقرہ:89)''وہ لوگ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے ان پر جنہوں نے کفر کیا۔''﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾(14/ابراہیم:15)''اور ان لوگوں نے فیصلہ مانگا اور نامراد ہوا ہر سرکش، ہٹ دھرم۔''

ع ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

## ح ج ج

(ن) **حَجًّا** (۱) دلیل میں غالب آنا۔(۲) کسی کی زیارت کا قصد و ارادہ کرنا۔(۳) حج کرنا۔اصطلاحاً یہ لفظ اب صرف حج کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں حج کی نیت سے مخصوص مہینے میں خانہ کعبہ کا قصد کرنے اور وہاں مخصوص افعال ادا کرنے کو حج کہتے ہیں۔﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ ﴾(2/البقرہ:158)''تو جس نے زیارت کی اس گھر کی یعنی حج کیا یا عمرہ کیا۔''

| | | |
|---|---|---|
| | حَجٌّ | یہ لفظ مصدر کے طور پر ہی آتا ہے۔ حج کرنا۔ ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ ﴾ (2/البقرہ:197) ''حج کرنا معلوم مہینوں میں ہے۔ پس جس نے فرض کیا ان میں حج کرنے کو تو کوئی مباشرت نہیں ہے اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے اور کوئی جھگڑا نہیں ہے حج کرنے میں۔'' |
| | حِجٌّ | اسم ہے۔ حج۔ ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ﴾ (3/آل عمران:97) ''اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر اس گھر کا حج۔'' |
| | حِجَّةٌ | ج: حِجَجٌ۔ اسم ذات ہے۔ سال۔ ﴿ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ ﴾ (28/القصص:27) ''اس پر کہ تو ملازمت کرے میری آٹھ سال۔'' نوٹ: سال کے لیے عَامٌ اور حَوْلٌ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ |
| | حُجَّةٌ | ج: حُجَجٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) دلیل۔ حجت۔ وہ دلیل جو صحیح مقصد کی وضاحت کرے۔ ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۤ ﴾ (2/البقرہ:150) ''تاکہ نہ رہے لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل۔'' (۲) بحث و تکرار۔ جھگڑا۔ ﴿ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ ﴾ (42/الشوریٰ:15) ''کوئی بحث/جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں۔'' |
| | حَاجٌّ | اسم الفاعل ہے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع حُجَّاجٌ بھی آتی ہے۔ حج کرنے والا۔ حاجی۔ ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (9/التوبہ:19) ''کیا تم لوگوں نے کر دیا حاجیوں کی سبیل کو اور مسجدِ حرام کے بسانے کو اس کے جیسا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔'' |
| (مفاعلہ) | مُحَاجَّةً | ایک دوسرے سے بحث کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ اصل میں مُحَاجَّةٌ کا مطلب ہے دلائل سے بحث کرنا اور ایک دوسرے کی بات کو دلیل سے رد کرنا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ﴾ (2/البقرہ:258) ''کیا آپؐ نے غور نہیں کیا اس شخص کی حالت کی طرف جس نے بحث کی حضرت ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں۔'' |
| (تفاعل) | تَحَاجًّا | باہم جھگڑا کرنا۔ ﴿ وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ ﴾ (40/مومن:47) ''اور جب وہ لوگ باہم جھگڑا کریں گے آگ میں۔'' |

عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔

**ترکیب**

'وَ' استینافیہ ہے۔ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شرط ہے اور قَالُوْٓا اٰمَنَّا جواب شرط ہے۔ لَقُوْا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جبکہ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صلہ اور موصول مل کر اس کا مفعول ہے۔ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ شرط ہے جبکہ قَالُوْٓا سے تَعْقِلُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ خَلَا کا فاعل بَعْضُهُمْ ہے اور اِلٰى بَعْضٍ متعلق فعل ہے۔ تُحَدِّثُوْنَهُمْ میں هُمْ ضمیر الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے لیے ہے۔ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ میں 'لِ' لام کَیْ ہے اسی لیے مضارع منصوب ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ میں ایک بات یہ بھی نوٹ کریں کہ 'وَ' اور 'فَ' اگر ھَلْ کے ساتھ آئیں تو 'ھَلْ' سے پہلے آتے ہیں جیسے فرمایا فَھَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ اور اگر ہمزہ استفہام کے ساتھ آئیں تو 'اَ' کے بعد آتے ہیں جیسے یہاں فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اور اگلی آیت میں فرمایا اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ۔

| اٰمَنَّا ښ | قَالُوْٓا | اٰمَنُوْا | الَّذِيْنَ | وَاِذَا لَقُوا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم ایمان لائے | تو وہ کہتے ہیں | ایمان لائے | ان لوگوں سے جو | اور جب وہ لوگ ملتے ہیں | البقرۃ:76 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَ اِذَا خَلَا | بَعْضُهُمْ | اِلٰى بَعْضٍ | قَالُوْٓا |
| اور جب تنہائی میں ملتے ہیں | ان کے بعض | بعض سے | تو وہ کہتے ہیں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ | بِمَا | فَتَحَ اللّٰهُ | عَلَيْكُمْ |
| کیا تم بیان کرتے ہو ان سے | اس کو جو | کھولا اللہ نے | تم پر |

| | | | |
|---|---|---|---|
| لِيُحَآجُّوْكُمْ | بِهٖ | عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ | اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶ |
| تاکہ وہ لوگ بحث کریں تم سے | اس کے ذریعہ | تمہارے رب کے پاس | تو کیا تم عقل نہیں کرتے |

**نوٹ** ”یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے دوسرے لوگ اُن میں سے اُن کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند اُن کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزماں ؐ کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔“ (تفسیر عثمانی ص ۱۵)

## آیت:77

﴿ اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷ ﴾

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ء ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ س ر ر: البقرۃ آیت 69 دیکھیں۔

**ع ل ن**

(ن۔ض۔س) عَلَانِيَةً کسی بات کا ظاہر ہونا۔ ﴿ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً ﴾ (13/ الرعد:22) ”اور ان لوگوں نے خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے عطا کیا ان کو پوشیدہ اور ظاہر۔“

(افعال) اِعْلَانًا کسی بات کو ظاہر کرنا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ ﴾ (14/ ابراہیم:38) ”اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے اس کو جو ہم چھپاتے ہیں اور اس کو جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔“

**ترکیب** اَ۔ استفہامیہ ہے، ’وَ‘ عطف کا ہے اور لَا نافیہ ہے۔ يَعْلَمُوْنَ کا فاعل اس میں شامل ’هُمْ‘ کی ضمیر ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ میں اَنَّ کا اسم لفظ اَللّٰهَ ہے اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُ سے يُعْلِنُوْنَ تک اس کی خبر ہے۔ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ، يَعْلَمُ کا مفعول ہے اور یہ پورا جملہ اسمیہ يَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:77

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ | اَنَّ اللّٰهَ | يَعْلَمُ | مَا | يُسِرُّوْنَ | وَمَا |
| تو کیا وہ لوگ جانتے نہیں | کہ اللہ | جانتا ہے | اس کو جو | وہ چھپاتے ہیں | اور اس کو جو |

| |
|---|
| يُعْلِنُوْنَ ۝۷۷ |
| وہ ظاہر کرتے ہیں |

## آیت:78

﴿وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ۝۷۸﴾

| ء م م |
|---|

(ن) اَمًّا (۱) کسی چیز کا قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ (۲) کسی کی ابتداء اور تربیت کا باعث ہونا۔ (۳) راہنمائی کرنا۔

اٰمٌّ ج: اٰمُّوْنَ۔ اٰمِّیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ارادہ کرنے والا۔ قصد کرنے والا۔ ﴿وَلَاۤ اٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ﴾ (5/المائدہ:2) ''اور نہ ہی اس محترم گھر کا ارادہ کرنے والوں کو۔''

اُمٌّ ج: اُمَّهَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ (مذکر: اَبٌ)۔ اس کے مشہور معنی والدہ اور ماں کے ہیں۔ عربی زبان میں حقیقی والدہ کے علاوہ نانی، پرنانی وغیرہ سب کو اُمٌّ کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت حوّاء سلام علیہا تک کو اُمٌّ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک حضرت آدمؑ کو باوا آدم اور حضرت حواء سلام علیہا کو اماں حواء کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوۡسٰٓى﴾ (28/القصص:7) ''اور ہم نے وحی کیا موسیٰؑ کی والدہ کی طرف۔'' ﴿وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ﴾ (16/النحل:78) ''اور اللہ نے نکالا تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے۔'' اُمٌّ کے اس مشہور استعمال کے علاوہ عربی میں کسی شے کی اصل کو یا اس چیز کو جو کسی دوسری چیز کے وجود میں آنے کا سبب ہو یا اس چیز کو جو کسی کی تربیت واصلاح یا دیکھ بھال کا ذریعہ ہو...... بھی اُمٌّ کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً کہکشاں کو عربی میں اُمُّ النُّجُوْم کہتے ہیں اسی طرح مہمانوں کا خیال رکھنے والے کو اُمُّ الاضیاف کہتے ہیں اور مسکینوں کے سہارے کو اُمُّ المساکین کہتے ہیں اور خلیل نحوی کا قول ہے کہ ہر وہ چیز جس کے اندر اس سے متعلق تمام چیزیں سما جائیں، وہ ان کی اُمٌّ کہلاتی ہے۔

(الف) اسی معنی کے لحاظ سے اُمُّ الْکِتَاب کا لفظ ہے۔ جس کا اطلاق کم از کم تین چیزوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) سورہ الفاتحہ کو ام الکتاب یا اُمُّ القرآن کہتے ہیں کیونکہ یہ سارے قرآن مجید کی بنیاد ہے اس کے حقائق کا ماخذ ومنبع اور قرآن کے لیے بمنزلہ دیباچہ اور مقدمہ ہے۔ (۲) لوح محفوظ کو کہتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ۝۴﴾ (43/الزخرف:4) ''اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے برتر مستحکم۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی تھیں۔ (۳) اور قرآن مجید میں محکم آیات کو ام الکتاب کہا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ﴾ (3/آل عمران:7) ''وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ محکم آیات کو ام الکتاب اس لیے فرمایا کہ قرآن مجید کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہی آیات ہیں۔

(ب) اسی معنی کے لحاظ سے اُمُّ الْقُرٰی کا لفظ ہے جیسے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا﴾ (42/الشوریٰ:7) ''اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا کہ تو ڈر سنا دے بڑے گاؤں کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس کی وجہ حضرت علامہ عثمانیؒ یوں بیان کرتے ہیں: ''اُم القریٰ (بڑا گاؤں) فرمایا مکہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے۔ اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں

اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی جگہ سے پھیلانا شروع کیا۔ جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ اور مکہ کے آس پاس سے اوّل ملک عرب اُس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۶۴۳)۔ ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا ﴾ (28/ القصص:59) ''اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یہاں اُمِّهَا سے مراد صدر مقام یا مرکزی بستی ہے۔

(ج) اور قرآنِ مجید میں یہ جو فرمایا: ﴿ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ ﴾ (101/ القارعۃ:9) ''تو اس کا ٹھکانہ گڑھا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے ''تو اس کی ماں ھاویہ ہوگی۔'' اور یہاں جہنم (ھاویہ) کو ماں اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح ماں کی گود بچے کا ٹھکانہ اور جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح اہل جہنم کے لیے قیامت کے روز جہنم کے سوا کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ نہیں ہوگی۔

اُمِّيٌّ

ج: اُمِّيُّوْنَ۔ اُمِّيِّيْنَ (جس کو پھر قرآنِ مجید میں اُمِّيّٖنَ لکھا جاتا ہے)۔ اسم نسبت ہے۔ جو نہ لکھ سکے اور نہ پڑھ سکے۔ ہمارے بزرگوں میں اس کی نسبت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اُمِّيٌّ اُس امت یا قوم کی طرف منسوب ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہو اور عرب اس لحاظ سے دوسری قوموں سے ممتاز تھے کیونکہ ان کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی چنانچہ عربوں کی اس مخصوص صفت کی وجہ سے ان پڑھ آدمی کو اُمِّيٌّ کہا جانے لگا۔ بعض کے نزدیک اُمِّيٌّ، اُمٌّ (ماں) کی طرف منسوب ہے کیونکہ بے پڑھے لکھے شخص کی حالت گویا وہی ہوتی ہے جس حالت پر اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی نسبت ماں کی طرف کی جانے لگی۔ بعض بزرگ اُمِّيٌّ کی نسبت ام القریٰ (مکہ) کی طرف کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں آنحضرتؐ کو اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ (7/ الاعراف:157) ''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمّی ہیں۔'' اور خود قرآنِ مجید آپؐ کو مخاطب کر کے آپؐ کی یہ صفت بیان کرتا ہے۔ ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (29/ العنکبوت:48) ''اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ گویا آپؐ کے اُمّی ہونے سے ایک طرف تو قرآنِ مجید اپنے اعجاز کو ثابت کر رہا ہے اور دوسری طرف آپؐ کے معجزہ یعنی قرآنِ مجید کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ باوجود امی ہونے کے آپؐ کمالِ علوم سے سرفراز ہیں۔ پس اسی لحاظ سے لفظ اُمّی آپؐ کے حق میں صفت مدح ہے اور دوسروں کے حق میں نہیں، جیسے صفتِ تکبر ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے صفتِ مدح ہے اور غیر کے لیے قابلِ مذمت۔ علامہ عثمانیؒ الاعراف: 157 کے تحت فرماتے ہیں: ''اُمّی'' یا تو ''اُم'' (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، نبی کریمؐ نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا آپؐ نے افاضہ فرمایا۔ کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اُس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔ پس ''نبی اُمّی'' کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لیے مایہ صد افتخار ہے، اور یا ''امّی'' کی نسبت ''اُم القریٰ'' کی طرف ہو جو ''مکہ معظمہ'' کا لقب ہے جو آپ کا مولد شریف تھا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۲۲۵)۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآنِ مجید میں اُمّی کا لفظ کئی جگہ آیا ہے اور مختلف مواقع پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

(۱) مشرکینِ عرب کے لیے جیسے فرمایا: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ﴾ (3/ آل عمران:20)

''آپؐ اہل کتاب اور امیوں سے کہیے کیا تم نے اسلام قبول کیا۔'' یا فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (62/الجمعہ:2) ''وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) اہل کتاب کے اَن پڑھ لوگوں کے لیے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ﴾ اور ان میں ہیں ان پڑھ لوگ جن کو علم نہیں کتاب کا سوائے آرزوؤں کے۔''

(۳) خالص یہودی اصطلاح کے طور پر جس سے مراد دنیا کے تمام غیر یہودی یا غیر اسرائیلی لوگ ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ﴾ (3/آل عمران:75) ''یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں کے حق لینے میں کچھ گناہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اِن معنوں میں یہ لفظ عبرانی زبان کے لفظ گوئیم کا ہم معنی ہے جس کا ترجمہ انگریزی بائبل میں Gentiles کیا گیا ہے۔ (تلخیص از تفہیم القرآن، ج۵ ص:۴۸۶)

اُمَّةٌ ج: اُمَمٌ۔ اسم ذات ہے۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا ہے کہ لفظ امت عربی لغت کے اعتبار سے ہر ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں کسی وجہ سے رابطہ واتحاد اور وحدت قائم ہو۔ خواہ یہ وحدت نظریات وعقائد کی ہو، ایک زمانے میں یا کسی ایک جگہ میں جمع ہونے کی ہو یا ان میں رابطے کی وجہ کوئی اور ہو جیسے نسب، زبان، رنگ وغیرہ اور اس رابطے میں امت کے اپنے اختیار کو دخل ہو یا نہ ہو۔ یہ اَمَّ يَؤُمُّ اَمًّا سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب ہے قصد کرنا اور جماعت کو امت اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرف جماعت ہو لوگ اسی طرف کا قصد کرتے ہیں۔ عرف عام میں امت ان ہم عقیدہ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جسے کوئی نبی یا رسول تشکیل دے۔ جیسے فرمایا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (3/آل عمران:110) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی (ہدایت) کے لیے نکالی گئی ہے۔'' یہاں امت سے مراد امت محمدیہؐ ہے۔ یا فرمایا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ (3/آل عمران:104) ''اور چاہیے کہ ہو تم میں ایک ایسی جماعت جو نیکی کی طرف بلائے۔'' نیز اس قوم یا مخصوص گروہ کو بھی امت کہا جاتا ہے جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو جیسے فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ﴾ (10/یونس:47) ''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔'' یا فرمایا: ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ (29/العنکبوت:18) ''اور اگر تم لوگ جھٹلاتے ہو تو جھٹلایا ہے اُمتوں نے تم سے پہلے۔'' حیوانات اور چرند پرند کی ہر جنس بھی ایک امت ہے جیسے فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ﴾ (6/الانعام:38) ''اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر گروہ ہیں تمہاری طرح'' امت کا لفظ دین وضابطہ حیات اور کسی طریقے کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ (43/الزخرف:22) ''ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔'' الامة: الطريقه والدّين۔ کسی طریقہ اور دین کو امت کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۴، ص:۴۰۸)۔ پھر امت کا لفظ 'مدت' یا 'عرصہ دراز' کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (12/یوسف:45) ''اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد۔'' یا فرمایا: ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾ (11/ھود:8) ''اور اگر ہم روکے رکھیں ان سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیمؑ کو ''امت'' کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ﴾ (16/النحل:120) ''اصل میں تو ابراہیمؑ تھا راہ ڈالنے والا، فرمانبردار اللہ کا سب سے ایک طرف ہو کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حضرت ابراہیمؑ کو امت کہنے کی وجہ علامہ عثمانیؒ یوں

بیان کرتے ہیں: ''ابراہیمؑ موحدین کے امام، نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا ایک امت عظیم کے برابر تھے جن کی ذاتِ واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۳۷۱) اس آیت مبارکہ میں امت کے دوسرے معنی امام و پیشوا اور نیکی کے معلم کے بھی کیے گئے ہیں۔

**اِمَامٌ** ج: اَئِمَّۃٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس کا قصد کیا جائے۔ چونکہ راہنما کا قصد کیا جاتا ہے اس لیے اسے امام کہتے ہیں۔ غرض جس کی پیروی کی جائے وہ امام ہے خواہ وہ انسان ہو یا اس کا قول و فعل ہو یا کتاب ہو کہ جس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے یا کوئی اور شے ہو، خواہ وہ شخص جس کی پیروی کی جائے ہدایت پر ہو یا گمراہی پر سب پر امام کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے نیز جمع کے موقع پر بھی اکثر واحد لفظ استعمال ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ مندرجہ ذیل معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) راہنما شخص۔ ﴿اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ (2/البقرۃ:124) ''بے شک میں بنانے والا ہوں آپؑ کو لوگوں کے لیے پیشوا۔'' ﴿وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا﴾ (21/الانبیاء:73) ''اور ہم نے بنایا ان کو پیشوا، وہ لوگ ہدایت دیتے ہیں ہمارے حکم سے۔'' ﴿وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚ﴾ (28/القصص:41) ''اور ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنا دیا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔''

(۲) راہنما کتاب۔ ﴿وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ﴾ (46/الاحقاف:12) ''حالانکہ اس سے قبل حضرت موسیٰؑ کی کتاب بھی راہنما اور رحمت تھی۔''

(۳) اعمال نامہ۔ جیسے فرمایا: ﴿یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ ۚ﴾ (17/بنی اسرائیل:71) ''وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ۔'' بعض بزرگوں نے اس آیت میں امام سے مراد اعمال نامے لیے ہیں۔ اور اعمال ناموں کو امام اس لیے کہا کہ جو ان پر تحریر ہوگا اسی کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔

(۴) لوحِ محفوظ۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾﴾ (36/یٰسٓ:12) ''اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں لکھ رکھا ہے۔'' اس آیت میں امام مبین سے لوح محفوظ مراد لی گئی ہے۔ اور لوح محفوظ کو امام اس لیے کہا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوتا ہے اسی کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے گویا ہر شے اپنے وجود میں اسی کی پیروی کرتی ہے۔

(۵) راستہ۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ۷۹﴾﴾ (15/الحجر:79) ''اور بے شک یہ دونوں بستیاں ایک واضح راستے پر ہیں۔'' راستے کو بھی امام اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا قصد اور پیروی کی جاتی ہے۔

**اَمَامٌ** ظرف مکان ہے۔ سامنے۔ ﴿بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ۚ﴿۵﴾﴾ (75/القیامۃ:5) ''بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے سامنے۔'' (یعنی آئندہ بھی)

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

**م ن ی**

(ض) **مَنۡیًا** (۱) کسی چیز کا اندازہ کرنا یعنی مقدر کرنا۔ (۲) کسی کو کسی چیز میں مبتلا کرنا۔ (۳) آزمائش کرنا۔

**مَنِيٌّ**
اسم ذات ہے۔ منی۔ وہ مادہ (Material) جو نر کے اندر افزائش نسل کے لیے بنتا ہے اور جس کو نر (Male) جفتی کے ذریعے مادہ (Female) کے رحم میں داخل کرتا ہے۔ اس کو منی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حیوانات کی ساخت مقرر کرتی ہے۔ ﴿ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِيٍّ يُّمۡنٰى ﴾ (75/ القیامۃ:37) ''کیا وہ (ابتدا میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) **اِمۡنَاءً**
کوئی رقیق چیز اندازے سے گرانا۔ منی ٹپکانا۔ منی گرانا۔ ﴿ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴾ (56/ الواقعہ:58-59) ''تو کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جو تم گراتے ہو۔ کیا تم پیدا کرتے ہو اس سے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔''

(تفعّل) **تَمَنِّيْ**
علمائے کرام نے تَمَنِّي کے دو معنی بیان کیے ہے۔

(۱) خواہش یا آرزو میں مبتلا ہونا۔ تمنا کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلتَّمَنِّيْ تَقۡدِيۡرُ شَيۡءٍ فِي النَّفۡسِ وَتَصۡوِيۡرُهٗ فِيۡهَا۔ اَلتَّمَنِّيْ کے معنی دل میں کسی خیال کے باندھنے اور اس کی تصویر کھینچ لینے کے ہیں۔ پھر کبھی یہ تقدیر محض ظن و تخمین پر مبنی ہوتی ہے۔ اور کبھی غور و فکر کا نتیجہ اور مبنی بر حقیقت۔ مگر عام طور پر تمنی کی بنا چونکہ ظن و تخمین پر ہی ہوتی ہے اس لیے اس پر جھوٹ کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر طور پر تمنی کا لفظ دل میں غلط آرزوئیں قائم کر لینے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿ اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴾ (53/ النجم:24) ''کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے۔'' ﴿ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ ﴾ (2/ البقرۃ:94) ''تو موت کی آرزو تو کرو۔'' ﴿ وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًا ﴾ (62/ الجمعۃ:7) ''اور یہ ہرگز نہیں کریں گے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۱۰۱۶)

(۲) پڑھنا۔ تلاوت کرنا۔ ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِيۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ﴾ (22/ الحج:52) اس آیت مبارکہ کے دونوں طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں۔''

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اور ہم نے آپؐ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو تو شیطان نے اس کے پڑھنے کے باب میں شبہ ڈالا'' آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے تفسیر عثمانی، تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن اور احسن البیان کا مطالعہ مفید رہے گا۔

**تَمَنَّ**
ج: تَمَنَّوۡا۔ فعل امر کا صیغہ ہے۔ تو خواہش کر۔ تو آرزو کر۔ ﴿ قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴾ (2/ البقرۃ:94) ''کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

نوٹ: یاد کر لیجیے کہ ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ اور فعل امر میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ، دونوں تَمَنَّوۡا ہی بنتے ہیں۔ سیاق و سباق سے اِن کا معنی متعین کیا جاتا ہے۔ ویسے امر کے معنوں میں قرآنِ مجید میں یہ دو جگہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ایک البقرۃ:94 میں اور دوسری مرتبہ الجمعہ کی آیت 6 میں۔ اور دونوں جگہ آگے ملانے کے لیے 'وٗ' کے اوپر 'ـُـ' آئی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**اُمۡنِيَّةٌ**
ج: اَمَانِيُّ۔ اسم ذات ہے۔ یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اندازہ۔ تخمینہ۔

(۲) تمنا۔خواہش۔آرزو۔جھوٹ۔﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ﴾ (22/الحج:52) ''ہم نے آپؐ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اُس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اُس کی آرزو میں کچھ ملا دیا۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿وَ غَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِیُّ﴾ (57/الحدید:14) ''اور دھوکا دیا تم لوگوں کو آرزوؤں نے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''کسی چیز کی تمنا سے جو صورت ذہن میں حاصل ہوتی ہے اسے اُمۡنِیَّۃٌ کہا جاتا ہے۔اور جھوٹ چونکہ کسی غیر واقعی چیز کا تصور کر کے اسے لفظوں میں بیان کر دینے کو کہتے ہیں، اس لیے اُمۡنِیَّۃٌ کو جھوٹ سے تعبیر کرنا بھی صحیح ہے۔اسی معنی میں حضرت عثمانؓ کا قول ہے۔مَا تَغَنَّیۡتُ وَلَا تَمَنَّیۡتُ مُنۡذُ اَسۡلَمۡتُ یعنی میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے تب سے نہ گایا ہے اور نہ جھوٹ بولا ہے۔

(۳) قراءت۔تلاوت۔﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ﴾ (22/الحج:52) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اُس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اُس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیا شیطان نے اُس کے پڑھنے میں شکوک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) (نوٹ کر لیجیے اب تک الحج:52 کے چار تراجم دیے جا چکے ہیں)

(تفعیل) تَمۡنِیَۃً خواہش دلانا۔آرزو میں مبتلا کرنا۔﴿یَعِدُهُمۡ وَیُمَنِّیۡهِمۡ﴾ (4/النساء:120) ''وہ یعنی شیطان وعدہ دیتا ہے ان کو اور ان کو آرزو میں مبتلا کرتا ہے۔''

| |
|---|
| اِنۡ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ ظ ن ن: البقرۃ آیت 46 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

وَ استئنافیہ ہے۔مِنۡهُمۡ قائم مقام خبر مقدم ہے۔اُمِّیُّوۡنَ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، اس کی خبر مَوۡجُوۡدٌ محذوف ہے۔لَا یَعۡلَمُوۡنَ سے اَمَانِیَّ تک پورا جملہ اُمِّیُّوۡنَ کی صفت ہے۔اَلۡكِتٰبَ، مفعول ہے یَعۡلَمُوۡنَ کا۔اِلَّا حرف استثناء ہے اور اَمَانِیَّ مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔وَ عطف کا ہے۔اِنۡ نافیہ اور هُمۡ مبتدا ہے، اِلَّا نفی کی تاکید کے لیے آیا ہے اور یَظُنُّوۡنَ جملہ فعلیہ خبر ہے هُمۡ کی۔یاد کر لیجیے اِنۡ اور اِلَّا ، مَا اور اِلَّا، لَا اور اِلَّا زوردار نفی کے لیے آتے ہیں۔

**ترجمہ**
البقرۃ:78

| وَمِنۡهُمۡ | اُمِّیُّوۡنَ | لَا یَعۡلَمُوۡنَ | الۡكِتٰبَ | اِلَّاۤ اَمَانِیَّ |
|---|---|---|---|---|
| اور ان میں ہیں | کچھ ان پڑھ لوگ بھی | جن کو علم نہیں | کتاب کا | سوائے جھوٹی آرزوؤں کے |

| وَاِنۡ هُمۡ | اِلَّا | یَظُنُّوۡنَ |
|---|---|---|
| اور وہ لوگ نہیں ہیں | سوائے اس کے کہ | وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں |

**نوٹ:1** اس آیت میں یہود کے ان پڑھ عوام کا حال بیان ہو رہا ہے۔

**نوٹ:2** لفظ اُمِّیٌّ (ان پڑھ) کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں واضح ہونی چاہیے کہ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت حصولِ علم میں مدد دیتی ہے لیکن یہ شرط نہیں۔دیہاتوں میں آپ کو آج بھی بہت سے ان پڑھ عالم مل جائیں گے۔یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے مشاہدے اور غور و فکر کی

صلاحیتوں کو استعمال کر کے جو علم حاصل کیا وہ بہتوں سے بہتر ہے۔ دوسری طرف دنیا میں پڑھے لکھے جاہلوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو فکسڈ ڈپازٹ کرا دیا ہے۔ اس لیے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ پڑھا لکھا ہونا اور عالم ہونا یا اَن پڑھ ہونا اور جاہل ہونا لازم وملزوم نہیں ہیں۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:3** حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اَمَانِیَّ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اَمَانِیَّ۔ اُمنیۃ کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت وحقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت وبے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ (تفسیر ماجدی، ص ۴۰) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: امانی کا مفرد ہے امنیۃ جس کا اصل منی ہے۔ اس کا معنی ہے فرض کرنا یا وہ انعام جس کا انسان اپنے آپ کو حق دار اور اہل ثابت نہ کرتے ہوئے خواہش رکھتا ہو۔ اس خواہش کو عربی میں امنیۃ کہتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل کے عوام کا کل سرمایہ نجات کے متعلق ان کے من گھڑت خیالات اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۶۹)

## آیت:79

﴿فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ۗ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۷۹﴾

| و ی ل |
|---|

(x) (x) اس مادہ سے ثلاثی مجرد میں کوئی فعل نہیں آتا جبکہ مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

وَيۡلٌ (ا) اسم ذات ہے۔ ہلاکت۔ تباہی۔ بربادی، خرابی۔ صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ''ویل زبان عرب میں ناراضگی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہماری زبان میں تف اور پھٹے منہ بولتے ہیں پس وہ جو امام احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابو یعلیٰؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ وَیل جہنم میں ایک کنواں ہے اور ابن جریرؒ نے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم میں پہاڑ ہے۔ سو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے کلمہ ویل کی مظہر ہیں یعنی اس کی ناراضگی ان صورتوں میں ظہور کرے گی۔ سو یہ سب سچ ہے۔'' (تفسیر حقانی، ج ۱، ص ۵۰۱)۔ قرآنِ مجید میں وَيۡلٌ اکثر نکرہ استعمال ہوا ہے۔ نکرہ ہونے کے باوجود یہ مبتدا ہوتا ہے، خبر عموماً محذوف ہوتی ہے اور اس کے ساتھ لام کا صلہ آتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ﴾ اور ﴿وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ قرآنِ مجید میں ایک جگہ معرفہ بھی آیا ہے: ﴿وَلَكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ۝۱۸﴾ (21/الانبیاء:18) ''اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لیے ہلاکت ہے اِن (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ وَيۡلٌ کی اضافت اگر ضمیر کی جانب ہو تو غائب، حاضر اور متکلم کی ضمیریں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، خود یہ حالت نصب میں ہی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں لام کا صلہ بھی نہیں آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَيۡلَكَ اٰمِنۡ﴾ (46/الاحقاف:17) ''(اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (20/طٰہٰ:61) ''کہا ان کو (حضرت) موسیٰؑ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ﴾ (28/القصص:80) ''اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے

ان کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ایسی صورت میں وَیْلٌ کی نصب محذوف فعل کے مصدر (یعنی مفعول مطلق) ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وَیْلٌ حرف ندا 'یا' کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ﴾ (21/الانبیاء:14) ''کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے بے شک گنہگار۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ایسی صورت میں وَیْلَۃٌ بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ﴾ (18/الکہف:49) ''اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی تو عجیب حالت ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ﴾ (5/المائدۃ:31) ''کہنے لگا ہائے افسوس کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوّے کی مانند۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یٰوَیْلَتٰی اصل میں یَا وَیْلَتِیْ تھا۔ ندا کے وقت افسوس اور حسرت کی آواز کو کھینچنے کے لیے 'ی' کو الف سے بدل کر 'ت' کو زبر دے دی جاتی ہے جس سے یہ یَا وَیْلَتَا بنتا ہے جو پھر 'ی' کو ظاہر کر کے یَا وَیْلَتٰی لکھا جاتا ہے۔ حرف ندا کے ساتھ استعمال ہو تو یہ منادیٰ ہوتا ہے۔

(۲) وَیْلٌ عربی زبان میں اظہار حیرت اور تعجب کے موقع پر بھی بولتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ﴾ (11/ھود:72) ''سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں ''یٰوَیْلَتٰی'' کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں ''نگوڑی'' کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۳۰۴) اور صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''ویلتیٰ اصل میں ویلتی تھا تخفیف کے لیے 'ی' کو الف سے بدل دیا ''ویل'' کا لغوی معنی ہلاکت ہے۔ یہاں اس سے مراد اپنے لیے بددعا کرنا نہیں، محض اظہار حیرت و تعجب مقصود ہے۔ اور عورتیں عام طور پر اظہار تعجب کے لیے ایسے الفاظ ہی استعمال کرتی ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۳۷۸)

| | | |
|---|---|---|
| ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ی د ی: البقرۃ آیت 66 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |
| عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ |
| ث م ن: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ | ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ | |

## ك س ب

(ض) کَسْبًا کمائی کرنا۔ نفع حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کرنا، خواہ انسان ایسا کام اپنی ذات کے لیے کرے یا کسی دوسرے کے لیے کرے، خواہ اس کام کا نتیجہ اچھا نکلے یا نقصان اٹھانا پڑے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید کی اصطلاح میں (کسب) جزا و سزا کا وہ استحقاق ہے جو آدمی اپنے عمل کے نتیجے میں کماتا ہے۔ نیک عمل کرنے والے کی اصل کمائی یہ ہے کہ وہ اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے۔ اور گمراہی و بدراہی اختیار کرنے والے کی کمائی وہ سزا ہے جو اسے آخرت میں ملنے والی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۶۹)۔ لغات القرآن کے مطابق قرآن مجید میں کسب کا استعمال ۶ طرح سے ہوا ہے۔

(۱) قلبی ارادہ اور نیت کی پختگی کے لیے ﴿وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (2/البقرۃ:225) ''لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا۔''

(۲) اچھے یا برے قول یا فعل کے لیے ﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ (2/البقرۃ:281) ''پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا۔''

(۳) نیک کام کے لیے ﴿ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ ﴾(6/الانعام:158)''یا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔''﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ ﴾(2/البقرۃ:286)''اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا۔''

(۴) برے کام کے لیے ﴿ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ ﴾(6/الانعام:70)''کہ کہیں کوئی شخص (قیامت کے دن) اپنے (برے) اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈال دیا جائے۔''﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ ﴾ (6/الانعام:120)''بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ۔''

(۵) مال کمانے کے لیے ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾(2/البقرۃ:267)''اے ایمان والو! خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائیں۔''

(۶) اولاد کے لیے جیسے ﴿ وَمَا كَسَبَ ﴾(111/اللھب:2) حدیث مبارک میں فرمایا: ''سب سے پاکیزہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کے کسب سے ہے۔'' (بحوالہ لغات القرآن ومفردات القرآن)۔

(افتعال) اِكْتِسَابًا کوشش کر کے کمائی کرنا۔ طلب کرنا۔ امام راغبؒ کے مطابق ایسا کام کرنا جس میں انسان صرف اپنے فائدے کو پیش نظر رکھے۔ لہٰذا ہر اکتساب تو لازماً کسب ہوتا ہے لیکن ہر کسب، لازماً اکتساب نہیں۔ باب افتعال کی ایک خاصیت تحصیل ماخذ میں کوشش کرنا بھی ہے اس لیے جب کہا جائے اِكْتَسَبَ الْعِلْمَ تو اس سے مراد ہے کہ اس نے ارادہ، قدرت اور کوشش سے علم حاصل کیا۔ بعض بزرگوں کے نزدیک کسب اچھے کام کے لیے اور اکتساب برے کام کے لیے آتا ہے۔ لیکن قرآنِ مجید میں یہ دونوں قسم کے اعمال کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ نیک کام کے متعلق فرمایا: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ ﴾(4/النساء:32)''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا'' اور برے کام کے لیے فرمایا: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ ﴾(2/البقرۃ:286)''اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہو گا جو (برا عمل) اس نے کمایا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نوٹ کیجیے کہ یہاں خیر کے لیے کسب کا لفظ اور شر کے لیے اکتساب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ اکتساب افتعال کے وزن پر ہے اور اس میں کوشش اور طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا نیکی کا بدلہ تو بہر حال ملے گا خواہ اس کی تحصیل میں کوشش صرف کی گئی ہو یا نہیں۔ لیکن بدی کی پاداش صرف اس صورت میں ملے گی جب اس کی تحصیل میں طلب اور کوشش شامل ہو۔ نیز فرمایا: ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ ﴾(24/النور:11)''ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب** 'فَ' استئنافیہ ہے۔ وَيْلٌ مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے۔ لِلَّذِیْنَ میں اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ فعلیہ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ اس کا صلہ ہے۔ یَكْتُبُوْنَ فعل وفاعل، اَلْكِتٰبَ مفعول اور بِاَیْدِیْهِمْ متعلق فعل ہے۔ صلہ اور موصول مل کر حالت جر میں ہیں لام جارہ کی وجہ سے اور یہ مرکب جاری قائم مقام خبر ہے وَيْلٌ کی۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ یَقُوْلُوْنَ فعل و فاعل اور هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وہ بات ہے جو وہ کہتے ہیں۔ اس میں هٰذَا، مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ قائم مقام خبر ہے۔ لِیَشْتَرُوْا میں لام تعلیل کا ہے جو وجہ بتا رہا ہے ان کے اس فعل کی۔ لِیَشْتَرُوْا متعلق ہے یَقُوْلُوْنَ سے اور ان دونوں کے فاعل ان میں شامل هُمْ کی ضمیریں ہیں جو اَلَّذِیْنَ کے لیے ہیں۔ جبکہ آگے بِهٖ متعلق ہے لِیَشْتَرُوْا سے اور یہ ضمیر اَلْكِتٰبَ کے لیے ہے۔ ثَمَنًا، یَشْتَرُوْا کا مفعول ہے اور قَلِیْلًا اس کی صفت ہے۔ فَوَیْلٌ میں 'فَ' عطف کا ہے۔ وَيْلٌ مبتدا، لَهُمْ قائم مقام خبر ہے اور مِّمَّا میں مِنْ سببیہ ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے۔ جملہ فعلیہ كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ اس کا صلہ ہے۔ اَیْدِیْهِمْ، كَتَبَتْ کا فاعل ہے۔ صلہ اور موصول حالت

جر میں ہیں مِنۡ سببیہ کی وجہ سے اور یہ جار مجرور متعلق ہے وَیۡلٌ سے۔ آگے پھر 'وَ' عطف کا ہے، وَیۡلٌ مبتدا، لَھُمۡ قائم مقام خبر۔ مِمَّا میں مِنۡ سببیہ اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَکۡسِبُوۡنَ اس کا صلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

**ترجمہ**
**البقرۃ:79**

| فَوَیۡلٌ | لِّلَّذِیۡنَ | یَکۡتُبُوۡنَ | الۡکِتٰبَ | بِاَیۡدِیۡھِمۡ |
|---|---|---|---|---|
| پس ہلاکت ہے | ان کے لیے جو | لکھتے ہیں | کتاب کو | اپنے ہاتھوں سے |

| ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ | ھٰذَا | مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ | لِیَشۡتَرُوۡا | بِہٖ |
|---|---|---|---|---|
| پھر وہ کہتے ہیں | یہ | اللہ کے پاس سے ہے | تا کہ وہ حاصل کریں | اس کے عوض |

| ثَمَنًا قَلِیۡلًا | فَوَیۡلٌ | لَّھُمۡ | مِّمَّا | کَتَبَتۡ | اَیۡدِیۡھِمۡ |
|---|---|---|---|---|---|
| تھوڑی سی قیمت | سو تباہی ہے | ان کے لیے | اس کی وجہ سے جو | لکھا | ان کے ہاتھوں نے |

| وَوَیۡلٌ | لَّھُمۡ | مِّمَّا | یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ |
|---|---|---|---|
| اور تباہی ہے | ان کے لیے | اس کی وجہ سے جو | وہ کمائی کرتے ہیں |

**نوٹ:1** اس آیت میں یہود کے علماء کا حال بیان ہو رہا ہے۔

**نوٹ:2** مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا، اب ذکر خواص اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔'' آگے لکھتے ہیں: ''اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن Textual Criticism انتقادِ تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں۔'' پھر لکھتے ہیں: ''عرب کے اُمّی ﷺ کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی ''کتاب'' (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمام تر محرف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۴۰)

## آیت:80

﴿وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَھۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَھۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾﴾

ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

**م س س**

(ن۔س) مَسًّا اس کا بنیادی مفہوم ہے چھونا۔ ہاتھ لگانا۔ لگنا۔ ﴿وَّ مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾﴾ (50/ق:38) ''اور ہمیں تھکان نے

چھوا تک نہیں۔" ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (56/الواقعۃ:79) "نہیں چھوتے اس کو مگر وہی جو پاک ہیں۔"
نیز آیت زیر مطالعہ۔ کنایۃً یہ لفظ بیوی سے ہم بستری کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ (2/البقرۃ:237) "اور اگر تم طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ تم ان کو چھوؤ۔" (یعنی ان سے ہم بستری سے پہلے)۔ ﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ (3/آل عمران:47) "حضرت مریم بولیں اے میرے رب کیسے ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔" پھر یہ لفظ انسان کو پہنچنے والے اچھے اور برے دونوں قسم کے حالات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝﴾ (70/ المعارج:20،21) "جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو شکوہ شکایت کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔" یا فرمایا: ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (6/الانعام:17) "اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ پہنچائے تو اُس کا دور کرنے والا بھی کوئی نہیں بجز خود اُسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

**مَسٌّ** اسم ذات بھی ہے۔ مَس۔ TOUCH۔ ﴿ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝﴾ (54/القمر:48) "(تو اُن سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو" (ترجمہ ماجدیؒ)۔ مجازاً مَسٌّ کا اطلاق جنون پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ﴾ (2/البقرۃ:275) "جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں، وہ لوگ نہ کھڑے ہوسکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو" (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: "مس اور مسِ شیطانی سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔"

**مِسَاسَ** اسم فعل ہے بمعنی امر یعنی چھو۔ اور کہا جاتا ہے لَا مِسَاسَ یعنی مت چھو۔ ﴿فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ (20/طٰہٰ:97) "تو یقیناً تیرے لیے ہے یعنی تیری سزا ہے زندگی میں کہ تو کہے مت چھوؤ۔"

(تفاعل) **تَمَاسًّا** ایک دوسرے کو چھونا۔ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانا۔ ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ﴾ (58/المجادلہ:3) "تو آزاد کرنا ہے ایک گردن کا اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں۔"

| | | |
|---|---|---|
| اَيَّامٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ع د د: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ |
| عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ع ہ د: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | اَمْرٌ: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے اور قَالُوْا، ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَمَسَّ حالت نصب میں ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زوردار نفی کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ تَمَسَّ کا مفعول ضمیر 'نَا' ہے اور اَلنَّارُ اس کا فاعل ہے۔ اِلَّا حرف استثنٰی ہے اور اَيَّامًا

ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور مَّعۡدُوۡدَۃً اس کی صفت ہے۔ اَیَّامًا غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے صفت واحد مؤنث آئی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تین مقامات پر جمع مؤنث مَعۡدُوۡدَات بھی آئی ہے۔ قُلۡ فعل امر ہے۔ اَتَّخَذۡتُمۡ دراصل اَاِتَّخَذۡتُمۡ تھا۔ اَ استفہام انکاری ہے اور اِتَّخَذۡتُمۡ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ افتعال کا ہمزۃ الوصل ماقبل سے ملا کر پڑھنے کے لیے صامت (SILENT) ہوا تو یہ اَتَّخَذۡتُمۡ بنا پھر ہمزۃ الوصل لکھنے میں بھی گر گیا۔ عِنۡدَ اللّٰہِ ظرف ہے اور اِتَّخَذۡتُمۡ سے متعلق ہے۔ عَہۡدًا اس کا مفعول ہے۔ اِتَّخَذَ عموماً دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ لیکن کبھی ایک مفعول کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے یہاں ہے۔ اگلا جملہ فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ جواب شرط ہے اور اس سے پہلے شرط محذوف ہے جو کہ حضرت محی الدین الدرویشؒ کے مطابق اِنِ اتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَہۡدًا ہے۔ یُّخۡلِفَ فعل ہے اور نواصب مضارع لَنۡ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لفظ اَللّٰہُ اس کا فاعل اور مرکب اضافی عَہۡدَہٗۤ اس کا مفعول ہے۔ اَمۡ حرف عطف ہے۔ تَقُوۡلُوۡنَ فعل وفاعل، عَلَی اللّٰہِ اس سے متعلق ہے۔ قَالَ کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کسی پر بہتان باندھنا۔ آگے 'مَا' اسم موصول ہے اور لَا تَعۡلَمُوۡنَ اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں، تَقُوۡلُوۡنَ کے۔ (واللہ اعلم)

| ترجمہ | وَقَالُوۡا | لَنۡ تَمَسَّنَا | النَّارُ | اِلَّاۤ | اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:80 | اور ان لوگوں نے کہا | ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو | آگ | مگر | گنے ہوئے چند دن |

| قُلۡ | اَتَّخَذۡتُمۡ | عِنۡدَ اللّٰہِ | عَہۡدًا | فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ |
|---|---|---|---|---|
| آپؐ کہیے | کیا تم لوگوں نے لیا | اللہ کے پاس سے | کوئی وعدہ | تب تو اللہ خلاف ورزی نہیں کرے گا |

| عَہۡدَہٗۤ | اَمۡ | تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ | مَا | لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ |
|---|---|---|---|---|
| اپنے وعدے کی | یا | تم یونہی بہتان باندھتے ہو اللہ پر | اس (بات) کا | تم جانتے ہی نہیں |

## آیت:81-82

﴿بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓــَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| بَلٰی: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | مَنۡ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ک س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |
| س و ء: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | ح و ط: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | خ ط ی: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ص ح ب: البقرۃ آیت 39 دیکھیں۔ | ن و ر: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | خ ل د: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |
| ج ن ن: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب**

بَلٰی حرف جواب ہے اور یاد کر لیجئے کہ یہ نفی کی تردید کے لیے آتا ہے۔ پچھلی آیت میں یہودیوں کے ایک دعوے کا ذکر ہے جس میں نفی شامل ہے کہ دوزخ کی آگ ہم کو نہیں چھوئے گی۔ اس 'نہیں' کی تردید کے لیے بَلٰی لایا گیا یعنی کیوں نہیں، ضرور چھوئے گی بلکہ ہمارا قانون تو یہ ہے......

الخ۔ مَنْ شرطیہ ہے اور مبتدا ہے۔ کَسَبَ فعل و فاعل اور سَیِّئَۃً اس کا مفعول ہے۔ وؔ عطف کا ہے اور اَحَاطَتْ عطف ہے کَسَبَ پر۔ بِہٖ جار مجرور متعلق ہیں اَحَاطَتْ سے اور بِہٖ میں 'ہ' ضمیر مَنْ کے لیے ہے۔ خَطِیْٓئَتُہٗ، فاعل ہے اَحَاطَتْ کا۔ یہ پورا جملہ فعلیہ خبر ہے مَنْ کی۔ یہاں تک بیان شرط ہے۔ اس کے آگے فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ جواب شرط ہے جس میں دو جملہ اسمیہ ہیں۔ فَاُولٰٓئِکَ مبتداء اور اَصْحٰبُ النَّارِ خبر ہے۔ ھُمْ مبتداء، خٰلِدُوْنَ خبر اور فِیْھَا متعلق خبر ہے۔ اس میں ھَا کی ضمیر اَلنَّار کے لیے ہے۔ وَالَّذِیْنَ میں وؔ عطف کا ہے اور اگلا جملہ مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً پر عطف ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہیں۔ اس کی دو خبریں آئی ہیں۔ خبر اوّل اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ہے خبر ثانی ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ہے۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:81-82 |

| خَطِیْٓئَتُہٗ | بِہٖ | وَّ اَحَاطَتْ | سَیِّئَۃً | مَنْ کَسَبَ | بَلٰی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اس کی برائی نے | اس کو | اور گھیر لیا | کوئی برائی | جس نے کمائی | کیوں نہیں (چھوئے گی، بلکہ ہمارا قانون ہے کہ) |

| وَالَّذِیْنَ | خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ | فِیْھَا | ھُمْ | اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ | فَاُولٰٓئِکَ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اور جو لوگ | ہمیشہ رہنے والے ہیں | اس میں | وہ لوگ | آگ والے ہیں | تو وہ لوگ |

| فِیْھَا | ھُمْ | اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ | اُولٰٓئِکَ | وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ | اٰمَنُوْا |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اس میں | وہ لوگ | جنت والے ہیں | وہ لوگ | اور عمل کیے نیک | ایمان لائے |

| خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع |
| --- |
| ہمیشہ رہنے والے ہیں |

**نوٹ:1** حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''خلود فی النار کا ضابطہ: (بجز چند روز کے تم کو آتشِ دوزخ) کیوں نہیں (لگے گی، بلکہ ابدالآباد تک اس میں رہنا ضرور ہے، کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ) جو شخص قصداً بُری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا (وقصور اس طرح احاطہ کرلے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے، اور جو لوگ (اللہ و رسولؐ پر) ایمان لاویں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔''

**نوٹ:2** حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''نجات و عدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ قصداً بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لیے ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابر اہل سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ بعض اہل باطل (معتزلہ و خوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدم مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحاً باطل ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۴۱)

## آیت:83

﴿وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ع خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | اِلَّا: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |
| ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | | |

### و ل د

(ض) وِلَادَۃً ، وِلَادًا بچہ جنا۔﴿وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴾(90/البلد:3)''اور قسم کھاتا ہوں والد کی اور جو اُس نے جنا۔''﴿وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿۲۷﴾﴾(71/نوح:27)''اور وہ لوگ نہیں جنیں گے مگر گنہگار ناشکرے کو۔''

وَالِدٌ مؤنث: وَالِدَۃٌ۔ ج: وَالِدَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ بچہ جننے والا یعنی والد۔ باپ۔﴿وَاخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِہٖ ۫﴾(31/لقمان:33)''تم لوگ ڈرو ایک ایسے دن سے جب کام نہیں آئے گا کوئی باپ اپنی اولاد کے۔''﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌۢ بِوَلَدِہَا﴾(2/البقرۃ:233)''تکلیف نہ پہنچائی جائے کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے۔''﴿وَ الۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ﴾(2/البقرۃ:233)''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔''

نوٹ: وَالِدٌ اور اَبٌ میں فرق: عربی زبان میں وَالِدٌ کا لفظ صرف باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی وہ شخص جس نے جنا ہو۔ اسی طرح وَالِدَۃٌ کا لفظ صرف اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس نے بچہ پیدا کیا ہو۔ ماں باپ دونوں کے لیے وَالِدَیۡنِ کا لفظ آتا ہے جبکہ اَبٌ کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ باپ، دادا، پردادا اور اوپر کی سب پشتوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ ماں باپ کے لیے اَبَوَانِ، اَبَوَیۡنِ آتا ہے۔ اس کی جمع آبَاءٌ آتی ہے۔ اب اس کی مثالیں دیکھیں۔ (۱) صرف ماں باپ کے لیے جیسے فرمایا:﴿وَ اَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤۡمِنَیۡنِ﴾(18/الکھف:80)''اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔''(۲) کئی پشتوں کے لیے جیسے فرمایا:﴿مَّا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا﴾(23/المومنون:24)''ہم نے اپنے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی سنی ہی نہیں۔''(۳) قرآنِ مجید میں مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:﴿مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ہُوَ سَمّٰىکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۬﴾(22/الحج:78)''اور تمہارے لیے تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کا نظامِ دین پسند کیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا۔''اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ کو مومنین کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ حضورؐ میں اور حضرت ابراہیمؑ میں تقریباً 62 پشتوں کا فاصلہ ہے۔(بحوالہ مترادفات القرآن،ص ۱۶۷)(۴) حتیٰ کہ قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کے لیے اَبٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:﴿یٰبَنِیۡۤ

اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ ﴾ (7/الاعراف:27) ''اے بنی آدم دیکھنا کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا تھا۔'' (۵) اَبٌ کی اصل اَبَوٌ ہے۔ یہ لفظ کسی کی تربیت، اصلاح اور خوراک کی فراہمی پر بھی دلالت کرتا ہے اسی لیے جب بیٹا، باپ سے مخاطب ہوتو عموماً اَبٌ کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ﴿ یٰۤاَبَتِ ہٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ﴾ (12/یوسف:100) ''اے ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔'' (۶) پھر اَبٌ کا لفظ بعض دفعہ کسی خاص صفت کی وجہ سے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے میزبان کو ابوالاضیاف اور جنگجو کو ابوالحرب کہہ دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ابولہب کا لفظ اسی معنی کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کا رنگ شعلہ کی طرح دمکتا تھا۔ (۷) اسی طرح کسی چیز سے نسبت اور پیار کی وجہ سے کنیت رکھ لیتے ہیں جیسے ابوہریرہ اور ابوتراب وغیرہ۔ (۸) امام راغبؒ کے مطابق اَبٌ کا لفظ چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں حضرت یعقوبؑ کا قول آیا ہے: ﴿ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡہِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰہًا وَّاحِدًا ۚۖ ﴾ (2/البقرۃ:133) ''اور یاد کرو جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے، وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی، جو ایک معبود ہے۔'' اس آیت میں حضرت اسماعیلؑ کو حضرت یعقوبؑ کے آباء کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے۔ (۹) کبھی استاد کو بھی اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**وَالِدَانِ** — وَالِدَیۡنِ (نصب وجر)۔ یہ وَالِدٌ کا تثنیہ ہے۔ اصطلاحاً ماں، باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ ﴾ (4/النساء:7) ''مردوں کے لیے حصہ ہے اُس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار۔'' ﴿ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ ﴾ (31/لقمان:14) ''کہ تو شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا۔''

**مَوۡلُوۡدٌ** — اسم المفعول ہے۔ جنا ہوا۔ پیدا کیا ہوا یعنی بچہ۔ ﴿ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ ہُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِہٖ ﴾ (31/لقمان:33) ''اور نہ کوئی بچہ کام آنے والا ہے اپنے باپ کے۔''

**وَلَدٌ** — ج: اَوۡلَادٌ۔ اسم ذات ہے۔ جو جنا گیا۔ بچہ یا بچی۔ بیٹا۔ وَلَدٌ کا لفظ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث، چھوٹا، بڑا سب کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع اَوۡلَادٌ بھی آتی ہے۔ اس کے علاوہ منہ بولے بیٹے کے لیے بھی آتا ہے۔ ﴿ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ ﴾ (3/آل عمران:47) ''حضرت مریم بولیں اے میرے پروردگار کیسے ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ۔'' ﴿ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ ﴾ (4/النساء:11) ''پھر اگر نہ ہو اس کی اولاد۔'' ﴿ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ ﴾ (6/الانعام:151) ''اور تم لوگ قتل مت کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے۔'' ﴿ اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا ؕ ﴾ (12/یوسف:21) ''یا ہم بنالیں اس کو (منہ بولا) بیٹا۔''

نوٹ: وَلَدٌ اور اِبۡنٌ میں فرق: عربی زبان میں وَلَدٌ کا لفظ صرف صلبی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اِبۡنٌ (ج: بَنُوۡنٌ اور اَبۡنَآءٌ) کا لفظ بھی اگرچہ بیٹے اور بیٹی (بِنۡتٌ) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے اِبۡنَ اُمِّ (ماں کا جنا) لیکن دیگر استعمالات کے لحاظ سے اس کا دائرہ وَلَدٌ سے وسیع ہے۔ مثلاً عربی میں محبوب اور لاڈلے کے لیے بھی اِبۡنٌ استعمال ہوتا ہے مثلاً ﴿ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ ؕ ﴾ (5/المائدۃ:18) ''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔'' پھر اِبۡنٌ کا لفظ کسی تعلق اور نسبت کو بھی ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ شخص جو وقت کے تقاضوں کے مطابق

کام کرے اسے اِبْنُ الوقت کہتے ہیں۔ مسافر کو اِبْنُ السبیل کہتے ہیں کیونکہ وہ راستے کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے اور چلا جارہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ابنائے جنس (ایک ہی جنس کے)، ابنائے زمانہ (ایک زمانے کے لوگ) اور ابنائے وطن (اہل وطن) کے الفاظ ہیں۔ پھر اِبْنٌ کا لفظ نسب اور رشتے کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ، بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ، بَنِیْٓ اِسْمٰعِیْلَ، بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ، یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ وغیرہ۔ مزید تفصیل آیت 40 کے تحت دیکھیں۔

**وَلِیْدٌ** ج: وِلْدَانٌ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ نوزائیدہ بچہ۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْوَلِیْدُ عرف میں نوزائیدہ بچے پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ لغت کے لحاظ سے ہر چھوٹے بڑے کو ولید کہنا صحیح ہے۔ جیسا کہ تازہ چنے ہوئے پھل کو جَنِیٌّ کہا جاتا ہے۔ پھر جب بچہ بڑا (یعنی بالغ) ہو جائے تو اسے وَلِیْدٌ نہیں کہتے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۱۱۳۹)۔ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ولید وہ لڑکا ہے جس کی پیدائش کا ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔'' (ماجدیؒ، ص ۷۶۳)۔ ﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا﴾ (26/الشعراء:18) ''فرعون نے کہا (اے موسیٰؑ) کیا ہم نے تمہیں پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا۔'' ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ (76/الدھر:19) ''اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے۔''

نوٹ: وَلَدٌ، وَلِیْدٌ اور مَوْلُوْدٌ کا فرق: ہر وہ بچہ جسے ماں نے جنا وہ ولد بھی ہے ولید بھی اور مولود بھی۔ یہ تینوں الفاظ مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ لغوی لحاظ سے ولید کی مؤنث ولیدۃ آتی ہے۔ لیکن قرآن میں ولیدۃ کا لفظ نہیں آیا۔ ان تینوں الفاظ میں اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ وَلَدٌ کا لفظ ہر عمر والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک بوڑھا آدمی بھی اپنے باپ یا ماں کا ویسے ہی وَلَدٌ ہے جیسے پیدا ہوتے وقت تھا۔ وَلِیْدٌ کا لفظ پیدائش سے لے کر بلوغت سے پہلے تک کے لیے آتا ہے۔ اور مَوْلُوْدٌ کی نسبت بالعموم باپ کی طرف ہوتی ہے۔ ماں کی طرف کم ہی ہوتی ہے۔ مَوْلُوْدٌ لَّهٗ باپ کے معنوں میں اور مَوْلُوْدٌ بیٹا کے معنوں میں آتا ہے۔ اس کا اطلاق بھی عموماً چھوٹے بچے پر ہوتا ہے (منجد) تاہم بڑے پر بھی ہو سکتا ہے۔ (مترادفات القرآن، ص ۲۴۵)

| |
|---|
| ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |

| |
|---|
| ی ت م |

(س) **یُتْمًا، یَتْمًا** نابالغ بچے کا والدین کی شفقت سے محروم ہونا۔ یتیم ہونا۔

**یَتِیْمٌ** تثنیہ: یَتِیْمَانِ یَتِیْمَیْنِ۔ ج: یَتَامٰی۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ انسانوں میں سے ایسا نابالغ بچہ (لڑکا یا لڑکی) جس کا باپ مر گیا ہو۔ جانوروں میں سے ایسا بچہ جس کی ماں مر گئی ہو۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ (4/النساء:3) ''اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت میں اَلْیَتٰمٰی سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں جیسے حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمے میں بھی اسے واضح کیا ہے۔ مجازاً یتیم کے معنی اکیلا، بے نظیر، بے مثل بھی آتے ہیں جیسے دُرَّةٌ یَتِیْمَةٌ کا مطلب ہے بیش قیمت، بے نظیر موتی۔ اسی طرح بَیْتٌ یَتِیْمٌ کا مطلب ہے اکیلا، منفرد گھر، وغیرہ۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ یتیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یتیم کے لفظی معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں، اسی لیے جو موتی سیپ

میں تنہا ایک ہو، اس کو دُرِّ یتیم کہا جاتا ہے، اصطلاحِ شرع میں اس بچہ کو یتیم کہا جاتا ہے جس کا باپ مرگیا ہو، اور جانوروں میں اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں مرگئی ہو، (قاموس) بالغ ہونے کے بعد شرعی اصطلاح میں اس کو یتیم نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں تصریح ہے لا یتم بعد احتلام، یعنی بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۸۴، بحوالہ معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۸۲)

| | | |
|---|---|---|
| س ک ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ |
| ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ز ک و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ |
| ع ر ض: البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب**

"وَ" استئنافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ اَخَذْنَا، ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ، مرکب اضافی ہے اور اَخَذْنَا کا مفعول ہے اسی لیے مِيْثَاقَ حالت نصب میں ہے۔ لَا۔ نافیہ ہے، تَعْبُدُوْنَ فعل وفاعل، اِلَّا حصر کے لیے ہے اور لفظ اَللّٰهَ، تَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہے۔ یہ جملہ نہی کے معنوں میں ہے۔ بِالْوَالِدَيْنِ متعلق فعل مقدم ہے، فعل محذوف ہے اور اِحْسَانًا اس محذوف فعل کا مفعول مطلق ہے یہ سادہ جملہ اس طرح ہوتا وَاَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا آگے ذِي الْقُرْبٰى، الْيَتٰمٰى اور الْمَسٰكِيْنِ، یہ سب بِالْوَالِدَيْنِ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہیں۔ قُوْلُوْا فعل امر ہے، لِلنَّاسِ متعلق فعل ہے اور حُسْنًا مفعول ہے۔ حُسْنًا اسم ذات ہے۔ اس لیے صفت نہیں بن سکتا۔ اس لیے نحوی علماء کے نزدیک یہ جملہ یوں ہے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ قَوْلًا ذَا حُسْنٍ (معارف القرآن) ترجمہ یوں ہوگا اور کہو لوگوں سے خوب صورتی والی بات یا بھلائی والی بات۔ اَقِيْمُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور الصَّلٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح اٰتُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور الزَّكٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اِلَّا، حرف استثناء ہے اور قَلِيْلًا مستثنیٰ ہے۔ یہ جملہ مثبت ہے اس لیے قَلِيْلًا حالت نصب میں آیا ہے۔ وَاَنْتُمْ میں "وَ" حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا اور مُّعْرِضُوْنَ اس کی خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ حال ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس کا ذوالحال تَوَلَّيْتُمْ کی ضمیر فاعلی ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:83

| وَاِذْ اَخَذْنَا | مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ | لَا تَعْبُدُوْنَ | اِلَّا |
|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب ہم نے لیا | بنی اسرائیل سے پکا وعدہ | (کہ) تم لوگ بندگی نہیں کرو گے | مگر |

| اللّٰهَ قف | وَبِالْوَالِدَيْنِ | اِحْسَانًا | وَّذِي الْقُرْبٰى |
|---|---|---|---|
| اللہ کی | (اور حسن سلوک کرو) والدین سے | جیسا حسنِ سلوک کرنے کا حق ہے | اور قرابت داروں سے |

| وَالْيَتٰمٰى | وَالْمَسٰكِيْنِ | وَقُوْلُوْا | لِلنَّاسِ | حُسْنًا |
|---|---|---|---|---|
| اور یتیموں سے | اور مسکینوں سے | اور تم لوگ بات کرو | لوگوں سے | بھلائی والی بات |

| وَّ اَقِيْمُوا | الصَّلٰوةَ | وَاٰتُوا | الزَّكٰوةَ ط | ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ | اِلَّا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور قائم کرو | نماز | اور ادا کرو | زکوٰۃ | پھر تم لوگوں نے منہ موڑا | سوائے |

| قَلِيْلًا مِّنْكُمْ | وَاَنْتُمْ | مُّعْرِضُوْنَ ۝ |
|---|---|---|
| تم میں سے چند کے | اور تم لوگ | ہو ہی منہ موڑنے والے |

**نوٹ** تَوَلّٰی اور اَعْرَضَ تقریباً ہم معنی ہیں کیونکہ دونوں میں اعراض کرنے اور منہ موڑنے کا مفہوم ہے۔ اس کے باوجود اس آیت میں ان دونوں الفاظ کا ایک ساتھ استعمال بلاوجہ نہیں ہے۔ تَوَلَّیْتُمْ فعل ہے اور اس میں نظرانداز کرنے کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ مُعْرِضُوْنَ اسم الفاعل ہے اور اس میں نظرانداز کرنے کی مستقل عادت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تَوَلَّیْتُمْ میں ان کے آباؤ اجداد کی طرف اشارہ ہے اور مُّعْرِضُوْنَ سے پہلے چونکہ اَنْتُمْ آیا ہے اس لیے یہ موجودہ لوگوں سے کہا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد نے منہ موڑا تھا ویسے ہی تم اعراض کرنے والے ہو۔

## آیت:84

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| س ف ك: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | د م ی: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ |
| ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | | |

**د و ر**

(ن) دَوْرًا، دَوَرَانًا: چکر کھانا۔ چکر لگانا۔ گھومنا۔ پھرنا۔ ﴿يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ﴾ (33/الاحزاب:19) ''وہ لوگ دیکھتے ہیں تمہاری طرف، گھومتی ہیں ان کی آنکھیں۔''

دَارٌ: ج: دِيَارٌ۔ وہ چیز جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہو۔ گھر۔ مکان۔ گھر کو دَارٌ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ چاردیواری سے گھرا ہوا ہوتا ہے یہ لفظ مونث سماعی ہے لیکن کبھی کبھی مذکر بھی استعمال ہوجاتا ہے۔ دَارٌ کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس کا اطلاق گھر، بستی، قصبہ، شہر، ملک، تمام دنیا بلکہ آخرت پر بھی ہوتا ہے۔ دَارُ الْحَرْبِ بمعنی دشمن کا ملک، دَارُ الْاٰخِرَۃِ۔ آخرت کا گھر، دَارُ الدُّنْيَا بمعنی دنیا کا گھر یا تمام دنیا اور دَارَانِ یادَارَیْنِ بمعنی دنیا اور آخرت۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ (10/یونس:25) ''اور اللہ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔'' دِيَارٌ آیت زیرِ مطالعہ میں استعمال ہوا ہے نیز فرمایا: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا﴾ (8/الانفال:47) ''اور تم لوگ مت ہونا ان کے مانند جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے۔'' کبھی دَارٌ کا لفظ بھی جمع کے معنوں میں استعمال ہوجاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ (11/ھود:65) ''تو حضرت صالحؑ نے فرمایا تم فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن تک۔'' عربی زبان میں دَارٌ اور بَيْتٌ میں وہی فرق ہے جو انگلش میں House اور Home میں ہے۔ جب گھر کی خارجی حیثیت مراد لی جائے تب دَارٌ استعمال کرتے ہیں (House) اور جب گھر کی اندرونی اور داخلی حیثیت مراد کی جائے تب بَيْتٌ استعمال کرتے ہیں (Home) ایک دَارٌ (حویلی) میں کئی بَيْتٌ ہوسکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

دَيَّارٌ: یہ فَعَّالٌ کا نہیں بلکہ فَيْعَالٌ کا وزن ہے کیونکہ اگر یہ فَعَّالٌ کا وزن ہوتا تو دَيَّارٌ کی بجائے دَوَّارٌ بنتا۔ رہنے والا۔ بسنے والا۔ ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾﴾ (71/نوح:26) ''اے میرے رب! تو مت چھوڑ زمین

پر کافروں میں سے کوئی بھی بسنے والا۔''

**دَآئِرَۃٌ** ج: دَوَائِرُ۔ مؤنث اسم الفاعل فَاعِلَۃٌ کا وزن ہے۔ دائرہ ایک تو معروف معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی علم ہندسہ کی اصطلاح میں ایسا گول حلقہ یا سرکل جس کا فاصلہ ہر مقام پر مرکز سے یکساں ہو۔ دوسرے اس کے معنی ہیں گھومنے والی۔ گھیرنے والی اور مراد اس سے گردش ایام، آفت اور مصیبت لی جاتی ہے۔ گویا دائرہ ایسی مصیبت اور آفت کو کہتے ہیں جو انسان کو ہر طرف سے گھیر لے اور انسان کے لیے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی صورت نہ رہے۔ دَآئِرَۃ کا لفظ مکروہ چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اگر محبوب اور پسندیدہ چیز گھوم کر آئے تو اسے دَوْلَۃٌ کہتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عربی لغت کے اعتبار سے دائرہ اس بدلی ہوئی حالت کو کہتے ہیں جو پہلی اچھی حالت کے بعد بُری ہو جائے۔'' (معارف القرآن ۴، ص ۴۴۷) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''دائرہ کا معنی ہے اچھی حالت کا بُری حالت سے بدل جانا جسے ہم گردش زمانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۲۴۷) اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''دائرہ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۵۴)۔ ﴿نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَۃٌ﴾ (5/المائدہ:52) ''ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کو آ لگے کوئی زمانے کی گردش۔'' ﴿وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ﴾ (9/التوبہ:98) ''اور وہ انتظار کرتا ہے تمہارے لیے زمانے کی گردشوں کا۔''

(افعال) **اِدَارَۃٌ** گھمانا۔ گردش دینا۔ ﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ﴾ (2/البقرہ:282) ''سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی حاضر سودا تم لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہو جس کو آپس میں۔'' یہاں تُدِیْرُوْنَ کا مطلب ہے ہاتھوں ہاتھ لین دین۔

| |
|---|
| ق ر د: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے۔ اَخَذْنَا کا مفعول مِيْثَاقَكُمْ ہے۔ لَا تَسْفِكُوْنَ میں لَا نفی کا ہے لیکن معناً نہی ہے۔ دِمَآءَكُمْ، تَسْفِكُوْنَ کا مفعول ہے۔ اسی طرح لَا تُخْرِجُوْنَ میں 'لَا' نفی کا ہے لیکن بمعنی نہی ہے اور اَنْفُسَكُمْ، تُخْرِجُوْنَ کا مفعول ہے اور مِّنْ دِيَارِكُمْ متعلق فعل ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور اَقْرَرْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ تَشْهَدُوْنَ اس کی خبر اور یہ جملہ اسمیہ حال ہے، اَقْرَرْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ** البقرۃ:84

| وَاِذْ اَخَذْنَا | مِيْثَاقَكُمْ | لَا تَسْفِكُوْنَ | دِمَآءَكُمْ |
|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب ہم نے لیا | تم لوگوں سے پختہ عہد (کہ) | تم لوگ نہیں بہاؤ گے | اپنوں کا خون |

| وَلَا تُخْرِجُوْنَ | اَنْفُسَكُمْ | مِّنْ دِيَارِكُمْ | ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ |
|---|---|---|---|
| اور تم لوگ نہیں نکالو گے | اپنوں کو | اپنے گھروں سے | پھر تم نے اقرار کیا |

| وَ | اَنْتُمْ | تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ |
|---|---|---|
| اس حال میں کہ | تم لوگ | اب بھی گواہی دیتے ہو یعنی اب بھی مانتے ہو |

## آیت:85

﴿ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ |
| ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | د و ر: البقرۃ آیت 84 دیکھیں۔ | |

### ظ ھ ر

(ف) ظُھُوْرًا: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کا نمایاں ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے (ا) ظاہر ہونا۔ امام راغب ؒ فرماتے ہیں ظَھَرَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا زمین کے اوپر اس طرح ظاہر ہونا کہ نمایاں طور پر نظر آئے۔ اس کے بالمقابل بَطَنَ کے معنی ہیں کسی چیز کا زمین کے اندر غائب ہو جانا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿مَا ظَھَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ (6/الانعام:151) ''ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔''

(۲) کسی چیز کا زیادہ ہو جانا اور پھیل جانا جیسے فرمایا: ﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ﴾ (30/الروم:41) ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا۔''

(۳) جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) غالب ہونا۔ ﴿وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا﴾ (9/التوبہ:8) ''اور اگر وہ غالب ہوں تم پر تو لحاظ نہ کریں تم میں قرابت کا۔'' (ب) کسی بات سے آگاہ ہو جانا۔ کسی چیز کی خبر پا لینا۔ جیسے فرمایا: ﴿اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ﴾ (18/الکھف:20) ''وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۖ﴾ (24/النور:31) ''یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۴) چڑھنا۔ ﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾﴾ (18/الکھف:97) ''پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے اور اس پر غالب آنے سے مراد یہاں پر چڑھ سکنا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۶۴۷)۔ ﴿وَمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ (43/الزخرف:33) ''اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ظَھۡرٌ: ج: ظُھُوۡرٌ۔ اسم ذات ہے۔ پیٹھ۔ پشت۔ یہ لفظ اردو میں مؤنث جبکہ عربی میں مذکر استعمال ہوتا ہے۔ ﴿الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ﴿۳﴾﴾ (94/الانشراح:3) ''جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ ؐ کی پیٹھ کو۔'' ﴿وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ﴾ (6/الانعام:31) ''اور وہ لوگ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔'' استعارہ کے طور پر ظَھۡرٌ کا لفظ

روئے زمین کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ظَهْرُ الْاَرْضِ زمین کا اوپر کا حصہ اور اس کے بالمقابل بَطْنُ الْاَرْضِ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں زمین کا اندرونی حصہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (35/فاطر:45) ''اور اگر پکڑتا اللہ لوگوں کو بسبب اس کے جو انہوں نے کمائی کی تو نہ چھوڑتا زمین کی پشت پر کوئی بھی چلنے والا۔'' نیز ظَهْرٌ کا لفظ سواری، مددگار اور پشت پناہ کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔

**ظِهْرِيٌّ** اسم نسبت ہے۔ پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا۔ فراموش کیا ہوا۔ بھولا بسرا۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: ''ظِهْرِيٌّ، ظَهْرٌ کی طرف منسوب ہے اور کسرہ نسبت کے تغیرات میں سے ہے جیسے کہ اَمْس کی طرف نسبت کرتے ہیں تو اِمْسِيٌّ بولتے ہیں۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۵۴)۔ اصل میں جو چیز پیٹھ پیچھے ڈال کر بھلا دی جائے وہ ظِهْرِيٌّ کہلاتی ہے۔ اسی سے اس فالتو سواری یا کوتل اونٹ کو بھی ظِهْرِيٌّ کہتے ہیں جسے احتیاطاً ساتھ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ (11/ھود:92) ''اور اس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے بھلا کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ظَاهِرٌ** ج: ظَاهِرُوْنَ۔ ظَاهِرِيْنَ۔ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ ظاہر ہونے والا۔ ہر وہ چیز جو اس طرح نمایاں ہو کہ آنکھ یا بصیرت سے اس کا ادراک ہو سکے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ظاہر۔ کھلا۔ آشکار ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ (6/الانعام:120) ''اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو بھی اور چھپے ہوئے کو بھی۔'' ﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (57/الحدید:13) ''اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔''

(۲) کبھی ظاہر کا استعمال ''ظاہری'' اور ''سرسری'' کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ (13/الرعد:33) ''یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں۔'' ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (30/الروم:7) ''وہ دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں۔'' ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ (18/الکہف:22) ''سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۳) اَلظَّاهِرُ، اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (57/الحدید:3) ''وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی۔'' اسماء الٰہی میں الظاہر سے مراد وہ ہستی ہے جو ہر شے سے اوپر ہے اور ہر چیز پر غالب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کائنات میں جو بھی موجود ہے وہ سب اسی کی صفات اور اسی کے افعال کا ظہور ہے۔

(۴) غالب۔ غلبہ پانے والا۔ ﴿يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (40/المومن:29) ''اے میری قوم کے لوگو آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾ (61/الصف:14) ''پھر ہو رہے غالب۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ظَاهِرَةٌ** اسم الفاعل ۔ واحد مؤنث۔ ظاہری۔ کھلی۔ آشکار۔ ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (31/لقمان:20) ''اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی (ظاہر اور مخفی)۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿قُرًى ظَاهِرَةً﴾ (34/سبا:18) ''ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(افعال) اِظْهَارًا مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) کسی چیز کو ظاہر کرنا۔ کسی چیز کو پھیلا دینا۔ ﴿ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴾ (40/مومن:26) ''کہ وہ ظاہر کر دے زمین میں فساد یا پھیلا دے زمین میں فساد کو۔''
(۲) جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) قوت کے ساتھ کسی چیز کو غالب کرنا۔ ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ (9/التوبۃ:33) ''تاکہ وہ غالب کر دے اس کو ہر دین پر۔'' (ب) کسی کو راز بتانا۔ کسی کو آگاہ کرنا۔ ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴾ (72/الجن:26) ''سو خبر نہیں دیتا اپنے بھید کی کسی کو۔'' ﴿ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ﴾ (66/التحریم:3) ''پھر جب اس نے (دوسری کو) راز بتا دیا (تو) اللہ نے آپؐ کو اس پر آگاہ کر دیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔
(۳) ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔ دوپہر کرنا۔ ﴿ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ (30/الروم:18) ''اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ظَهِيْرَةٌ دوپہر۔ ظہر کا وقت۔ ٹھیک دوپہر میں جو گرمی کی شدت ہوتی ہے وہ ظَهِيْرَةٌ کہلاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں اس سے قیلولہ کا وقت مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ ﴾ (24/النور:58) ''اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(مفاعلہ) مُظَاهَرَةً اور ظِهَارًا (۱) بنیادی مفہوم ہے مدد کرنا۔ چنانچہ ظَاهَرْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اس کی مدد کی۔
(۲) جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آئے تو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) کسی کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ ﴾ (60/الممتحنۃ:9) ''اور انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی تم لوگوں کو نکالنے پر۔'' (ب) کسی کے خلاف کسی دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا ﴾ (9/التوبۃ:4) ''اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی ایک کی۔''
(۳) ظِهَار کرنا یعنی اپنی بیوی کو ماں کے برابر کہہ دینا۔ عرب کہتے تھے اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ یعنی تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ یہ کہہ کر عرب اپنی بیوی کو اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے حرام کر لیتے تھے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ظِهَار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ اَبدیہ، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے، زمانۂ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لیے بولا جاتا تھا اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق اُن کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی۔'' (معارف القرآن، ج۶ ص ۳۳۵)۔ ﴿ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ﴾ (33/الاحزاب:4) ''اور اللہ نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم لوگ ظہار کرتے ہو ان میں سے، تمہاری مائیں۔''

ظَهِيْرٌ یہ مُظَاهَرَةٌ (مفاعلہ) سے فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے بمعنی مدد کرنے والا، مددگار۔ واحد، جمع مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (28/القصص:86) ''تو ہرگز مت ہونا مددگار

کافروں کے لیے۔'' ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ (66/التحریم:4) ''اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد گار ہیں۔''

(تفاعل) **تَظَاهُرًا** (۱) ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ﴾ (28/القصص:48) ''انہوں نے کہا (موسیٰؑ اور ہارونؑ) دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کررہے ہیں۔''

(۲) جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ ﴾ (66/التحریم:4) ''اور اگر تم دونوں نے پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

| ء ث م |
|---|

(س) **اِثْمًا، اَثَمًا، اَثَامًا** گناہ کرنا۔کوتاہی کرنا۔تاخیر کرنا۔دیر لگانا۔

**اٰثِمٌ** ج: اٰثِمُوْنَ۔ اٰثِمِيْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔گناہ کرنے والا۔گنہگار۔اٰثِمَةٌ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تیز چل سکتی ہو مگر جان بوجھ کر سست چلے۔ ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ (2/البقرة:283) ''اور جو شخص اُس کو چھپا دے تو بے شک گنہگار رہے دل اُس کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴾ (5/المآئدہ:106) ''یقیناً ہم تب تو گناہ کرنے والوں میں سے ہوں گے۔''

**اَثِيْمٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی اسم الفاعل۔گناہ کرنے والا۔ہمیشہ اور ہر حال میں گنہگار۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴾ (4/النساء:107) ''بے شک اللہ محبت نہیں کرتا اس سے جو بڑا بددیانت اور بہت گنہگار ہو۔''

**اِثْمٌ** ج: اٰثَامٌ۔اسم ذات ہے۔گناہ۔ہر وہ عمل جو کارِ خیر یا ثواب سے روکنے اور پیچھے رکھنے والا ہو۔حضرت مولانا مودودیؒ سورہ الاعراف کی آیت نمبر 33: ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''اے نبیؐ اِن سے کہو کہ میرے ربّ نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام۔خواہ کھلے ہوں یا چھپے۔اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ اِثْمٌ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنی کوتاہی کے ہیں۔اٰثِمَةٌ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تیز چل سکتی ہو مگر جان بوجھ کر سست چلے۔اسی سے اس لفظ میں گناہ کا مفہوم پیدا ہوا ہے، یعنی انسان کا اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری میں قدرت و استطاعت کے باوجود کوتاہی کرنا اور اس کی رضا کو پہنچنے میں جان بوجھ کر قصور دکھانا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲، ص: ۲۴)۔اِثْمٌ کا لفظ بِرٌّ (نیکی) کے مقابلے پر استعمال ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ ''یعنی نیکی وہ ہے جس سے تیرا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔'' (بحوالہ مترادفات القرآن، ص ۷۴۳)۔مترادفات القرآن کے مطابق ''گناہ'' کے لیے قرآنِ مجید میں آٹھ الفاظ آئے ہیں جن کی تفصیل صفحہ نمبر ۷۴۲ سے دیکھی جاسکتی ہے۔

**اَثَامٌ** اسم ذات ہے۔گناہ۔مجازاً گناہ کی سزا اور عذاب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اور عذاب کو اَثَامٌ اس لیے کہتے ہیں کہ گناہ (قتل وزنا وغیرہ) عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴾ (25/الفرقان:68) ''اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔''

(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ''اَثَامٌ'' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہولناک عذاب بیان کیے گئے ہیں۔ (عثمانیؒ)

(تفعیل) تَاْثِیْمًا گناہ میں مبتلا کرنا۔ گناہ کی طرف منسوب کرنا۔

تَاْثِیْمٌ اسم ذات بھی ہے۔ گناہ کی بات۔ گناہ۔ ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِیْمًا ﴾(56/الواقعہ:25) ''نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور نہ گناہ کی بات۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَ لَا تَاْثِیْمٌ ﴾(52/الطور:23) ''(لیکن) اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| |
|---|
| ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ ع ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |

## ء س ر

(ض) اَسْرًا کسی کو کسی چیز سے مضبوطی سے باندھ دینا۔ قیدی بنانا۔ ﴿وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴾(33/الاحزاب:26) ''اور اس نے ڈالا ان کے دلوں میں رعب تو کسی گروہ کو تم لوگ قتل کرتے ہو اور قیدی بناتے ہو کسی گروہ کو۔''

اَسْرٌ اسم ذات ہے۔ بندش۔ جوڑ۔ ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ﴾(76/الدھر:28) ''ہم نے پیدا کیا ان کو اور ہم نے مضبوط کیے اُن کے جوڑ۔''

اَسِیْرٌ ج: اُسٰرٰی اور اَسْرٰی۔ فَعِیْلٌ کا وزن ہے اسم المفعول کے معنی میں۔ باندھا ہوا، جکڑا ہوا یعنی قیدی اور اُس شخص کو بھی اَسِیْرٌ کہہ دیا جاتا ہے جو گرفتار ہو کر آئے چاہے وہ بندھا ہوا نہ بھی ہو۔ ﴿وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ﴾(76/الدھر:8) ''اور وہ لوگ کھلاتے ہیں کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔'' اُسٰرٰی آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے نیز فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی﴾(8/الانفال:67) ''نہیں ہے کسی نبی کے لیے کہ ہوں ان کے لیے کچھ قیدی۔''

## ف د ی

(ض) فِدًی، فِدَاءً (۱) کسی کی طرف سے کچھ دے کر اسے مصیبت سے بچا لینا۔ جو چیز دی جائے اس پر 'بِ' کا صلہ آتا ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں فَدَیْتُهٗ بِمَالِیْ میں نے مال دے کر اسے مصیبت سے بچا لیا۔ فَدَیْتُهٗ بِنَفْسِیْ میں نے اپنی جان کے عوض اسے چھڑا لیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴾(37/الصافات:107) ''اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) بدلے میں کچھ لے کر کسی کو چھوڑ دینا یا مصیبت سے نجات دے دینا۔ ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾(47/محمد:4) ''پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا مال لے کر۔''

فِدْیَةٌ اسم ذات ہے۔ (۱) وہ چیز جو چھڑانے کے لیے دی جائے۔ فدیہ۔ ﴿فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ﴾ (57/الحدید:15) ''تو آج نہیں لی جائے گی تم لوگوں سے بدلے میں کوئی چیز۔''

(۲) وہ مال جو کسی عبادت میں کوتاہی کی وجہ سے انسان خرچ کر کے اپنے آپ کو گناہ سے بچائے، اسے بھی فدیہ کہتے ہیں۔ مثلاً فرمایا: ﴿فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾(2/البقرۃ:196) ''تو وہ فدیہ دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔'' ﴿فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ﴾(2/البقرۃ:184) ''تو ان کے ذمے فدیہ ہے ایک مسکین

کا کھانا۔‘‘(نوٹ: البقرۃ:6 میں کَفَّارَۃٌ بھی ایک دفعہ دیکھ لیں۔)

(مفاعلہ) مُفَادَاۃً بدلے میں کچھ دے کر کسی کو چھڑانا۔ چنانچہ فَادَاہُ بِکَذَا کا مطلب ہے اس نے کچھ دے کر اسے چھڑا لیا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) اِفْتِدَاءً بدلے میں کچھ دے کر خود کو چھڑانا۔ جو چیز دی جائے اُس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔﴿ لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ ؕ﴾(13/ الرعد:18)’’اگر ہوتا ان کے پاس وہ جو زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا ان کے ساتھ، تو ضرور خود کو چھڑاتے اسے دے کر۔‘‘

| ح | ر | م |

(ض) حِرْمًا کسی کو منع کرنا۔ کسی کو روکنا۔ (متعدی)۔

(س) حَرَمًا، حَرَامًا کسی کو منع کرنا۔ روکنا (متعدی)۔ خود رُکنا یا منع ہونا۔ (لازم)۔ حرام ہونا۔

(ک) حُرُمًا، حُرُمًا، حُرْمَۃً رُکنا۔ منع ہونا۔ حرام ہونا۔ (لازم)۔

مادۂ حرم کے لیے روک، منع، بازداشت کا مفہوم لازم ہے، تمام مشتقات میں یہ مفہوم مشترک ہے، کَرُمَ سے لازم اور ضَرَبَ سے متعدی اور سَمِعَ سے کبھی لازم اور کبھی متعدی آتا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۵ ص ۳۲۶)

مَحْرُوْمٌ ج: مَحْرُوْمُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ بنیادی مفہوم ہے جس کو روکا گیا یعنی روکا ہوا، منع کیا ہوا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(۱) وہ شخص جس سے وسعتِ رزق اور خوش حالی کو روک دیا گیا ہو۔

(۲) وہ شخص جو ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔

(۳) وہ شخص جس کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔

(۴) بدنصیب۔

﴿ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ ﴾(51/ الذاریات:19)’’اور ان کے مال میں حق رہتا تھا سوالی اور غیر سوالی (سب) کا۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’اَلْمَحْرُوْمِ: وہ جو منہ سے سوال نہ کرے مگر ہو حاجت مند۔‘‘﴿ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾(70/ المعارج:25)’’سوالی بے سوالی سب کا۔‘‘ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’اَلْمَحْرُوْمِ: محروم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص ہے جو کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو۔‘‘﴿ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ⑰ ﴾(56/ الواقعۃ:67)’’بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

حَرَامٌ ج: حُرُمٌ۔ صفت ہے۔ وہ چیز جس سے منع کر دیا جائے۔ ممنوع۔ حرام۔ اس کی ضد حَلَالٌ ہے۔﴿ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ ﴾(16/ النحل:116)’’یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔‘‘ اور المسجد الحرام کو حرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بہت سی ایسی چیزیں حرام کردی ہیں جو کہ دوسری جگہ حرام نہیں یا اس لیے کہ اس کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔﴿ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾(2/ البقرہ:144)’’تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف۔‘‘ یہی معنی اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ (ماہِ حرام) کے ہیں۔﴿ یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ ؕ﴾

(2/البقرۃ:217) ''وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے ماہِ حرام کے بارے میں یعنی اس میں جنگ کرنے کا کیا حکم ہے۔'' ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ (9/التوبۃ:5) ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ خانہ کعبہ کو بیت حرام کہا گیا ہے کیونکہ یہ بزرگی اور عزت والا گھر ہے۔ اور اس کی بے ادبی سے روکا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ (5/المائدۃ:97) ''بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے۔'' مزدلفہ کو المشعر الحرام کہا گیا ہے کیونکہ یہ محترم اور مقدس مقام ہے۔ ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾ (2/البقرۃ:198) ''تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے پاس۔'' مکہ معظّمہ کو اَلْبَلَدُ الْحَرَامُ کہا جاتا ہے۔ جو شخص حالت احرام میں ہو اسے بھی حَرَامٌ کہتے ہیں۔ رَجُلٌ حَرَامٌ۔ احرام باندھنے والا مرد۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ (5/المائدۃ:95) ''اے ایمان والو نہ مارو شکار جب تم حالت احرام میں ہو۔''

**حَرَمٌ** اسم ذات ہے۔ حرم، پناہ کی جگہ، ادب کا مقام۔ مکہ معظّمہ کا ایک مخصوص حصہ جس کی حدود میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ادب کی وجہ سے بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ ﴿ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا ﴾ (28/القصص:57) ''کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ﴾ (29/العنکبوت:67) ''(حقیقت کو) کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نوٹ: لغات القرآن میں ایک نظم کی صورت میں حدودِ حرم بھی بیان کی گئی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرم کی حد مدینہ طیبہ کی طرف سے تین میل ہے، عراق اور طائف کی طرف سے سات میل ہے، جدہ کی طرف سے دس میل ہے، جعرانہ کی طرف سے نو میل ہے اور یمن کی طرف سے سات میل ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**حُرُمَةٌ** ج: حُرُمَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جس کا ادب ضروری ہو اسے حُرُمَةٌ کہتے ہیں۔ حرمت، بزرگی۔ ﴿ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ﴾ (2/البقرۃ:194) ''اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ﴾ (22/الحج:30) ''اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں حُرُمٰتِ اللّٰهِ (اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے) کے متعلق حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ، صفا مروہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن، بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آجاتے ہیں۔'' اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''حُرُمٰتِ اللّٰهِ: جو چیزیں بھی محبت و تقرب سے اللہ کی جانب منسوب ہیں وہ سب اس میں داخل ہو گئیں مثلاً احکام الٰہی، کتب دین، مکانات مقدس، اوقاتِ متبرک، بندگانِ مقرب (ملائکہ، انبیاء، صالحین) آثارِ کاملین وغیرہا۔''

**(تفعیل) تَحْرِيْمًا** (۱) حرام کرنا۔ کسی چیز سے روک دینا۔ منع کرنا۔ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ﴾ (5/المائدۃ:72) ''بے شک جو شریک کرے گا اللہ کے ساتھ (کسی کو) تو حرام کر دی ہے اللہ نے اس پر جنت۔'' ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ (66/التحریم:1) ''اے نبیؐ! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپؐ کے لیے حلال کر دیا ہے۔''

(۲) کسی کو محترم بنانا۔ حرمت دینا۔ ﴿ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا ﴾

(27/العنکبوت:91) ''(آپؐ کہہ دیجئے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**مُحَرَّمٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ (۱) حرام کیا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا﴾ (6/الانعام:139) ''اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر۔''

(۲) محترم۔ معزز۔ ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ (14/ابراہیم:37) ''اے رب میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں، تیرے محترم گھر کے پاس۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**مُحَرَّمَةٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ حرام کی ہوئی۔ منع کی ہوئی۔ ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً﴾ (5/المائدۃ:26) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو وہ سرزمین حرام کردی گئی ہے ان پر چالیس سال تک۔''

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ب ع ض: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ج ز ی: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ف ع ل: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ |

## خ ز ی

(س) **خِزْیًا** رسوا ہونا۔ بدنام ہونا۔ اپنے اعمال کی وجہ سے دوسروں کی نظروں میں گر جانا۔ اگر یہ محض اپنی ذات تک محدود ہو تو اُسے ندامت کہتے ہیں۔ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی﴾ (20/طٰہٰ:134) ''اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔''

**اَخْزٰی** اَفْعَلُ التّفضیل ہے۔ کسی سے زیادہ یا سب سے زیادہ رسوائی والا۔ رُسوا کن۔ ﴿لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی﴾ (41/السجدہ:16) ''اور یقیناً آخرت کا عذاب تو سب سے زیادہ رسوائی والا ہے۔''

**خِزْیٌ** اسم ذات ہے۔ رسوائی۔ بدنامی۔ ﴿لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ﴾ (2/البقرۃ:114) ''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔''

(افعال) **اِخْزَاءً** ذلیل و رسوا کرنا جس میں انسان کے اپنے اعمال کا دخل بھی ہو۔ ﴿ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ﴾ (16/النحل:27) ''پھر قیامت کے دن وہ رسوا کرے گا ان کو۔''

**مُخْزِی** اسم الفاعل ہے۔ رسوا کرنے والا۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ﴾ (9/التوبہ:2) ''اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔''

| | | |
|---|---|---|
| ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | د ن و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

## ر د د

(ن) **رَدًّا** لوٹا دینا۔ پھیرنا۔ رد کرنا۔ ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ (33/الاحزاب:25) ''اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو۔'' ﴿وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا﴾ (2/البقرۃ:109) ''دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنا دیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ (2/البقرۃ:228) ''اور اُن کے خاوند زیادہ حق دار ہیں اُن کو لوٹانے کے اس مدت میں۔''

**رُدُّ** — ج: رُدُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو لوٹا۔ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (4/النساء:59) ''پس اگر تم لوگ جھگڑو کسی چیز میں تو تم لوٹاؤ اس کو اللہ اور اِن رسولؐ کی طرف۔''

**رَادٌّ** — ج: رَادُّوْنَ۔ رَادِّیْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ لوٹانے والا۔ ﴿وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ (10/یونس:107) ''اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لیے کسی خیر کا تو کوئی لوٹانے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔'' ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ﴾ (28/القصص:7) ''یقیناً ہم لوٹا دیں گے اُسے تیری طرف۔'' ﴿فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ (16/النحل:71) ''سو جن کو بڑائی دی گئی وہ نہیں پہنچاتے اپنی روزی اُن کو جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ۔'' (یعنی اپنے غلاموں کو نہیں دیتے)

**مَرْدُوْدٌ** — ج: مَرْدُوْدُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ لوٹایا ہوا۔ واپس کیا ہوا۔ ﴿وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ (11/ھود:76) ''اور اُن پر آنے والا ہے وہ عذاب جو لوٹایا نہیں جائے گا۔'' ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ﴾ (79/النّٰزعٰتِ:10) ''کیا ہم لوگ لوٹائے جانے والے ہیں پہلی حالت کی طرف۔''

**مَرَدٌّ** — مَفْعَلٌ کے وزن پر (۱) اسم ظرف ہے معنی ہے لوٹانے کی جگہ۔ (۲) مصدر میمی ہے معنی ہے لوٹنا یا لوٹانا۔ ﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ (13/الرعد:11) ''اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا تو کسی قسم کا لوٹانا نہیں ہے اسے۔'' ﴿وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ (40/المومن:43) ''اور یہ کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔'' (۳) انجام۔ ﴿وَّ خَیْرٌ مَّرَدًّا﴾ (19/مریم:76) ''اور انجام میں بھی بہتر۔''

(تفعّل) **تَرَدُّدًا** — رد ہونا۔ کسی معاملہ میں شک وشبہہ میں پڑنا۔ حیران ہونا۔ ڈانواں ڈول ہونا اور نتیجتاً بھٹکنا۔ ﴿فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (9/التوبہ:45) ''تو وہ لوگ اپنے شک میں ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔''

(افتعال) **اِرْتِدَادًا** — اسی راستے سے واپس ہونا جس سے کوئی آیا ہو۔ پھرنا۔ پہلی حالت کی طرف لوٹنا۔ ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا﴾ (18/الکھف:64) ''تو وہ دونوں لوٹے اپنے نقش قدم پر۔'' اصطلاح شرع میں ارتداد کا مطلب ہے کہ کوئی شخص کفر سے اسلام میں داخل ہو اور پھر واپس کفر میں لوٹ جائے۔ ﴿وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ﴾ (2/البقرۃ:217) ''اور جو پھرے تم میں سے اپنے دین سے۔''

| | | |
|---|---|---|
| ش د د: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
| غ ف ل: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | |

## ترکیب

اَنْتُمْ مبتداء اور هٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر ہے جبکہ تَقْتُلُوْنَ، تُخْرِجُوْنَ اور تَظٰهَرُوْنَ سے شروع ہونے والے تینوں جملہ فعلیہ اَنْتُمْ کا حال ہیں۔ اَنْفُسَكُمْ، تَقْتُلُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ اسی طرح فَرِیْقًا، تُخْرِجُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ تَظٰهَرُوْنَ باب تفاعل سے ہے اور اصل میں تَتَظٰهَرُوْنَ تھا۔ ایک 'ت' حذف ہوگئی۔ اَلْعُدْوَانِ، اَلْاِثْمِ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ آگے اِنْ شرطیہ ہے۔ یَاْتُوْا کا فاعل اس میں شامل هُمْ ضمیر ہے اور كُمْ مفعول ہے جبکہ اُسٰرٰی ضمیر فاعلی هُمْ کا حال ہے۔ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی شرط ہے اور تُفٰدُوْهُمْ جواب شرط ہے۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ میں 'وَ' حالیہ ہے جبکہ هُوَ ضمیر الشان ہے اور مبتداء ہے، مُحَرَّمٌ اسم المفعول اور خبر مقدم ہے، عَلَیْكُمْ متعلق خبر ہے اور اِخْرَاجُهُمْ مبتداء مؤخر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے هُوَ کی۔ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ اور بِبَعْضٍ دونوں متعلق فعل ہیں۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ میں 'فَ' استینافیہ ہے اور مَا کو نافیہ بھی مانا جاسکتا ہے اور استفہامیہ بھی۔ ترجمے میں فرق پڑے گا۔ مَا کو نافیہ مانیں تو ترجمہ ہوگا ''نہیں ہے بدلہ اس کا جو......''۔ اگر استفہامیہ مانیں تو ترجمہ ہوگا ''کیا ہے بدلہ اس کا

جو......''۔ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے ترجمہ کیا ہے۔ 'مَا' کو اگر نافیہ مانیں تب مرکب اضافی جَزَآءُ مَنْ مبتدا ہوگا۔ جَزَآءُ، مضاف اور اسم موصول مَنْ اپنے صلے، جملہ فعلیہ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ کے ساتھ مل کر مضاف الیہ۔ اِلَّا حصر کے لیے، خِزْيٌ، اس کی خبر ہوگی اور فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا متعلق خبر ہوگا۔ اگر 'مَا' کو استفہامیہ مانیں تب 'مَا' مبتدا ہوگا اور اگلا جملہ جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِس کی خبر ہوگی اور خِزْيٌ، جَزَآءُ کا بدل ہوگا۔ دونوں تراکیب بیان کی گئی ہیں۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ میں 'وْ' استینافیہ، مرکب اضافی يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور يُرَدُّوْنَ سے متعلق ہے۔ يُرَدُّوْنَ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل 'هُمْ' کی ضمیر ہے اور اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ بھی يُرَدُّوْنَ سے متعلق ہے۔ اَشَدِّ الْعَذَابِ مرکب اضافی ہے اس لیے اَشَدِّ یہاں تفضیل کل کے معنی میں ہے یعنی شدید ترین عذاب۔ آگے 'وْ' پھر استینافیہ ہے۔ 'مَا' نافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰهُ۔ مبتدا ہے۔ بِغَافِلٍ اس کی خبر ہے اِس پر 'ب' زائدہ تاکید کے لیے ہے عَمَّا میں عَنْ حرفِ جار ہے 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ تَعْمَلُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں عَنْ کی وجہ سے اور جار مجرور متعلق خبر ہیں۔

ترجمہ
البقرۃ:85

| ثُمَّ اَنْتُمْ | هٰٓؤُلَآءِ | تَقْتُلُوْنَ | اَنْفُسَكُمْ | وَتُخْرِجُوْنَ | فَرِيْقًا |
|---|---|---|---|---|---|
| پھر تم | یہ لوگ ہو | کہ قتل کرتے ہو | اپنوں کو | اور نکالتے ہو | ایک فریق کو |

| مِّنْكُمْ | مِّنْ دِيَارِهِمْ | تَظٰهَرُوْنَ | عَلَيْهِمْ | بِالْاِثْمِ |
|---|---|---|---|---|
| اپنوں میں سے | ان کے گھروں سے | ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے | ان کے خلاف | گناہ سے |

| وَالْعُدْوَانِ ط | وَاِنْ | يَّاْتُوْكُمْ | اُسٰرٰى |
|---|---|---|---|
| اور دشمنی سے | اور اگر | وہ لوگ آتے ہیں تمہارے پاس | قیدی ہوکر |

| تُفٰدُوْهُمْ | وَهُوَ | مُحَرَّمٌ | عَلَيْكُمْ |
|---|---|---|---|
| تو تم بدلہ دے کر چھڑاتے ہو ان کو | اور بات یہ ہے کہ | حرام کیا گیا | تم لوگوں پر |

| اِخْرَاجُهُمْ ط | اَفَتُؤْمِنُوْنَ | بِبَعْضِ الْكِتٰبِ | وَتَكْفُرُوْنَ |
|---|---|---|---|
| ان کا نکالنا | تو کیا تم ایمان لاتے ہو | کتاب کے ایک حصے پر | اور انکار کرتے ہو |

| بِبَعْضٍ ج | فَمَا جَزَآءُ مَنْ | يَّفْعَلُ ذٰلِكَ | مِنْكُمْ | اِلَّا |
|---|---|---|---|---|
| ایک حصے کا | تو کیا ہے بدلہ اس کا جو | کرتا ہے یہ | تم میں سے | سوائے اس کے کہ |

| خِزْيٌ | فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج | وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ | يُرَدُّوْنَ |
|---|---|---|---|
| رسوائی ہے | دنیوی زندگی میں | اور قیامت کے دن | وہ لوگ لوٹائے جائیں گے |

| اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط | وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ | عَمَّا | تَعْمَلُوْنَ |
|---|---|---|---|
| سخت ترین عذاب کی طرف | اور اللہ ہرگز غافل نہیں ہے | اس سے جو | تم لوگ کرتے ہو |

**نوٹ:1** اوپر ترکیب میں ضمیر الشّان کا ذکر آیا ہے۔ یہاں اسے سمجھ لیں۔ بعض اوقات جملہ کے شروع میں ایک ضمیر لائی جاتی ہے جس کا کوئی مَرْجَع نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے پیشتر کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں ہوتا جس کی طرف یہ ضمیر اشارہ کرے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ نوٹ کرلیں کہ یہ صرف واحد مذکر یا واحد مؤنث کی ضمیر ہوتی ہے اور عام طور پر ضمیر مذکر کو ضمیر شان اور مؤنث کو ضمیر قصہ کہہ دیتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے "حقیقت تو یہ ہے کہ"۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ"۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (آپؐ کہیے! حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ یکتا ہے)۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ (پس بے شک سچی بات تو یہی ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں)۔ ضمیر الشّان کا اُردو مفہوم ذرا طویل ہے اس لیے قرآن مجید کے ترجموں میں اکثر اسے نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:2** اس آیت میں تورات کی بجائے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تورات پر جزوی عمل کرنا جیسا جرم تھا، قرآن پر جزوی عمل کرنا بھی ویسا ہی جرم ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:3** اس آیت میں تورات پر جس جزوی عمل کی طرف اشارہ ہے اسے سمجھ لیں۔ تورات میں حکم تھا کہ بنواسرائیل کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں پھنس جائے تو اسے اس مصیبت سے نکالنا پوری قوم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ چنانچہ کوئی یہودی جب کسی دوسری قوم کا قیدی ہوجاتا تھا تو تورات کے اس حکم کا حوالہ دے کر چندہ جمع کرتے اور فدیہ دے کر اسے چھڑاتے۔ یعنی تورات کے اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ لیکن تورات میں یہ حکم بھی تھا کہ آپس میں خون خرابہ نہ کریں اور ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کریں۔ وہ لوگ اس حکم پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت:86

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | د ن و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| ع خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | | |

**خ ف ف**

(ض) **خَفًّا، خِفَّةً** (۱) ہلکا ہونا۔ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ (7/الاعراف:9) "پس وہ، ہلکے ہوئے جن کے ترازو" (۲) کم عقل ہونا۔ قرآن مجید میں اس معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

**خَفِيْفٌ** ج: خِفَافٌ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہلکا۔ ﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ (7/الاعراف:189) "اس نے اٹھایا ایک ہلکا بوجھ پھر وہ چلی اس کے ساتھ۔" ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ (9/التوبہ:41) "تم لوگ کوچ کرو ہلکے ہوتے ہوئے یا بھاری ہوتے ہوئے۔" لغات القرآن کے مطابق خفیف، ثقیل کے مقابلے پر بولا جاتا ہے اور حسب ذیل معانی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ (۱) وزن کے اعتبار سے ایک کو "خفیف" اور دوسرے کو "ثقیل" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں یہ ہلکا ہے اور وہ بھاری ہے۔ (۲) تیز رفتار کو خفیف اور سست رفتار کو ثقیل کہتے ہیں۔ (۳) جو چیز طبیعت کو خوش کردے وہ خفیف اور جو طبیعت پر بھاری ہو وہ ثقیل۔ اس صورت میں خفیف مدح اور ثقیل ذم ہے۔ (۴) جو شخص جلد غصے میں آجائے وہ خفیف اور جو پُروقار ہو وہ ثقیل۔ اس صورت میں خفیف مذمت اور ثقیل مدح ہے۔

(۵) جن اجسام کا رُخ اوپر کی جانب ہو جیسے آگ وغیرہ خفیف ہیں اور جن کا رخ نیچے کی جانب رہے جیسے پانی وغیرہ ثقیل ہیں۔ (تلخیص از لغات القرآن، ج ۲، ص ۳۱۵)

(تفعیل) **تَخْفِیْفًا** ہلکا کرنا۔ ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝۴۹ ﴾ (40/مومن:49) ''تم لوگ پکارو اپنے رب کو کہ وہ کم کرے ہم سے کسی دن عذاب کو۔''

(استفعال) **اِسْتِخْفَافًا** (۱) کسی چیز کو ہلکا پانا۔ ﴿ وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا ﴾ (16/النحل:80) ''اور بنائے تمہارے لیے مویشیوں کی جلدوں سے ایسے گھر (یعنی خیمے) جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو۔'' (۲) کسی کو ہلکا سمجھنا۔ کسی کو بہلا پھسلا کر گمراہ کر دینا۔ ﴿ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰ ﴾ (30/الروم:60) ''اور آپ کو پھسلا نہ دیں (راہِ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''کسی کو بہلا پھسلا کر گمراہ کر لینے کو اہل عرب استخفّ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔'' (۳) کسی کو کم عقل کرنا۔ مت مار دینا۔ ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (43/الزخرف:54) ''پس اس نے مت ماردی اپنی قوم کی تو انہوں نے اطاعت کی اس کی۔''

| |
|---|
| ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے۔ اَلَّذِيْنَ۔ اسم موصول ہے۔ جملہ فعلیہ اِشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے اُولٰٓئِكَ کی۔ اِشْتَرَوُا دراصل اِشْتَرَوْا تھا۔ اسے آگے ملانے کے لیے واؤ پر ضمہ دی گئی ہے۔ اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، اِشْتَرَوْا کا مفعول ہے۔ اسی لیے حالت نصب میں ہے جبکہ بِالْاٰخِرَةِ متعلق فعل ہے۔ فَلَا میں 'فَ' حرف عطف ہے، لَا نافیہ ہے۔ يُخَفَّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور اَلْعَذَابُ اس کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے لَا نافیہ ہے هُمْ مبتدا ہے اور يُنْصَرُوْنَ اس کی خبر۔ 'لَا' اور 'هُمْ' لانے سے اس جملے میں تاکید پیدا ہوئی ہے۔ يُنْصَرُوْنَ بھی مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے۔

| ترجمہ | اُولٰٓئِكَ | الَّذِيْنَ | اشْتَرَوُا | الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا | بِالْاٰخِرَةِ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:86 | یہ وہ لوگ ہیں | جنہوں نے | خریدا | دنیوی زندگی کو | آخرت کے بدلے |

| فَلَا يُخَفَّفُ | عَنْهُمُ | الْعَذَابُ | وَلَا هُمْ | يُنْصَرُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| سو ہلکا نہیں کیا جائے گا | ان سے | عذاب کو | اور نہ ہی وہ لوگ | مدد دیئے جائیں گے |

## آیت:87

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَ
فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝۸۷ ﴾

| |
|---|
| قَدْ: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |

ق ف و

(ن) قَفَوًا (۱) کسی کی گُدی پر مارنا۔ عربی زبان میں اَلْقَفَا کے معنی گُدی کے ہیں۔ گُدی سر کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ (۲) کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ کسی چیز کے پیچھے پڑنا۔

لَا تَقْفُ فعل نہی ہے۔ تو پیچھے مت پڑ۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ (17/ بنی اسرائیل:36) ''اور تو پیچھے مت پڑ اس چیز کے جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں ہے۔''

(تفعیل) تَقْفِيَةً کسی کو کسی کے پیچھے لگانا۔ کسی کو کسی کے پیچھے بھیجنا۔ کسی کو کسی کے پیچھے چلانا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا﴾ (57/ الحدید:27) ''پھر ہم نے بھیجا ان کے پیچھے اپنے رسولوں کو۔'' اس کے مفعول پر عموماً 'ب' کا صلہ آتا ہے۔

ر س ل

(س) رَسَالَةً، رَسَلًا آہستہ اور نرمی سے چلنا۔ کوئی پیغام دینے کے لیے روانہ ہونا۔

رَسُوْلٌ ج: رُسُلٌ۔ فَعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ روانہ ہونے والا۔ پیغامبر۔ بھیجا ہوا۔ رسول۔ رسول کا لفظ کبھی تو صرف پیغام کے لیے بولا جاتا ہے جیسے شاعر نے کہا اَلَا اَبْلِغْ اَبَا حَفْصٍ رَسُوْلًا ''ابوحفص ؓ (حضرت عمرؓ) کو میرا پیغام پہنچا دو'' اور کبھی اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے پیغام دے کر بھیجا جائے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ انبیاء، فرشتوں اور عام انسانوں، سب کے لیے قرآنِ مجید میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً انبیاء کے لیے فرمایا: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ (3/ آل عمران:144) ''اور نہیں ہیں حضرت محمدؐ مگر ایک رسول۔'' یا فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (2/ البقرۃ:101) ''اور جب آیا ان کے پاس ایک رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کی جو ان کے پاس ہے۔'' فرشتوں کے لیے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴾ (81/ التکویر:19) ''کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد (یعنی حضرت جبرائیلؑ) کا لایا ہوا قول ہے۔'' یا فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ (11/ ھود:69) ''اور یقیناً آئے ہمارے پیغامبر (یعنی فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس بشارت کے ساتھ۔'' اور عام انسان کے لیے فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ (12/ یوسف:50) ''تو جب آیا ان کے یعنی حضرت یوسفؑ کے پاس وہ پیغامبر (یعنی قاصد)، تو انہوںؑ نے کہا تو واپس جا اپنے آقا کی طرف۔'' رسول کی جمع رُسُلٌ آتی ہے۔ جبکہ رَسُوْلٌ بھی واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے استعمال ہو جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں کے لیے رسول کا لفظ آیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴾ (26/ الشعراء:16) ''سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگارِ عالم کے رسول ہیں۔'' نبی اور رسول میں فرق کی بحث بہت طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔ جب کوئی نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہو اور اس کو نہ ماننے کی صورت میں وہ قوم ہلاک کر دی جائے تو ایسا نبی، رسول ہوتا ہے۔ رسول قتل نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ﴾، جبکہ نبی قتل بھی ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۷۱ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

رِسَالَۃٌ: ج: رِسٰلٰتٌ۔ اسم ذات ہے۔ پیغام۔ ﴿ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ ﴾(7/الاعراف:79)''اے میری قوم! میں نے پہنچا دیا ہے تم لوگوں کو اپنے رب کا پیغام۔'' ﴿ اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ ﴾(7/الاعراف:68)''میں پہنچاتا ہوں تم لوگوں کو اپنے رب کے پیغامات۔''

(افعال) اِرۡسَالًا: کسی کو پیغام، چٹھی یا حکم دے کر بھیجنا یا روانہ کرنا۔ اس کا اطلاق انسانوں پر بھی ہوتا ہے اور دوسری پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں پر بھی۔ ﴿ فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴾(26/الشعراء:53)''تو بھیجا فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔'' ﴿ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡكُمۡ اٰیٰتِنَا ﴾(2/البقرۃ:151)''جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں ایک رسول تم ہی میں سے، وہ پڑھ کر سناتا ہے تم کو ہماری آیات۔'' ﴿ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ﴾(6/الانعام:6)''اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے۔'' یہ لفظ اِمۡسَاكٌ (روکنا) کے مقابلے پر استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَمَا یُمۡسِكۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ﴾(35/فاطر:2)''اور جسے وہ روک دے، تو اسے کوئی بھیجنے والا نہیں اس کے (روکنے کے) بعد۔'' اَرۡسَلَ فُلَانًا عَلَیۡهِ کا مطلب ہے کسی کو کسی کے خلاف مقابلے کے لیے بھیجنا۔ کسی کو کسی پر مسلط کرنا۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَّاَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴾(105/الفیل:3)''اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے۔''

اَرۡسِلۡ: ج: اَرۡسِلُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو روانہ کر۔ تو بھیج۔ ﴿ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴾(20/طٰہٰ:47)''پس تو روانہ کر ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔'' ﴿ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴾(12/یوسف:45)''پس آپ سب مجھے بھیجیں۔''

مُرۡسِلٌ: ج: مُرۡسِلُوۡنَ۔ مُرۡسِلِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ روانہ کرنے والا۔ بھیجنے والا۔ ﴿ وَمَا یُمۡسِكۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ﴾(35/فاطر:2)''اور جسے وہ روک دے، تو اسے کوئی بھیجنے والا نہیں اس کے (روکنے کے) بعد۔'' ﴿ اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ ﴾(54/القمر:27)''بے شک ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی کو ان کی آزمائش کے واسطے۔'' ﴿ وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ﴾(6/الانعام:48)''اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہوئے۔''

مُرۡسِلَۃٌ: اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ روانہ کرنے والی۔ بھیجنے والی۔ ﴿ وَاِنِّیۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَیۡهِمۡ بِهَدِیَّةٍ ﴾(27/النمل:35)''اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ۔''

مُرۡسَلٌ: ج: مُرۡسَلُوۡنَ۔ مُرۡسَلِیۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ روانہ کیا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ﴾(7/الاعراف:75)''کیا تم واقعی جانتے ہو کہ حضرت صالحؑ بھیجے ہوئے ہیں اپنے رب کی طرف سے۔'' ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴾(36/یٰسٓ:52)''یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمٰن نے اور سچ کہا بھیجے ہوؤں (یعنی رسولوں) نے۔'' ﴿ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴾(2/البقرۃ:252)''اور بے شک آپؐ بھیجے ہوؤں (یعنی رسولوں) میں سے ہیں۔''

مُرۡسَلَۃٌ: ج: مُرۡسَلَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ روانہ کی ہوئی۔ بھیجی ہوئی۔ ﴿ وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ﴾(77/المرسلات:1)''(ان ہواؤں) کی قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔''

ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔

ء ی د

(ض) اَیْدًا — مضبوط ہونا۔قوی ہونا۔

اَیْدٌ — اسم ذات ہے۔مضبوطی۔قوت۔﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ﴾(51/الذّٰریٰت:47)''اور آسمان! ہم نے بنایا اس کو قوت سے۔''اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''بِاَیْىدٍ۔ ید۔ کے معنی قوت کے ہیں۔قرآن مجید ہی میں متعدد بار اسی معنی میں آیا ہے۔مثلاً اولی الایدی والابصار۔ واذکر عبدنا داود ذا الاید۔ چنانچہ یہاں بھی یہی معنی بلا تکلف ہیں۔'' ذُو الْاَیْدِ۔ قوت والا۔﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ﴾(38/صٓ:17)''اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعیل) تَاْیِیْدًا — مضبوط کرنا۔تقویت دینا۔اس کا مطلب مدد کرنا نہیں ہوتا بلکہ کسی کو قوت عطا کرنا ہوتا ہے۔﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾(3/آل عمران:13)''اور اللہ تقویت دیتا ہے اپنی مدد سے جسے وہ چاہتا ہے۔''

ر و ح

(ن) رَوَاحًا — شام کے وقت آنا یا شام کے وقت جانا۔شام کے وقت چلنا۔کوئی کام کرنا۔وقت کے بغیر صرف 'جانے' کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾(34/سبا:12)''اور سلیمانؑ کے لیے ہوا (کو مسخر کر دیا) اُس (ہوا) کا صبح کا چلنا ایک (مہینے کی مسافت تھی) اور اُس (ہوا) کا شام کا چلنا ایک مہینے (کی مسافت تھی)۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ رَوَاح کے معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور بطور استعارہ اس کا استعمال نصف النہار کے بعد سے اس وقت کے لیے ہوتا ہے جس میں انسان چلتا ہے بہرحال یہ غُدُوٌّ اور صَبَاحٌ کا مقابل ہے اور اس کا استعمال سرشام یا زوال سے لے کر رات تک کے لیے ہوتا ہے یہاں رواح سے شام کی منزل یعنی زوال سے لے کر غروبِ آفتاب تک چلنا مراد ہے۔(بحوالہ لغات القرآن، ج۳،ص ۹۸)۔

(ف۔س) (۱) رِیْحًا — کسی جگہ کا ہوادار ہونا۔تیز ہوا والا ہونا۔

(۲) رَاحَۃً — نیکی و بھلائی کو خوشی سے کرنے کے لیے جلدی کرنا۔

(ض) رَیْحًا — کسی چیز کی بو محسوس کرنا۔

رَوْحٌ — اسم ذات ہے۔آرام و آسودگی۔راحت۔نرم ہوا۔یَوْمٌ رَوْحٌ: عمدہ و خوشگوار دن۔سہانا دن۔﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝﴾(56/الواقعہ:88-89)''پھر اگر وہ ہے مقرب لوگوں میں سے تو راحت ہے اور خوشبودار غذائیں ہیں اور ہمیشگی والی نعمتوں کے باغ ہیں۔'' جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں رحمت و مہربانی۔﴿لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾(12/یوسف:87)''اور مایوس نہیں ہوتی اللہ کی رحمت سے مگر کافر قوم۔''

رُوْحٌ — اسم ذات ہے۔اس کے معروف اور مشہور معنی تو وہی ہیں جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی سانس یا جان جس سے زندگی قائم ہے۔قرآنِ مجید میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً:

(۱) روحِ انسانی۔وہ خاص جوہر جو فکر و شعور، عقل و تمیز اور فیصلہ و اختیار کا حامل ہوتا ہے، جس کی بدولت انسان تمام مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحبِ شخصیت ہستی، صاحب انا ہستی اور حامل خلافت ہستی بنتی ہے۔(تفہیم القرآن)۔

یہ روحِ انسانی خاص اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:85) ''اور وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ آپؐ فرمایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔'' روح عالم امر کی چیز ہے اور اس کا مرکز قلب ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ جو فرمایا: ﴿ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾ (15/الحجر:29) ''اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔'' تو اس میں اللہ تعالیٰ نے روح کی نسبت اپنی طرف مِلکیت اور شرافت وعظمت کے اظہار کے لیے کی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(۲) حضرت جبرائیلؑ کو روح الامین اور روح القدس کہا گیا ہے۔ ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ (26/الشعراء:193) ''اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔'' ﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ (16/النحل:102) ''فرمایئے نازل کیا ہے اُسے روح القدس نے آپؐ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔'' ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ صَفًّا ﴾ (78/النبا:38) ''جس دن کھڑی ہوگی روح اور فرشتے قطار باندھ کر۔'' اس آیت میں الروح سے بعض بزرگوں کے نزدیک حضرت جبرائیلؑ ہیں، بعض کے نزدیک روح نامی وہ عظیم فرشتہ مراد ہے جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب (شاخ در شاخ نکلنا) ہوا ہے۔ اور بعض کے نزدیک ذی روح مخلوقات یا جاندار مراد ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

(۳) حضرت عیسیٰؑ کو روح کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ (4/النساء:171) ''اور ایک روح تھی اس کی طرف سے۔'' امام راغبؒ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو روح اس لیے کہا کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔

(۴) وحی الٰہی یا قرآنِ مجید کو روح کہا گیا ہے۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (42/الشوریٰ:52) ''اور اسی طرح ہم نے وحی کیا آپؐ کی طرف اپنے حکم سے روح کو۔'' اس آیت میں روح سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس طرح روح جسم کو زندہ کرتی ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم دلوں کو حیاتِ جاوید عطا کرتا ہے اور ایمان کی زندگی پھونکتا ہے۔ اسی لیے وحی الٰہی یا قرآنِ مجید کو ''روح'' فرمایا گیا۔ نیز فرمایا: ﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ ﴾ (16/النحل:2) ''وہ اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے۔'' یا فرمایا: ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ ﴾ (40/المومن:15) ''وہ نازل فرماتا ہے وحی اپنے حکم سے۔''

رِيْحٌ

ج: رِیَاحٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہوا۔ خوشبو۔ غلبہ۔ قرآنِ مجید میں رِيْحٌ کا لفظ عام طور پر نقصان دہ ہوا کے لیے استعمال ہوا ہے اور رِیَاحٌ کا لفظ فائدہ مند ہوا کے لیے۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''رِيْحٌ کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ ﴿ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (46/الاحقاف:24) ''ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک۔'' ﴿ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا ﴾ (30/الروم:51) ''اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا۔'' ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا ﴾ (54/القمر:19) ''ہم نے بھیجی ان پر ہوا ''تند'' اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ رِیَاحٌ لائے ہیں۔ ﴿ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ ﴾ (30/الروم:46) ''چلاتا ہے ہوائیں خوش خبری لانے والیاں۔'' ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ (15/الحجر:22) ''اور چلائیں ہم نے ہوائیں اوس بھری۔'' ﴿ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ﴾ (7/الاعراف:57) ''چلاتا ہے ہوائیں خوش خبری لانے والی۔'' (تفسیر عثمانی ص ۸۳)۔ رِيْحٌ کا لفظ زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتا ہے جبکہ کبھی کبھی مذکر بھی بولا جاتا ہے۔ نیز یہ لفظ خوشبو کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ کسی کی خوشبو ہوا ہی کے ذریعے پہنچتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ ﴾ (12/یوسف:94) ''بے شک میں پاتا ہوں یوسفؑ کی خوشبو کو۔'' اور کبھی

رِیۡحٌ کا لفظ بطور استعارہ غلبے کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ﴾ (8/الانفال:46) ''اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا۔'' یعنی تمہارا غلبہ اور رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔

رَیۡحَانٌ: اسم ذات ہے۔ (۱) خوشبودار پھول۔ (۲) رزق، روزی، غذائیں۔ ﴿وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ ۞﴾ (55/الرحمٰن:12) ''اور اس میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبودار۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور (اس میں) غلہ بھی بھوسہ والا (اور) غذا کی چیز بھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿فَرَوۡحٌ وَّ رَيۡحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيۡمٍ ۞﴾ (56/الواقعہ:89) ''تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''تو اس کے لیے راحت ہے اور غذائیں ہیں اور عیش کی جنت ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(افعال) اِرَاحَةً: شام کے وقت اونٹوں کو یا مویشیوں کو باڑے میں واپس لانا۔ ﴿وَ لَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۞﴾ (16/النحل:6) ''اور تمہارے لیے ان میں زیب و زینت بھی ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح کو ان کو چرانے لے جاتے ہو۔''

| | | |
|---|---|---|
| ق د س: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | كُلَّمَا: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ |

**ھ و ی**

یہ مادہ باب ضرب سے کم از کم تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے دو معنی متضاد ہیں۔

(ض) (۱) هُوِيًّا: بلند ہونا۔ لیکن اِن معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں غالباً استعمال نہیں ہوا۔

(۲) هَوِيًّا: بلندی سے نیچے گرنا یا نیچے اترنا۔ صاحب کشاف کے مطابق اس کے اصل معنی پہاڑ سے نیچے گرنے اور ہلاک ہو جانے کے ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ)۔ ﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى ۞﴾ (53/النجم:1) ''قسم ہے تارے کی جب گرے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اُترا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى ۞﴾ (20/طٰہٰ:81) ''اور جس پر میرا غضب واقع ہوا، وہ یقیناً گر کر رہا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ھَوٰی کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔ یہاں مراد ہلاک اور برباد ہو جانے سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۶۷۲)۔ ھَوٰی یَھۡوِیۡ کے ساتھ جب 'بِ' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کو گرانا یا پھینکنا۔ ﴿اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ۞﴾ (22/الحج:31) ''یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ جا پھینکا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۳) هَوًى: کسی کی طرف جھکنا۔ مائل ہونا۔ ﴿فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ﴾ (14/ابراہیم:37) ''سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں اِن کی طرف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ تقریباً تمام بزرگوں نے اِس آیت میں تَهۡوِىۡۤ کا ترجمہ ''مائل ہونا'' سے کیا ہے۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد نسیم صاحب منتخب لغات القرآن میں فرماتے ہیں: ''تَهۡوِىۡۤ۔ باب ضرب سے فعل مضارع معروف، صیغہ واحد مونث غائب، مصدر ھَوًی سے۔'' (واللہ اعلم)

هَاوِيَةٌ: فَاعِلَةٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ لفظی معنی ہیں گرنے والی۔ نیچے اترنے والی۔ پھر اس سے مراد گہرا گڑھا لیا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں یہ لفظ جہنم کے ایک طبقے کے لیے استعمال ہوا ہے جس کی گہرائی صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞﴾ (101/القارعۃ:9) ''تو اس کا ٹھکانہ گڑھا ہے۔''

**هَوَاءٌ** اسم ذات ہے۔ خلاء۔ خالی چیز۔ اصل میں هَوَاءٌ اس فضا اور خلاء کو کہتے ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے لیکن عرب محاورے میں یہ قلب کی صفت واقع ہوتی ہے۔ جو دل ڈرپوک اور بزدل ہو اسے قَلْبٌ هَوَاءٌ کہتے ہیں۔ نیز اس سے بدحواس، بے قرار، خوف اور دہشت کی وجہ سے سمجھ اور بھلائی سے خالی، کے معنی بھی لیے جاتے ہیں۔ یہ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ؕ﴾ (14/ابراہیم:43) ''اور ان کے دل خالی اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''اور ان کے دل بدحواس ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(س) **هَوٰی** محبت کرنا۔ خواہش کرنا۔ کسی کی طرف جھکنا۔ نفس کا نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہونا۔ ﴿اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ ۚ﴾ (53/النجم:23) ''وہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور اس کی جسے اُن کے نفس چاہتے ہیں۔''

**هَوٰی** ج: اَهۡوَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ ناجائز نفسانی خواہش۔ ایسی خواہشات جن کے پیچھے انسان چل کر اپنی قدر و منزلت کھو دے۔ یہ لفظ عموماً برے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ابن فارس لکھتے ہیں: هَوَى النَّفۡسِ خَالٍ مِّنۡ كُلِّ خَيۡرٍ یعنی خواہشات نفس وہ خواہشات ہیں جو ہر خیر سے خالی ہیں۔ ﴿وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (28/القصص:50) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے پیروی کی اپنی خواہش کی اللہ کی ہدایت کے بغیر۔'' ﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا﴾ (6/الانعام:150) ''اور پیروی مت کر اُن کی خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔''

(افعال) **اِهۡوَاءٌ** پٹخ دینا۔ فضا میں لے جا کر نیچے دے مارنا۔ ﴿وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۙ﴾ (53/النجم:53) ''اور اوندھی بستی کو بھی اس نے پٹخ دیا۔''

(استفعال) **اِسۡتِهۡوَاءٌ** کسی کو پھسلا دینا۔ بہکا دینا۔ بھٹکا دینا۔ عقل لے اڑنا۔ ﴿كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ ۖ﴾ (6/الانعام:71) ''اس کی مانند جس کو بہکا دیا ہو جنوں نے زمین میں اور وہ حیران و پریشان ہو۔''

| | | |
|---|---|---|
| ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ك ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ك ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | |

## ترکیب

'وَ' استینافیہ ہے اور قَدۡ تاکید کے لیے ہے جس پر لام تاکید بھی داخل ہے۔ اٰتَيۡنَا کا مفعول اوّل مُوۡسَى اور مفعول ثانی اَلۡكِتٰبَ ہے۔ وَقَفَّيۡنَا میں 'وَ' عطف کا ہے اور قَفَّيۡنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے جبکہ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ اور بِالرُّسُلِ اس سے متعلق ہیں۔ آگے اٰتَيۡنَا کا مفعول اوّل عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ہے اور مفعول ثانی اَلۡبَيِّنٰتِ ہے۔ اَلۡبَيِّنٰتِ صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے۔ وَاَيَّدۡنٰهُ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اَيَّدۡنٰهُ میں ضمیر مفعولی حضرت عیسیٰؑ کے لیے ہے اور بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ متعلق فعل ہے۔ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ مرکب اضافی ہے جس میں موصوف (رُوۡحٌ) کو صفت (اَلۡقُدُسُ) کی طرف مضاف کیا گیا ہے لفظی ترجمہ ہوگا پاکیزگی کی روح جس کو پھر اردو محاورے کے لحاظ سے پاک روح کہا جاتا ہے۔ آگے اَفَكُلَّمَا میں اَ۔ استفہامیہ ہے۔ 'فَ' عطف کا ہے اور كُلَّمَا ظرف زمان ہے اور اس میں شرط کا مفہوم بھی ہے۔ كُلَّمَا، كُلَّ اور مَا مصدریہ ظرفیہ کا مرکب ہے مطلب ہوتا ہے كُلَّ وَقۡتٍ۔ جب بھی۔ جب کبھی۔ جَآءَكُمۡ سے اَنۡفُسُكُمُ تک شرط ہے اور اِسۡتَكۡبَرۡتُمۡ سے تَقۡتُلُوۡنَ تک جواب شرط ہے۔ فَرِيۡقًا دونوں جگہ پر مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ جَآءَ کا فاعل رَسُوۡلٌ ہے اور كُمۡ اس کا مفعول ہے یاد کر لیجیے کہ جَآءَ فعل لازم ہے جس کا معنی ہے 'آنا'۔ جب اس کے ساتھ 'بِ' کا صلہ آئے، جیسے یہاں آیا ہے تو مطلب ہوتا ہے 'لانا'۔ چنانچہ یہاں ترجمہ ہوگا۔ ''جب بھی لائے تمہارے پاس رسول وہ جو......''۔ اَنۡفُسٌ جمع مکسر کا صیغہ ہے اس لیے تَهۡوٰٓى واحد مؤنث کا صیغہ آیا ہے۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ كَذَّبۡتُمۡ ماضی کا صیغہ آیا ہے جبکہ تَقۡتُلُوۡنَ مضارع کا۔ اس کی وجہ صاحبِ تفسیر مظہری یوں بیان کرتے ہیں:

’’یہاں صیغہ مضارع اس لیے استعمال ہوا ہے کہ یہ ایک امرِ عظیم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو امرِ عظیم ہوتا ہے اُس کو اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ بالکل پیش نظر ہو جاوے گویا اب ہو رہا ہے۔‘‘

| ترجمہ | وَلَقَدْ اٰتَيْنَا | مُوْسَى | الْكِتٰبَ | وَقَفَّيْنَا | مِنْۢ بَعْدِهٖ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:87 | اور بے شک ہم نے دی | موسیٰؑ کو | کتاب (یعنی تورات) | اور ہم نے پے در پے بھیجا | انؑ کے بعد |

| بِالرُّسُلِ | وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ | الْبَيِّنٰتِ |
|---|---|---|
| رسولوں کو | اور ہم نے دیں عیسیٰؑ بن مریم کو | روشن (دلیلیں) یعنی معجزات |

| وَاَيَّدْنٰهُ | بِرُوْحِ الْقُدُسِ | اَفَكُلَّمَا |
|---|---|---|
| اور ہم نے تقویت دی انؑ کو | پاکیزگی کی روح یعنی جبریلؑ سے | تو کیا (ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی |

| جَآءَكُمْ | رَسُوْلٌ | بِمَا | لَا تَهْوٰٓى | اَنْفُسُكُمُ |
|---|---|---|---|---|
| آیا تمہارے پاس | کوئی رسول | اس کے ساتھ جو | پسند نہ کرتے | تمہارے جی |

| اسْتَكْبَرْتُمْ | فَفَرِيْقًا | كَذَّبْتُمْ | وَفَرِيْقًا | تَقْتُلُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| تو تم لوگوں نے تکبر کیا | پس ایک فریق کو | تم نے جھٹلایا | اور ایک فریق کو | تم قتل کرتے ہو |

**نوٹ** آیت میں روح القدس کے متعلق حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور، ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ مسیحی اصطلاح میں روح القدس ’’تثلیث مقدس‘‘ کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں، اُس سے یہاں کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ (تفسیر ماجدی، ص ۴۴)۔ حضرت مولانا مودودیؒ روح القدس کا ترجمہ ’’روح پاک‘‘ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ’’روح پاک سے مراد علم وحی بھی ہے، اور جبریل بھی جو وحی کا علم لاتے تھے اور خود حضرت مسیحؑ کی اپنی پاکیزہ رُوح بھی، جس کو اللہ نے قدسی صفات بنایا تھا۔ ’’روشن نشانیوں‘‘ سے مراد وہ کھلی کھلی علامات ہیں، جنہیں دیکھ کر ہر صداقت پسند طالب حق انسان یہ جان سکتا تھا کہ مسیحؑ اللہ کے نبی ہیں۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۹۲)

## آیت: 88

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

**غ ل ف**

(ن) غَلْفًا ڈھانکنا۔ غلاف میں ڈالنا۔

اَغْلَفُ ج: غُلْفٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے۔ غلاف میں بند چیز۔ قَلْبٌ اَغْلَفُ۔ ایسا دل جو نہ نصیحت کی بات سمجھے اور نہ محفوظ رکھے۔ آیت زیر مطالعہ۔

نوٹ: بعض بزرگوں کے نزدیک غُلْفٌ، غِلَافٌ کی جمع ہے۔ اور غِلَافٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز داخل کی جائے اور چھپائی جائے جیسے میان یا نیام جس میں تلوار رکھی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں آیت زیر مطالعہ کا مطلب ہوگا کہ ہمارے دل تو خود علوم و معارف کا ذخیرہ یا خزانہ ہیں اور اِن علوم کی موجودگی میں ہمیں کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔

## بَلْ اور اُس کے استعمالات:

بَلْ حرف استدراک ہے۔ اس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ غلط ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود ہے (اضراب ابطالی)۔ ایسی صورت میں اس سے پہلے لفظ كَلَّا (ہرگز نہیں) محذوف ہوتا ہے، جیسا کہ آیت زیرِ مطالعہ میں ہے، اور ایسی صورت میں بَلْ کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ ''ہرگز نہیں! بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ''۔ کبھی بَلْ کے ساتھ كَلَّا لکھ بھی دیتے ہیں لیکن مفہوم یہی رہتا ہے۔ جیسے ﴿ قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾ (83/المطففین:13۔14) ''انہوں نے کہا پرانے زمانے کے قصے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زنگ چڑھا یا ان کے دلوں پر اس نے جو وہ لوگ کمائی کیا کرتے تھے۔'' یا فرمایا: ﴿ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ ﴾ (89/الفجر:17) ''ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔'' یعنی مال کی فراخی اور تنگی اللہ کے ہاں عزت اور ذلت کی دلیل نہیں بلکہ ذلیل کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور......الخ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ درست ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے بعد بَلْ کہہ کر اس سچائی کو تسلیم نہ کرنے یا اس سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے (اضراب انتقالی)۔ ایسی صورت میں بَلْ سے پہلے لفظ كَلَّا محذوف نہیں ہوتا۔ نیز ایسی صورت میں بَلْ کا مفہوم اردو محاورہ میں ''بلکہ'' کے بجائے ''لیکن'' سے ادا ہوتا ہے اور اس کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ ''لیکن حقیقت یہ ہے کہ''۔ جیسے ﴿ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ ﴾ (38/ص:1۔2) ''قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہٹ دھرمی اور مخالفت میں ہیں۔'' یا فرمایا: ﴿ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا ﴾ (50/ق:1،2) ''قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی (کہ ہم نے آپ ؐ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے) بلکہ ان کو تعجب ہوا......الخ'' یعنی کفار کا قرآن پر ایمان نہ لانا قرآن کے بزرگ ہونے کے منافی نہیں بلکہ یہ محض ان کی جہالت اور نادانی ہے۔ بَلْ کہہ کے ان کی جہالت پر آگاہ کیا گیا ہے۔

یا یہ صورت ہوتی ہے کہ پہلے حکم کو برقرار رکھ کر اس کے مابعد کو اس حکم پر اور زیادہ کر دیا جائے یعنی دوسرے کلام کے ذریعے پہلے کلام کی وضاحت اور اس پر اضافہ مقصود ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ ﴾ (21/الانبیاء:5) ''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن پریشان خواب ہیں بلکہ انہوں نے از خود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہیں۔'' یعنی اوّلاً کفار نے قرآن کو پریشان خواب کہا پھر اس پر اضافہ کر کے اسے جھوٹ کہنے لگے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ ؐ کے متعلق شاعر ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ یا فرمایا: ﴿ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ ﴾ (27/العنکبوت:55) ''کیا تم مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے جاتے ہو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر بلکہ تم تو بڑے ہی نادان ہو۔'' یعنی کوئی بھی سلیم الفطرت انسان یہ حرکت نہیں کر سکتا بلکہ اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تو نرے جاہل ہو جو یہ حرکت کرتے ہو۔ (واللہ اعلم)۔

**ل ع ن**

(ف) لَعْنًا کسی کو ناراضگی کی وجہ سے اپنے سے دور کر دینا۔ دھتکار دینا۔ لعنت اگر اللہ کی طرف سے ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنی رحمت اور شفقت سے دور کرنا جس سے وہ آخرت میں سزا کا مستحق قرار پائے اور اگر انسان کی طرف سے ہو تو بددعا ہوتی ہے کہ اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (33/الاحزاب:64) ''بے شک

| | |
|---|---|
| | اللہ نے لعنت کی کافروں پر۔'' ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ (7/الاعراف:38)''جب بھی داخل ہوتی ہے کوئی جماعت، تو وہ لعنت کرتی ہے اپنی بہن پر یعنی دوسری جماعت پر۔'' |
| لَعْنَةٌ | اسم ذات ہے۔ لعنت۔''لعنت نام ہے اللہ کی رحمت سے دوری کا، انتہائی رسوائی اور ذلت کا۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو وہ اللہ کا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔'' (معارف القرآن)۔ ﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (7/الاعراف:44)''تو پکارا ایک پکارنے والے نے کہ اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔'' |
| اِلْعَنْ | فعل امر ہے۔ تو لعنت کر۔ ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا﴾ (33/الاحزاب:68)''اے ہمارے رب! تو دے ان کو دوگنا عذاب اور تو لعنت کر ان پر بڑی لعنت۔'' |
| لَاعِنٌ | ج: لَاعِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ لعنت کرنے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ (2/البقرۃ:159)''یہ لوگ ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔'' |
| مَلْعُوْنٌ | ج: مَلْعُوْنُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ لعنت کیا ہوا۔ ﴿مَلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴾ (33/الاحزاب:61)''لعنت کیے ہوئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں۔'' |
| مَلْعُوْنَةٌ | اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ لعنت کی ہوئی۔ مذمت۔ ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ (17/بنی اسرائیل:60)''نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''لعنت سے مراد ہے مذمت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔'' |
| لِعَانٌ | لِعَان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل معارف القرآن جلد ۶ ص: ۳۹۷ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ |

ع ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔
ع م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے اور قَالُوْا ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ قُلُوْبُنَا مرکب اضافی ہے اور مبتداء ہے غُلْفٌ اس کی خبر ہے۔ بَلْ حرفِ اضراب ابطالی ہے اور اس سے پہلے كَلَّا محذوف ہے اور اس سے پچھلی بات کی تردید کرنا مقصود ہے۔ لَعَنَ فعل، هُمْ اس کا مفعول، اَللّٰهُ فاعل اور بِكُفْرِهِمْ متعلق فعل ہے بِكُفْرِهِمْ میں 'بِ' سببیہ ہے۔ فَقَلِيْلًا میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ قَلِيْلًا، صفت ہے محذوف مفعول مطلق کی یعنی اِيْمَانًا قَلِيْلًا۔ 'مَا' زائدہ قلت کی تاکید کے لیے آیا ہے اور يُؤْمِنُوْنَ فعل اور اس میں شامل ضمیر هُمْ اس کا فاعل۔ سادہ جملہ یوں تھا يُؤْمِنُوْنَ اِيْمَانًا قَلِيْلًا اور عربی محاورے میں قلیل کا استعمال مطلق نفی کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کے معنی ہوں گے کہ یہ لوگ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔

| ترجمہ | وَقَالُوْا | قُلُوْبُنَا | غُلْفٌ | بَلْ | لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:88 | اور انہوں نے کہا | ہمارے دل | غلاف میں بند ہیں | (ہرگز نہیں) بلکہ | اللہ نے رحمت سے دور کیا ان کو |

| بِكُفْرِهِمْ | فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ |
|---|---|
| ان کے کفر کی وجہ سے | تو وہ لوگ تھوڑا سا ایمان لاتے ہیں |

**نوٹ** آیتِ مبارکہ میں ’’ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ‘‘ کے تین مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) یہود تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے۔ تھوڑا ایمان ان چیزوں کے بارے میں کہا گیا جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، آخرت کا قائل ہونا لیکن وہ لوگ حضورؐ اور قرآن کے منکر ہیں اس لیے پورا ایمان نہ ہوا۔ اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہا گیا، شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے۔ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو کل امور واردنی الشرع کے یقین کے ساتھ ہو۔

(۲) ان میں سے تھوڑے لوگ ایمان لاتے ہیں اور اکثر انکار کر دیتے ہیں۔

(۳) اس اسلوب سے ان کے ایمان کی مطلق نفی ہے کیونکہ قلیل کا لفظ عرب محاورے میں نفی مطلق کے لیے بھی آتا ہے۔ اِن تمام باتوں کی وضاحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ یوں فرماتے ہیں: ’’قلیل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کے لیے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا، صرف ان میں سے بعض پر تھا۔ ای ’لا یومنون الا بقلیل مما کلّفوا به‘ (کبیر) قلیلا صفة مصدر محذوف کی ای ’فایمانا قلیلا یومنون‘ (مدارک) مَّا يُؤْمِنُوْنَ... میں ’مَا‘ مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان۔ ’ما مزیدة للمبالغة فی التقلیل‘ (بیضاوی) ’ما مزیدة للمبالغة‘ (ابو مسعود) قلیلا۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے۔ مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ ای ’لا یومن منهم الا قلیل‘ (ابن جریر۔ عن قتادة) ’قال بعضهم فقلیل من یومن منهم‘ (ابن کثیرؒ) اور امام رازیؒ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے۔ لیکن محاورہ میں قلیل کا استعمال نفی مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے۔ ’یجوز ان تکون القلة بمعنی العدم‘ (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ ’والمعنی فیه نفی جمیعه‘ (ابن جریر) ’معناه لا یومنون اصلًا لا قلیلا ولا کثیرًا‘۔ (تفسیر ماجدی، ص ۴۵)

## آیت:89

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| لَمَّا: البقرة آیت 17 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرة آیت 71 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرة آیت 2 دیکھیں۔ |
| عِنْدَ: البقرة آیت 54 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ص د ق: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ |
| ك و ن: البقرة آیت 10 دیکھیں۔ | قَبْلُ: البقرة آیت 4 دیکھیں۔ | ف ت ح: البقرة آیت 76 دیکھیں۔ |
| ك ف ر: البقرة آیت 6 دیکھیں۔ | | |

**ع ر ف**

(ض) مَعْرِفَةً، عِرْفَانًا علامات اور آثار سے کسی چیز کو پہچاننا یا سمجھنا۔ کسی کی خوشبو پانا (خوشبو بھی کسی کی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے)۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ’’معرفہ کہتے ہیں کسی چیز کو غور و فکر کر کے سمجھنے یا پہچاننے کو، اس کے بالمقابل انکار کہتے ہیں نہ سمجھنے یا نہ

پہچاننے کو، یہ دونوں لفظ متقابل سمجھے جاتے ہیں، قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا ﴾ (16/النحل:83) ''یعنی اللہ کی قدرت کاملہ کے مظاہر دیکھ کر اس کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں مگر پھر از روئے عناد انکار کرتے ہیں، گویا ان نعمتوں کو جانتے نہیں۔'' (معارف القرآن، ج۳،ص ۲۵۲)۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ ﴾ (2/البقرہ:146) ''وہ لوگ ہم نے دی جن کو کتاب، وہ لوگ پہچانتے ہیں اس کو جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔''

**مَعْرُوْفٌ** مونث: مَعْرُوْفَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ پہچانا ہوا۔ معلوم۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) ہر قول یا فعل جس کی خوبی عقل یا شریعت سے ثابت ہو یعنی اچھی یا بھلی بات۔ اچھا کام۔ دستور کے موافق بات وغیرہ۔ اس کے مقابلے پر لفظ مُنْكَرٌ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہر اس قول یا فعل کے ہیں جو عقل یا شریعت کی رو سے برا سمجھا جائے۔ (۲) نیکی، کیونکہ فطرتِ انسانی اسے پہچانتی ہے۔ مولانا مودودیؒ مَعْرُوْفٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مَعْرُوْف'' کا لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ صحیح طریق کار ہے، جس سے بالعموم انسان واقف ہوتے ہیں، جس کے متعلق ہر وہ شخص، جس کا کوئی ذاتی مفاد کسی خاص پہلو سے وابستہ نہ ہو، یہ بول اُٹھے کہ بے شک حق اور انصاف یہی ہے اور یہی مناسب طریق عمل ہے۔ رواجِ عام (Common Law) کو بھی اسلامی اصطلاح میں ''عرف'' اور ''معروف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ ایسے تمام معاملات میں معتبر ہے، جن کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہ کیا ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۱،ص ۱۳۹)۔ ﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾ (4/النساء:6) ''اور جو کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (3/آل عمران:110) ''ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ ﴾ (24/النور:53) ''کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**عُرْفٌ** اسم ذات ہے۔ خوشبو۔ بلند جگہ۔ قرآنِ مجید میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) بمعنی معروف یعنی نیکی اور نیک کام۔ وہ نیک بات جس کی اچھائی کو سب تسلیم کرتے ہوں۔ ﴿ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ ﴾ (7/الاعراف:199) ''اور ترغیب دو نیکی کی اور اعراض کرو جاہلوں سے۔'' (۲) متواتر۔ پے در پے۔ یکے بعد دیگرے۔ ﴿ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ ﴾ (77/المرسلات:1) ''(ان ہواؤں کی) قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اَلْاَعْرَافُ** یہ عُرْفٌ کی جمع ہے۔ اور عُرْفٌ کے معنی بلند جگہ کے بھی ہیں۔ قرآنِ مجید میں اعراف سے اس دیوار کا بالائی حصہ مراد ہے جو قیامت میں جنت و دوزخ کے درمیان حائل ہوگی۔ ﴿ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ ﴾ (7/الاعراف:46) ''اور اعراف پر لوگ ہوں گے، وہ پہچانیں گے سب کو ان کی نشانی سے۔''

**عَرَفَاتٌ** میدانِ عرفات جہاں حج کے دن قیام ہوتا ہے۔ ﴿ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ ﴾ (2/البقرہ:198) ''تو جب تم لوگ پلٹو عرفات سے۔''

(تفعیل) تَعْرِیْفًا (۱) کسی کو کسی کی پہچان کرانا۔ تعارف کرانا۔ بتانا۔ (۲) کسی کو خوشبودار بنانا۔ خوشبو میں بسانا۔ ﴿عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (66/التحریم:3) ''تو انہوں نے اُس کا کچھ حصہ بتا دیا اور کچھ سے اعراض کیا۔'' ﴿وَیُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ عَرَّفَھَا لَھُمْ ۝۶﴾ (47/محمد:6) ''اور وہ داخل کرے گا ان کو اس جنت میں، اس نے خوشبو میں بسایا جس کو ان کے لیے۔'' ''اور داخل کرے گا اُنہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے اُنہیں کرادی تھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفاعل) تَعَارُفًا باہم ایک دوسرے کو پہچاننا۔ ﴿یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ ؕ﴾ (10/یونس:45) ''ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں۔''

(افتعال) اِعْتِرَافًا اقرار کرنا۔ پھر یہ لفظ گناہوں کا اعتراف کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ضد جُحُوْدٌ (انکار کرنا) ہے۔ ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾ (40/مومن:11) ''تو ہم نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔''

ل ع ن: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے۔ لَمَّا حرف شرط ہے۔ جَآءَ سے مَعَھُمْ تک جملہ شرطیہ ہے۔ جَآءَ فعل ہے، ھُمْ اس کا مفعول اور کِتٰبٌ اس کا فاعل ہے۔ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ متعلق فعل ہے اور مُصَدِّقٌ صفت ہے کِتٰبٌ کی۔ آگے لِمَا مَعَھُمْ، مُصَدِّقٌ سے متعلق ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ کَفَرُوْا بِہٖ ہے۔ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ سے مراد قرآن مجید ہے اور لِمَا مَعَھُمْ سے تورات مراد ہے۔ وَکَانُوْا کا واؤ حالیہ ہے اور کَانُوْا کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے۔ مِنْ قَبْلُ، یَسْتَفْتِحُوْنَ سے متعلق ہے اور جملہ فعلیہ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، کَانَ کی خبر ہے۔ کَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ ماضی استمراری ہے۔ فَلَمَّا میں 'فَ' حرف عطف ہے لَمَّا حرف شرط ہے۔ جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا شرط ہے۔ اِس میں جَآءَ فعل، ھُمْ اس کا مفعول، 'مَا' اسم موصول اور جملہ فعلیہ عَرَفُوْا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر فاعل ہیں جَآءَ کا اور اس سے مراد قرآن بھی ہوسکتا ہے یا خود حضورؐ کی ذاتِ مبارک۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ آگے کَفَرُوْا بِہٖ اس کا جوابِ شرط ہے۔ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ مرکب اضافی لَعْنَۃُ اللّٰہِ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور عَلَی الْکٰفِرِیْنَ متعلق خبر ہے۔ یہاں لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ بھی کہا جاسکتا تھا لیکن اسم ظاہر اَلْکٰفِرِیْنَ لانے سے ایک قسم کی تاکید پیدا ہوئی ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:89

| لِمَا | کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ | جَآءَھُمْ | وَلَمَّا |
|---|---|---|---|
| اس کی جو | اللہ کے پاس سے ایک تصدیق کرنے والی کتاب (یعنی قرآن) | آئی ان کے پاس | اور جب |

| عَلَی الَّذِیْنَ | یَسْتَفْتِحُوْنَ | مِنْ قَبْلُ | کَانُوْا | وَ | مَعَھُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| ان پر جنہوں نے | فتح مانگا کرتے تھے | اس سے پہلے | وہ لوگ | اس حال میں کہ | ان کے پاس تھی (یعنی تورات، تو اس کا انکار کردیا) |

| کَفَرُوْا بِہٖ | عَرَفُوْا | مَّا | جَآءَھُمْ | فَلَمَّا | کَفَرُوْا ۚ |
|---|---|---|---|---|---|
| تو اس کا انکار کردیا | انہوں نے پہچانا | وہ جس کو | آیا ان کے پاس | تو جب | کفر کیا |

| عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۝۸۹ | فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ |
|---|---|
| ایسے انکار کرنے والوں پر | تو اللہ کی لعنت ہے |

**نوٹ**

''اُن کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب اُن کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اُترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ''ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب اُن پر نازل ہوگی اُس کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔'' جب حضورؐ پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہوگئے اور ملعون ہوئے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۷)

## آیت:90

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝۹۰ ﴾

| ب ء س |
|---|

(ک) بَأْسًا: مضبوط و بہادر ہونا۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(س) بُؤْسًا: سخت حاجت مند ہونا۔ تنگ ہونا۔ سخت ہونا۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

بَأْسٌ: اسم ذات ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم ہے سختی، شدت، قوت، خوف، ناگواری وغیرہ۔ عربی میں کہتے ہیں لَا بَأْسَ بِهٖ: اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لَا بَأْسَ عَلَیْكَ: تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں۔ لَا بَأْسَ فِیْهِ: اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ قرآنِ مجید میں یہ لفظ زیادہ تر دو یا تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) لڑائی۔ جنگ۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:177) ''اور جنگ کے وقت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ ﴾ (16/النحل:81) ''اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ ﴾ (59/الحشر:14) ''ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) عذاب۔ آفت۔ ﴿ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ ﴾ (40/المومن:29) ''پھر کون مدد کرے گا، ہماری اللہ کی آفت سے اگر آ گئی ہم پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۱۰ ﴾ (12/یوسف:110) ''اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم گنہگار سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۳) قوت۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ۝۸۴ ﴾ (4/النساء:84) ''اور اللہ تعالیٰ سخت قوت والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت میں بَأْسًا کا ترجمہ لڑائی، گرفت، زور سے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ ﴾ (57/الحدید:25) ''اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں بَأْسٌ کا ترجمہ لڑائی اور ہیبت سے بھی کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

بَأْسَاءُ: اسم ذات ہے۔ مؤنث ہے جس کا مذکر نہیں آتا اور یہ الوان و عیوب والا صیغہ نہیں ہے۔ یہ بُؤْسٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے فقر و فاقہ اور تنگی و سختی۔ ﴿ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:177) ''اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت میں بَأْسَاءُ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں۔ ''اَلْبَأْسَاءِ۔ مصیبت اور تنگ دستی میں۔ بَاسَآء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۸۶)

بَائِسٌ: فَاعِلٌ کا وزن ہے بُؤْسٌ سے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ سخت محتاج۔ مصیبت زدہ۔ بدحال۔ ﴿ وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۝۲۸ ﴾ (22/الحج:28) ''اور تم لوگ کھلاؤ مصیبت زدہ فقیر کو۔''

بَئِیْسٌ: بَأْسٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔ شدید۔ ﴿ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

بِعَذَابٍ بَىِٕيْسٍ﴾ (7/الاعراف:165) ’’اور ہم نے پکڑا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ایک شدید/سخت عذاب میں۔‘‘

بِئْسَ — فعل ذم (مذمت) ہے اور ہر قسم کی مذمت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ترجمہ کیا جاتا ہے کتنا برا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (2/البقرہ:206) ’’تو کافی ہے اس کو جہنم اور یقیناً وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔‘‘

(افتعال) اِبْتِئَاسًا — کسی دوسرے کی ناگوار یا ناقابل برداشت چیز کی وجہ سے سخت غمگین ہونا۔ دل برداشتہ ہونا۔

لَا تَبْتَىِٕسْ — فعل نہی ہے۔ تو غمگین مت ہو۔ تو دل برداشتہ مت ہو۔ ﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (11/ھود:36) ’’پس آپؑ دل برداشتہ نہ ہوں اس سے جو وہ لوگ کرتے ہیں۔‘‘

| | | |
|---|---|---|
| ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ | ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | |

### ب غ ی

(ض) بَغْيًا — کسی چیز کی چاہت یا طلب میں مناسب حد سے بڑھ جانا، تجاوز کر جانا اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔ عربی میں بَغَى الْجُرْحُ کا مطلب ہے زخم بہت بگڑ گیا۔ بَغَتِ الْمَرْءَةُ کا معنی ہے عورت نے زنا کیا۔ اسی طرح بَغَتِ السَّمَآءُ کا مطلب ہے بادل ضرورت سے زیادہ برسا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ پھر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) طلب کرنا۔ چاہنا۔ تلاش کرنا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ﴾ (6/الانعام:164) ’’آپؐ کہئے کیا اللہ کے سوا کسی کو میں چاہوں بطور رب کے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔‘‘ ﴿وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ﴾ (9/التوبۃ:47) ’’اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش میں۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) زیادتی کرنا۔ سرکشی کرنا۔ ظلم کرنا۔ تکبر کرنا۔ اِن معنوں میں اکثر عَلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾ (49/الحجرات:9) ’’پس اگر زیادتی کرے دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر تو تم لوگ جنگ کرو اس سے جو زیادتی کرتی ہے۔‘‘ ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪﴾ (28/القصص:76) ’’بے شک قارون حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا۔‘‘ ﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ﴾ (22/الحج:60) ’’پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ لغت کے اعتبار سے بَغْیٌ کا لفظ محمود اور مذموم دونوں قسم کے تجاوز پر بولا جاتا ہے۔ محمود معنوں میں اس کا مطلب ہے حد عدل وانصاف سے تجاوز کر کے مرتبہ احسان حاصل کرنا اور فرائض کے علاوہ نوافل ادا کرنا۔ اور مذموم معنوں میں مطلب ہے حق سے تجاوز کر کے باطل میں مبتلا ہونا اور شبہات میں پڑنا۔ قرآنِ مجید میں اکثر مذموم معنوں میں استعمال ہوا ہے اور محمود معنوں میں اکثر باب افتعال سے استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

بَاغٍ — فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ حد سے نکل جانے والا۔ سرکشی کرنے والا۔ چاہنے والا۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (16/النحل:115) ’’پس وہ جو مجبور ہوا، نہ خواہش کرنے والا اور نہ حد سے

بڑھنے والا، تو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔"

**بَغْیٌ** اسم ذات بھی ہے۔ چاہت۔ سرکشی۔ زیادتی۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ﴾ (10/یونس:23) "اے لوگو! بے شک تم لوگوں کی زیادتی/سرکشی تمہارے اپنے آپ پر ہے۔" زنا کو بھی بَغْیٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں حدِ عفت سے تجاوز کے معنی پائے جاتے ہیں۔

**بِغَاءٌ** اسم ذات ہے۔ بدکاری۔ زنا۔ ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ (24/النور:33) "اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر۔" اصل میں بِغَاء کے معنی حد سے تجاوز کے ہیں۔ چونکہ زنا حد سے تجاوز ہی ہے اس لیے بِغَاء کے معنی زنا کے آتے ہیں۔

**بَغِیٌّ** بَغْیٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ لفظی معنی ہیں بدکار اور مراد اس سے ہے بدکار اور زناکار عورت۔ اس کی جمع بَغَایَا آتی ہے۔ ﴿ وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴾ (19/مریم:28) "اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

(افتعال) **اِبْتِغَاءٌ** کوشش کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرنا۔ تلاش کرنا۔ چاہنا۔ اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو کوشش بھی اچھی ہوگی اور اگر بری چیز کی طلب ہو تو کوشش بھی بری ہوگی۔ ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ (23/المومنون:7) "پس جس نے چاہا اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔" ﴿ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ (73/المزمل:20) "اور دوسرے ہیں، وہ لوگ پھرتے ہیں زمین میں، تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل میں سے یعنی روزی تلاش کرتے ہیں۔" ﴿ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (17/بنی اسرائیل:28) "اگر ان سے (یعنی حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو، اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو، تلاش کر رہے ہو۔" (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ ﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴾ (92/اللیل:20) "بلکہ اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔"

**اِبْتَغِ** ج: اِبْتَغُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو طلب کر۔ تو تلاش کر۔ ﴿ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ﴾ (28/القصص:77) "اور طلب کر اس (مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ (2/البقرة:187) "اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(انفعال) **اِنْبِغَاءٌ** آسان ہونا۔ کوئی چیز کسی کے شایانِ شان ہونا۔ لائق ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں لَا یَنْبَغِیْ لَكَ اَنْ تَفْعَلَ ذٰلِكَ: تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم یہ کرو۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ﴾ (36/یٰسٓ:69) "اور ہم نے نہیں سکھایا انؐ کو شعر کہنا اور وہ انؐ کے شایانِ شان بھی نہیں۔" یا فرمایا: ﴿ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ ﴾ (38/صٓ:35) "اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو۔" (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ: اس فعل کا ماضی استعمال نہیں ہوتا۔

ف ض ل: البقرة آیت 47 دیکھیں۔ ش ی ء: البقرة آیت 20 دیکھیں۔ ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔
ب و ء: البقرة آیت 61 دیکھیں۔ غ ض ب: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ ع ذ ب: البقرة آیت 10 دیکھیں۔

ھ و ن

| | | |
|---|---|---|
| (ن) | ھَوْنًا | نرم و آسان ہونا۔ |
| | ھَوْنٌ | اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ تواضع۔ سکون و وقار۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ ھَوْنًا﴾ (25/الفرقان:63) ''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے۔'' |
| | ھَيِّنٌ | صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ہلکا۔ آسان۔ ﴿قَالَ رَبُّكِ ھُوَ عَلَيَّ ھَيِّنٌ ۚ﴾ (19/مریم:21) ''کہا آپ کے رب نے یہ مجھ پر بالکل آسان ہے۔'' ﴿وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ ھَيِّنًا ۖ﴾ (24/النور:15) ''اور تم سمجھتے ہو اُس کو ہلکی بات۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ ھَيِّنٌ لَيِّنٌ کہ مومن متواضع اور نرم مزاج ہوتا ہے۔ (بحوالہ مفردات القرآن، ج ۲، ص ۱۱۷۲) |
| | اَھْوَنُ | اَفْعَلُ التَّفْضِيل ہے۔ زیادہ آسان۔ سب سے آسان۔ ﴿وَھُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَيْهِ ۭ﴾ (30/الروم:27) ''اور وہ وہی ہے جس نے تخلیق کی ابتداء کی پھر وہ لوٹائے گا اس کو اور یہ زیادہ آسان ہے اس پر۔'' |
| (ن) | ھُوْنًا | ذلیل و رسوا ہونا۔ |
| | ھُوْنٌ | اسم ذات بھی ہے۔ ذلت۔ رسوائی۔ ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ﴾ (6/الانعام:93) ''آج تم لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ذلت کے عذاب سے۔'' |
| | مَھِيْنٌ | اسم المفعول ہے۔ ذلیل۔ حقیر۔ گھٹیا۔ ﴿اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِيْ ھُوَ مَهِيْنٌ ڏ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴾ (43/الزخرف:52) ''کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ |
| (افعال) | اِھَانَةً | ذلیل کرنا۔ رسوا کرنا۔ ﴿فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَھَانَنِ ﴾ (89/الفجر:16) ''تو وہ کہتا ہے میرے رب نے رسوا کیا مجھ کو۔'' ﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ﴾ (22/الحج:18) ''اور جس کو اللہ ذلیل کرے اُسے کوئی نہیں عزت دینے والا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) |
| | مُھِيْنٌ | اسم الفاعل ہے۔ ذلیل کرنے والا۔ رسوا کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ (4/النساء:37) ''اور ہم نے تیار کیا کافروں کے لیے ایک ذلیل کرنے والا عذاب۔'' |
| | مُھَانٌ | اسم المفعول ہے۔ ذلیل کیا ہوا۔ ﴿وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴾ (25/الفرقان:69) ''اور وہ ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل کیا ہوا۔'' |

**ترکیب** ترکیب کے لحاظ سے یہ آیت کافی مشکل ہے۔ بِئْسَ فعل ذم ہے۔ اس کے ساتھ 'مَا' اسم موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ اِشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ اس کا صلہ ہے۔ اسم موصول اور صلہ مل کر فاعل ہے بِئْسَ کا۔ اِشْتَرَوْا کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے، بِهٖ متعلق فعل ہے اور اَنْفُسَھُمْ مفعول ہے۔ اِشْتَرَوْا کے بارے میں حضرت عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اِشْتَرَوْا لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔'' حضرت شیخ الہندؒ نے بھی یہاں ''بیچنے'' سے ترجمہ کیا ہے اور یہ جملہ فعلیہ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ، خبر مقدم ہے جبکہ اگلا جملہ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مُبتداء مؤخر ہے اور اصل مقصود بالذم ہے۔ اس میں اَنْ مصدریہ اور نواصب مضارع ہے۔ يَكْفُرُوْا منصوب ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے۔ 'بِ' حرف جر ہے 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس کا صلہ ہے۔ اب تک کی آیت کا مفہوم بنتا ہے ''بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا۔'' اور وہ بری چیز یہ ہے کہ ''انہوں نے انکار کر دیا اس کلام (قرآن) کا جس کو اللہ تعالیٰ

نے نازل کیا۔'' اور اس انکار کی وجہ اگلے لفظ بَغۡیًا سے ظاہر کی گئی ہے۔ جو مفعول لَہٗ ہے۔ یعنی اس انکار کی وجہ 'ضد' ہے۔ اور اس 'ضد' کی وجہ اگلا جملہ اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ہے۔ اس میں اَنۡ مصدریہ اور نواصب مضارع ہے اسی لیے یُنَزِّلَ منصوب ہوا ہے۔ لفظ اَللّٰہُ، یُنَزِّلَ کا فاعل ہے اور مِنۡ فَضۡلِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ، متعلقات ہیں۔ فَبَآءُوۡ میں 'فَ' عطف کا ہے، بَآءُوۡ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمۡ ہے۔ یہاں بَآءُوۡ کو واو الجمع کے الف کے بغیر لکھنا قرآنِ مجید کا مخصوص املاء ہے، بِغَضَبٍ متعلق فعل ہے اور عَلٰی غَضَبٍ صفت ہے بِغَضَبٍ میں غَضَبٍ کی۔ آگے 'وَ' استئنافیہ ہے۔ لِلۡکٰفِرِیۡنَ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:90 |

| بِئۡسَمَا | اشۡتَرَوۡا | بِهٖۤ | اَنۡفُسَهُمۡ | اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| کتنی بری ہے وہ چیز | انہوں نے بیچا | جس کے بدلے | اپنی جانوں کو | کہ وہ لوگ انکار کرتے ہیں |

| بِمَآ | اَنۡزَلَ اللّٰهُ | بَغۡيًا | اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ | مِنۡ فَضۡلِهٖ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| اس (کلام) کا جسے | اللہ نے اتارا | محض اس ضد پر | کہ اللہ اتارتا ہے | اپنے فضل میں سے |

| عَلٰى مَنۡ | يَّشَآءُ | مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ | فَبَآءُوۡ | بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| جس پر | وہ چاہتا ہے | اپنے بندوں میں سے | پس وہ لوگ لوٹے | غضب پر غضب کے ساتھ |

| وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ | عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ |
| --- | --- |
| اور کافروں کے لیے ہے | ایک ذلیل کرنے والا عذاب |

**نوٹ:1** آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض ضد اور حسد کے سبب۔'' (تفسیر عثمانی، ص ١٧)۔ اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر، فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیلؑ کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟ وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آج تک دُنیا پر مسلط ہے۔ امام رازیؒ کی خداداد نظر قرآنِ حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر اُلٹے اس کے رشک و حسد پر اُسے محمول کرنے لگے۔ کیا حد ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! مِنۡ فَضۡلِهٖ سے مراد فضل وحی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ٤٥)

**نوٹ:2** غضب علی غضب کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اُس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے، دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ١٨)۔ اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''غَضَبٌ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے کہ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی سے انکار ہے۔ اور دوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمدیؐ سے انکار ہے۔ یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُن کے بالکل بلاوجہ اور دلیل واضح و صریح کی موجودگی میں انکار تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب ان کے جذبات حسد و عناد پر۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ مقصود کلام غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ٤٥)۔

**نوٹ:3** آیت میں عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لیے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو اُن کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا۔ نہ بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ١٨)

## آیت:91

﴿ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَ يَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ء ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |

**و ر ی**

(ض) وَرْيًا: چقماق سے چنگاری نکلنا۔ آگ جلنا۔

(افعال) اِیْرَاءً: لکڑی یا پتھر وغیرہ کو رگڑ کر آگ جلانا۔ چقماق سے آگ نکالنا۔ ﴿ اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ﴾ (56/الواقعۃ: 71) ''تو کیا تم لوگوں نے دیکھا اس آگ کو جو تم لوگ جلاتے ہو۔''

مُوْرِیَۃٌ: ج: مُوْرِیَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ آگ جلانے والی۔ ﴿ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ ﴾ (100/العادیات:2) ''پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر۔'' یہاں اس آیت میں موریات سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو ان کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔

(مفاعلہ) مُوَارَاۃً: کسی چیز کو چھپانا۔ ﴿ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ ﴾ (7/الاعراف:26) ''ہم نے اتارا ہے تم پر لباس، وہ چھپاتا ہے تمہارے ستر کو۔''

وَرَاءٌ: پہلے یہ بات جان لیجئے کہ المنجد میں اسے مادہ ''ورء'' کے تحت لکھا گیا ہے جبکہ مفردات اور معجم میں اسے مادہ ''وری'' کے تحت دیا گیا ہے۔ وَرَاءٌ لغات الاضداد میں سے ہے۔ اصل میں مصدر ہے جو بطور ظرف مکان استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مصدری معنی ہیں آگے ہونا۔ پیچھے ہونا۔ چاروں طرف ہونا۔ علاوہ اور سوا ہونا۔ بعد میں ہونا۔ چنانچہ بطور ظرف مکان اِن تمام معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مُوَارَات سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہو، چاہے آگے ہو یا پیچھے ہو، اسے وَرَاءٌ کہیں گے۔ اب اس کی مثالیں دیکھیں۔

(۱) پیچھے۔ ﴿ فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''تو تم لوگ مانگو ان سے پردے کے پیچھے سے''۔ ﴿ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ ﴾ (57/الحدید:13) ''(ان سے) کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہیں) روشنی تلاش کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ ﴾ (59/الحشر:14) ''یا دیواروں کے پیچھے سے۔''

(۲) آگے۔ سامنے۔ ﴿ وَ كَانَ وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا ﴿۷۹﴾ ﴾ (18/الکہف:79) ''اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۳) ہر طرف۔ ﴿ وَّ اللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِيۡطٌ ﴿ۚ۲۰﴾ ﴾ (85/البروج:20) ''اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۴) علاوہ۔سوا۔﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ ﴾(23/المؤمنون:7)''پس جو چاہے اس کے سوا تو وہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔''اور آیت زیر مطالعہ۔

(۵) بعد۔﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾(11/ھود:71)''تو ہم نے خوشخبری دی انہیں اسحاق ؑ کی اور اسحاق ؑ کے بعد یعقوب ؑ کی۔''﴿ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ ﴾(14/ابراہیم:16)''اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(۶) اَلْوَرَاءُ پوتے اور نواسے کو بھی کہا جاتا ہے۔

(تفاعل) تَوَارٍ چھپنا۔﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ ﴾(16/النحل:59)''وہ چھپتا ہے لوگوں سے۔''﴿ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴾(38/ص:32)''یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں۔''

| | | |
|---|---|---|
| ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| ن ب و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اِذَا ظرف زمان ہے اور اس میں شرط کا مفہوم بھی ہے۔ قِيْلَ لَهُمْ سے اَنْزَلَ اللّٰهُ تک جملہ شرطیہ ہے۔ اس میں قِيْلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ لَهُمْ اس سے متعلق ہے اور نائب الفاعل ہے۔ اٰمِنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس سے متعلق ہے۔ قَالُوْا سے شروع ہونے والا جملہ جواب شرط ہے۔ نُؤْمِنُ جمع متکلم کا صیغہ بتا رہا ہے کہ ان کے قول کو Direct tense میں نقل کیا گیا ہے۔ بِمَا میں 'بِ' حرف جار ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اگلا جملہ فعلیہ اُنْزِلَ عَلَيْنَا اس کا صلہ ہے۔ اُنْزِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے اور عَلَيْنَا اس سے متعلق ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں حرف جار 'بِ' کی وجہ سے اور جار مجرور متعلق ہیں نُؤْمِنُ سے۔ وَيَكْفُرُوْنَ میں 'وَ' حالیہ ہے اور يَكْفُرُوْنَ میں غائب کا صیغہ بتا رہا ہے کہ یہ ان کے قول پر تبصرہ ہے۔ بِمَا وَرَآءَهٗ اس سے متعلق ہے۔ وَرَآءَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور 'هٗ' ضمیر بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا میں اسم موصول 'مَا' کے لیے ہے۔ آگے 'وَ' پھر حالیہ ہے هُوَ مبتدا ہے اور یہ ضمیر بِمَا وَرَآءَهٗ میں اسم موصول 'مَا' کے لیے ہے۔ اَلْحَقُّ اس کی خبر ہے۔ مُصَدِّقًا اسم الفاعل کا صیغہ ہے اور اَلْحَقُّ کا حال بیان کر رہا ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے لِّمَا مَعَهُمْ اس سے متعلق ہے۔ قُلْ فعل امر کا صیغہ ہے۔ قُلْ کے بعد ایک جملہ شرطیہ محذوف ہے یعنی قُلْ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ . . . چنانچہ فَلِمَ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ لام حرف جار ہے اور 'مَا' استفہامیہ ہے۔ 'مَا' استفہامیہ کے الف کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ 'مَا' موصول سے فرق ہو سکے۔ اور یہ جار مجرور متعلق ہیں تَقْتُلُوْنَ سے۔ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مفعول ہے تَقْتُلُوْنَ کا۔ مِنْ قَبْلُ متعلق فعل ہے۔ آگے پھر جملہ شرطیہ ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور مُّؤْمِنِيْنَ اس کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ اس کا جواب شرط بھی پچھلا جملہ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ ہے۔

## ترجمہ

البقرۃ:91

| وَاِذَا | قِيْلَ لَهُمْ | اٰمِنُوْا | بِمَآ | اَنْزَلَ اللّٰهُ | قَالُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جب بھی | کہا جاتا ہے ان سے کہ | تم لوگ ایمان لاؤ | اس پر جو | اتارا اللہ نے | تو وہ لوگ کہتے ہیں |

| نُؤْمِنُ | بِمَآ | اُنْزِلَ | عَلَيْنَا | وَ | يَكْفُرُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم ایمان لاتے ہیں | اس پر جو | اتارا گیا | ہم پر | حالانکہ | وہ لوگ انکار کرتے ہیں |

| بِمَا | وَرَآءَهٗ | وَ | هُوَ | الْحَقُّ | مُصَدِّقًا |
|---|---|---|---|---|---|
| اس کا جو | اس کے علاوہ ہے | حالانکہ | وہ | حق ہے | تصدیق کرنے والا ہے |

| لِمَا | مَعَهُمْ | قُلْ | فَلِمَ | تَقْتُلُوْنَ | اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس (کتاب) کی جو | ان کے ساتھ ہے | آپؐ پوچھیے | تو پھر کیوں | تم لوگ قتل کیا کرتے تھے | اللہ کے نبیوں کو |

| مِنْ قَبْلُ | اِنْ كُنْتُمْ | مُّؤْمِنِيْنَ |
|---|---|---|
| اس سے پہلے | اگر تم لوگ ہو | ایمان لانے والے |

**نوٹ**

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ”جو اللہ نے بھیجا یعنی انجیل و قرآن اور جو اُترا ہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ ”بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے، حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔“ (تفسیر عثمانی، ص ۱۸)۔ اور حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”جب انہیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس وحی پر ہی ایمان لائیں گے جو ہمارے انبیاء پر اُتری۔ اس کے علاوہ کسی دوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا تو اپنے انبیاء پر نازل شدہ وحی پر بھی ایمان نہیں ورنہ وہ اپنے انبیاء کو قتل کرنے کی جرات کر سکتے تھے؟ ان کا ایسا کرنا ان کے عدم ایمان کی واضح دلیل ہے۔“ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۷۵)

## آیت:92

﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| قَدْ: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ع ج ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

’وَ‘ استئنافیہ ہے۔ قَدْ پر لام تاکید داخل ہے۔ اور قَدْ ماضی پر داخل ہو تو تاکید کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ جَآءَ فعل، کُمْ اس کا مفعول اور موسیٰؑ اس کا فاعل ہے۔ جبکہ بِالْبَيِّنٰتِ متعلق فعل ہے۔ اَلْبَيِّنٰتِ صفت ہے اور اس کا موصوف اَلْاٰيٰتِ محذوف ہے۔ پورا مرکب توصیفی اس طرح ہوتا۔ بِالْاٰيٰتِ الْبَيِّنٰتِ۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ فعل اِتَّخَذْتُمْ کا مفعول اوّل اَلْعِجْلَ ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی اِلٰهًا محذوف ہے۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ میں ہ کی ضمیر حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے۔ آگے ’وَ‘ حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا ہے اور ظٰلِمُوْنَ اس کی خبر۔ یہ پورا جملہ اسمیہ حال ہے۔ اِتَّخَذْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا۔

**ترجمہ البقرۃ:92**

| وَلَقَدْ جَآءَ | كُمْ | مُّوْسٰى | بِالْبَيِّنٰتِ | ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ |
|---|---|---|---|---|
| اور یقیناً آچکے ہیں | تمہارے پاس | حضرت موسیٰؑ | واضح (نشانیوں) کے ساتھ | پھر تم لوگوں نے بنا ڈالا |

| الْعِجْلَ | مِنْۢ بَعْدِهٖ | وَاَنْتُمْ | ظٰلِمُوْنَ |
|---|---|---|---|
| بچھڑے کو (معبود) | انؑ کے بعد | اور تم لوگ | ہو (ہی) ظلم کرنے والے |

**نوٹ**

آیت میں مِنْۢ بَعْدِهٖ سے مراد حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کا زمانہ ہے جب وہ اپنی قوم کو صحرا میں چھوڑ کر کوہ طور پر گئے تھے۔

## آیت:93

﴿وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا ٭ وَ اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِہِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| ر ف ع: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ | فَوْقَ: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ط و ر: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ق و ی: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ | س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ع ص ی: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ش ر ب: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ |
| ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ع ج ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |
| ب ء س: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب**

'وَ' استینافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ اَخَذْنَا کا مفعول مرکب اضافی مِیْثَاقَکُمْ ہے اور رَفَعْنَا کا مفعول اَلطُّوْرَ ہے جبکہ مرکب اضافی فَوْقَکُمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خُذُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا مفعول مَا موصولہ ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ اٰتَیْنٰکُمْ ہے جبکہ بِقُوَّۃٍ متعلق فعل ہے، یعنی خُذُوْا سے متعلق ہے۔ وَاسْمَعُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اِسْمَعُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ قَالُوْا، سَمِعْنَا اور عَصَیْنَا سارے ماضی کے صیغے ہیں۔ وَاُشْرِبُوْا میں 'وَ' کو عطف کا بھی مانا گیا ہے اور حالیہ بھی۔ اُشْرِبُوْا ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس میں شامل ھُمْ کی ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ جبکہ اَلْعِجْلَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے پہلے حُبَّ کا لفظ محذوف ہے۔ سادہ عربی میں یہ جملہ یوں تھا وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمْ حُبَّ الْعِجْلِ، مضاف (حُبَّ) کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ عربی محاورے میں جب کسی کو محبت یا دشمنی دل میں سرایت کر جائے تو اس کے لیے لفظ شَرَابٌ کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ اُشْرِبَ فِیْ قَلْبِہٖ حُبَّ فُلَانٍ کا مطلب ہے اس کے دل میں فلاں کی محبت جڑ پکڑ گئی۔ آگے بِکُفْرِھِمْ، جار مجرور متعلق فعل ہیں اور اُشْرِبُوْا سے متعلق ہیں۔ اس میں 'بِ' سببیہ ہے۔ قُلْ فعل امر کا صیغہ ہے۔ بِئْسَ، فعل ذم ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر فاعل ہے بِئْسَ کا۔ یہ پورا جملہ فعلیہ خبر مقدم ہے اور اس کا مبتدا اور اصل مقصود بالذم محذوف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ "کیسی بُری ہے وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دیتا ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرتے ہو۔" اِنْ شرطیہ ہے۔ کُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور مُؤْمِنِیْنَ کَانَ کی خبر ہے۔ اس جملے کا جواب شرط یا تو پچھلا جملہ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ ہے یا اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَلِمَ فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ یا فَلِمَ عَبَدْتُّمُ الْعِجْلَ ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**
البقرۃ:93

| وَاِذْ | اَخَذْنَا | مِیْثَاقَکُمْ | وَرَفَعْنَا | فَوْقَکُمُ | الطُّوْرَ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب | ہم نے لیا | تم سے پختہ عہد | اور ہم نے بلند کیا | تمہارے اوپر | کوہ طور کو |

| خُذُوْا | مَآ | اٰتَیْنٰکُمْ | بِقُوَّۃٍ | وَّاسْمَعُوْا ؕ |
|---|---|---|---|---|
| (کہ) تم پکڑو | اس کو جو | ہم نے دیا تم کو | مضبوطی سے | اور تم سنو |

| قَالُوْا | سَمِعْنَا | وَعَصَيْنَا | وَاُشْرِبُوْا | فِيْ قُلُوْبِهِمُ | الْعِجْلَ |
|---|---|---|---|---|---|
| انہوں نے کہا | ہم نے سنا | اور ہم نے نافرمانی کی | اور پلا دی گئی | ان کے دلوں میں | بچھڑے (کی محبت) |

| بِكُفْرِهِمْ | قُلْ | بِئْسَمَا | يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ | اِيْمَانُكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| ان کے کفر کی وجہ سے | آپؐ کہہ دیجئے | کیسی بری ہے وہ بات | جس کا حکم دیتا ہے تمہیں | تمہارا ایمان |

| اِنْ كُنْتُمْ | مُّؤْمِنِيْنَ |
|---|---|
| اگر تم (واقعی) | ایمان لانے والے ہو |

**نوٹ** حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔ یا یہ استعارہ رنگ سے ہو، کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۴۷)

## آیت:94

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۴﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | د و ر: البقرۃ آیت 84 دیکھیں۔ |
| ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

### خ ل ص

(ن) **خُلُوْصًا** کسی سے الگ ہونا۔ ملاوٹ سے پاک ہونا۔ خالص ہونا۔ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ﴾ (12/یوسف:80) ''پھر جب وہ لوگ مایوس ہوئے اس سے تو وہ الگ ہوئے سرگوشی کرنے والے ہوتے ہوئے۔''

**خَالِصٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر کا صیغہ۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ ملاوٹ سے پاک ہونے والا یعنی ملاوٹ سے پاک۔ خالص۔ ﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا﴾ (16/النحل:66) ''ہم پلاتے ہیں تم لوگوں کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے، ملاوٹ سے پاک دودھ۔''

**خَالِصَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث کا صیغہ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ ملاوٹ سے پاک۔ خالص۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا﴾ (6/الانعام:139) ''اور کہتے ہیں کہ ان چوپاؤں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(افعال) **اِخْلَاصًا** دوسروں سے الگ کرنا۔ مخصوص کرنا۔ ملاوٹ سے پاک کرنا۔ خالص کرنا۔ اخلاص کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے بیزاری ظاہر کر دی جائے اور جو عمل بھی کیا جائے وہ محض رضائے الٰہیؒ کے لیے کیا جائے۔ اخلاصِ دین سے مراد یہ ہے کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ

اَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ (4/النساء:146) ''مگر جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾﴾ (38/ص:46) ''ہم نے مخلص کیا تھا انھیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُخْلِصٌ** ج: مُخْلِصُوْنَ۔ مُخْلِصِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ملاوٹ سے پاک کرنے والا۔ خالص کرنے والا۔ بندے کے مخلص ہونے کا مطلب ہوتا ہے خالص اللہ کی اطاعت کرنے والا، ایسی اطاعت جس میں دنیاوی یا نفسانی غرض اور شہرت کا دخل نہ ہو۔ صاحب تفسیر مظہری مخلص کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اَلَّذِيْ يَعْمَلُ لِلّٰهِ لَا يُحِبُّ اَنْ يَّحْمَدَهُ النَّاسُ عَلَيْهِ۔ مخلص وہ ہے جو عمل محض اللہ ہی کے لیے کرتا ہے اور اس بات کو وہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے عمل کی تعریف کریں۔ ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿١١﴾﴾ (39/الزمر:11) ''فرمایئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾﴾ (2/البقرۃ:139) ''اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (7/الاعراف:29) ''اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**مُخْلَصٌ** ج: مُخْلَصُوْنَ۔ مُخْلَصِيْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ ملاوٹ سے پاک کیا ہوا۔ دوسروں سے الگ کیا ہوا۔ منتخب کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو مخلص کرنے کا مطلب ہوتا ہے بندے کو ممتاز اور منتخب کرنا اور اپنی خصوصی عنایت کے لیے چن لینا۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾﴾ (19/مریم:51) ''بے شک وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٢٤﴾﴾ (12/یوسف:24) ''بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے ہے جو چن لیے گئے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**(استفعال) اِسْتِخْلَاصًا** دوسروں سے الگ کر کے چن لینا۔ منتخب کرنا۔ پسند کرنا۔ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ﴾ (12/یوسف:54) ''بادشاہ نے کہا تم لوگ لاؤ میرے پاس انؑ کو، میں چن لوں گا انؑ کو اپنے لیے۔''

| | | |
|---|---|---|
| دُوْنَ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | م ن ی: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ |
| م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

قُلْ فعل امر کا صیغہ ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور كَانَتْ کا اسم اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ہے جبکہ خَالِصَةً اس کی خبر ہے۔ لَكُمْ، عِنْدَ اللّٰهِ اور مِنْ دُوْنِ النَّاسِ متعلق خبر ہیں۔ یہ پورا جملہ شرط ہے جبکہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ جواب شرط ہے۔ تَمَنَّوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ آگے ملانے کے لیے 'وُ' کو 'ُ' دی ہے اور اَلْمَوْتَ، اس کا مفعول ہے۔ یاد کر لیجیے کہ مادہ 'م ن ی' سے باب تفعّل میں ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ اور امر میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ایک جیسا ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق سیاق وسباق سے ہوتا ہے۔

**ترجمہ — البقرۃ:94**

| قُلْ | اِنْ كَانَتْ | لَكُمُ | الدَّارُ الْاٰخِرَةُ | عِنْدَ اللّٰهِ | خَالِصَةً |
|---|---|---|---|---|---|
| آپؐ کہئے | اگر ہے | تمہارے لیے ہی | دارِ آخرت | اللہ کے ہاں | خاص |

| مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ | فَتَمَنَّوُا | الْمَوْتَ | اِنْ كُنْتُمْ | صٰدِقِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| سب لوگوں کو چھوڑ کر | تو تم لوگ آرزو کرو | موت کی | اگر تم لوگ ہو | سچے |

## آیت:95

﴿وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۹۵﴾

م ن ی: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔

**اَبَدًا**

لفظ اَبَدًا کا مادہ ''ء ب د'' ہے لیکن اس لفظ کے علاوہ اس مادہ سے کوئی اور فعل یا اسم قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ اَبَدًا ظرف زمان ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس میں مسلسل اور لامتناہی زمانہ کا مفہوم ہے۔ اس وجہ سے مثبت اور منفی جملوں میں اس کا اردو ترجمہ مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (4/النساء:122) ''(ایک حالت میں رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ)﴿لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا﴾ (5/المآئدہ:24) ''ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں کبھی بھی۔''

**ق د م**

(ن) **قَدْمًا** کسی کے آگے ہونا۔ کسی کے آگے جانا۔ ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (11/ھود:98) ''وہ آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن۔''

**اَقْدَمُ** افعل التفضیل ہے۔ زیادہ آگے۔ زیادہ اگلے یعنی پہلے لوگ۔ ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۵۷ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۵۷﴾ (26/الشعراء:75-76) ''تو کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جس کی تم عبادت کرتے ہو، تم اور تمہارے اگلے آباء واجداد۔''

**قَدَمٌ** ج: اَقْدَامٌ۔ (۱) اسم ذات ہے۔ پاؤں۔ قدم۔ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ (16/النحل:94) ''ورنہ پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اُس پر) جم جانے کے بعد۔'' ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ (2/البقرۃ:250) ''اے ہمارے رب! تو انڈیل دے ہم پر صبر کو اور تو جما دے ہمارے قدموں کو۔''

(۲) ہر نیک کام جو پہلے کر لیا گیا ہو۔ مرتبہ۔ رتبہ۔ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ﴾ (10/یونس:2) ''اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوش خبری سنائیے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اونچا مرتبہ ہے۔ (ترجمہ ماجدیؒ)

(س) **قُدُوْمًا** سفر سے واپس آنا۔ جب اِس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کا قصد و ارادہ کرنا۔ کسی کام کی طرف متوجہ ہونا۔ ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۲۳﴾ (25/الفرقان:23) ''اور ہم متوجہ ہوں گے اُن کے کاموں کی طرف اور اُنہیں گرد و غبار بنا کر اُڑا دیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(ک) **قَدَامَةً** پرانا ہونا۔

**قَدِيْمٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی پرانا۔ ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۱۱﴾ (46/الاحقاف:11) ''تو وہ لوگ کہیں گے یہ تو پرانا بہتان ہے۔''

(تفعیل) تَقْدِیْمًا یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ آگے بڑھنا۔ ﴿ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴾ (75/القیامۃ:13) ''جتلا دیں گے انسان کو اس دن جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ (49/الحجرات:1) ''اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے پیشوا یا امام کے ارشاد کے بغیر خود ہی امر و نہی کے نفاذ میں جلدی کرے تو عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ یُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْ اِمَامِهٖ یعنی فلاں شخص اپنے امام کے آگے آگے چلتا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس جملہ کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کی ہے، عن ابن عباس لا تقولوا خلاف الکتاب والسنة کہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی مت کرو۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۵۷۷)۔

(۲) پہلے کوئی کام کرنا۔ ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ﴾ (58/المجادلۃ:13) ''کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۳) اگر اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آجائے تو مطلب ہوتا ہے وقت سے پہلے کسی کام کا حکم دینا یا وقت سے پہلے کسی کام کی اطلاع دینا تاکہ وقت آنے سے پہلے اطلاع پانے والا مطلوبہ کام کرلے۔ قَدَّمْتُ اِلَیْهِ بِكَذَا کا مطلب ہے میں نے اسے وقت سے پہلے اس کام کی اطلاع دی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴾ (50/ق:28) ''اور میں پہلے ہی ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

قَدِّمْ ج: قَدِّمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آگے کر۔ تو آگے بھیج۔ تو پہلے دے دے۔ ﴿ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ﴾ (2/البقرة:223) ''اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ﴾ (58/المجادلہ:12) ''جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے قبل کچھ خیرات دے دیا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعّل) تَقَدُّمًا آگے ہونا۔ قدم بڑھانا۔ آگے بڑھنا۔ پہلے ہونا۔ ﴿ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ ﴾ (48/الفتح:2) ''تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ ﴾ (74/المدثر:37) ''جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(استفعال) اِسْتِقْدَامًا آگے ہونا۔ آگے بڑھنے کی خواہش کرنا۔ پہلے ہونا۔ ﴿ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (10/یونس:49) ''اور جب آجاتا ہے اُن کا مقررہ وقت تو وہ لوگ پیچھے نہیں ہوتے ایک گھڑی اور نہ ہی آگے ہوتے ہیں۔''

مُسْتَقْدِمٌ ج: مُسْتَقْدِمُوْنَ۔ مُسْتَقْدِمِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آگے بڑھنے والا۔ پہلے زمانے میں گزرنے والا۔ ﴿ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ ﴾ (15/الحجر:24) ''اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں اُن کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَلْمُسْتَقْدِمِیْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور اَلْمُسْتَاْخِرِیْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۵۷۱)

| |
|---|
| ی د ی: البقرۃ آیت 66 دیکھیں۔ ع ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
| ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

'وَ' استینافیہ ہے۔ لَنۡ نواصب مضارع میں سے ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زور دار نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ یَتَمَنَّوۡا مضارع منصوب ہے اور اس کا مفعول 'ہٗ' کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے لفظ اَلۡمَوۡتَ کے لیے ہے۔ اَبَدًا ظرف زمان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور جملے میں اس سے مزید تاکید پیدا ہوئی ہے۔ بِمَا میں 'بِ' سببیہ ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ اس کا صلہ ہے۔ قَدَّمَتۡ کا فاعل اَیۡدِیۡهِمۡ ہے۔ آگے 'وَ' استینافیہ ہے اَللّٰهُ مبتداء، عَلِیۡمٌ خبر اور بِالظّٰلِمِیۡنَ متعلق خبر ہے۔

| قَدَّمَتۡ | بِمَا | اَبَدًا | وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡهُ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| آگے بھیجے | بسبب (اُن برے اعمال) کے جو | کبھی بھی | اور وہ لوگ ہرگز تمنا نہیں کریں گے اس (موت) کی | البقرۃ:95 |

| بِالظّٰلِمِیۡنَ | عَلِیۡمٌۢ | وَاللّٰهُ | اَیۡدِیۡهِمۡ ؕ |
|---|---|---|---|
| ظلم کرنے والوں کو | خوب جاننے والا ہے | اور اللہ | ان کے ہاتھوں نے |

## آیت: 96

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾﴾

**و ج د**

(ض) وُجُوۡدًا کسی چیز کو پالینا۔ کسی چیز کو معلوم کرلینا۔ کسی چیز کو دریافت کرلینا۔ اس کا استعمال (۱) مادی طور پر، حواس خمسہ کے ذریعے کسی چیز کو پالینے کے لیے بھی ہوتا ہے چاہے وہ چیز واقعے کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ (۲) معنوی طور پر کسی چیز کو پالینے کے لیے بھی ہوتا ہے اور (۳) عقل وبصیرت کے ذریعے کسی چیز کو پالینے کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا وغیرہ۔ مادی طور پر کسی چیز کو پالینے کے لیے فرمایا: ﴿وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ﴾ (3/آل عمران:37) ''تو وہ ان (حضرت مریمؑ) کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے۔'' ﴿فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ﴾ (18/الکھف:65) ''تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا۔'' وغیرہ۔ معنوی طور پر کسی چیز کو پالینے کے لیے فرمایا: ﴿اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ﴿۱۰﴾﴾ (20/طٰہٰ:10) ''یا آگ کے پاس راستے کا پتہ پا جاؤں۔'' ﴿بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ﴾ (43/الزخرف:22) ''نہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقے پر پایا ہے۔'' اور عقل وبصیرت سے کسی چیز کو پالینے کے لیے فرمایا: ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۶۴﴾﴾ (4/النساء:64) ''تو وہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا۔'' یہ تینوں صورتیں انسان کے لیے ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پاتا ہے، تو اس کا پانا ان تمام صورتوں سے بالاتر ہوتا ہے جس کی حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے۔ جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ﴾ (38/صٓ:44) ''بے شک ہم نے حضرت ایوبؑ کو صبر کرنے والا پایا۔'' نہ اس کا پانا اندرونی

یا بیرونی احساس کرنے کے معنی رکھتا ہے اور نہ ہی عقلی وفکری علم کے۔اب قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ پڑھیے: ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ﴾ (18/الکھف:86) ''یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے ایک سیاہ چشمے میں ڈوبتا ہوتا محسوس کیا۔'' اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''وجد کے دو مختلف مفہوم لغت عرب میں ہیں۔ ایک معنی تو ہیں ''پایا'' ''معلوم کیا'' ''دریافت کیا''، گویا اس معنی میں واقعیت یا واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے اور دوسرے معنی ہیں ''محسوس کیا''، گویا اس کا تعلق محض وجدان وادراک سے ہے واقعہ سے مطابق ہرگز ضروری نہیں۔ اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۶۴۵)

وُجۡدٌ — اسم ہے۔ وسعت۔ طاقت۔ حیثیت۔ ﴿اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ﴾ (65/الطلاق:6) ''انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**ح ر ص**

(ض) حِرۡصًا — کسی چیز کی شدت سے خواہش کرنا۔ لالچ کرنا۔ ﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَیۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ﴾ (4/النساء:129) ''اور تم لوگ ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ عدل کرو عورتوں کے درمیان اگرچہ تم شدید خواہش کرو۔''

حَرِیۡصٌ — فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ شدید خواہش کرنے والا۔ لالچی۔ ﴿لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ﴾ (9/التوبہ:128) ''آچکے ہیں تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے، گراں ہے ان پر وہ جو تم کو تکلیف پہنچے، شدید خواہش رکھنے والے ہیں تمہاری بھلائی کی۔''

اَحۡرَصُ — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ لالچی یا سب سے زیادہ لالچی۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

**ش ر ک**

(س) شِرۡکًا، شِرۡکَةً — کسی چیز یا کام میں کسی کا ساجھی ہونا۔ حصہ دار ہونا۔ شریک ہونا۔

شِرۡکٌ — اسم ذات ہے۔ حصہ۔ ساجھا۔ شرکت۔ ﴿اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ (35/فاطر:40) ''ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا جزو بنایا ہے یا اُن کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا اُن کی کوئی شراکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ سے مراد خلقت آسمان میں شرکت ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۸۹۲)

شَرِیۡکٌ — ج: شُرَکَاءُ۔ شُرَکَةٌ سے فَعِیۡلٌ کے وزن پر بمعنی اسم الفاعل ہے۔ شریک ہونے والا۔ ساجھی۔ حصے دار۔ ﴿وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ﴾ (25/الفرقان:2) ''اور نہ اُس کا کوئی حکومت میں شریک ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿فَاِنۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡ ذٰلِکَ فَهُمۡ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ﴾ (4/النساء:12) ''پس اگر وہ لوگ اس سے زیادہ ہیں تو وہ حصہ دار ہیں ایک تہائی میں۔'' نوٹ: قرآن مجید میں یہ لفظ شُرَکٰٓءُ دو مقام پر اس طرح لکھا گیا ہے شُرَکٰٓؤُا، کاف کے بعد

واوٗ ہے اور واوٗ کے بعد ہمزہ اور الف، ایک تو سورۂ انعام:94 میں اور دوسرے سورۂ شوریٰ:21 میں لیکن واوٗ تلفظ میں نہیں آتا ہے۔(بحوالہ لغات القرآن، ج۳،ص ۲۷۴)

(افعال) اِشْرَاکًا، شِرْکًا: کسی کو کسی کام یا چیز میں کسی کا شریک بنانا، حصہ دار بنانا یا ساجھی قرار دینا۔شرک کرنا۔آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا:﴿ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ ﴾(18/الکہف:38)''اور میں شریک نہیں کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو۔''

شِرْكٌ: شرک۔ یہ ثلاثی مجرد میں شِرْكَةٌ سے اسم بھی ہے، باب افعال کے مصدر کے طور پر بھی آتا ہے اور اِشْرَاكٌ سے بھی بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔البتہ باب افعال میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی کو شریک کرنے کے معنی میں مخصوص ہے۔﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾(31/لقمان:13)''بیشک شرک ایک ظلم عظیم ہے۔''یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی کو شریک قرار دینا ایک ظلم عظیم ہے۔

اَشْرِكْ: فعل امر ہے۔تو ساجھی بنا۔تو حصہ دار بنا۔﴿ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ ﴾(20/طٰہٰ:32)''اور تو ساجھی بنا اس کو میرے کام میں۔''

مُشْرِكٌ: ج: مُشْرِكُوْنَ۔ مُشْرِكِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ساجھی بنانے والا۔شرک کرنے والا۔﴿ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ ﴾(2/البقرۃ:221)''اور بیشک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾(9/التوبہ:28)''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ شرک کرنے والے پلید ہیں۔''

مُشْرِكَةٌ: ج: مُشْرِكَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ ساجھی بنانے والی۔ شرک کرنے والی۔﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ﴾(2/البقرۃ:221)''اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(مفاعلہ) مُشَارَكَةً: آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی چیز یا کام میں شریک ہونا۔باہم ایک دوسرے کا حصہ دار بننا۔

شَارِكْ: فعل امر ہے۔تو حصہ دار بن۔تو شریک ہو۔﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ ﴾(17/بنی اسرائیل:64)''اور تو شریک ہو ان کے ساتھ مال میں۔''

(افتعال) اِشْتِرَاكًا: باہم شریک ہونا۔

مُشْتَرِكٌ: ج: مُشْتَرِكُوْنَ۔ مُشْتَرِكِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ شریک ہونے والا۔﴿ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ ﴾(37/الصّٰفّٰت:33)''پس وہ لوگ اس دن عذاب میں باہم شریک ہونے والے ہیں۔''

**و د د**

(س) وُدًّا: محبت کرنا۔دل سے چاہنا۔دل سے کسی چیز کی خواہش کرنا۔﴿ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ ﴾(3/آل عمران:69)''چاہتی ہے ایک جماعت اہلِ کتاب میں سے کہ کاش وہ لوگ گمراہ کر دیں تم لوگوں کو۔''

وُدٌّ: اسم ذات بھی ہے۔محبت۔چاہت۔﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ ﴾(19/مریم:96)''رحمٰن بنا دے گا ان کے لیے محبت۔''

**مَوَدَّۃٌ** اسم ذات ہے۔ محبت۔ دوستی۔ خیر خواہی۔﴿ وَجَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ﴾(30/الروم:21)''اور اس نے بنا دی تمہارے مابین محبت اور رحمت ۔''

**وَدُوۡدٌ** فَعُوۡلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی محبت کرنے والا۔ انتہائی خیر خواہ۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿ اِنَّ رَبِّیۡ رَحِیۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴾(11/ھود:90)''بے شک میرا رب بہت رحم کرنے والا، انتہا محبت کرنے والا ہے۔''

**وَدٌّ** ایک بت کا نام ہے۔﴿ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ﴾(71/نوح:23)''اور تم لوگ ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ کو اور نہ ہی سواع کو۔''

(مفاعلہ) **مُوَادَّۃٌ** باہم محبت کرنا۔ خیر خواہی کرنا۔ دوستی رکھنا۔﴿ لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ﴾(58/المجادلہ:22)''تو نہیں پائے گا کسی قوم کو جو ایمان لاتی ہے اللہ پر اور آخری دن پر کہ وہ محبت کریں اُن سے جنہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی۔''

**اَحَدٌ** مونث: اِحۡدٰی۔ یہ لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کبھی صرف نفی میں (۲) اور کبھی صرف اثبات میں۔ نفی کی صورت میں ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ جیسے مَا فِی الدَّارِ اَحَدٌ یعنی گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ ﴾(2/البقرۃ:102)''اور وہ دونوں کچھ نہ سکھاتے تھے کسی ایک کو بھی۔''﴿ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ﴾(2/البقرۃ:136)''اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔''

کلام مثبت میں اس کا استعمال کئی طرح سے ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) گنتی میں بولا جاتا ہے جیسے اَحَدٌ، اِثۡنَانِ اور عشرات کے ساتھ مل کر جیسے اَحَدَ عَشَرَ (گیارہ) اَحَدٌ وَّ عِشۡرُوۡنَ (اکیس) وغیرہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا ﴾(12/یوسف:4)''اے میرے محترم باپ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو۔''

(۲) مضاف ہو کر۔ اس صورت میں (ا) یہ اوّل یعنی پہلا کے معنی دیتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّہٗ خَمۡرًا ﴾(12/یوسف:41)''اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (ب) یا پھر عمومیت کے معنی دیتا ہے مثلاً:﴿ کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ ﴾(2/البقرۃ:180)''فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آ جائے تم میں سے کسی کی موت۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی یہی عمومیت کے معنی ہیں۔ نیز فرمایا:﴿ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىہُمَا فَتُذَکِّرَ اِحۡدٰىہُمَا الۡاُخۡرٰی ﴾(2/البقرۃ:282)''تاکہ اگر بھول جائے دونوں میں سے ایک عورت تو یاد کروائے دونوں میں سے ایک، دوسری کو۔''

(۳) مضاف الیہ ہو کر۔ جیسے یَوۡمُ الۡاَحَدِ، ہفتے کا پہلا دن یعنی اتوار۔

(۴) عمومیت کا پہلو لیے ہوئے سوالیہ فقرے میں بولا جاتا ہے۔ جیسے ھَلۡ عِنۡدَکَ اَحَدٌ۔ کیا تمہارے پاس کوئی ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ ہَلۡ یَرٰىکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ﴾(9/التوبۃ:127)''کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی۔''

(۵) اسی عمومیت کے پہلو سے شرطیہ جملے میں بولا جاتا ہے۔ جیسے اِنۡ جَآءَکَ اَحَدٌ، اگر تمہارے پاس کوئی آئے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِیۡہَاۤ اَحَدًا ﴾(24/النور:28)''پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۶) اِن استعمالات کے علاوہ نزول قرآن سے پہلے عربی زبان میں اس چیز کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ لفظ احد بطور وصف یا صفت کسی چیز کے لیے بولا گیا ہو۔ اور نزول قرآن کے بعد بھی یہ لفظ بطور وصف یا صفت صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کسی کے لیے نہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ایک جس کا دوسرا نہ ہو، نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ ہی کمالات میں۔ یعنی یکتا، یگانہ، بے نظیر۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴾(112/اخلاص:1)''کہو وہ اللہ ہے، یکتا۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ واحد اور احد میں یہی فرق ہے کہ واحد گنتی میں ایک کا معنی دیتا ہے اور اس کے بعد دو یا دوسرے کا تصور و انتظار رہتا ہے لیکن اَحَدٌ کا معنی ہے ایسا یکتا جس کے بعد دو یا دوسرے کا تصور ہی نہیں۔

**ع م ر**

(ن) **عِمَارَۃٌ** بسنا، آباد ہونا۔ کسی جگہ کو بسانا، آباد کرنا۔ لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ عِمَارَۃٌ، خَرَابٌ کی ضد ہے۔ ﴿ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ ﴾ (30/الروم:9) ''وہ لوگ زیادہ شدید تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اسے آباد کیا۔'' ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (9/التوبہ:19) ''کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اُس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**مَعْمُوْرٌ** اسم المفعول ہے۔ آباد کیا ہوا یعنی آباد۔ ﴿ وَّ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴾ (52/الطور:4) ''قسم ہے آباد گھر کی۔''

**عُمُرٌ، عَمْرٌ، عُمْرٌ** عمر۔ زندگی۔ قاموس میں ہے کہ عُمُرٌ، عَمْرٌ اور عُمْرٌ تینوں کے معنی زندگی کے ہیں۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''عَمْرٌ اور عُمُرٌ زندگی سے بدن کے آباد رہنے کا نام ہے۔'' ﴿ وَ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ﴾ (26/الشعراء:18) ''اور تو نے قیام کیا ہم میں اپنی عمر میں سے کئی سال۔'' اور قسم کے موقعے پر خاص عَمْرٌ کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ (15/الحجر:72) ''آپؐ کی عمر کی قسم یقیناً یہ لوگ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔''

**عُمْرَۃٌ** حج کے علاوہ بیت اللہ کی زیارت کرنا۔ عمرہ۔ ''عمرہ کے لفظ معنی زیارت کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مسجد الحرام کی حاضری اور طواف وسعی کو عمرہ کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن)۔ ﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ (2/البقرہ:196) ''اور تم لوگ پورا کرو حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔''

(تفعیل) **تَعْمِيْرًا** کسی کو عمر دینا۔ عمر بڑھانا۔ درازیٔ عمر کی دعا دینا یعنی عَمَّرَكَ اللّٰهُ کہنا یعنی اللہ تیری عمر دراز کرے۔ ﴿ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ ﴾ (35/فاطر:37) ''تو کیا ہم نے عمر نہیں دی تم کو اتنی جس میں وہ سمجھ لیتا جس نے سمجھنا ہوتا اس حال میں کہ تمہارے پاس آیا خبردار کرنے والا بھی۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

**مُعَمَّرٌ** اسم المفعول ہے۔ عمر دیا ہوا۔ عمر رسیدہ۔ بڑی عمر والا۔ ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ﴾ (35/فاطر:11) ''اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(افتعال) **اِعْتِمَارًا** زیارت کرنا۔ عمرہ کرنا۔ عمرہ کرنے کے لیے فعل، باب افتعال سے استعمال ہوتا ہے، ثلاثی سے نہیں۔ ﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ ﴾ (2/البقرہ:158) ''تو جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے۔''

(استفعال) **اِسْتِعْمَارًا** آباد کرنا۔ بسانا۔ ﴿ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ﴾ (11/ھود:61) ''اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے اور اس نے بسایا تم کو اس میں۔''

**ء ل ف**

(ض) **اَلْفًا** ہم آہنگی کے ساتھ جمع ہونا۔ مانوس ہونا۔ محبت کرنا۔ خوگر ہونا یعنی کسی چیز کی عادت اختیار کرنا۔ اردو میں الفت اور مالوف کے الفاظ بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔

(افعال) اِیْلَافًا باہم انس ومحبت کے ساتھ رہنا۔ کسی کو کسی سے مانوس کرنا تاکہ کلفت اور نفرت دور ہو جائے۔ الفت کرنا۔ ہم آہنگی پیدا کرنا۔ ﴿ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ ﴾(106/قریش:2)''ان کو مانوس کرنا سردی اور گرمی کے سفر سے۔''

(تفعیل) تَاْلِیْفًا مانوس کرنا۔ محبت پیدا کرنا۔ جمع کرنا۔ ﴿ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾(8/الانفال:63)''اور اس نے محبت پیدا کی ان کے دِلوں کے مابین۔'' ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ﴾(24/النور:43)''کہ اللہ ہنکاتا ہے بادلوں کو پھر وہ ملا دیتا ہے ان کو آپس میں۔''

مُؤَلَّفَةٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ جمع کیا ہوا۔ جوڑا ہوا۔ ملایا ہوا۔ ﴿ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ ﴾(9/التوبہ:60)''نیز اُن کا جن کی دل جوئی منظور ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

اَلْفٌ تثنیہ: اَلْفَانِ۔ اَلْفَيْنِ۔ ج: اٰلَافٌ اور اُلُوْفٌ۔ اَلْفٌ کا مطلب ہے ایک ہزار۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾(8/الانفال:66)''اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو وہ غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے۔'' ﴿ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾(3/آل عمران:124)''کہ وہ مدد کرے گا تمہاری تین ہزار فرشتوں سے۔'' ﴿ وَهُمْ اُلُوْفٌ ﴾(2/البقرۃ:243)''اور وہ ہزاروں تھے۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان کے قاعدے سے یہ لفظ جمع کثرت ہے، جس کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔''(معارف القرآن، ج ا ص: ۵۹۵)۔

| س ن و |
|---|

(ن) سَنْوًا کسی چیز کا چمکنا۔

سَنًا اسم ذات ہے۔ چمک۔ ﴿ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴾(24/النور:43)''قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔''

سَنَةٌ ج: سِنُوْنَ۔ سِنِيْنَ۔ (۱) سال۔ برس۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ ﴾(29/العنکبوت:14)''تو انہوںؑ نے یعنی حضرت نوحؑ نے بسر کیے ان میں ہزار سال سوائے پچاس برس کے یعنی 950 سال۔'' ﴿ وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ ﴾(10/یونس:5)''اور اس نے مقرر کیں اُن کے لیے یعنی چاند، سورج وغیرہ کے لیے منزلیں تاکہ تم لوگ جان لو سالوں کی گنتی اور حساب یعنی مہینوں، دنوں وغیرہ کا حساب۔''

(۲) قحط سالی۔ ﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾(7/الاعراف:130)''اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

| ز ح ز ح |
|---|

(رباعی) زَحْزَحَةً دور کرنا۔ ہٹانا۔ بچانا۔ ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾(3/آل عمران:185)''پس جو دور کیا گیا آگ سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔''

مُزَحْزِحٌ اسم الفاعل ہے۔ دور کرنے والا۔ بچانے والا۔ ہٹانے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ ء ل ھ: آیت بسم اللّٰہ دیکھیں۔ ب ص ر: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔
ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

**ترکیب**

'وٗ' عطف کا ہے اور لَتَجِدَنَّ مضارع میں واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس پر لام تاکید اور ن ثقیلہ داخل ہے۔ اس کا مفعول اوّل ھُمْ کی ضمیر ہے۔ مرکب اضافی اَحْرَصَ النَّاسِ مفعول ثانی ہے اس لیے اس کا مضاف اَحْرَصَ منصوب ہے۔ عَلٰی حَیٰوۃٍ متعلق فعل ہے۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کی دو ممکنہ صورتیں ہیں جو کہ معانقے سے بھی ظاہر ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عَلٰی حَیٰوۃٍ پر پہلا جملہ مکمل ہوا اور وَمِنَ الَّذِیْنَ سے دوسرا جملہ شروع ہوا۔ اس صورت میں 'وٗ' استینافیہ ہوگا اور اس جملے کو آگے ملایا جائے گا اور قَوْمٌ محذوف ہوگا یعنی وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا قَوْمٌ یَوَدُّ . . . مطلب ہوگا کہ، اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ان میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جن کا ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال ہو وغیرہ...... دوسری صورت یہ ہے کہ وَمِنَ الَّذِیْنَ کو پیچھے ملایا جائے۔ ایسی صورت میں 'وٗ' عطف کا ہوگا اور اس کی پھر دو ممکنہ صورتیں ہیں۔ ایک امکان تو یہ ہے کہ جملہ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کو لَتَجِدَنَّ کے مفعول اوّل ھُمْ پر عطف مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ تو لازماً پائے گا ان کو یعنی یہودیوں کو اور ان میں سے جنہوں نے شرک کیا، لوگوں میں سب سے زیادہ حریص زندگی پر اور دوسرا امکان یہ ہے اس جملے کو اَحْرَصَ النَّاسِ میں مضاف الیہ النَّاسِ پر عطف مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا لوگوں میں سب سے زیادہ حریص اور ان سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا۔ تقریباً تمام بزرگوں نے اسی آخری امکان کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ اگلا جملہ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ . . . اَلْفَ سَنَۃٍ حالیہ ہے اور لَتَجِدَنَّھُمْ میں ھُمْ ضمیر کا حال بیان کر رہا ہے۔ اس میں یَوَدُّ کا فاعل اَحَدُھُمْ ہے اور ھُمْ ضمیر سے یہاں بھی یہود مراد ہیں۔ آگے لَوْ مصدری ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ یُعَمَّرُ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ ہے اور اَلْفَ سَنَۃٍ ظرف زمان ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور یہ یُعَمَّرُ سے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے یَوَدُّ اَحَدُھُمُ التَّعْمِیْرَ اور مصدر مؤوّل مفعول ہے یَوَدُّ کا۔ آگے وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ میں 'وٗ' حالیہ ہے 'مَا' نافیہ ہے۔ ھُوَ مبتدا ہے اور مرکب جاری بِمُزَحْزِحِہٖ خبر ہے 'مَا' کی۔ بِمُزَحْزِحِہٖ میں 'بِ' زائدہ تاکید کے لیے ہے اور یہ مرکب لفظاً مجرور ہے جبکہ محلاً منصوب ہے 'مَا' کی خبر ہونے کی وجہ سے اور 'ہٖ' ضمیر ہر اس آدمی کے لیے ہے جو یَوَدُّ کا فاعل ہے۔ ھُوَ کی ضمیر، اَلتَّعْمِیْر کے لیے ہے یعنی "یہ عمر دیا جانا یا یہ جینا"۔ مِنَ الْعَذَابِ، بِمُزَحْزِحِہٖ سے متعلق ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے اور یُعَمَّرَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور یہ مصدر مؤوّل یا تو فاعل ہے اسم الفاعل بِمُزَحْزِحِہٖ کا ای: وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ تَعْمِیْرُہٗ۔ یا پھر یہ بدل ہے ھُوَ ضمیر کا بمعنی اَلتَّعْمِیْرُ۔ آگے 'وٗ' استینافیہ ہے، اللّٰہُ مبتدا ہے، بَصِیْرٌ خبر ہے اور بِمَا یَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے۔

| وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا | عَلٰی حَیٰوۃٍ | اَحْرَصَ النَّاسِ | وَلَتَجِدَنَّھُمْ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| اور ان سے (بھی زیادہ حریص) جنہوں نے شرک کیا | زندگی پر | لوگوں میں سب سے زیادہ حریص | اور تو لازماً پائے گا ان (یہودیوں) کو | البقرۃ:96 |

| بِمُزَحْزِحِہٖ | وَمَا ھُوَ | اَلْفَ سَنَۃٍ | لَوْ یُعَمَّرُ | اَحَدُھُمْ | یَوَدُّ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس کو بچانے والا نہیں ہے | حالانکہ یہ (عمر دیا جانا) | ہزار سال | وہ عمر دیا جائے | اُن میں سے ہر ایک کہ | چاہتا ہے |

| یَعْمَلُوْنَ | بِمَا | وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ | اَنْ یُّعَمَّرَ | مِنَ الْعَذَابِ |
|---|---|---|---|---|
| وہ لوگ کرتے ہیں | اس کو جو | اور اللہ دیکھنے والا ہے | کہ وہ عمر دیا جائے | عذاب سے |

**نوٹ**

عَلٰی حَیٰوۃٍ نکرہ لائے جانے کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "اصل میں عَلٰی حَیٰوۃٍ لفظ ارشاد ہوا ہے، جس کے معنی ہیں کسی نہ کسی طرح کی زندگی یعنی انہیں محض زندگی کی حرص ہے، خواہ وہ کسی طرح کی زندگی ہو، عزت اور شرافت کی ہو یا ذلت اور کمینہ پن کی۔" (تفہیم القرآن، ج۱، ص۹۶)

## آیت:97

﴿قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۹۷﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ل و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |

**جِبۡرِيۡلُ** (غیر منصرف)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''جِبۡرِيۡل۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتہ اعظم کا نام ہے۔ اِن کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ: ۴۷)۔ قرآنِ مجید میں حضرت جبریلؑ کی بڑی عظیم صفات بیان کی گئی ہیں مثلاً روح القدس (پاک روح)، روح الامین (امانت دار فرشتہ)، رسولِ کریم (باعزت پیغامبر)، ذومرۃ (زور آور)، ذی قوۃ (طاقت والا)، شدید القویٰ (سخت قوتوں والا)، مکین (مرتبے والا)، مطاع (جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے)، امین (امانت دار) وغیرہ۔ اِن سے دشمنی کو اللہ تعالیٰ سے دشمنی کا سبب بتایا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی شکل پر دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔

| | | |
|---|---|---|
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ء ذ ن: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | بَيۡنَ يَدَيۡهِ: البقرۃ آیت 66 دیکھیں۔ |
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ب ش ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**ترکیب** قُلۡ فعل امر ہے۔ مَنۡ شرطیہ ہے۔ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ شرط ہے، كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو کہ مَنۡ کے لیے ہے اور عَدُوًّا، كَانَ کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے، لِّجِبۡرِيۡلَ متعلق خبر ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے۔ تفسیر حقانی میں یہاں پر فَهُوَ عَدُوُّ اللّٰهِ (تو وہ اللہ کا دشمن ہے) کو محذوف مانا گیا ہے۔ (اور اگر لِ کے صلے کے ساتھ فَهُوَ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ کہا جائے تب بھی ٹھیک ہے)۔ فَاِنَّهٗ میں 'فَ' حرف عطف ہے اور اگلہ جملہ محذوف جواب شرط پر عطف ہے اور ہٗ کی ضمیر حضرت جبریلؑ کے لیے ہے۔ نَزَّلَهٗ میں نَزَّلَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو حضرت جبریلؑ کے لیے ہے اور ہٗ ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے۔ اس آیت میں یا اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے لیکن عبارت بتا رہی ہے کہ قرآن کے علاوہ اس ضمیر کا کوئی اور مرجع ماننا ممکن نہیں ہے۔ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ دونوں متعلق فعل ہیں۔ مُصَدِّقًا حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور یہ نَزَّلَهٗ کی ضمیر ہٗ یعنی قرآن مجید کا حال ہے۔ لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ، مُصَدِّقًا سے متعلق ہے۔ اس میں لِ حرف جار ہے، 'مَا' اسم موصول ہے، بَيۡنَ يَدَيۡهِ، اس کا صلہ ہے۔ بَيۡنَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسی طرح سے هُدًى اور بُشۡرٰى بھی قرآن کا حال ہیں۔ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ، بُشۡرٰى سے متعلق ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:97

| قُلۡ | مَنۡ كَانَ | عَدُوًّا | لِّجِبۡرِيۡلَ | فَاِنَّهٗ | نَزَّلَهٗ | عَلٰى قَلۡبِكَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| آپؐ کہہ دیجیے | جو ہے | دشمن | حضرت جبریلؑ کا (تو وہ اللہ کا دشمن ہے) | سو انہوں نے تو | اتارا اس کو | آپؐ کے دل پر |

| بِاِذۡنِ اللّٰهِ | مُصَدِّقًا | لِّمَا | بَيۡنَ يَدَيۡهِ |
|---|---|---|---|
| اللہ کی اجازت سے | تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے | ان (کتابوں) کی جو | اس سے پہلے ہیں |

| وَهُدًى | وَّبُشۡرٰى | لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ |
|---|---|---|
| اور ہدایت ہوتے ہوئے | اور بشارت ہوتے ہوئے | ایمان لانے والوں کے لیے |

**نوٹ** یہود کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور کریمؐ سے دریافت کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آپؐ کے پاس آتا ہے۔حضورؐ نے فرمایا جبریلؑ امین۔ابن صوریا کہنے لگا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے ہمیشہ غضب وعذاب ہی لے کر ہم پر اُترتا رہا ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔اس آیت میں اس کا رد فرمایا جارہا ہے کہ جبریلؑ اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتے۔وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہیں۔اگر جبریلؑ سے تمہیں دُشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارا دشمن ہے۔(ضیاء القرآن، ج ا،ص ۷۷)

## آیت:98-99

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| مَنْ:البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ك و ن:البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ع د و:البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ء ل ھ:آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | م ل ك:الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ر س ل:البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ |
| جِبْرِیْلُ:البقرۃ آیت 97 دیکھیں۔ | | |

**مِیْكٰلُ** (غیر منصرف)۔ایک مشہور فرشتے کا نام ہے۔اصلاً یہ لفظ عبرانی ہے،میکائل اور میکائیل بھی استعمال ہوتا ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتہ مقرب کا نام ہے۔مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکام تشریعی کے لیے واسطہ خاص حضرت جبرئیل ہیں،احکام تکوینی کے لیے واسطہ خاص میکائیل ہیں،پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔دُوسرے کا بارگاہ ربوبیت سے۔توریت میں انکا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے،اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔(تفسیر ماجدی،ص ۴۸)

| | | |
|---|---|---|
| ك ف ر:البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | قَدْ:البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ن ز ل:البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| ب ی ن:البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ف س ق:البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | |

**ترکیب:98** مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر ھُوَ ہے۔عَدُوًّا اس کی خبر ہے اور لِلّٰهِ سے مِیْكٰلَ تک متعلق خبر ہیں اور یہ سارے اسماء لِلّٰهِ کے لام جار کی وجہ سے مجرور ہیں،جبریلَ اور مِیْكٰلَ چونکہ غیر منصرف ہیں اس لیے ان کی حالت جر ایک زبر کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے۔اِن کے درمیان چار 'وْ عطف کے ہیں لیکن یہاں 'وْ بمعنی 'اور' نہیں بلکہ بمعنی 'یا' ہے۔چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کے لیے نہیں آتا،بلکہ ''یا'' کے معنی بھی کبھی دیتا ہے۔چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔یعنی ان اسماء کا مجموعہ مراد نہیں،بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کوئی اِن میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔''(تفسیر ماجدیؒ،ص ۴۸)۔آگے جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ جواب شرط ہے۔

| ترجمہ | مَنْ كَانَ | عَدُوًّا | لِّلّٰهِ | وَمَلٰٓئِكَتِهٖ | وَرُسُلِهٖ | وَجِبْرِيْلَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:98 | جو کوئی | دشمن ہو | اللہ کا | یا اس کے فرشتوں کا | یا اس کے رسولوں کا | یا جبریلؑ کا |

| وَمِيْكٰىلَ | فَاِنَّ اللّٰهَ | عَدُوٌّ | لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ |
|---|---|---|---|
| یا میکائیلؑ کا | تو بیشک اللہ (بھی) | دشمن ہے | ایسے انکار کرنے والوں کا |

**ترکیب:99** وَ استئنافیہ ہے۔ قَدْ ماضی پر داخل ہو تو تاکید پیدا کرتا ہے یہاں اس پر لام تاکید بھی داخل ہے۔ اَنْزَلْنَآ کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِلَيْكَ متعلق فعل ہے اور مرکب توصیفی اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ مفعول ہے اَنْزَلْنَآ کا اور حالت نصب میں ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے۔ 'مَا' نافیہ ہے، يَكْفُرُ فعل، بِهَآ متعلق فعل اور 'ھا' ضمیر اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کے لیے ہے، اِلَّا حصر کے لیے اور الْفٰسِقُوْنَ فاعل ہے يَكْفُرُ کا۔

| ترجمہ | وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ | اِلَيْكَ | اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ | وَمَا يَكْفُرُ | بِهَآ | اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| البقرۃ:99 | اور بیشک ہم نے اتارا ہے | آپؐ کی طرف | کھلی نشانیوں کو | اور انکار نہیں کرتے | اس کا | مگر نافرمانی کرنے والے |

## آیت:100

﴿اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾﴾

كُلَّمَا: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ ع ھ د: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

**ن ب ذ**

(ض) نَبَذًا: کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے پھینک دینا۔ عربی میں کہتے ہیں نَبَذْتُهٗ نَبْذَ النَّعْلِ الْخَلَقِ میں نے اسے پرانے جوتے کی طرح پھینک دیا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ﴾ (28/القصص:40) ''پس ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکر کو پھر ہم نے پھینکا ان کو پانی میں۔''

اِنْبِذْ: فعل امر ہے۔ تو پھینک دے۔ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ﴾ (8/الانفال:58) ''اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو اُن کی طرف (اُن کا معاہدہ) واضح طور پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِنْتِبَاذًا: قوم سے جدا ہونا۔ یکسوئی کے ساتھ گوشہ نشین ہونا۔ مجمع سے ہٹ کر دور چلے جانا۔ ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾﴾ (19/مریم:22) ''تو وہ گوشہ نشین ہوئیں اس کے ساتھ ایک دور دراز جگہ میں۔''

ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ بَلْ: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔ ك ث ر: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔
ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

**ترکیب** اَوَ کے بارے میں تین رائے ہیں۔ پہلی یہ کہ اَ استفہام انکاری ہے 'وَ' عطف کا ہے اور اگلے جملے کا عطف ایک محذوف جملے پر ہے۔ معنی ہوگا ''کیا انہوں نے روشن نشانیوں کا انکار نہیں کیا اور جب کبھی بھی انہوں نے معاہدہ کیا......'' دوسری رائے یہ ہے کہ اَ استفہام انکاری ہے اور 'وَ' زائدہ ہے، معنی ہوگا ''اور کیا یوں نہیں کہ جب کبھی بھی انہوں نے معاہدہ کیا......'' یا ''اور کیا ایسا نہیں ہے کہ......'' تیسری رائے یہ ہے کہ 'اَوَ' اصل میں 'اَوْ' بمعنی 'یا' تھا۔ (واللہ اعلم)۔ كُلَّمَا شرطیہ ہے۔ عٰهَدُوْا عَهْدًا شرط ہے، عَهْدًا مفعول مطلق ہے اور نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس کا جواب ہے۔ بَلْ حرف اضراب ہے اور یہاں یہ اضراب انتقالی کا معنی دے رہا ہے۔ اَكْثَرُهُمْ مبتدا ہے اور لَا يُؤْمِنُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:100 |

| عَهَدًا | عٰهَدُوْا | كُلَّمَا | اَوَ |
| --- | --- | --- | --- |
| جیسے معاہدہ کرنے کا حق ہے | ان لوگوں نے معاہدہ کیا | جب کبھی بھی | اور کیا (ایسا نہیں ہے کہ) |

| اَكْثَرُهُمْ | بَلْ | مِّنْهُمْ ؕ | فَرِيْقٌ | نَّبَذَهٗ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| ان کے اکثر | بلکہ | ان میں سے | ایک فریق نے | تو پھینکا اس (معاہدے) کو |

| لَا يُؤْمِنُوْنَ |
| --- |
| ایمان نہیں لاتے |

**نوٹ** مفعول مطلق کے بارے میں ایک بات سمجھ لیں کہ مزید فیہ کے افعال کے ساتھ اسی باب کا مصدر بھی بطور مفعول مطلق آتا ہے اور ثلاثی مجرد کا مصدر لانا بھی جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت زیرِ مطالعہ میں عٰهَدُوْا باب مفاعلہ سے ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے جبکہ اس کا مفعول مطلق ثلاثی مجرد کا مصدر عَهْدًا آیا ہے۔

## آیت: 101

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ ﴾

**نوٹ:** آیت نمبر 101 سے مادوں کے حوالے شروع میں ہی دے دیے جائیں گے۔

| | | |
|---|---|---|
| لَمَّا: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | د س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ |
| ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ن ب ذ: البقرۃ آیت 100 دیکھیں۔ | ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | و ر ی: البقرۃ آیت 91 دیکھیں۔ |
| ظ ھ ر: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** "وَ" عطف کا ہے۔ لَمَّا شرطیہ ہے۔ جَآءَ هُمْ سے مَعَهُمْ تک شرط ہے۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ سے وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ تک جواب شرط ہے۔ جبکہ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ حال ہے فَرِيْقٌ کا۔

جَآءَ کا مفعول هُمْ ہے، اس کا فاعل رَسُوْلٌ ہے جو کہ موصوف ہے۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اس کی صفت اول ہے اور مُصَدِّقٌ اس کی صفت ثانی ہے جبکہ لِّمَا مَعَهُمْ، مُصَدِّقٌ سے متعلق ہے۔ نَبَذَ کا فاعل فَرِيْقٌ ہے اور یہ بھی نکرہ مخصوصہ ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اس کی خصوصیت ہے۔ اُوْتُوْا دراصل اُتِيَ (باب افعال) کا ماضی مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے جبکہ اَلْكِتٰبَ اس کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ دراصل نَبَذَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور وَرَآءَ ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ كَاَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے هُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ لَا يَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | وَلَمَّا | جَآءَهُمْ | رَسُوْلٌ | مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ | مُصَدِّقٌ | لِّمَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:101 | اور جب | آیا ان کے پاس | ایک رسول | اللہ کی طرف سے | تصدیق کرنے والا | اس (کتاب) کی جو |

| مَعَهُمْ | نَبَذَ | فَرِيْقٌ | مِّنَ الَّذِيْنَ | اُوْتُوا | الْكِتٰبَ | كِتٰبَ اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ان کے پاس ہے | تو پھینکا | ایک گروہ نے | ان میں سے جن کو | دی گئی | کتاب | اللہ کی کتاب کو |

| وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ | كَاَنَّهُمْ | لَا يَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|
| اپنی پیٹھوں کے پیچھے | جیسے کہ وہ کچھ | جانتے ہی نہیں |

**نوٹ 1:** حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: رسول سے مراد حضرت محمدؐ اور ما معھم سے توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے یعنی جب رسول اللہؐ تشریف لائے حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتے ہی نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ سو اُن کو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۱۹)۔ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: رَسُوْلٌ۔ یہ کس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رَسُوْلٌ کو مطلق رسول کے معنی میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھا جائے۔ یہ معنی بھی یہود کی عام عادت تکذیب انبیاء و رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی

آخر الزماںؐ ہیں۔ اور رَسُوْلٌ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ صیغہ نکرہ جس طرح تعمیم کے لیے آتا ہے، عظمت و تکریم کے لیے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ (تفسیر ماجدی، ص ۴۹)

**نوٹ:2** ''نبذوہ وراء ظھورھم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اس کی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اس کی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۴۹)

## آیت:102

﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾۱۰۲

| | | |
|---|---|---|
| ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ت ل و: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | م ل ك: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| اَحَدٌ: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ز و ج: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ء ذ ن: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ | خ ل ق: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ | ب ء س: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ |
| ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | | |

**مَرْءٌ** مرد۔ اس لفظ کی جمع نہیں آتی۔ مونث: مَرْءَۃٌ۔ عورت۔

**س ح ر**

(ف) **سِحْرًا** چاندی پر سونے کا ملمع کرنا۔ دھوکا دینا۔ جادو کرنا۔ چاندی کو ملمع کر کے سونے جیسا کر دیا جائے تو عربی میں کہتے ہیں سُحِرَتِ الْفِضَّۃُ۔ یہ لفظ دھوکہ دینے کے معنوں میں بھی عام استعمال ہوتا ہے چنانچہ سَحَرَہٗ کا معنی ہے خَدَعَہٗ یعنی اس نے فلاں کو دھوکہ دیا۔ ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ (7/الاعراف:116) ''انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔'' ﴿وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ (7/الاعراف:132) ''اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آ ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**سِحْرٌ** اسم ذات بھی ہے۔ جادو۔ دھوکہ۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''سِحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس)۔ عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات و شیاطین کے عمل کا دخل ہو، یا قوتِ خیالیہ مسمریزم کا، یا کچھ الفاظ و کلمات کا۔ اصطلاحِ قرآن و سنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس

میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو، پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی ایسے منتر اختیار کیے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو، یا کواکب و نجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو، جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کیے جاتے ہیں، جو شیطان کو پسند ہیں، مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا، یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا، طہارت سے اجتناب کرنا، وغیرہ۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۷۴، تلخیصاً)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے اس شئی کی حقیقت کو بدل دیا۔ یہ تو ہے سحر کی لغوی تحقیق۔ اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور فرمائیے۔ ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے اِنسان کو شیاطین کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور ان اعمال و الفاظ کے اثر سے کانوں اور آنکھوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے اور سنائی کچھ دیتی ہے اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دکھائی ہی نہیں دیتیں بلکہ ان کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۷۹)۔ آیت زیر مطالعہ میں اور قرآنِ مجید میں فرعون کے جادوگروں کے جس جادو کا ذکر ہے اس کی حیثیت کو قرآن نے خود واضح کر دیا کہ اس کی حقیقت صرف وہم و خیال پر اثر انداز ہونے کی تھی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:66) ''پس یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں (حضرت) موسیٰؑ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ گویا وہ دوڑ پھر رہی ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی ساحرین کی نظر بندی سے (حضرت) موسیٰؑ کو یوں خیال ہونے لگا کہ گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں، اور واقع میں ایسا نہ تھا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۲۱)۔ اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی بلکہ نظر بندی ہوتی ہے۔ چیز اصل میں ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۱۲۱)۔ جیسے پہلے عرض کیا کہ جس طرح سحر کا لفظ جادو کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح دھوکے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ ﴾ (61/الصف:6) ''مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ سحر استعمال ہوا ہے۔ سحر یہاں جادو کے نہیں بلکہ دھوکے اور فریب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی لغت میں جادو کی طرح اس کے یہ معنی بھی معروف ہیں۔ کہتے ہیں سَحَرَهٗ ای خَدَعَهٗ اس نے فلاں شخص پر سحر کیا، یعنی اس کو فریب دیا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۷۶)۔ کبھی سحر کا لفظ تعریف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا یعنی بعض بیان کا اثر جادو جیسا ہوتا ہے۔

**سَاحِرٌ** ج: سَاحِرُوْنَ اور سَحَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ جادو کرنے والا۔ جادوگر۔ ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ ﴾ (20/طٰہٰ:69) ''اور کامیاب نہیں ہوتا جادوگر۔'' ﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ ﴾ (7/الاعراف:113) ''اور آئے جادوگر فرعون کے پاس۔'' ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ ﴾ (10/یونس:77) ''اور کامیاب نہیں ہوتے جادو کرنے والے۔''

**سَحَّارٌ** سِحْرٌ سے فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے بمعنی اسم الفاعل۔ بڑا جادوگر۔ ﴿ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ ﴾ (26/الشعراء:37) ''کہ وہ لوگ لے آئیں تیرے پاس ہر جاننے والے بڑے جادوگر کو۔''

مَسۡحُوۡرٌ — ج: مَسۡحُوۡرُوۡنَ۔ مَسۡحُوۡرِیۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ وہ جس پر جادو کیا گیا ہو۔ دھوکے میں پڑا ہوا۔ خبطی۔ ﴿اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴾ (17/ بنی اسرائیل:101) ''بے شک میں گمان کرتا ہوں تم کو اے موسیٰ جادو کیا ہوا۔'' ﴿بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴾ (15/ الحجر:15) ''بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

سَحَرٌ — ج: اَسۡحَارٌ۔ صبح صادق۔ صبح تڑکے۔ رات کا آخری حصہ جب دن کی روشنی، رات کی سیاہی سے مل جاتی ہے۔ ﴿نَجَّیۡنٰھُمۡ بِسَحَرٍ ﴾ (54/ القمر:34) ''ہم نے نجات دی ان کو صبح تڑکے۔'' ﴿وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴾ (3/ آل عمران:17) ''اور مغفرت طلب کرنے والے سویرے سویرے۔''

(تفعیل) تَسۡحِیۡرًا — بہت جادو کرنا۔

مُسَحَّرٌ — ج: مُسَحَّرُوۡنَ۔ مُسَحَّرِیۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس پر بہت جادو کیا گیا ہو۔ جادو زدہ۔ ﴿اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴾ (26/ الشعراء:153) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو جادو کیے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔''

**ف ت ن**

(ض) فِتۡنَةً، فُتُوۡنًا — سونے کو آگ میں ڈال کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ جب اس کام کے لیے سنار سونے کو پگھلاتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَتَنَ الصَّائِغُ الذَّھَبَ۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(ا) جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے۔

(۱) کسی کو آزمائش میں ڈالنا، اس کا امتحان لینا، کسی کو جانچنا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴾ (29/ العنکبوت:2) ''کیا لوگوں نے گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور وہ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔'' ﴿وَفَتَنّٰکَ فُتُوۡنًا ﴾ (20/ طٰہٰ:40) ''اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ''اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''بلاء کی طرح فتنہ کا لفظ بھی تکلیف اور آسائش دونوں قسم کی حالت پر بولا جاتا ہے۔ جن میں انسان کو مبتلا کر کے اس کی آزمائش کی جاتی ہے (اور اس کے صبر و شکر کا امتحان کیا جاتا ہے) لیکن شدت کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ظاہر اور اکثری ہے چنانچہ قرآن نے دونوں قسم کے فتنہ کے متعلق فرمایا ہے: ﴿وَنَبۡلُوۡکُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَیۡرِ فِتۡنَةً ﴾ (21/ الانبیاء:35) ''اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص۷۷۹)۔

(۲) آگ میں ڈالنا، آگ میں تپانا، عذاب دینا۔ ﴿یَوۡمَ ھُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ﴾ (51/ الذریات:13) ''جب وہ لوگ آگ پہ تپائے جائیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(ب) جب اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے۔

(۱) کسی کو مصیبت میں ڈالنا۔ کسی کو تکلیف دینا۔ خرابی میں ڈالنا۔ ﴿وَلَا تَفۡتِنِّیۡ ﴾ (9/ التوبۃ:49) ''اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰی خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِھِمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَھُمۡ ﴾ (10/ یونس:83) ''پھر موسیٰؑ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز ان کی قوم کے تھوڑے سے لوگوں نے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں نہ ڈال

دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ (85/البروج:10)''بیشک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۲) بہکا دینا۔ پھسلا دینا۔ ﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ﴾ (5/المائدہ:49)''اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ﴾ (17/بنی اسرائیل:73)''یہ لوگ آپؐ کو اس وحی سے جو ہم نے آپؐ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے ہیں کہ آپؐ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(۳) گمراہی میں ڈالنا۔ دھوکے میں ڈالنا۔ ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ (57/الحدید:14)''لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**فِتْنَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) عذاب۔ سزا۔ آفت۔ وبال۔ ﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ﴾ (51/الذریات:14)''اپنی سزا کا مزہ چکھو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حاشیے میں حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''انہیں کہا جائے گا کہ اپنے کرتوتوں کا عذاب چکھو۔'' (ضیاء القرآن، جلد ۴، ص ۶۲۸)۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ﴾ (8/الانفال:25)''اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (5/المائدۃ:71)''اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انہیں) عذاب۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(۲) وہ چیز جو عذاب کا باعث بنے۔ گمراہی۔ ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ﴾ (9/التوبۃ:49)''سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۳) فساد۔ ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ﴾ (2/البقرۃ:191)''اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فتنے کا لفظ اُسی معنی میں استعمال ہوا ہے، جس میں انگریزی کا لفظ (Persecution) استعمال ہوتا ہے، یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ دُوسرے خیالات و نظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید و تبلیغ کے ذریعے سے سوسائٹی کے موجود الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۵۰)۔ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:193)''تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فتنہ کا لفظ اُوپر کے معنی سے ذرا مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام پر ''فتنے'' سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بجائے کسی اور کے لیے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۵۱)۔

(۴) آزمائش۔ تکلیف۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ﴾ (8/الانفال:28)''تم لوگ جان لو کہ دراصل تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔'' ﴿وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ﴾ (22/الحج:11)''اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے پر۔''

(۵) جھوٹا بہانہ۔ ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (6/الانعام:23)''پھر

نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔''
(ترجمہ ضیاء القرآن)

اس آیت کے حاشیے میں پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''فتنہ کا لغوی معنی پرکھنا اور آزمائش کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ یہاں فتنہ سے مراد عذر اور بہانہ ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱ ص ۵۴۴)۔

**فَاتِنٌ** ج: فَاتِنُوْنَ- فَاتِنِيْنَ- اسم الفاعل ہے۔ بہکانے والا۔ ﴿ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴾ (37/الصافات:162)
''اور تم (سب مل کر بھی) اللہ کے خلاف کسی کو بہکانے والے نہیں۔''

**مَفْتُوْنٌ** اسم المفعول ہے۔ فتنے میں پڑا ہوا۔ آزمایا ہوا۔ گمراہ کیا ہوا۔ دیوانہ۔ ﴿ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴾ (68/القلم:6)
''کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں ''المفتون: المجنون الذی فتنہ الشیطان: یعنی وہ دیوانہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵ ص ۳۳۴)

| ض ر ر |
|---|

(ن) **ضَرًّا** کسی کو نقصان پہنچانا۔ تکلیف دینا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾ (10/یونس:106) ''اور تو مت پکار اللہ کے سوا اس کو جو تجھ کو نفع نہیں دیتا اور نقصان نہیں پہنچاتا۔'' ﴿ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ﴾ (22/الحج:13) ''وہ پوجتا ہے اُس کو جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کی نفع رسانی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ضَرٌّ** اسم ذات بھی ہے۔ نقصان۔ تکلیف۔ یہ لفظ نَفْعٌ کے مقابلے پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ﴾ (7/الاعراف:188) ''آپؐ کہیے میں اختیار نہیں رکھتا اپنی جان کے لیے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔''

**ضُرٌّ** اسم ذات ہے۔ سختی۔ برائی۔ تکلیف۔ نقصان۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلضُّرُّ کے معنی بدحالی کے ہیں خواہ اس کا تعلق انسان کے نفس سے ہو جیسے علم وفضل اور عفت کی کمی اور خواہ بدن سے ہو جیسے کسی عضو کا ناقص ہونا یا قلت مال وجاہ کے سبب ظاہری حالت کا برا ہونا۔'' (مفردات القرآن، ج ۲ ص ۶۰۸)۔ ﴿ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ﴾ (21/الانبیاء:84) ''اور ہم نے دور فرما دی جو تکلیف ان کو تھی۔''

**ضَرَّآءُ** اسم ذات ہے۔ مونث ہے جس کا مذکر نہیں آتا اور یہ الوان وعیوب والا صیغہ بھی نہیں ہے۔ تکلیف۔ سختی۔ تنگی۔ مصیبت۔ یہ لفظ سَرَّآءُ اور نَعْمَآءُ کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ ﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾ (3/آل عمران:134) ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں آسانی میں اور تکلیف میں۔'' ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ ﴾ (11/ھود:10) ''اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی۔''

**ضَرَرٌ** اسم ذات ہے۔ مجبوری۔ عذر۔ ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ ﴾ (4/النساء:95) ''برابر نہیں ہیں بیٹھنے والے مومنوں میں سے، بغیر عذر والے، اور جہاد کرنے والے۔''

**ضَارٌّ** ج: ضَارُّوْنَ- ضَارِّيْنَ- اسم الفاعل ہے۔ تکلیف دینے والا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا ﴾ (58/المجادلہ:10) ''اور وہ نقصان پہنچانے والا نہیں ہے ان کو کچھ بھی۔''

(مفاعلہ) | ضِرَارًا | (۱) ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا۔ (۲) کسی کو تکلیف دینا۔ ستانا۔ ﴿وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ﴾ (65/الطلاق:6) ''اور تم لوگ تکلیف مت دو ان خواتین کو تاکہ تم لوگ تنگی کرو ان پر۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ (9/التوبۃ:107) ''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ ''ضررٌ'' اور ضرار'' دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ''ضرر'' تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو، دوسروں کو نقصان پہنچے اور ''ضرار'' دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد (مراد مسجد ضرار ہے) کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لیے یہاں لفظ ضرار استعمال کیا گیا۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۶۶۲)۔

مُضَارٌّ | اس باب میں مضاعف کا اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے دو معانی ہیں۔ (۱) نقصان پہنچانے والا اور (۲) جس کو نقصان پہنچایا گیا ہو۔ ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ﴾ (4/النساء:12) ''وصیت کے بعد، اس نے وصیت کی جس کی یا قرض کے بعد، بغیر نقصان پہنچانے والا ہوتے ہوئے۔''

(افتعال) | اِضْطِرَارًا | مجبور کرنا۔ عام طور پر اس کا استعمال انسان کو کسی ایسے کام پر مجبور کرنے کے لیے ہوتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ ﴿ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:126) ''پھر میں مجبور کروں گا اس کو آگ کے عذاب کی طرف۔''

مُضْطَرٌّ | اس میں بھی دو امکان ہیں۔ (۱) اسم الفاعل۔ مجبور کرنے والا۔ جابر۔ یا (۲) اسم المفعول۔ جس کو مجبور کیا گیا۔ مجبور۔ لاچار۔ ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (27/النمل:62) ''یا کون جواب دیتا ہے یعنی قبول کرتا ہے مجبور کی جب بھی وہ پکارے اس کو۔'' مُضْطَرٌّ: شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرے میں ہو۔ معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف القرآن)

### ن ف ع

(ف) | نَفْعًا | فائدہ دینا۔ ﴿اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ (6/الانعام:71) ''کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اس کو جو ہم کو نفع نہیں دیتا اور نہ ہم کو نقصان پہنچاتا ہے۔''

نَفْعٌ | اسم ذات بھی ہے۔ فائدہ۔ اس کی ضد ضَرٌّ ہے۔ ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ﴾ (13/الرعد:16) ''وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے اپنے آپ کے لیے کسی فائدے کا اور نہ کسی نقصان کا۔''

مَنْفَعَةٌ | ج: مَنَافِعُ۔ اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ﴿لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (22/الحج:33) ''تمہارے لیے اس میں فائدہ اٹھانے کی چیزیں ہیں ایک مقررہ میعاد تک۔''

### ترکیب

'وَ' عطف کا ہے اور اِتَّبَعُوْا ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے جو یہود کے لیے ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور اگلا جملہ فعلیہ تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں اِتَّبَعُوْا کے۔ تَتْلُوْا مضارع میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اس پر الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ اس کا فاعل اسم ظاہر اَلشَّيٰطِيْنُ عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے مؤنث کا صیغہ بھی جائز ہے۔ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ میں عَلٰى بمعنی فِيْ ہے۔ یعنی فِي الزَّمَانِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ، حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے زمانے میں یا فِي عہد سلیمان، حضرت سلیمانؑ کے عہد حکومت میں۔ آگے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ میں 'وَ' حالیہ ہے۔ 'مَا' نافیہ ہے، كَفَرَ فعل اور اس کا فاعل سُلَيْمٰنُ ہے۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

میں لٰکِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے اَلشَّیٰطِیۡنَ نصب میں ہے اور جملہ فعلیہ کَفَرُوۡا اس کی خبر ہے۔ یُعَلِّمُوۡنَ کا فاعل اس میں شامل ھُمۡ کی ضمیر ہے جو الشَّیٰطِیۡنَ کے لیے ہے۔ جبکہ اَلنَّاسَ اس کا مفعول اوّل اور اَلسِّحۡرَ مفعول ثانی ہے اور یہ پورا جملہ کَفَرُوۡا میں شامل ضمیر کا حال ہے۔ وَمَآ اُنۡزِلَ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اگلے جملے کا عطف مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ پر ہے اور دونوں جملے اِتَّبَعُوۡا کے تابع ہیں گویا تقدیرِ کلام یوں ہے۔ وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ ... الخ وَاتَّبَعُوۡا مَآ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ ... 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ بِبَابِلَ اس کا صلہ ہے۔ اُنۡزِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ ہے جو 'مَا' کے لیے ہے۔ بِبَابِلَ میں 'ب' بمعنی فِیۡ ہے۔ ھَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ بدل ہیں اَلۡمَلَکَیۡنِ کا، اسی لیے حالت جر میں ہیں اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تا پر فتحہ آئی ہے۔ وَمَا یُعَلِّمٰنِ میں 'وَ' استینافیہ ہے۔ یُعَلِّمٰنِ کا فاعل اس میں شامل ھُمَا کی ضمیر ہے جو ھاروت اور ماروت کے لیے ہے اور مِنۡ اَحَدٍ میں مِنۡ زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ اَحَدٍ لفظاً مجرور ہے اور محلاً منصوب ہے، یُعَلِّمٰنِ کا مفعول ہونے کی وجہ سے۔ یَقُوۡلَاۤ اصل میں مضارع کا صیغہ یَقُوۡلَانِ تھا، حتیٰ کی وجہ سے منصوب ہوگیا۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ نَحۡنُ مبتدا اور فِتۡنَۃٌ اس کی خبر ہے۔ فَلَا میں لَا نہی کا ہے اسی لیے تَکۡفُرۡ مجزوم ہوا ہے۔ فَیَتَعَلَّمُوۡنَ میں 'فَ' استینافیہ ہے، یَتَعَلَّمُوۡنَ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمۡ ہے۔ مِنۡھُمَا متعلق فعل ہے اور اسم موصول 'مَا' اپنے صلے یُفَرِّقُوۡنَ بِہٖ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَزَوۡجِہٖ کے ساتھ مل کر مفعول ہے۔ آگے وَمَا ھُمۡ بِضَآرِّیۡنَ میں 'وَ' حالیہ ہے، مَا نافیہ ہے، ھُمۡ مبتدا ہے اور بِضَآرِّیۡنَ اس کی خبر ہے۔ بِہٖ متعلق خبر ہے اور اَحَدٍ مفعول ہے اسم الفاعل ضَآرِّیۡنَ کا، جو کہ لفظاً مجرور ہے مِنۡ کی وجہ سے جبکہ محلاً منصوب ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے بِاِذۡنِ اللہِ بھی متعلق ہے۔ وَیَتَعَلَّمُوۡنَ میں 'وَ' استینافیہ ہے۔ یَتَعَلَّمُوۡنَ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمۡ ہے اور اس کا مفعول اگلا جملہ مَا یَضُرُّھُمۡ وَلَا یَنۡفَعُھُمۡ ہے۔ وَلَقَدۡ میں 'وَ' استینافیہ ہے، قَدۡ پر لام تاکید داخل ہے، عَلِمُوۡا کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمۡ ہے۔ آگے مَنۡ اسم موصول ہے جس پر لام تاکید داخل ہے اور جملہ فعلیہ اِشۡتَرٰىہُ اس کا صلہ ہے۔ اور ہٗ ضمیر جادو کے لیے ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہے۔ اس کی خبر اگلا جملہ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ خَلَاقٍ ہے۔ اس میں 'مَا' نافیہ ہے لَہٗ قائم مقام خبر مقدم ہے، فِی الۡاٰخِرَۃِ متعلق خبر ہے اور مِنۡ خَلَاقٍ مبتداء مؤخر ہے جو لفظاً مجرور ہے مِنۡ زائدہ کی وجہ سے اور محلاً حالت رفع میں ہے۔ وَلَبِئۡسَ میں 'وَ' عطف کا ہے بِئۡسَ فعل ذم ہے جس پر لام تاکید داخل ہے، 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ شَرَوۡا بِہٖۤ اَنۡفُسَھُمۡ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر فاعل ہے بِئۡسَ کا۔ اس کا اصل مقصود بالذّم محذوف ہے اور وہ بری چیز کفر اور اعمال سحریہ ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔ لَوۡ تمنی ہے کَانَ کا اسم اس میں ضمیر ہے اور یَعۡلَمُوۡنَ اس کی خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرة:102 |

| وَاتَّبَعُوۡا | مَا | تَتۡلُوا | الشَّیٰطِیۡنُ | عَلٰی مُلۡكِ سُلَیۡمٰنَ ج |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| اور وہ لوگ پیچھے پڑے | اس کے جو | پڑھتے تھے | شیاطین | سلیمانؑ کی حکومت کے زمانے میں |

| وَمَا کَفَرَ | سُلَیۡمٰنُ | وَلٰکِنَّ | الشَّیٰطِیۡنَ | کَفَرُوۡا | یُعَلِّمُوۡنَ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اور کفر نہیں کیا | سلیمانؑ نے | اور لیکن (بلکہ) | شیاطین نے | کفر کیا | وہ (شیاطین) سکھاتے تھے |

| النَّاسَ | السِّحۡرَ ق | وَمَآ | اُنۡزِلَ | عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ | بِبَابِلَ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| لوگوں کو | جادو | اور (وہ پیچھے پڑے) اس کے جو | اتارا گیا | دو فرشتوں پر | بابل میں |

| ھَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ ط | وَمَا یُعَلِّمٰنِ | مِنۡ اَحَدٍ | حَتّٰی |
| --- | --- | --- | --- |
| ھاروت اور ماروت پر | اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے | کسی ایک کو بھی | یہاں تک کہ |

| یَقُوۡلَاۤ | اِنَّمَا | نَحۡنُ | فِتۡنَۃٌ | فَلَا تَکۡفُرۡ ط |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| وہ دونوں کہتے تھے کہ | کچھ نہیں سوائے اس کے کہ | ہم | آزمائش ہیں | پس تو کفر مت کر |

| فَيَتَعَلَّمُوْنَ | مِنْهُمَا | مَا | يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ | بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| تو (بھی) وہ لوگ سیکھتے | ان دونوں سے | اس (جادو) کو | وہ جدائی ڈالتے جس سے | مرد اور اس کی بیوی کے درمیان |

| وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ | بِهٖ | مِنْ اَحَدٍ | اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ |
|---|---|---|---|
| حالانکہ وہ نقصان پہنچانے والے نہیں تھے | اس سے | کسی ایک کو بھی | مگر اللہ کی اجازت سے |

| وَيَتَعَلَّمُوْنَ | مَا | يَضُرُّهُمْ | وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ | وَلَقَدْ عَلِمُوْا |
|---|---|---|---|---|
| اور وہ سیکھتے تھے | اس کو جو | ان کو نقصان دیتا | اور ان کو نفع نہیں دیتا تھا | اور یقیناً وہ جان چکے تھے |

| لَمَنِ اشْتَرٰىهُ | مَا لَهٗ | فِي الْاٰخِرَةِ | مِنْ خَلَاقٍ ۟ | وَلَبِئْسَ |
|---|---|---|---|---|
| کہ بیشک جس نے اختیار کیا اس (جادو) کو | اس کے لیے نہیں ہے | آخرت میں | کسی قسم کا کوئی حصہ | اور بہت ہی بری ہے |

| مَا شَرَوْا بِهٖٓ | اَنْفُسَهُمْ ؕ | لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|
| وہ چیز جس کے بدلے بیچا انہوں نے | اپنے آپ کو | کاش وہ لوگ جانتے ہوتے |

**نوٹ** اس آیت سے جادو کے متعلق جو راہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے۔(۱) جادو کا وجود اور اس کا مؤثر ہونا ثابت ہے۔(۲) جادو کا کفر ہونا ثابت ہے۔(۳) جادو کا اثر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے جادو کا توڑ جادو سے کرنا غلط ہے بلکہ اس کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔"جادو کو دور کرنے (یعنی دور رکھنے) اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی سورتیں ہیں۔حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں ہے۔اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجے کی چیز ہے"(ابن کثیرؒ)۔آیت کی تفسیر کے لیے معارف القرآن، ضیاء القرآن اور تفسیر ماجدیؒ کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا۔

## آیت:103

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۳ ع﴾

ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔
ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ث و ب**

(ن) ثَوْبًا ثَوْبٌ کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹنا یا کسی کام کی اصل غرض کی طرف لوٹنا جو پہلے سے سوچ لی گئی ہو۔عربی میں کہتے ہیں: اَوَّلُ الْفِكْرَةِ اٰخِرُ الْعَمَلِ یعنی آغاز فکر ہی انجام عمل بنتا ہے۔آدمی پہلے کسی چیز کے متعلق سوچتا ہے اور غور وفکر سے جو حالت مطلوب ومقصود ہوتی ہے اسے طے کرتا ہے پھر کام شروع کرتا ہے۔جب کام ختم ہوتا ہے تو سوچی ہوئی چیز کا حصول سامنے آجاتا ہے۔پس ایسی سوچی ہوئی غرض کے ظہور فعلی کی طرف لوٹنے کو ثَوْبٌ کہتے ہیں اور نتیجے کو ثَوَابٌ کہا جاتا ہے۔چنانچہ پہلے معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں ثَابَ فُلَانٌ اِلٰى دَارِهٖ: فلاں اپنے گھر

کی طرف لوٹ آیا۔ ثَابَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ: میری سانس میری طرف لوٹ آئی۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے کپڑے کو ثَوْبٌ کہا جاتا ہے کیونکہ سوت کاتنے کی اصل غرض کپڑا بنانا اور کپڑا حاصل کرنا ہوتی ہے لہٰذا کپڑا بن جانے پر گویا سوت اپنی حالت مطلوب ومقصود کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے انسان کے عمل کی جزا، اچھی ہو یا بری، جو اس کی طرف لوٹ آئے، اسے ثواب کہتے ہیں۔ گو ثواب کا استعمال اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال کی جزاء کے لیے ہوتا ہے لیکن عرف میں زیادہ تر نیک اعمال کی جزاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

**ثَوَابٌ** اسم ذات ہے۔ کسی عمل کی جزا۔ بدلہ۔ ثواب۔ لغوی اعتبار سے ثواب کا استعمال اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال کی جزاء کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن عرف میں زیادہ تر نیک اعمال کی جزاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَعِنْدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط﴾ (4/النساء:134) ''تو اللہ ہی کے پاس آخرت اور دنیا کی جزا ہے۔'' ﴿وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا ج وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ نُؤْتِہٖ مِنْھَا ط﴾ (3/آل عمران:145) ''اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیویں گے ہم اس کو دنیا ہی سے اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا، اس میں سے دیویں گے ہم اس کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''ثواب کے معنی ہیں نتیجہ عمل۔ ثوابِ دُنیا سے مراد وہ فوائد ومنافع ہیں جو انسان کو اُس کی سعی وعمل کے نتیجہ میں اِسی دُنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثوابِ آخرت سے مراد وہ فوائد ومنافع ہیں جو اسی سعی وعمل کے نتیجہ میں آخرت کی پائیدار زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسانی اخلاق کے معاملہ میں فیصلہ کن سوال یہی ہے کہ کارزارِ حیات میں آدمی جو دَوڑ دھوپ کر رہا ہے اس میں آیا وہ دنیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا اُخروی نتائج پر۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۹۲)

**ثَوْبٌ** ج: ثِیَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ کپڑا۔ ﴿یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا﴾ (18/الکھف:31) ''اور وہ پہنیں گے سبز کپڑے۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ ثَوْبٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کے اصل اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خُلق اور دین کو بھی۔ انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔'' (معارف القرآن)

**مَثَابَۃٌ** مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم ظرفِ مکان ہے۔ اصل میں مَثَابٌ ہے۔ آخر میں ۃ مبالغے کی لگانے سے مَثَابَۃٌ ہو گیا۔ بار بار لوٹنے کی جگہ۔ مقامِ رجوع (ماجدیؒ)۔ اجتماع کی جگہ (شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط﴾ (2/البقرہ:125) ''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لیے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مَثَابَۃً: مصدر ثوب کے معنی ہیں کسی شے کا اپنی حالت اصلی یا حالت مقصودہ کی طرف لوٹنا اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثَابَ الْقَوْمُ اور اسی سے مَثَابَۃً اسم ظرف ہے۔ مَثَابَۃً میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور وتاکید مَثَابٌ سے زائد ہے۔ گویا مَثَابَۃً کے معنی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر بھی جی نہ بھرے۔ یہ معنی امام ابن جریر نے خود بھی لیے ہیں۔ اور یہی ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کیے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو مشاہد ہی ہے۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ اَلْبَیْتَ مرجع ارباب حج وعمرہ کا ہے اس لیے اجتماع ورجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازماً اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۶۳)

**مَثُوْبَةٌ** اسم ذات ہے۔ جزا۔ بدلہ۔ یہ لفظ ثَوَابٌ کا ہم معنی ہے اور ثَوَابٌ کی طرح اچھے اور بُرے دونوں طرح کے بدلے کے لیے بولا جاتا ہے۔ البتہ زیادہ تر یہ بھی جزائے خیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (5/المائدہ:60) ''آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ثَيِّبَةٌ** ج: ثَيِّبَاتٌ۔ ثَيِّبَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اسے طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ طلاق شدہ عورت۔ بیوہ۔ ثَيِّبَةٌ کے لغوی معنی لوٹ آنے والی کے ہیں اور طلاق شدہ عورت یا بیوہ کو ثَيِّبَةٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی ہے۔ اور پھر اسی طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ ﴿ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا﴾ (66/التحریم:5) ''کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) **اِثَابَةٌ** کسی عمل کی جزاء دینا خواہ وہ انعام ہو یا سزا۔ بدلے میں کچھ دینا۔ ﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ﴾ (3/آل عمران:153) ''تو اس نے بدلے میں دیا تم لوگوں کو غم پر غم۔'' ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ﴾ (5/المائدہ:85) ''تو بدلے میں دیا ان کو اللہ نے، بسبب اس کے جو انہوں نے کہا، باغات۔''

(تفعیل) **تَثْوِيْبًا** بدلہ دینا۔ تثویب کا استعمال قرآن مجید میں برے اعمال کی جزا کے لیے ہوا ہے۔ ﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (83/المطففین:36) ''واقعی کافروں کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ خوب مل کر رہا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**ترکیب** ''وَ'' استئنافیہ ہے۔ لَوْ شرطیہ ہے۔ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا شرط ہے۔ اَنَّ کا اسم هُمْ ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ اٰمَنُوْا اس کی خبر ہے۔ ''وَ'' عطف کا ہے اور اِتَّقَوْا، اٰمَنُوْا پر عطف ہے۔ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ جواب شرط ہے۔ لَمَثُوْبَةٌ پر لام جواب شرط کا بھی ہو سکتا ہے اور ابتداء کا بھی اور مَثُوْبَةٌ مبتداء نکرہ ہے۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اس کی صفت ہے اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا لَوْ تمنّی ہے۔ كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:103

| مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ | لَمَثُوْبَةٌ | وَاتَّقَوْا | اٰمَنُوْا | اَنَّهُمْ | وَلَوْ |
|---|---|---|---|---|---|
| اللہ کے پاس سے | تو بدلہ | اور پرہیزگاری کرتے | ایمان لے آتے | یہ کہ وہ لوگ | اور اگر |

| لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ | خَيْرٌ |
|---|---|
| کاش وہ لوگ جانتے ہوتے | بہتر ہوتا |

**نوٹ: 1** لَوْ کی وضاحت آیت نمبر 20 کے تحت ایک نظر دیکھ لیں۔ اس مقام پر ایک اہم بات نوٹ کر لیں کہ لَوْ شرطیہ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے لیکن یہاں دونوں جملے اسمیہ ہیں۔ اس لیے علماء یہاں جملہ شرط میں ایک فعل محذوف مانتے ہیں۔ اور جملہ اسمیہ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا کو مصدر مؤوّل مان کر محذوف فعل کا فاعل بناتے ہیں۔ چنانچہ حضرت درویشؒ اس کی ترکیب یوں بیان کرتے ہیں: لَوْ ثَبَتَ اِيْمَانُهُمْ اور حضرت سلیمان یاقوتؒ لکھتے ہیں لَوْ وَقَعَ اِيْمَانُهُمْ۔ (واللہ اعلم)

**نوٹ: 2** گول ''ۃ'' کی بھی مختلف اقسام ہیں مثلاً:

(۱) تائے وحدت: جو کسی جنس کی ایک چیز کا ذکر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جیسے عِنَبٌ (انگور) ایک خاص قسم کے پھل کا اسم جنس ہے، اس کی جمع اَعْنَابٌ ہے، لیکن انگور کے ایک دانے کو عِنَبَةٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح سے شَجَرٌ (درخت) کی جمع اَشْجَارٌ اور واحد شَجَرَةٌ ہے۔ حَبٌّ (دانہ) کی جمع حُبُوْبٌ

اور واحد حَبَّۃٌ ہے۔ نَمْلٌ (چیونٹی) کی جمع نِمَالٌ اور واحد نَمْلَۃٌ ہے۔

(۲) تائے تانیث: جو مذکر کو مونث بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جیسے خَالِدَۃٌ، عَالِمَۃٌ وغیرہ۔

(۳) تائے مبالغہ: جیسے خَلِیْفَۃٌ، مَثَابَۃٌ، عَلَّامَۃٌ وغیرہ۔

(۴) تائے مصدریہ: جیسے ظُلْمَۃٌ۔

## آیت:104

﴿ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| ء ل م: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | | |

### ر ع ی

(ف) رَعْیًا، رِعَایَۃً — (۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نگرانی کرنا۔ (۳) مویشی چرانا۔ (۴) کسی کے حق کی حفاظت کرنا یعنی رعایت کرنا۔ اصل میں رَعْیٌ کے معنی میں جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا۔ حفاظت کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) خوراک کے ذریعے سے۔ (۲) دشمنوں سے حفاظت کر کے۔ (۳) مناسب انتظام کر کے۔ پھر یہ لفظ اچھی سیاست کر کے حق دار کو اس کا حق دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا ۚ ﴾ (57/الحدید:27) ''پھر اُسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اُس کے نباہنے کا حق تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

اِرْعَ — فعل امر ہے۔ تو حفاظت کر۔ تو مویشی چرا۔ ﴿ کُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ ﴾ (20/طٰہٰ:54) ''تم لوگ کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشیوں کو۔''

رَاعٍ — ج: رِعَاءٌ اور رَاعُوْنَ۔ ہر وہ آدمی جو دوسروں کا محافظ اور منتظم ہو اُسے راعی کہتے ہیں۔ حفاظت کرنے والا۔ چرواہا۔ حاکم۔ نگران۔ ﴿ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ ﴾ (23/المؤمنون:8) ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ﴿ لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ﴾ (28/القصص:23) ''ہم نہیں پلاتے جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حدیث میں ہے: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔'' (بحوالہ مفردات القرآن، ا،ص ۴۰۳)

مَرْعًی — مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم ظرف مکان ہے۔ چراگاہ۔ پھر یہ لفظ جانوروں اور انسانوں کی خوراک یعنی گھاس، چارہ، غلہ، پھل وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۙ﴿۴﴾ ﴾ (87/الاعلیٰ:4) ''اور جس نے نکالا چارے کو۔''

(مفاعلہ) مُرَاعَاۃً — کسی کے حق کو نگاہ میں رکھنا۔ حفاظت کرنا۔ انجام پر غور کرنا۔ کسی کا لحاظ کرنا۔ رعایت کرنا۔ رَاعَیْتُہٗ سَمْعِیْ کا مطلب ہے میں نے اس کی طرف کان لگائے یعنی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ ھُوَ لَا یُرَاعِیْ اِلٰی قَوْلِ اَحَدٍ، وہ کسی کی بات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اردو میں مُراعات کا لفظ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

رَاعِ فعل امر ہے۔ تو رعایت کر۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ ﴾ (4/النساء:46) ''اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) ''رَاعِنَا'' بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**ترکیب**

يَا حرف ندا ہے۔ الَّذِيْنَ اسم موصول اور جملہ فعلیہ اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔ لَا نہی کا ہے اور تَقُوْلُوْا مضارع مجزوم ہے۔ رَاعِنَا میں رَاعِ فعل امر کا صیغہ ہے اور نَا اس کا مفعول ہے۔ قُوْلُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے۔ اُنْظُرْنَا میں اُنْظُرْ فعل امر کا صیغہ ہے اور نَا اس کا مفعول ہے۔ اِسْمَعُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ میں وَ استئنافیہ ہے اور لِلْكٰفِرِيْنَ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ اَلِيْمٌ مبتداء مؤخر ہے۔

| ترجمہ | يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | لَا تَقُوْلُوْا | رَاعِنَا | وَقُوْلُوا | اُنْظُرْنَا |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:104 | اے ایمان والو! | تم لوگ مت کہو | ''راعنا'' | بلکہ کہو | ''انظرنا'' |

| وَاسْمَعُوْا | وَلِلْكٰفِرِيْنَ | عَذَابٌ اَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| اور تم لوگ سنو | اور کافروں کے لیے | ایک دردناک عذاب ہے |

**نوٹ**

کسی مجلس میں جب کوئی بات کر رہا ہو اور اس کی بات سمجھ میں نہ آئے یا درمیان میں ہم کچھ کہنا چاہیں تو اردو میں ''قطع کلامی معاف'' کہنے کا رواج ہے انگریزی میں EXCUSE ME یا I BEG YOUR PARDON کہنے کا رواج ہے۔ ایسے ہی عربی میں رَاعِنَا یا اُنْظُرْنَا کہنے کا رواج تھا۔ رَاعِنَا کہنے سے کیوں منع کیا گیا اس کی وجہ سمجھ لیں۔

مادہ ''ر ع ی'' سے باب مفاعلہ میں فعل امر رَاعِ بنتا ہے۔ اس پر جب ضمیر مفعولی نَا داخل ہوتی ہے تو لفظ رَاعِنَا بنتا ہے جس کے معنی ہیں ہماری رعایت کریں۔ لیکن اسی مادے سے ثلاثی مجرد میں اسم الفاعل اصل میں رَاعِيٌ بنتا ہے (جو کہ پھر رَاعٍ استعمال ہوتا ہے) اس رَاعِيٌ کو جب مضاف بنا کر اس پر مضاف الیہ نَا لگائیں گے تو یہ رَاعِيْنَا بن جائے گا اور تلفظ میں 'ع' کی آواز کو کھینچا جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔ یہود حضورؐ کی محفل میں آ کر اس لفظ کو کھینچ کر بولتے تھے اسی لیے یہ لفظ ممنوع قرار دیا گیا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رسول اللہؐ جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لیے از راہ شرارت لفظ رَاعِنَا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ 'ہماری رعایت کیجیے'۔ لیکن رَاعِنَا کے ''ع'' کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن، خود بھی بعض اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہو رہی ہے۔ اُنْظُرْنَا کے معنی ہیں 'ہمارے اُوپر نظر کیجیے' اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبۂ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ بلکہ امام مالکؒ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۵۳)۔ نیز یہود کی زبان پر راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔

## آیت: 105

﴿مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۰۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و د د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ش ر ك: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ |
| ع ظ م: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | | |

**خ ص ص**

(ن) خَصًّا، خُصُوْصًا، خاص کرنا۔خصوصیت دینا۔(متعدی)۔خاص ہونا (لازم)۔

خُصُوْصِیَۃٌ

خَاصٌّ مؤنث: خَاصَّۃٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔خاص۔خَاصَّۃٌ کی ضد عَامَّۃٌ ہے۔﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ۚ﴾ (8/الانفال:25) ''اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں۔'' (بلکہ سب پر واقع ہوگا)۔

(س) خَصَاصًا، خَصَاصَۃٌ مفلس ہونا۔محتاج ہونا۔

خَصَاصَۃٌ اس ذات بھی ہے۔مفلسی۔محتاجی۔شدت فقر و احتیاج کو کہتے ہیں۔﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِھِمْ وَ لَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ۟ؕ﴾ (59/الحشر:9) ''اور ترجیح دیتے ہیں (اُنہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود اُنہیں اُس چیز کی شدید حاجت ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِخْتِصَاصًا کسی کو کسی چیز کے ساتھ خاص کرنا۔چن لینا۔آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب** مَا نافیہ ہے۔یَوَدُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ کَفَرُوْا اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر فاعل ہے یَوَدُّ کا۔آگے جملہ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ متعلق فعل ہے۔مِنْ یہاں بیانیہ ہے جو اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی وضاحت کر رہا ہے۔اَھْلِ الْکِتٰبِ مرکب اضافی ہے۔وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ میں 'وَ' عطف کا ہے، لَا زائدہ تاکید کے لیے ہے اور اَلْمُشْرِکِیْنَ، اَھْلِ الْکِتٰبِ پر عطف ہے۔آگے اَنْ مصدریہ اور نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے یُّنَزَّلَ منصوب ہوا ہے۔یُّنَزَّلَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے، عَلَیْکُمْ متعلق فعل ہے اور خَیْرٍ نائب الفاعل ہے جو لفظاً مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے لیکن محلاً مرفوع ہے۔یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے۔آگے مِّنْ رَّبِّکُمْ صفت ہے خَیْرٍ کی۔اَنْ نے اگلے فعل یُّنَزَّلَ کے ساتھ مل کر اس جملے میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مصدر مؤوّل مفعول ہے یَوَدُّ کا۔وَاللّٰہُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔اَللّٰہُ مبتدا اور اگلا جملہ فعلیہ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اس کی خبر ہے۔یَخْتَصُّ فعل ہے، بِرَحْمَتِہٖ متعلق فعل اور اسم موصول مَنْ اپنے صلے یَّشَآءُ کے ساتھ مل کر مفعول ہے۔آگے وَاللّٰہُ میں 'وَ' عطف کا ہے اَللّٰہُ مبتدا اور مرکب اضافی ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اس کی خبر ہے۔اَلْعَظِیْمِ صفت ہے اَلْفَضْلِ کی۔

| ترجمہ | مَا یَوَدُّ | الَّذِیْنَ کَفَرُوْا | مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ | وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:105 | نہیں چاہتے | وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا | اہل کتاب میں سے | اور نہ ہی شرک کرنے والوں میں سے |

| اَنۡ یُّنَزَّلَ | عَلَیۡکُمۡ | مِّنۡ خَیۡرٍ | مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ | وَاللّٰہُ |
|---|---|---|---|---|
| کہ نازل کی جائے | تم لوگوں پر | کوئی بھی بھلائی | تمہارے رب کی طرف سے | اور اللہ |

| یَخۡتَصُّ | بِرَحۡمَتِہٖ | مَنۡ | یَّشَآءُ ؕ | وَاللّٰہُ | ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ |
|---|---|---|---|---|---|
| خاص کر لیتا ہے | اپنی رحمت سے | اس کو جس کو | وہ چاہتا ہے | اور اللہ | عظیم فضل والا ہے |

## آیت:106

﴿ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن س ی: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| م ث ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ك ل ل: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ق د ر: الفاتحہ آیت 20 دیکھیں۔ | |

### ن س خ

(ف) نَسۡخًا ایک چیز کو زائل کر کے دوسری کو اس کی جگہ پر لانا۔ عربی میں نَسَخَتِ الشَّمۡسُ الظِّلَّ کا معنی ہے سورج نے سائے کو زائل کر دیا یعنی دُور کر دیا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ پھر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی چیز کو زائل کر دینا۔ منسوخ کر دینا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ﴾ (22/الحج:52) ''تو اللہ زائل کرتا ہے اس کو جو ڈالتا ہے شیطان۔'' اصطلاح شرع میں نَسۡخُ الۡکِتَابِ یعنی کتاب اللہ کے منسوخ ہونے سے مراد ہوتا ہے ایک حکم کو زائل کر کے اس کی بجائے دوسرا حکم نازل کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں یہی معنی مراد ہیں۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''نسخ کے معنے لغت میں زائل کرنے اور لکھنے کے آتے ہیں، اس پر تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے، کہ اس آیت (البقرۃ:106) میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے اور اسی لیے اصطلاح کتاب وسنت میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ دوسرا حکم یہی ہو کہ سابق حکم بالکل ختم کر دیا جائے، یا یہ ہو کہ اس کی جگہ دوسرا عمل بتلایا جائے۔'' (معارف القرآن، ج ۱ ص: ۲۸۳)۔

(۲) نقل کرنا۔ لکھنا۔ (کیونکہ کتاب کے حروف، تختی یا کاغذ کی سادہ جگہ کو لے لیتے ہیں)۔ چنانچہ اس معنی کے لحاظ سے نَسۡخُ الۡکِتَابِ کے معنی ہیں کتاب کو حرف بہ حرف نقل کرنا۔ اس کی کاپی کرنا۔

نُسۡخَۃٌ اسم ذات ہے۔ نقل کیے ہوئے حروف۔ تحریر۔ عام طور پر اس تحریر کے لیے بھی نسخہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو کسی کتاب وغیرہ سے نقل کی جائے اور جس کتاب سے نقل کی جائے اُسے بھی نسخہ کہتے ہیں (مصباح اللغات، لغات القرآن)۔ ﴿وَفِیۡ نُسۡخَتِہَا ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ﴾ (7/الاعراف:154) ''اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی۔''

(استفعال) اِسۡتِنۡسَاخًا لکھنے کے لیے کہنا۔ لکھوانا۔ ﴿اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ (45/الجاثیہ:29) ''ہم لکھواتے تھے جو تم لوگ عمل کیا کرتے تھے۔''

**ترکیب** مَا شرطیہ ہے اور مفعول مقدم ہے فعل نَنۡسَخۡ کا جبکہ نَنۡسَخۡ مضارع مجزوم ہے، شرطیہ ہونے کی وجہ سے اور مِنۡ اٰیَۃٍ متعلق فعل ہے۔

اَوۡ حرف عطف ہے اور نُنۡسِهَا عطف ہے نَنۡسَخۡ پر اسی لیے مجزوم ہے۔ 'هَا' ضمیر اٰيَةٍ کے لیے ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے۔ نَاۡتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ بِخَيۡرٍ متعلق فعل ہے اور مِنۡهَا، خَيۡرٍ سے متعلق ہے۔ اَوۡ حرف عطف ہے اور مِثۡلِهَا، بِخَيۡرٍ پر عطف ہے اسی لیے حالت جر میں ہے مِنۡهَا اور مِثۡلِهَا میں هَا ضمیر اٰيَةٍ کے لیے ہے۔ یہ جملہ جواب شرط ہے۔ اَ استفہامیہ ہے۔ تَعۡلَمۡ، لَمۡ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اللّٰهَ اس کا اسم ہے، عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ متعلق خبر ہے اور قَدِيۡرٌ خبر ہے یہ جملہ مفعول ہے تَعۡلَمۡ کا۔

| ترجمہ | مَا نَنۡسَخۡ | مِنۡ اٰيَةٍ | اَوۡ نُنۡسِهَا | نَاۡتِ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:106 | جو ہم زائل کرتے ہیں | کوئی بھی آیت | یا ہم بھلا دیتے ہیں اس کو | تو ہم لاتے ہیں |

| بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ | اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ | اَلَمۡ تَعۡلَمۡ | اَنَّ اللّٰهَ | عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ | قَدِيۡرٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس سے زیادہ بہتر کو | یا اس کی مانند | کیا تو نے جانا نہیں | کہ اللہ | ہر چیز پر | قدرت رکھنے والا ہے |

**نوٹ**

اس آیت کو سمجھنے کے لیے کسی بھی مستند تفسیر کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا یہاں صرف یہ سمجھ لیں کہ یہودی نسخ احکام کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا نقص ثابت ہوتا ہے۔ اس دلیل کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر وہ کسی نئی شریعت کے قائل نہیں ہیں، نہ شریعتِ عیسویؑ کے اور نہ ہی شریعتِ محمدیؐ کے۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اگر کوئی آیت زائل کرتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسری آیت نازل کر دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ ''تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۰)

## آیت: 107

﴿ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾ ﴾

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ م ل ك: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ دُوۡنَ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔
و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔

**ترکیب**

اَ، استفہامیہ ہے۔ تَعۡلَمۡ، مضارع مجزوم ہے اور لَمۡ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اللّٰهَ اس کا اسم ہے۔ اگلا جملہ اسمیہ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ، اَنَّ کی خبر ہے۔ اس میں لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب اضافی مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ، مبتداء مؤخر ہے۔ وَ استئنافیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ لَكُمۡ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ، نَصِيۡرٍ سے متعلق ہے۔ مِنۡ وَّلِىٍّ میں وَّلِىٍّ مبتدا مؤخر ہے اور مِنۡ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ وَ، حرفِ عطف ہے، لَا زائدہ تاکید کے لیے ہے اور نَصِيۡرٍ، وَّلِىٍّ پر عطف ہے۔

| ترجمہ | اَلَمۡ تَعۡلَمۡ | اَنَّ اللّٰهَ | لَهٗ | مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:107 | کیا تو نے جانا نہیں | کہ اللہ | کے لیے ہے | زمین اور آسمانوں کا اقتدار |

| وَمَا لَكُمۡ | مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ | مِنۡ وَّلِىٍّ | وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾ |
|---|---|---|---|
| اور تمہارے لیے نہیں ہے | اللہ کے علاوہ | کوئی بھی کارساز | اور نہ ہی کوئی مددگار |

**نوٹ** مِنْ تبعیضیہ اور مِنْ کی دوسری اقسام کے لیے البقرۃ آیت:8 دیکھیں۔

## آیت:108

﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۱۰۸﴾

| | | |
|---|---|---|
| اَمْ: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ر و د: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| ر س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ب د ل: البقرۃ آیت 59 دیکھیں۔ | ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ض ل ل: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ | س و ی: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ |

### س ب ل

(ن) سَبْلًا کسی پر الزام دینے کی راہ نکالنا۔ گالی دینا۔

سَبِيْلٌ ج: سُبُلٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الفاعل یا صفت کی بجائے اسم ذات کے طور پر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(ا) راہ۔ راستہ۔ سَبِيْلٌ اس راستے کو کہا جاتا ہے جو صاف اور واضح ہو اور جس پر سہولت سے چلا جا سکے۔ ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (43/الزخرف:10) ''اور بنا دیے تمہارے واسطے اس میں راستے تا کہ تم (منزل مقصود تک) راہ پاؤ''۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ﴾ (7/الاعراف:146) ''اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا راستہ نہ بنائیں''۔ اس آیت میں سبیل کے لیے مذکر ضمیر لائی گئی ہے۔ اور فرمایا: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ ﴾ (12/یوسف:108) ''آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف''۔ اس آیت میں سبیل کے لیے مؤنث ضمیر هٰذِهٖ لائی گئی ہے۔ پھر سبیل کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز تک رسائی کا ذریعہ ہو، چاہے وہ چیز خیر ہو یا شر۔ مثلاً قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ﴾ (16/النحل:125) ''دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے''۔ یا فرمایا: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ ﴾ (12/یوسف:108) ''آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف''۔ اِن دونوں آیتوں میں سبیل سے مراد راہِ حق ہے۔ نیز فرمایا: ﴿ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ۧ ﴾ (6/الانعام:55) ''اور تا کہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا''۔ اس آیت میں مجرموں کے راستے کے لیے بھی سبیل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سَبِيْلُ اللّٰهِ کا مطلب ہے اللہ کی راہ اور مراد اس سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے جس پر فرائض، نوافل اور دیگر عبادات کے ذریعے گامزن ہوا جاتا ہے اور عام طور پر یہ جہاد کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ ﴾ (29/العنکبوت:69) ''اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے تو ہم لازماً ہدایت دیں گے ان کو اپنے راستوں کی''۔ اِبْنُ السَّبِيْلِ کے لیے آیت 40 دیکھیں۔

(۲) الزام۔ اس معنی میں عموماً علٰی کے صلے کے ساتھ آتا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے لَيْسَ لَكَ عَلَيَّ سَبِيْلٌ تم کو میرے اوپر الزام کا کوئی حق نہیں۔ لَيْسَ عَلَيَّ فِيْ كَذَا سَبِيْلٌ میرے اوپر اس کام میں کوئی الزام نہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ﴾ (2/البقرۃ:41) ''تو یہ وہ لوگ ہیں، نہیں ہے ان پر کوئی الزام''۔

﴿مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ مِنۡ سَبِیۡلٍ ؕ﴾(9/التوبۃ:91)''احسان کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں۔''

**ترکیب**

اَمۡ حرف عطف ہے اور معنی ہے ''کیا''۔ تُرِیۡدُوۡنَ کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ ہے۔ اَنۡ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اسی لیے تَسۡـَٔلُوۡا منصوب ہوا ہے۔ یہ مصدر مُؤَوَّل مفعول ہے تُرِیۡدُوۡنَ کا اور رَسُوۡلَكُمۡ مفعول ہے تَسۡـَٔلُوۡا کا۔ سُئِلَ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور لفظ مُوۡسٰی اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنۡ قَبۡلُ متعلق ہے سُئِلَ سے۔ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ میں ''وَ'' استینافیہ ہے، مَنۡ شرطیہ ہے، یَّتَبَدَّلِ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَلۡكُفۡرَ اس کا مفعول ہے اور بِالۡاِیۡمَانِ متعلق فعل ہے۔ یہ جملہ شرط ہے اور آگے فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ جواب شرط ہے۔ ضَلَّ کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے اور مرکب اضافی سَوَآءَ السَّبِیۡلِ، ضَلَّ کا ظرف مکان ہے، اسی لیے اس کے مضاف سَوَآءَ پر نصب آئی ہے۔ عربوں کے لیے راستے سے بھٹکنے کا مطلب یقینی ہلاکت ہوتا تھا کیونکہ ریگستانوں میں اگر کوئی راستے سے ہٹ جاتا تھا تو اس کی ہلاکت یقینی ہوتی تھی۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:108 |

| اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ | اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا | رَسُوۡلَكُمۡ | كَمَا | سُئِلَ |
|---|---|---|---|---|
| کیا تم چاہتے ہو | کہ تم پوچھو | اپنے رسولؐ سے | جیسے | پوچھا گیا |

| مُوۡسٰی | مِنۡ قَبۡلُ ؕ | وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ | الۡكُفۡرَ | بِالۡاِیۡمَانِ | فَقَدۡ ضَلَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| موسیٰؑ سے | اس سے پہلے | اور جو بدل لیتا ہے | کفر کو | ایمان سے | تو وہ بھٹک گیا |

| سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾ |
|---|
| راستے کے درمیان سے (یعنی سیدھی راہ سے بھٹک گیا) |

**نوٹ**

آیت کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہود مسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اُکساتے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا کہ میرے حبیبؐ سے یہودیوں کی طرح قیل وقال نہ کیا کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ جن امور کے کرنے کا حکم دیا جائے ان کو کرو جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو۔ اور جن امور کے متعلق اللہ اور اس کے رسولؐ نے سکوت اختیار فرمایا ہے انہیں مت چھیڑو اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۸۴)

## آیت:109

﴿وَدَّ كَثِیۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و د د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ک ث ر: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| لَوۡ: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ر د د: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ع ف و: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ک ل ل: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |

ح س د

(ن) حَسَدًا کسی ایسے شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا یا کوشش کرنا جو اس نعمت کا صحیح مستحق ہو۔ عربی زبان میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے اَلْحَسَدُ تَمَنِّی زَوَالِ النِّعْمَۃِ عَنْ صاحبھا المستحق بِھَا یا علامہ ابن منظورؒ کے الفاظ میں اِذَا تَمَنّٰی ان یتحول الیہ نعمتہ و فضیلتہ و یُسلبھما ھو یعنی کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس کی بجائے مجھے ملتی اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہ تھیں تو کم از کم اس سے چھین لی جاتیں۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۷۳۱)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَمْ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ۝ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (4/النساء:53-54) ''کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر۔ یا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ حسد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''علامہ نوویؒ شارح مسلم، حسد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: اَلْحَسَدُ تَمَنِّی زَوَالِ النِّعْمَۃِ، (مسلم، ج ۲) ''یعنی دوسرے آدمی کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا حسد کہلاتا ہے۔'' اور یہ حرام ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ (مسلم، ج ۲) ''تم آپس میں بغض اور حسد نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے پشت پھیرو، بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی بن جاؤ، اور جائز نہیں کسی مسلمان کے لیے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔'' ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا: اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، (رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ) ''تم حسد سے بچو! اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔'' عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، بحوالہ مشکوٰۃ) ''حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہؐ نے کہ تمہاری طرف (بھی) پہلی قوموں کا مرض چپکے سے چل پڑا ہے اور وہ حسد ہے اور بغض ایسی خصلت ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔'' حسد خواہ دنیاوی کمال پر ہو یا دینی کمال پر دونوں حرام ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول ''اَمْ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ'' سے امر اوّل کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اور ''اَلْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' سے امر ثانی کی طرف۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۳۹)

حَاسِدٌ اسم الفاعل ہے۔ حسد کرنے والا۔ ﴿ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ ﴾ (113/الفلق:5) ''اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے۔''

ص ف ح

(ف) صَفْحًا نظر انداز کر دینا۔ درگزر کر دینا۔ چشم پوشی کرنا۔ کسی کو اس کے قصور کا احساس نہ ہونے دینا یہ کام معاف کرنے سے مشکل ہے۔ اَلصَّفْحُ عفو سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ عفو کا مطلب ترکِ عقوبت ہے یعنی کسی کو اس کی غلطی پر سزا نہ دینا اور معاف کر دینا جبکہ صَفْحٌ کا مطلب ترکِ عقوبت بھی ہے یعنی کسی کو اس کی غلطی پر سزا نہ دینا اور معاف کر دینا اور ترکِ ملامت بھی ہے یعنی اس کو اس کی غلطی پر ملامت بھی نہ کرنا۔ ﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ ﴾ (24/النور:22) ''اور چاہیے کہ وہ لوگ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم لوگ پسند نہیں کرتے کہ اللہ معاف کرے تم

کو۔‘‘ ﴿ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ (64/التغابن:14)’’اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اِصۡفَحۡ ج: اِصۡفَحُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو درگزر کر۔ تو نظر انداز کر۔ ﴿ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴾ (5/المائدہ:13)’’پس تو معاف کر ان کو اور نظر انداز کر بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو‘‘ اور آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب**

وَدَّ فعل ہے، کَثِیۡرٌ اس کا فاعل اور مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ، کَثِیۡرٌ کی صفت ہے۔ لَوۡ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس جملے میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ یَرُدُّوۡنَ کا فاعل اس میں شامل ھُمۡ ضمیر ہے جو اہل کتاب کی اکثریت کے لیے ہے اور کُمۡ ضمیر اس کا مفعول ہے۔ یہ مصدر مُؤَوَّل مفعول ہے وَدَّ کا اور اِن معنوں میں ہے وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ رَدَّ کُمۡ۔ آگے مِّنۡ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ، یَرُدُّوۡنَ سے متعلق ہے، جبکہ کُفَّارًا ضمیر مفعولی کُمۡ کا حال ہے۔ حَسَدًا، مفعول لَہٗ ہے اور مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ، اس کی صفت ہے۔ یعنی اہل کتاب تمہیں جو کافر بنانا چاہتے ہیں اس کی وجہ ان کے جی کا حسد ہے۔ اور اگلا جملہ مِّنۡ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ، وَدَّ سے متعلق ہے۔ اَلۡحَقُّ، فاعل ہے تَبَیَّنَ کا۔ فَاعۡفُوۡا میں ’ف‘ استئنافیہ ہے اور اس سے ایک نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ اُعۡفُوۡا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ اس کا فاعل ہے۔ اسی طرح آگے اِصۡفَحُوۡا بھی فعل امر کا صیغہ ہے۔ حَتّٰی نواصب مضارع میں سے ہے، اسی لیے یَاۡتِیَ حالت نصب میں ہے۔ یَاۡتِیَ فعل، لفظ اَللّٰہُ اس کا فاعل اور بِاَمۡرِہٖ متعلق فعل ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اَللّٰہَ اس کا اسم، قَدِیۡرٌ خبر اور عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ متعلق خبر ہے جس کو حصر کے لیے خبر سے پہلے لایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

**ترجمہ**

**البقرۃ:109**

| لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ | کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ | وَدَّ |
|---|---|---|
| کہ وہ پھیر دیں تم کو | اہل کتاب کی اکثریت نے | دل سے چاہا |

| مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ | حَسَدًا | کُفَّارًا ۚۖ | مِّنۡ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ |
|---|---|---|---|
| جو اُن کے دلوں میں ہے | حسد کی وجہ سے | کفر کرنے والی حالت میں | تمہارے ایمان لانے کے بعد |

| وَاصۡفَحُوۡا | فَاعۡفُوۡا | الۡحَقُّ ۚ | لَہُمُ | تَبَیَّنَ | مِّنۡ بَعۡدِ مَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور نظر انداز کر دو | پس (اے ایمان والو!) تم لوگ معاف کر دو | حق | ان کے لیے | واضح ہوا | اس کے بعد (بھی) کہ جو |

| قَدِیۡرٌ | عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ | اِنَّ اللّٰہَ | بِاَمۡرِہٖ ؕ | اللّٰہُ | یَاۡتِیَ | حَتّٰی |
|---|---|---|---|---|---|---|
| قدرت رکھنے والا ہے | ہر چیز پر | بیشک اللہ تعالیٰ | اپنا فیصلہ | اللہ | لائے | یہاں تک کہ |

**نوٹ**

’’یہود ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث خود بھی دولتِ ایمان سے محروم رہے اب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولت ایمان سے مالا مال نہ ہو۔ ہر وقت مسلمانوں کو اِسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے درگزر کرتے رہو۔ بات بات پر اُن سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہوگا ان کا قلع قمع کرنے کا تمہیں حکم دے دیا جائے گا۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۸۵)

## آیت:110

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ز ک و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | ق د م: البقرۃ آیت 95 دیکھیں۔ | ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ |
| خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | و ج د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ب ص ر: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** وَ اَقِيْمُوا میں 'وَ' کو استئنافیہ بھی مانا گیا ہے اور عاطفہ بھی۔ اگر استئنافیہ مانا جائے تو پھر اس سے ایک نیا جملہ شروع ہو رہا ہے اور اگر عاطفہ مانا جائے تو پھر اَقِيْمُوا کا عطف گزشتہ آیت میں فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا پر مانا جائے گا۔ اَقِيْمُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور اَلصَّلٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح اٰتُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور اَلزَّكٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔ 'مَا' شرطیہ بھی ہے اور مفعول مقدم بھی ہے تُقَدِّمُوْا کا۔ تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ شرط ہے۔ اس میں تُقَدِّمُوْا، مَا شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ لِاَنْفُسِكُمْ متعلق فعل ہے اور مِّنْ خَيْرٍ صفت ہے 'مَا' کی اور مِنْ یہاں تبعیضیہ ہے۔ آگے تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ جواب شرط ہے۔ تَجِدُوْا، جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے اور 'ہٗ' ضمیر مفعول ہے اور یہ ضمیر 'مَا' کے لیے ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ ظرف ہے اور تَجِدُوْا سے متعلق ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم، بَصِيْرٌ خبر اور بِمَا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:110

| وَ اَقِيْمُوا | الصَّلٰوةَ | وَاٰتُوا | الزَّكٰوةَ ؕ | وَمَا | تُقَدِّمُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور تم قائم کرو | نماز | اور ادا کرو | زکوٰۃ | اور جو | تم آگے بھیجو گے |

| لِاَنْفُسِكُمْ | مِّنْ خَيْرٍ | تَجِدُوْهُ | عِنْدَ اللّٰهِ ؕ | اِنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|
| اپنے لیے | کوئی بھی بھلائی | تو تم پاؤ گے اس کا (ثواب) | اللہ کے پاس | یقیناً اللہ |

| بِمَا تَعْمَلُوْنَ | بَصِيْرٌ |
|---|---|
| اس کو جو تم لوگ کر رہے ہو | خوب دیکھنے والا ہے |

**نوٹ** لفظ اُتُوا اور اَتَوْا کے فرق کو سمجھ کر اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اٰتُوا باب افعال میں فعل امر اٰتِ کا جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اٰتِيُوْا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اٰتُوْا بنتی ہے۔ پھر جب اسے آگے ملاتے ہیں تو واؤ پر علامت سکون کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لیے اٰتُوا الزَّكٰوةَ لکھا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں تم لوگ زکوٰۃ ادا کرو۔

جبکہ اٰتَوْا باب افعال میں ماضی معروف کا جمع مزکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اٰتَيُوْا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اٰتَوْا بنتی ہے۔ پھر آگے ملانے کے لیے واؤ پر ضمہ لگاتے ہیں تو یہ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لکھا جاتا ہے اس کے معنی ہیں ان لوگوں نے زکوٰۃ ادا کی۔

## آیت:111

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | د خ ل: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ج ن ن: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ھ و د: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | م ن ی: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ |
| ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | | |

**ھَاتِ**

ج: ھَاتُوْا۔ اس کے بارے میں کم از کم تین رائے ہیں۔

(۱) پہلی رائے کے مطابق یہ مادہ 'ھ ی ت' سے اسم فعل ہے۔ بمعنی تو لا۔ تثنیہ کے لیے ھَاتِیَا (تم دونوں لاؤ) اور جمع کے لیے ھَاتُوْا (تم لاؤ) استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

(۲) دوسری رائے کے مطابق یہ مادہ 'ھ ت و' سے باب مفاعلہ میں فعل امر کا صیغہ ہے۔ 'ھ ت و' باب مفاعلہ (مصدر: مُھَاتَاۃٌ) سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے دینا۔ چنانچہ ھَاتِ کا مطلب ہوگا تو دے اور ھَاتُوْا کا مطلب ہوگا تم دو۔ آیت زیر مطالعہ۔

(۳) تیسری رائے کے مطابق ھَاتِ اصل میں اٰتِ ہے اِیْتَاءٌ (افعال) سے بمعنی دینا، ہمزہ کو ھ سے بدلا تو ھَاتِ ہو گیا مطلب ہے تو دے۔ ھَاتُوْا اَصْلُهٗ اٰتُوْا قُلِبَتِ الْهَمْزَةُ هَاءً (تفسیر مظہری)۔ آیت زیر مطالعہ۔

پہلی دو رائے مفردات القرآن اور مصباح اللغات میں بیان کی گئی ہیں جبکہ تیسری رائے لغات القرآن اور منتخب لغات القرآن میں بیان کی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ب ر ھ**

| | | |
|---|---|---|
| (س) | بَرِهَ | بیماری کے بعد جسم کا صحت مند ہونا۔ سفید اور چمکدار ہونا۔ |
| | بُرْهَانٌ | فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی چمکدار۔ انتہائی روشن۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر فیصلہ کن دلیل کے لیے آتا ہے یعنی ایسی دلیل جو تمام دلائل سے زوردار ہو اور سچی ہو۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (4/النساء:174) "اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس ایک انتہائی روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔" |

**ترکیب**

وَقَالُوْا میں 'وَ' کو استینافیہ اور عاطفہ دونوں مانا گیا ہے۔ اگر استینافیہ ہو تو اس سے ایک نیا جملہ شروع ہو رہا ہے اور اگر عاطفہ مانیں تو پھر قَالُوْا کا عطف آیت 109 میں وَدَّ پر ہوگا۔ قَالُوْا کی ضمیر فاعلی یہود اور نصاریٰ دونوں کے لیے ہے۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زوردار نفی کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ يَّدْخُلَ اسی لیے منصوب ہے۔ اَلْجَنَّةَ، اس کا مفعول ہے، اِلَّا حصر کے لیے ہے اور اسم موصول مَنْ اپنے صلے كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى کے ساتھ مل کر فاعل ہے يَدْخُلَ کا۔ هُوْدًا اور نَصٰرٰى دونوں كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہیں اور ان کے درمیان اَوْ عطف کا ہے۔ آگے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ جملہ معترضہ ہے۔ اس میں تِلْكَ اسم اشارہ، مبتدا ہے اور مرکب اضافی اَمَانِيُّهُمْ اس کی خبر ہے۔ آگے قُلْ فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ ضمیر ہے اور اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ هَاتُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور اس سے مراد یہود اور نصریٰ ہیں۔ بُرْهَانَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ جملہ شرطیہ ہے اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَهَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ہوسکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:111 |

| وَقَالُوْا | لَنْ يَّدْخُلَ | الْجَنَّةَ | اِلَّا مَنْ | كَانَ هُوْدًا |
|---|---|---|---|---|
| اورانہوں (یہود اور نصاریٰ) نے کہا | ہرگز داخل نہیں ہوگا | جنت میں | سوائے اس کے جو | یہودی ہو |

| اَوْ نَصٰرٰى ؕ | تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ | قُلْ | هَاتُوْا | بُرْهَانَكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| یا عیسائی ہو | یہ ان کی (جھوٹی) آرزوئیں ہیں | آپ ﷺ کہیے | تم لوگ لاؤ | اپنی دلیل |

| اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ |
|---|
| اگر تم لوگ سچے ہو |

**نوٹ:1** هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى میں اَوْ تفصیل کے لیے ہے۔ یعنی یہودی اپنے لیے اور عیسائی اپنے لیے یہی بات کہتے تھے۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۲۱)

**نوٹ:2** اس آیت میں برہان کا مطلب یہ ہے کہ اگر توراۃ یا انجیل میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اسے سامنے لاؤ۔

## آیت:112

﴿ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع ﴾

| | | |
|---|---|---|
| بلیٰ: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ء ج ر: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | | |

**و ج ہ**

(ک) **وَجَاهَةً** بلند رتبہ ہونا۔ باعزت ہونا۔ صاحب وجاہت ہونا۔

**وَجِيْهٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بلند رتبے والا۔ باعزت۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (3/آل عمران:45) ''اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰؑ مریم کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت میں وَجِيْهٌ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''وجیہ کا لفظ یہاں ایسا سمجھو جیسے موسیٰؑ کے متعلق فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾﴾ (33/الاحزاب:69) گویا جو لوگ ''وجیہ'' کہلاتے ہیں اُن کو حق تعالیٰ خصوصی طور پر جھوٹے طعن و تشنیع یا الزامات سے بری کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے نسب پر جو خبیث باطن طعن کریں گے یا خدا کو یا کسی انسان کو جھوٹ موٹ اُن کا باپ بتلائیں گے یا خلاف واقع ان کو مصلوب و

مقتول یا بحالت زندگی مردہ کہیں گے یا الوہیت وابنیت وغیرہ کے باطل عقائد کی مشرکانہ تعلیم ان کی طرف منسوب کریں گے، اس طرح کے تمام الزامات سے حق تعالیٰ دنیا اور آخرت میں علانیہ بری ظاہر کر کے اُن کی وجاہت ونزاہت کا علیٰ رؤس الاشہاد اظہار فرمائے گا۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۷)

**وَجۡهٌ** ج: وُجُوۡهٌ۔ اسم ذات ہے اور کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) چہرہ۔ ﴿ فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا‌ ۚ ﴾ (12/یوسف:93) ''پس ڈالو اس کو میرے والد کے چہرے پر تو وہ ہو جائیں گے دیکھنے والے۔'' ﴿ يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ‌ ۚ ﴾ (3/آل عمران:106) ''جس دن سفید یعنی روشن ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہو جائیں گے کچھ چہرے۔''

(۲) توجہ۔ رخ۔ خوشنودی۔ ﴿ اۨقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا يَّخۡلُ لَـكُمۡ وَجۡهُ اَبِيۡكُمۡ ﴾ (12/یوسف:9) ''مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا ان کو کسی (دور دراز) سرزمین میں ڈال آؤ تو (پھر) تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف ہو جاوے گا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِـوَجۡهِ اللّٰهِ ﴾ (76/الدھر:9) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ہم کھلاتے ہیں تم لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے۔'' وَجۡهُ اللّٰهِ سے بعض بزرگوں نے ذات باری تعالیٰ مراد لی ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا رضائے الٰہی مراد لی ہے۔

(۳) ہر چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سامنے آئے اسے وَجۡهٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر چیز کے اشرف حصے اور اوّل یا ابتدائی حصے کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ وَجۡهُ كَذَا کا مطلب ہے اس کا اوّل حصہ اور وَجۡهُ النَّهَارِ سے مراد ہے دن کا اوّل حصہ یا دن کا ابتدائی حصہ (صبح کا وقت)۔ ﴿ اٰمِنُوۡا بِالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاكۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ ﴾ (3/آل عمران:72) ''تم لوگ ایمان لاؤ اُس پر جو نازل کیا گیا اُن پر جو ایمان لائے، دن چڑھے یعنی صبح کو اور انکار کرو اُس کے آخر میں یعنی شام کو۔'' اسی طرح وَجۡهُ الدَّهۡرِ سے مراد ہے زمانے کا اوّل اور کہا جاتا ہے كَانَ ذٰلِكَ عَلٰى وَجۡهِ الدَّهۡرِ۔ وہ زمانے کے شروع میں تھا۔

(۴) عربی زبان میں وَجۡهُ الۡقَوۡمِ سے مراد ہے قوم کا سردار اور رَجُلٌ وَجۡهٌ سے مراد ہے عزت و مرتبے والا مرد۔

**جِهَةٌ اور وِجۡهَةٌ** اسم ذات ہیں۔ (۱) وہ سمت جس کی طرف رخ کیا جائے۔ (۲) وہ چیز جس کی طرف رخ کیا جائے۔ ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا ﴾ (2/البقرۃ:148) ''اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''وِجۡهَةٌ بکسر الواو کے معنی لغوی، جس چیز کی طرف رُخ کیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد قبلہ ہے اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قراءت میں اس جگہ وِجۡهَةٌ کی بجائے قِبۡلَةٌ بھی منقول ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۳۸۹)

(تفعیل) **تَوۡجِيۡهًا** (۱) کسی کا رُخ کسی جانب کرنا۔ (۲) کسی کو کسی جانب بھیجنا۔ ﴿ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾ (6/الانعام:79) ''میں رُخ کرتا ہوں اپنے چہرے کا اس کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔'' ﴿ اَيۡنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ‌ؕ ﴾ (16/النحل:76) ''جہاں کہیں وہ بھیجتا ہے اس کو تو وہ نہیں لاتا کوئی بھلائی۔''

(تفعّل) **تَوَجُّهًا** اپنا رُخ کسی جانب کرنا۔ قصد کرنا۔ متوجہ ہونا۔ خود کسی طرف جانا۔ ﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ ﴾ (28/القصص:22) ''اور جب وہ متوجہ ہوئے مدین کی طرف۔''

**ترکیب**

بَلٰی حرف ایجاب ہے اور اس لفظ کے ذریعے پچھلی آیت مبارکہ میں یہود اور نصریٰ کے باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ یعنی یہود اور نصاریٰ نے ایک غلط دعویٰ کیا کہ جنت میں ان کے سوا اور کوئی نہیں جائے گا۔ اس دعویٰ میں نفی شامل ہے اس نفی کی تردید کے لیے جواب دیا بَلٰی، کیوں نہیں جائے گا، ضرور جائے گا بلکہ نجات کا اصل قانون وہ ہے جو آگے آیت میں بیان ہو رہا ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ اَسْلَمَ سے مُحْسِنٌ تک جملہ شرطیہ ہے۔ اس میں اَسْلَمَ فعل اور اس میں شامل ضمیر ھُوَ اس کا فاعل ہے جو کہ مَنْ کے لیے ہے، مرکب اضافی وَجْهَهٗ، اس کا مفعول ہے اور لِلّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَھُوَ مُحْسِنٌ کا 'وَ' حالیہ ہے، ھُوَ مبتدا ہے اور مُحْسِنٌ اس کی خبر ہے۔ آگے فَلَهٗ سے یَحْزَنُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ فَلَهٗ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے، لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مرکب اضافی اَجْرُهٗ، مبتداء مؤخر ہے عِنْدَ رَبِّهٖ، ظرف ہے۔ وَلَا خَوْفٌ میں 'وَ' عطف کا ہے لَا نافیہ ہے، خَوْفٌ مبتدا ہے اور عَلَيْهِمْ، قائم مقام خبر ہے۔ آگے پھر 'وَ' عطف کا ہے لَا نافیہ ہے، ھُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ یَحْزَنُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کریں، مَنْ کی لفظی رعایت کے تحت اَسْلَمَ واحد کا صیغہ آیا ہے اور خَوْفٌ تک ساری ضمیریں واحد آئی ہیں جبکہ خَوْفٌ کے بعد مَنْ کی معنوی رعایت کے تحت ضمیریں اور آخری صیغہ جمع کا آیا ہے۔ یہ قرآنِ مجید کا اسلوب ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | البقرۃ:112 |
|---|---|
| بَلٰی ۚ | کیوں نہیں (ضرور دوسرے لوگ بھی جنت میں جائیں گے بلکہ نجات کے بارے میں ہمارا قانون یہ ہے کہ) |

| مَنْ اَسْلَمَ | وَجْهَهٗ | لِلّٰهِ | وَ | ھُوَ |
|---|---|---|---|---|
| جس نے بھی فرمانبردار کر لیا | اپنے چہرے کو | اللہ کے لیے | اس حال میں کہ | وہ |

| مُحْسِنٌ | فَلَهٗ | اَجْرُهٗ | عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ |
|---|---|---|---|
| نیکی کرنے والا ہو | تو اس کے لیے ہے | اس کا اجر | اس کے رب کے پاس |

| وَلَا خَوْفٌ | عَلَيْهِمْ | وَلَا ھُمْ | يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ |
|---|---|---|---|
| اور کوئی خوف نہیں ہوگا | ان پر | اور نہ ہی وہ لوگ | غمگین ہوں گے |

**نوٹ**

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ آیت میں ''وَجْهٗ'' کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا عین شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ اسلم وجھہٗ للہ یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزش شرک۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن وغم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہل ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت وتاسف کریں گے نہ آئندہ کے لیے دہشت زدہ ہوں گے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۵۶)

## آیت:113

﴿وَ قَالَتِ الۡیَہُوۡدُ لَیۡسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیۡءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیۡسَتِ الۡیَہُوۡدُ عَلٰی شَیۡءٍ ۙ وَّ ہُمۡ
یَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ۚ فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ
فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ھ و د: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ت ل و: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | م ث ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ |
| ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 39 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اَلۡیَہُوۡدُ، عاقل کی جمع مکسر ہے، اس لیے قَالَتۡ مونث کا صیغہ بھی جائز ہے۔ اَلۡیَہُوۡدُ، قَالَتۡ کا فاعل ہے۔ لَیۡسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیۡءٍ، وہ جملہ ہے جو انہوں نے کہا۔ اس میں اَلنَّصٰرٰی، لَیۡسَتِ کا اسم ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور عَلٰی شَیۡءٍ قائم مقام خبر ہے۔ اَلنَّصٰرٰی بھی عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے اس کے لیے بھی لَیۡسَتِ، مونث کا صیغہ جائز ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور اگلے جملے کا عطف جملہ ماقبل پر ہے۔ وَہُمۡ یَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ میں 'وَ' حالیہ ہے، ہُمۡ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ یَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ اس کی خبر ہے۔ اَلۡکِتٰبَ، مفعول ہے یَتۡلُوۡنَ کا۔ اور یہ جملہ اسمیہ حالیہ ہے۔ قَالَ کا فاعل اَلَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ہے اور اس کا مفعول قَوۡلًا محذوف ہے، مرکب اضافی مِثۡلَ قَوۡلِہِمۡ اس کی صفت ہے، اس لیے مضاف مِثۡلَ پر نصب آئی ہے۔ فَاللّٰہُ میں 'فَ' استئنافیہ ہے، لفظ اَللّٰہُ مبتدا ہے اور اگلا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اس میں یَحۡکُمُ فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر ھُوَ اس کا فاعل ہے۔ بَیۡنَہُمۡ ظرف ہے اور یَحۡکُمُ سے متعلق ہے۔ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ مضاف، مضاف الیہ، ظرف زمان ہے اور یَحۡکُمُ سے متعلق ہے۔ فِیۡمَا میں فِیۡ حرف جر ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اگلا جملہ کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ اس کا صلہ ہے۔ کَانُوۡا کا اسم اس میں شامل ضمیر ھُمۡ ہے فِیۡہِ متعلق ہے یَخۡتَلِفُوۡنَ سے اور جملہ فعلیہ یَخۡتَلِفُوۡنَ، کَانَ کی خبر ہے اور جار مجرور متعلق ہیں یَحۡکُمُ سے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | |
|---|---|
| البقرۃ:113 | |

| وَقَالَتِ الۡیَہُوۡدُ | لَیۡسَتِ النَّصٰرٰی | عَلٰی شَیۡءٍ ۪ | وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی |
|---|---|---|---|
| اور کہا یہودیوں نے | نہیں ہیں عیسائی | کسی چیز (راہ) پر | اور کہا عیسائیوں نے |

| لَیۡسَتِ الۡیَہُوۡدُ | عَلٰی شَیۡءٍ ۙ | وَّ | ہُمۡ یَتۡلُوۡنَ | الۡکِتٰبَ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| نہیں ہیں یہودی | کسی چیز (راہ) پر | حالانکہ | وہ سب پڑھتے ہیں | (آسمانی) کتاب |

| کَذٰلِکَ | قَالَ | الَّذِیۡنَ | لَا یَعۡلَمُوۡنَ | مِثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ۚ | فَاللّٰہُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اسی طرح | کہی | ان لوگوں نے جو | جانتے نہیں | (ایک بات) ان کے قول کی مانند | تو اللہ |

| یَحۡکُمُ | بَیۡنَہُمۡ | یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ | فِیۡمَا | کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ |
|---|---|---|---|---|
| فیصلہ کرے گا | ان کے درمیان | قیامت کے دن | اُن باتوں میں | جن میں وہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے |

**نوٹ** صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ''یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ کی زبان سے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے، لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰؑ کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور تورات کے مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر وعناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جارہا ہے۔'' (احسن البیان، ص ۴۵)۔ آیت میں اَلْكِتٰبَ سے تفسیر ماجدیؒ کے مطابق مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل ہے جس کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی دونوں اِن صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں اور قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سے مراد مشرکین عرب اور بت پرست ہیں نیز ہر دینِ جاہلی کے پیروکار اس میں آجاتے ہیں اور جو بات اُنھوں نے کہی وہ یہ تھی کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ تفسیر ماجدیؒ کے مطابق: ''قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں يَعْلَمُوْنَ وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی، علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی ''علوم وفنون'' اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی ''تعلیم'' پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۵۷)

## آیت: 114

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ١١٤﴾

| | | |
|---|---|---|
| ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | س ج د: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | ذ ك ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| د خ ل: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | خ ز ی: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ع ظ م: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | |

**م ن ع**

(ف) **مَنْعًا** (۱) ہاتھ یا زبان سے کسی کو کسی کام سے روکنا۔ کام نہ کرنے دینا۔ محروم کردینا۔ ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ﴾ (7/الاعراف:12) ''کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(۲) کنجوسی کرنا۔ بخل کرنا۔ نہ دینا۔ اس کی ضد عطا ہے۔ ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۧ﴾ (107/الماعون:7) ''اور وہ روکتے ہیں برتنے کی چیز کو۔''

(۳) کسی کو کسی سے بچانا۔ حفاظت کرنا۔ ﴿اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ (4/النساء:141) ''کیا ہم قابو یافتہ نہ تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مومنوں سے۔'' ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ﴾ (21/الانبیاء:43) ''کیا اُن کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں اُنہیں (عذاب سے) ہمارے سوا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**مَانِعٌ** مؤنث: مَانِعَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ روکنے والا۔ بچانے والا۔ ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (59/الحشر:2) ''اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کو بچانے والے ہیں ان کے قلعے اللہ سے۔''

**مَمْنُوْعٌ** مؤنث: مَمْنُوْعَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ روکا ہوا۔ ﴿وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝﴾ (56/الواقعۃ:32-33) ''اور کثیر پھل، نہ کاٹے ہوئے اور نہ روکے ہوئے۔''

**مَنُوْعٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ بہت کنجوس۔ بخیل۔ ﴿وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝﴾ (70/المعارج:21) ''اور جب اُسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل۔''

مَنَّاعٌ — فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ بہت کنجوس۔ بخیل۔ ﴿مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ﴾ (50/قٓ:25) ''بہت روکنے والا بھلائی سے۔''

**س ع ی**

(ف) سَعۡیًا — تیز تیز چلنا۔ کسی کام کے لیے بھاگ دوڑ کرنا۔ کوشش کرنا۔ اہتمام سے چلنا یعنی سکون اور وقار کے ساتھ چلنا۔ ﴿یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ﴾ (57/الحدید:12) ''جس دن تو دیکھے گا مؤمنوں اور مؤمنات کو، چلتا ہوگا ان کا نور ان کے سامنے۔'' ﴿یَوۡمَ یَتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾﴾ (79/النّٰزعٰت:35) ''جس دن یاد کرے گا انسان جو اس نے بھاگ دوڑ کی۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

سَعۡیٌ — اسم ذات بھی ہے۔ بھاگ دوڑ۔ کوشش۔ ﴿فَلَا کُفۡرَانَ لِسَعۡیِهٖ ۚ﴾ (21/الانبیاء:94) ''تو بے قدری نہیں کی جائے گی اس کی کوشش کی۔'' ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ﴾ (37/الصافات:102) ''اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپؑ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

اِسۡعَ — ج: اِسۡعَوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو دوڑ۔ تو کوشش کر۔ ﴿اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ﴾ (62/الجمعۃ:9) ''اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعے کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اے ایمان والو! جب جمعے کے روز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''سعی کے معنی دوڑنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کے بھی، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ نماز کے لیے دوڑتے ہوئے آنے کو رسول اللہؐ نے منع فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے لیے آؤ تو سکینت اور وقار کے ساتھ آؤ، آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، یعنی نماز وخطبہ کے لیے مسجد کی طرف چلنے کا اہتمام کرو، جیسا دوڑنے والا کسی دوسرے کام کی طرف توجہ نہیں دیتا، اذان کے بعد تم بھی کسی اور کام کی طرف بجز نماز و خطبہ کے توجہ نہ دو'' (معارف القرآن، ج ۸ ص ۴۴۱)۔

**خ ر ب**

(س) خَرَابًا — کسی جگہ کا اجاڑ ہونا۔ ویران ہونا۔ یہ عِمَارَۃٌ (آباد ہونا) کی ضد ہے۔

خَرَابٌ — اسم ذات بھی ہے۔ ویرانی۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِخۡرَابًا — اجاڑنا۔ ویران کرنا۔ ﴿یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ﴾ (59/الحشر:2) ''وہ لوگ اجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے۔''

**ترکیب**

مَنۡ استفہامیہ مبتداء ہے اور اَظۡلَمُ اس کی خبر ہے۔ مِمَّنۡ اصل میں مِنۡ مَنۡ ہے۔ یہ مَنۡ جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت فعل مَنَعَ اور سَعٰی واحد آیا ہے۔ پھر معنوی رعایت کے تحت اسم اشارہ اُولٰٓئِکَ اور لَهُمۡ میں هُمۡ ضمیر جمع آئی ہے۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مرکب اضافی ہے اور مَنَعَ کا مفعول ہے۔ فِیۡهَا میں هَا ضمیر مساجد کے لیے ہے جبکہ اِسۡمُهٗ میں هٗ ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ خَرَابِهَا میں بھی هَا کی ضمیر مساجد کے لیے ہے، خَآئِفِیۡنَ حال ہے۔ خِزۡیٌ اور عَذَابٌ عَظِیۡمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہیں اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔ لَهُمۡ قائم مقام خبر مقدم ہے اور فِی الدُّنۡیَا، خِزۡیٌ سے متعلق ہے اور فِی الۡاٰخِرَۃِ، عَذَابٌ عَظِیۡمٌ سے متعلق ہے۔

| ترجمہ | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:114 | وَمَنْ | اَظْلَمُ | مِمَّنْ | مَّنَعَ | مَسٰجِدَ اللّٰهِ | اَنْ يُّذْكَرَ |
| | اور کون | زیادہ ظالم ہے | ان سے جو | روکیں | اللہ کی مسجدوں میں | کہ یاد کیا جائے |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| فِيْهَا | اسْمُهٗ | وَسَعٰى | فِيْ خَرَابِهَا | اُولٰٓئِكَ |
| ان میں | اس کے نام کو | اور کوشش کریں | ان کی ویرانی میں | یہ لوگ ہیں |

| | | |
|---|---|---|
| مَا كَانَ لَهُمْ | اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ | اِلَّا خَآئِفِيْنَ |
| نہیں تھا جن کے لیے | کہ وہ داخل ہوں ان میں | مگر خوف کرنے والے ہوتے ہوئے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَهُمْ فِي الدُّنْيَا | خِزْيٌ | وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ | عَذَابٌ عَظِيْمٌ |
| ان کے لیے دنیا میں ہے | ایک رسوائی | اور ان کے لیے آخرت میں ہے | ایک عظیم عذاب |

**نوٹ** مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اس آیت سے حاصل ہونے والی راہنمائی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مسجد میں نماز اور ذکر سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

۲۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے صراحۃً روکا جائے۔

۳۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور کر کے یا اس کے قریب جوار میں شور کر کے لوگوں کی نماز اور ذکر میں خلل ڈالے۔ یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

۴۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب لوگ اپنے نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مصروف ہوں اس وقت مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے۔ اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔

۵۔ جس وقت لوگ نماز و تسبیح میں مشغول ہوں اس وقت مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا دینی کام کے لیے چندہ اکٹھا کرنا ممنوع ہے۔

## آیت:115

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ ﴾

و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ و ج ھ: البقرۃ آیت 112 دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ش ر ق**

(ن۔س) شَرْقًا، شُرُوْقًا: آفتاب طلوع ہونا۔ کسی چیز کا پھٹنا۔ کسی چیز کا سرخ ہو جانا۔ جب سورج طلوع ہو تو عرب کہتے ہیں شَرَقَتِ الشَّمْسُ۔

مَشْرِقٌ: تثنیہ: مَشْرِقَانِ، مَشْرِقَيْنِ۔ ج: مَشَارِقُ۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم ظرف ہے۔ سورج نکلنے کی جگہ یا سمت یا سورج نکلنے کا وقت۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”مشرق اور مغرب جب واحد ہوں تو اس سے مشرقی اور مغربی سمت (یا سورج نکلنے کی جگہ اور غروب ہونے کی جگہ) مراد ہوتی ہے۔ جب تثنیہ ہوں تو موسم سرما اور گرما کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہوتے ہیں اور جب جمع کا صیغہ ہو تو ہر روز کا مشرق اور مغرب مراد ہوتا ہے۔“ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ (73/المزمل:9) ”وہی مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔“ ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ ﴾

(55/الرحمٰن:17) "وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔" ﴿وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝﴾ (37/الصافات:5) "اور مشرقوں کا رب ہے۔" اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: "مَشَارِق سے آفتاب کے طلوع کرنے کے مواقع مراد ہیں۔ صیغۂ جمع اختلاف مطالع کے اعتبار سے ہے۔ ہر روز طلوع آفتاب کا زاویہ دوسرے دن سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، اوراس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔" (تفسیر ماجدیؒ ص ۹۰۴)

**شَرْقِیٌّ** مؤنث: شَرْقِيَّةٌ۔ اسم نسبت ہے۔ مشرق والا۔ مشرقی۔ ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝﴾ (19/مریم:16) "جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک شرقی مکان میں گئیں۔" (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿لَا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ﴾ (24/النور:35) "نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے۔"

(افعال) **اِشْرَاقًا** روشن ہونا۔ چمکنا۔ جگمگانا۔ اَشْرَقَتِ الشَّمْسُ سورج کی روشنی پھیل گئی۔ ﴿وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (39/الزمر:69) "اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔"

**اَلْاِشْرَاقُ** یہ باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا لغوی معنی تو روشن ہونا ہے اور اصطلاحی طور پر اس سے صبح کا وہ وقت مراد لیا جاتا ہے جس میں دھوپ زمین پر پھیل گئی ہو یعنی طلوع آفتاب سے 25-20 منٹ بعد۔ ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝﴾ (38/صٓ:18) "ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو، وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "اشراق اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے ہم چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اُسے صلوٰۃ الضحٰی کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں صلوٰۃ الضحٰی کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ کہ جو شخص پابندی سے ضحیٰ کے وقت دو نفل پڑھے گا، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے مانند ہوں۔" (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۲۳۱)

**مُشْرِقٌ** ج: مُشْرِقُوْنَ۔ مُشْرِقِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ روشن ہونے والا۔ اصطلاحًا اس کا مطلب ہے سورج نکلتے ہی صبح کا وقت۔ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝﴾ (26/الشعراء:60) "تو انہوں نے پیچھا کیا ان کا سورج نکلنے کے وقت۔"

## غ ر ب

(ن) **غَرْبًا اور غُرُوْبًا** دور چلے جانا۔ جدا ہونا۔ دوری کی وجہ سے چھپ جانا۔ غروب ہونا۔ ﴿وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (18/الکہف:17) "اور جب سورج غروب ہوتا ہے، کترا جاتا ہے ان سے بائیں جانب۔" ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ﴾ (20/طٰہٰ:130) "اور آپ تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔"

**مَغْرِبٌ** تثنیہ: مَغْرِبَانِ۔ مَغْرِبَيْنِ۔ ج: مَغَارِبُ۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم ظرف ہے۔ سورج کی جگہ یا سمت یا سورج ڈوبنے کا وقت۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: "مشرق اور مغرب جب واحد ہوں تو اس سے مشرقی اور مغربی سمت (یا سورج نکلنے کی جگہ اور غروب ہونے کی جگہ) مراد ہوتی ہے۔ جب تثنیہ ہوں تو موسم سرما اور گرما کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہوتے ہیں اور جب جمع کا صیغہ ہو تو ہر روز کا مشرق اور مغرب مراد ہوتا ہے۔" آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾ (73/المزمل:9) "وہی مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔" ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝﴾

(55/الرحمٰن:17) ''وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔'' ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ﴾(70/المعارج:40) ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔''

غَرْبِیٌّ مونث: غَرْبِيَّةٌ۔ اسم نسبت ہے۔ مغرب والا۔ مغربی۔ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾(28/القصص:44) ''اور آپ (پہاڑ کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے (حضرت) موسیٰ کو احکام دیے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ﴾(24/النور:35) ''نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے۔''

غَرِیْبٌ ج: غُرَبَاءُ۔ یہ غَرَبَ (ن) غُرْبًا و غُرْبَةً سے ہے جس کے معنی ہیں پردیسی ہونا۔ وطن سے دور ہونا۔ عجیب وغریب ہونا وغیرہ۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا اور اردو میں اس کے معنی ہیں وہ شخص جس کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ البتہ عربی میں اس کے معنی مختلف ہیں۔ عربی میں اس کے معنی ہیں اجنبی۔ مسافر۔ وطن سے دور۔ عجیب وغیرہ مانوس۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ہر اجنبی کو غریب کہا جاتا ہے اور جو چیز اپنی ہم جنس چیزوں میں بے نظیر اور انوکھی ہو اسے بھی غَرِیْبٌ کہہ دیتے ہیں۔ اسی معنی میں آنحضرتؐ نے فرمایا: اَلْاِسْلَامُ بَدَءَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ کہ اسلام ابتداء میں غریب تھا اور آخر زمانہ میں پھر پہلے کی طرح ہو جائے گا اور جہلاء کی کثرت اور اہل علم کی قلت کی وجہ سے علماء کو غرباء کہا گیا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲ ص ۷۵۰)

(س) غَرَبًا سیاہ رنگ والا ہونا۔

غُرَابٌ اسم جنس ہے۔ کوّا۔ (کیونکہ وہ سیاہ ہوتا ہے)۔ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾(5/المائدۃ:5) ''تو بھیجا اللہ نے ایک کوّا۔''

غِرْبِیْبٌ ج: غَرَابِيْبُ۔ صفت ہے۔ انتہائی سیاہ۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾(35/سبا:27) ''اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ اُن کے رنگ مختلف ہیں اور کوئی بہت گہرے سیاہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

## ث م م

(ن) ثَمًّا کسی چیز کو درست کرنا۔

ثُمَّ حرف عطف ہے اور کلام میں مہلت کے ساتھ ترتیب کے اظہار کے لیے آتا ہے یعنی ''جمع اور ترتیب مع التراخی'' کے لیے آتا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے پھر۔ تب۔ اس کے بعد۔ یہ عام طور پر التراخی فی الوقت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ترتیب میں دو چیزوں کے درمیان وقفے اور تاخیر کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں: ذَهَبَ قَاسِمٌ ثُمَّ خَالِدٌ (قاسم گیا پھر خالد گیا)۔ یہ اس وقت کہیں گے جب قاسم اور خالد کے جانے میں ذرا سا بھی وقفہ ہو۔ بعض دفعہ یہ التراخی فی الرتبہ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا﴾(45/الجاثیہ:7،8) ''ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے۔ جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے۔'' یہاں ثُمَّ سے مطلب ہے کہ وہ افاک ہے، اثیم ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آیات اللہ کو سن کر بھی کفر پر اڑا رہتا ہے۔ اور کبھی ثُمَّ تاخیر باعتبار وضع کے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ کبھی ثُمَّتَ بھی استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ثَمَّ وہاں۔ وہیں۔ اسی جگہ۔ اسم اشارہ ہے۔ مکانِ بعید کے لیے آتا ہے اور اصل کے اعتبار سے ظرف ہے۔ اس کے ساتھ ھَا، لامِ بُعد یا کافِ خطاب وغیرہ کوئی چیز نہیں لگتی۔ آیت زیرِ مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا وَّ مُلۡکًا کَبِیۡرًا ﴾ (76/الدھر:20) ''اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ثَمَّ کسی صفت سے پہلے اس صفت پر زور دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴾ (81/التکویر:21) ''اور وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہا مانا جاتا ہے (اور) امانت دار ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ آیت کریمہ میں یہ صفت امین سے پہلے آیا ہے اور یہاں حضرت جبرائیلؑ کی صفت امین پر خاص طور توجہ دلانا مقصود ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## و س ع

(ف) وَسْعًا کشادہ کرنا (متعدی)۔ بکثرت دینا۔

(س) سَعَۃً، سِعَۃً کشادہ ہونا۔ گنجائش ہونا۔ کسی چیز کو اپنے اندر سمو لینے کی وسعت رکھنا (لازم)۔ اس کی ضد ضَیۡقٌ اور عُسۡرٌ ہے۔ عربی میں کہتے ہیں وَسِعَ الۡقَوۡمَ فَضۡلُہٗ اس کا فضل ساری قوم کو عام ہے یا وَسِعَ الۡمَالُ الدَّیۡنَ، مال قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ﴾ (2/البقرۃ:255) ''گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ﴾ (7/الاعراف:156) ''اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) (نوٹ): ''مثال میں باب 'س' میں حرف علت نہیں گرتا لیکن اس مادے یعنی ''و س ع'' میں مضارع میں 'و' گر جاتا ہے۔ یہ ایک استثنائی صورت ہے۔

سَعَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ کشادگی۔ وسعت۔ قدرت۔ عموماً مال اور رزق کی کشادگی کے لیے آتا ہے۔ ﴿ لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَۃٍ مِّنۡ سَعَتِہٖ ﴾ (65/الطلاق:7) ''چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔''

وُسۡعٌ اسم ذات ہے۔ وسعت۔ طاقت۔ گنجائش۔ عربی میں کہا جاتا ہے لَیۡسَ فِیۡ وُسۡعِہٖ اَنۡ یَّفۡعَلَ کَذَا۔ نہیں ہے اس کی طاقت میں کہ وہ یہ کام کرے۔ یا کہتے ہیں ھُوَ یُنۡفِقُ عَلٰی قَدۡرِ وُسۡعِہٖ۔ وہ اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ ﴿ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ﴾ (2/البقرۃ:286) ''اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلۡوُسۡعُ اس طاقت کو کہتے ہیں جو اس کام سے ذرا زیادہ ہو جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ﴾ (2/البقرۃ:286) ''خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' میں تنبیہ فرمائی ہے کہ خدا بندے کے ذمہ اتنا ہی کام لگاتا ہے جو اس کی طاقت سے ذرا کم ہوتا ہے۔''

(مفردات القرآن، ج ۲، ص ۱۱۱۶)

وَاسِعٌ مونث: وَاسِعَۃٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ وسیع۔ کشادہ۔ فراخ۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے (۱) وسیع الفضل کثیر العطاء یعنی وسیع فضل والا اور بہت زیادہ عطا کرنے والا۔ یا (۲) ہر چیز پر اپنے علم وقدرت ورحمت وفضل سے احاطہ کرنے والا۔ آیت زیرِ مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴾ (5/المآئدہ:54) ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔'' ﴿ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُہَاجِرُوۡا فِیۡہَا ﴾

(4/النساء:97) ''فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تا کہ تم ہجرت کرتے اس میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔
مولانا مودودیؒ آلِ عمران کی آیت 73 ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ''اصل میں لفظ 'وَاسِع' استعمال ہوا ہے جو بالعموم قرآن میں تین مواقع پر آیا کرتا ہے۔ ایک وہ موقع جہاں انسانوں کے کسی گروہ کی تنگ خیالی و تنگ نظری کا ذکر آتا ہے اور اُسے اس حقیقت پر متنبہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اللہ تمہاری طرح تنگ نظر نہیں ہے۔ دوسرا وہ موقع جہاں کسی کے بخل اور تنگ دلی اور کم حوصلگی پر ملامت کرتے ہوئے یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ فراخ دست ہے، تمہاری طرح بخیل نہیں ہے۔ تیسرا وہ موقع جہاں لوگ اپنے تخیل کی تنگی کے سبب سے اللہ کی طرف کسی قسم کی محدودیت منسوب کرتے ہیں اور انہیں یہ بتانا ہوتا ہے کہ اللہ غیر محدود ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ا، ص ۲۶۵)۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں 8 دفعہ استعمال ہوا ہے اور ہر دفعہ 'ال' کے بغیر استعمال ہوا ہے۔

(افعال) اِيْسَاعًا مال دار ہونا۔ کسی کو مال دار بنانا۔ بہت خرچ کرنا۔ کشادہ کرنا۔ کسی چیز کو گنجائش کے مطابق بنانا۔ کسی کام کی طاقت و قدرت رکھنا۔ وسعت والا ہونا۔ یہ فعل لازم اور متعدی، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

مُوْسِعٌ ج: مُوْسِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
(ا) مال دار۔ وسعت والا۔ ﴿ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ﴾ (2/البقرۃ:236) ''وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔''
(۲) قدرت رکھنے والا۔ طاقت رکھنے والا۔ ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾ (51/الذریات:47) ''اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)
(۳) کشادہ کرنے والا۔ وسیع کرنے والا ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾ (51/الذریات:47) ''آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''اور ہم نے آسمان کو (قدرت) کے ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آپ نے نوٹ کیا کہ الذریت 47 کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ اس آیت کے تحت مُوْسِعُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصل الفاظ ہیں وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۔ موسع کے معنی طاقت و مقدرت رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں اور وسیع کرنے والے کے بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد سے نہیں بلکہ اپنے زور سے بنایا ہے اور اس کی تخلیق ہماری مقدرت سے باہر نہ تھی۔ پھر یہ تصور تم لوگوں کے دماغ میں آخر کیسے آ گیا کہ ہم تمہیں دوبارہ پیدا نہ کر سکیں گے؟ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو ہم بس ایک دفعہ بنا کر نہیں رہ گئے ہیں بلکہ مسلسل اس میں توسیع کر رہے ہیں اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہو رہے ہیں۔ ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم نے اعادۂ خلق سے عاجز کیوں سمجھ رکھا ہے؟'' (تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۱۵۱)

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے اور اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مبتداء مؤخر ہیں، خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر لِلّٰهِ کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ 'فَ' استئنافیہ ہے اَيْنَمَا کلمہ شرط بھی ہے اور ظرف مکان بھی ہے اور فعل تُوَلُّوْا سے متعلق ہے۔ تُوَلُّوْا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور اس کا مفعول وُجُوْهَكُمْ محذوف ہے اور فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جواب شرط ہے۔ اس میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ ثَمَّ ظرفِ مکان ہے اور محذوف خبر سے متعلق ہے۔ وَجْهُ اللّٰهِ، مرکب اضافی، مبتدا مؤخر ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اللّٰهُ اس کا اسم اور وَاسِعٌ اور عَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | وَلِلّٰهِ | الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ | فَاَيْنَمَا | تُوَلُّوْا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:115 | اور اللہ ہی کے لیے ہے | مشرق اور مغرب | پس جہاں کہیں بھی | تم لوگ پھیرو گے (اپنے چہروں کو) |

| فَثَمَّ | وَجْهُ اللّٰهِ ؕ | اِنَّ اللّٰهَ | وَاسِعٌ عَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|
| تو وہیں | اللہ کی توجہ ہے/ اللہ کی ذات ہے | بے شک اللہ | وسعت والا جاننے والا ہے |

**نوٹ۔1** یہ آیت تحویلِ قبلہ کے حکم سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اسے تحویلِ قبلہ کے حکم کی پیش بندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پہلو سے آیت میں مشرق اور مغرب کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھ لیں۔

مدینہ میں ہجرت کے بعد سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی گئی۔ اُس وقت مدینہ کے نمازیوں کا رُخ شمال کی طرف ہوتا تھا کیونکہ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے۔ تحویلِ قبلہ کے بعد اب مدینہ کے نمازیوں کا رُخ جنوب کی طرف ہوتا ہے کیونکہ خانۂ کعبہ مدینہ کے جنوب میں ہے۔ اب نوٹ کریں کہ اس آیت میں شمال اور جنوب کے بجائے مشرق اور مغرب کی بات کی گئی ہے۔ اس طرح گویا چاروں سمتوں کا احاطہ کر کے فرمایا فَاَيْنَمَا۔ جہاں کہیں بھی یعنی جس طرف بھی رُخ کرو، اللہ کی توجہ ہر طرف ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ۔2** اس میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی سمت میں مقید نہیں ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد عمل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص کو آزادی دے دی جائے کہ جس طرف اس کا جی چاہے رُخ کر کے نماز پڑھ لے۔ دوسری یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کوئی ایک سمت مقرر کی جائے۔ اسلام میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا عجیب ہے کہ نہ تو افراد کو آزادی ہے کہ جدھر جی چاہے رُخ کر کے نماز پڑھیں اور نہ ہی کسی ایک سمت کا تعین ہے۔ البتہ ایک رُخ کا تعین کیا ہے۔

ایک قبلہ مقرر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا ہر فرد پابند ہے کہ وہ اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے۔ اس طرح امت میں تنظیم اور اتحاد کی عملی تربیت کا اہتمام ہو گیا۔ اب ساری دنیا کے مسلمان جب قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو نہ صرف شمال وجنوب اور مشرق ومغرب بلکہ ان کے درمیان کے تمام زاویہ سمت کا خود بخود احاطہ ہو جاتا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت: 116

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | و ل د: البقرۃ آیت 83 دیکھیں۔ |
| س ب ح: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | بَلْ: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔ | |

**ق ن ت**

(ن) **قُنُوْتًا** خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔ فرمانبرداری کرنا۔ تابعداری کرنا۔ خاموشی کے ساتھ نماز میں کھڑا ہونا۔ گویا قنوت ایسی عبادت ہے جو پورے خشوع وخضوع اور توجہ سے کی جائے اور جس میں عاجزی بھی شامل ہو۔ یہ لفظ جب خاص نماز کے لیے بولا جائے جیسے: قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ تو وہاں ایسا شخص مراد ہوتا ہے جو عاجزی سے نماز میں اپنی نگاہ کو پست رکھے، ادھر ادھر نہ دیکھے، اپنے بدن یا کپڑوں سے نہ کھیلے اور نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے یاد کرے۔ اسی لیے جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: طُوْلُ الْقُنُوْتِ یعنی عبادت میں

ہمہ تن مصروف ہو جانا اور اللہ کے سوا ہر چیز سے توجہ ہٹا لینا۔ (بحوالہ مفردات القرآن)۔ اس کے ساتھ عام طور پر 'لِ' کا صلہ آتا ہے اور کبھی نہیں بھی آتا۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں قَنَتَ اللّٰهَ وَ قَنَتَ لِلّٰهِ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (33/ الاحزاب:31) ''اور جو فرمانبرداری کرے گی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی۔'' قرآنِ مجید میں اکثر 'لِ' کے صلے کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا۔ (واللہ اعلم)

**اُقْنُتِیْ** فعل امر میں واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ تو اطاعت کر، فرمانبرداری کر۔ ﴿ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ ﴾ (3/ آل عمران:43) ''اے مریم! آپ فرمانبرداری کریں اپنے رب کی۔''

**قَانِتٌ** ج: قَانِتُوْنَ۔ قَانِتِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ اطاعت کرنے والا۔ فرمانبرداری کرنے والا۔ عاجزی کرنے والا۔ نماز میں طویل قیام کرنے والا۔ بندگی پر قائم رہنے والا۔ ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىٕمًا ﴾ (39/ الزمر:9) ''یا وہ جو فرمانبرداری کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرنے والا اور قیام کرنے والا'' آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ﴾ (2/ البقرۃ: 238) ''اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔''

**قَانِتَةٌ** ج: قَانِتَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ اطاعت کرنے والی۔ فرمانبرداری کرنے والی۔ عاجزی کرنے والی۔ نماز میں طویل قیام کرنے والی۔ بندگی پر قائم رہنے والی۔ ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ﴾ (4/ النساء:34) ''پس نیک عورتیں تو اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں۔''

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اِتَّخَذَ فعل، اَللّٰهُ فاعل اور وَلَدًا مفعول، یہ جملہ فعلیہ قَالُوْا کا مقولہ ہے جبکہ سُبْحٰنَهٗ مفعول مطلق ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے اور یہاں یہ جملہ معترضہ ہے۔ بَلْ مقولہ کی تردید کے لیے آیا ہے اور اس سے پہلے كَلَّا محذوف ہے۔ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مَا مبتداء مؤخر ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے جبکہ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ متعلق خبر ہے۔ لَهٗ کا لام، لامِ تملیک ہے۔ كُلٌّ مبتداء نکرہ ہے، یہاں چونکہ ایک عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے اس لیے مبتداء نکرہ آیا ہے۔ قٰنِتُوْنَ خبر اور لَهٗ متعلق خبر ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:116**

| بَلْ لَّهٗ | سُبْحٰنَهٗ | وَلَدًا | اللّٰهُ | اتَّخَذَ | وَقَالُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| (بات یوں نہیں) بلکہ اس ہی کی ملکیت ہے | وہ پاک ہے (اس تہمت سے) | ایک بیٹا | اللہ نے | بنایا | اور انہوں نے کہا |

| قٰنِتُوْنَ | كُلٌّ لَّهٗ | فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | مَا |
|---|---|---|---|
| فرمانبرداری کرنے والے ہیں | سب اسی کی | آسمانوں اور زمین میں ہے | جو کچھ |

**نوٹ۔1** فعل اِتَّخَذَ دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ کس کو بنایا اور کیا بنایا؟ اس آیت میں مفعول اوّل (کس کو بنایا) محذوف ہے اور صرف مفعول ثانی (کیا بنایا) مذکور ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس طرح اس نوعیت کے تمام عقائد کی تردید ہو گئی ہے۔ اگر مفعول اوّل مذکور ہوتا تو صرف مذکورہ عقیدے کی تردید ہوتی۔

**نوٹ۔2** اولاد کی ضرورت صاحب اولاد کی ذات کے کسی نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً صاحبِ اولاد کی ذات کا فانی ہونا، تاکہ اولاد کی شکل میں اس کی ذات کا تسلسل برقرار رہے اور کوئی نام لینے والا ہو۔ یا صاحب اولاد کے کسی کام کا نامکمل رہ جانا۔ تاکہ اولاد اس کے کام کو آگے بڑھائے، وغیرہ وغیرہ۔ جملہ معترضہ سُبْحٰنَهٗ سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نوعیت کے نقص سے پاک ہے۔

## آیت: 117

﴿بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ع م ر د: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ | ل ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

**ب د ع**

(ف) **بَدۡعًا** نمونے کے بغیر اور کسی کی تقلید کیے بغیر پہلی بار کوئی چیز بنانا۔ ایجاد کرنا۔ ایسی چیز بنانا جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ قرآنِ مجید میں اس مصدر سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) **اِبۡدَاعًا** ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے۔ نیست سے ہست کرنا۔ عدم محض سے وجود میں لانا۔ نمونے کے بغیر اور کسی کی تقلید کیے بغیر پہلی بار کوئی چیز بنانا۔ ایجاد کرنا۔ ایسی چیز بنانا جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلۡاِبۡدَاعُ: کسی کی تقلید اور اقتداء کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا۔ اسی سے نئے کھودے ہوئے کنویں کو رَکِیَّۃٌ بَدِیۡعٌ کہا جاتا ہے۔ جب اِبۡدَاعٌ کا لفظ اللہ عزوجل کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے کسی شئے کو ایجاد کرنا اور یہ معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص۷۶)۔ انگریزی میں اسے Creation ex nihilo کہتے ہیں جس کا مطلب ہے Creation out of nothing۔ قرآنِ مجید میں اس مصدر سے بھی کوئی فعل استعمال نہیں ہوا۔

**بَدِیۡعٌ** فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی مُبۡدِعٌ (اسم الفاعل)۔ پیدا کرنے والا یعنی اس چیز کا پیدا کرنے والا جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ ایجاد کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''بَدِیۡعُ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ اُستاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے۔ بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانے والا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۵۹)۔ امام راغبؒ کے مطابق بَدِیۡعٌ کبھی اسم المفعول مُبۡدَعٌ کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔ جیسے (رَکِیَّۃٌ بَدِیۡعٌ) نیا کھودا ہوا کنواں لیکن شاید اسم المفعول کے معنوں میں یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

**بِدۡعٌ** صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اول معنی کے لحاظ سے بمعنی مُبۡدِعٌ ہوگا یعنی نئی باتیں کہنے والا اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بمعنی مُبۡدَعٌ ہوگا یعنی نیا، انوکھا۔ ﴿مَا کُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (46/الاحقاف:9) ''آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**بِدۡعَۃٌ** بغیر نمونے کے بنائی ہوئی چیز۔ اصطلاح شرع میں اس کا مطلب ہے دین میں داخل کی ہوئی کوئی نئی بات دین میں نئی رسم یعنی وہ عقیدہ یا عمل جس کی اصل نہ نبی کریمؐ کی سنت میں ملے اور نہ ہی سلف صالحین اور اصول شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ملے۔ ایک روایت میں ہے: ''کُلُّ مُحۡدَثَۃٍ بِدۡعَۃٌ وَکُلُّ بِدۡعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ کہ ہر نئی رسم بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔'' (بحوالہ مفردات القرآن، ج۱، ص۷۶)۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔

(افتعال) **اِبۡتِدَاعًا** اہتمام سے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ بدعت نکالنا۔ ﴿وَرَهۡبَانِیَّۃَ ۨ ابۡتَدَعُوۡهَا مَا کَتَبۡنٰهَا عَلَیۡهِمۡ﴾ (57/الحدید:27) ''اور رہبانیت! انہوں نے ایجاد کیا اس کو ہم نے واجب نہیں کیا جسے، ان پر۔''

ق ض ی

(ض) قَضَاءٌ کثیر المعنی لفظ ہے۔اس کا عام مفہوم ہے قولاً یا عملاً کسی کام کا فیصلہ کر دینا۔قضاء قولی ہو یا بشری، عملی ہو یا الٰہی بہرحال اس میں فیصلہ کر دینے، کسی بات کے متعلق ارادہ کر لینے، حکم دینے، عمل ختم کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔صلہ اور سیاق وسباق کی مناسبت سے اس کے مختلف معنی ہیں۔مثلاً:

(۱) کسی چیز کو مضبوطی سے بنانا۔﴿ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾(41/حٰمٓ السجدۃ:12)''پس بنا دیا انہیں سات آسمان۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(۲) کسی بات یا کام کا فیصلہ کرنا، حکم دینا۔﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾(17/بنی اسرائیل:23)''اور فیصلہ کیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر اس کی۔''﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ ﴾(40/المومن:20)''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوائے نہیں فیصلہ کرتے کچھ بھی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔جب اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے فریقین کے مابین جھگڑے کا آخری فیصلہ کرنا اور اس فیصلے کو نافذ بھی کرنا۔قاضی عام لفظ ہے۔عربی میں کہتے ہیں قَضَى الْحَاكِمُ بِكَذَا، حاکم نے فلاں فیصلہ کیا۔حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا: عَلِيٌّ اَقْضَاكُمْ حضرت علیؓ تم میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔فیصلے کے سلسلے میں قَضٰی کا استعمال اس وقت ہوگا جبکہ اس فیصلے کے نفاذ کی قوت بھی موجود ہو۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِــيْمًا ۝ ﴾(4/النساء:65)''سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو اُن میں اُٹھے پھر وہ نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۳) کسی کام کو یا کسی ذمہ داری کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾(2/البقرہ:200)''پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ ﴾(28/القصص:28)''میں اِن دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

(۴) کسی کو آگاہ کرنا۔کسی کو بتانا۔اطلاع دینا۔ان معنوں میں عام طور پر اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ ﴾(15/الحجر:66)''اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوطؑ کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴾(17/بنی اسرائیل:4)''اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) قَضٰی وَطَرَهٗ: حاجت پوری کرنا۔مراد کو پہنچنا۔﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ﴾(33/الزمر:37)''پھر جب زیدؓ تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔اس آیت کے حاشیے میں حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں:
''یعنی حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی، حضرت زینبؓ سے کچھ غرض مطلب نہ رہا۔''(تفسیر عثمانیؒ:۵۶۲)۔

(۶) عربی زبان میں قَضٰی نَحْبَهٗ، قَضٰی اَجَلَهٗ اور قُضِیَ عَلَيْهِ کا مطلب مرنا ہوتا ہے۔چنانچہ کہتے ہیں فُلَانٌ قَضٰی نَحْبَهٗ یعنی اس نے اپنے دیناوی امور، جو اس کے ساتھ مخصوص تھے پورے کر لیے یعنی وہ فوت ہو گیا۔اسی طرح کہتے ہیں ضَرَبَهٗ فَقَضٰی عَلَيْهِ، اس نے اس کو مارا اور اسے مار ہی ڈالا۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾(33/الزمر:23)''تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ یعنی شہید ہو گئے اور آخر تک ثبات میں فرق نہ آنے دیا۔ نحب کے لفظی معنی نذر کے ہیں۔ اور قضٰى نَحْبَهٗ کے معنی ہوئے کہ اس نے اپنی نذر اُتاری۔ محاورہ میں کنایہ وفات پا جانے سے ہوتا ہے۔ اور یہی معنی سلف سے منقول ہے۔''

(تفسیر ماجدی، ص ۸۶۱)

(۷) دور کرنا۔ ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ﴾(22/الحج:29)''پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں۔'' اس آیت مبارکہ میں قضٰى کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ''قضٰى کا لغوی معنی دُور کرنا نہیں بلکہ جب اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو ذمہ داری کو پورا کرنا ہوتا ہے البتہ درج ذیل آیت میں اپنی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے اس کا معنی دور کرنا کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی کام کی تکمیل کا حصہ ہے۔'' (مترادفات القرآن، ص ۴۹۴)

**اِقْضِ** ج: اِقْضُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴾ (20/طٰہٰ:72)''پس تو فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنے والا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو فیصلہ کرے گا اس دنیا کی زندگی کا۔''

**قَاضٍ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ فیصلہ کرنے والا۔ قاضی۔ حاکم شرعی۔ اوپر آیت نمبر (20/طٰہٰ:72) دیکھیں۔

**قَاضِيَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ فیصلہ کرنے والی۔ ختم کرنے والی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴾ (69/الحاقۃ:27)''اے کاش! موت نے ہی میرا قصہ تمام کر دیا ہوتا۔'' اس آیت مبارکہ میں یہ لفظ ''ختم کرنے والی'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ایسی موت جس کے بعد زندگی نہ ہو۔ عربی میں موت کو بھی القاضیہ کہہ دیتے ہیں، چنانچہ اَتَتْ عَلَيْهِ الْقَاضِيَةُ کا معنی ہے، اسے موت آئی۔ (واللہ اعلم)۔

**مَقْضِيٌّ** اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ طے شدہ۔ مقرر۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾(19/مریم:21)''اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔''

**ترکیب** مرکب اضافی بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خبر ہے۔ اس کا مبتداء هُوَ محذوف ہے۔ اِذَا کلمہ شرط، قَضٰٓى اَمْرًا شرط اور فَاِنَّمَا سے فَيَكُوْنُ تک جواب شرط ہے۔ لَهٗ میں ہ ضمیر اَمْرًا کے لیے ہے۔ كُنْ فعل امر ہے اور تامہ ہے۔ اس کے جواب امر پر 'ف' داخل ہوا ہے جس سے يَكُوْنَ (حالت نصب) میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ حالت رفع میں ہے۔ چنانچہ نحوی علماء کے مطابق یہاں 'هُوَ' محذوف ہے۔ یعنی یہ جملہ یوں ہے كُنْ فَهُوَ يَكُوْنُ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ البقرۃ:117**

| اَمْرًا | قَضٰٓى | وَاِذَا | بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ |
|---|---|---|---|
| کسی کام کا | وہ فیصلہ کرتا ہے | اور جب بھی | (وہ) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے |

| فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ | كُنْ | لَهٗ | يَقُوْلُ | فَاِنَّمَا |
|---|---|---|---|---|
| پس (وہ) ہو جاتا ہے | تو ہو جا | اس کو | وہ کہتا ہے | تو بس |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''نیست سے ہست کرنے، عدم محض سے موجود کرنے کو عربی میں ابداع کہتے ہیں یعنی نہ پہلے اس کا کوئی مادہ ہو نہ نمونہ اور نہ بنانے کے آلات موجود ہوں۔ اس ایک لفظ سے ردّ ہو گیا ان لوگوں کا (مثلاً آریہ سماجی وغیرہ) جو کہتے ہیں کہ رُوح بھی ہمیشہ سے موجود ہے اور مادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ ایک ماہر کاریگر کی طرح مادے کے مختلف اجزاء ایک خاص تناسب سے باہم ملا

دیے اور رنگ برنگ چیزیں نمودار ہوگئیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صانع ہی نہیں بلکہ بدیع ہے۔ اُس نے آسمان اور زمین کو محض اپنے اِرادہ سے بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا فرمایا۔'' (تفسیر ضیاء القرآن، ج ا، ص ۸۸)۔

**نوٹ:2** آیت کے آخری حصے یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ کے متعلق حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یَقُوْلُ کہتا ہے'' کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دوحرفی لفظ کُنْ بولتا ہے۔ لفظ وحروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوب تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ اُدھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور اِدھر معاً اور بلاتوسط وتوقف اس کا ظہور عملاً ہوگیا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۵۹)

## آیت:118

﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ؕ تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | لَوْلَا: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | ک ل م: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ش ب ہ: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ی ق ن: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** ''وَ'' استئنافیہ ہے۔ قَالَ فعل اور اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ موصول اور صلہ مل کر اس کا فاعل ہیں۔ لَوْلَا حرف تحضیض ہے۔ یُکَلِّمُ فعل، ضمیر مفعولی نَا اس کا مفعول اور اَللّٰہُ فاعل ہے۔ اَوْ عطف کا ہے اور تَاْتِیْ فعل، ضمیر مفعولی نَا اس کا مفعول اور اٰیَۃٌ فاعل ہے۔ کَذٰلِکَ قَالَ میں قَالَ کا فاعل اسم موصول اَلَّذِیْنَ ہے۔ مِنْ قَبْلِھِمْ اس سے متعلق ہے اور اس کا مفعول قَوْلًا محذوف ہے۔ آگے مِثْلَ اس کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تَشَابَھَتْ فعل اور قُلُوْبُھُمْ اس کا فاعل ہے۔ قَدْ تاکید کے لیے ہے اور بَیَّنَّا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے۔ اَلْاٰیٰتِ اس کا مفعول ہے۔ لِقَوْمٍ متعلق فعل ہے اور قَوْمٍ نکرہ موصوفہ ہے، اس کی صفت جملہ فعلیہ یُوْقِنُوْنَ ہے۔ قَوْمٌ اسم جمع ہے، اس لیے صفت جمع آئی ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:118**

| وَقَالَ | الَّذِیْنَ | لَا یَعْلَمُوْنَ | لَوْلَا | یُکَلِّمُنَا | اللّٰہُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور کہا | ان لوگوں نے جو | نہیں جانتے | کیوں نہیں | کلام کرتا ہم سے | اللہ |

| اَوْ | تَاْتِیْنَآ | اٰیَۃٌ ؕ | کَذٰلِکَ | قَالَ | الَّذِیْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| یا (کیوں نہیں) | آتی ہمارے پاس | کوئی نشانی | اسی طرح | کہی | اُن لوگوں نے جو |

| مِنْ قَبْلِھِمْ | مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ؕ | تَشَابَھَتْ | قُلُوْبُھُمْ ؕ |
|---|---|---|---|
| ان سے پہلے (گزرے) تھے (ایک بات) | ان کی بات کی طرح | ملتے جلتے ہوگئے | ان کے دل |

| قَدْ بَیَّنَّا | الْاٰیٰتِ | لِقَوْمٍ | یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ |
|---|---|---|---|
| بیشک ہم واضح کرچکے ہیں | نشانیوں کو | ایسے لوگوں کے لیے جو | یقین رکھتے ہیں |

## آیت:119

﴿ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ وَّ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۱۹﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| د س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ب ش ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ن ذ ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ص ح ب: البقرۃ آیت 39 دیکھیں۔ |

**ج ح م**

(س)(ح) جَحۡمًا آگ کا سخت بھڑکنا۔ عربی میں کہتے ہیں جَحِمَ وَجۡھُہٗ مِنۡ شِدَّۃِ الۡغَضَبِ، اس کا چہرہ غصے کی شدت سے بھڑک اٹھا۔

جَحِیۡمٌ دھکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔

**ترکیب** اِنَّآ دراصل اِنَّ نَا ہے۔ ضمیر منصوبہ نَا، اِنَّ کا اسم ہے۔ اَرۡسَلۡنٰکَ سے نَذِیۡرًا تک جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ اَرۡسَلۡنَا فعل ہے، اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر اس کا فاعل ہے اور ضمیر مفعولی کَ مفعول ہے۔ بِالۡحَقِّ متعلق فعل ہے جبکہ بَشِیۡرًا اور نَذِیۡرًا ضمیر مفعولی کَ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ تُسۡـَٔلُ مضارع مجہول ہے اور اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر نائب الفاعل ہے۔

| ترجمہ | اِنَّآ | اَرۡسَلۡنٰکَ | بِالۡحَقِّ | بَشِیۡرًا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:119 | بیشک ہم نے | بھیجا آپؐ کو | حق کے ساتھ | خوشخبری دینے والا |

| وَّنَذِیۡرًا | وَّلَا تُسۡـَٔلُ | عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ |
|---|---|---|
| اور خبردار کرنے والا | اور آپؐ سے نہیں پوچھا جائے گا | دوزخ والوں کے بارے میں |

## آیت:120

﴿ وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۲۰﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ھ و د: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ھ و ی: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ |
| و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | | |

**ر ض و**

(س) رِضًی اور مَرۡضَاۃً (ا) کسی سے راضی ہونا۔ خوش ہونا۔ اس معنی میں عموماً عَنۡ یا عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔ جیسے رَضِیَ عَنۡہُ و رَضِیَ عَلَیۡہِ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ﴾ (5/المائدہ:119) ’’اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی

ہوئے اس سے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا یہ ہے کہ جو کچھ قضائے الٰہی سے اس پر وارد ہو وہ اسے خوشی سے برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کے بندے پر راضی ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اسے اپنے اوامر کا بجالانے والا اور منہیات سے رکنے والا پائے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص۴۰۰)

(۲) کسی چیز کو پسند کرنا۔ اس معنی میں بِ یا فِیْ کا صلہ آتا ہے یا مفعول بنفسہ آتا ہے۔ جیسے رَضِیَ بِہٖ وَفِیْہِ۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ ﴾ (9/التوبۃ:38) ''کیا تم لوگوں نے پسند کیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں۔'' ﴿ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ ﴾ (5/المآئدۃ:3) ''اور میں نے پسند کیا تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔''

**مَرۡضَاۃٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے بمعنی خوشنودی۔ ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:207) ''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔''

**رَاضِیَۃٌ** فَاعِلٌ کے مؤنث فَاعِلَۃٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ راضی ہونے والی۔ پسند کرنے والی۔ ﴿ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعۡیِہَا رَاضِیَۃٌ ۙ﴿۹﴾ ﴾ (88/الغاشیۃ:8) ''کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنی کوشش پر راضی ہوں گے۔'' یہ لفظ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی پسندیدہ۔ ﴿ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ﴿ۙ۲۱﴾ ﴾ (69/الحاقۃ:21) ''پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَرۡضِیٌّ** اسم المفعول ہے۔ پسند کیا ہوا۔ پسندیدہ۔ ﴿ وَکَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا ﴿۵۵﴾ ﴾ (19/مریم:55) ''اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔'' نوٹ: یاد رہے ناقص کے اسم المفعول کا وزن مَفۡعِیٌّ ہے۔

**مَرۡضِیَّۃٌ** ناقص کے اسم المفعول کے وزن مَفۡعِیٌّ کا مؤنث ہے۔ پسند کیا ہوا۔ پسندیدہ۔ ﴿ یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ﴿٭ۖ۲۷﴾ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ﴿ۚ۲۸﴾ ﴾ (89/الفجر:27-28) ''اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

**رَضِیٌّ** فَعِیۡلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں صفت ہے۔ پسندیدہ۔ ﴿ وَاجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾ ﴾ (19/مریم:6) ''اور تو بنا اس کو، اے میرے رب، پسندیدہ۔''

**رِضۡوَانٌ** اسم ذات ہے۔ رضائے کثیر۔ بہت بڑی رضامندی۔ نہایت خوشنودی کو رضوان کہتے ہیں۔ چونکہ سب سے بڑی رضامندی اللہ کی ہے اسی لیے قرآن مجید میں رضوان جہاں بھی استعمال ہوا ہے، رضائے الٰہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ﴾ (9/التوبۃ:72) ''اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی ہے۔''

(افعال) **اِرۡضَاءً** کسی کو راضی کرنا۔ ﴿ یُرۡضُوۡنَکُمۡ بِاَفۡوَاہِہِمۡ ﴾ (9/التوبۃ:8) ''وہ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے منہ سے یعنی اپنی باتوں سے۔''

(تفاعل) **تَرَاضٍ** باہم ایک دوسرے سے راضی ہونا۔ ﴿ فَلَا تَعۡضُلُوۡہُنَّ اَنۡ یَّنۡکِحۡنَ اَزۡوَاجَہُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ (2/البقرۃ:232) ''تو نہ منع کرو انہیں کہ نکاح کرلیں اپنی خاوندوں سے جبکہ رضامند ہوجائیں آپس میں مناسب طریقے سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟ ﴾ (4/النساء:29) ''سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی سے۔''

(افتعال) **اِرۡتِضَاءً** اہتمام سے پسند کرنا۔ ﴿ وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی ﴾ (21/الانبیاء:28) ''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لیے وہ پسند کرے۔''

**م ل ل**

(ن-س) مَلًّا، مَلَالًا، مَلَالَۃً: کسی چیز کو انگاروں پر رکھنا۔ گرم راکھ پر روٹی پکانا۔ غم لاحق ہونا۔ ملال لاحق ہونا۔ مرض یا غم کی وجہ سے تڑپنا۔ کسی چیز سے تنگ دل ہونا۔ اکتا جانا۔ اِن مصادر سے کوئی فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا البتہ ایک حدیث میں ہے: تَکَلَّفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا ''وہ اعمال کرو جن کی طاقت تم میں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو اکتائے گا نہیں آخر کار تم ہی اکتا جاؤ گے۔ (بحوالہ مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۰۸)۔

(افعال) اِمْلَالًا، اِمْلَاءً: کسی کو کوئی چیز لاحق کرنا۔ املاء کرانا۔ مضمون کو بول کر لکھوانا۔ ﴿ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ ﴾ (2/البقرۃ:282) ''اور چاہیے کہ وہ لکھوائے جس پر حق ہے۔''

مِلَّۃٌ: اسم ذات ہے۔ دستور۔ عقائد۔ کسی مجموعہ عقائد پر عمل کرنے والے افراد کا گروہ۔ دین۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ﴾ (12/یوسف:37) ''بیشک میں نے چھوڑا ایسی قوم کے عقائد کو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر۔'' مِلَّۃٌ کی مزید تفصیل الفاتحہ:3 کے تحت دیکھیں۔

**ترکیب**

''وَ'' استینافیہ ہے۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے، اسی لیے تَرْضٰی حالت نصب میں ہے۔ اَلْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی فعل تَرْضٰی کے فاعل ہیں، جبکہ عَنْکَ متعلق فعل ہے۔ حَتّٰی بھی نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَتَّبِعَ حالت نصب میں ہے۔ مِلَّتَھُمْ اس کا مفعول ہے۔ آگے قُلْ فعل امر ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ھُدَی اللّٰہِ مرکب اضافی ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ ھُوَ ضمیر فاصل ہے کیونکہ اِنَّ کی خبر پر لام جنس آنے کی وجہ سے اَلْھُدٰی معرف باللام ہے۔ ''وَ'' استینافیہ ہے۔ لَئِنِ حرف شرط ہے۔ اس میں اِنْ شرطیہ پر لام تاکید ہے۔ اِتَّبَعْتَ سے مِنَ الْعِلْمِ تک شرط ہے اور مَا لَکَ سے نَصِیْرٍ تک جواب شرط ہے۔ اِتَّبَعْتَ فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنْتَ اس کا فاعل ہے۔ اَھْوَآءَھُمْ اس کا مفعول ہے۔ بَعْدَ ظرف ہے اور اِتَّبَعْتَ سے متعلق ہے۔ اگلہ جملہ اَلَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ، بَعْدَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ جَآءَ کا فاعل اَلْعِلْمِ ہے جو مِنْ کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ مَا نافیہ ہے، لَکَ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِنَ اللّٰہِ، وَّلِیٍّ سے متعلق ہے اور وَّلِیٍّ اور نَصِیْرٍ، دونوں مبتدا مؤخر ہیں اور مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔

**ترجمہ**
البقرۃ:120

| وَلَنْ تَرْضٰی | عَنْکَ | اَلْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی | حَتّٰی | تَتَّبِعَ |
|---|---|---|---|---|
| اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے | آپؐ سے | یہودی اور نہ ہی عیسائی | یہاں تک کہ | آپؐ پیروی کریں |

| مِلَّتَھُمْ ؕ | قُلْ | اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ | ھُوَ الْھُدٰی ؕ | وَلَئِنِ |
|---|---|---|---|---|
| ان کے دین کی | آپؐ کہیے | بیشک اللہ کی ہدایت | ہی اصل ہدایت ہے | اور اگر (بفرض محال) |

| اتَّبَعْتَ | اَھْوَآءَھُمْ | بَعْدَ الَّذِیْ | جَآءَکَ | مِنَ الْعِلْمِ ۙ |
|---|---|---|---|---|
| آپؐ نے پیروی کی | ان کی خواہشات کی | اس کے بعد جو | آیا آپؐ کے پاس | العلم (علم وحی) میں سے |

| مَا لَکَ | مِنَ اللّٰہِ | مِنْ وَّلِیٍّ | وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ |
|---|---|---|---|
| تو نہیں ہوگا آپؐ کے لیے | اللہ (کے مقابلے میں) | نہ کوئی یار | اور نہ ہی کوئی مددگار |

**نوٹ**

آیت مبارکہ کے آخری حصے کے متعلق حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپؐ ایسا کریں تو قہر الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے امت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھرے گا تو اس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکے گا۔''

(تفسیر عثمانی، ص ۲۳)

## آیت: 121

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ت ل و: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | خ س ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اَلَّذِيْنَ، اسم موصول ہے اور اٰتَيْنَا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے، اس کا مفعول اوّل هُمْ ہے اور اس کا مفعول ثانی اَلْكِتٰبَ ہے۔ یہ پورا جملہ اَلَّذِيْنَ کا صلہ ہے۔ صلہ اپنے موصول سے مل کر مبتدا ہے۔ اگلے دو جملے اس کی خبریں ہیں۔ پہلی خبر يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ہے جس میں يَتْلُوْنَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے، اس کا مفعول هٗ کی ضمیر ہے جو اَلْكِتٰبَ کے لیے ہے، جبکہ مرکب اضافی حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اس کا مفعول مطلق ہے اس لیے حَقَّ پر نصب آئی ہے یعنی یہ جملہ یوں تھا يَتْلُوْنَهٗ تِلَاوَةً حَقًّا (حقانی)۔ حَقًّا اصل میں تِلَاوَةً کی صفت ہے۔ یاد کر لیجئے کہ مفعول مطلق یوں بھی استعمال ہو جاتا ہے کہ اصل فعل کا مصدر کسی اسم صفت کا مضاف الیہ ہو جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے۔ ایسی صورت میں مضاف کو نصب دے دی جاتی ہے، جیسے: خَاطَبَ اَفْصَحَ خِطَابٍ میں خِطَابٍ مصدر ہے خَاطَبَ کا اور مضاف الیہ واقع ہوا ہے۔ دوسری خبر اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ہے جو کہ پھر ایک جملہ اسمیہ ہے۔ اُولٰۗىِٕكَ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اس کی خبر ہے۔ اور بِهٖ میں ہ کی ضمیر اَلْكِتٰبَ کے لیے ہے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ میں وَ کو استئنافیہ بھی مانا گیا ہے اور عاطفہ بھی۔ مَنْ شرطیہ ہے اس لیے يَكْفُرْ بِهٖ مضارع مجزوم ہے اور یہ شرط ہے۔ جبکہ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ جواب شرط ہے۔

**ترجمہ**

| ترجمہ | اَلَّذِيْنَ | اٰتَيْنٰهُمُ | الْكِتٰبَ | يَتْلُوْنَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:121 | وہ لوگ | ہم نے دی جن کو | کتاب | وہ لوگ اسے اس طرح پڑھتے ہیں |

| حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ | اُولٰۗىِٕكَ | يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ | وَمَنْ |
|---|---|---|---|
| جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے | وہ لوگ | ایمان لاتے ہیں اس پر | اور جو |

| يَّكْفُرْ بِهٖ | فَاُولٰۗىِٕكَ | هُمُ الْخٰسِرُوْنَ |
|---|---|---|
| انکار کرے گا اس کا | تو وہ لوگ | ہی نقصان اٹھانے والے ہیں |

**نوٹ: 1**

آیت مبارکہ میں اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اَلْكِتٰبَ سے مراد تورات ہے۔ ایک رائے کے مطابق آیت کے الفاظ کو عام رکھا جائے۔ اس صورت میں شریعت موسوی میں تورات، شریعت عیسوی میں انجیل اور شریعت محمدیؐ میں قرآن مجید پر الکتب کا اطلاق ہوگا۔ اس مقام پر استاد محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کی کتاب ''مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

**نوٹ: 2**

مادہ ''ت ل و'' کی لغت میں (البقرہ:44) یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ لفظ تلاوت کا مطلب ہے کتاب پڑھ کر اس کی پیروی کرنا۔ اس لیے حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کا تعلق شریعت پر عمل کرنے سے ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی دل سے اس کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف و تغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔ یتبعونه حق اتباعه (ابن عباسؓ) لا یحرفون الکلم عن مواضعه ولا یتأوّلونه علی غیر الحق (کبیر بحوالہ تفسیر ماجدی، ص ۶۱)

## آیت: 122_123

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِسْرَاۗءِيْلَ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ن ع م: الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔ |
| ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ج ز ی: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |
| ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ع د ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ن ف ع: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ |
| ش ف ع: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | |

**ترکیب:122** آیت 122 کی ترکیب کے لیے آیت 40 اور آیت 47 دیکھیں۔

**ترکیب:123** اِتَّقُوْا فعل امر ہے اور يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ آیت کا اگلہ حصہ يَوْمًا کی صفات بیان کر رہا ہے۔ چنانچہ لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا، يَوْمًا کی پہلی صفت ہے وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ، يَوْمًا کی دوسری صفت ہے۔ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ، يَوْمًا کی تیسری صفت اور وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ، اس کی چوتھی صفت ہے۔ درمیان میں سارے 'وٗ' عطف کے ہیں۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:122-123**

| يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ | اذْكُرُوْا | نِعْمَتِيَ | الَّتِيْٓ | اَنْعَمْتُ |
|---|---|---|---|---|
| اے اسرائیلؑ کے بیٹو | تم لوگ یاد کرو | میری نعمت کو | جس کو | میں نے انعام کیا |

| عَلَيْكُمْ | وَاَنِّىْ | فَضَّلْتُكُمْ | عَلَي الْعٰلَمِيْنَ |
|---|---|---|---|
| تم پر | اور یہ کہ | میں نے فضیلت دی تم کو | تمام جہانوں پر |

| وَاتَّقُوْا | يَوْمًا | لَّا تَجْزِيْ | نَفْسٌ | عَنْ نَّفْسٍ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم لوگ ڈرو | ایک ایسے دن سے جب | کام نہیں آئے گی | کوئی جان | کسی جان کے |

| شَـيْــــًٔـا | وَّلَا يُقْبَلُ | مِنْهَا | عَدْلٌ | وَّلَا تَنْفَعُهَا |
|---|---|---|---|---|
| کچھ بھی | اور قبول نہیں کیا جائے گا | اس سے | کوئی بدلہ | اور فائدہ نہیں دے گی اسے |

| شَفَاعَةٌ | وَّلَا ھُمْ | يُنْصَرُوْنَ |
|---|---|---|
| کوئی سفارش | اور نہ ہی وہ | مدد کیے جائیں گے |

**نوٹ** عمدہ کلام کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ بات کی ابتداء جامع بات سے ہوتی ہے۔ پھر اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے اور بات ختم کرتے وقت خلاصہ کے طور پر جامع بات کو دوبارہ بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں تکبر بہت بری چیز ہے۔ پھر تکبر کی تعریف، اس کی علامت، اس کے اثرات اور نقصانات بیان کرنے کے بعد بات ختم کرتے ہوئے کہیں ''غرضیکہ تکبر بہت بری چیز ہے۔''

آیاتِ زیرِ مطالعہ میں آیت نمبر 47 کو لفظ بہ لفظ اور آیت نمبر 48 کو تھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔ یہ وہی بلاغت کا انداز ہے اور مقصد ہے تاکید وتنبیہ۔ چنانچہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل کو جو باتیں شروع میں یاد دلائی گئیں تھیں اب اُن کے سب حالات ذکر کرنے کے بعد پھر وہی امور بغرض تاکید وتنبیہ یاد دلائے گئے کہ خوب دل نشین ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں اور معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود اس قصہ سے یہ ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۲۳)

## آیت: 124

﴿ وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ب ل و: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | ک ل م: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ | ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ء م م: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | |

**ت م م**

(ن) **تَمَامًا**: عربی میں تَمَّ یا تَمَامُ الشَّیْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کا اس حد تک پہنچ جانا کہ جس کے بعد اسے کسی خارجی چیز کی ضرورت باقی نہ رہے۔ یعنی کسی چیز کی ہر کمی یا نقص کا دور ہو جانا۔ پورا ہونا۔ تمام ہونا۔ اس کی ضد ناقص ہے۔ ﴿ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ ﴾ (6/الانعام:115) ''اور پورا ہوا تیرے رب کا فرمان۔'' ﴿ ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ ﴾ (6/الانعام:154) ''پھر عطا فرمائی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت اُن پر جو نیک عمل کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) **اِتْمَامًا**: پورا کرنا۔ تمام کرنا۔ کسی ناقص اور نا تمام چیز کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ ﴾ (5/الانعام:3) ''آج میں نے مکمل کیا تمہارے لیے تمہارے دین کو اور میں نے تمام کی تم پر اپنی نعمت۔'' اس کا استعمال عموماً گنتی، مقدار یا مدت کو پورا کرنے کے لیے آتا ہے۔ مثلاً:

(۱) گنتی کے لیے: ﴿ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِکَ ﴾ (28/القصص:27) ''اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔''

(۲) مقدار کے لیے: ﴿ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ ﴾ (5/المائدۃ:3) ''اور میں نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔''

(۳) مدت کے لیے: ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔''

(مترادفات القرآن، ص ۲۹۲)

**اَتۡمِمۡ**: ج: اَتِمُّوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو پورا کر۔ ﴿ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا ﴾ (66/التحریم:8) ''اے ہمارے رب! تو پورا کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو۔'' ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''پھر تم پورا کرو روزے کو رات تک۔''

**مُتِمٌّ**: اسم الفاعل ہے۔ پورا کرنے والا۔ ﴿ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ ﴾ (61/الصف:8) ''اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔''

**ذ ر ر**

(ن) **ذَرًّا**: کوئی چیز چھڑکنا یا پھیلانا۔ دانہ بونا۔

ذَرَّۃٌ اسم ذات ہے۔ ذرہ۔ عرب لال رنگ کی سب سے چھوٹی چیونٹی کو ذرہ کہتے تھے اور کسی چیز کے کم وزن اور حقیر ہونے میں اس کو بطورِ مثال پیش کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک ذرہ چیونٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ انسان جب زمین پر ہاتھ مارتا ہے تو اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے وہ ذرہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گردوغبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ اکثر بزرگوں نے پہلے معنی کو ہی ترجیح دی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ﴾ (99/الزلزال:7) ''اور جو کرے گا کسی ذرہ کے ہم وزن کوئی بھلائی تو وہ دیکھے گا اس کو۔''

ذُرِّیَّۃٌ ج: ذُرِّیَّاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ نسل۔ اولاد۔ اصل میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا نام ذریۃ ہے مگر عرف میں چھوٹی اور بڑی سب اولاد کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے اور اگرچہ اصل میں یہ جمع ہے مگر واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اولاد سے عام ہے۔ اس میں بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں سب شامل ہیں۔ ذُرِّیَّۃٌ کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) یہ ذَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی پیدا کرنے اور پھیلانے کے ہیں اور اس کی ہمزہ متروک ہوگئی ہے جیسے کہ رَوِیَّۃٌ اور بَرِیَّۃٌ ہیں۔ (۲) اس کی اصل ذُرُوِیَّۃٌ ہے۔ (۳) ذَرٌّ سے جس کے معنی بکھیرنے کے ہیں فُعۡلِیَّۃٌ کے وزن پر ہے جیسے قُمۡرِیَّۃٌ۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ﴾ (3/آل عمران:38) ''اے میرے رب! تو عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد۔'' ﴿رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ﴾ (25/الفرقان:74) ''اے ہمارے رب! تو عطا کر ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔''

## ن ی ل

(س)(ض) نَیۡلًا کسی چیز کو پانا۔ مطلوبہ چیز حاصل کرنا۔ پہنچنا۔ عربی میں اَلنَّیۡلُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔ ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ (3/آل عمران:92) ''ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہِ خدا میں) ان چیزوں میں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَ لَا دِمَآؤُہَا﴾ (22/الحج:37) ''ہرگز نہیں پہنچتا اللہ کو ان کا گوشت اور نہ ہی ان کا خون۔''

نَیۡلٌ اسم ذات بھی ہے۔ مطلوبہ چیز جو حاصل کی جائے۔ ﴿وَ لَا یَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّیۡلًا﴾ (9/التوبہ:120) ''اور وہ لوگ حاصل نہیں کرتے دشمن سے کوئی مطلوبہ چیز۔'' اس آیت میں اگر نَیۡلًا مصدر ہوتا تو جملے میں اس کی جگہ شَیْئًا آتا چنانچہ یہ اسم ذات ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## ترکیب

'وَ' استینافیہ ہے اور اِذۡ ظرف زمان ہے۔ اس سے پہلے اُذۡکُرۡ یا اُذۡکُرُوۡا محذوف ہے۔ اِبۡتَلٰی فعل، اِبۡرٰھٖمَ مفعول اور رَبُّہٗ فاعل ہے۔ رَبُّہٗ میں ہٗ ضمیر حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہے۔ جبکہ بِکَلِمٰتٍ متعلق فعل ہے۔ 'فَ' عطف کا ہے۔ اَتَمَّ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ھُوَ ضمیر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہے اور ھُنَّ ضمیر مفعولی ہے جو کَلِمٰتٍ کے لیے ہے۔ اِنِّیۡ میں اِنَّ کے ساتھ اس کا اسم یائے متکلم ہے اور جَاعِلُکَ اِمَامًا اس کی خبر ہے۔ جبکہ لِلنَّاسِ متعلق خبر ہے۔ اسم الفاعل جَاعِلٌ مضاف ہونے کی وجہ سے جَاعِلُ آیا ہی اور فعل کا کام کر رہا ہے۔ ضمیر مفعولی کَ اس کا مفعول اوّل اور اِمَامًا مفعول ثانی ہے۔ لَا یَنَالُ کا فاعل عَھۡدِیۡ ہے اور اَلظّٰلِمِیۡنَ مفعول ہے۔

| ترجمہ | وَاِذِ ابْتَلٰۤى | اِبْرٰهٖمَ | رَبُّهٗ | بِكَلِمٰتٍ | فَاَتَمَّهُنَّ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:124 | اور (یاد کرو) جب آزمایا | حضرت ابراہیمؑ کو | ان کے رب نے | کچھ فرمانوں سے | تو انہوں نے پورا کیا ان کو |

| قَالَ | اِنِّیْ | جَاعِلُكَ | لِلنَّاسِ |
|---|---|---|---|
| اللہ تعالیٰ نے فرمایا | کہ بے شک میں | بنانے والا ہوں آپؑ کو | لوگوں کے لیے |

| اِمَامًا ؕ | قَالَ | وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ؕ | قَالَ | لَا يَنَالُ |
|---|---|---|---|---|
| ایک پیشوا | انہوںؑ نے کہا | اور میری اولاد میں سے؟ | اللہ تعالیٰ نے فرمایا | (ہاں، لیکن) نہیں پہنچتا |

| عَهْدِی | الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ |
|---|---|
| میرا (یہ) وعدہ (نبوت و امامت) | ظالموں کو |

**نوٹ:1** اِبْتَلٰی کے فاعل کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے لفظ رب آیا ہے۔ رب اس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر اس کو درجۂ کمال تک پہنچا دے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائشیں نعوذ باللہ کسی غلطی یا خطا کی پاداش میں نہیں تھیں بلکہ ان کی تربیت کی غرض سے تھیں۔

**نوٹ:2** تمام انسانوں کی پیشوائی اور امامت کی خوشخبری پا کر حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا کہ کیا اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شامل ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان کو نبوت، پیشوائی و امامت ملے گی لیکن جو ظالم اور بدکار ہوں گے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ گویا دعائے ابراہیمی، اولادِ صالح کے حق میں قبول ہوگئی۔ چنانچہ سلسلہ نبوت و رسالت حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں ہی رہا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (29/العنکبوت:27) ''اور رکھ دی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بعد بجز اُن کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء اُن کے بعد تشریف لائے اُن ہی کی ذرّیت سے تھے۔ اسی لیے ان کو 'ابوالانبیاء' کہا جاتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)۔ ہمارے نبی اکرمؐ انہی کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے ہیں۔

## آیت: 125

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ث و ب: البقرۃ آیت 103 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ع ھ د: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ط ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ر ك ع: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ |
| س ج د: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | | |

**ب ی ت**

(ض) بَيْتًا کسی جگہ رات گزارنا۔ رات کو کسی جگہ قیام کرنا۔ رات ہو جانا۔ عربی زبان میں بَاتَ فُلَانٌ يَفْعَلُ كَذَا کا مطلب ہے

ساری رات کوئی کام کرنا۔ جیسے ظَلَّ فُلَانٌ یَفْعَلُ کَذَا کا مطلب ہے دن بھر کوئی کام کرنا۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا﴾ (25/الفرقان:64) ''اور وہ لوگ جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے کی حالت میں اور قیام کی حالت میں۔''

**بَیْتٌ** ج: بُیُوْتٌ۔ اسم ذات ہے۔ گھر۔ اصل میں تو بَیْتٌ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں رات گزاری جا سکے۔ پھر کبھی رات کا لحاظ کیے بغیر کسی بھی ٹھہرنے کی جگہ، مسکن یا مکان کو بَیْتٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ گھر چاہے مٹی کا ہو یا چونے پتھر کا، شامیانہ ہو یا خیمہ، سب کے لیے بیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ (17/البقرہ:93) ''یا ہوتا تیرے لیے کوئی گھر سنہرا۔ ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ (24/النور:27) ''تم لوگ داخل مت ہو گھروں میں اپنے گھروں کے علاوہ، یہاں تک کہ اجازت طلب کرلو۔''

**بَیَاتٌ** یہ لفظ مصدر ہے اور دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) رات میں آ پڑنا۔ جیسے فرمایا: ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَهَارًا﴾ (10/یونس:50) ''اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۲) شب خون مارنا۔ رات میں سوتے دشمن پر حملہ کرنا۔ ان معنوں میں یہ لفظ شاید قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

(تفعیل) **تَبْیِیْتًا** (۱) رات میں حملہ کرنا۔ شب خون مارنا۔ (۲) رات میں سوچ بچار کرنا۔ مشورہ کرنا۔ عربی میں بَیَّتَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں رات کے وقت کسی کام کی تدبیر کرنا اور اَلْبَیُّوْتُ کے معنی ہیں وہ معاملہ جس پر رات بھر غور و خوض کیا گیا ہو۔ ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ﴾ (27/النمل:49) ''انہوں نے کہا آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ ہم لازماً شبخون ماریں گے اس پر۔'' ﴿وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ﴾ (4/النساء:81) ''اور اللہ لکھتا ہے جو وہ لوگ رات میں مشورہ کرتے ہیں۔''

## ط و ف

(ن) **طَوَافًا** کسی چیز کے گرد چکر لگانا۔ گھومنا۔ ﴿وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ﴾ (52/الطور:24) ''اور چکر لگاتے ہیں ان کے گرد کچھ خدّام ان کے لیے۔''

**یُطَافُ** مضارع مجہول ہے۔ کسی چیز کو پھرانا۔ گردش میں لانا۔ ﴿یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ﴾ (37/الصافات:45) ''پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شرابِ طہور کے) چشموں سے پُر کر کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

**طَآئِفٌ** ج: طَآئِفُوْنَ۔ طَآئِفِیْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ چکر لگانے والا۔ گھومنے والا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) چوکیدار۔ جو حفاظت کے لیے رات کو چکر لگاتا ہے اور پہرہ دیتا ہے۔

(۲) خیال، وسوسہ۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا﴾ (7/الاعراف:201) ''بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اُن کو جب بھی چھوتا ہے کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے تو وہ (اللہ کو) یاد کرنے لگتے ہیں۔''

(۳) آفت، حادثہ۔ ﴿فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ (68/القلم:19) ''تو چکر لگایا اس پر ایک آفت نے آپؐ کے رب کی طرف سے اس حال میں کہ وہ لوگ سو رہے تھے۔''

(۴) طواف کرنے والا۔آیت زیر مطالعہ۔

**طَآئِفَۃٌ** تثنیہ: طَآئِفَتَانِ۔طَآئِفَتَیْنِ۔ فَاعِلٌ کے مؤنث فَاعِلَۃٌ کا وزن ہے۔اس کا زیادہ تر استعمال کسی بڑی جماعت کے چھوٹے گروہ کے لیے ہوتا ہے اور بڑی جماعت کو فرقہ کہتے ہیں۔﴿ وَدَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ ﴾(3/آل عمران:69)''تمنا کی اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہ کاش وہ گمراہ کردیں تم لوگوں کو۔'' ﴿ اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ ﴾(3/آل عمران:122)''جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے۔''

**طَوَّافٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار چکر لگانے والا۔ خادم۔ ﴿ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ﴾ (24/النور:58)''اور نہ ان پر جو بکثرت کام کاج کے لیے تمہارے اردگرد پھرتے رہتے ہیں۔''

**طُوْفَانٌ** فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔طوفان۔ وہ مصیبت یا حادثہ جو انسان کو چاروں طرف سے گھیر لے۔﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ ﴾(7/الاعراف:133)''تو ہم نے بھیجا ان پر طوفان۔''

(تفعّل) **تَطَوُّفًا۔اِطَّوُّفًا** بہت چکر لگانا۔طواف کرنا۔﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا ﴾(2/البقرۃ:158) ''پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کوئی گناہ نہیں اس پر کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان۔'' ﴿ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴾(22/الحج:29)''اور چاہیے کہ وہ طواف کریں اس قدیم گھر کا۔''

## ع ک ف

(ن) **عَکْفًا، عُکُوْفًا** یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لازم ہو تو معنی ہوتے ہیں، تعظیماً کسی چیز پر متوجہ ہونا۔تعظیماً کسی سے وابستہ رہنا، اُسی سے لو لگانا اور اسی کے لیے اپنے آپ کو وقف کردینا۔ اِن معنوں میں علٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحبؒ لغات القرآن میں فرماتے ہیں: ''جب عکوف کا صلہ علٰی آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ کسی چیز کی طرف اسی طرح لگ کر بیٹھ جانا کہ پھر اس کی طرف سے منہ ہی نہ موڑے۔'' (لغات، ج ۴، ص ۲۰۱) اس کے علاوہ یہ لفظ کسی چیز کے گرد جمع ہونا اور کسی جگہ مقیم ہونا، کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ ﴾(7/الاعراف:138)''تو پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

عکوف فی المسجد کے معنی ہیں، مسجد میں اعتکاف کرنا اور اصطلاح شرع میں اعتکاف کہتے ہیں عبادت کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں روکے رکھنے کو۔

اگر متعدی ہو تو عَنْ کے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور معنی ہوتے ہیں کسی کو منع کرنا، روکنا اور بند کردینا۔

**عَاکِفٌ** ج: عَاکِفُوْنَ۔ عَاکِفِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔مجاور۔جم کر بیٹھنے والا۔مقیم۔اعتکاف کرنے والا۔قرآنِ مجید میں یہ لفظ اپنے لغوی اور اصطلاحی، دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثلاً:﴿ وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا ﴾ (20/طٰہٰ:97)''اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)﴿ مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَا عٰکِفُوْنَ ﴾(21/الانبیاء:52)''یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو۔'' ان آیات میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔آیت زیر مطالعہ میں اور مندرجہ ذیل آیت ﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ﴾(2/البقرۃ:187)''اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو

مسجدوں میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) میں یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

**مَعْكُوْفٌ** اسم المفعول ہے۔ روکا ہوا۔ ممنوع۔ بند۔ محبوس۔ ﴿وَ الْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾ (48/الفتح:25) ''اور قربانی کے جانور کو جو روکا ہوا رہ گیا تھا اُس کے موقع میں پہنچنے سے روک دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

**ترکیب**

''وٗ'' استئنافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے۔ جَعَلْنَا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جَعَلْنَا کا مفعول اوّل اَلْبَیْتَ ہے اور اس پر لام تعریف داخل ہے۔ جبکہ مَثَابَةً مفعول ثانی ہے۔ لِلنَّاسِ متعلق فعل ہے، ''وٗ'' عطف کا ہے اور اَمْنًا، مَثَابَةً پر عطف ہے۔ اَمْنًا مصدر ہے لیکن ظرف کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی مَاْمَنٌ (امن کی جگہ)۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''جگہ امن کی'' اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں ''مقام امن''۔ آگے ''وٗ'' استئنافیہ ہے اور اِتَّخِذُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ، متعلق فعل ہے اور مِنْ یہاں تبعیضیہ ہے (ماجدیؒ)۔ مُصَلًّى باب تفعیل کا اسم المفعول ہے جو ظرف کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہاں یہ اِتَّخِذُوْا کا مفعول ہے۔ عَهِدَ کا صلہ اگر اِلٰی آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو حکم دینا، کوئی کام کسی کے سپرد کرنا۔ یہاں عَهِدْنَآ فعل ہے اور اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ متعلق فعل ہیں۔ اَنْ تفسیر کا ہے جو وضاحت کر رہا ہے حکم کی۔ طَهِّرَا فعل امر میں تثنیہ کا صیغہ ہے، بَیْتِیَ اس کا مفعول ہے اور لِلطَّآئِفِیْنَ سے آخر تک جملہ متعلق فعل ہے۔ اَلْعٰكِفِیْنَ، الرُّكَّعِ اور السُّجُوْدِ، یہ سب اَلطَّآئِفِیْنَ پر داخل ہونے والے حرف جرّ لِ کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے حالتِ جرّ میں ہیں۔

| ترجمہ | وَاِذْ جَعَلْنَا | الْبَيْتَ | مَثَابَةً | لِّلنَّاسِ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:125 | اور (یاد کرو) جب ہم نے بنایا | اس گھر (خانہ کعبہ) کو | اجتماع کی جگہ/ مقام رجوع | لوگوں کے لیے |

| وَاَمْنًا | وَاتَّخِذُوْا | مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ |
|---|---|---|
| اور امن کی جگہ/ مقام امن | اور تم لوگ بناؤ | حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے |

| مُصَلًّى | وَعَهِدْنَآ | اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ | اَنْ طَهِّرَا |
|---|---|---|---|
| نماز کی جگہ | اور ہم نے تاکید کردی | حضرت ابراہیمؑ کو اور حضرت اسمٰعیلؑ کو | کہ تم دونوں خوب پاک رکھو |

| بَيْتِيَ | لِلطَّآئِفِيْنَ | وَالْعٰكِفِيْنَ |
|---|---|---|
| میرے گھر (خانہ کعبہ) کو | طواف کرنے والوں کے لیے | اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے |

| وَالرُّكَّعِ | السُّجُوْدِ |
|---|---|
| اور رکوع کرنے والوں کے لیے | سجدہ کرنے والوں کے لیے |

**نوٹ**

اس آیت کی تفسیر کے لیے معارف القرآن کا مطالعہ کیجیے۔

## آیت: 126

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ث م ر: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | م ت ع: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ | ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | ب ء س: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ |

## ب ل د

(ن) بُلُوْدًا: کسی جگہ آباد ہونا۔ شہر بنانا۔

بَلَدٌ اور بَلْدَةٌ: اسم ذات ہے۔ ج: بِلَادٌ۔ شہر۔ بستی۔ وہ مقام جس کی حد بندی کی گئی ہو اور وہاں لوگ آباد ہوں۔ ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ﴾ (16/النحل:7) ”اور وہ (چوپائے) اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ شہر تک۔“ ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا﴾ (25/الفرقان:48-49) ”اور اس نے اتارا آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ وہ زندہ کرے اس سے مردہ شہر کو۔“ ﴿لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝﴾ (3/آل عمران:196) ”(اے مخاطب) ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو گھومنا پھرنا، ان لوگوں کا، جنہوں نے کفر کیا، شہروں میں۔“ امام راغبؒ کے مطابق بَلَدٌ کا لفظ بیابان اور قبرستان کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ بیابان وحشی جانوروں کا مسکن ہوتا ہے اور قبرستان مُردوں کا۔“

(مفردات القرآن، ج ۱، ص ۱۱۷)

## ص ی ر

(ض) صَیْرًا اور مَصِیْرًا: ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا۔ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لوٹنا۔ عربی میں کہتے ہیں صَارَ زَیْدٌ غَنِیًّا زید غنی ہو گیا یعنی فقر و فاقے سے امیری کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ آئے جیسے صَارَ اِلٰی كَذَا یا صَارَ اِلٰی فُلَانٍ، تو اس کے معنی ہیں کسی خاص مقام تک پہنچ جانا۔ یہ افعال ناقصہ میں سے بھی ہے۔ ﴿اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝﴾ (42/الشوریٰ:53) ”خبردار ہو! اللہ کی طرف ہی لوٹتے ہیں سب کام۔“ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝﴾ (24/النور:42) ”اور اللہ کے لیے ہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہت ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔“

مَصِیْرٌ: مصدر کے علاوہ اسم ظرف مکان بھی ہے۔ لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ نوٹ: مَصِیْرٌ کا لفظ قرآنِ مجید میں مصدری معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور اسم ظرف مکان کے معنوں میں بھی۔ مثلاً مصدری معنوں کے لیے دیکھیں اوپر النور آیت 42 دیکھیں اور ظرفِ مکان کے معنوں میں آیت زیرِ مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

## ترکیب

رَبِّ کی جرّ بتا رہی ہے کہ اس کی یائے متکلم محذوف ہے اور یہ رَبِّیْ تھا۔ اس سے قبل حرف ندا ’یَا‘ کو بھی محذوف مانا جا سکتا ہے۔ فعل امر اِجْعَلْ کا مفعول اوّل هٰذَا ہے جبکہ مرکب توصیفی بَلَدًا اٰمِنًا مفعول ثانی ہے۔ فعل امر اُرْزُقْ کا مفعول اَهْلَهٗ۔ اس میں هٗ ضمیر بَلَدًا اٰمِنًا کے لیے ہے۔ مِنَ الثَّمَرٰتِ متعلق فعل ہے۔ مَنْ، اَهْلَهٗ کا بدل ہے۔ قَالَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ میں وَ عطف کا ہے اور یہ مَنْ پچھلے مَنْ پر عطف ہے اور شرطیہ ہے۔ فَاُمَتِّعُهٗ میں فَ جواب شرط کے لیے ہے۔ آگے قَلِیْلًا صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے جو مَتَاعًا ہوسکتا ہے۔ یہ مرکب توصیفی اُمَتِّعُ کا مفعول ثانی ہے جبکہ اس سے متصل هٗ کی ضمیر اس کا مفعول اوّل ہے، جو مَنْ كَفَرَ کے لیے ہے۔ اَضْطَرُّهٗ کی ضمیر مفعولی بھی مَنْ كَفَرَ کے لیے ہے۔ بِئْسَ فعل ذم ہے، اَلْمَصِیْرُ اس کا فاعل ہے اور مخصوص بالذّم محذوف ہے جو کہ اَلْعَذَابُ، اَلْجَهَنَّمُ یا اَلنَّارُ ہوسکتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:126 |

| وَاِذْ قَالَ | اِبْرٰهٖمُ | رَبِّ | اجْعَلْ | هٰذَا | بَلَدًا اٰمِنًا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) جب کہا | حضرت ابراہیمؑ نے | اے میرے رب | تو بنا دے | اس کو | ایک امن والا شہر |

| وَّارْزُقْ | اَهْلَهٗ | مِنَ الثَّمَرٰتِ | مَنْ | اٰمَنَ | مِنْهُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور تو رزق دے | اس کے باشندوں کو | پھلوں میں سے | اس کو جو | ایمان لائے | ان میں سے |

| بِاللّٰهِ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ | قَالَ | وَمَنْ كَفَرَ | فَاُمَتِّعُهٗ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ پر | اور آخری دن پر | اس (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا | اور جس نے کفر کیا | تو میں فائدہ اٹھانے دوں گا اسے (بھی) |

| قَلِيْلًا | ثُمَّ | اَضْطَرُّهٗٓ | اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ |
|---|---|---|---|
| تھوڑا سا | پھر | میں مجبور کروں گا اس کو | آگ کے عذاب کی طرف |

| وَبِئْسَ | الْمَصِيْرُ ١٢٦ |
|---|---|
| اور وہ بہت ہی برا | ٹھکانہ ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’حضرت خلیلؑ نے عرض کی اے رب کریم! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے اور اس کے ایماندار شہریوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں التجائیں قبول فرمائیں۔ امامت کے سلسلہ میں چونکہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصہ ہے اس سے سبق لیتے ہوئے حضرت خلیلؑ نے رزق طیب کا سوال کیا تو صرف اہل ایمان کے لیے لیکن پروردگار عالم نے فرمایا کہ رزق تو مومن اور کافر سب کو دوں گا لیکن کفار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر و سرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۹۳)

## آیت: 127

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ١٢٧ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ر ف ع: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ | ب ی ت: البقرۃ آیت 125 دیکھیں۔ | ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ |
| س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | |

**ق ع د**

(ن) قُعُوْدًا (۱) بیٹھنا۔ اس کی ضد قِيَامٌ (کھڑا ہونا) ہے۔ ﴿ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ﴾ (9/التوبۃ:90) ’’اور بیٹھے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے۔‘‘ قَعْدَةٌ: اسم مرۃ ہے مطلب ایک بار بیٹھنا۔ قِعْدَةٌ: بیٹھنے کی حالت۔

(۲) اس کے ساتھ 'ل' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کے لیے گھات لگا کر بیٹھنا اور انتظار کرنا۔ ﴿ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ١٦ ﴾ (7/الاعراف:16) ’’میں بھی لوگوں کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے

معنی گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی: ۳۶۵)۔ یہی بات امام راغبؒ نے مفردات میں بیان کی ہے۔

**اُقْعُدْ** ج: اُقْعُدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بیٹھ۔ ﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝﴾ (9/التوبہ:46) ''اور کہا گیا تم لوگ بیٹھو، بیٹھنے والوں کے ساتھ۔''

**قَاعِدٌ** ج سالم: قَاعِدُوْنَ۔ قَاعِدِيْنَ۔ ج مکسر: قُعُوْدٌ۔

قَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیٹھنے والا۔ ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ﴾ (10/یونس:12) ''اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی اور بیٹھے بھی اور کھڑے بھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝﴾ (5/المآئدہ:24) ''پس جائیں آپؐ اور آپؐ کا رب، تو دونوں جنگ کریں، بیشک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں۔'' ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ﴾ (4/النساء:95) ''اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ لا﴾ (85/البروج:6) ''جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

نوٹ: یاد رکھیے کہ قُعُوْدٌ مصدر بھی ہے اور قَاعِدٌ کی جمع مکسر بھی۔ یعنی اس کا مطلب ''بیٹھنا'' بھی ہے اور ''بیٹھنے والے'' بھی۔ قرآن مجید میں دونوں طرح سے استعمال ہوا ہے مثلاً مصدری معنی میں اس آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝﴾ (9/التوبہ:83) ''تم وہی ہو کہ پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور قَاعِدٌ کی جمع مکسر کے لیے دیکھیں اوپر (البروج:6)۔

قَاعِدٌ کا لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سستی کرنے والا۔ کسی کام میں شریک نہ ہونے والا۔ کام سے پیچھے ہٹنے والا۔

**اَلْقَاعِدُ** ج: قَوَاعِدُ۔ یہ لفظ خاص ان عمر رسیدہ عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو نکاح، حمل اور حیض کے قابل نہ رہی ہوں۔ عربی میں جو الفاظ عورتوں کی مخصوص صفات کے لیے بولے جاتے ہیں ان کے ساتھ عموماً 'ۃ' تانیث لانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ایسی صفات کا مرد میں ہونے کا شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ 'ۃ' تانیث لگا کر اس شبے کو ختم کیا جائے۔ اسی طرح کا ایک لفظ فَارِضٌ ہم آیت 68 میں پڑھ چکے ہیں۔ اِس لفظ یعنی اَلْقَاعِدُ کی جمع قَوَاعِدُ قرآنِ مجید میں استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا﴾ (24/النور:60) ''اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید نہ رہی ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''قواعد جمع ہے، اس کا واحد قَاعِدٌ ہے قَاعِدَةٌ نہیں۔ تاء تانیث کی اس لیے حذف کی گئی تاکہ پتہ چلے کہ یہ بیٹھنا بڑھاپے کی وجہ سے ہے جس طرح ''امراۃ حاملٌ'' کہتے ہیں حَامِلَةٌ نہیں کہتے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ عورت اپنے شکم میں بچے کو اٹھائے ہوئے ہے۔ قواعد سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بچہ جننے سے عاجز ہو جائیں اور جنہیں حیض آنا بند ہو جائے۔ ربیعہ کہتے ہیں ھی التی اذا رأیتھا تستقذرھا من کبرھا یعنی وہ عورت کہ جب تو اسے دیکھے تو اس کی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۴۳)۔

**قَاعِدَةٌ** یہ قَاعِدٌ کی مؤنث ہے۔ اور یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) بیٹھنے والی۔

(۲) قاعدہ، کلیہ، اصول۔
(۳) بنیاد یعنی دیوار کا وہ ابتدائی حصہ جو سطح زمین سے شروع ہو کر کچھ اوپر آ جاتا ہے جس پر پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس معنی میں اس کی جمع بھی قَوَاعِدُ آتی ہے۔ قَوَاعِدُ الْبِنَاءِ: عمارت کی بنیادیں۔ آیت زیر مطالعہ۔
(۴) وہ چیز جس پر کسی چیز کا قیام ہو، وہ قَاعِدَۃٌ ہے۔ مثلاً قَاعِدَۃُ الْمَلِكِ۔ تخت گاہ قَوَاعِدُ الْهَوْدَجِ۔ ہودج کی لکڑیاں جن پر ہودج قائم ہوتا ہے۔
نوٹ: یاد رکھیے کہ لفظ قَوَاعِدُ کی واحد دو طرح سے آتی ہے۔ یہ اَلْقَاعِدُ بمعنی عمر رسیدہ عورت، کی جمع بھی ہے اور قَاعِدَۃٌ بمعنی بنیاد کی جمع بھی۔

**قَعِيْدٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیٹھنے والا۔ محافظ۔ نگران۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث، سب کے لیے آتا ہے۔ ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ (50/قٓ: 17) ”جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”قَعِيْدٌ سے مراد وہ فرشتہ ہے جو (ہر وقت اعمال کی) نگرانی کرتا رہتا ہے اور انسان کے اچھے برے اعمال (اس کے نامۂ اعمال میں) درج کرتا رہتا ہے۔“ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۸۶۱)۔ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت میں قَعِيْدٌ کے متعلق فرماتے ہیں: ”قَعِيْدٌ۔ یعنی بیٹھے رہنے والے یہ انسانی محاورۂ عادت کے مطابق فرشتوں کی ہمہ وقتی حاضری و موجودگی کے لیے فرمایا گیا ہے۔“ (تفسیر ماجدی، ص ۱۰۳۱)

**مَقْعَدٌ** ج: مَقَاعِدُ۔ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ بیٹھنے کی جگہ۔ گھات لگا کر بیٹھنے کی جگہ۔ مورچہ۔ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ﴾ (9/التوبۃ: 81) ”خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ (3/آل عمران: 121) ”آپؐ بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔“

**ترکیب** اِبْرٰهٖمُ اور اِسْمٰعِيْلُ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ دونوں يَرْفَعُ کے فاعل ہیں، اَلْقَوَاعِدَ مفعول ہے اور مِنَ الْبَيْتِ متعلق فعل ہے۔ رَبَّنَا میں رَبَّ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرفِ ندا ”یا“ محذوف ہے۔ اور اس سے پہلے يَقُوْلَانِ بھی محذوف ہے۔ تَقَبَّلْ فعل امر کا صیغہ ہے اور مِنَّا متعلق فعل ہے۔ اِنَّ کا اسم ضمیر كَ ہے جبکہ اَنْتَ ضمیر فاصل ہے کیونکہ خبر، السميع العليم، معرف باللام ہیں اور اس سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔

| ترجمہ | وَاِذْ | يَرْفَعُ | اِبْرٰهٖمُ | الْقَوَاعِدَ | مِنَ الْبَيْتِ | وَاِسْمٰعِيْلُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرة:127 | اور (یاد کرو) جب | اٹھا رہے تھے | حضرت ابراہیمؑ | بنیادیں | اس گھر کی | اور حضرت اسمٰعیلؑ بھی |

| رَبَّنَا | تَقَبَّلْ | مِنَّا | اِنَّكَ اَنْتَ |
|---|---|---|---|
| (تو وہ دونوں دعا کرتے تھے کہ) اے ہمارے رب | تو قبول فرما | ہم سے (یہ عمل) | بیشک تو ہی |

| السَّمِيْعُ | الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ |
|---|---|
| سننے والا | جاننے والا ہے |

**نوٹ** اس آیت کی تفسیر کے لیے تفسیر ماجدیؒ کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

## آیت: 128

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۸ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ذ ر ر: البقرۃ آیت 124 دیکھیں۔ |
| ء م م: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ | ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ |
| ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | | |

### ن س ك

(ن) نَسَكَ، نُسُكًا، نُسُوْكًا زاہد و عابد ہونا۔ بندگی کرنا۔ قربانی کرنا۔

نُسُكٌ مصدر کے علاوہ اسم بھی ہے۔ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ ''نُسُكٌ کے معنی قربانی کے بھی آتے ہیں، اور حج کے ہر فعل کو بھی نُسُكٌ کہتے ہیں، اعمالِ حج کو ''مناسک'' کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مطلق عبادت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، اسی لیے ناسک بمعنی عابد بولا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص ۵۰۹)۔ گویا یہ لفظ عبادت، قربانی اور حج کے ہر فعل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں کہتے ہیں: مَنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَعَلَيْهِ نُسُكٌ۔ جس نے ایسا اور ایسا کیا تو اس پر ایک قربانی ہے۔ ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۲ ﴾ (6/الانعام:162) ''بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

نَاسِكٌ ج: نَاسِكُوْنَ، نَاسِكِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ عبادت کرنے والا۔ عابد۔ ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ ﴾ (22/الحج:67) ''ہر ایک امت کے لیے ہم نے بنایا ایک عبادت کا طریقہ وہ عبادت کرنے والے ہیں جس کے مطابق۔''

مَنْسَكٌ ج: مَنَاسِكُ۔ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف مکان ہے۔ بنیادی مفہوم ہے قربانی کی جگہ۔ اس کے علاوہ یہ لفظ عبادت کا طریقہ، حج کا طریقہ، حج ادا کرنے کا مقام اور شریعت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک یہ لفظ اب ارکان حج اور افعال حج کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔ لفظ مَنْسَكٌ کے لیے اوپر سورۂ حج کی آیت 67 دیکھیں اور مَنَاسِكُ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

لغات القرآن کے مطابق مَنْسَكٌ (س کی زبر کے ساتھ) مصدر میمی بھی ہے اور معنی ہے قربانی کرنا اور مَنْسِكٌ (س کی زیر کے ساتھ) اسم ظرف مکان ہے بمعنی قربانی کی جگہ (واللہ اعلم)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سورۂ حج کی آیت 67 کے تحت فرماتے ہیں: ''منسک سے مراد خصوصی اگرچہ موضع ذبح ہے لیکن لفظ جملہ عبادات کے لیے عام ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مرادف ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۷۱۲)

### ترکیب

رَبَّنَا سے پہلے 'یا' محذوف ہے۔ وَاجْعَلْنَا میں 'و' عطف کا ہے اور اگلا جملہ، گزشتہ آیت میں تَقَبَّلْ پر عطف ہے۔ گویا آیت زیر مطالعہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے۔ اِجْعَلْ فعل امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مفعول اوّل نَا ضمیر ہے اور مُسْلِمَيْنِ مفعول ثانی ہے۔ لَكَ متعلق ہے مُسْلِمَيْنِ سے۔ آگے

وُ پھر عطف کا ہے اس کے بعد اِجْعَلْ محذوف ہے یعنی یہ جملہ یوں ہے وَاجْعَلْ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ اس میں اُمَّةً مُّسْلِمَةً، مرکب توصیفی، محذوف فعل کا مفعول ہے اور مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ متعلق فعل ہے۔ آگے وَ اَرِنَا میں بھی وُ عطف کا ہے اور فعل امر اَرِ، اِجْعَلْ پر عطف ہے۔ اس کا مفعول اوّل نَا ضمیر ہے اور مَنَاسِكَنَا، اس کا مفعول ثانی ہے۔ وَتُبْ میں وُ عطف کا ہے اور تُبْ فعل امر ہے۔ عَلَيْنَا متعلق فعل ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے كَ اس کا اسم ہے اور آگے جملہ اسمیہ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | رَبَّنَا | وَاجْعَلْنَا | مُسْلِمَيْنِ | لَكَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:128 | (اے) ہمارے رب | اور تو بنادے ہم دونوں کو | فرمانبردار/تابعدار | اپنا |

| وَ | مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ | اُمَّةً مُّسْلِمَةً | لَّكَ ۠ | وَ |
|---|---|---|---|---|
| اور (تو بنادے) | ہماری اولاد میں سے | ایک فرمانبردار امت | اپنی | اور |

| اَرِ | نَا | مَنَاسِكَنَا | وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ |
|---|---|---|---|
| تو بتادے/سمجھادے | ہم کو | ہماری عبادت کے طریقے | اور تو توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) |

| اِنَّكَ | اَنْتَ التَّوَّابُ | الرَّحِيْمُ |
|---|---|---|
| بیشک تو | ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا | ہمیشہ رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** آیت زیرہ مطالعہ میں مَنَاسِكَنَا کا ترجمہ ہمارے بزرگوں نے کئی طرح سے کیا ہے مثلاً ''قاعدے حج کرنے کے۔'' (حضرت شیخ الہندؒ) ''ہمارے دینی قاعدے۔'' (تفسیر ماجدیؒ) ''ہمارے عبادت کے طریقے۔'' (ضیاء القرآن)۔ ''ہمیں اپنی عبادتیں سکھا۔'' (احسن البیان)۔

## آیت: 129

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ ۧ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ب ع ث: البقرۃ آیت 56 دیکھیں۔ | ر س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ت ل و: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ح ك م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ |
| ز ك و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | | |

**ع ز ز**

(ن) عِزًّا، عِزَّةً کثیر المعانی الفاظ ہیں۔ محفوظ ہونا۔ سخت ہونا۔ گراں ہونا۔ قوی ہونا۔ کسی پر غالب آنا۔ بلند ہونا۔ کمیاب ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں عَزَّ عَلَيَّ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا: میرے اوپر سخت اور دشوار ہے کہ تم یہ کرو۔ عَزَّ الْمَطَرُ الْاَرْضَ: بارش زمین پر غالب آگئی۔ اسی طرح کہتے ہیں عَزَّهٗ كَذَا یعنی فلاں اس پر غالب آگیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾﴾ (38/ص:23) ''اور وہ غالب آیا مجھ پر بات میں۔''

**عِزٌّ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔عزت وقوت۔ پناہ۔ مدد۔ مددگار۔﴿ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴾(19/مریم:81)''اور پکڑ رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود تا کہ وہ ہوں ان کے لیے مدد۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان کے لیے وہ باعث قوت ہوں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''اصل میں لفظ عِزًّا استعمال ہوا ہے، یعنی وہ ان کے لیے سبب عزت ہوں۔ مگر عزت سے مراد عربی زبان میں کسی شخص کا ایسا طاقت ور اور زبردست ہونا ہے کہ اس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے اور ایک شخص کا دوسرے شخص کے لیے سبب عزت بننا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس کی حمایت پر ہو جس کی وجہ سے اس کا کوئی مخالف اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔'' (تفہیم القرآن، ج۲،ص۸۰)

**عِزَّةٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) عزت۔ غلبہ۔ زور۔ قوت۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں، عزت اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے۔ یہ اَرْضٌ عَزَازٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سخت زمین کے ہیں۔ گویا جس طرح سخت زمین میں کھدائی نہیں ہو سکتی اسی طرح عزت کسی کو مغلوب نہیں ہونے دیتی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ (35/فاطر:10)''جس کو چاہیے عزت، تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ (4/النساء:139)''کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں۔ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''عزت کا مفہوم عربی زبان میں اُردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے۔ اُردو میں عزت محض احترام اور قدر و منزلت کے معنی میں آتا ہے۔ مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دوسرے الفاظ میں لفظ عزت ''ناقابل ہتک حرمت'' کا ہم معنی ہے'' (تفہیم القرآن، ج۱،ص۴۰۸)۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ عِزٍّ لَيْسَ بِاللّٰهِ فَهُوَ ذُلٌّ ''جو عزت اللہ تعالیٰ سے حاصل نہ ہو وہ تو ذلت ہے۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج۴،ص:۲۹۵)

(۲) غرور۔ گھمنڈ۔ کبھی عزت کا لفظ باعث مدح یعنی تعریف ہوتا ہے جیسا اوپر آیات میں آپ نے دیکھا اور کبھی باعثِ مذمت ہوتا ہے۔ جیسے کافروں کے متعلق فرمایا:﴿ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ﴾(38/ص:2) ''بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ گھمنڈ اور مخالفت کرنے میں ہیں۔'' ایسی صورت میں اس سے مراد گھمنڈ اور غرور ہوتا ہے۔

(۳) حمیتِ جاہلی۔ غلط خودداری۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''کبھی عزت کا لفظ استکبار عن الحق و حمیہ جاھلیہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی حق کو تکبر کی وجہ سے رد کر دینا اور جاہلی حمیت۔'' قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ﴾(2/البقرۃ:206)''اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے تو ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں عزت کے معنی حمیت جاہلی کے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

**عَزِیْزٌ**

ج:اَعِزَّۃٌ۔ عِزَّۃٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) زبردست۔ غالب۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''عزیز وہ ہے جو غالب ہو اور مغلوب نہ ہو۔ اِن معنوں میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (29/العنکبوت:26) ''بے شک وہ ہی زبردست، حکمت والا ہے۔'' ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (57/الحدید:1) ''اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ عزیز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عزیز، اس قادر اور زبردست کو کہتے ہیں جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ جس کے فرمان کو کوئی ٹال نہ سکے۔'' (ضیاء القرآن ۵،ص:۱۰۷)۔ اسی آیت کے تحت مولانا مودودیؒ عزیز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عزیز کے معنی ہیں ایسا زبردست اور قادر و قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی جس کی مزاحمت کسی کے بس میں نہیں ہے، جس کی اطاعت ہر ایک کو کرنی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے، جس کی نافرمانی کرنے والا اس کی پکڑ سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص۳۰۱)۔ اِن معنوں میں اس کے مقابلے پر ذَلِیْلٌ بمعنی زیردست، بے عزت (ج: اَذِلَّۃٌ) آتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ﴾ (27/النمل:34) ''اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۲) باعزت۔ نادر۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴾ (41/حم السجدۃ:41) ''اور بے شک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور وہ کتاب ہے نادر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۳) سخت۔ بھاری۔ گراں۔ شاق۔ اِن معنوں میں عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ (9/التوبۃ:128) ''بھاری ہے اس پر (نبی اکرمؐ پر) جو تم کو تکلیف پہنچے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''گراں گزرتا ہے اس پر (یعنی نبی اکرمؐ پر) تمہارا مشقت میں پڑنا۔'' اِن معنوں میں بھی اس کے مقابلے پر ذَلِیْلٌ بمعنی نرم، مہربان (ج: اَذِلَّۃٌ) آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (5/المائدۃ:54) ''جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لیے، بہت سخت ہوں گے کافروں پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۴) عَزِیْزٌ، شاہ مصر کا لقب بھی تھا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ ﴾ (12/یوسف:88) ''بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**اَعَزُّ**

افعل التفضیل کا صیغہ ہے اور اس لفظ کا بھی کئی طرح سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً زیادہ عزت والا، زیادہ زور والا، زیادہ غالب وغیرہ۔ ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (11/ھود:92) ''شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق تم پر اللہ سے غالب تر ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''آپؑ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾ (18/الکہف:34) ''میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ (63/المنافقون:8) ''تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''تو غلبہ والا وہاں سے مغلوبوں کو نکال باہر کرے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

عُزّٰی — فُعْلٰی کے وزن پر افعل التفضیل کا مؤنث ہے۔ زیادہ غالب آنے والی۔ زیادہ عزت والی۔ اَلْعُزّٰی۔ ایک بت کا نام۔﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴾(53/النجم:19)''بھلاتم دیکھوتولات اورعزیٰ کو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(افعال) اِعْزَازًا — کسی کوعزت دینا۔﴿ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ ﴾(3/آل عمران:26)''اورتوعزت دیتا ہے اس کوجس کوتو چاہتا ہےاورتو ذلت دیتا ہے اس کوجس کوتو چاہتا ہے، تیرے ہاتھ میں کُل خیر ہے۔''

(تفعیل) تَعْزِيْزًا — مدد کرنا۔ قوت دینا۔ تعظیم کرنا۔ معزز بنانا۔ لسان العرب میں ہے۔''زبان اورتلوار سے کسی کی مدد کرنا۔''﴿ اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ ﴾(36/یٰس:14)''جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب** رَبَّنَا سے پہلے 'یَا' محذوف ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اِبْعَثْ فعل امر کا صیغہ ہے اور رَسُوْلًا اس کا مفعول ہے جو کہ نکرہ موصوفہ ہے۔ آگے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ، يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور يُزَكِّيْهِمْ اس کی صفات ہیں۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اس کے ساتھ متصل كَ اس کا اسم ہے۔ اَنْتَ ضمیر فاصل ہے اور الْعَزِيْزُ، الْحَكِيْمُ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:129**

| مِّنْهُمْ | رَسُوْلًا | فِيْهِمْ | وَابْعَثْ | رَبَّنَا |
|---|---|---|---|---|
| انہی میں سے | ایک ایسا رسول | ان میں | اور تو بھیج | (اے) ہمارے رب |

| الْكِتٰبَ | وَيُعَلِّمُهُمُ | اٰيٰتِكَ | يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ |
|---|---|---|---|
| کتاب | اور جو سکھائے ان کو | تیری آیات | جو پڑھ کر سنائے ان کو |

| الْحَكِيْمُ | اَنْتَ الْعَزِيْزُ | اِنَّكَ | وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ | وَالْحِكْمَةَ |
|---|---|---|---|---|
| حکمت والا ہے | ہی زبردست | بیشک تو | اور جو پاک صاف کردے اُن کو | اور حکمت |

**نوٹ:1** یہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔''(الفتح الربانی، ج ۲۰ ص:۱۸۱ و ۱۸۹، بحوالہ احسن البیان ص ۵۱)۔

**نوٹ:2** ایک رائے یہ ہے کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کا بیان ہے۔ لیکن میرا ذہن اس رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ اس آیت میں آپؐ کے مقصدِ بعثت کو پورا کرنے کے طریقۂ کار (MODUS OPERENDI) کا بیان ہے۔ جبکہ آپؐ کے مقصدِ بعثت کا بیان آیت نمبر (9/التوبہ:33)(48/الفتح:128) اور (61/الصافات:9) میں آیا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)۔

## آیت: 130

﴿وَ مَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰہٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ ؕ وَ لَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| م ل ل: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | س ف ہ: البقرۃ آیت 13 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |

**ر غ ب**

(س) رَغَبًا (۱) عاجزی ظاہر کرنا۔ عاجزی سے مانگنا۔ التجا کرنا۔

(۲) توقع رکھنا۔ امید رکھنا۔ ﴿وَیَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّ رَہَبًا ؕ﴾ (21/الانبیاء:90) ''اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

رَغۡبًا، رَغۡبَۃً (۱) چاہنا۔ خواہش کرنا۔ رغبت کرنا۔ اِن معنوں میں اِلٰی اور فِیۡ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ﴾ (4/النساء:127) ''اور تم لوگ چاہتے ہو کہ نکاح کروان عورتوں سے۔''

(۲) اعراض کرنا۔ منہ پھیرنا۔ کسی سے بے رغبتی کرنا۔ بیزاری کا اظہار کرنا۔ اِن معنوں میں عَنۡ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

(۳) رَغِبَ بِہٖ عَنۡ غَیۡرِہٖ۔ کسی کو کسی پر فضیلت دینا۔ جس کو فضیلت دی جائے، اس پر 'ب' کا صلہ آئے گا اور جس پر فضیلت دی جائے، اس پر عَنۡ کا صلہ آئے گا۔ ﴿وَلَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِہِمۡ عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ﴾ (9/التوبۃ:120) ''اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

رَاغِبٌ ج: رَاغِبُوۡنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ جب اس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے چاہنے والا، خواہش کرنے والا، رغبت کرنے والا اور جب عَنۡ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اعراض کرنے والا، منہ پھیرنے والا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ (9/التوبۃ:59) ''ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِہَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ۚ﴾ (19/مریم:46) ''کیا منہ پھیرنے والا ہے تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔''

اِرۡغَبۡ فعل امر ہے۔ تو راغب ہو۔ تو متوجہ رہ۔ تو دل لگا۔ ﴿وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾﴾ (94/الم نشرح:8) ''اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت صاحب احسن البیان فرماتے ہیں: ''یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھ۔'' (احسن البیان، ص ۱۷۲۹)

**ص ف و**

(ن) صَفۡوًا، صَفَاءً کسی چیز کا ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہونا۔ صاف ہونا۔

صَفۡوَانٌ صاف اور چکنا پتھر جو مٹی وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو۔ ﴿فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفۡوَانٍ عَلَیۡہِ تُرَابٌ﴾ (2/البقرۃ:264) ''تو اس کی مثال ایک چکنے پتھر کی مثال کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو۔''

اَلصَّفَا (۱) صاف اور چکنا پتھر۔

(۲) خانہ کعبہ کے پاس ایک پہاڑی کا نام۔ ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ﴾ (2/ البقرۃ:158) ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

(افعال) اِصْفَاءٌ کسی چیز کو آمیزش سے پاک کرنا، مخصوص کرنا۔ چن لینا۔ ﴿اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ﴾ (17/ بنی اسرائیل:40) ''پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) تَصْفِیَۃٌ کسی چیز کو آمیزش سے پاک کرنا۔ صاف کرنا۔

مُصَفًّی اسم المفعول ہے۔ صاف کیا ہوا۔ ﴿وَاَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ط﴾ (47/ محمد:15) ''اور نہریں ہیں ستھرے شہد کی۔''

(افتعال) اِصْطِفَاءٌ (۱) کسی چیز کو ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کر دینا۔

(۲) صاف اور خالص چیز لے لینا یعنی کسی کو چن لینا، منتخب کر لینا۔ ﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ط﴾ (22/ الحج:75) ''اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط﴾ (27/ النمل:59) ''اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۳) ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینا۔ پسند کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں: اِصْطَفَیْتُ کَذَا عَلٰی کَذَا۔ میں نے اِس کو اُس پر ترجیح دی۔ ﴿اَصْطَفَی الْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ ﴾ (37/ الصافات:153) ''کیا اس نے ترجیح دی بیٹیوں کو بیٹوں پر۔''

(۴) برگزیدہ کرنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ آیت زیر مطالعہ کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا﴾ ''اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا تھا۔''

مُصْطَفًی ج: مُصْطَفُوْنَ۔ مُصْطَفِیْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ چُنا ہوا۔ پسند کیا ہوا۔ برگزیدہ۔ ﴿وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴾ (38/ صٓ:47) ''اور بیشک وہ سب ہمارے پاس چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں۔''

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ مَنْ استفہامیہ اور مبتداء ہے۔ یَرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ جملہ فعلیہ بن کر مَنْ کی خبر ہے۔ اِلَّا حرف استثناء ہے۔ آگے مَنْ موصول ہے اور سَفِہَ، جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے، صلہ اور موصول مل کر بدل ہے، یَرْغَبُ کی ضمیر کا۔ سَفِہَ فعل لازم ہے، اس لیے نَفْسَہٗ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اِصْطَفَیْنٰہُ میں 'ہٗ' ضمیر حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، 'ہٗ' اس کا اسم ہے، فِی الْاٰخِرَۃِ، الصّٰلِحِیْنَ سے متعلق ہے۔ خبر محذوف ہے اور لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ متعلق خبر ہے۔ لَمِنَ پر لام مزحلقہ داخل ہے، جو تاکید کا مفہوم دیتا ہے۔

| ترجمہ | وَمَنْ | یَرْغَبُ عَنْ | مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ | اِلَّا مَنْ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:130 | اور کون | اعراض کرتا ہے | حضرت ابراہیمؑ کے دین سے | سوائے اس کے جو |

| سَفِہَ | نَفْسَہٗ ط | وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ |
|---|---|---|
| بیوقوف ہوا | بلحاظ اپنے نفس کے | اور یقیناً ہم نے چن لیا اُن کو |

| فِی الدُّنْیَا ۚ | وَاِنَّہٗ | فِی الْاٰخِرَۃِ | لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ |
|---|---|---|---|
| دنیا میں | اور یقیناً وہ | آخرت میں | نیک لوگوں میں سے ہیں |

## آیت : 131

﴿اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾﴾

| |
|---|
| ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اِذۡ قَالَ میں قَالَ کا فاعل رَبُّهٗ ہے۔ اس میں ہٗ ضمیر اور لَهٗ کی ضمیر، دونوں حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہیں، جن کا ذکر گذشتہ آیت میں آیا ہے۔ اَسۡلِمۡ فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کے بعد قَالَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے اور یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ اَلۡعٰلَمِیۡنَ پر لام جنس ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:131

| اِذۡ قَالَ | لَهٗ | رَبُّهٗۤ | اَسۡلِمۡ | قَالَ |
|---|---|---|---|---|
| جب کہا | اس سے | اس کے رب نے | تو فرمانبردار ہو | (تو) اس نے کہا |

| اَسۡلَمۡتُ | لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ |
|---|---|
| میں فرمانبردار ہوا | تمام جہانوں کے رب کا |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اَسۡلِمۡ کا دوسرا ترجمہ ''اسلام لے آؤ'' یا ''مسلم ہوجاؤ'' بھی ہوسکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آچکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کرلیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنی ہیں اپنے آپ کو تمامتر خدائے واحد کے سپرد کردینا، اس کا پرستار بن جانا۔ عقیدہ، معاشرت، معاملت غرض کہ زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا اور اُس کے احکام کی اطاعت کرنا، اصطلاح میں اسلام و ایمان گویا مترادف ہے اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ٦٧)

**نوٹ:2** پھر حضرتؒ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی میں خدائے پروردگارِ عالم پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیمؑ نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کردی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاتا۔ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا؟ اس کے قانون سے باغی کیسے رہ سکتا۔'' (تفسیر ماجدی، ص ٦٧)

## آیت : 132

﴿وَ وَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَ یَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ﴾

| | | |
|---|---|---|
| اِبۡنٌ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ص ف و: البقرۃ آیت 130 دیکھیں۔ | د ی ن: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ |
| م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | |

**و ص ی**

(ض) وَصۡیًا: متصل ہونا۔ کسی چیز کا کسی چیز سے پیوستہ ہونا، جیسے گھاس ایک دوسرے میں گتھی ہوتی ہے۔ اَرۡضٌ وَاصِیَۃٌ: باہم گتھی ہوئی گھاس والی زمین۔

(س) وَصِیَّۃً: کوئی واقعہ پیش آنے سے قبل کسی کو نصیحت کے انداز میں ہدایت کرنا۔ وصیت کرنا۔

**(افعال) ایصاءً**: کسی بات یا کام کی تاکید کرنا۔ وصیت کرنا۔ ﴿ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴾ (19/مریم:31) ”اور اس نے تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔“ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”کسی چیز کا حکم جب زیادہ تاکید کے ساتھ کیا جائے تو اس کو وصیت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں حضرت عیسیٰؑ نے اس جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی اس کا مفہوم یہی ہے کہ بڑی تاکید سے ان دونوں چیزوں کا مجھے حکم دیا۔“ (معارف القرآن، ج۶،ص۲۸)۔

**وَصِيَّةٌ**: ج: وَصَايَا۔ مصدر کے علاوہ اِيْصَاء کا اسم بھی ہے۔ تاکید۔ وصیت۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”وصیت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا موت کے بعد لیکن عرف میں وصیت اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم موت کے بعد ہو۔“ (معارف القرآن)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ”عربی کا لفظ وصية، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بستر مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ وَصَّيْتُهٗ هٰكذا کے معنی ہیں ”میں نے اس کو حکم دیا۔“ ”میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا۔“ (تفسیر ماجدی، ص۶۷)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت بمعنی حکم ہوتا ہے۔ وَصَايَا اللّٰهِ: اللہ تعالیٰ کے احکام جو اس نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں۔ ﴿ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ﴾ (4/النساء:11) ”تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ وصیت کے بعد، اس نے وصیت کی جس کی، یا قرض کے بعد۔“ عربی میں کھجور کی ٹہنی جس سے گٹھا باندھتے ہیں، اسے بھی وَصِيَّةٌ کہتے ہیں۔

**مُوْصٍ**: اسم الفاعل ہے۔ تاکید کرنے والا۔ وصیت کرنے والا۔ ﴿ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا ﴾ (۲/البقرہ:182) ”تو جو خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا۔“

**(تفعیل) تَوْصِيَةٌ**: تاکید کرنا۔ وصیت کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾ (۳۱/لقمان:14) ”اور ہم نے تاکید کی انسان کو اس کے والدین کے بارے میں۔“ ﴿ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّ لَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (36/یٰس:50) ”پس نہ وہ (اُس وقت) کوئی وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**(تفاعل) تَوَاصِيًا**: باہم ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔ کسی کو نصیحت کر کے کسی کام پر ابھارنا۔ اس میں تسلسل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وہ زمین جس میں مسلسل کاشت ہوتی رہے اور فصلیں اگتی رہیں اسے بھی اَرْضٌ وَاصِيَةٌ کہتے ہیں۔ ﴿ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (103/العصر:3) ”اور ان لوگوں نے باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی صبر کی۔“

**ترکیب**

’وَ‘ عطف کا ہے۔ وَصّٰى فعل اور اِبْرٰهٖمُ اور يَعْقُوْبُ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ دونوں وَصّٰى کا فاعل ہیں۔ بِهَآ متعلق فعل ہے اور بَنِيْهِ مفعول ہے۔ وَصّٰى کا معنی ہے نصیحت کرنا۔ جسے نصیحت کی جاتی ہے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ جیسے یہاں بَنِيْهِ آیا ہے اور جس چیز کی وصیت کی جاتی ہے اس پر ’بِ‘ کا صلہ آتا ہے، جیسے یہاں بِهَآ آیا ہے۔ بِهَآ میں ’هَا‘ ضمیر آیت نمبر 130 میں کے لفظ مِلَّة کے لیے ہے۔ ایک اور بات نوٹ کیجیے بَنِيْهِ دو فاعلوں کا مفعول ہے لیکن پھر بھی اس کے ساتھ مضاف الیہ کے طور پر تثنیہ ضمیر هُمَا کی بجائے واحد ضمیرہٗ آئی ہے۔ اس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ گویا یہ آیت اِن معنوں میں ہے وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ و وَصّٰى بِهَآ يَعْقُوْبُ بَنِيْهِ۔ (واللہ اعلم)۔ بَنِيْهِ کے لفظ سے یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو سے زیادہ بیٹے تھے۔ (آگے نوٹ دیکھیں)۔ يٰبَنِيَّ میں يَا حرف ندا ہے اور بَنِيَّ مضاف، مضاف الیہ مل کر اس کا منادیٰ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللّٰهَ اس کا اسم اور آگے جملہ فعلیہ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ، اس کی خبر ہے۔ اَلدِّيْنَ، مفعول ہے اِصْطَفٰى کا۔ فَلَا میں ’لَا‘ نہی کا ہے اور تَمُوْتُنَّ فعل مضارع مجزوم ہے جس پر تاکید کے لیے نَّ لگا ہے۔ اِلَّا تاکید کے لیے ہے۔ ’وَ‘ حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا اور

مُّسْلِمُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ پورا جملہ اسمیہ، حالیہ ہے اور صاحب الحال تَمُوْتُنَّ کی ضمیر فاعلی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:132 |

| وَوَصّٰی | بِھَآ | اِبْرٰھٖمُ | بَنِیْہِ | وَیَعْقُوْبُ | یٰبَنِیَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور تاکید کی | اسی (دین) کی | حضرت ابراہیمؑ نے | اپنے بیٹوں کو | اور حضرت یعقوبؑ نے بھی | اے میرے بیٹو! |

| اِنَّ اللہَ | اصْطَفٰی | لَکُمُ | الدِّیْنَ | فَلَا تَمُوْتُنَّ |
|---|---|---|---|---|
| بیشک اللہ نے | چُنا | تم لوگوں کے لئے | اس دین (اسلام) کو | تو تم ہرگز نہ مرنا |

| اِلَّا وَ | اَنْتُمْ | مُّسْلِمُوْنَ |
|---|---|---|
| مگر اس حال میں کہ | تم | فرمانبرداری کرنے والے ہو |

**نوٹ**

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: "بَنِیْہِ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ہاجرہؑ مصری کے بطن سے۔ (۲) حضرت اسحٰقؑ، حضرت سارہؑ عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان۔ (۶) مدیان (۷) سیاق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہؑ کے بطن سے تھے۔ (پیدائش: ۲۵: ۱ و ۲ بحوالہ تفسیر ماجدیؒ ص ۶۷)۔

## آیت: 133

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ١٣٣﴾

| | | |
|---|---|---|
| اَمْ: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | ء ل ھ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | و ح د: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | | |

**ح ض ر**

(ن) حُضُوْرًا حاضر ہونا۔ کسی کے سامنے موجود ہونا۔ اس کی ضد غَابَ یَغِیْبُ غَیْبًا ہے۔ حَضَرَ الْمَوْتُ کا مطلب ہے موت کا وقت آنا جیسے حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ کا مطلب ہے نماز کا وقت آ گیا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ ﴾ (4/ النساء: 18) "یہاں تک کہ جب آ جائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اَلْحَضَرُ اور اَلْحَضْرَۃُ کا معنی ہے موجودگی، نزدیکی اور حضرت کا اطلاق ہر ایسے بڑے آدمی پر ہوتا ہے جس کے پاس لوگ حاضر ہوتے ہوں۔

حَضَارَۃً، حِضَارَۃً حَضَرًا کسی شہر میں مقیم ہونا۔ شہری رہائش اختیار کرنا۔ اس کی ضد بَدْوٌ، بَدَاوَۃٌ اور بِدَاوَۃٌ ہے، جس کے معنی ہیں کسی گاؤں کا یا صحرا کا باشندہ ہونا۔

**حَاضِرٌ** ج: حَاضِرُوْنَ- حَاضِرِيْنَ- فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔
(۱) حاضر ہونے والا یعنی حاضر۔موجود۔﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾(18/الکھف:49) ''اور وہ لوگ پائیں گے اس کو جو انہوں نے عمل کیے، سامنے موجود۔''
(۲) شہر کا رہنے والا۔﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾(2/البقرۃ:196) ''یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اِس آیت مبارکہ میں ''حَاضِرِي'' کا ترجمہ ''قریب'' سے بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ''یہ اس کے لیے (درست) ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہر مکہ سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدود میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۱۰۱)۔
(۳) عرب محاورے میں یہ لفظ ایسی قوم کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو کسی چشمے کے قریب آباد ہو جائے اور وہاں سے کوچ کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھے۔ ایسے لوگوں کو اہل عرب اَلْحَاضِر کہتے ہیں۔

**حَاضِرَةٌ** ج: حَوَاضِر- حَاضِر کا مؤنث۔ موجود۔ حاضر۔﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً ﴾(2/البقرہ:282) ''مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت مبارکہ میں تِجَارَةً حَاضِرَةً سے مراد ہے نقد سودا۔﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾(۷/الاعراف:163) ''اور پوچھ ان سے حال اس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت مبارکہ میں حَاضِرَةَ الْبَحْرِ کے معنی امام راغبؒ کے نزدیک دریا کے قریب یعنی ساحل کے ہیں۔ چنانچہ پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں۔ ''اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) **اِحْضَارًا** کسی کو کسی کے سامنے لانا۔ حاضر کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں اَحْضَرَهُ الشَّیْءَ۔ وہ اس کے پاس چیز کو لایا۔ قرآن مجید میں فرمایا:﴿ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴾(81/التکویر:14) ''جان لے گی ہر جان اس کو جو اس نے حاضر کیا۔'' ﴿ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴾(19/مریم:68) ''پھر حاضر کریں گے اُن سب کو جہنم کے اردگرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُحْضَرٌ** ج: مُحْضَرُوْنَ۔ مُحْضَرِيْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ حاضر کیا ہوا۔﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ﴾(3/آل عمران:30) ''اس دن پائے گی ہر جان اس کو جو اس نے عمل کیا نیکی میں سے، حاضر کیا ہوا۔'' ﴿ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴾(36/یٰس:32) ''اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴾(28/القصص:61) ''پھر وہ (اس چند روزہ آسائش کے بعد) روزِ قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائے گا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) **اِحْتِضَارًا** سامنے کرنا۔ حاضر کرنا۔

**مُحْتَضَرٌ** اسم المفعول ہے۔ سامنے کیا ہوا۔﴿ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴾(54/القمر:28) ''انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان، سب اپنی پینے کی باری پر حاضر ہوں۔'' امام راغبؒ کے مطابق بطور کنایہ مجنون اور قریب المرگ شخص کو بھی مُحْتَضَرٌ کہتے ہیں۔

**ترکیب** اَمْ منقطع ہے اور بمعنی استفہام ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور شُهَدَاءَ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب

ہے۔ حَضَرَ کا مفعول یَعْقُوْبَ ہے اور فاعل اَلْمَوْتُ ہے۔ مَا استفہامیہ مبتداء، تَعْبُدُوْنَ خبر اور مِنْ بَعْدِیْ متعلق خبر ہے۔ نَعْبُدُ کا مفعول اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ ہے۔ اس میں اٰبَآءِ کا بدل اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ہیں اور اِلٰهَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔ جب کہ اِلٰهًا وَّاحِدًا بدل ہے اِلٰهَكَ میں اِلٰهَ کا۔ اِلٰهَكَ میں اِلٰهٌ معرفہ ہے، معرفہ کا بدل جب نکرہ آئے تو پھر اس کے ساتھ صفت لاتے ہیں۔ نَحْنُ مبتدا، مُسْلِمُوْنَ خبر اور لَهٗ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:133 |

| اَمْ كُنْتُمْ | شُهَدَآءَ | اِذْ حَضَرَ | يَعْقُوْبَ | الْمَوْتُ |
|---|---|---|---|---|
| کیا تم لوگ | موجود تھے | جب قریب آئی | حضرت یعقوبؑ کے | موت |

| اِذْ قَالَ | لِبَنِيْهِ | مَا | تَعْبُدُوْنَ | مِنْۢ بَعْدِيْ |
|---|---|---|---|---|
| جب انہوں نے کہا | اپنے بیٹوں سے | کس کی | تم عبادت کرو گے | میرے (انتقال کر جانے کے) بعد |

| قَالُوْا | نَعْبُدُ | اِلٰهَكَ | وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ |
|---|---|---|---|
| انہوں نے کہا | ہم بندگی کریں گے | آپ کے معبود کی | اور آپ کے آباؤ اجداد کے معبود کی |

| اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ | اِلٰهًا وَّاحِدًا | وَّنَحْنُ |
|---|---|---|
| حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ (کے معبود کی) | جو ایک معبود ہے | اور ہم |

| لَهٗ | مُسْلِمُوْنَ |
|---|---|
| اسی کے | فرمانبردار ہیں |

## آیت: 134

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م م: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ | خ ل و: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ | ك س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

تِلْكَ مبتداء جب کہ اُمَّةٌ خبر ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ قَدْ خَلَتْ اس کی صفت ہے۔ مَا، اسم موصول ہے اور كَسَبَتْ اس کا صلہ ہے، صلہ موصول مل کر مبتداء ہیں۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَهَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ تُسْـَٔلُوْنَ مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے۔ عَمَّا، عَنْ اور مَا کا مرکب ہے۔ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، ماضی استمراری ہے۔ كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُمْ' ہے اور جملہ فعلیہ يَعْمَلُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:134 |

| تِلْكَ | اُمَّةٌ | قَدْ خَلَتْ | لَهَا | مَا | كَسَبَتْ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ | ایک جماعت تھی جو | گزر چکی | اس کے لئے ہے | وہ جو | اس نے کمایا |

| وَلَكُمْ | مَّا كَسَبْتُمْ | وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ |
|---|---|---|
| اور تمہارے لئے ہے | جو تم نے کمایا | اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا |

| | |
|---|---|
| كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ | عَمَّا |
| وہ کیا کرتے تھے | اس کے بارے میں جو |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اور یہ جو فرمایا کہ ''جو کچھ اُنہوں نے کمایا، وہ اُن کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے، وہ تمہارے لیے ہے''، یہ قرآن کا خاص اندازِ بیان ہے۔ ہم جس چیز کو فعل یا عمل کہتے ہیں، قرآن اپنی زبان میں اسے کسب یا کمائی کہتا ہے۔ ہمارا ہر عمل اپنا ایک اچھا یا برا نتیجہ رکھتا ہے، جو خدا کی خوشنودی یا ناراضگی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وہی نتیجہ ہماری کمائی ہے۔ چونکہ قرآن کی نگاہ میں اصل اہمیت اسی نتیجے کی ہے، اس لیے اکثر وہ ہمارے کاموں کو عمل و فعل کے الفاظ سے تعبیر کرنے کے بجائے ''کسب'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد ۱، ص ۱۱۴)۔

**نوٹ:2** یہ بات تو ہم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے نیک اعمال کے ثواب میں اور بُرے اعمال کے گناہ میں ہمارے آباؤ اجداد کا خصوصاً والدین کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت کے حوالہ سے اب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ آباؤ اجداد کی نیکیوں کے ثواب میں اور ان کی برائیوں کے گناہ میں ہم لوگوں کا یعنی اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)۔

## آیت:135

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ١٣٥﴾

| | | |
|---|---|---|
| ھ و د: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| م ل ل: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | ش ر ك: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | |

**ح ن ف**

(س) (ک) حَنَفًا و حَنَافَةً: ٹیڑھے پاؤں والا ہونا۔ عربی میں اَلْحَنْفَاء ٹیڑھے پاؤں کو کہتے ہیں۔

(ض) حَنَفًا: جھکنا۔ گمراہی سے استقامت کی طرف مائل ہونا۔ باطل راہ کو چھوڑ کر راہ حق اختیار کرنا۔ اس کے مقابلے پر جَنَفٌ آتا ہے جس کے معنی ہیں استقامت سے گمراہی کی طرف مائل ہونا۔ اس کے دوسرے معنی ہیں پاؤں ٹیڑھا کردینا۔

حَنِيْفٌ: ج: حُنَفَآءُ۔ حَنَفٌ سے بروزن فَعِيْلٌ، صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ گمراہی سے استقامت کی طرف مائل ہونے والا۔ سب باطل راہیں چھوڑ کر راہِ حق اختیار کرنے والا۔ اسلام کے احکام پر چلنے والا۔ ہمیشہ اور ہر حال میں یکسو۔ عرب ہر اس شخص کو حنیف کہہ کر پکارتے تھے جو بیت اللہ کا حج کرتا اور ختنہ کرواتا، مطلب وہ دین ابراہیمؑ کا پابند ہے۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا﴾ (16/ الانعام:79) ''میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڏ حُنَفَآءَ﴾ (98/ البینۃ:5) ''حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خالص رکھیں یکسو ہو کر۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے۔ كُوْنُوْا، كَانَ کا فعل امر ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى اس کی خبر ہے۔ تَهْتَدُوْا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ بَلْ سے پہلے كَلَّا محذوف ہے۔ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف مِلَّةَ کی نصب بتارہی ہے کہ یہ کسی محذوف فعل کا مفعول ہے، جو تَتَّبِعُ یا اِتَّبِعُوْا ہو سکتا ہے۔ حَنِيْفًا حضرت ابراہیمؑ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (نوٹ 2 دیکھیں)۔ مَاكَانَ میں كَانَ کا اسم اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے لئے ہے۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، كَانَ کی خبر ہے۔

| تھۡتَدُوۡا | ھُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی | کُوۡنُوۡا | وَقَالُوۡا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| تو تم ہدایت پالو گے | یہودی یا عیسائی | تم ہو جاؤ | اور ان لوگوں نے کہا | البقرۃ:135 |

| حَنِیۡفًا | مِلَّۃَ اِبۡرٰھٖمَ | بَلۡ | قُلۡ |
|---|---|---|---|
| جو یکسو تھے | (تم پیروی کرو) حضرت ابراہیمؑ کے دین کی | (ہرگز نہیں) بلکہ | آپؐ کہیے |

| مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ | وَمَا کَانَ |
|---|---|
| شرک کرنے والوں میں سے | اور وہ نہیں تھے |

**نوٹ:1** اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ، ہدایت پالو گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہودی اپنے لیے کہتے تھے کہ یہودی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے اور عیسائی اپنے لیے کہتے تھے کہ عیسائی ہو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ دونوں کے اقوال کو یہاں یکجا نقل کیا گیا ہے۔

**نوٹ:2** آیت مبارکہ میں اکثر بزرگوں نے حَنِیۡفًا کو حضرت ابراہیمؑ کا حال مانا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے مثلاً ''کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیمؑ کی جو ایک ہی طرف کا تھا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''آپ کہہ دیجئے کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیمؑ سیدھی راہ والے کا مذہب پالیا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''آپ فرمایئے میرا دین تو دینِ ابراہیمؑ ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا الحق پسند تھا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ البتہ کچھ بزرگوں نے اسے مِلَّۃَ کا حال مان کر بھی ترجمہ کیا ہے مثلاً ''آپؐ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اسی آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''حَنِیۡفًا ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیمؑ کا۔ اکثر اکابر تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من المضاف الیہ (کشاف) ھو حال من المضاف الیہ (ابوسعود)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حَنِیۡفًا صفت اِبۡرٰھٖمَ کی نہیں بلکہ مِلَّۃَ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا ''ہم نے پالیا ہے مذہب ابراہیمؑ کا جو سیدھی راہ ہے۔'' حَنِیۡفًا کے معنی بہرصورت مستقیمًا و مائلًا الی الحق کے ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تکون علی ملتہ علیہ السلام یا بل نتبع ملتہ علیہ السلام۔ (تفسیر ماجدی، ص ۶۸)

**نوٹ:3** آیت میں مِلَّۃَ ابراہیم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''ملت ابراہیمؑ ایک لقب ہے شریعت محمدیہ کا۔ سو یہ کہنا کہ ہم ملت ابراہیمؑ پر رہیں گے یا یہ کہنا کہ تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو مترادف اور ہم معنی اس کا ہے کہ کہا جاوے کہ ہم شریعت محمدیہ پر رہیں گے اور تم شریعت محمدیہ کا اتباع کرو۔ (بیان القرآن، اختصار شدہ، ص ۲۵)

## آیت:136

﴿قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰھٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰی وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّھِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡھُمۡ ۫ۖ وَ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ع ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ن ب و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| بَیۡنَ: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | اَحَدٌ: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ |

| س ب ط |
|---|

(س) سَبَاطًا، سُبُوطًا — بالوں کا سیدھا اور دراز ہونا۔ سیدھے بالوں کو سَبِطٌ یا سَبْطٌ کہتے ہیں۔ لمبی عورت کو عربی میں سَبِطَۃٌ کہتے ہیں اور طویل قد و قامت والے شخص کو سَبْطُ الْجِسْمِ کہتے ہیں۔ اسی طرح سخی کو سَبْطُ الْیَدَیْنِ یا سَبْطُ الْکَفَّیْنِ کہتے ہیں۔

سِبْطٌ — ج: اَسْبَاطٌ۔ اولاد کی اولاد یعنی پوتے اور نواسے۔ ایک دادا کی اولاد۔ قبیلہ۔ نسل۔ عام طور پر اس لفظ کا اطلاق نواسے پر ہوتا ہے جیسے حَفِیْدٌ کا اطلاق پوتے پر ہوتا ہے۔ عربی میں جب اسباط یہود یا اسباط بنی اسرائیل کہا جائے تو اس سے مراد وہ قبیلہ ہوتا ہے جو ایک دادا کی اولاد ہو۔ آیت زیر مطالعہ۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ زیر مطالعہ کے تحت فرماتے ہیں: ''اَلْاَسْبَاطِ جمع ہے سبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد و قیل اولاد البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے۔ لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور نواسوں دونوں کے لیے عام ہے۔ بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح اسباط کہلائیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص:۶۹)

**ترکیب**

قُوْلُوْٓا فعل امر ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ میں لفظ اللہ پر جو حرف جارہ ''بِ'' ہے، یہ آگے چاروں جگہ لفظ مَآ سے پہلے محذوف ہے۔ یعنی وہ دراصل بِمَآ ہیں۔ اِبْرٰهٖمَ سے لے کر وَالْاَسْبَاطِ تک تمام الفاظ اِلٰی کے زیر اثر حالت جر میں ہیں۔ اُوْتِیَ باب افعال کا ماضی مجہول ہے۔ مُوْسٰی، عِیْسٰی اور اَلنَّبِیُّوْنَ اس کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہیں۔ لَا نافیہ ہے اور نُفَرِّقُ مضارع میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ بَیْنَ ظرف مکان اور مضاف ہے۔ اَحَدٍ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی متعلق فعل ہے اور اسی طرح مِنْهُمْ بھی متعلق فعل ہے۔ نَحْنُ مبتداء، مُسْلِمُوْنَ خبر اور لَهٗ متعلق خبر مقدم ہے تاکید کے لئے۔ لَهٗ میں ہٗ ضمیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

**ترجمہ** — البقرۃ:136

| اِلَيْنَا | اُنْزِلَ | وَمَآ | بِاللّٰهِ | اٰمَنَّا | قُوْلُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|
| ہماری طرف | اُتارا گیا | اور اس پر جو | اللہ پر | ہم لوگ ایمان لائے | تم کہو |

| وَاِسْحٰقَ | وَاِسْمٰعِيْلَ | اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ | اُنْزِلَ | وَمَآ |
|---|---|---|---|---|
| اور حضرت اسحٰقؑ کی طرف | اور حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف | حضرت ابراہیمؑ کی طرف | اُتارا گیا | اور اس پر جو |

| مُوْسٰى | اُوْتِيَ | وَمَآ | وَالْاَسْبَاطِ | وَيَعْقُوْبَ |
|---|---|---|---|---|
| حضرت موسیٰؑ کو | دیا گیا | اور اس پر (ایمان لائے) جو | اور ان کی اولاد کی طرف | اور حضرت یعقوبؑ کی طرف |

| مِنْ رَّبِّهِمْ | النَّبِيُّوْنَ | اُوْتِيَ | وَمَآ | وَعِيْسٰى |
|---|---|---|---|---|
| ان کے رب کی طرف سے | دوسرے انبیاؑ کو | دیا گیا | اور اس پر (ایمان لائے) جو | اور حضرت عیسیٰؑ کو |

| مُسْلِمُوْنَ | لَهٗ | وَنَحْنُ | مِّنْهُمْ | بَيْنَ اَحَدٍ | لَا نُفَرِّقُ |
|---|---|---|---|---|---|
| فرمانبردار ہیں | اسی کے | اور ہم | ان میں سے | کسی ایک کے درمیان | ہم فرق نہیں کرتے |

**نوٹ** — اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصب کے ذکر کے بعد اب مسلمانوں کو تعلیم دی جا

رہی ہے کہ تم اِس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگر چہ اِن کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تمہارے قرآن کو نہ مانیں اور اُن انبیاء کی اُمت کہلانے والے تمہارے نبی مکرمؐ پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شرانگیزیوں سے اذیت پہنچائیں تب بھی تمہارا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ تم خدا کے بندے اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۹۸)

## آیت: 137

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | م ث ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | ش ق ق: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | | |

**ك ف ی**

(ض) كِفَايَةً (۱) کافی ہونا۔ کسی کی ضرورت کو اس طرح پوری کر دینا کہ پھر اسے کسی کی حاجت نہ رہے۔ (لازم) اس صورت میں عموماً اس کے فاعل پر ب زائدہ آتا ہے یعنی اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے جیسے مَا اور لَيْسَ کی خبر پہ آتا ہے۔ ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾﴾ (4/ النساء:45) ''اور کافی ہوا اللہ بطور مددگار کے۔'' ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾﴾ (48/ الفتح:28) ''اور کافی ہے اللہ بطور گواہ کے۔'' اس صورت میں نصیرًا اور شھیدًا دونوں تمیز ہیں۔ عربی میں کِفَايَةٌ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو ضرورت پوری کر دے اور كُفْيَةٌ اس غذا کو کہتے ہیں جو گزارہ کے لیے کافی ہو۔

(۲) کسی کی طرف سے اس کا کام پورا کر دینا اور اس کو اس کام کی تکلیف سے بچا لینا۔ کسی کو کسی سے بے نیاز کر دینا۔ (متعدی)۔ اس صورت میں یہ دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور دونوں مفعول بنفسہ آتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں كَفَيْتُهٗ شَرَّ عَدُوِّهٖ یعنی میں نے اس کو اس کے دشمن کے شر سے بچایا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾﴾ (15/ الحجر:95) ''ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ (33/ الاحزاب:25) ''اور جنگ میں اللہ اہل ایمان کے لیے کافی ہو گیا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ نیز آیت زیر مطالعہ۔

كَافٍ ج: كَافُوْنَ اور كُفَاةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ کافی ہونے والا۔ بے نیاز کرنے والا۔ ایسی ضرورت پوری کرنے والا کہ اس کے بعد کسی دوسرے کی ضرورت نہ رہے۔ عربی میں کہتے ہیں رَجُلٌ كَافِيْكَ مِنْ رَجُلٍ وَ رَجُلَانِ كَافِيْكَ مِنْ رَجُلَيْنِ وَ رِجَالٌ كَافُوْكَ مِنْ رِجَالٍ یعنی فلاں شخص تمہارے لیے کافی ہے اور اسی طرح تثنیہ اور جمع ہیں۔ اگر چہ اس کی جمع استعمال ہوتی ہے لیکن واحد کو تثنیہ اور جمع کے معنوں میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر یوں کہا جائے رَجُلٌ كَافِيْكَ رَجُلَانِ كَافِيْكَ۔ رِجَالٌ كَافِيْكَ، تب بھی ٹھیک ہوگا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (39/ الزمر:36) ''کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے؟ (یقیناً کافی ہے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی میں كَفِيٌّ اور كَفِيٌّ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

**ترکیب**
فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ شرط ہے اور فَقَدِ اهۡتَدَوۡا جواب شرط ہے۔اسی طرح وَاِنۡ تَوَلَّوۡا شرط ہے اور فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ جواب شرط ہے۔ اٰمَنُوۡا، اِهۡتَدَوۡا اور تَوَلَّوۡا کے فاعل ان میں شامل هُمۡ کی ضمیریں ہیں جو آیت نمبر 135 میں مذکور یہود ونصارٰی کے لئے ہیں۔ هُمۡ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے جو قَآئِمٌ یا رَاسِخٌ ہوسکتی ہے، جب کہ فِىۡ شِقَاقٍ قائم مقام خبر ہے۔ فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ میں پانچ کلمات ہیں۔ چنانچہ 'ف' حرف عطف ہے، 'س' مستقبل کے لیے ہے، يَكۡفِيۡ فعل مضارع ہے اور اللّٰهُ اس کا فاعل ہے، 'كَ' مفعول اوّل ہے اور مراد اس سے حضورؐ ہیں اور هُمۡ مفعول ثانی ہے جو یہود اور نصارٰی کے لیے ہے۔ آگے هُوَ مبتدا ہے اور اَلسَّمِيۡعُ خبر اوّل اور اَلۡعَلِيۡمُ خبر ثانی ہے۔

**ترجمہ**
البقرة:137

| بِهٖ | اٰمَنۡتُمۡ | بِمِثۡلِ مَاۤ | فَاِنۡ اٰمَنُوۡا |
|---|---|---|---|
| جیسے | تم لوگ ایمان لائے ہو | اس کی طرح | پس اگر وہ لوگ ایمان لائیں |

| فَاِنَّمَا | وَاِنۡ تَوَلَّوۡا | فَقَدِ اهۡتَدَوۡا |
|---|---|---|
| تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ | اور اگر وہ منہ پھیر لیں | تو انہوں نے ہدایت پالی |

| فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ | فِىۡ شِقَاقٍ | هُمۡ |
|---|---|---|
| تو کافی ہوجائے گا آپؐ کو ان کے مقابلے میں | مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں | وہ |

| السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ | وَهُوَ | اللّٰهُ |
|---|---|---|
| سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے | اور وہی | اللہ |

**نوٹ**
آیت نمبر 13 میں جو بات كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ کے الفاظ میں کہی گئی تھی اور جس کی وضاحت وہیں پر نوٹ 2 میں کردی گئی تھی، وہی بات اس آیت میں بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ کے الفاظ میں کہی گئی ہے۔ اس حوالہ سے یہ بات دوبارہ ذہن نشین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہی ایمان مقبول ہے جو صحابہ کرام کے ایمان جیسا ہو۔ غیر مستند اور خودساختہ توہمات پر ایمان لانا نیکی نہیں ہے۔ اس کو قرآن مجید میں امانی کہا گیا ہے۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)۔

## آیت:138

﴿ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ﴾ ١٣٨

ح س ن: البقرة آیت 58 دیکھیں۔ ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔

**ص ب غ**

(ف) صَبَغًا وصِبۡغًا: بنیادی مفہوم ہے رنگنا اور ڈبونا۔ پھر کام میں مشغول ہونا، پانی سے بپتسمہ دینا اور کسی چیز کی کیفیت بدل دینا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں صَبَغُوۡنِیۡ فِیۡ عَيۡنِكَ، انہوں نے میری برائی تمہارے سامنے بیان کر کے میری کیفیت بدل دی۔

صِبۡغَةٌ: رنگ۔ بپتسمہ کا رنگ۔ دین۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''دین ''سبغۃ'' سے اس لیے موسوم ہوا کہ جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح دیندار پر دین کا اثر ظاہر ہوتا ہے یا جس طرح سے کہ کپڑے میں رنگ ہوتا ہے اسی طرح دیندار کو دین لازم ہے کہ اس سے الگ نہیں ہوتا۔'' (لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۶)۔ آیت زیر مطالعہ۔

صِبۡغٌ سالن۔ امام بغویؒ لکھتے ہیں: ''صِبۡغٌ اور صِبَاغٌ وہ سالن ہے کہ جب روٹی اس میں ڈبوئی جائے تو وہ روٹی کو رنگ دے اور روٹی رنگین ہو جائے اور 'ادام' ہر وہ سالن ہے جو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ روٹی اس سے رنگین ہو یا نہ ہو۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج۴، ص۱۶)۔ ﴿ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ﴾ (23/المومنین:20) ''وہ اُگتا ہے تیل کے ساتھ اور سالن کے ساتھ کھانے والوں کے لئے۔''

**ترکیب** صِبۡغَةَ اللّٰهِ (مرکب اضافی) کی کئی طرح سے ترکیب کی گئی ہے۔ مثلاً (۱) یہ محذوف فعل کا مفعول مطلق ہے اور معنی ہیں صَبَغَنَا اللّٰهُ صِبۡغَةً یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ (ماجدیؒ)۔

(۲) یا یہ محذوف فعل کا مفعول بہ ہے اور محذوف فعل اِتَّبِعُوۡا، اَلۡزِمُوۡا یا تَقَبَّلُ ہو سکتا ہے۔

(۳) یا اس کے معنی ہیں عَلَيۡكُمۡ صِبۡغَةَ اللّٰهِ۔ (واللہ اعلم)۔

مَنۡ استفہامیہ اور مبتداء ہے، اَحۡسَنُ خبر اور مِنَ اللّٰهِ متعلق خبر ہے جب کہ صِبۡغَةً تمیز ہے۔ نَحۡنُ مبتداء اور عٰبِدُوۡنَ خبر ہے جب کہ متعلق خبر لَهٗ کو تاکید کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔

| ترجمہ | صِبۡغَةَ اللّٰهِ | وَمَنۡ | اَحۡسَنُ | مِنَ اللّٰهِ | صِبۡغَةً |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:138 | (ہم قبول کرتے ہیں) اللہ کے دین کو | اور کون | زیادہ اچھا ہے | اللہ سے | بلحاظ رنگ (یعنی دین) کے |

| وَّنَحۡنُ | لَهٗ | عٰبِدُوۡنَ |
|---|---|---|
| اور ہم | اس کی ہی | بندگی کرنے والے ہیں |

**نوٹ:1** حضرت شیخ الہندؒ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''(ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''(ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے)۔''

**نوٹ:2** اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اس آیت کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ 'ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا۔' دوسرے یہ کہ 'اللہ کا رنگ اختیار کرو'۔ مسیحیت کے ظہور سے پہلے یہودیوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ جو شخص اُن کے مذہب میں داخل ہوتا، اُسے غسل دیتے تھے اور اِس غسل کے معنی ان کے ہاں یہ تھے کہ گویا اس کے گناہ دُھل گئے اور اس نے زندگی کا ایک نیا رنگ اختیار کر لیا۔ یہی چیز بعد میں مسیحیوں نے اختیار کر لی۔ اس کا اصطلاحی نام ان کے ہاں اِصطباغ (بپتسمہ) ہے اور یہ اصطباغ نہ صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اُن کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں، بلکہ بچوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق قرآن کہتا ہے، اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے؟ اللہ کا رنگ اختیار کرو، جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا، بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے چڑھتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۱، ص۱۱۶)۔

## آیت:139

﴿ قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ‌ۚ وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ‌ۚ وَنَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ ۙ﴿۱۳۹﴾ ﴾

| |
|---|
| ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ د ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| خ ل ص: البقرۃ آیت 94 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

قُلْ فعل امر ہے۔ اَتُحَاجُّوْنَنَا میں ہمزہ استفہام کا ہے۔ تُحَاجُّوْنَ فعل مضارع ہے اور اس کے ساتھ ضمیر مفعولی نَا ہے، فِي اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَ هُوَ رَبُّنَا کا واو حالیہ ہے۔ هُوَ مبتداء، رَبُّنَا خبر ہے اور رَبُّكُمْ عطف ہے رَبُّنَا پر۔ اَعْمَالُنَا مبتداء مؤخر ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جب کہ لَنَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ نَحْنُ مبتداء، لَهٗ متعلق خبر مقدم اور اسم الفاعل مُخْلِصُوْنَ خبر ہے۔

**ترجمہ**

البقرۃ:139

| قُلْ | اَتُحَآجُّوْنَنَا | فِي اللّٰهِ | وَ | هُوَ |
|---|---|---|---|---|
| آپ فرمایئے | کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے | اللہ (کے بارے) میں | حالانکہ | وہ |

| رَبُّنَا | وَرَبُّكُمْ | وَلَنَآ | اَعْمَالُنَا |
|---|---|---|---|
| ہمارا بھی رب ہے | اور تمہارا بھی رب ہے | اور ہمارے لئے ہیں | ہمارے اعمال |

| وَلَكُمْ | اَعْمَالُكُمْ | وَنَحْنُ | لَهٗ |
|---|---|---|---|
| اور تمہارے لئے ہیں | تمہارے اعمال | اور ہم | اسی کے لئے |

| مُخْلِصُوْنَ |
|---|
| خالص کرنے والے ہیں (اپنی بندگی کو) |

**نوٹ:1** "اَتُحَاجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ" کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "کیا تمہارا جھگڑا ہمارے ساتھ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہے۔" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر واقعی تمہارا یہ جھگڑا نفسانی نہیں ہے، بلکہ خدا واسطے کا ہے، تو یہ بڑی آسانی سے طے ہوسکتا ہے۔" (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۱۷)

**نوٹ:2** اخلاص کی حقیقت: وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اس میں امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ کے لیے مخلص ہے، اخلاص کے معنی حضرت سعید بن جبیرؒ نے یہ بتلائے ہیں کہ انسان اپنے دین میں مخلص ہو، کہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اپنے عمل کو خالص اللہ کے لیے کرے، لوگوں کو دکھلانے یا ان کی مدح و شکر کی طرف نظر نہ ہو۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان، وہ صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۳۵۸)

## آیت: 140

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| اَمْ: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | س ب ط: البقرۃ آیت 136 دیکھیں۔ | ھ و د: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ |
| ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ك ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ |
| ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | غ ف ل: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

اَمْ منقطعہ ہے اور اس کے معنی ہیں 'کیا'۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور اِبْرٰهٖمَ سے لے کر وَالْاَسْبَاطَ تک سب اِنَّ کے اسم ہیں۔ جب کہ اِنَّ کی خبر کے طور پر پورا جملہ آیا ہے جو کہ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ہے۔ اس جملہ میں كَانُوْا کا اسم اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو کہ اِبْرٰهٖمَ سے لے کر وَالْاَسْبَاطَ تک سب کے لئے ہے۔ جب کہ اس کی خبر هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ہے۔ ءَ اَنْتُمْ میں ءَ استفہامیہ ہے، اَنْتُمْ مبتداء اور اَعْلَمُ خبر ہے۔ اَمِ اللّٰهُ میں اَمْ بطور عطف ہے، لفظ اللّٰهُ مبتداء اور اس کی خبر اَعْلَمُ محذوف ہے۔ مَنْ استفہامیہ مبتداء اور اَظْلَمُ اس کی خبر ہے۔ مِمَّنْ اصل میں مِنْ مَنْ ہے۔ یہ مَنْ استفہامیہ بھی مبتداء ہے اور كَتَمَ سے لے کر مِنَ اللّٰهِ تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ كَتَمَ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لئے ہے۔ اس کا مفعول شَهَادَةً ہے جو نکرہ مخصوصہ ہے۔ جب کہ عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ اس کی خصوصیت ہے۔ مَا نافیہ ہے اور لفظ اللّٰهُ، مَا نافیہ کا اسم ہے اور بِغَافِلٍ اس کی خبر ہے۔ جب کہ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے۔ عَمَّا دراصل عَنْ مَا ہے۔

**ترجمہ**

البقرۃ:140

| اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ | اِنَّ | اَمْ تَقُوْلُوْنَ |
|---|---|---|
| ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد | کہ | کیا تم کہتے ہو |

| اَعْلَمُ | ءَ اَنْتُمْ | قُلْ | هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى | كَانُوْا |
|---|---|---|---|---|
| زیادہ جانتے ہو | کیا تم | آپ فرمایئے | یہودی یا عیسائی | وہ سب تھے |

| كَتَمَ | مِمَّنْ | اَظْلَمُ | وَمَنْ | اَمِ اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|
| چھپاتا ہے | اس سے جو | زیادہ ظالم ہے | اور کون | یا اللہ (زیادہ جانتا ہے) |

| وَمَا اللّٰهُ | مِنَ اللّٰهِ | عِنْدَهٗ | شَهَادَةً |
|---|---|---|---|
| اور اللہ | اللہ (کی طرف) سے | اس کے پاس ہے | اس گواہی کو جو |

| تَعْمَلُوْنَ | عَمَّا | بِغَافِلٍ |
|---|---|---|
| تم لوگ کر رہے ہو | اس سے جو | ہرگز بے خبر نہیں ہے |

## آیت:141

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ع﴾

**نوٹ**

آیت 134 دیکھیں۔

## آیت: 142

﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ف ہ: البقرۃ آیت 13 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ |
| ش ر ق: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | غ ر ب: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | س ر ط: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ترکیب** سَيَقُوْلُ کا فاعل اَلسُّفَهَآءُ ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی وضاحت ہے۔ مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے، جب کہ جملہ فعلیہ وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا اس کی خبر ہے۔ عَنْ قِبْلَتِهِمْ متعلق فعل ہے اور جملہ اَلَّتِیْ (اسم موصول) كَانُوْا عَلَيْهَا (صلہ) صفت ہے، قِبْلَةِ کی۔ اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ مبتداء موخر ہیں ان کی خبر محذوف ہے اور لِلّٰهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ يَهْدِیْ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لئے ہے اور مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَّشَآءُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے، يَهْدِیْ کا۔ آگے اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، متعلق فعل ہے۔

| ترجمہ | سَيَقُوْلُ | السُّفَهَآءُ | مِنَ النَّاسِ | مَا | وَلّٰىهُمْ | عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:142 | عنقریب کہیں گے | بیوقوف | لوگوں میں سے | کس چیز نے | پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو | ان کے اُس قبلے سے |

| كَانُوْا | عَلَيْهَا ؕ | قُلْ | لِّلّٰهِ | الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ | يَهْدِیْ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ لوگ تھے | جس پر | آپ ؐ فرمایئے | اللہ ہی کا ہے | مشرق اور مغرب | وہ ہدایت دیتا ہے |

| مَنْ | يَّشَآءُ | اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ |
|---|---|---|
| اس کو جس کو | وہ چاہتا ہے | ایک سیدھے راستے کی طرف |

**نوٹ** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’سَيَقُوْلُ میں س ہوسکتا ہے کہ مستقبل کے لیے ہو اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لیے ہو اور معنی صیغۂ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول، ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لیے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یہاں ماضی مراد ہے اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے کہ صیغہ مضارع یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے۔ اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ رسول اللہؐ نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اُسی رُخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپؐ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا، کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبوری تھی۔ آخر ورودِ مدینہ کے ۱۶ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانۂ کعبہ مکہ میں مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقعہ ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رُخ دفعۃً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔

بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ ؐ کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔وہ یوں بھی رسول اللہ ؐ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے،اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بددینوں میں سے ہو گئے۔السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ سے یہی لوگ مراد ہیں۔سفہاء جمع ہے سفیہ کی،اور سفیہ کے معنی کم عقل یا بدعقل کے ہیں۔یہاں سفاہت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل وقال کرنے والوں کے حق میں ہے۔السفهاء سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آ چکا ہے۔السفهاء هم اليهود (بخاری عن البراءؓ) صحابہ وتابعین کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں۔راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لیے۔ (تفسیر ماجدیؒ،ص۱۷)

## آیت :143

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ١٤٣﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ء م م: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ | ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ك ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | | |

### و س ط

(ض) وَسْطًا، سِطَةً: بیچ میں بیٹھنا۔بیچ میں ہونا۔درمیان میں جا گھسنا۔﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝﴾(100/العٰدیٰت:5)''پھر اسی کے ساتھ وہ (یعنی گھوڑے) دشمن کے لشکر کے درمیان گھس جاتے ہیں۔''عربی زبان میں وُسُوْطُ الشَّمْسِ کا مطلب ہے سورج کا آسمان کے بیچ میں آنا اور مَوْسَطُ الْبَیْتِ کا مطلب ہے گھر کا درمیانی حصہ۔

(ک) وَسَاطَةً: شریف ہونا۔صاحب حسب ونسب ہونا۔

اَوْسَطُ: مؤنث: وُسْطٰی۔افعل التفضیل ہے۔درمیان۔درمیانی۔عقل مند۔بہترین۔﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾(5/المائدہ:89)''تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ (68/القلم:28)''ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے حاشیے میں پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں:''اَوْسَطُهُمْ کا معنی یا تو منجھلا بھائی ہے یا اَعْقَلُهُمْ: ان میں سب سے زیادہ زیرک اور عقل مند۔''(ضیاء القرآن،ج۵،ص:۳۳۷)۔اسی آیت کا ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ یوں کرتے ہیں۔''پھر ان میں سے جو (نسبۃً) بہتر تھا،وہ بولا کہ۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اور حاشیے میں فرماتے ہیں:''اَوْسَطُهُمْ: یعنی ان لوگوں میں سے بہترین شخص۔ابن عباسؓ صحابی اور ائمہ تابعین نے یہی معنی لیے ہیں۔بعض نے لفظی معنی لے کر باغ کے مالکوں میں سے منجھلے بھائی سے

مراد لی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ:۱۱۱۹)۔﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (2/البقرۃ:238) ''پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**وَسَطٌ** یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ہر چیز کی درمیانی جگہ کو وَسَطُ الشَّيْءِ کہتے ہیں، جہاں سے اس کے دونوں طرف فاصلہ برابر ہو۔ اس کا استعمال ایک جسم پر ہوتا ہے جیسے وَسَطُ الْجَبَلِ: پہاڑ کا درمیانی حصہ، وَسَطُ الْجِدَارِ: دیوار کا درمیانی حصہ یا وَسَطُهٗ صُلْبٌ: اس کا درمیان سخت ہے۔

(۲) ہر متعدل چیز کو وَسَطٌ کہتے ہیں یعنی وہ چیز جو ہر کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک ہو۔ جیسے بخل اور اسراف کے درمیان جُوْدٌ ہے۔ اسی معنی کی مناسبت سے یہ لفظ عَدْلٌ کی طرح ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لیے بولا جاتا ہے مثلاً جو شخص اپنی قوم میں بلحاظ حسب و نسب سب سے بہتر ہو اس کے متعلق کہتے ہیں هٰذَا وَسَطُهُمْ حَسَبًا۔ اسی معنی کے لحاظ سے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا: ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک متعدل امت بنایا ہے۔'' چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''لفظ وَسَط بفتح السین بمعنی اوسط ہے، اور خیر الامور اور افضل اشیاء کو وَسَط کہا جاتا ہے، ترمذی میں بروایت ابو سعید خدریؓ آنحضرتؐ سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے، جو بہترین کے معنی میں آیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص:۳۶۵)۔ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو۔ ہر کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک۔ وَسَطًا۔ عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے اور ائمہ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷۱)۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ اُمت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۲۷)۔

(۳) کبھی وَسَطٌ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو نہ زیادہ اچھی ہو اور نہ بُری ہو بلکہ درمیانے درجے کی ہو۔

(۴) اور کبھی کنایۃً وَسَطٌ کا لفظ ایسے شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو کم درجے کا ہو اور درجۂ خیر سے گرا ہوا ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں فُلَانٌ وَسَطٌ مِّنَ الرِّجَالِ۔ (تلخیص از مفردات القرآن)۔

قرآنِ مجید میں یہ لفظ صرف دوسرے معنیٰ میں آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

| ع | ق | ب |
|---|---|---|

(ض۔ن) **عَقْبًا** (۱) ایڑی مارنا۔ (۲) پیچھے آنا۔ (۳) جانشین ہونا۔ (۴) ایک چیز کے بعد دوسری چیز کا آنا۔ جیسے عَقَبَ الثَّانِي الْاَوَّلَ: دوسرا، پہلے کے پیچھے ہو لیا یا عَقَبَ اللَّيْلَ النَّهَارُ: رات کے بعد صبح آئی۔ (۵) نتیجہ ظاہر ہونا۔ بدلہ سامنے آنا۔ ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**عَقْبٌ** ہر پیچھے آنے والی چیز۔

**عَقِبٌ اور عَقْبٌ** ج: اَعْقَابٌ۔ (۱) ایڑی۔ حدیث شریف میں فرمایا: وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ یعنی (وضو میں خشک رہنے والی) ایڑھیوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ عربی محاورے میں رَجَعَ عَلٰى عَقِبِهٖ یا اِنْقَلَبَ عَلٰى عَقِبَيْهِ کا مطلب ہوتا ہے وہ الٹے پاؤں واپس لوٹا۔ یعنی جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے لوٹ گیا یا پہلی حالت پر لوٹ گیا۔ قرآنِ

مجید میں فرمایا: ﴿ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴾(8/الانفال:48) ''تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾(3/آل عمران:149) ''تو وہ پھیر دیں گے تم لوگوں کو تمہاری ایڑیوں پر۔''

(۲) بطور استعارہ عَقِبٌ کا لفظ بیٹے، پوتے، اولاد اور نسل کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾(43/الزخرف:28) ''اور آپؑ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۳) پھر عَقِبٌ کا لفظ کسی چیز کے آخری حصے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً: جَاءَ فِيْ عَقِبِ الشَّهْرِ کا مطلب ہے وہ مہینے کے آخری دنوں میں آیا۔ لیکن اس معنی میں یہ لفظ شاید قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

**عَقَبَةٌ** اسم ذات ہے۔ دشوار گزر گھاٹی۔ پہاڑ پر چڑھنے کا دشوار گزار راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی بلندی کی طرف جاتا ہو۔ ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾(90/البلد:11) ''پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عملِ خیر کی دشوار) گھاٹی میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) **اِعْقَابًا** کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔ اچھا یا برا بدلہ دینا۔ یہ لفظ عموماً اچھے بدلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی چیز کا اثر چھوڑنا۔ کسی چیز کا وارث بنانا یعنی جانشین بنانا۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا۔ مرنا اور اولاد چھوڑنا۔ عربی میں کہتے ہیں اَعْقَبْتُ الرَّجُلَ میں نے آدمی کو اچھا بدلہ دیا۔ اَعْقَبَ فُلَانٌ کا مطلب ہے فلاں مر گیا اور اولاد چھوڑ گیا۔ اسی طرح اُعْقِبَ عِزُّهٗ ذُلًّا کا مطلب ہے اس کی عزت، ذلت سے بدل دی گئی۔ وغیرہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾(9/التوبۃ:77) ''پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوگئی۔ حضرت تھانویؒ اسی آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کر دیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(تفعیل) **تَعْقِيْبًا** پیچھے آنا۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا۔ ایک چیز کے بعد دوسری چیز لانا۔ کسی چیز کو پیچھے ڈالنا یعنی کسی چیز کو رد کر دینا۔ ﴿ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ﴾ (27/النمل:10) ''آپؑ پیٹھ پھیر کر وہاں سے چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُعَقِّبٌ** اسم الفاعل ہے۔ پیچھے آنے والا۔ ایک چیز کے بعد دوسری چیز لانے والا۔ کسی چیز کو پیچھے ڈالنے والا یعنی رد کرنے والا۔ محافظ۔ نگران۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ﴾ (13/الرعد:41) ''اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یعنی اللہ کے فیصلے کے بعد کسی اور کا فیصلہ نہیں آ سکتا یا کوئی اس کے فیصلے میں رد و بدل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اس کے حکم میں۔''

**مُعَقِّبَةٌ** ج: مُعَقِّبَاتٌ۔ مُعَقِّبٌ کی مؤنث۔ معقبہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دوسری جماعت کے پیچھے متصل آئے۔ یعنی یکے بعد دیگرے آنے والے۔ باری باری آنے والے۔ لوٹ آنے والے۔ اور پھر یہ لفظ محافظ، پہرے دار اور نگران کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ﴾ (13/الرعد:11) ''انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''ہر ایک کے لیے باری باری آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''اس کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کی تحت صاحبؒ احسن

البیان فرماتے ہیں: ’’مُعَقِّبٰتٌ، مُعَقِّبَۃٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔‘‘ (احسن البیان، ص ۶۸۰)

مُعَاقَبَۃً و عِقَابًا (مفاعلہ) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کے پیچھے ہولینا۔ پھر یہ لفظ مواخذہ کرنا۔ کسی جرم پر سزا دینا۔ بدلہ دینا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ کسی کو تکلیف دینا اور باری آنا یا نوبت آنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ بعض بزرگوں کے نزدیک جب معنی باری آنا یا نوبت آنا کے ہوں تو فعل عُقْبَۃٌ سے مشتق مانا جائے گا۔ (عُقْبَۃٌ کا مطلب ہے باری۔ عربی میں کہتے ہیں تَمَّتْ عُقْبَتُكَ یعنی تمہاری باری پوری ہوگئی۔ واللہ اعلم)۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (16/النحل:126) ’’اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو، لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (2/البقرہ:196) ’’اور تم لوگ جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔‘‘ ﴿وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ (60/الممتحنۃ:11) ’’اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آئے، پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت آئے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ’’اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے)۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’یہ عاقبتم۔ عقاب سے نہیں العقبۃ سے ہے اور مراد یہ ہے کہ تمہاری کوئی بیوی کافروں کے پاس چھوٹ جائے، یا تمہارے ذمہ کسی کا مہر واجب الادا رہ جائے۔‘‘ (تفسیر ماجدی، ص ۱۰۹۱)۔ اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’آیت میں فعاقبتم کا کلمہ عقاب سے مشتق نہیں جس کا معنی سزا ہے بلکہ عقبۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نوبت یا باری۔ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۲۰۴)۔

نوٹ: اِعْقَابٌ (افعال) اور مُعَاقَبَۃٌ میں فرق یہ ہے کہ پہلے لفظ کا استعمال جزاء خیر کے لیے ہوتا ہے اور دوسرے کا جزاء شر کے لیے، علامہ ابوالقاسم بن القطاع کتاب الافعال میں لکھتے ہیں: اہل عرب کہتے ہیں اعقبت الرجل یعنی میں نے اس شخص کے ساتھ بہتر بدلہ کیا اور عاقبتہ یعنی (میں نے) اس کو برا بدلہ دیا۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۹۹)۔

نوٹ: حضرت مفتی محمد شفیعؒ سورۃ الممتحنہ کی آیت 11 ﴿وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ’’عَاقَبْتُمْ، معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے معنی عَاقَبْتُمْ (مفاعلہ)، عَقَّبْتُمْ (تفعیل) اَعْقَبْتُمْ (افعال) کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہیں اور اس آیت میں لفظ عَاقَبْتُمْ کی یہ تینوں قراءتیں بھی مختلف قراء سے منقول ہیں اور حضرت قتادہؒ ومجاہدؒ سے ان تینوں لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں۔‘‘ (معارف القرآن، ج ۸، ص ۴۱۵، تلخیصاً)۔

عِقَابٌ مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ سزا۔ عذاب۔ عِقَابٌ وہ سزا ہے جو ارتکاب جرم کے پیچھے دی جاتی ہے۔ (یعنی جو جرم ثابت ہوجانے کے بعد دی جاتی ہے)۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ ہے ’’پاداش جرم‘‘۔ ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ (13/الرعد:32) ’’اور بالیقین رسولوں کے ساتھ آپؐ کے قبل بھی استہزاء ہو چکا ہے لیکن میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی (سخت) تھی!‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔

عَاقِبْ ج: عَاقِبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو سزا دے۔ تو بدلہ دے۔ تو تکلیف دے۔ اوپر سورۂ نحل کی آیت 126 دیکھیں۔

**عُقْبٰی** یہ فُعْلٰی کے وزن پر ہے جو افعل التفضیل میں مؤنث کا وزن ہے اور بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہے کسی چیز کا انجام۔ کسی کام کی جزاء یا بدلہ۔ کسی چیز کا آخر۔ آخرت۔ کسی فعل پر جو جزاء دی جاتی ہے اسے عُقْبٰی کہتے ہیں۔ عام طور پر یہ لفظ ثواب اور نیکی کی اچھی جزاء کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (13/الرعد:22) ''اور کرتے ہیں برائی کے مقابلے میں بھلائی، ان لوگوں کے لیے ہے آخرت کا گھر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں، انہی کے حق میں نیک انجام ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کی تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: عقبی الدار۔ یعنی جنت جو اس دنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ: ۵۵۰)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور مدافعت کرتے رہتے ہیں نیکی سے برائی کی، انہی لوگوں کے لیے دار آخرت کی راحتیں ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**عُقْبٌ** اسم ذات ہے۔ نتیجہ۔ انجام۔ اس کا استعمال بھی عام طور پر ثواب کے ساتھ مخصوص ہے۔ ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا﴾ (18/الکھف:44) ''وہ بہتر ہے بطور بدلے کے اور بہتر ہے بطور انجام کے۔''

**عَاقِبَةٌ** اسم ذات ہے۔ اس کا استعمال ہر شے کے آخر اور انجام کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ ترجمہ کیا جاتا ہے۔ انجام، چاہے اچھا ہو یا برا۔ بدلہ، چاہے اچھا ہو یا برا۔ آخر۔ آخرت۔ عام طور پر اس کا استعمال بھی ثواب کے لیے مخصوص ہے جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (11/ھود:49) ''یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (20/طٰہٰ:132) ''اور بہتر انجام پرہیزگاری ہی کا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ البتہ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اپنے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (3/آل عمران:137) ''اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (7/الاعراف:84) ''سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا انجام ہوا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى﴾ (30/الروم:10) ''پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا، برا ہی ہوا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا﴾ (59/الحشر:17) ''سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور فرمایا: ﴿وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (22/الحج:41) ''اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور انجام (سب) کاموں کا اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

نوٹ: صاحبؒ لغات القرآن میں فرماتے ہیں: ''عُقْبٌ، عُقْبٰی اور عَاقِبَةٌ کا استعمال ثواب اور نیکی کی بہتر جزاء کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح عُقُوْبَةٌ، مُعَاقَبَةٌ اور عِقَابٌ کا استعمال عذاب اور برائی کی سخت سزا کے لیے خاص ہے۔ البتہ اضافت کے ساتھ عَاقِبَةٌ کا استعمال عُقُوْبَةٌ کے معنوں میں بھی ہو جاتا ہے، مثلاً اوپر آیات دیکھیں۔ (الروم:10) (الحشر:17)۔ اسی طرح قرآنِ مجید میں عُقْبٰی کا استعمال ثواب اور عذاب دونوں کے لیے ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ (13/الرعد:35) ''یہ بدلہ ہے ان کا جو ڈرتے رہے اور بدلہ منکروں کا آگ ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۴، ص ۳۳۵ تلخیصاً)۔ یہی بات پیر کرم شاہ صاحبؒ نے (الرعد:22) ''کے تحت بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''کسی فعل پر جو جزاء دی جاتی ہے اس کو عُقْبٰی کہتے ہیں۔ اس کا لغوی معنی پیچھے آنا ہے اور کیونکہ ہر فعل کی جزاء اس کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے عقبٰی کہتے ہیں۔ اعقبہ کا معنی ہے جازاہ۔ اگر جزاء اچھی ہو تو اس کے لیے العقبة العقبیٰ العاقبة: کے لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ اور اگر جزاء بری

ہوتو اس کے لیے العقوبۃ المعاقبۃ اور العقاب کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ عاقبۃ کا لفظ اگر مضاف ہو تو پھر یہ عذاب کا معنی بھی دیتا ہے (مثلاً الرعد:35)۔'' (ضیاء القرآن، ج۲،ص:۴۸۷)

| ض ی ع |
|---|

(ض) **ضَیَاعًا** کسی چیز کا تلف ہونا۔ ضائع ہونا۔ بیکار رہنا۔ عربی میں ضَیْعَۃٌ کے معنی جائیداد کے ہیں کیونکہ اگر اس کی نگہداشت نہ کی جائے تو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تَضِیْعُ الرِّیْحُ کا مطلب ہے ہوا کا اس قدر تند و تیز ہونا کہ جس چیز پر سے گزرے اسے تباہ کر دے۔

(افعال) **اِضَاعَۃً** کسی چیز کو تلف کرنا۔ ضائع کرنا۔ بیکار کرنا۔ ﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ﴾ (3/آل عمران:195) ''کہ میں ضائع نہیں کرتا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، تم میں سے۔'' ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ﴾ (19/مریم:59) ''پس جانشین بنے اُن کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) اور آیت زیر مطالعہ۔

| ر ء ف |
|---|

(ف) **رَاْفَۃً** نرم دل ہونا۔ شفیق ہونا۔ مہربان ہونا۔

**رَاْفَۃٌ** اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ شفقت۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً﴾ (57/الحدید:27) ''اور ہم نے بنایا یعنی رکھا اُن کے دلوں میں جنہوں نے پیروی کی انؑ کی، نرمی اور رحمت۔'' دل کی نرمی اگر وقتی ہو تو اس کے لیے خشوع قلب کی اصطلاح ہے، لیکن کسی کی شخصیت میں دل کی نرمی اگر مستقل صفت بن جائے تو اس کے لیے قرآن کی اصطلاح '' رَءْفَۃٌ'' ہے اور اس صفت کی حامل شخصیت کو رَءُوْفٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ صرف ایک جگہ، سورۃ التوبہ:128 میں یہ لفظ رسول اللہؐ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ انگریزی میں اس کو Empathy کہتے ہیں جو Sympathy (ہمدردی) سے بلند تر درجہ کی خوبی مانی جاتی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: '' رأفت و رحمت کے دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی اور مرادف سمجھے جاتے ہیں...... بعض حضرات نے فرمایا کہ رأفت شدت رحمت کو کہا جاتا ہے گویا عام رحمت سے اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور بعض نے فرمایا کہ کسی شخص پر رحمت و شفقت کے دو تقاضے عادۃً ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ اگر کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے تو اس کی تکلیف کو دُور کر دیا جائے اس کو رأفت کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ دے دی جائے، یہ رحمت ہے، غرض رأفت کا تعلق دفع مَضَرَّت کے ساتھ ہے، اور رحمت کا جَلْبِ مَنْفَعَت کے ساتھ، اور چونکہ دفع مضرت ہر اعتبار سے مقدم سمجھی جاتی ہے، اس لیے عموماً جب یہ دونوں لفظ یک جا بولے جاتے ہیں تو رأفت کو رحمت پر مقدم بولا جاتا ہے۔ (مثلاً الحدید: 27، التوبۃ: 128۔ معارف القرآن، ج۸،ص: ۳۲۶)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: '' رافت اور رحمت۔ یہ دونوں لفظ قریب قریب ہم معنی ہیں مگر جب یہ ایک ساتھ بولے جاتے ہیں تو رافت سے مراد وہ رقیق القلبی ہوتی ہے جو کسی کو تکلیف و مصیبت میں دیکھ کر ایک شخص کے دل میں پیدا ہو۔ اور رحمت سے مراد وہ جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اس کی مدد کی کوشش کرے۔'' (تفہیم القرآن، ج۵،ص: ۳۲۴)۔

**رَءُوْفٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت نرمی کرنے والا۔ بہت شفقت کرنے والا۔ ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (2/البقرہ:207) ''اور اللہ بہت نرمی کرنے والا ہے بندوں سے۔''

## ترکیب

وَ استئنافیہ ہے اور کَذٰلِكَ کا مطلب ہے ''اسی طرح''۔ اس میں کَ حرف تشبیہ ہے، ذا اسم اشارہ ہے، لِ حرف بُعد ہے اور كَ کافِ خطاب ہے۔ ''اسی طرح'' سے مراد کیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''یعنی جیسا تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے، ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبرؐ کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا۔'' (تفسیر عثمانی: ۲۷) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یعنی جیسے ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہیں راہِ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی، اسی طرح ہر معاملہ میں تمہیں امت وسط بنایا'' (ضیاء القرآن، ج ا،ص:۱۰۰)۔ جَعَلْنٰا کا مفعول اوّل كُمْ کی ضمیر ہے، جب کہ مرکب توصیفی اُمَّةً وَّسَطًا مفعول ثانی ہے۔ لِتَكُوْنُوْا پر لام کَیْ داخل ہوا ہے اس لئے تَکُوْنُوْنَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، شُهَدَآءَ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور عَلَى النَّاسِ متعلق خبر ہے۔ يَكُوْنَ کی نصب لام کَیْ کی وجہ سے ہے جو لِتَكُوْنُوْا پر آچکا ہے اور اس کا اسم اَلرَّسُوْلُ ہے، جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے، شَهِيْدًا اس کی خبر ہے اور عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا میں مَا نافیہ ہے اور جَعَلْنَا کا مفعول اَلْقِبْلَةَ ہے جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے جب کہ اَلَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا کا پورا فقرہ اَلْقِبْلَةَ کی صفت ہے۔ كُنْتَ کا اسم اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے، اس کی خبر محذوف ہے جو کہ قَآئِمًا ہو سکتی ہے۔ اِلَّا یہاں تاکید کے لیے ہے اور لِنَعْلَمَ میں لِ لام کَیْ ہے اسی لیے نَعْلَمَ منصوب ہے۔ اور یہاں یہ لام معنوی طور پر تعلیل کے لیے ہے یعنی یہ وجہ بتانے کے لیے ہے۔ آگے مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے نَعْلَمَ کا۔ عَقِبَيْهِ دراصل عَقِبٌ کا تثنیہ عَقِبَانِ تھا۔ اس پر عَلٰى داخل ہوا تو حالت جر میں یہ عَقِبَيْنِ ہو گیا پھر مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گر گیا۔ جبکہ ہٖ ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے اس طرح یہ عَقِبَيْهِ ہو گیا۔ اِنْ دراصل اِنَّ کا مخفف ہے۔ اسے اِنْ مُخَفَّفَه کہتے ہیں۔ اس کا اسم محذوف ہے جو کہ 'ھا' ہو سکتا ہے اور مراد اس سے ہو گا اَلتَّوْلِيَة یعنی ''قبلے کا بدلنا'' آگے جملہ فعلیہ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اس کی خبر ہے۔ لَكَبِيْرَةً پر لام فارقہ داخل ہے۔ حضرت اشرف علی تھانویؒ آیت کے اس حصہ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف لوگوں پر) ہوا بڑا ثقیل۔'' اِلَّا حرف استثناء ہے اور آگے عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ متعلق ہے لَكَبِيْرَةً سے۔ آیت کا یہ حصہ ان معنوں میں ہے وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً عَلَى النَّاسِ اِلَّا عَلَى النَّاسِ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ (درویشؒ)۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ میں مَا نافیہ ہے كَانَ کا اسم لفظ اللّٰهُ ہے، آگے جملہ فعلیہ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اس کی خبر ہے۔ لِيُضِيْعَ میں لِ، لام جحود ہے۔ اِيْمَانَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللّٰهَ اس کا اسم، بِالنَّاسِ متعلق خبر اور لَرَءُوْفٌ، رَّحِيْمٌ خبریں ہیں۔

## ترجمہ

البقرۃ:143

| وَ كَذٰلِكَ | جَعَلْنٰكُمْ | اُمَّةً وَّسَطًا | لِّتَكُوْنُوْا | شُهَدَآءَ |
|---|---|---|---|---|
| اور اسی طرح | ہم نے بنایا تم لوگوں کو | ایک معتدل/بہترین امت | تا کہ تم لوگ ہو جاؤ | گواہ |

| عَلَى النَّاسِ | وَ يَكُوْنَ | الرَّسُوْلُ | عَلَيْكُمْ | شَهِيْدًا ط | وَمَا جَعَلْنَا |
|---|---|---|---|---|---|
| لوگوں پر | اور تا کہ ہو جائیں | یہ رسولؐ | تم لوگوں پر | گواہ | اور ہم نے نہیں بنایا |

| الْقِبْلَةَ | الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ | اِلَّا | لِنَعْلَمَ | مَنْ |
|---|---|---|---|---|
| اُس قبلہ کو | جس پر آپؐ تھے | سوائے اس کے | تا کہ ہم جان لیں کہ | کون |

| يَّتَّبِعُ | الرَّسُوْلَ | مِمَّنْ | يَّنْقَلِبُ | عَلٰى عَقِبَيْهِ ط |
|---|---|---|---|---|
| پیروی کرتا ہے | ان رسولؐ کی | ان میں سے جو | پلٹ جاتا ہے | اپنی دونوں ایڑیوں پر |

| وَاِنْ | كَانَتْ | لَكَبِيْرَةً | اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ | هَدَى | اللّٰهُ ط |
|---|---|---|---|---|---|
| اور یقیناً | وہ (حکم) | بھاری ہے | مگر اُن پر (بھاری نہیں) جنہیں | ہدایت دی | اللہ نے |

| اِنَّ اللّٰهَ | اِيْمَانَكُمْ ط | لِيُضِيْعَ | وَمَا كَانَ اللّٰهُ |
|---|---|---|---|
| یقیناً اللہ | تم لوگوں کے ایمان کو | کہ وہ ضائع کر دے | اور اللہ نہیں ہے |

| رَّحِيْمٌ | بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ |
|---|---|
| بہت ہی رحم کرنے والا ہے | لوگوں پر بے انتہا نرمی کرنے والا (اور) |

**نوٹ:1** كَانَ نافیہ (مَا كَانَ یا لَمْ يَكُنْ) کے بعد مضارع پر اگر لام کَیْ آئے تو اس وقت لام کَیْ ''تا کہ'' کے بجائے ''کہ'' کے معنی دیتا ہے۔اور اسے ''لام جحوذ'' کہتے ہیں۔

**نوٹ:2** وحی کی ایک قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں لکھ دیا گیا۔اسے وحی متلو یعنی تلاوت کی ہوئی وحی کہتے ہیں۔وحی کی دوسری قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قول وعمل اسی وحی کی بناء پر تھے۔اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اس کا ثبوت ہمیں قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔آیت زیرِ مطالعہ ایسے ہی مقامات میں سے ایک ہے۔

مدینہ میں تقریباً سولہ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھائی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کو قبلہ ہم نے بنایا تھا،لیکن قرآن مجید میں یہ حکم درج نہیں ہے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا یہ عمل وحی غیر متلو کے تحت تھا۔(از لطف الرحمن خان صاحب)۔

**نوٹ:3** اس آیت کا مطالعہ معارف القرآن اور تفہیم القرآن سے کیجئے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

## آیت:144

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| د ع ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | و ج ہ: البقرۃ آیت 112 دیکھیں۔ |
| و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ |
| س ج د: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | غ ف ل: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ |
| ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | | |

**ش ط ر**

(ن) شَطْرًا کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔

شَطْرٌ (۱) کسی چیز کا نصف یا وسط۔(۲) سمت۔طرف۔

**ح ی ث**

(x) x اس مادہ سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

حَیۡثُ یہ ظرف مکان ہے اور ضمّہ ( ـُ ) پر مبنی ہے۔ جہاں۔ کہاں۔ یہ زیادہ تر مکانِ مبہم (یعنی غیر معین جگہ) کے لئے آتا ہے اس لئے اس کے بعد کسی جملہ یا فقرہ سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

قَدۡ، یہاں پر تکثیر (یعنی کثرت) کے معنی دے رہا ہے۔ چنانچہ صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ یہاں قَدۡ سے مراد رُبَّمَا نَرٰی ہے۔ یعنی ''ہم نے کئی بار دیکھا ہے''۔ بعض بزرگوں کے نزدیک کثرت سے مراد نبی اکرمؐ کے چہرہ مبارک کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا مراد ہے۔ چنانچہ حضرت درویشؒ فرماتے ہیں: ''قَدۡ ھنا للتکثیر بقرینة ذکر التقلب والتکثیر بالنسبة الی النبیؐ'' ہمارے اکثر بزرگوں نے ترجمہ اس معنی کے لحاظ سے کیا ہے مثلاً ''بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپؐ کا منہ کرنا آسمان کی طرف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک نَرٰی گو صیغہ مضارع ہے لیکن مراد اس سے ماضی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''قَدۡ نَرٰی گو صیغہ مضارع ہے لیکن مراد ماضی ہے۔'' اور حضرت ترجمہ کرتے ہیں ''بے شک ہم نے دیکھ لیا آپؐ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا۔'' (واللہ اعلم)۔

نَرٰی کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لفظ تَقَلُّبَ میں حرف لام کی ضمہ بتا رہی ہے کہ یہ باب تفعّل کے ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ اس کا مصدر ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین سے خالی ہے۔ وَجۡهِ اس کا مضاف الیہ بھی ہے اور آگے ضمیر کَ کا مضاف بھی ہے۔ یہ پورا مرکب اضافی نَرٰی کا مفعول ہے اس لئے اس کے مضاف تَقَلُّبَ پر نصب آئی ہے۔ جب کہ فِی السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ فِیۡ یہاں اِلٰی کے معنی میں ہے۔

لَنُوَلِّيَنَّ دراصل باب تفعیل میں وَلّٰی یُوَلِّیۡ کا نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع ہے اور جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر اس کا فاعل ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ضمیر کَ اس کا مفعول اوّل ہے اور اس سے مراد نبی اکرمؐ ہیں جب کہ قِبۡلَةً مفعول ثانی ہے اور نکرہ موصوفہ ہے، تَرۡضٰهَا اس کی صفت ہے۔

فَوَلِّ واحد مذکر مخاطب کے صیغے میں فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے۔ مرکب اضافی وَجۡهَكَ اس کا مفعول اوّل ہے اس لئے وَجۡهَ پر نصب آئی ہے۔ مرکب اضافی شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ ظرف مکان ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے، جب کہ اَلۡحَرَامِ، اَلۡمَسۡجِدِ کی صفت ہے۔ حَیۡثُ مَا میں حَیۡثُ ظرف مکان ہے اور مَا زائدہ ہے۔ اس میں شرط کا مفہوم بھی ہے اور یہ کُنۡتُمۡ کی محذوف خبر سے متعلق۔ کُنۡتُمۡ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ ہے۔ آگے فَوَلُّوۡا میں فَ جواب شرط کے لیے ہے اور وَلُّوۡا جمع مذکر مخاطب کے صیغے میں فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔ وُجُوۡهَكُمۡ مفعول اوّل اور شَطۡرَهٗ ظرف مکان ہے۔ اس میں ہٗ ضمیر مسجد حرام کے لئے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اَلَّذِیۡنَ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ آگے لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ اس کی خبر ہے۔

اَنَّهُ الۡحَقُّ میں ہٗ ضمیر اَنَّ کا اسم ہے اور اس سے مراد اَلۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ہے یا منہ پھیرنے کا حکم۔ اَلۡحَقُّ خبر معرف باللام ہے۔ مَا نافیہ ہے، لفظ اللّٰهُ اس کا اسم اور بِغَافِلٍ اس کی خبر ہے اور عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | قَدۡ نَرٰی | تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ | فِی السَّمَآءِ | فَلَنُوَلِّيَنَّكَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:144 | بے شک ہم دیکھتے ہیں | آپؐ کے چہرے کا بار بار اُٹھنا | آسمان کی طرف | تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپ کو |

| قِبۡلَةً | تَرۡضٰهَا | فَوَلِّ | وَجۡهَكَ |
|---|---|---|---|
| اس قبلہ کی طرف | آپؐ پسند کرتے ہیں جسے | اچھا اب آپؐ پھیر لیں | اپنے چہرے کو |

| شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ | وَحَیۡثُ مَا | کُنۡتُمۡ | فَوَلُّوۡا | وُجُوۡهَكُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| مسجد حرام کی طرف | اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی | تم ہو | تو تم پھیر لیا کرو | اپنے چہروں کو |

| شَطْرَهٗ | وَاِنَّ الَّذِيْنَ | اُوْتُوا | الْكِتٰبَ | لَيَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اس کی طرف | اور بیشک وہ لوگ جن کو | دی گئی | کتاب | یقیناً جانتے ہیں |

| اَنَّهُ | الْحَقُّ | مِنْ رَّبِّهِمْ | وَمَا اللّٰهُ | بِغَافِلٍ | عَمَّا | يَعْمَلُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| کہ وہ (مسجد الحرام/حکم) | ہی برحق ہے | ان کے رب کی طرف سے | اور اللہ | ہرگز غافل نہیں ہے | اس سے جو | وہ لوگ کرتے ہیں |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبی سلمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے۔ دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اُسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کرلیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے رُخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ مدینہ کی دُوسری مسجدوں میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اُسی لمحہ تمام صحابہ کرامؓ نے اپنے رُخ پھیر لیے اور دُنیا کو تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دکھایا۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۰۳)

**نوٹ:2** اس آیت کی تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’علماء اکابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبر آخرالزمانؐ کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہؑ کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ اَنَّهُ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔ (کشاف) مِنْ رَّبِّهِمْ کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کردیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہؐ کا امر اجتہادی نہیں، تمام تر حکم ربانی ہے۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص: ۷۳)۔ نیز حضرتؒ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’اس کے دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ہم آپؐ کو اس کا والی و حاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔‘‘

## آیت:145

﴿وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٥﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ھ و ی: البقرۃ آیت 82 دیکھیں۔ |
| ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** ’’وَ‘‘ استئنافیہ ہے، لَئِنْ کا اِنْ شرطیہ ہے جس پر لام تاکید داخل ہے۔ اَتَيْتَ سے اٰيَةٍ تک شرط ہے جب کہ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ جواب شرط ہے۔ اَتَيْتَ فعل ہے اور اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر اس کا فاعل ہے جبکہ الَّذِيْنَ اسم موصول، اپنے صلے اُوْتُوا الْكِتٰبَ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ہے اور بِكُلِّ اٰيَةٍ متعلق فعل ہے۔ مَّا تَبِعُوْا میں مَا نافیہ ہے اور تَبِعُوْا ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن جواب شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ وَمَا اَنْتَ میں مَا کا اسم اَنْتَ ہے اور اسم الفاعل بِتَابِعٍ اس کی خبر بھی ہے اور فاعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اس لئے قِبْلَتَهُمْ کے مضاف قِبْلَةَ پر تَابِعٍ کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب آئی ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ میں بھی اِنْ شرطیہ ہے۔ اِتَّبَعْتَ سے مِنَ الْعِلْمِ تک شرط ہے اور اِنَّكَ سے آخیر تک جواب شرط ہے۔

| ترجمہ | وَلَئِنْ | اَتَيْتَ | الَّذِيْنَ | اُوْتُوا | الْكِتٰبَ | بِكُلِّ اٰيَةٍ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:145 | اور اگر | آپؐ لے آئیں | ان کے پاس جن کو | دی گئی | کتاب | ہر نشانی |

| مَا تَبِعُوْا | قِبْلَتَكَ ۚ | وَمَآ اَنْتَ | بِتَابِعٍ |
|---|---|---|---|
| تب بھی وہ پیروی نہیں کریں گے | آپؐ کے قبلے کی | اور آپؐ | پیروی کرنے والے نہیں ہیں |

| قِبْلَتَهُمْ ۚ | وَمَا بَعْضُهُمْ | بِتَابِعٍ | قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ |
|---|---|---|---|
| ان کے قبلے کی | اور ان کے کچھ لوگ | پیروی کرنے والے نہیں ہیں | (اپنے) کچھ لوگوں کے قبلے کی |

| وَلَئِنِ | اتَّبَعْتَ | اَهْوَآءَهُمْ | مِّنْ بَعْدِ | مَا | جَآءَكَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور اگر (بفرضِ محال) | آپؐ نے پیروی کی | ان کی خواہشات کی | اس کے بعد | کہ جو | آچکا آپؐ کے پاس |

| مِنَ الْعِلْمِ ۙ | اِنَّكَ اِذًا | لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ |
|---|---|---|
| علم میں سے | پھر تو یقیناً آپؐ | ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے |

**نوٹ:1** یاد کرلیں کہ اسم الفاعل، اسم المفعول، اسم التفضیل اور صفت مشبہ فعل کی طرح بھی کام کرتے ہیں اور اسم کو رفع یا نصب دیتے ہیں۔ اسم الفاعل بطور فعل معروف کام کرتا ہے اور اسم المفعول بطور فعل مجہول کام کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے عربی کا معلم، حصہ چہارم دیکھیں۔

آیت کے آخر میں وقف لازم ہے۔ اس لیے یہاں رکنا لازم ہے کیونکہ اگر یہاں نہ رکیں تو اگلی آیت ظالمین کی صفت بن جائے گی۔

**نوٹ:2** آیت کے آخری حصے اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ ہمارے بزرگوں نے یوں کیا ہے: ''تو بے شک تو بھی ہوا بے انصافوں میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''تو یقیناً آپؐ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''تو یقیناً آپؐ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت مبارکہ میں بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے ہے لیکن مراد امت ہے۔ چنانچہ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں بظاہر خطاب حضور کریمؐ کو ہے لیکن مراد اُمت ہے۔ کیونکہ اُمت سے تو اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری ممکن ہے لیکن نبی کی ذات جو صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے اس سے تو ناممکن ہے کہ ایسا جرم سرزد ہو۔ مضمون کی اہمیت کے باعث حضورؐ کی طرف نسبت کی گئی۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۰۴)

## آیت: 146

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝١٤٦ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ع ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ | ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ک ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ترکیب** اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہے۔ آگے جملہ فعلیہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ، اس کی خبر ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، فَرِيْقًا اس کا اسم اور مِّنْهُمْ اس سے متعلق ہے۔ آگے جملہ فعلیہ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اس کی خبر ہے۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ هُمْ مبتداء اور يَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اَلَّذِیۡنَ | اٰتَیۡنٰھُمُ | الۡکِتٰبَ | یَعۡرِفُوۡنَہٗ | کَمَا | یَعۡرِفُوۡنَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:146 | وہ لوگ | ہم نے دی جن کو | کتاب (یعنی تورات) | وہ لوگ پہچانتے ہیں ان کو | جیسے | وہ پہچانتے ہیں |

| اَبۡنَآءَھُمۡ ؕ | وَاِنَّ | فَرِیۡقًا | مِّنۡھُمۡ | لَیَکۡتُمُوۡنَ | الۡحَقَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| اپنے بیٹوں کو | اور یقینا | ایک گروہ | ان میں ہے | جو چھپاتا ہے | حق کو |

| وَ | ھُمۡ | یَعۡلَمُوۡنَ |
|---|---|---|
| حالانکہ | وہ | جانتے ہیں |

**نوٹ** حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ آیت کے ٹکڑے یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ کا ترجمہ کرتے ہیں: ’’وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں‘‘ اور فرماتے ہیں: ’’یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ والتباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخرالزمان کی آمد کی بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے، ٹھیک اُسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ اَبۡنَآءَھُمۡ کے لفظی معنی اپنے لڑکوں کے ہیں۔ لیکن ضمیر ھُمۡ سے مراد افراد واشخاص نہیں، بلکہ قوم یہود و نسل اسرائیل مجموعاً ہے یعنی ابناء اسرائیل۔ اَبۡنَآءَ کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ یَعۡرِفُوۡنَہٗ میں ضمیرہٗ سے کیا مراد ہے؟ قدماء عموماً اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباسؓ صحابی سے لے کر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنی میں منقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مراد ذات رسالت سے ہے۔‘‘ (تفسیر ماجدی، ص: ۷۳)

## آیت: 147

﴿ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ﴾

ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

**م ر ی**

(ض) (۱) مَرۡیًا: دودھ اتارنے کے لیے جانور کے تھنوں پر ہاتھ پھیرنا۔

(۲) مِرۡیَۃً: شک کی وجہ سے جھگڑا کرنا۔

مِرۡیَۃٌ: اسم ذات بھی ہے۔ شک۔ شبہہ۔ تردّد۔ کسی مسلّمہ حقیقت کے متعلق لوگوں کے پیدا کردہ شک کو مِرۡیَۃٌ کہتے ہیں پھر یہی شک جھگڑے کی وجہ بھی بنتا ہے۔ اس لیے یہ لفظ جھگڑے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَا تَکُ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ ﴾ (11/ھود:17) ’’پس (اے سننے والے) نہ پڑ جا شک میں اُس کے متعلق۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(مفاعلہ) مُمَارَاۃً، مِرَاءً: ایک دوسرے سے ایسی بات میں جھگڑنا جسے تسلیم کرنے میں تردّد ہو۔ بحث وتکرار کرنا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴾ (42/الشوریٰ:18) ’’بیشک جو لوگ جھگڑتے ہیں اس گھڑی یعنی قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔‘‘

لَا تُمَارِ — فعل نہی ہے۔ تو مت جھگڑ۔ ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ (18/الکھف:22) ''پس تو مت جھگڑ ان میں مگر ظاہری جھگڑنا یعنی سرسری سی گفتگو کرنا۔''

(تفاعل) تَمَارًا — (۱) باہم کسی پر یا کسی چیز میں شک کرنا۔ (۲) جھگڑا کرنا۔ ﴿وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝۳۶﴾ (54/القمر:36) ''اور بے شک ڈرایا تھا اُنہیں لوطؑ نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے اُن کے ڈرانے کے بارے میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِمْتِرَاءً — شک کی وجہ سے جھگڑا کرنا۔ شک کرنا۔ ﴿اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝۵۰﴾ (44/الدخان:50) ''بیشک یہ وہ ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔''

مُمْتَرٍ — ج: مُمْتَرُوْنَ۔ مُمْتَرِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ شک کرنے والا۔ جھگڑا کرنے والا۔ تردّد میں پڑنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

## ترکیب

اَلْحَقُّ کے بارے میں دو آراء ہیں۔

(۱) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جبکہ مِنْ رَّبِّكَ متعلق خبر ہے۔

(۲) یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ جو کہ هٰذَا یا هُوَ ہو سکتا ہے یعنی هٰذَا الْحَقُّ یا هُوَ الْحَقُّ۔ مِنْ رَّبِّكَ متعلق خبر ہے۔ آگے لَا تَكُوْنَنَّ واحد مذکر مخاطب کے صیغے تَكُوْنُ کا فعل نہی ہے نون ثقیلہ کے ساتھ۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے اس کی خبر محذوف ہے جبکہ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ متعلق خبر ہے۔

| مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ | فَلَا تَكُوْنَنَّ | مِنْ رَّبِّكَ | اَلْحَقُّ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| شک کرنے والوں میں سے | پس (اے مخاطب) تو ہرگز نہ ہو | آپؐ کے رب کی طرف سے | (یہی) حق ہے | البقرۃ:147 |

## آیت:148

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۴۸﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ج ھ: البقرۃ آیت 112 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ج م ع: البقرۃ آیت 29 دیکھیں۔ |
| ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | | |

### س ب ق

(ض) سَبْقًا — اس کے اصل معنی چلنے میں آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ مجازًا اور استعارۃً کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(۱) کسی کی پکڑ سے آگے نکلنا یعنی کسی کی گرفت سے بچ کر بھاگ نکلنا۔ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ﴾ (8/الانفال:59) ''اور ہرگز خیال نہ کریں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) کسی کام میں آگے نکلنا یعنی پہل کرنا۔ سبقت کرنا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ﴾ (46/الاحقاف:11) ''اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ (21/الانبیاء:27) ''وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۳) پہلے گزرنا۔ ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ﴾ (20/طٰہٰ:99) ''یوں ہم بیان کرتے ہیں آپؐ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی بات کا پہلے سے طے ہونا، کسی بات کا فیصلہ ہو جانا۔ ﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۚ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ ۪﴾ (37/الصّٰفّٰت:171،172) ''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (20/طٰہٰ:129) ''اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپؐ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) عاجز کرنا۔ کسی کو کسی کام سے روک دینا۔ (آگے مَسۡبُوۡقٌ کے تحت آیت دیکھیں الواقعہ:60)

(۶) کسی بات میں فضیلت اور امتیاز حاصل کرنا۔ (آگے سَابِقٌ کے تحت آیت دیکھیں التوبۃ:100)۔

**سَابِقٌ** ج: سَابِقُوْنَ۔ سَابِقِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آگے نکلنے والا۔ آگے بڑھنے والا۔ ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ﴾ (36/یٰسٓ:40) ''اور نہ رات دن سے آگے نکلنے والی ہے۔'' ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ (9/التوبۃ:100) ''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿ۚۖ۳۹﴾﴾ (29/العنکبوت:39) ''لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آ کر رہے۔''

**سَابِقَةٌ** ج: سَابِقَاتٌ۔ سَابِقَاتٍ۔ اسم الفاعل ہے۔ سَابِقٌ کی مونث۔ آگے نکلنے والی۔ آگے بڑھنے والی۔ ﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾﴾ (79/النازعات:4) ''پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**مَسْبُوْقٌ** ج: مَسْبُوْقُوْنَ۔ مَسْبُوْقِيْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مسبوق اُسے کہتے ہیں جس کو کوئی مد مقابل پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے۔ بے بس کیا ہوا۔ عاجز کیا ہوا۔ یہ کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿ۙ۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ (56/الواقعہ:60، 61) ''اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے دوسرے آدمی پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی صورت میں بنا دیں جس کو تم جانتے ہی نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(مفاعلہ) **مُسَابَقَةٌ** مقابلے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا۔ لپکنا۔ دوڑنا۔

**سَابِقْ** ج: سَابِقُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آگے نکل۔ تو لپک۔ ﴿وَسَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ﴾ (57/الحدید:21) ''اور تم لوگ لپکو اپنے رب سے مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف۔''

(افتعال) **اِسْتِبَاقًا** اہتمام سے آگے نکلنا یعنی آگے نکلنے کا مقابلہ کرنا۔ دوڑ لگانا۔ ﴿اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ (12/یوسف:17) ''بیشک ہم گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس۔''

**اِسْتَبِقْ** ج: اِسْتَبِقُوْا۔ تو آگے نکل۔ تو سبقت کر۔ آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب**

''وَ'' استئنافیہ ہے۔ وِجْهَةٌ مبتداء نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ لِكُلٍّ متعلق خبر تھا جو اب قائم مقام خبر مقدم ہے۔ كُلٍّ پہ تنوین

محذوف مضاف الیہ کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یوں ہے وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ وِجۡھَۃٌ۔ ھُوَ مبتداء اور مُوَلِّیۡھَا اس کی خبر ہے۔ مُوَلِّیۡھَا میں اسم الفاعل مُوَلٍّ آیا ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو مُوَلِّیۡ ہو گیا اور 'ھَا' مضاف الیہ ہے۔ فَاسۡتَبِقُوا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔ اَلۡخَیۡرَاتِ اس کا مفعول ہے اس لئے حالتِ نصب میں ہے۔ اَیۡنَ مَا کلمہ شرط بھی ہے اور اس میں ظرف مکان کا مفہوم بھی ہے اور یہاں پر تَکُوۡنُوۡا کی محذوف خبر سے متعلق ہے۔ تَکُوۡنُوۡا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ آگے یَاۡتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ بِکُمۡ متعلق فعل ہے، لفظ اللّٰہُ اس کا فاعل ہے اور جَمِیۡعًا حال ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اللّٰہَ اسم اِنَّ، قَدِیۡرٌ خبر اور عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ | وَلِکُلٍّ | وِّجۡھَۃٌ | ھُوَ | مُوَلِّیۡھَا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:148 | اور ہر (قوم) کے لئے | ایک سمت مقرر ہے | وہ | منہ کرتی ہے اُسی کی طرف |

| فَاسۡتَبِقُوا | الۡخَیۡرٰتِ ؕ | اَیۡنَ مَا | تَکُوۡنُوۡا |
|---|---|---|---|
| پس تم آگے بڑھ جاؤ دوسروں سے | نیکیوں میں | جہاں کہیں بھی | تم ہو گے |

| یَاۡتِ بِکُمُ | اللّٰہُ | جَمِیۡعًا ؕ | اِنَّ اللّٰہَ | عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ | قَدِیۡرٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| لے آئے گا تم لوگوں کو | اللہ | سب کے سب کو | بے شک اللہ | ہر چیز پر | قدرت رکھنے والا ہے |

**نوٹ**

اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''(اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکید کلام کے لیے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہؐ کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہر حال و بہر صورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے التفاتی یا کم التفاتی کے قابل نہیں۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''ہر قوم ہر اُمت نماز و عبادت کے لیے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو اُمت اسلامیہ کے لیے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے۔ لِکُلٍّ۔ ''ہر ایک'' سے مراد ہر قوم یا ہر اُمت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''ھُوَ۔ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۷۴)۔

## آیت:149

﴿وَمِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاِنَّہٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| حَیۡثُ: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ |
| و ج ہ: البقرۃ آیت 112 دیکھیں۔ | ش ط ر: البقرۃ آیت 144 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| غ ف ل: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے۔ مِنۡ حرف جار ہے اور حَیۡثُ مجرور ہے۔ جار اور مجرور متعلق ہیں فعل امر وَلِّ سے۔ حَیۡثُ ظرف مکان ہے اور مضاف ہے جبکہ خَرَجۡتَ جملہ فعلیہ اس کا مضاف الیہ ہے۔ وَلِّ فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنۡتَ ہے جو حضورؐ کے لیے ہے۔ وَجۡھَکَ اس کا مفعول ہے۔ جبکہ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ظرف مکان ہے اور متعلق فعل ہے۔ یہاں اِذَا صَلَّیۡتَ بھی محذوف ہے یعنی جب آپ نماز پڑھیں۔ اِنَّہٗ میں اِنَّ حرف مشبہ

بالفعل ہے 'ہٗ' ضمیر اس کا اسم ہے، لَلْحَقُّ اس کی خبر اور مِنْ رَّبِّكَ متعلق خبر ہے۔ لَلْحَقُّ پر لام مزحلقہ داخل ہے۔ آگے مَا نافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ اس کا اسم ہے، بِغَافِلٍ خبر ہے اور عَمَّا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ | وَجْهَكَ | فَوَلِّ | خَرَجْتَ | وَمِنْ حَيْثُ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| مسجد حرام کی طرف | (نماز کے وقت) اپنے چہرۂ مبارک کو | تو آپؐ پھیر لیا کریں | آپؐ باہر نکلیں | اور جہاں سے بھی | البقرۃ:149 |

| بِغَافِلٍ | وَمَا اللّٰهُ | مِنْ رَّبِّكَ ؕ | لَلْحَقُّ | وَاِنَّهٗ |
|---|---|---|---|---|
| ہرگز بے خبر نہیں ہے | اور اللہ | آپؐ کے رب کی طرف سے | حق ہے | اور بے شک یہی |

| تَعْمَلُوْنَ | عَمَّا |
|---|---|
| تم لوگ کرتے ہو | اس سے جو |

**نوٹ** آپ پڑھ چکے ہیں کہ لام تعریف پر جب لام جارّہ (لِ) داخل ہوتا ہے تو لام تعریف کا ہمزۃ الوصل لکھنے میں بھی گر جاتا ہے جیسے لِلْمُتَّقِيْنَ۔ اسی طرح سے لام تعریف پر جب لام تاکید (لَ) داخل ہوتا ہے تب بھی ہمزۃ الوصل لکھنے میں گر جاتا ہے۔ اس حوالہ سے نوٹ کریں کہ لَلْحَقُّ دراصل لَ اَلْحَقُّ تھا جو لَلْحَقُّ لکھا گیا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت:150

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ﴾ ﴿۱۵۰﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | خ ش ی: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ |
| ت م م: البقرۃ آیت 124 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحۃ آیت 5 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ میں 'وَ' عطف کا ہے۔ حَيْثُ ظرف مکان ہے، 'مَا' زائدہ تاکید کے لیے ہے اور كُنْتُمْ تامہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ یہ سارا جملہ متعلق ہے فَوَلُّوْا سے۔ وَلُّوْا فعل امر ہے، وُجُوْهَكُمْ اس کا مفعول ہے اور شَطْرَهٗ ظرف ہے اور یہ بھی متعلق فعل ہے۔ لِئَلَّا دراصل لِاَنْ لَا ہے۔ لِ تعلیل ہے یعنی یہ وجہ بتا رہا ہے۔ اَنْ کی وجہ سے يَكُوْنَ منصوب ہے۔ اس کا اسم حُجَّةٌ نکرہ آیا ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لِلنَّاسِ متعلق خبر ہے۔ لَا تَخْشَوْا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور هُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ وَاخْشَوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل بھی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور نِیْ ضمیر مفعولی ہے۔ وَلِاُتِمَّ میں 'وَ' عطف کا ہے، لِ تعلیل کا ہے یعنی یہ وجہ بتا رہا ہے، اس کے بعد اَنْ محذوف ہے جس کی وجہ سے اُتِمَّ منصوب ہوا ہے۔ نِعْمَتِيْ مفعول ہے اُتِمَّ کا اور عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَهْتَدُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| وَجْهَكَ | فَوَلِّ | خَرَجْتَ | وَمِنْ حَيْثُ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| (نماز کے وقت) اپنے چہرۂ مبارک کو | تو آپؐ پھیر لیا کریں | آپؐ باہر نکلیں | اور جہاں سے بھی | البقرۃ:150 |

| | |
|---|---|
| شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ | وَحَيْثُ مَا |
| مسجد حرام کی طرف | اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| كُنْتُمْ | فَوَلُّوْا | وُجُوْهَكُمْ | شَطْرَهٗ ۙ | لِئَلَّا يَكُوْنَ | لِلنَّاسِ |
| تم ہو | تو تم پھیر لیا کرو | اپنے چہروں کو | اس کی طرف | تاکہ نہ رہے | لوگوں کو |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| عَلَيْكُمْ | حُجَّةٌ ۙ | اِلَّا الَّذِيْنَ | ظَلَمُوْا | مِنْهُمْ ق |
| تم پر | کوئی اعتراض | سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے | ظلم کیا | ان میں سے |

| | | |
|---|---|---|
| فَلَا تَخْشَوْهُمْ | وَاخْشَوْنِيْ ق | وَلِاُتِمَّ |
| پس تم نہ ڈرو اُن سے | اور مجھ سے ڈرا کرو | اور تاکہ میں پوری کردوں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| نِعْمَتِيْ | عَلَيْكُمْ | وَلَعَلَّكُمْ | تَهْتَدُوْنَ |
| اپنی نعمت (یعنی کعبے کو قبلہ مقرر کرنا) | تم پر | اور تاکہ تم | ہدایت پاؤ |

**نوٹ** آیت میں نعمت سے امامت و پیشوائی بھی مراد لی گئی ہے چنانچہ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''نعمت سے مراد وہی امامت اور پیشوائی کی نعمت ہے، جو بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس اُمت کو دی گئی تھی۔ دُنیا میں ایک امت کی راست روی کا یہ انتہائی ثمرہ ہے کہ وہ اللہ کے امر تشریعی سے اقوام عالم کی رہنما و پیشوا بنائی جائے اور نوع انسانی کو خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلانے کی خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ یہ منصب جس اُمت کو دیا گیا، حقیقت میں اُس پر اللہ کے فضل وانعام کی تکمیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرمارہا ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمہاری سرفرازی کا نشان ہے، لہٰذا تمہیں اس لیے بھی ہمارے اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری ونافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کروگے تو یہ نعمت تم پر مکمل کردی جائے گی۔ (تفہیم القرآن، ج ا، ص: ۱۲۵)

## آیت: 151

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ
يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۖ ١٥١ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ر س ل: البقرة آیت 87 دیکھیں۔ | ت ل و: البقرة آیت 44 دیکھیں۔ | ز ك و: البقرة آیت 43 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ح ك م: البقرة آیت 32 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** كَ، حرف جر اور تشبیہ ہے اور 'مَا' مصدریہ ہے جس نے آگے فعل اَرْسَلْنَا کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں یعنی كَاِرْسَالِنَا اور یہ جار مجرور کس سے متعلق ہیں اس کے بارے میں ہمارے بزرگوں کی چار آراء ہیں۔

(۱) یہ متعلق فعل ہے اور اس کا تعلق پچھلی آیت میں لِاُتِمَّ سے ہے یعنی یہ اتمام نعمت (کعبہ کو قبلہ مقرر کرنا) تم پر ایسی ہوئی ہے جیسے ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت ہو چکی ہے کہ تم میں ہی سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سنا دے ...... الخ۔ اس ترکیب کو حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور

صاحبؒ تفسیر احسن البیان نے اختیار کیا ہے۔

(۲) اس کا تعلق پچھلی آیت میں تَھْتَدُوْنَ سے ہے گویا آیت اِن معنوں میں ہے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اِهْتِدَاءً كَمَآ اَرْسَلْنَا...... غالباً حضرت مولانا مودودیؒ نے اس ترکیب کے مطابق ترجمہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ''اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی پیروی سے تم اس طرح فلاح کا راستہ پاؤ گے جس طرح (تمہیں اِس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ) میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا...... الخ۔''

(۳) بعض بزرگوں نے اس کا تعلق حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کے ساتھ جوڑا ہے۔ اِن بزرگوں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ہیں۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ ترجمہ کرتے ہیں۔'' (یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا جو در باب مقبولیت بناء کعبہ تھی اس طرح قبول کی) جس طرح (ان کی دوسری دعا جو در باب بعثت محمدؐیہ کے تھی قبول کی کہ) تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کی کہ ان میں ان صفات والا رسول مبعوث فرمایا جائے اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ دعا مقبول ہوئی۔ اور وہ رسول کریم ان تمام صفات سے متصف ہو کر تشریف فرما ہو گیا۔''

(۴) اور بعض بزرگوں نے، جن میں حضرت علامہ قرطبیؒ بھی شامل ہیں، اِس کا تعلق بعد میں آنے والی آیت میں فَاذْكُرُوْنِیْ سے جوڑا ہے۔ گویا یہ اُذْكُرُوْنِیْ کا متعلق فعل ہے اور اِن معنوں میں ہے۔ اُذْكُرُوْنِیْ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ''مطلب ہو گا'' کہ جیسے ہم نے تم پر ایک نعمت قبلہ کی پھر دوسری نعمت رسولؐ اللہ کی بعثت کی کی، ایسی ہی نعمت ذکر اللہ بھی ہے اور اِن سب نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اس ترکیب اور معنی کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

فِيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ رَسُوْلًا مفعول ہے اَرْسَلْنَا کا۔ مِّنْكُمْ، رَسُوْلًا سے متعلق ہے آگے جملہ فعلیہ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا، صفت ہے رَسُوْلًا کی۔ يَتْلُوْا میں الف کا اضافہ قرآنِ مجید کا خصوصی املاء ہے۔ یہ جمع کا صیغہ نہیں ہے۔ وَيُزَكِّيْكُمْ میں 'وَ' عطف کا ہے اور یہ جملہ فعلیہ يَتْلُوْا پر عطف ہے۔ اِسی طرح آگے جملہ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ بھی يَتْلُوْا پر عطف ہے۔ يُعَلِّمُ کا مفعول اوّل كُمْ ضمیر ہے اور اَلْكِتٰبَ اور اَلْحِكْمَةَ اس کے مفعول ثانی ہیں۔ اور آگے جملہ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ بھی ماقبل يُعَلِّمُكُمْ پر عطف ہے۔ اس میں يُعَلِّمُ فعل، كُمْ مفعول اوّل ہے اور اسم موصول 'مَا' اپنے صلے لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ مل کر مفعول ثانی ہے۔

| يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ | مِّنْكُمْ | رَسُوْلًا | فِيْكُمْ | اَرْسَلْنَا | كَمَآ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| جو پڑھ کر سناتا ہے تم کو | تم ہی میں سے | ایک رسول | تم میں | ہم نے بھیجا | جیسا کہ | البقرۃ:151 |

| الْكِتٰبَ | وَيُعَلِّمُكُمُ | وَيُزَكِّيْكُمْ | اٰيٰتِنَا |
|---|---|---|---|
| کتاب | اور سکھاتا ہے تم کو | اور جو پاک کرتا ہے تم کو | ہماری آیات |

| لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ | مَّا | وَيُعَلِّمُكُمْ | وَالْحِكْمَةَ |
|---|---|---|---|
| تم جانتے ہی نہیں تھے | ایسی باتیں جو | اور وہ سکھاتا ہے تم کو | اور حکمت |

## آیت:152

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ١٥٢﴾

ذ ك ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ش ك ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

**ترکیب** فَاذْکُرُوْا فعل امر ہے اور نِیْ ضمیر مفعولی ہے اس لئے فَاذْکُرُوْا میں واوالجمع کا الف گرا ہوا ہے۔ اَذْکُرْ فعل مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ وَاشْکُرُوْا بھی فعل امر ہے جب کہ لَا تَکْفُرُوْا فعل نہی ہے۔ نِ نون وقایہ ہے جو اصل میں نِیْ تھا۔ پھر یٔ متکلم گر گئی۔

| ترجمہ | فَاذْکُرُوْنِیْٓ | اَذْکُرْ | کُمْ | وَاشْکُرُوْا لِیْ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| البقرۃ:152 | پس تم لوگ یاد رکھو مجھ کو | تو میں یاد رکھوں گا | تم کو | اور تم شکر ادا کرو میرا |

| وَلَا تَکْفُرُوْ | نِ |
| --- | --- |
| اور تم ناشکری مت کرو | میری |

**نوٹ** فَاذْکُرُوْنِیْٓ: ''سو تم مجھے یاد کرتے رہو'' کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: (طاعت وعبادت کے ذریعہ سے) بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یادِ الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود ومقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، ملتے جلتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاءِ الٰہی کو مقدم رکھنا یہ بندہ کی طرف سے یادِ الٰہی ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ۔ ابوبکر جصاص رازیؒ نے ذکر سے مراد لی ہے آیاتِ الٰہی اور اُن کی عظمت وقدرت کا تفکر۔ اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے''۔

اَذْکُرْکُمْ: ''میں بھی تجھے یاد کرتا رہوں گا۔'' (اپنے لطف وعنایت خاص سے) اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ اُن پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اور اَذْکُرْکُمْ میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لانا علامت تخصیص کی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بندہ اِدھر سے یاد میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔ اور یہی اصل ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو۔'' آگے فرماتے ہیں: وَاشْکُرُوْا لِیْ: ''توحید، ایمان واسلام کے حقوق اداء کرتے رہنا ہی اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۔ کفر وشرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں لگے رہنا یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے۔ (تفسیر ماجدی، ص ۵۷)۔ اس آیت کی تفسیر ایک دفعہ معارف القرآن سے بھی دیکھ لیں۔

## آیت:153

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ ﴾

ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ع و ن: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔
ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

**ترکیب** یَا حرف ندا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ صلہ اور موصول مل کر منادی ہے۔ اسْتَعِیْنُوْا فعل امر ہے اور بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ متعلق فعل ہیں۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور مَعَ الصّٰبِرِیْنَ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ | یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا | اسْتَعِیْنُوْا | بِالصَّبْرِ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:153 | اے ایمان والو | تم مدد طلب کرو | صبر |

| وَالصَّلٰوۃِ ؕ | اِنَّ اللّٰهَ | مَعَ الصّٰبِرِیْنَ |
|---|---|---|
| اور نماز کے ذریعہ سے | یقیناً اللہ | صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے |

## آیت: 154

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ س ب ل: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔
ش ع ر: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

**ترکیب**

لَا تَقُوْلُوْا فعل نہی ہے۔ یُقْتَلُ مضارع مجہول ہے اور لَا تَشْعُرُوْنَ مضارع منفی ہے۔ لِمَنْ میں مَنْ جمع کے معنی میں آیا ہے۔ لفظی رعایت کے تحت یُقْتَلُ واحد آیا ہے۔ پھر معنوی لحاظ سے مَیِّتٌ کی جمع اَمْوَاتٌ آئی ہے جو کہ خبر ہے۔ اس کا مبتداء ھُمْ محذوف ہے۔ اگر اَمْوَاتٌ، لَا تَقُوْلُوْا کا مفعول ہوتا تو حالت نسب میں اَمْوَاتًا آتا لیکن یہ حالت رفع میں ہے چنانچہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اسی طرح سے اَحْیَاءٌ بھی خبر ہے اور اس کا بھی مبتداء ھُمْ محذوف ہے۔ لٰکِنْ مخفف ہے کیونکہ فعل پر داخل ہو رہا ہے اور غیر عامل ہے۔

| ترجمہ | وَلَا تَقُوْلُوْا | لِمَنْ | یُّقْتَلُ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:154 | اور تم لوگ مت کہو | ان کو جو | قتل کئے جاتے ہیں |

| فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ | اَمْوَاتٌ ؕ | بَلْ | اَحْیَآءٌ | وَّلٰکِنْ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ کی راہ میں | (کہ وہ) مردہ ہیں | بلکہ | (وہ) زندہ ہیں | اور لیکن |

| لَّا تَشْعُرُوْنَ |
|---|
| تم سمجھ نہیں سکتے |

## آیت: 155

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ لا﴾

ب ل و: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔
ث م ر: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ ب ش ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔

**ج و ع**

(ن) جُوْعًا، مَجَاعَۃً بھوکا ہونا۔ ﴿ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴾ (20/طٰہٰ:118) ''بے شک تمہارے لیے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہوگے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ بھوکے آدمی کو رَجُلٌ جَائِعٌ کہتے ہیں اور بہت بھوکا ہو تو جَوْعَانٌ (فَعْلَانٌ) کہا جاتا ہے۔

جُوْعٌ اسم ذات ہے۔ بھوک۔ ﴿ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ﴾ (106/القریش:4) ''جو کھانا دیتا ہے ان کو بھوک میں۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

| ن ق ص |
|---|

(ن) نَقْصًا کمی کرنا۔ گھٹانا۔ حق تلفی کرنا۔ ﴿ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ﴾ (50/قٓ:4) ''ہمیں علم ہے اس کا جو گھٹاتی ہے زمین ان میں سے۔''

نَقْصٌ اسم ذات بھی ہے۔ کمی۔ گھاٹا۔ نقصان۔ حق تلفی۔ آیتِ زیر مطالعہ

اُنْقُصْ فعل امر ہے۔ تو کمی کر۔ تو گھٹا۔ ﴿ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴾ (73/المزمل:3) ''یا آپ گھٹائیں اس میں سے تھوڑا سا۔''

مَنْقُوْصٌ اسم المفعول ہے۔ کمی کیا ہوا۔ گھٹایا ہوا۔ ﴿ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴾ (11/ھود:109) ''اور بے شک ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ بغیر کمی کیے ہوئے۔''

**ترکیب** فعل مضارع نَبْلُوْ لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ لَنَبْلُوَنَّ آیا ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول کُمْ کی ضمیر ہے۔ جو اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ بِشَيْءٍ متعلق فعل ہے۔ مِنَ الْخَوْفِ کا مِنْ بیانیہ ہے جو بِشَيْءٍ کی وضاحت کر رہا ہے۔ اَلْجُوْعِ۔ نَقْصٍ۔ اَلْاَنْفُسِ۔ اَلثَّمَرَاتِ، یہ سب مِنْ کی وجہ سے مجرور ہیں۔ بَشِّرِ دراصل فعل امر بَشِّرْ ہے جس کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے اور اَلصّٰبِرِيْنَ اس کا مفعول ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:155

| وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ | بِشَيْءٍ | مِّنَ الْخَوْفِ | وَالْجُوْعِ |
|---|---|---|---|
| اور ہم لازماً آزمائیں گے تم لوگوں کو | کسی ایک چیز کے ساتھ | یعنی خوف | اور بھوک |

| وَنَقْصٍ | مِّنَ الْاَمْوَالِ | وَالْاَنْفُسِ | وَالثَّمَرٰتِ ؕ |
|---|---|---|---|
| اور کمی کرنے سے | (تمہارے) مالوں | اور جانوں | اور پھلوں میں |

| وَبَشِّرِ | الصّٰبِرِيْنَ |
|---|---|
| اور آپ خوشخبری سنا دیجیے | ثابت قدم رہنے والوں کو |

**نوٹ** اس آیت مبارکہ کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ یوں کرتے ہیں: ''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے اُن صبر کرنے والوں کو۔'' اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''بِشَيْءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ملک کے جز قلیل ہی سے متعلق ہوگا۔ کل سے متعلق نہیں۔ اَلْخَوْفِ۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ و ہراس اس کے اندر آ گیا۔ اَلْجُوْعِ۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے ہچکچائے۔ نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ اَلْاَمْوَالِ۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملات سے دستبردار ہو جائے اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع

ہوں۔ چوری ہوجائے، آگ لگ جائے، ان سب پر صبر سے کام لے۔ اَلْاَنْفُسِ۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ وَالثَّمَرٰتِ۔ اولاد سے بھی مراد ہوسکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرک جلی سے متعلق ہوتا ہے اور خواص کا شرکِ خفی سے۔'' (تفسیر ماجدی، ۷۶)

## آیت: 156

﴿ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁ ﴾

| |
|---|
| ص و ب: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ د ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ |

**ترکیب** اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور یہ پورا جملہ گزشتہ آیت میں اَلصّٰبِرِيْنَ کی صفت ہے۔ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ شرط ہے اور قَالُوْٓا سے رٰجِعُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ اَصَابَتْ فعل ماضی کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے لیکن اِذَا کی وجہ سے اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ اَصَابَتْ کا فاعل مُصِيْبَةٌ ہے اور اس کا مفعول هُمْ ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ یعنی اَلصّٰبِرِيْنَ کے لیے ہے۔ اِنَّا دراصل اِنَّ نَا ہے اِنَّ حرف تاکید، ضمیر منصوب، نَا اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ جبکہ لِلّٰهِ قائم مقام خبر ہے۔ اسی طرح اِنَّآ کی خبر رٰجِعُوْنَ ہے اور اِلَيْهِ متعلق خبر، مقدم ہے۔

| ترجمہ | اَلَّذِيْنَ | اِذَآ | اَصَابَتْهُمْ | مُّصِيْبَةٌ | قَالُوْٓا | اِنَّا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:156 | وہ لوگ | جب بھی | پہنچتی ہے ان کو | کوئی مصیبت | تو وہ کہتے ہیں | بیشک ہم |

| لِلّٰهِ | وَاِنَّآ | اِلَيْهِ | رٰجِعُوْنَ |
|---|---|---|---|
| صرف اللہ ہی کے ہیں | اور یقیناً ہم | اسی کی طرف | لوٹنے والے ہیں |

**نوٹ** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مُصِيْبَةٌ کے لغوی معنی افتاد کے ہیں اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کل شیءٍ سامٍ المومن فھو مصیبۃٌ (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آ گیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، لاولدی ہو، توہین اور بے عزتی ہو وقس علیٰ ہذا۔'' آگے اِذَا کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بیان کسی ایک اور اتفاقی واقعہ کے لیے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ یعنی جب جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷۶)

## آیت: 157

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ؁ ﴾

| |
|---|
| ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |

**ترکیب** اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے۔ صَلَوٰتٌ اور رَحْمَةٌ بھی مبتداء ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے۔ عَلَيْهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مِنْ رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ پورا جملہ اسمیہ پھر خبر بن رہا ہے اُولٰٓئِكَ کی۔ آگے پھر اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے هُمْ ضمیر فاصل اور اَلْمُهْتَدُوْنَ خبر معرف باللام ہے۔ ناقص یائی جب باب افتعال میں آتا ہے تو اس کا اسم الفاعل اور اسم المفعول ہم شکل ہوجاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اَلْمُهْتَدُوْنَ کے دونوں امکانات تھے۔ لیکن چونکہ

اِهْتَدٰی لازم ہے اس لیے اَلْمُهْتَدُوْنَ اسم الفاعل ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:157 |

| اُولٰٓئِكَ | عَلَيْهِمْ | صَلَوٰتٌ | مِّنْ رَّبِّهِمْ | وَرَحْمَةٌ | وَاُولٰٓئِكَ |
|---|---|---|---|---|---|
| یہی وہ (خوش نصیب) ہیں | جن پر ہیں | عنائتیں/نوازشیں | ان کے رب (کی طرف) سے | اور رحمت ہے | اور یہی لوگ |

| هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ |
|---|
| ہدایت پانے والے ہیں |

## آیت:158

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝١٥٨ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ع ر: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ | ب ی ت: البقرۃ آیت 125 دیکھیں۔ |
| ع م ر: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ط و ف: البقرۃ آیت 125 دیکھیں۔ | خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| ش ك ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | |

### ج ن ح

(ض) جُنُوْحًا: کسی جانب مائل ہونا۔ جھکنا۔ عربی میں جَنَحَتِ السَّفِيْنَةُ کا مطلب ہے کشتی کا ایک جانب مائل ہونا۔ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (8/الانفال:61) ''اور اگر وہ لوگ مائل ہوں صلح کے لیے تو آپ بھی مائل ہوں اس کے لیے۔''

اِجْنَحْ: فعل امر ہے۔ تو جھک۔ تو مائل ہو۔ اوپر الانفال:61 دیکھیں۔

جَنَاحٌ: ج: اَجْنِحَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کی کوئی جانب۔ انسان کا پہلو۔ بغل۔ پرندے کا پر یا بازو۔ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٨٨﴾ (15/الحجر:88) ''اور آپ جھکائیں اپنا پہلو مومنوں کے لیے۔'' اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد ہوتی ہے، شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے کے۔'' ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ﴾ (20/طٰہٰ:22) ''اور آپؑ ملائیں اپنا ہاتھ اپنی بغل کی طرف۔'' ﴿وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ (6/الانعام:38) ''اور نہ کوئی اُڑنے والا جو اُڑتا ہے اپنے دونوں پروں سے۔'' ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ﴾ (35/فاطر:1) ''فرشتوں کو بنانے والا پیغام رساں، جن کے پر ہیں۔''

جُنَاحٌ: اسم ذات ہے۔ گناہ۔ وہ گناہ جو انسان کو حق سے مائل کردے اور دوسری طرف جھکا دے۔ پھر ہر گناہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

### ط و ع

(ف۔ن) طَوْعًا: تابعدار ہونا۔ فرمانبردار ہونا۔ ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ (3/آل عمران:83) ''حالانکہ اُسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے۔'' (ترجمہ ضیاء

القرآن)۔امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اس کے بالمقابل کُرْہٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی کام کو ناگواری اور دل کی کراہت سے سرانجام دینا۔'' (مفردات القرآن، ج ۲،ص ۶۴۰)

**طَائِعٌ**: ج: طَائِعُوْنَ، طَائِعِیْنَ- تابعدار۔فرمانبردار۔﴿ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ (41/حم السجدہ:11) ''تو اللہ تعالیٰ نے کہا آسمان سے اور زمین سے کہ تم دونوں آؤ دل کی خوشی سے یا ناگواری سے۔ان دونوں نے کہا ہم آئے تابعدار ہو کر۔''

(افعال) **اِطَاعَةً اور طَاعَةً**: کسی کی فرمانبرداری کرنا۔اطاعت کرنا۔کسی حکم کو ماننا۔﴿ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ﴾ (4/النساء:81) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا۔'' ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (4/النساء:80) ''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔'' ﴿ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴾ (33/الاحزاب:66) ''وہ لوگ کہیں گے اے کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور ہم اطاعت کرتے رسول کی۔''

**اَطِعْ**: ج: اَطِيْعُوْا۔ فعل امر ہے۔تو اطاعت کر۔﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ (3/آل عمران:32) ''تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور ان رسولؐ کی۔''

**لَا تُطِعْ**: فعل نہی ہے۔تو اطاعت مت کر۔تو کہنا مت مان۔﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ (18/الکھف:28) ''اور تو کہنا مت مان اس کا، ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔''

**مُطَاعٌ**: اسم المفعول ہے۔وہ جس کی اطاعت کی جائے۔جس کی بات مانی جائے۔﴿ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴾ (81/التکویر:20،21) ''جو قوت والا ہے اور ذی مرتبہ ہے مالک عرش کے نزدیک وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے (اور وہ) امانت دار ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) **تَطْوِيْعًا**: کسی کو فرمانبردار بنانا۔کسی کو کسی کام کے لیے راضی کرنا۔آسان بنا دینا۔﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ ﴾ (5/المائدہ:30) ''پس راضی کیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں طَوَّعَتْ، اَطَاعَتْ سے زیادہ بلیغ ہے اور طَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ اہل عرب کے محاورہ تَاَبَّتْ عَنْ كَذَا نَفْسُهٗ (اس کے جی نے اس سے انکار کیا) کے مقابلے پر استعمال ہوتا ہے۔علامہ سید محمد رشید رضا مصری فرماتے ہیں: ''یہ لفظ اس تدریج اور کشمکش کو بتلاتا ہے کہ جو فطرت انسانی کو ایسی حسد کے کہے پر چلنے میں پیش آتی ہے کہ جو قتل تک نوبت پہنچا دیتی ہے جس طرح سے ایک سرکش گھوڑے یا اونٹ کے رام کرنے میں پیش آیا کرتی ہے۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج ۴،ص ۱۱۱)

(تفعّل) **تَطَوُّعًا**: مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اطاعت میں بناوٹ کرنا۔تکلیف اٹھا کر فرمانبرداری کرنا۔

(۲) تَطَوَّعَ كَذَا۔ رضامندی سے کسی کام کے لیے تکلیف اٹھانا۔عربی میں کہتے ہیں تَطَوَّعَ فِي الْجُنْدِيَّةِ۔وہ لشکر میں رضاکارانہ شامل ہوا۔

(۳) عرفِ شرع میں ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جو لازم اور فرض نہ ہو، بطور نفل انسان اپنی طرف سے کرے یعنی نفلی عبادات۔علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو فرض کے علاوہ انسان اپنی خوشی سے انجام دے۔'' آیت زیر مطالعہ۔

(۴) استطاعت رکھنا۔

**مُطَّوِّعٌ**: ج: مُطَّوِّعُوْنَ- مُطَّوِّعِيْنَ- اسم الفاعل ہے۔نفلی عبادت کرنے والا۔استطاعت رکھنے والا۔﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ ﴾ (9/التوبۃ:79) ''جو ذی استطاعت مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں، اُن پر منافق طعن کرتے ہیں۔''

(استفعال) اِسۡتِطَاعَةً فرمانبرداری کرنے کے لائق ہونا۔ کسی کام کے کرنے کی صلاحیت یا قدرت رکھنا۔ اس کی ضد عِجزٌ ہے۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (64/التغابن:16) "پس تقویٰ کرو اللہ کا اتنا جتنی تمہاری صلاحیت ہو۔" قرآن مجید میں اس کے صیغۂ 'ت' کو حذف کر کے بھی استعمال ہوئے ہیں مثلاً: ﴿ذٰلِكَ تَاۡوِيۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا﴾ (18/الکہف:82) "یہ حقیقت ہے اُن امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا﴾ (18/الکہف:97) "سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اُسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اُس میں سوراخ کر سکے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب**

اِنَّ کا اسم اَلصَّفَا اور اَلۡمَرۡوَةَ ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے۔ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ متعلق خبر ہے۔ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَيۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ شرط ہے اور فَلَا جُنَاحَ سے بِهِمَا تک جواب شرط ہے۔ حَجَّ اور اِعۡتَمَرَ کا فاعل ان میں شامل ھُوَ کی ضمیریں ہیں جو مَنۡ کے لیے ہیں اور اَلۡبَيۡتَ ان دونوں کا مفعول ہے۔ فَلَا جُنَاحَ پر لائے نفی جنس ہے۔ اس لیے جُنَاحَ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے۔ بِهِمَا میں هِمَا ضمیر اَلصَّفَا اور اَلۡمَرۡوَةَ کے لیے ہے۔ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا شرط ہے۔ اور فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ جواب شرط ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:158**

| اِنَّ | الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ | مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ | فَمَنۡ |
|---|---|---|---|
| بیشک | صفا اور مروہ | اللہ کی علامتوں/نشانیوں میں سے ہیں | پس جو |

| حَجَّ | الۡبَيۡتَ | اَوِ اعۡتَمَرَ | فَلَا جُنَاحَ | عَلَيۡهِ |
|---|---|---|---|---|
| حج کرے | اس گھر کا | یا عمرہ کرے | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں | اس پر |

| اَنۡ يَّطَّوَّفَ | بِهِمَا | وَمَنۡ | تَطَوَّعَ | خَيۡرًا |
|---|---|---|---|---|
| کہ وہ چکر لگائے | ان دونوں میں | اور جو | نفلاً دل کی خوشی سے | کوئی نیکی کرے گا |

| فَاِنَّ اللّٰهَ | شَاكِرٌ | عَلِيۡمٌ |
|---|---|---|
| تو یقیناً اللہ | قدردان (اور) | خوب جاننے والا ہے |

**نوٹ:1** زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر مورتیاں رکھی ہوتی تھیں اور کفار انہیں کی پوجا کرنے کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ اس وجہ سے کچھ صحابہ کرامؓ کو شبہ تھا کہ کہیں اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ بی بی ہاجرہؑ کا عمل تھا اور سنت ابراہیمیؑ ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک حج یا عمرہ میں سعی کرنا مستحب ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ (معارف القرآن)

**نوٹ:2** شَعَآئِرُ اللّٰهِ: شعیرہ کی کچھ وضاحت آیت 9 کے تحت آ چکی ہے۔ قرآن مجید میں شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں میں تقویٰ کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ الحج:32 میں فرمایا: ﴿وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ﴾ (22/الحج:32) "اور جو ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔" حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرزِ فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔

گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہے۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیروؤں سے اپنے اِن شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اُس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔ ''شعائر اللہ'' سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔'' (تفہیم القرآن، ج۱، ص:۴۳۸)۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''شعائر، شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں علامت، اسی لیے شعائر اور شعیرہ اس محسوس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی علامت ہو۔ شعائر اسلام ان اعمال و افعال کو کہا جائے گا جو عرفاً مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور محسوس و مشاہد ہیں جیسے نماز، اذان، حج، ختنہ اور سنت کے موافق داڑھی وغیرہ۔ شعار اللہ سے مراد تمام شرائع اور دین کے مقرر کردہ واجبات و فرائض اور ان کی حدود ہیں۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص:۱۸)۔ حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے تدبر قرآن میں اس آیت (2/البقرۃ:158) کے تحت شعائر پر بہت عمدہ بحث کی ہے۔ ایک نظر اس کو بھی دیکھ لیں۔

## آیت: 159

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ک ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ل ع ن: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول اور آگے جملہ فعلیہ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا ... فِى الْكِتٰبِ تک اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ يَكْتُمُوْنَ فعل ہے اور اس میں شامل هُمْ ضمیر اس کا فاعل ہے جبکہ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اَنْزَلْنَا اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر يَكْتُمُوْنَ کا مفعول ہے۔ مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى میں مِنْ بیانیہ ہے جو مَآ اَنْزَلْنَا کی وضاحت کر رہا ہے۔ آگے مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ، جار مجرور متعلق فعل ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، اِنَّ کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اِنَّ | الَّذِيْنَ | يَكْتُمُوْنَ | مَآ | اَنْزَلْنَا | مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:159 | بیشک | جو لوگ | چھپاتے ہیں | اس کو جس کو | ہم نے نازل کیا | روشن دلیلوں اور ہدایت سے |

| مِنْۢ بَعْدِ مَا | بَيَّنّٰهُ | لِلنَّاسِ | فِى الْكِتٰبِ | اُولٰٓئِكَ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے بعد بھی جو | ہم نے واضح کیا اس کو | لوگوں کے لیے | کتاب میں | یہی لوگ ہیں |

| يَلْعَنُهُمُ | اللّٰهُ | وَيَلْعَنُهُمُ | اللّٰعِنُوْنَ |
|---|---|---|---|
| لعنت کرتا ہے جن پر | اللہ | اور لعنت کرتے ہیں جن پر | لعنت کرنے والے |

**نوٹ** اس آیت کی تفسیر معارف القرآن سے دیکھیں۔

## آیت:160 تا 162

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ل ع ن: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔ |
| خ ل د: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | خ ف ف: البقرۃ آیت 86 دیکھیں۔ | ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |

**ترکیب:160** اِلَّا حرف استثناء ہے اور یہ استثنائے متصل ہے۔ اگلا جملہ مستثنیٰ ہے اور اس کا مستثنیٰ مِنْہ یَلْعَنُھُمْ میں ضمیر مفعولی ھُمْ ہے۔ یعنی جو لوگ یہ کام کرلیں گے، جو اس آیت میں بیان ہو رہے ہیں، ان پر لعنت نہیں ہوگی۔ اَلَّذِیْنَ، اسم موصول ہے اور آگے آ رہے تین جملے فعلیہ، تَابُوْا، اَصْلَحُوْا اور بَیَّنُوْا اس کے صلہ ہیں۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہیں۔ تَابُوْا کے بعد اِلَی اللّٰہِ محذوف ہے، اَصْلَحُوْا کا مفعول بھی محذوف ہے جو کہ عَمَلَھُمْ ہو سکتا ہے اور بَیَّنُوْا کا مفعول بھی محذوف ہے جو کہ گزشتہ آیت مَآ اَنْزَلْنَا ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ فَاُولٰٓئِکَ میں 'فَ' استینافیہ ہے اُولٰٓئِکَ مبتدا اور جملہ فعلیہ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ اس کی خبر ہے۔ آگے 'وَ' بھی استینافیہ ہے اور اَنَا مبتدا ہے اور اَلتَّوَّابُ اور اَلرَّحِیْمُ اس کی خبریں ہیں۔

**ترکیب:161** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ کَفَرُوْا اور مَاتُوْا اس کے صلہ ہیں۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہیں۔ وَھُمْ کُفَّارٌ میں 'وَ' حالیہ ہے۔ آگے جملہ اسمیہ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ ... اَجْمَعِیْنَ تک اِنَّ کی خبر ہے۔ اَجْمَعِیْنَ تاکید کے لیے ہے۔

**ترکیب:162** خٰلِدِیْنَ حال ہے۔ عَلَیْھِمْ میں ضمیر ھُمْ کا۔ فِیْھَا میں ھَا کی ضمیر لعنت کے لیے ہے۔ یُخَفَّفُ مضارع مجہول ہے۔ اَلْعَذَابُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں جب کہ عَنْھُمْ متعلق فعل ہے۔ یُنْظَرُوْنَ بھی مضارع مجہول ہے۔ ثلاثی مجرد اور باب افعال کا مضارع مجہول ہم شکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے دونوں امکانات ہیں۔ لیکن یہ مادہ باب افعال میں مہلت دینے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اسے باب افعال کا مضارع مجہول ماننا بہتر ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:160 تا 162**

| اِلَّا الَّذِیْنَ | تَابُوْا | وَاَصْلَحُوْا | وَبَیَّنُوْا | فَاُولٰٓئِکَ |
|---|---|---|---|---|
| سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے | توبہ کی | اور (اپنی) اصلاح کی | اور واضح کیا (حق کو) | تو یہ لوگ ہیں |

| اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ | وَاَنَا | التَّوَّابُ |
|---|---|---|
| میں توبہ قبول کرتا ہوں جن کی | اور میں | ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہوں |

| الرَّحِیْمُ | اِنَّ الَّذِیْنَ | کَفَرُوْا | وَمَاتُوْا | وَ |
|---|---|---|---|---|
| ہمیشہ رحم کرنے والا ہوں | بیشک جن لوگوں نے | انکار کیا | اور مرے | اس حال میں کہ |

| ھُمْ | کُفَّارٌ | اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ | لَعْنَةُ اللّٰهِ | وَالْمَلٰٓئِکَةِ |
|---|---|---|---|---|
| وہ | کافر ہی رہے | تو یہ وہ لوگ ہیں جن پر | اللہ کی لعنت ہے | اور فرشتوں کی |

| وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ | خٰلِدِيْنَ | فِيْهَا | لَا يُخَفَّفُ |
|---|---|---|---|
| اور سب کے سب لوگوں کی | ہمیشہ رہیں گے | اس (لعنت) میں | ہلکا نہیں کیا جائے گا |

| عَنْهُمُ الْعَذَابُ | وَلَا هُمْ | يُنْظَرُوْنَ |
|---|---|---|
| ان سے عذاب کو | اور نہ ہی انہیں | مہلت دی جائے گی |

**نوٹ** اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ'' کے لفظ سے جصّاص اور قرطبی وغیرہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں، اس لیے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جن کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے آپؐ کو ان کی موت علی الکفر کا منجانب اللہ علم ہو گیا تھا، البتہ عام کافروں، ظالموں پر بغیر تعیین کے لعنت کرنا درست ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ کسی کافر پر بھی اُس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوگی، تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور عوام اس سے بالکل غفلت میں ہیں خصوصاً عورتیں کہ بات بات پر لعنت کے الفاظ اپنے متعلقین کے متعلق استعمال کرتی رہتی ہیں اور لعنت صرف لفظ لعنت ہی کے کہنے سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ہم معنی جو الفاظ ہیں وہ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں، لعنت کے اصلی معنی خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں، اس لیے کسی کو مردود، راندہ درگاہ، اللہ مارا وغیرہ کے الفاظ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن، ج ا، ص:۴۰۵)

## آیت: 163

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | و ح د: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے۔ مرکب اضافی اِلٰهُكُمْ مبتداء ہے اور مرکب توصیفی اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اس کی خبر اوّل ہے۔ آگے اِلٰهَ سے پہلے لائے نفی جنس ہے اس لیے لفظ اِلٰهَ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے اور یہ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے یہ جملہ یوں تھا۔ ''لَا اِلٰهَ لَنَا'' یا ''لَا اِلٰهَ فِي الْوُجُوْدِ'' یہ جملہ ایسے ہی ہے جیسے عربی میں کہتے ہیں لَا رَجُلَ اِلَّا عَبْدُ اللّٰهِ یا لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ وغیرہ۔ آگے اِلَّا حرف استثناء ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ هُوَ بدل ہے، لَا اِلٰهَ کا اور الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ بدل ہیں 'هُوَ' کے۔ یاد کر لیجیے الرحمٰن اور الرحیم صفت نہیں ہیں کیونکہ ضمیر موصوف نہیں بنتی۔ اس لیے انہیں 'هُوَ' کا بدل مانا جائے گا۔ یا دوسری صورت میں اِن کو محذوف هُوَ کی خبریں مانا جائے گا۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:163**

| وَاِلٰهُكُمْ | اِلٰهٌ وَّاحِدٌ | لَآ اِلٰهَ | اِلَّا |
|---|---|---|---|
| اور تم لوگوں کا معبود | ایک معبود ہے | کسی قسم کا کوئی معبود نہیں ہے | سوائے |

| هُوَ | الرَّحْمٰنُ | الرَّحِيْمُ |
|---|---|---|
| اس کے | جو بہت ہی مہربان | ہمیشہ رحم کرنے والا ہے |

## آیت : 164

﴿ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| خ ل ق: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ل ی ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ |
| ن ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ج ر ی: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ب ح ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ن ف ع: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | د و ح: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |

### ف ل ک

(ن) **فَلْکًا** کسی چیز کا انڈے کی مانند گول ہونا۔ بیضاوی ہونا۔

**فُلْکٌ** اسم ذات ہے۔ کشتی (کیونکہ یہ بیضاوی ہوتی ہے)۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

**فَلَکٌ** ج: اَفۡلَاکٌ۔ اسم ذات ہے۔ دائرہ۔ گول چیز۔ سیاروں کی گردش کرنے کا مقرر راستہ۔ مدار۔ فلک دراصل ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے، اس کو فَلۡکَۃُ الۡمِغۡزَلِ کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان اور سیاروں کی گردش کرنے کے راستے یعنی مدار (orbit) کو فلک کہہ دیا جاتا ہے۔ لغات القرآن کے مطابق یہ لفظ اس پانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس پر ہوا لگنے سے گول گول دائرے پیدا ہو جائیں۔ ﴿ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ﴾ (21/الانبیاء:33) ''سب مدار میں تیرتے ہیں۔''

### ب ث ث

(ن) **بَثًّا** کسی چیز کو منتشر کرنا۔ بکھیرنا۔ غبار اُڑانا۔ خبر پھیلانا۔ راز بتانا۔ عربی میں کہتے ہیں: بَثَثۡتُہٗ فَانۡبَثَّ یعنی میں نے اسے منتشر کیا چنانچہ وہ بکھر گیا۔ اسی طرح کہتے ہیں بَثَّ الرِّیۡحُ التُّرَابَ۔ ہوا نے خاک اڑائی۔ لغات القران کے مطابق یہ لفظ ہوا سے خاک اڑنے، غم سے بے قرار ہونے اور راز کے افشاء کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

**بَثٌّ** اسم ذات ہے۔ شِدَّۃُ الۡحُزۡنِ۔ اَشَدُّ الۡحُزۡنِ۔ شدید غم۔ وہ غم جو اندر ہی اندر انسان کو کھا جائے۔ ﴿ اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ﴾ ''میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے کر رہا ہوں'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**مَبۡثُوۡثٌ** اسم المفعول ہے۔ منتشر۔ پھیلا ہوا۔ بکھرا ہوا۔ ﴿ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ ﴾ (101/القارعۃ:4) ''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی مانند ہوں گے۔''

مَبۡثُوۡثَۃٌ — مَبۡثُوۡثٌ کا مؤنث۔ ﴿ وَ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴾ (88/الغاشیۃ:16) ''اور قالین ہیں (سب طرف) پھیلے ہوئے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(انفعال) اِنۡبِثَاثًا — کسی چیز کا منتشر ہونا۔ بکھر جانا۔ (لازم)

مُنۡبَثٌّ — اسم الفاعل ہے۔ منتشر ہونے والا۔ بکھرنے والا۔ ﴿ فَکَانَتۡ ہَبَآءً مُّنۡبَثًّا ﴾ (56/الواقعہ:6) ''پھر وہ غبار بن کر بکھر جائیں گے۔''

| د | ب | ب |
|---|---|---|

(ض) دَبًّا — آہستہ آہستہ چلنا۔ رینگنا۔ ہاتھوں یا پیروں کے بل چلنا۔ عربی میں نَاقَۃٌ دَبُوۡبٌ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سستی اور کمزوری کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلے۔ اسی طرح اَرۡضٌ مَدۡبُوۡبَۃٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں چھوٹے چھوٹے رینگنے والے جانور کثرت سے ہوں۔ عربی زبان میں یہ لفظ انسانوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً عربی میں کہتے ہیں مَا بِالدَّارِ دُبِّیٌّ گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں ھُوَ اَکۡذَبُ مِنۡ دَبَّ وَ دَرَجَ یعنی وہ زندوں اور مُردوں سے زیادہ جھوٹا ہے۔

دَابٌّ — فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ چلنے والا۔ رینگنے والا۔ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع دَوَابٌّ اور واحد دَابَّۃٌ ہے۔ دَابَّۃٌ میں تا وحدت کی ہے عام طور پر دابّۃ کا لفظ گھوڑے، گدھے اور خچر کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں دابّۃ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے اختیار سے چلنے اور حرکت کرنے والی ہو۔ پھر زمین پر چلنے والا ہر جانور خواہ پیٹ کے بل چلے یا پاؤں پر، مذکر ہو یا مؤنث، سب کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ پانی کے جانور، پرندے، جن وانس بھی اس میں شامل ہیں اور قرآنِ مجید میں بھی یہ لفظ ہر قسم کے جاندار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

(۱) عام جانداروں کے لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ ﴾ (24/النور:45) ''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہر جانور کو پانی سے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(۲) انسانوں کے لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴾ (8/الانفعال:22) ''بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۳) دَابَّۃُ الۡاَرۡضِ۔ ایک خاص جانور جو قیامت سے پہلے کوہ صفا، جو مکہ میں ہے، سے نکلے گا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡہِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَہُمۡ دَآبَّۃً مِّنَ الۡاَرۡضِ ﴾ (27/النمل:82) ''اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لیے ایک چوپایہ زمین سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| ص | ر | ف |
|---|---|---|

(ض) صَرۡفًا — یہ لفظ پھیرنا، ہٹانا اور بدل دینا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحبؒ لغات القرآن اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیر دینا یا ایک شے کو دوسری شے سے بدل دینا۔'' (لغات القرآن، ج۱، ص:۱۵۰)۔ کبھی ان معنوں میں ''عَنۡ'' کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ (7/الاعراف:146) ''میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو غرور کرتے ہیں زمین میں۔'' ﴿ فَمَا تَسۡتَطِیۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّ لَا نَصۡرًا ﴾ (25/الفرقان:19) ''پس اب نہ تم اپنے سے عذاب

کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔'' ﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (9/التوبۃ:127) ''پھیر دیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔'' ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ (12/یوسف:34) ''اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر وفریب کو۔''

**اِصْرِفْ** فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ہٹا دے۔ ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ (25/الفرقان:65) ''اے ہمارے رب! تو ہٹا دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔''

**مَصْرُوْفٌ** اسم المفعول ہے۔ جس کو پھیرا گیا۔ جس کو ہٹایا گیا۔ ﴿اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ (11/ھود:8) ''وہ کان کھول کر سن لیں جس دن عذاب آجائے گا ان پر تو نہیں پھیرا جاسکے گا ان سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَصْرِفٌ** اسم الظرف ہے۔ پھیرنے کی جگہ۔ ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ (18/الکہف:53) ''اور وہ لوگ نہیں پائیں گے اس سے پھیرنے کی کوئی جگہ یعنی کوئی راستہ۔''

(تفعیل) **تَصْرِيْفًا** کثرت سے پھیرنا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''تَصْرِيْفٌ، صَرْفٌ ہی کی طرح ہے، البتہ تکثیر میں فرق ہے۔ تَصْرِيْفٌ کے معنی بہت پھیرنے کے آتے ہیں اور صَرْفٌ کے معنی صرف پھیرنے کے اور زیادہ تر یہ کسی شے کے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک امر سے دوسرے امر کی طرف پلٹنے اور تبدیل کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ''تصریف الریاح'' کا معنی ہے ہواؤں کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لوٹانا۔'' اور اسی سے ''تصریف الکلام'' ہے یعنی بات کو طرح طرح سے بیان کرنا۔'' ﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾ (7/الاعراف:58) ''اس طرح ہم بار بار بیان کرتے ہیں آیتوں کو ایسے لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(انفعال) **اِنْصِرَافًا** کسی سے پھر جانا۔ ہٹ جانا۔ ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (9/التوبہ:127) ''پھر وہ لوگ ہٹ جاتے ہیں، اللہ نے پھیرا ان کے دلوں کو۔''

| س ح ب |
|---|

(ف) **سَحْبًا** کسی کو زمین پر گھسیٹنا۔ کسی انسان کو منہ کے بل گھسیٹنا۔ کسی کو کھینچنا یا گھسیٹ کرلے جانا۔ زمین پر گھسیٹ کر چلنا۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ (54/القمر:48) ''جس دن وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل۔''

**سَحَابٌ** اسم ذات ہے۔ بادل۔ بادل کو سحاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہوا اس کو کھینچ کرلے چلتی ہے یا اس وجہ سے کہ یہ پانی کو کھینچ لاتا ہے یا اس وجہ سے کہ وہ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھسیٹتا ہوا چل رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب معانی ہی جمع ہوں۔ (واللہ اعلم)۔

سحاب اسم جنس ہے اس کا واحد سَحَابَةٌ ہے اور جمع سُحُبٌ اور سَحَائِبُ ہے۔ البتہ یہ لفظ خود بھی واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب طرح استعمال ہو جاتا ہے۔ مثلاً آیت زیر مطالعہ میں اس کی صفت واحد استعمال ہوئی ہے۔ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ ''اور مطیع کیے ہوئے بادل''۔ صفت کبھی جمع بھی لائی جاتی ہے مثلاً: ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ (13/الرعد:12) ''اور اٹھاتا ہے بادل بھاری۔'' بطور مذکر یہ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے اور بطور مؤنث اس کی مثال یہ آیت ہے: ﴿حَتّٰى اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ (7/الاعراف:57) ''یہاں تک کہ جب وہ اٹھالاتی ہیں بھاری

بادل۔" حدیث میں آنحضرتؐ کے عمامۂ مبارک کا نام سحاب تھا جو ہوا میں (شملہ) کے اڑنے کے سبب بادل سے تشبیہ کی بنا پر اس نام سے موسوم ہوا۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص: ۱۸۸)۔

کبھی بطور تشبیہ سحاب کے لفظ سے سایہ اور تاریکی بھی مراد لی جاتی ہے۔

## س خ ر

(ف) سِخْرِیًّا، سُخْرِیًّا اور سُخْرِیٌّ: کسی سے بلا معاوضہ یعنی اعزازی طور پر کام لینا۔ بیگار لینا۔ مغلوب کرنا۔ ذلیل کرنا۔ اسم بھی ہے بمعنی خدمت گار۔ تابعدار۔ وہ جس سے کام لیا جائے۔ صاحبؒ مفردات القرآن فرماتے ہیں: "سُخْرِیٌّ وہ ہے جسے اولاً تو کسی کام پر مجبور کیا جائے پھر وہ اپنے ارادے سے مسخر ہو جائے۔" ﴿لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ﴾ (43/الزخرف:32) "تاکہ ان کے بعض، بعض سے کام لے سکیں۔" قرآنِ مجید میں یہ لفظ ایک ہی بار مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔

(س) سَخَرًا، سَخْرًا اور سُخْرًا: کسی سے مذاق کرنا۔ کسی کا عیب بیان کر کے اس کا مذاق اڑانا جس سے اس کی تحقیر اور تذلیل مقصود ہو۔ کسی کا ازراہِ حقارت مذاق اڑانا۔ ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾ (9/التوبہ:79) "تو وہ لوگ مذاق کرتے ہیں ان سے، مذاق کیا اللہ نے ان سے۔"

سَاخِرٌ: ج: سَاخِرُوْنَ۔ سَاخِرِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ ﴿وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۙ﴾ (39/الزمر:56) "اور میں تھا مذاق کرنے والوں میں سے۔"

سِخْرِیٌّ: اسم ہے۔ جس سے مذاق کیا جائے۔ جس کا مذاق اڑایا جائے۔ ﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ (23/المومنون:110) "پھر تم لوگوں نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔" ﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ (38/ص:63) "کیا ہم نے ہی اُن کا مذاق بنا رکھا تھا۔" (ترجمہ احسن البیان)۔

(تفعیل) تَسْخِيْرًا: کسی کو کسی کے تابع کرنا۔ مغلوب کرنا۔ کسی کو کام میں لگا دینا۔ کسی کو اجرت اور معاوضہ دیے بغیر کوئی کام کرنے پر مجبور کر دینا۔ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ﴾ (14/ابراہیم:32) "اور اس نے مطیع کیا کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے۔"

مُسَخَّرٌ: اسم المفعول ہے۔ تابع کیا ہوا۔ فرمانبردار بنایا ہوا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

مُسَخَّرَۃٌ: ج: مُسَخَّرَاتٌ۔ مُسَخَّرَاتٍ۔ مُسَخَّرٌ کی مونث۔ ﴿وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ (7/الاعراف:54) "اور سورج اور چاند اور ستاروں کو (اس نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع۔" (ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) اِسْتِسْخَارًا: کسی کا مذاق اُڑانا۔ ﴿وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۪﴾ (37/الصّٰفّٰت:14) "اور جب بھی وہ لوگ دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو مذاق اُڑاتے ہیں۔"

## ترکیب

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور آیت کے آخر میں لفظ لَاٰيٰتٍ اس کا اسم ہے اسی لیے حالتِ نصب میں ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ تک پوری عبارت قائم مقام خبر مقدم ہے جب کہ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ متعلق خبر ہے۔ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کے بعد وَاخْتِلَافِ۔ وَالْفُلْكِ۔ وَتَصْرِيْفِ اور وَالسَّحَابِ، یہ تمام الفاظ خَلْقِ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالتِ جرّ میں ہیں۔ وَمَآ اَنْزَلَ بھی عطف ہے اس لیے محلاً یہ بھی حالتِ جر میں ہے۔ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ میں اللَّيْلِ کے بجائے الَّيْلِ آیا ہے۔ یعنی دو لام کی بجائے ایک لام آیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ فَاَحْيَا کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے۔ جو اللہ کے لیے ہے۔ بِهٖ میں هٖ ضمیر مَآءٍ کے لیے ہے۔ مَوْتِهَا اور فِيْهَا میں هَا ضمیریں

الْاَرْضِ کے لیے ہیں۔ قَوْمٍ نکرہ مخصوصہ ہے اور یَّعْقِلُوْنَ، جملہ فعلیہ، اس کی صفت ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:164 |

| | | |
|---|---|---|
| اِنَّ | فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ |
| بیشک | زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں | اور دن اور رات کے بدلتے رہنے میں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالْفُلْكِ الَّتِیْ | تَجْرِیْ | فِی الْبَحْرِ | بِمَا | یَنْفَعُ | النَّاسَ |
| اور کشتیوں میں جو | لے کر چلتی ہیں | سمندر میں | وہ چیزیں جو | فائدہ دیتی ہیں | لوگوں کو |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَمَآ | اَنْزَلَ | اللّٰهُ | مِنَ السَّمَآءِ | مِنْ مَّآءٍ | فَاَحْیَا |
| اور اس میں جو | اُتارا | اللہ نے | آسمان سے | پانی | پھر اس نے زندہ کیا |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بِهِ | الْاَرْضَ | بَعْدَ مَوْتِهَا | وَبَثَّ | فِیْهَا | مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ |
| اس سے | زمین کو | اس کے مردہ ہونے کے بعد | اور اس نے پھیلا دیے | اس میں | ہر قسم کے چلنے والے جاندار |

| | | |
|---|---|---|
| وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ | وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ | بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ |
| اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں | اور حکم کے پابند بادل میں جو | زمین اور آسمان کے درمیان (معلق ہے) |

| | | |
|---|---|---|
| لَاٰیٰتٍ | لِّقَوْمٍ | یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ |
| (ان سب میں) یقیناً نشانیاں ہیں | ان لوگوں کے لیے | جو عقل سے کام لیتے ہیں |

## آیت: 165

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ
الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | دُوْنِ: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ن د د: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ |
| ش د د: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |
| ق و ی: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ | | |

**ح ب ب**

(ض) حُبًّا، حِبًّا پسند کرنا۔ پیار کرنا۔ محبت کرنا۔

(س)(ک) حِبًّا پسندیدہ ہونا۔ پیارا ہونا۔ محبوب ہونا۔ عموماً اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

اَحَبُّ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پیارا۔ زیادہ محبوب۔ ﴿وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ﴾ (9/التوبہ:24) ''اور مکانات، تم لوگ راضی ہو جن سے، زیادہ پیارے ہیں تم کو۔''

حَبِیۡبٌ — ج: اَحِبَّآءُ۔ پیارا۔ دوست۔ محبوب۔ ﴿ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ ﴾(5/المائدہ:18)''ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

حُبٌّ — مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ پیار۔ محبت۔ ﴿ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہَوٰتِ ﴾(3/آل عمران:14)''آراستہ کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت۔''اور آیت زیر مطالعہ۔

مَحَبَّۃٌ — اسم ذات ہے۔ پیار۔ محبت۔ ﴿ وَ اَلۡقَیۡتُ عَلَیۡکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیۡ ۬ۚ ﴾(20/طٰہٰ:39)''اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

نوٹ: صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:''جو چیز پسند ہو یا جو شئے اچھی معلوم ہو اس کے چاہنے کا نام حُبٌّ اور محبت ہے۔''پھر آگے لکھتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کے بندے سے محبت کرنے کا مطلب اس پر انعام اور نوازش فرمانا ہے اور بندے کے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے معنی اس کا قرب طلب کرنے کے ہیں۔''(لغات القرآن، ج۲، ص:۲۶۹)

حَبٌّ — اسم جنس ہے اس کا واحد حَبَّۃٌ آتا ہے۔ دانہ۔ غلہ۔ اناج۔ حَبٌّ سے مراد ہر قسم کا اناج ہے۔ گندم، جَو اور تمام وہ غلہ جسے کاٹا جاتا ہے اور جس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن)۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ ﴾(6/الانعام:95)''بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔''﴿ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ ﴾(2/البقرہ:261)''ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایک ایسے دانے کی مثال کی مانند ہے اُگیں جس سے سات بالیں۔''

(افعال) اِحۡبَابًا — پیار کرنا۔ محبت کرنا۔ (یہ مادہ باب ضَرَبَ اور باب افعال میں ہم معنی ہے۔ قرآن مجید میں اس معنی میں یہ صرف باب افعال سے استعمال ہوا ہے)۔ ﴿ اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ ﴾(28/القصص:56)''یقیناً آپؐ ہدایت نہیں دیتے اس کو جس کو آپؐ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے اس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔''

(تفعیل) تَحۡبِیۡبًا — کسی کو کسی کے لیے پیارا بنا دینا۔ عموماً اس معنی میں اِلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں حَبَّبَنِیۡ اِیَّاہٗ، اس نے مجھے اس کا محبوب بنا دیا۔ اسی طرح حَبَّبَ اللّٰہُ اِلَیَّ کَذَا کا مطلب ہے فلاں چیز اللہ نے مجھے عزیز کر دی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ ﴾ (49/الحجرات:7)''بلکہ اللہ نے پیارا بنایا تمہارے لیے ایمان کو۔''

(استفعال) اِسۡتِحۡبَابًا — کسی کو کسی پر ترجیح دینا۔ پسند کرنا۔ ﴿ اِلَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ ﴾(14/ابراہیم:3)''وہ لوگ جو ترجیح دیتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت پر۔''

## ترکیب

''وَ''استئنافیہ ہے اور مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ مَنۡ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہے۔ یَتَّخِذُ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ متعلق فعل ہے اور اَنۡدَادًا اس کا مفعول ہے۔ آگے جملہ فعلیہ یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ یا تو اَنۡدَادًا کی صفت ہے یا یَتَّخِذُ کی ضمیر فاعلی کا حال ہے۔ مَنۡ کی لفظی رعایت کے تحت یَتَّخِذُ واحد کا صیغہ آیا ہے جبکہ اس کی معنوی رعایت کرتے ہوئے یُحِبُّوۡنَ، جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صلہ موصول مل کر مبتداء ہے اور اَشَدُّ اس کی خبر ہے اور یہ تفضیل بعض کے معنی میں ہے۔ حُبًّا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ وَ لَوۡ میں لَوۡ شرطیہ ہے یَرَی فعل اور الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡٓا اس کا مفعول ہے اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ظرف زمان ہے اور یَرَی سے متعلق ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے، اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ لَعَلِمُوۡا ہو سکتا ہے یعنی وَ لَوۡ یَرَی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ لَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ (واللہ اعلم)۔ جَمِيْعًا حال ہے۔ آگے اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے اور شَدِيْدُ الْعَذَابِ اس کی خبر ہے۔ لَوْ کے بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ اس کو تمنی مانا جائے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرة:165 |

| وَمِنَ النَّاسِ | مَنْ | يَّتَّخِذُ | مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ | اَنْدَادًا |
|---|---|---|---|---|
| اور لوگوں میں وہ بھی ہیں | جو | بناتے ہیں | اللہ کے علاوہ اوروں کو | (اللہ کا) مدمقابل |

| يُّحِبُّوْنَهُمْ | كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ | وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا |
|---|---|---|
| وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے | اللہ کی محبت کی مانند | اور جو ایمان لائے وہ |

| اَشَدُّ | حُبًّا | لِّلّٰهِ ۭ | وَلَوْ يَرَى | الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| زیادہ شدید ہیں | محبت کے لحاظ سے | اللہ کے لیے | اور کاش جان لیتے | وہ جنہوں نے |

| ظَلَمُوْٓا | اِذْ يَرَوْنَ | الْعَذَابَ ۙ | اَنَّ الْقُوَّةَ |
|---|---|---|---|
| ظلم کیا (اس وقت کو) | جب وہ دیکھیں گے | عذاب کو | کہ ساری قوت |

| لِلّٰهِ | جَمِيْعًا | وَّ اَنَّ اللّٰهَ | شَدِيْدُ الْعَذَابِ |
|---|---|---|---|
| اللہ کے لیے ہے | سب کی سب | اور یہ کہ اللہ | سخت عذاب دینے والا ہے |

**نوٹ** آیتِ مبارکہ میں وَلَوْ يَرَى میں لَوْ کا ترجمہ شرطیہ اور تمنی دونوں طرح سے کیا گیا ہے مثلاً حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ’’اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اُس وقت کو جب کہ دیکھیں گے عذاب۔‘‘ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ’’اور کاش ظالم جب عذاب کو دیکھ لیتے۔‘‘

## آیت: 166

﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۱۶۶ ﴾

ب ر ء: البقرة آیت 54 دیکھیں۔ ت ب ع: البقرة آیت 38 دیکھیں۔ د ع ی: البقرة آیت 55 دیکھیں۔
ق ط ع: البقرة آیت 27 دیکھیں۔

**س ب ب**

(ن) سَبًّا: (۱) رسی کو کاٹنا۔ (۲) گالی دینا۔ ﴿ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ ﴾ (6/الانعام:108) ’’اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

سَبَبٌ: ج: اَسْبَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ اصل میں اس رسی کو سبب کہا جاتا ہے جس سے درخت پر چڑھا اور اترا جاتا ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ پھر مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) ہر وہ چیز جو کسی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اسے سبب کہتے ہیں۔ اس میں آلات و مادی وسائل بھی شامل ہیں اور علم، بصیرت و تجربہ بھی۔ ﴿ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۱۰ ﴾ (38/ص:10) ’’تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں۔‘‘ (ترجمہ

ماجدیؒ)۔اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اسباب، سبب کی جمع ہے۔اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو۔اس لیے اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں۔'' (احسن البیان: ۱۲۷۴)۔ چنانچہ اس آیتِ مبارکہ میں اسباب کے مختلف تراجم کیے گئے ہیں مثلاً ''رسیاں'' (شیخ الہندؒ)۔''اس کی راہوں سے۔'' (ضیاء القرآن)۔''سیڑھیاں'' (ماجدیؒ) وغیرہ۔﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴾ (40/مومن:36) ''اور فرعون نے کہا اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اُسے سبب کہتے ہیں۔یہاں اسباب سے مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص: ۳۰۶)۔

(۲) ساز وسامان۔﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴾ (۱۸/الکہف:84) ''اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان دیا تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز وسامان۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یعنی اسے ملک میں تسلط بخشا اور با اختیار کیا اسے علم، قدرت و آلات وغیرہ مرحمت فرمائے جن سے کام لے کر وہ ہر چیز تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔اس آیت میں سَبَبًا کا معنی ما یوصل الیہ من العلم والقدرۃ والآلات ہے۔'' (مظہری بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۳، ص: ۵۰)۔

(۳) راستہ۔راہ۔ ﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴾ (18/الکہف:85) ''پھر وہ ایک راہ پر ہولیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''سبب کے معنی جس طرح ساز وسامان کے ہیں، اسی طرح راہ، منزل، طریق کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص: ۶۴۵)۔ اور پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''اس آیت میں سَبَبًا کا معنی راستہ ہے۔سَبَبًا یعنی الطریق۔ (مظہری بحوالہ ضیاء القران، ج ۳، ص: ۵۰)۔

(۴) باہمی تعلقات۔رشتے ناتے۔آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب** اِذْ ظرف زمان ہے اور ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں قیامت کا ذکر ہے اس لیے ماضی کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ تَبَرَّاَ فعل ہے، اَلَّذِيْنَ اسم موصول اور جملہ فعلیہ اُتُّبِعُوْا، اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر فاعل ہے تَبَرَّاَ کا۔اُتُّبِعُوْا مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل، اس میں شامل ضمیر ہے۔معنی ہوگا ''ان کی پیروی کی گئی''۔ آگے مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا متعلق فعل ہے۔اِتَّبَعُوْا ماضی کا صیغہ ہے معنی ہوگا ''انہوں نے پیروی کی''۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ میں وٗ حالیہ ہے۔ وَرَاَوُا کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے جو کہ گزشتہ جملے میں الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا اور الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا، دونوں کے لیے ہے اور اَلْعَذَابَ اس کا مفعول ہے۔ تَقَطَّعَتْ کا فاعل اَلْاَسْبَابُ ہے، اس پر لام جنس ہے اور چونکہ یہ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔بھم میں ب، عن کے معنی میں بھی لی گئی ہے یعنی عنھم اور ب سببیہ بھی مانی گئی ہے، یعنی یہ قطع تعلق بسبب کفر کے ہوگا۔یعنی و تقطعت بسبب کفرھم۔

| ترجمہ | اِذْ تَبَرَّاَ | الَّذِيْنَ | اتُّبِعُوْا | مِنَ الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:166 | جب اظہارِ بیزاری کریں گے | وہ لوگ جن کی | پیروی کی گئی | ان لوگوں سے جنہوں نے |

| اِتَّبَعُوْا | وَرَاَوُا | الْعَذَابَ | وَتَقَطَّعَتْ | بِهِمُ |
|---|---|---|---|---|
| پیروی کی | اور وہ سب لوگ دیکھیں گے | عذاب کو | اور کٹ جائیں گے | ان کے |

| الْاَسْبَابُ |
|---|
| سارے تعلقات (یعنی نفع کی امید ختم ہوجائے گی) |

## آیت:167

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝۱۶۷﴾

| | | |
|---|---|---|
| ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ب ر ء: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ |
| خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | | |

**ك ر ر**

(ن) (۱) كُرُوْرًا لوٹنا۔ مڑنا۔

(۲) كَرَّارٌ دشمن پر حملہ کرنا۔ ٹوٹ پڑنا۔ اسی سے فَعَّالٌ کے وزن پر لفظ کَرَّارٌ ہے جس کا مطلب ہے دشمن پر بار بار، لوٹ لوٹ کر حملہ کرنے والا۔ کَرّ و فَرّ اس جنگی چال کو کہتے ہیں جو عرب میں مشہور تھی یعنی حملہ کرنا اور یکدم پسپا ہو کر پھر دوبارہ ٹوٹ پڑنا۔

(۳) كَرًّا و تَكْرَارًا کسی چیز کو لوٹانا، پلٹانا یا موڑ دینا۔ کسی کام کو بالکل اسی طرح کرنا جیسے پہلے کیا تھا۔ (نوٹ: اِن مصادر سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔

كَرَّةٌ (۱) ایک بار لوٹنا۔ ایک مرتبہ واپسی۔ کَرَّۃٌ میں 'ۃ' وحدت کی ہے جس کا معنی ہے ایک بار۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(۲) دشمن پر لوٹ کر یکبارگی حملہ کرنے کو بھی اسی مناسبت سے کَرَّۃٌ کہتے ہیں۔

(۳) دشمن پر یکبارگی حملہ، غلبہ حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اس لیے کَرَّۃٌ کا لفظ غلبہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾ (17/بنی اسرائیل:6) ''پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ البتہ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور طرح سے بھی کیا گیا ہے مثلاً ''پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

كَرَّتَيْنِ کَرَّۃٌ کا تثنیہ۔ دو مرتبہ۔ دو بار۔ ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ (67/الملک:4) ''پھر بار بار نگاہ ڈالو'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''پھر لوٹا کر نگاہ کر دو دوبار۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ح س ر**

(ن)(ض) (۱) حُسُوْرًا تھک جانا۔ کُھل جانا۔ عاجز ہونا۔

(۲) حَسَرًا — تھکنا۔ کسی کو تھکانا۔ کھولنا۔ کسی چیز کو ننگا کرنا۔ اس سے پردہ اٹھانا۔ عربی میں کہتے ہیں حَسَرْتُ عَنِ الذِّرَاعِ میں نے آستین چڑھائی۔ اسی طرح کہتے ہیں حَسَرَتِ الْجَارِيَةُ خِمَارَهَا عَنْ وَجْهِهَا لڑکی نے اپنی چادر اپنے چہرے سے ہٹائی اور حَسَرَ الْبَعِيْرَ اس نے اونٹ کو تھکا دیا۔

(س) (۱) حَسَرًا — تھکنا۔ افسوس کرنا۔

(۲) حَسْرَةً — حسرت کرنا۔ افسوس کرنا۔ غمگین ہونا۔

حَسْرَةٌ — ج: حَسَرَاتٌ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ غم۔ افسوس۔ پچھتاوا۔ حسرت۔ ﴿لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ﴾ (3/آل عمران:156) ''تا کہ بنائے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

حَسْرَتٰی — یہ لفظ افسوس و حسرت کی آواز کو کھینچنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ہائے افسوس۔ ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ (39/الزمر:56) ''(ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کہے ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

حَاسِرٌ — اسم الفاعل ہے۔ تھکا ہوا۔ عاجز۔ غم زدہ۔ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

مَحْسُوْرٌ — اسم المفعول ہے۔ تھکا ہوا۔ عاجز۔ غم زدہ۔ ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝۲۹﴾ (17/بنی اسرائیل:29) ''ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کیے ہوئے اور تھکے ہارے۔''

حَسِيْرٌ — حَسْرٌ سے فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور بمعنی فاعل بھی ہو سکتا ہے اور مفعول بھی۔ دونوں صورتوں میں معنی ہوگا تھکا ہوا۔ غم زدہ ناکام۔ درماندہ۔ ﴿يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴﴾ (67/الملک:4) ''لوٹے گی تیری طرف نگاہ تھکی ہوئی اور وہ ناکام ہوگی۔'' عربی میں نَاقَةٌ حَسِيْرٌ کا مطلب ہے تھکی ہوئی اونٹنی۔
(نوٹ: حَاسِرٌ، مَحْسُوْرٌ اور حَسِيْرٌ، سب ہم معنی ہیں)۔

(استفعال) اِسْتِحْسَارًا — تھکاوٹ محسوس کرنا۔ سستی کرنا۔ کاہلی کرنا۔ ''استحسار میں تھکان کا مبالغہ پایا جاتا ہے اس سے مراد وہ تھکان ہے جو کسی ناگوار کام کرنے سے لاحق ہوتی ہے۔'' (تفہیم القرآن)۔ ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝۱۹ۚ﴾ (21/الانبیاء:19) ''وہ لوگ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی سستی کرتے ہیں۔''

## ترکیب

قَالَ کا فاعل الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ہے۔ لَوْ اَنَّ کا لَوْ تمنی ہے۔ کَرَّةً مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَنَا قائم مقام خبر مقدم۔ فَنَتَبَرَّاَ میں 'ف' سببیہ ہے اور مضارع منصوب بوجہ جواب تمنی ہے (نصب علی جواب)۔ يُرِيْ کا فاعل اللّٰهُ ہے، اس کا مفعول اوّل هُمْ کی ضمیر ہے جو الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا کے لیے ہے جب کہ اَعْمَالَهُمْ اس کا مفعول ثانی ہے اور حَسَرٰتٍ یا تو حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے یا پھر مفعول لَهٗ ہے۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ سادہ عربی زبان میں مَا يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ تھا۔ لیکن جملہ فعلیہ کو جملہ اسمیہ میں تبدیل کیا گیا۔ هُمْ ضمیر کو باہر لایا گیا اور اسم الفاعل (خارجین) بطور خبر لایا گیا اور پھر اس پر 'ب' داخل کی گئی، اس سے مبالغہ پیدا ہوا ہے۔ یاد رہے جملہ اسمیہ میں، جملہ فعلیہ کی بنسبت زیادہ مبالغہ ہوتا ہے۔

| ترجمہ | وَقَالَ | الَّذِيْنَ | اتَّبَعُوْا | لَوْ اَنَّ | لَنَا | كَرَّةً |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرة:167 | اور کہیں گے | وہ لوگ جنہوں نے | پیروی کی | کاش کہ | ہمارے لیے ہوتا | ایک بار لوٹنا (دنیا میں) |

| فَنَتَبَرَّاَ | مِنْهُمْ | كَمَا | تَبَرَّءُوْا | مِنَّا ؕ |
|---|---|---|---|---|
| تا کہ پھر ہم بھی اظہار بیزاری کرتے | ان سے | جیسے کہ | انہوں نے اظہار بیزاری کیا | ہم سے |

| كَذٰلِكَ | يُرِيْهِمُ | اللّٰهُ | اَعْمَالَهُمْ | حَسَرٰتٍ | عَلَيْهِمْ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس طرح | دکھائے گا ان کو | اللہ | ان کے کام | حسرتیں ہو کر | ان پر |

| وَمَا هُمْ | بِخٰرِجِيْنَ | مِنَ النَّارِ |
|---|---|---|
| اور وہ لوگ | ہرگز نکلنے والے نہیں ہیں | آگ سے |

## آیت: 168

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ ﴾

ء ک ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ط ی ب: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔
ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔

### ح ل ل

اس مادے سے جتنے مشتقات ہیں، ان سب کے مفہوم میں ''کھولنے'' یا ''اترنے'' کا معنی پایا جاتا ہے، البتہ کسی مصدر میں کوئی معنی زیادہ اور کوئی معنی کم ہوسکتا ہے۔

(ن۔ض) **حَلًّا**: گرہ کھولنا۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''حَلٌّ کے لفظی معنی ہیں گرہ کھولنا۔ جو چیز انسان کے لیے حلال کر دی گئی گویا ایک گرہ کھول دی گئی اور پابندی ہٹا دی گئی۔''

**اُحْلُلْ**: فعل امر ہے۔ تو کھول۔ ﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:27) ''اور تو کھول گرہ میری زبان سے۔''

(ن) **حُلُوْلًا**: کسی جگہ پر اترنا۔ اصل میں یہ حَلُّ الْاَحْمَالِ عِنْدَ النُّزُوْلِ سے ہے جس کے معنی کسی جگہ اترنے کے لیے سامان کی رسیوں کی گرہیں کھول دینا کے ہیں، پھر محض اترنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ ﴿ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (20/طٰہٰ:86) ''یا ارادہ کیا تم لوگوں نے کہ اُترے تم لوگوں پر کوئی غضب تمہارے رب کی جانب سے۔'' ﴿ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ (13/الرعد:31) ''یا اترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گرد و نواح میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَحِلٌّ**: اسم الظرف ہے۔ اُترنے کی جگہ۔ منزل۔ قربان گاہ۔ ﴿ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ﴾ (22/الحج:33) ''تم لوگوں کے لیے ہیں اس میں کچھ فائدے ایک مقررہ مدت تک پھر اس کی منزل ہے قدیم گھر کی طرف۔''

(ض) **حِلًّا، حَلَالًا**: کسی چیز کا حلال ہونا۔ جائز ہونا۔ احرام کھولنا۔ ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْۤ اَرْحَامِهِنَّ ﴾ (2/البقرۃ:228) ''اور جائز نہیں ہوتا ان خواتین کے لیے کہ وہ چھپائیں اس کو جو پیدا کیا اللہ نے ان کے رحموں میں۔''
﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ ﴾ (5/المائدہ:2) ''اور جب تم لوگ احرام کھولو تو شکار کر لو۔''

**حِلٌّ**: صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔ ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (5/المائدہ:5) ''اور تم لوگوں کا کھانا حلال ہے ان لوگوں کے لیے۔''

حَلَالٌ — صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔ ﴿ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ ﴾(16/النحل:116)''یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔''اس کی ضد حَرَامٌ ہے۔

حَلِيْلٌ — فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ حَلٌّ سے مشتق ہے۔ مطلب ہے شوہر۔ بیوی کے لیے شوہر حلیل ہے کیونکہ وہ بیوی کے لیے ہمیشہ حلال ہوتا ہے۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

حَلِيْلَةٌ — ج: حَلَائِلُ۔ فَعِيْلٌ کی مونث فَعِيْلَةٌ کا وزن ہے۔ بیوی۔ مرد کے لیے اس کی بیوی حلیلہ ہے کیونکہ وہ شوہر کے لیے ہمیشہ حلال ہوتی ہے۔ ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾(4/النساء:23)''اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب سے ہیں۔'' صاحب لغات القرآن اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حَلِيْلَةٌ بروزن فَعِيْلَةٌ، حَلٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی گرہ کھولنے، اترنے اور حلال ہونے کے ہیں، چونکہ شوہر اور بیوی ایک دورے کے ازار کھولتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں اس لیے حَلِيْلٌ اور حَلِيْلَةٌ کہلاتے ہیں۔'' (لغات القرآن، ج ۲، ص: ۲۹۰)۔ اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''حَلَائِلُ یہ حَلِيْلَةٌ کی جمع ہے یہ حل یحل (اترنا) سے فَعِيْلَةٌ کے وزن پر بمعنی فَاعِلَة ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔'' (احسن البیان، ص: ۲۱۴)

(افعال) اِحْلَالًا — (۱) کسی چیز کو حلال کرنا۔ کسی چیز کو جائز کرنا۔ ﴿ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾(5/المائدہ:87)''حرام مت کرو پاکیزہ چیزوں کو جن کو حلال کیا اللہ نے تمہارے لیے۔'' اَحَلَّ (حلال کرنا) کے مقابلے پر حَرَّمَ (حرام کرنا) باب تفعیل سے آتا ہے نہ کہ باب افعال ہے۔

(۲) کسی چیز کو اتارنا۔ ﴿ اِلَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾(35/فاطر:35)''جس نے اتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

مُحِلٌّ — ج: مُحِلُّوْنَ۔ مُحِلِّيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حلال کرنے والا۔ ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ ﴾(5/المائدہ:1)''نہ حلال سمجھ شکار کو۔''

(تفعیل) تَحْلِيْلًا اور تَحِلَّةً — کفارہ ادا کرنا۔ (کسی عہد یا قسم کی پابندی کھولنے کے لیے)۔ ﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ﴾ (66/التحریم:2)''فرض کیا ہے اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو۔''

**خ ط و**

(ن) خَطْوًا — چلنے کے لیے قدم اُٹھانا۔ خَطْوَةٌ: خَطْوًا کا اسم مرۃ ہے۔ ایک بار قدم اٹھانا۔

خُطْوَةٌ — ج: خُطُوٰتٌ۔ دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ نقشِ قدم۔ عربی میں کہا جاتا ہے قَرَّبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْخُطْوَةَ، اللہ تعالیٰ مسافت کو تمہارے لیے قریب کردیں۔ آیت زیر مطالعہ۔ خطواتِ شیطان سے مراد شیطانی اعمال و افعال ہوتے ہیں۔

**ترکیب**

كُلُوْا فعل امر کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو اَلنَّاسُ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول محذوف ہے جو رِزْقًا ہو سکتا ہے۔ مِمَّا فِي الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔ مِمَّا میں مِنْ تبعیضیہ ہے (ماجدیؒ)۔ حَلٰلًا محذوف مفعول کی صفت اوّل ہے جب کہ طَيِّبًا اسی کی صفت ثانی ہے۔ تفسیر حقانی اور انوار البیان میں حَلٰلًا کو مفعول مانا گیا ہے اور طَيِّبًا کو اس کی صفت۔ لَا تَتَّبِعُوْا فعل نہی کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو اَلنَّاسُ کے لیے ہے۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف خُطُوٰتِ حالت نصب میں آیا ہے۔

| ترجمہ | | | | |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:168 | | | | |

| حَلٰلًا طَيِّبًا | فِي الْاَرْضِ | مِمَّا | كُلُوْا | يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ |
|---|---|---|---|---|
| حلال، پاکیزہ (رزق) | زمین میں ہے | اس میں سے جو | تم کھاؤ | اے لوگو! |

| عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ | لَكُمْ | اِنَّهٗ | خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ | وَّلَا تَتَّبِعُوْا |
|---|---|---|---|---|
| ایک کھلا دشمن ہے | تمہارے لیے | یقیناً وہ | شیطان کے نقشِ قدم کی | اور تم لوگ پیروی مت کرو |

## آیت:169

﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾﴾

ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ س و ء: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔

**ف ح ش**

(ک) **فُحْشًا** حد سے زیادہ برا ہونا۔ بے حیا ہونا۔ کھلم کھلا برائی کرنا۔

**فَاحِشَةٌ** ج: فَوَاحِشُ۔ ہر وہ چیز جو حد سے بڑھی ہوئی ہو۔ شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ قول یا فعل جو برائی میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) کھلی گمراہی، کھلا گناہ، شریعت کے خلاف کام۔

(۲) بخل۔

(۳) بے حیائی اور ایسی بے حیائی جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑے۔

(۴) زنا اور ایسے اقوال و افعال جو زنا کے قریب لے جاتے ہوں۔

(۵) بہت برا کام۔

(۶) زنا کا الزام جس کا ثبوت ابھی مہیا کرنا ہو۔ وغیرہ۔

﴿يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (33/الاحزاب:30) ''اے نبیؐ کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''لفظ فاحشة جب ال کے ساتھ معرفہ ہو کر آئے گا تو اُس کے معنی حرام کاری کے ہوں گے اور جب تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں آئے گا تو اُس کے مفہوم میں ہر قسم کی معصیت داخل ہوگی۔ اور جب موصوف ہو کر آئے گا (جیسا کہ یہاں صفت مُبَيِّنَةٍ کے ساتھ ہے) تو مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوجیت سے ہو گی۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۸۶۲)۔ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا﴾ (7/الاعراف:28) ''اور جب وہ لوگ کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں ہم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ (42/الشوریٰ:37) ''اور جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہ سے اور بے حیائیوں سے۔''

**فَحْشَاءُ** اسم التفضیل میں واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا مذکر اَفْحَشُ آتا ہے۔ بُرا کام۔ بے حیائی۔ زنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ﴾ (16/النحل:90)''اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا مودودیؒ فحشاء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فَحْشَآء کا اطلاق تمام بیہودہ اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو، فحش ہے۔ مثلاً بخل، زنا، برہنگی وعُریانی، عمل قوم لوط، محرمات سے نکاح کرنا، چوری، شراب نوشی، بھیک مانگنا، گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح علی الاعلان بُرے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے، مثلاً جھوٹا پروپیگنڈا، تہمت تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلم، عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا، علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا، اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور تھرکنا اور ناز وادا کی نمائش کرنا۔ وغیرہ۔'' (تفہیم القران، ج۲،ص:۵۶۶)۔ اور آیت زیر مطالعہ۔

**نوٹ:** حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فحش، فحشاء اور فاحشہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فحش، فحشاء اور فاحشہ سب مصدر ہیں، جن کا اردو میں ترجمہ بے حیائی سے کیا جاتا ہے، اور قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بُرے کام کے لیے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جس کی برائی اور فساد کے اثرات بُرے ہوں اور وہ دور تک پہنچیں، امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں اور ابن اثیرؒ نے نہایہ میں یہی معنی بیان فرمائے ہیں، قرآن کریم میں جابجا فحش اور فحشاء کی ممانعت وارد ہوئی ہے ایک آیت میں ارشاد ہے یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ایک جگہ ارشاد ہے حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ وغیرہ۔ فحش اور فحشاء کے اس مفہوم عام میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں خواہ اقوال سے متعلق ہوں یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے، بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں وہ بھی سب اس میں داخل ہیں، اسی لیے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنی میں بولا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۳،ص:۴۸۴)

**ترکیب**

اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ یَاْمُرُ کا فاعل ھُوَ ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے الشَّیْطٰنِ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول کُمْ ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے النَّاس کے لیے ہے۔ بِالسُّوْءِ اور اَلْفَحْشَاءِ، دونوں متعلق فعل ہیں۔ اَلْفَحْشَاءِ سے پہلے حرف جر ''بِ'' محذوف ہے اس لیے یہ مجرور ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے جس نے مضارع، تَقُوْلُوْا، میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں یعنی وَیَاْمُرُكُمْ بِالْقَوْلِ عَلَی اللّٰهِ اور قَالَ یَقُوْلُ کا صلہ جب عَلٰی آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف گھڑ کر کوئی بات کرنا یا کسی پر بہتان لگانا۔ عَلَی اللّٰهِ متعلق فعل ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ لَا تَعْلَمُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے تَقُوْلُوْا کا۔

| ترجمہ | اِنَّمَا | یَاْمُرُكُمْ | بِالسُّوْءِ | وَالْفَحْشَاءِ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:169 | کچھ نہیں سوائے اس کے کہ | وہ حکم دیتا ہے تم کو | برائی کا | اور بے حیائی کا |

| وَاَنْ | تَقُوْلُوْا | عَلَی اللّٰهِ | مَا لَا | تَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور یہ کہ | تم جھوٹ کہو | اللہ پر | وہ باتیں جو | تم نہیں جانتے |

## آیت:170

﴿ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | بَلۡ: البقرۃ آیت 88 دیکھیں۔ |
| ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | |

### ل ف و

(ن) لَفۡوًا کس چیز کو کم کرنا۔ کسی چیز کے آگے سے حجاب دور ہونا اور اس کا ظاہر ہونا۔

(افعال) اِلۡفَاءً کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

### ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ قِيۡلَ سے اَنۡزَلَ اللّٰهُ تک شرط ہے اور قَالُوۡا سے اٰبَآءَنَا تک جواب شرط ہے۔ اِتَّبِعُوۡا فعل امر کا صیغہ ہے، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جبکہ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اِتَّبِعُوۡا کا مفعول ہے۔ قَالُوۡا بَلۡ میں بَلۡ سے پہلے كَلَّا محذوف ہے۔ نَتَّبِعُ فعل ہے اور اس کا مفعول اگلا جملہ ہے، جس میں مَا اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا اس کا صلہ ہے۔ اٰبَآءَنَا، اَلۡفَيۡنَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ عَلَيۡهِ میں ہِ ضمیر مَا کی ضمیر عائد ہے۔ اَوَ لَوۡ میں اَ استفہامیہ ہے۔ 'وَ' کو عاطفہ اور حالیہ دونوں مانا گیا ہے اور لَوۡ شرطیہ ہے۔ آگے پورا جملہ شرط ہے۔ یہ جملہ یوں تھا "اَيَتَّبِعُوۡنَهُمۡ وَ لَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ"۔ یعنی کیا وہ ان کی تب بھی پیروی کریں گے اگرچہ ان کے باپ دادا عقل نہیں رکھتے تھے ذرا بھی اور نہ ہی ہدایت یافتہ تھے۔ كَانَ کا اسم اٰبَآؤُهُمۡ ہے، اس لیے اس کا مضاف اٰبَآءُ رفع میں ہے۔ لَا يَعۡقِلُوۡنَ اور لَا يَهۡتَدُوۡنَ، دونوں فعلیہ جملے اس کی خبریں ہیں۔ شَيۡـًٔـا مفعول مطلق ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:170**

| اللّٰهُ | اَنۡزَلَ | مَآ | اتَّبِعُوۡا | لَهُمُ | قِيۡلَ | وَاِذَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اللہ نے | اتارا | اس کی جو | تم لوگ پیروی کرو | ان سے | کہا جاتا ہے | اور جب بھی |

| عَلَيۡهِ | اَلۡفَيۡنَا | مَآ | نَتَّبِعُ | بَلۡ | قَالُوۡا |
|---|---|---|---|---|---|
| جس پر | ہم نے پایا | اس کی | ہم تو پیروی کریں گے | (ہرگز نہیں) بلکہ | تو وہ کہتے ہیں |

| شَيۡـًٔـا | لَا يَعۡقِلُوۡنَ | كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ | اَوَ لَوۡ | اٰبَآءَنَا |
|---|---|---|---|---|
| ذرا بھی | عقل نہیں رکھتے تھے | ان کے باپ دادا | خواہ / اگرچہ | اپنے باپ دادا کو |

| وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ |
|---|
| اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ تھے |

## آیت: 171

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ١٧١﴾

| | | |
|---|---|---|
| م ث ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |
| د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ص م م: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ | ب ک م: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ |
| ع م ی: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ | ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | |

### ن ع ق

(ض) نَعْقًا: یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لازم ہو تو معنی ہوتے ہیں کوّے کا کائیں کائیں کرنا، مؤذن کا بلند آواز سے اذان دینا۔ متعدی معنوں میں 'ب' کا صلہ استعمال ہوتا ہے اور اس کا بنیادی مفہوم ہے چرواہے کا بکریوں کو آواز دینا اور ڈانٹنا۔ عربی میں نَعَقَ الرَّاعِي بِصَوْتِهٖ کا معنی چرواہے کے چلانے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ محض چلانے اور پکارنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

### ن د ی

(ن) نَدًى: گیلا ہونا۔ تر ہونا۔

نَدًى: اسم ذات بھی ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) نمی اور رطوبت۔

(۲) مجلس۔ وہ محفل جہاں لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ ان معنوں میں اس کی جمع اَنْدَاءٌ اور اَنْدِيَةٌ آتی ہے۔

(۳) درخت کیونکہ وہ نمی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۴) سخاوت۔

### ن د و

(ن) نَدْوًا: مجلس میں جمع ہونا۔

نَادٍ: فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن اسم ذات کے طور پر محفل، مجلس اور اہل مجلس کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ﴾ (29/العنکبوت:29) ''اور کرتے ہو تم اپنی مجلس میں برا کام۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ١٧ۙ﴾ (96/العلق:17) ''پس اسے چاہیے کہ وہ بلائے اپنی مجلس کے ساتھیوں کو۔''

نَدِيٌّ: اسم ذات ہے۔ محفل۔ مجلس۔ ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ٧٣﴾ (19/مریم:73) ''(ہم) دونوں فریقوں میں مکان کس کا بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مقام سے مراد مکان ومنزل لی گئی ہے اور ندی سے مراد مجلس ومجمع۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص:۶۵۹)۔ عربی زبان میں صَوْتٌ نَدِيٌّ کے معنی بلند آواز کے بھی ہیں۔

(مفاعلہ) مُنَادَاةً، نِدَاءً: آواز بلند کرنا۔ بلند آواز سے پکارنا۔ ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ (7/الاعراف:44) ''اور آواز دیں گے جنت والے آگ والوں کو۔''

نِدَاءٌ: اسم ذات بھی ہے۔ بلند آواز۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُنَادٍ — اسم الفاعل ہے۔ آواز دینے والا۔ پکارنے والا۔ ﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ [آل عمران 193] ''اے ہمارے رب! بیشک ہم نے سنا ایک ندا دینے والے کو جو ندا دیتا ہے ایمان کے لیے۔''

(تفاعل) تَنَادٍ — ایک دوسرے کو پکارنا۔ ﴿ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴾ (68/القلم:21) ''تو انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا صبح ہوتے ہی۔'' ﴿ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ (40/المؤمن:32) ''اور اے میری قوم میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**دُعَاءٌ اور نِدَاءٌ کا فرق:** تقریباً قریب المعنی الفاظ ہیں۔ فرق یہ ہیں: (۱) دعا کے معنی محض پکارنا ہے جبکہ نداء عموماً بلند آواز سے پکارنے کے لیے آتا ہے نِدٰی کے معنی لمبے فاصلے کے بھی آتے ہیں۔ مُنَادِیٌ ڈھونڈورچی یا اعلانچی کو کہتے ہیں۔

(۲) دعا میں کلام کا بامعنی ہونا ضروری ہے۔ جبکہ نداء بامعنی بھی ہو سکتا ہے اور بے معنی بھی۔ گویا نداء کا لفظ محض چلانے پر بھی بولا جا سکتا ہے۔

(۳) دعا میں کسی کو مخاطب کرنا ضروری ہے جبکہ نداء میں منادی کا نام لینا ضروری نہیں۔ آیت زیر مطالعہ میں (آیت:۱۷۱) میں نداء سے مراد محض چلانا ہے اور دعاء سے مراد پکارنا ہے اور یہ جو قرآن میں آیا ہے۔ ﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴾ (19/مریم:3) ''جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔'' تو یہاں خَفِيًّا استثناء کی صورت پیدا کر رہا ہے۔ نداء کا لفظ قرآنِ مجید میں اذان کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ مثلاً: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ﴾ (62/الجمعہ:9) ''یعنی جب جمع کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو خدا کی یاد کے لیے جلدی کرو۔'' یہاں نداء کی صورت میں منادی کا نام بھی نہیں لیا جاتا اور بلند آواز اور لمبے فاصلے کی شرط بھی موجود ہے۔

**ترکیب** 'وَ' استئنافیہ ہے۔ مَثَلُ مضاف ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور مضاف الیہ ہے۔ جبکہ كَفَرُوْا اس کا صلہ ہے۔ یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ 'كَ' تشبیہ کا ہے اور مَثَلِ بھی مضاف ہے اور حرف جر ''کَ'' کی وجہ سے جر میں ہے۔ اَلَّذِيْ بھی اسم موصول ہے اور مضاف الیہ ہے جبکہ جملہ فعلیہ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً اس کا صلہ ہے، اور یہ فقرہ خبر ہے۔ يَنْعِقُ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ ہے۔ بِمَا میں 'بِ' تعدیہ کا ہے، 'مَا' اس موصول ہے اور یہ جملہ متعلق فعل ہے۔ آگے جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے۔ لَا نفی کا ہے، اِلَّا تاکید کے لیے ہے اور دُعَآءً اور نِدَآءً، يَسْمَعُ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہیں۔ صُمٌّ، بُكْمٌ اور عُمْيٌ یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء ھُمْ محذوف ہے۔ فَهُمْ میں 'فَ' عطف کا ہے، ھُمْ مبتدا ہے اور لَا يَعْقِلُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:171

| يَنْعِقُ | كَمَثَلِ الَّذِيْ | كَفَرُوْا | وَمَثَلُ الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|
| جو پکارتا ہے | اس (شخص) کی تمثیل کی مانند ہے | کفر کیا | اور (ناسمجھی میں) ان لوگوں کی تمثیل جنہوں نے |

| صُمٌّ | وَّنِدَآءً | دُعَآءً | اِلَّا | لَا يَسْمَعُ | بِمَا |
|---|---|---|---|---|---|
| (اسی طرح وہ کفار بھی) بہرے ہیں | اور چلانے کے | پکارنے کے | سوائے | کچھ نہیں سنتا | (ایسے جانور کو) جو |

| لَا يَعْقِلُوْنَ | فَهُمْ | عُمْيٌ | بُكْمٌ |
|---|---|---|---|
| عقل نہیں کرتے | پس وہ لوگ | اندھے ہیں | گونگے ہیں |

**نوٹ** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ذکر داعیٔ حق کی دعوتِ حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسول اللہؐ اور اس کی اُمت دعوت، کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے مضاف ''داعی'' محذوف ہے۔ علی حذف مضاف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) اے مثل داعیھم الی الایمان (کشاف)۔ (تفسیر ماجدیؒ ص:۸۱)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جنہیں ہانکا جائے تو وہ ہانکنے والے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۱ ص:۱۱۵)۔

## آیت:172

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء ک ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ط ی ب: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ |
| ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ش ک ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

یٰۤاَيُّهَا حرف ندا ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صلہ اور موصول مل کر منادی ہے۔ فعل امر كُلُوْا کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اس کا مفعول محذوف ہے جو کہ رِزْقَكُمْ ہوسکتا ہے۔ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ متعلق فعل ہے۔ طَيِّبٰتِ صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، مِنْ کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے اور مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ اسم موصول مَا ہے اور جملہ فعلیہ رَزَقْنٰكُمْ اس کا صلہ ہے۔ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ عطف ہے كُلُوْا پر۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ شرط ہے اور اس کا جواب شرط فَاشْكُرُوْا محذوف ہے۔

| ترجمہ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا | كُلُوْا | مِنْ طَيِّبٰتِ مَا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:172 | اے لوگوں جو | ایمان لائے ہو | تم لوگ کھاؤ | پاک چیزیں جو |

| رَزَقْنٰكُمْ | وَاشْكُرُوْا | لِلّٰهِ | اِنْ كُنْتُمْ | اِيَّاهُ |
|---|---|---|---|---|
| ہم نے عطا کیں تم کو | اور تم شکر کرو | اللہ کا | اگر تم | صرف اسی کی |

| تَعْبُدُوْنَ |
|---|
| عبادت کرتے ہو |

## آیت:173

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | د م ی: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | | |

**ل ح م**

(ف) لَحْمًا گوشت کھلانا۔

لَحْمٌ ج: لُحُوْمٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ گوشت۔ ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ (22/الحج:37) ”ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ہی ان کے خون۔“

| خ | ن | ز |
|---|---|---|

(س) خَنَزًا بدبودار ہونا۔

خِنْزِيْرٌ ج: خَنَازِيْرُ- گلے کی گلٹی۔سور۔﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾(5/المائدہ:60)''اوراس نے بنائے ان میں سے بندر اور سور۔''(نوٹ:امام راغبؒ نے اس لفظ کو''خ ن زر'' کے تحت بیان کیا ہے)۔

| ھ | ل | ل |
|---|---|---|

(ن) هَلًّا نیا چاند ظاہر ہونا۔قمری مہینہ شروع ہونا۔

هِلَالٌ و هَلَالٌ ج: اَهِلَّةٌ- نیا چاند۔باریک چاند۔امام راغبؒ کے مطابق اسلامی مہینے کی پہلی اور دوسری تاریخ کے چاند کو هِلَالٌ کہتے ہیں۔پھر اس کے بعد اسے قمر کہتے ہیں اور چودھویں کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے۔مصباح اللغات کے مطابق شروع مہینے کی دوراتوں یا تین راتوں یا سات راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور مہینے کی آخری دوراتوں، چھبیسویں اور ستائیسویں کے چاند کو بھی۔(واللہ اعلم)۔﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ﴾(2/البقرہ:189)''یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے باریک چاندوں کے بارے میں۔''امام راغبؒ فرماتے ہیں:''تشبیہ کے طور پر هِلَالٌ کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) شکار کرنے کا نیزہ جو ہلال کی طرح دوشاخ کا ہوتا ہے۔(۲) ایک قسم کا زہریلا سانپ۔(۳) کنویں کے تلے میں تھوڑا سا پانی جو گول دائرے کی شکل پر ہوتا ہے۔(۴) چکی کا کنارہ۔جب کہ ٹوٹ جائے۔''(مفردات القرآن، ج۲ص۱۱۶۶)۔

(افعال) اِهْلَالًا نیا چاند دیکھ کر آواز بلند کرنا۔پکارنا۔پھر یہ لفظ ہر آواز بلند کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ ولادت کے وقت بچے کے رونے اور حاجیوں کے لبیک کہنے کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

اَهَلَّ بِ: جس پر بآوازِ بلند پکارا جائے۔

اُهِلَّ لِلّٰهِ بِ: ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا۔آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب** اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ حَرَّمَ کا فاعل اس کی هُوَ ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔عَلَيْكُمُ متعلق فعل ہے۔اَلْمَيْتَةَ - اَلدَّمَ - لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ اور مَا، یہ سب حَرَّمَ کے مفعول ہیں۔مَا اسم موصول ہے، اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر یہ بھی مفعول ہے۔مَنْ شرطیہ ہے۔اُضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ شرط ہے جب کہ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط ہے۔اُضْطُرَّ باب افتعال کا ماضی مجہول ہے۔غَيْرَ بَاغٍ حال ہے اس لیے مضاف غَيْرَ پر نصب آئی ہے اور بَاغٍ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے۔عَادٍ سے پہلے غَيْرَ محذوف ہے۔اس لیے یہ حالت جر میں ہے اور یہ بھی حال ہے۔فَلَآ اِثْمَ میں لَا، لائے نفی جنس ہے اس لیے اِثْمَ تنوین کے بغیر حالت نصب میں آیا ہے۔

| ترجمہ | اِنَّمَا | حَرَّمَ | عَلَيْكُمُ | الْمَيْتَةَ | وَالدَّمَ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:173 | کچھ نہیں سوائے اس کے کہ | اس نے حرام کیا | تم لوگوں پر | مردار کو | اور خون کو |

| وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ | وَمَآ | اُهِلَّ | بِهٖ | لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ | فَمَنِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور سور کے گوشت کو | اور اس کو | پکارا گیا | جس پر (نام) | اللہ کے علاوہ | پس جو |

| اضْطُرَّ | غَیْرَ بَاغٍ | وَّلَا عَادٍ |
|---|---|---|
| مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر) | اس حال میں کہ نہ نافرمانی کرنے والا ہو | اور نہ حد سے گزرنے والا ہو |

| فَلَآ اِثْمَ | عَلَیْهِ ؕ | اِنَّ اللّٰهَ | غَفُوْرٌ | رَّحِیْمٌ |
|---|---|---|---|---|
| تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | اس پر (بقدرِ ضرورت کھا لینے میں) | یقیناً اللہ | بخشنے والا ہے | رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** آیت میں بَاغٍ سے مراد ہے کہ ابھی وہ اتنا مجبور نہیں ہوا تھا اور اس نے کھانا شروع کر دیا اور عَادٍ سے مراد ہے کہ تھوڑا سا حرام کھا لینے سے گزارہ ہو سکتا تھا لیکن اس نے زیادہ کھا لیا۔ غیر باغٍ اور غیر عادٍ سے ان دونوں چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ باقی اس آیت مبارکہ کی تفصیل معارف القرآن سے دیکھیں۔

## آیت: 174

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ک ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ |
| ث م ن: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ | ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ | ء ک ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |
| ک ل م: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ | ز ک و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | ء ل م: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |

### ب ط ن

(ن)(ف) بَطْنًا، بُطُوْنًا: چھپا ہوا ہونا۔ پوشیدہ ہونا۔ بَطْنٌ کا استعمال ہر چیز میں ظَھْرٌ (ظاہر ہونا) کے خلاف ہوتا ہے۔ ہر چیز کی نیچے کی جانب کو بطن اور اوپر کی جانب کو ظَھْرٌ کہتے ہیں۔ عربی میں بَطَنَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ کا مطلب ہے کسی شخص کے اندرونی معاملات سے واقف ہونا۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ (6/الانعام:151) ''اور تم لوگ قریب مت جاؤ بے حیائیوں کے، ظاہری ہوں یا پوشیدہ۔''

بَطْنٌ: ج: بُطُوْنٌ۔ پیٹ۔ اندرون۔ کسی وادی کا نشیبی حصہ۔ بطن کے اصلی معنی پیٹ کے ہیں یعنی جسم کے اس بڑے حصے کے جس میں رحم اور بقیہ چیزیں مثلاً انتڑیاں وغیرہ ہوتی ہیں۔ پھر یہ لفظ ہر چیز کے اندرونی حصے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں بَطْنُ الْاَمْرِ کا مطلب ہے کسی معاملے کا اندرون۔ بَطْنُ الْوَادِی: وادی کا نشیبی حصہ۔ ہر پیچیدہ معاملے کو بھی بطن کہتے ہیں۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ﴾ (24/النور:45) ''تو ان میں سے کوئی ہے جو چلتا ہے اپنے پیٹ کے بل۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ (48/الفتح:24) ''اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) میں (یعنی حدیبیہ میں) روک دیے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ (53/النجم:32) ''اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔'' نیز آیت زیر مطالعہ۔

بَاطِنٌ: اسم الفاعل کا صیغہ۔ واحد مذکر۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ سب سے چھپا ہوا۔ پوشیدہ۔ اندر۔ جو چیز حواس سے چھپی ہوئی ہو اُسے باطن کہتے ہیں اور جو چیز حواس پا لیں اُسے ظاہر کہتے ہیں۔ ﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ﴾

(6/الانعام:120)''اور تم لوگ چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور اس کے پوشیدہ کو۔'' یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ﴾(57/الحدید:3)''وہی اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی ظاطن۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیتِ مبارکہ کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ یوں کرتے ہیں:''وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور باہر اور اندر۔'' حدیث میں باطن کی وضاحت یوں آئی ہے:وَ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ ''اور تو باطن ہے، تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔''(بحوالہ ضیاء القرآن، ج۵،ص۱۰۹)۔

**بَاطِنَةٌ** اسم الفاعل کا صیغہ۔ واحد مؤنث۔ چھپی ہوئی۔ پوشیدہ۔﴿ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ﴾ (31/لقمان:20)''اور تمام کردی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**بِطَانَةٌ** ج:بَطَائِنُ۔ دوست۔ رازدار۔ بھیدی۔ کپڑے کا استر۔ کپڑے کے اوپر والے حصے کو ظِهَارَةٌ کہتے ہیں اور اندرونی حصے کو جو جسم سے ملا ہوتا ہے، اسے بِطَانَةُ الثَّوْبِ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس دوست کو بطانة کہتے ہیں جس پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہو، جو رازدار ہو اور جس سے انسان اپنے معاملات میں مشورہ لے۔﴿ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ﴾(3/آل عمران:118)''تم لوگ مت بناؤ کسی کو رازدار اپنوں کے سوا۔''﴿ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ﴾(55/الرحمن:54)''وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز (موٹا) ریشم کے ہوں گے۔''

## ترکیب

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَكْتُمُوْنَ ... ثَمَنًا قَلِيْلًا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ يَكْتُمُوْنَ کا مفعول مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے۔ بِهٖ میں ہ ضمیر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے لیے ہے۔ آگے اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ مَا يَاْكُلُوْنَ ... وَلَا يُزَكِّيْهِمْ تک اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، اِنَّ کی خبر ہے۔ مَا يَاْكُلُوْنَ سے النَّارَ تک جملہ منفی ہے اس لیے اِلَّا غیر مؤثر ہے اور يَاْكُلُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے النَّارَ منصوب ہے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ میں وٗ عطف کا ہے اور یہ جملہ فعلیہ پچھلے جملے مَا يَاْكُلُوْنَ پر عطف ہے۔ اسی طرح وَلَا يُزَكِّيْهِمْ میں بھی وٗ عطف کا ہے اور یہ جملہ بھی پچھلے جملے پر عطف ہے۔ آگے وٗ عطف کا ہے لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور عَذَابٌ اَلِيْمٌ مبتدا مؤخر ہے۔

| ترجمہ | اِنَّ الَّذِيْنَ | يَكْتُمُوْنَ | مَآ | اَنْزَلَ | اللّٰهُ | مِنَ الْكِتٰبِ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرة:174 | بے شک وہ لوگ جو | چھپاتے ہیں | اس کو جو | اُتارا | اللہ نے | کتاب میں سے |

| وَيَشْتَرُوْنَ | بِهٖ | ثَمَنًا قَلِيْلًا | اُولٰٓئِكَ | مَا يَاْكُلُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور وہ لوگ لیتے ہیں | اس کے بدلے | تھوڑی قیمت | وہ لوگ | نہیں کھاتے |

| فِيْ بُطُوْنِهِمْ | اِلَّا | النَّارَ | وَلَا يُكَلِّمُهُمُ | اللّٰهُ | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اپنے پیٹوں میں | مگر | آگ | اور بات نہیں کرے گا ان سے | اللہ | قیامت کے دن |

| وَلَا يُزَكِّيْهِمْ | وَلَهُمْ | عَذَابٌ اَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| اور نہ ان کو پاک کرے گا | اور ان کے لیے ہے | ایک دردناک عذاب |

## نوٹ

اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''یہود احکامِ الٰہی کو چھپاتے تھے۔ حضور کریمؐ کے محامد و اوصاف جو تورات میں لکھے تھے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی خواہش کے مطابق شریعت میں ردوبدل بھی کر لیتے تھے۔ خود بھی چشمۂ ہدایت سے

سیراب نہ ہوتے اور دوسروں کو بھی سیراب نہ ہونے دیتے تھے۔ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کے دروازے بند رکھتے۔ یہ جرم کیونکہ بہت سنگین تھا اس لیے اس کی سزا بھی اتنی سخت رکھی گئی۔ فرمایا کہ یہ لذیذ لقمے جو رشوت لے کر تم اپنے حلق سے نیچے اتار رہے ہو یہ آگ کے نہ بجھنے والے انگارے ہیں ان کی سوزش کبھی ختم نہ ہوگی۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۱۷)

## آیت: 175

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ | ض ل ل: الفاتحۃ آیت 7 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحۃ آیت 5 دیکھیں۔ |
| ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ص ب ر: البقرۃ آیت 15 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ . . . بِالْمَغْفِرَةِ تک اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے۔ آگے فَمَآ میں 'فَ' استئنافیہ ہے اور مَا اسم تعجب ہے اور مبتداء ہے۔ اَصْبَرَ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَا کے لیے ہے اور ھُمْ اس کی ضمیر مفعولی ہے۔ اَصْبَرَھُمْ جملہ فعلیہ، مبتداء مَا کی خبر ہے اور عَلَى النَّارِ متعلق خبر ہے۔

**ترجمہ**

البقرۃ:175

| بِالْمَغْفِرَةِ | وَالْعَذَابَ | بِالْهُدٰى | الضَّلٰلَةَ | اشْتَرَوُا | الَّذِيْنَ | اُولٰٓئِكَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| مغفرت کے بدلے | اور عذاب کو | ہدایت کے بدلے | گمراہی کو | خریدا | جنہوں نے | یہ وہ (بدنصیب) ہیں |

| عَلَى النَّارِ | ھُمْ | اَصْبَرَ | فَمَآ |
|---|---|---|---|
| آگ (کے عذاب) پر | ان کو | صبر دیا | تو (تعجب ہے) کس چیز نے |

**نوٹ**

اُوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ مَا اسم تعجب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھ لیں کہ مَآ اَفْعَلَهٗ اور اَفْعِلْ بِهٖ دو وزن ہیں جو اظہارِ تعجب کے لیے آتے ہیں اور ان کو ''تعجب کے دو صیغے'' (صِيْغَتَا التَّعَجُّبِ) کہتے ہیں۔ جیسے مَآ اَحْسَنَهٗ (کس چیز نے حسین بنایا اس کو) یا مَآ اَحْسَنَ رَشِيْدًا (کس چیز نے حسین بنایا رشید کو)۔ ہٖ ضمیر کی جگہ باقی تمام ضمیریں اور اسم ظاہر لگا سکتے ہیں۔ اس کی ترکیب اُوپر بتا دی گئی ہے اور لفظی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ رشید کتنا حسین ہے۔ اس طرح مَآ اَصْبَرَ ھُمْ عَلَى النَّارِ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔

اسی طرح اَحْسِنْ بِهٖ یا اَحْسِنْ بِرَشِيْدٍ میں اَحْسِنْ فعل امر ہے۔ بِ زائدہ ہے اور بِهٖ ضمیر مفعولی ہے۔ بِرَشِيْدٍ میں بھی بِ زائدہ ہے اور رَشِيْدٍ مفعول ہے۔ اس طرح اس کا لفظی ترجمہ ہوگا کہ تو خوبصورتی دے اس کو یعنی تو خوبصورت سمجھ اس کو اور تو خوبصورتی دے رشید کو یا تو خوبصورت سمجھ رشید کو۔ لیکن مفہوم یہی ہے کہ رشید کتنا خوبصورت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم جلد ۳، ص ۹۱ دیکھیں۔

## آیت: 176

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾ ع ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| ش ق ق: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | | |

ب ع د

(ک) بُعْدًا (۱) دُور ہونا۔ یہ قُرْبٌ (قریب ہونا) کی ضد ہے۔ (۲) ہلاک ہونا۔﴿وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ﴾ (9/التوبہ:42)''اور لیکن دور ہوئی ان پر مسافت۔''

بُعْدٌ اسم ذات بھی ہے۔ (۱) دوری۔ ﴿يٰلَيۡتَ بَيۡنِيۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ﴾ (43/الزخرف:38)''کاش میرے درمیان اور (اے شیطان) تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''بُعْدَ المشرقین سے محاورہ میں مراد دو مشرقوں سے نہیں بلکہ مشرق ومغرب سے ہوتی ہے۔'' (۲) ہلاکت۔ ﴿اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ﴾ (11/ھود:95)''خبردار! ہلاکت ہے اہلِ مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے ثمود۔'' ﴿فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ (23/المومنون:41)''سو خدا کی مار ظالم لوگوں پر۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''بُعْدًا عربی محاورے میں یہ اسی موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں''خدا کی مار''(تفسیر ماجدیؒ)۔عربی میں بُعْدًا لَهٗ بطور بددعا استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ اس کو ہلاکت کرے یا خیر سے محروم کرے۔''

بَعِيْدٌ بُعْدٌ سے فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔دور۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ﴾ (22/الحج:12)''یہی دور کی گمراہی ہے۔''اور آیت زیرِ مطالعہ۔

بَعْدُ ظرفِ زمان ہے۔ پیچھے یا بعد۔ یہ قَبْلُ کی ضد ہے۔اس کے لیے اضافت لازم ہے یعنی یہ مضاف بن کر آتا ہے۔اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو اور اس کے پیچھے حرف جار نہ ہو تو یہ بَعْدَ استعمال ہوتا ہے۔اگر حرف جار موجود ہو تو یہ زیر قبول کرتا ہے اور اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو مبنی بر ضمہ (بَعْدُ) استعمال ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا﴾ (۳/آل عمران:8)''اے ہمارے رب! تو ٹیڑھا مت کر ہمارے دلوں کو اس کے بعد کہ تو نے ہدایت دی ہم کو۔'' ﴿ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ﴾ (2/البقرہ:52)''پھر ہم نے معاف کیا تم لوگوں کو اس کے بعد۔'' ﴿لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ﴾ (30/الروم:4)''اللہ کے لیے ہی ہیں سب کام اس سے پہلے اور اس کے بعد۔''

(س) بَعَدًا تباہ وبرباد ہونا۔ ہلاک ہونا۔مرنا۔ ﴿اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ﴾ (11/ھود:95)''خبردار! ہلاکت ہے اہلِ مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے ثمود۔''

(افعال) اِبْعَادًا دور کرنا۔دور رکھنا۔کبھی اس کا معنی دور ہونا (لازم) بھی آجاتا ہے۔

مُبْعَدٌ ج: مُبْعَدُوْنَ۔مُبْعَدِيْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ دور کیا ہوا۔ دور رکھا ہوا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ﴾ (21/الانبیاء:101)''بیشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(مفاعلہ) مُبَاعَدَةً کسی کو کسی سے دور کرنا (متعدی)۔دور ہونا (لازم)۔

بَاعِدْ فعل امر ہے۔تو دور کردے۔ ﴿رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا﴾ (34/سبا:19)''اے ہمارے پروردگار، ہمارے سفروں میں درازی کردے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

## ترکیب

ذٰلِكَ کا اشارہ گذشتہ آیت میں مذکور عذاب کی طرف ہے۔بِاَنَّ کا بِ سببیہ ہے۔اَنَّ کا اسم لفظ اَللّٰهُ ہے، اس لیے منصوب ہے۔ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ جملہ فعلیہ، اَنَّ کی خبر ہے۔اَلۡكِتٰبَ پر لام جنس ہے اور مراد تمام کتب آسمانی ہیں (ماجدیؒ)۔بِالۡحَقِّ متعلق فعل ہے۔بِالۡحَقِّ سے مراد ہے

بالکل صحیح یا دلائل وشواہد کے ساتھ۔ آگے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ، یہ جملہ اِنَّ کا اسم ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ قائم مقام خبر ہے۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:176 |

| ذٰلِكَ | بِاَنَّ | اللّٰهَ | نَزَّلَ | الۡكِتٰبَ | بِالۡحَـقِّ ؕ | وَاِنَّ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| یہ (سزا) | اس وجہ سے ہوگی کہ | اللہ نے | اتاری | کتاب | حق کے ساتھ | اور بے شک |

| الَّذِيۡنَ | اخۡتَلَفُوۡا | فِى الۡكِتٰبِ | لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ |
| --- | --- | --- | --- |
| جن لوگوں نے | اختلاف کیا | کتاب میں | وہ دور کی مخالفت میں ہیں |

**نوٹ** اہل کتاب نے اللہ کے دین کو اتنا مسخ کر دیا تھا کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہ رہا کہ حلال کیا ہے، حرام کیا ہے، اور حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے حق و باطل کو پوری طرح واضح کر دیا۔ دور کی مخالفت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی مخالفت میں اتنی دور نکل جائے کہ اسے اپنے نفع ونقصان کا بھی ہوش نہ رہے اور وہ مغفرت کو چھوڑ کر عذاب خریدنے لگے۔

## آیت: 177

﴿ لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ
وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ۙ
وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ
وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ ﴾

| | | |
| --- | --- | --- |
| ب ر ر: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | و ج ہ: البقرۃ آیت 112 دیکھیں۔ |
| ق ب ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ن ب و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔ | ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |
| ی ت م: البقرۃ آیت 83 دیکھیں۔ | س ک ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | اِبۡنٌ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| س ب ل: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ | س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| و ف ی: البقرۃ آیت 42 دیکھیں۔ | ع ھ د: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔ |
| ب ء س: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | حِیۡنَ: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | |

**ر ق ب**

(ن) رَقُوۡبًا، رُقُوۡبًا نگہبانی کرنا۔ حفاظت کرنا۔ انتظار کرنا۔ کسی بات کا لحاظ کرنا۔ ڈرانا۔ ﴿لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ (9/التوبہ:10) ''وہ لوگ لحاظ نہیں کرتے کسی مومن سے قرابت داری کا اور نہ ذمہ داری کا۔'' ﴿اِنِّىۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِىۡ ﴿۹۴﴾﴾ (20/التوبۃ:94) ''میں نے اس خوف سے (اُن پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

رَقِيۡبٌ — فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ نگہبانی کرنے والا۔ نگہبان۔ محافظ۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿ مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ۝۱۸ ﴾ (50/ق:18) ''منہ سے نہیں نکلتی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے پاس ہے ایک چوکس نگہبان۔'' ﴿ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ۝۹۳ ﴾ (11/ھود:93) ''اور تم انتظار کرو، تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''نگران کو رقیب یا تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اس شخص کی گردن پر نظر رکھتا ہے جس کی نگرانی منظور ہوتی ہے یا اس لیے کہ وہ نگرانی کے لیے بار بار اپنی گردن اٹھا کر دیکھتا ہے۔'' اَلرَّقِيۡبُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے ''وہ ذات جو اپنی مخلوق سے غافل نہ ہو اور جس سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔''

رَقَبَةٌ — ج: رِقَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ گردن۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلرَّقَبَةُ اصل میں گردن کو کہتے ہیں پھر رقبۃ کا لفظ بول کر مجازاً انسان مراد لیا جاتا ہے اور عرف عام میں اَلرَّقَبَةُ غلام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱،ص:۴۰۹)۔ ﴿ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَهۡلِيۡكُمۡ اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ؕ ﴾ (5/المائدہ:89) ''تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے درمیانی قسم کا کھانا جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو (دس مسکینوں کو) کپڑا پہنانا ہے یا کسی گردن کا آزاد کرنا ہے۔'' تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے عربی محاورہ ہے۔ ﴿ فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ ﴾ (47/محمد:4) ''سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعّل) تَرَقُّبًا — انتظار کرتے ہوئے کسی چیز سے بچنا۔ چوکنا ہونا۔ ﴿ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ﴾ (28/القصص:21) ''آپؑ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِرۡتِقَابًا — انتظار کرنا۔

اِرۡتَقِبۡ — ج: اِرۡتَقِبُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿ فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۰ ﴾ (44/الدخان:10) ''پس تو انتظار کر اس دن کا جب آسمان لائے گا ایک واضح دھواں۔'' ﴿ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ۝۹۳ ﴾ (11/ھود:93) ''اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُرۡتَقِبٌ — ج: مُرۡتَقِبُوۡنَ۔ مُرۡتَقِبِيۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ۝۵۹ ﴾ (44/الدخان:59) ''پس تو انتظار کر، بے شک وہ لوگ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔''

## ترکیب

لَيۡسَ فعل ناقص ہے اور اَنۡ تُوَلُّوۡا سے وَالۡمَغۡرِبِ تک پورا جملہ لَيۡسَ کا اسم ہے جبکہ اَلۡبِرَّ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اسے تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ اس پر لام جنس ہے، تبھی ترجمہ ہوگا ''کل نیکی یا ہر طرح کی نیکی یہی نہیں ہے......''۔ اَنۡ کی وجہ سے تُوَلُّوۡا مضارع منصوب ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے، وُجُوۡهَكُمۡ مفعول ہے اور قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ، ظرف مکان ہے اور متعلق فعل ہے۔ وَ عطف کا ہے اور لٰكِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور اَلۡبِرَّ اس کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَنۡ اسم موصول ہے اور اٰمَنَ بِاللّٰهِ سے اِذَا عٰهَدُوۡا تک جملہ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں تھا، ''وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ بِرُّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ... اِذَا عٰهَدُوۡا'' ترجمہ ہوگا ''بلکہ اصل نیکی یا حقیقی نیکی اس کی نیکی ہے جو......الخ۔ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ میں وَ عطف کا ہے اور اَلۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ، بِاللّٰهِ پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ اسی طرح اَلنَّبِيّٖنَ تک سارے الفاظ مجرور ہیں۔ وَاٰتَى الۡمَالَ میں وَ عطف کا ہے اور اٰتٰى عطف ہے اٰمَنَ پر۔ اَلۡمَالَ اس کا مفعول ہے۔ عَلٰى حُبِّهٖ متعلق فعل ہے اور ہ ضمیر مال کے لیے ہے۔ ذَوِى الۡقُرۡبٰى سے فِى الرِّقَابِ تک اٰتٰى کے مفعول ثانی ہیں۔ عَلٰى حُبِّهٖ میں ہ ضمیر کی تین ممکنہ صورتیں ہیں۔ (۱) یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف

راجع ہے یعنی عَلٰی حُبِّ اللّٰہِ، مطلب ہوگا اور جس نے دیا مال اللہ کی محبت کی خاطر۔ (۲) یہ ضمیر مال کی طرف راجع ہے یعنی عَلٰی حُبِّ الْمَالِ، مطلب ہوگا اور جس نے دیا مال، اس مال کی محبت کے باوجود۔ (۳) یہ ضمیر اٰتٰی کے مصدر اِیْتَاءٌ (دینا۔ خرچ کرنا) کی طرف راجع ہے یعنی عَلٰی حُبِّ الْاِیْتَاءِ، مطلب ہوگا اور جس نے دیا مال، مال دینے کی محبت کی وجہ سے۔ یہ تینوں صورتیں معارف القرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ویسے ضمیر کو اس کے قریب ترین مرجع کی طرف لوٹاتے ہیں جو یہاں مال ہے اور امام جصاصؒ کے مطابق ہوسکتا ہے تینوں چیزیں ہی مراد میں داخل ہوں۔ (واللہ اعلم)۔ فِی الرِّقَابِ میں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فِیْ فَکِّ الرِّقَابِ۔ (ف ک ک (ن) فَکًّا۔ (چھڑانا۔ علیحدہ کرنا)۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ، یہ دونوں جملے اٰتَی الْمَالَ پر عطف ہیں۔ وَالْمُوْفُوْنَ میں وٗ عطف کا ہے اور مُوْفُوْنَ جو جمع سالم ہے، کے متعلق دو روائے ہیں۔ (۱) یہ مَنْ اٰمَنَ پر عطف ہے۔ یا (۲) اس سے پہلے مبتدا ھُمْ محذوف ہے اور یہ اس کی خبر ہے۔ بِعَھْدِھِمْ ، مُوْفُوْنَ سے متعلق ہے۔ اِذَا عٰھَدُوْا ظرف زمان ہے اور عَھْد سے متعلق ہے۔ آگے اَلصَّابِرُوْنَ کی بجائے اَلصَّابِرِیْنَ فرمایا ہے اور یہ نصب عَلَی الْمَدْحِ ہے اور لفظ مدح، اَمْدَحُ محذوف ہے اور اَلصَّابِرِیْنَ اس کا مفعول ہے۔ فِی الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ، یہ سب اَلصَّابِرِیْنَ سے متعلق ہیں۔ اُولٰۗىِٕكَ مبتدا ہے اور اَلَّذِیْنَ صَدَقُوْا، صلہ اور موصول مل کر اس کی خبر ہیں۔ اسی طرح اُولٰۗىِٕكَ مبتدا ہے، ھُمْ ضمیر فاصل ہے اور اَلْمُتَّقُوْنَ، اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:177 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَيْسَ الْبِرَّ | اَنْ تُوَلُّوْا | وُجُوْھَكُمْ | قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ |
| نیکی بس یہی نہیں | کہ تم پھیر لو | اپنے چہروں کو | مغرب اور مشرق کی طرف |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلٰكِنَّ | الْبِرَّ | مَنْ | اٰمَنَ | بِاللّٰهِ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ |
| بلکہ | (حقیقی) نیکی تو | اُس کی (نیکی) ہے جو | ایمان لایا | اللہ پر | اور آخری دن پر |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ | وَالْكِتٰبِ | وَالنَّبِيّٖنَ ۚ | وَاٰتَى | الْمَالَ | عَلٰي حُبِّهٖ |
| اور فرشتوں پر | اور کتاب پر | اور سب نبیوں پر | اور (جس نے) دیا | مال | اس کی محبت کے باوجود |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ذَوِي الْقُرْبٰى | وَالْيَتٰمٰى | وَالْمَسٰكِيْنَ | وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ |
| رشتہ داروں کو | اور یتیموں کو | اور مسکینوں کو | اور مسافروں کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ | وَفِي الرِّقَابِ ۚ | وَاَقَامَ | الصَّلٰوةَ |
| اور مانگنے والوں کو | اور غلاموں کو آزاد کرانے میں | اور (جس نے) قائم کیا | نماز کو |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| وَاٰتَى | الزَّكٰوةَ ۚ | وَالْمُوْفُوْنَ | بِعَهْدِهِمْ | اِذَا |
| اور (جس نے) ادا کی | زکوٰۃ | اور (جو) پورا کرنے والے ہیں | اپنے وعدوں کو | جب بھی |

| | | |
|---|---|---|
| عٰهَدُوْا ۚ | وَالصّٰبِرِيْنَ | فِي الْبَاْسَاۗءِ |
| کسی سے وعدہ کریں | اور (کمال نیک ہیں جو) صبر کرنے والے ہیں | (فقر وفاقہ کی) سختی میں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَالضَّرَّاۗءِ | وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ | اُولٰۗىِٕكَ | الَّذِيْنَ |
| اور تکلیف میں | اور لڑائی کے وقت | یہی | وہ لوگ ہیں جو |

| | | |
|---|---|---|
| هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | وَاُولٰٓئِكَ | صَدَقُوْاؕ |
| حقیقی پرہیزگار ہیں | اور یہی لوگ | سچے ہیں |

**نوٹ** حدیث میں اس آیت کے بارے میں ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ'' یعنی جس نے اس آیت پر عمل کرلیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔'' (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ:86)۔

## آیت:178

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ |
| ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | ع ف و: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| خ ف ف: البقرۃ آیت 86 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | |

**ق ص ص**

(ن) **قَصًّا** قینچی سے بال وغیرہ کاٹنا۔ ناخن تراشنا۔ عربی میں کہتے ہیں قَصَصْتُ ظُفْرَهٗ میں نے اس کے ناخن تراشے۔ قریب المرگ ہونا۔ کسی کو مرنے کے قریب کرنا۔

(ن) **قَصًّا** اور **قَصَصًا** نشانِ قدم پر چلنا۔ محاورہ ہے۔ قَصَصْتُ اَثَرَهٗ، میں اس کے نشانِ قدم پر چلا۔ آہستہ آہستہ کسی کی پیروی کرنا۔ پیچھا کرنا۔ نشانِ قدم تلاش کرنا۔ ﴿ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ ﴾ (18/الکہف:64) ''پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(ن) **قَصَصًا** کوئی قصہ یا واقعہ بیان کرنا۔ مختلف واقعات کو ترتیب وار سنانا۔ اِن معنوں میں اکثر عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (16/النحل:118) ''اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کیا اس کو جو ہم نے سنایا آپؐ کو اس سے پہلے۔''

**قُصِّ** اور **اُقْصُصْ** فعل امر ہیں۔ (مضاعف میں فعل امر، ادغام کے ساتھ اور ادغام کے بغیر، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے)۔ تو سنا۔ تو پیچھا کر۔ ﴿ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ﴾ (28/القصص:11) ''اور انہوں نے کہا انؑ کی بہن سے تو پیچھا کران کا۔'' قُصِّيْ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ ﴾ (7/الاعراف:176) ''پس آپؐ بیان کریں یہ واقعہ شاید وہ لوگ غور وفکر کریں۔''

**قِصَّةٌ** اور **قَصَصٌ** اسم ذات ہیں۔ واقعہ۔ قصہ۔ قصے کو قصہ اس لیے کہتے ہیں کہ قصہ بیان کرنے والا اصل واقعے کی پیروی کرتے ہوئے اسے بیان کرتا ہے۔ ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ﴾ (12/یوسف:3) ''ہم بیان کرتے ہیں آپؐ سے ایک بہترین قصہ۔'' ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ ﴾ (12/یوسف:111) ''بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درسِ) عبرت ہے سمجھداروں کے لیے۔''

**قِصَاصٌ** اسم ذات ہے۔ گناہ کی سزا۔ بدلہ۔ خون کا بدلہ۔ اعضاء کا بدلہ۔ مساوات۔ برابری۔ قصاص کے لفظی معنی ہیں مساوات، مماثلت اور برابری۔ مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا ہے اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لیے جائز ہے۔ اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے اصطلاح شرع میں قصاص کے معنی قتل کرنے کی وہ سزا ہے جس میں مساوات و مماثلت پائی جائے۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ﴾ ''اے ایمان والو فرض کر دیا گیا تم پر قصاص لینا مقتولوں کا۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''قصاص، یعنی خون کا بدلہ، یہ کہ آدمی کے ساتھ وہی کیا جائے، جو اُس نے دوسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاتل نے جس طریقے سے مقتول کو قتل کیا ہو، اُسی طریقے سے اس کو قتل کیا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے وہی اُس کے ساتھ کیا جائے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۳۷)۔ ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ﴾ (5/المائدۃ:45) ''سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔'' ﴿وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ﴾ (2/البقرۃ:194) ''اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویے میں) برابری چاہیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس لفظ کی وضاحت مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب نے بڑے خوب صورت انداز میں کی ہے۔ وہ آگے نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**ح ر ر**

(س) **حَرَارًا** آزاد ہونا۔

**حُرٌّ** صفت ہے۔ آزاد۔ جو کسی کا شرعی غلام نہ ہو۔ یہ عَبْدٌ کی ضد ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ن۔ض) **حَرَارَةً** گرم ہونا۔

**حَرٌّ** اسم ذات ہے۔ گرمی۔ ﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ (9/التوبہ:81) ''اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ مت نکلو گرمی میں۔''

**حَرُوْرٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ سخت گرمی۔ لُو۔ تیز دھوپ۔ ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴾ (35/فاطر:21) ''اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ۔''

**حَرِيْرٌ** فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ باریک ریشم۔ ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ (22/الحج:23) ''اور ان کا لباس ہے اس میں باریک ریشم۔''

(تفعیل) **تَحْرِيْرًا** کسی کو آزاد کرنا۔ ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ﴾ (4/النساء:92) ''تو ایک مومن گردن یعنی غلام کا آزاد کرنا۔''

**مُحَرَّرٌ** اسم المفعول ہے۔ آزاد کیا ہوا۔ ﴿رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا﴾ (3/آل عمران:35) ''اے میرے رب! میں نے نذر کیا تیرے لیے اس کو جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔''

**ء ن ث**

(ک) **اَنُثًا** نرم ہونا۔ مادہ ہونا۔ عورت ہونا۔

**اُنْثٰى** تثنیہ: اُنْثَيَانِ۔ اُنْثَيَيْنِ۔ ج: اِنَاثٌ۔ فُعْلٰى کا وزن ہے۔ مادہ۔ مؤنث۔ یہ ذَكَرٌ یعنی نر کی ضد ہے اور اس کا اطلاق ہر جاندار کی مؤنث پر رہتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں انثی اور ذکر عورت اور مرد کی شرم گاہوں کے نام ہیں۔ پھر اس معنی کے لحاظ سے یہ دونوں الفاظ نر اور مادہ کے لیے بولتے جاتے ہیں۔ پھر ہر ضعیف چیز کو عربی زبان میں انثی کہہ

دیا جاتا ہے چنانچہ کمزور لوہے کو حَدِیۡدٌ اَنِیۡثٌ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح نرم اور زرخیز زمین کو بھی اَرۡضٌ اَنِیۡثٌ کہہ دیا جاتا ہے۔'' ﴿ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ﴾ (4/النساء:124) ''اور جس نے عمل کیے اچھے مرد ہو یا عورت۔'' ﴿ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ﴾ (4/النساء:11) ''ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے۔'' ﴿ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ﴾ (4/النساء:117) ''وہ لوگ نہیں پکارتے اس کے (یعنی اللہ کے) علاوہ مگر کچھ عورتوں کو۔''

| ء د ی |
|---|

(ض) اَدٰی یَدِیۡ — کسی کا حق پہچاننا۔ حق دینا۔ ادا کرنا۔

اَدَاءٌ — اسم ذات ہے۔ ادائیگی۔ واپسی۔ ایک ہی بار کسی کا پورا پورا حق دے دینا۔ چنانچہ خراج، جزیہ اور امانت واپس کرنے کو اَدَاءٌ کہتے ہیں۔ آیت زیر مطالعہ۔

(تفعیل) تَاۡدِیَۃً — حق دار کو اس کا حق واپس کرنا۔ کوئی چیز کسی کے حوالے کرنا۔ ﴿ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡہُ بِدِیۡنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ ﴾ (3/آل عمران:75) ''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک دینار تو وہ واپس نہیں کرے گا اس کو تیری طرف۔''

اَدِّ — فعل امر ہے۔ تو واپس کر۔ تو حق ادا کرنا۔ تو حوالے کر۔ ج: اَدُّوۡا ﴿ اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ﴾ (44/الدخان:18) ''کہ تم میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو۔''

**ترکیب**

یَا حرف ندا ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، صلہ اور موصول مل کر منادی ہے۔ کُتِبَ ماضی مجہول ہے، اَلۡقِصَاصُ اس کا نائب فاعل ہے جب کہ عَلَیۡکُمۡ اور فِی الۡقَتۡلٰی متعلق فعل ہیں۔ کتب کے ساتھ جب عَلٰی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کوئی چیز لازم کرنا، فرض کرنا۔ اَلۡحُرُّ، وَالۡعَبۡدُ اور وَالۡاُنۡثٰی، تینوں مبتداء ہیں۔ ان کی خبریں محذوف ہیں جب کہ بِالۡحُرِّ، بِالۡعَبۡدِ اور بِالۡاُنۡثٰی متعلق خبر تھیں جواب قائم مقام خبریں ہیں۔ فَمَنۡ شرطیہ اور مبتداء ہے اور عُفِیَ سے شَیۡءٌ تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ عُفِیَ ماضی مجہول ہے، شَیۡءٌ اس کا نائب فاعل ہے جب کہ لَہٗ اور مِنۡ اَخِیۡہِ متعلق فعل ہیں۔ لَہٗ میں ہ ضمیر قاتل کے لیے ہے۔ اَخِیۡ کا لفظ مقتول کے ولی کے لیے ہے اور اس کے ساتھ ہ ضمیر مقتول کے لیے ہے۔ فَاتِّبَاعٌ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے اور اِتِّبَاعٌ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور بالمعروف متعلق خبر ہے۔ جملہ یوں تھا فَعَلَیۡہِ اِتِّبَاعٌ بِالۡمَعۡرُوۡفِ اور اس جملے کا مخاطب مقتول کا بھائی یا وارث ہے یعنی وہ بھلے طریقے سے دیت کا مطالبہ کرے۔ آگے وَاَدَآءٌ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اَدَآءٌ مبتدا ہے، اس کی خبر بھی محذوف ہے اور بِاِحۡسَانٍ متعلق خبر ہے۔ جملہ یوں تھا۔ وَعَلَیۡہِ اَدَاءٌ اِلَیۡہِ بِاِحۡسَانٍ اور جملے کا مخاطب قاتل ہے کہ وہ بھلے طریقے سے دیت مقتول کے بھائی یا وارث کو ادا کرے۔ اِلَیۡہِ میں ہ ضمیر مقتول کے بھائی یا وارث کے لیے ہے۔ ذٰلِکَ مبتداء ہے، تَخۡفِیۡفٌ اس کی خبر اوّل ہے اور رَحۡمَۃٌ خبر ثانی ہے جب کہ مِنۡ رَّبِّکُمۡ متعلق خبر ہے۔ فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ شرط ہے اور فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ جواب شرط ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:178

| فِی الۡقَتۡلٰی | اَلۡقِصَاصُ | عَلَیۡکُمۡ | کُتِبَ | یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا |
|---|---|---|---|---|
| مقتولین کے بارے میں | (قانون) قصاص | تم پر | فرض کیا گیا | اے ایمان والو |

| بِالۡاُنۡثٰی | وَالۡاُنۡثٰی | بِالۡعَبۡدِ | وَالۡعَبۡدُ | بِالۡحُرِّ | اَلۡحُرُّ |
|---|---|---|---|---|---|
| عورت | اور عورت (کے بدلے) | غلام | اور غلام (کے بدلے) | آزاد | آزاد (کے بدلے) |

| شَیۡءٌ | مِنۡ اَخِیۡہِ | فَمَنۡ عُفِیَ لَہٗ |
|---|---|---|
| کوئی چیز | اس (مقتول) کے بھائی کی طرف سے | پس جس (قاتل) کو معاف کی گئی |

| فَاتِّبَاعٌ | بِالْمَعْرُوْفِ | وَاَدَآءٌ | اِلَيْهِ | بِاِحْسَانٍ |
|---|---|---|---|---|
| تو پیروی کرنا ہے | بھلے طریقے سے | اور ادائیگی ہے | اس (مدعی) کی طرف | خوبصورت انداز سے |

| ذٰلِكَ | تَخْفِيْفٌ | مِّنْ رَّبِّكُمْ | وَرَحْمَةٌ | فَمَنِ اعْتَدٰى |
|---|---|---|---|---|
| یہ | آسانی ہے | تمہارے رب کی طرف سے | اور رحمت ہے | پس جو زیادتی کرے گا |

| بَعْدَ ذٰلِكَ | فَلَهٗ | عَذَابٌ اَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| اس (فیصلے) کے بعد | تو اس کے لیے | ایک دردناک عذاب ہے |

**نوٹ** مولانا امین احسن اصلاحیؒ قصاص کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قصاص، قصص سے ہے جس کے اصل معنی کسی کے پیچھے، اس کے نقش قدم کے ساتھ ساتھ چلنے کے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (28/القصص:11) ”(اور اس نے اس کی بہن سے کہا، اس کے پیچھے پیچھے جا، تو وہ دُور سے اس کو دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوا)۔“ ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ (18/الکہف:64) ”اس نے کہا یہی تو ہمیں مطلوب تھا، پس وہ دونوں اپنے نقش قدم کا تعاقب کرتے ہوئے پیچھے پلٹے“ اسی سے قصہ کو قصہ کہتے ہیں کیونکہ جس کا قصہ بیان کیا جاتا ہے، قصہ بیان کرنے والا گویا اس کے قدم بقدم اس کے حالات کا تعاقب کرتا ہے۔ اسی سے قصاص نکلا اس لیے کہ قاتل کا بھی کھوج لگایا جاتا اور اس کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ پھر قصاص اس سزا کو کہنے لگے جس میں مجرم کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے جس کا مرتکب وہ خود ہوا ہے۔ اس قصاص کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جانی، دوسری مالی جس کو دیت یا خون بہا کہتے ہیں۔ قصاص کا لفظ اپنے وسیع معنی میں ان دونوں ہی صورتوں پر حاوی ہو جاتا ہے اس لیے کہ دیت بھی درحقیقت قصاص ہی کی ایک شکل ہے۔ اصل قانون تو جان کے بدلے جان ہی کا ہے لیکن اولیائے مقتول کی بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس قانون میں اتنی رعایت فرما دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو جان کے بدلے دیت بھی لے سکتے ہیں۔“ (تدبر قرآن، ج۱، ص:۳۸۷)

## آیت: 179

## ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

| |
|---|
| ق ص ص: البقرۃ آیت 178 دیکھیں۔ و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |

| ل ب ب |
|---|

(ن) لَبًّا: اقامت کرنا۔ سینے پر مارنا۔ بادام یا اخروٹ وغیرہ کی گری نکالنا۔

(س) لَبًّا، لَبَبًا: عقلمند ہونا۔ (انسان کا جوہر اس کی عقل ہے)۔

لُبٌّ: ج: اَلْبَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ مغز۔ جوہر۔ خالص عقل جو وہم اور جذبات کی آمیزش سے پاک ہو۔ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ”لُبٌّ کے معنی اس عقل کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش سے خالص ہو۔ چونکہ لُبٌّ ہر چیز کے خلاصہ اور جوہر کو کہتے ہیں اور عقلِ خالص بھی انسان کا خلاصہ و جوہر ہی ہے اس لیے اس کا نام لُبٌّ ہوا بعض لوگوں نے لُبٌّ کے معنی پاکیزہ عقل کے بتائے ہیں۔ غرض ہر لب عقل ہے لیکن ہر عقل لب نہیں کہی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے ان تمام احکام کو جن کا صرف پاکیزہ عقل ہی ادراک کر سکتی ہیں ”اولوالالباب“ ہی سے متعلق رکھا ہے۔“ (لغات القرآن، ج۱، ص:۳۱۰)۔ ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (2/البقرۃ:269) ”اور نہیں

نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند۔'' قرآنِ مجید کے مطابق عقل مند وہ لوگ ہیں جو صاحبِ ایمان ہیں چنانچہ فرمایا۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ﴾(65/الطلاق:10)''پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے دانش مندو، جو ایمان لائے ہو۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: '' اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ دانا لوگ وہ نہیں جو علوم وفنون میں ماہر ہوں، جو بڑے چالباز اور سیاستدان ہوں، بلکہ حقیقی دانش مند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ ضوفشاں ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص:۲۸۶)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ۔

**اُولُوا** والے۔ بحالت نصب وجر اُولِيْ ہوگا۔ جمع ہے۔ اس کا واحد نہیں آتا۔ اس کی مؤنث اُولَاتُ ہے۔ والیاں۔ ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ﴾(65/الطلاق:4)''اور حمل والیوں کی میعاد ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**ترکیب** حَيٰوةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ لَكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے جب کہ فِي الْقِصَاصِ متعلق خبر ہے۔ اُولِيْ مضاف ہے اور حرفِ ندا يَا کی وجہ سے منصوب ہے اور اَلْاَلْبَابِ مضاف الیہ ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | وَلَكُمْ | فِي الْقِصَاصِ | حَيٰوةٌ | يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ | لَعَلَّكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:179 | اور تمہارے لیے | قصاص میں | زندگی ہے | اے عقل مندو | تاکہ تم |

| تَتَّقُوْنَ |
|---|
| بچتے رہو |

**نوٹ** لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم بچتے رہو) کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی بچتے رہو قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے یا بچو قصاص کے سبب عذاب آخرت سے یا اس لیے کہ تم کو حکم قصاص کی حکمت معلوم ہوگئی ہے تو اُس کی مخالفت یعنی ترک قصاص سے بچتے رہو۔ (تفسیر عثمانی، ص:۳۵)۔

## آیت:180

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ښ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ١٨٠ؕ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ح ض ر: البقرۃ آیت 133 دیکھیں۔ | ء ح د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ |
| م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ت ر ک: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | و ص ی: البقرۃ آیت 132 دیکھیں۔ |
| ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** كُتِبَ ماضی مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اَلْوَصِيَّةُ ہے اور عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اور اِنْ تَرَكَ خَيْرًا شرط ہے۔ حَضَرَ کا فاعل اَلْمَوْتُ ہے اور اَحَدَكُمْ مفعول مقدم ہے۔ خَيْرًا، تَرَكَ کا مفعول ہے اور یہاں خیر سے مراد ''مال'' ہے۔ ان دونوں کا جواب شرط یا تو

باقی آیت ہے یا پھر جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَلْيُوْصِ (پس اسے چاہیے کہ وہ وصیت کرے) ہو سکتا ہے۔ لِلْوَالِدَيْنِ، اَلْاَقْرَبِيْنَ اور بِالْمَعْرُوْفِ یہ سب اَلْوَصِيَّةُ سے متعلق ہیں۔ آگے حَقًّا محذوف فعل کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے حَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ حَقًّا۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ، حَقًّا سے متعلق ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:180 |

| كُتِبَ | عَلَيْكُمْ | اِذَا | حَضَرَ | اَحَدَكُمُ | الْمَوْتُ | اِنْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| فرض کیا گیا | تم لوگوں پر | جب بھی | قریب آجائے | تم میں سے کسی کے | موت (کا وقت) | بشرطیکہ |

| تَرَكَ | خَيْرًا | اِلْوَصِيَّةُ | لِلْوَالِدَيْنِ | وَالْاَقْرَبِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| وہ چھوڑے | کچھ مال | وصیت کو | والدین کے لیے | اور قریبی رشتہ داروں کے لیے |

| بِالْمَعْرُوْفِ | حَقًّا | عَلَى الْمُتَّقِيْنَ |
|---|---|---|
| دستور کے مطابق | (یہ) لازم ہے | پرہیزگاروں پر |

**نوٹ**

اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”لوگوں میں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اُس کی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے، اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہیے مرنے والے پر اسی کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت فرض تھی جس وقت تک آیۂ میراث نہیں اتری تھی۔ جب سورۂ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرما دیا اب ترکہ میت میں وصیت فرض نہ رہی اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے مگر وارث کے لیے وصیت جائز نہیں اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیوان اور ودائع وغیرہ داد و ستد کا جھگڑا ہو اُس پر وصیت اب بھی فرض ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص: ۳۵)۔

## آیت:181

﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ١٨١﴾

ب د ل: البقرۃ آیت 59 دیکھیں۔ س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔

**ترکیب**

فَ استئنافیہ ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ شرط ہے اور فَاِنَّمَا سے يُبَدِّلُوْنَهٗ تک جواب شرط ہے۔ بَدَّلَهٗ، سَمِعَهٗ اور يُبَدِّلُوْنَهٗ میں ہ ضمیر وصیت کے لیے ہے یا 'ہ' ضمیر اِيْصَاءٌ (وص ی، افعال: وصیت کرنا) کے لیے ہے اور اِيْصَاءٌ، اَلْوَصِيَّةُ میں ضمناً مذکور ہے۔ اِثْمُهٗ میں ہ ضمیر بَدَّلَ کے مصدر تَبْدِيْلٌ کے لیے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهُ اس کا اسم ہے اور سَمِيْعٌ اور عَلِيْمٌ خبریں ہیں۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:181 |

| فَمَنْ | بَدَّلَهٗ | بَعْدَ مَا | سَمِعَهٗ | فَاِنَّمَا |
|---|---|---|---|---|
| پس جس نے | تبدیل کیا اس (وصیت) کو | اس کے بعد کہ جو | اس نے سنا اس کو | تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ |

| اِثْمُهٗ | عَلَى الَّذِيْنَ | يُبَدِّلُوْنَهٗ | اِنَّ اللّٰهَ | سَمِيْعٌ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس کا گناہ | ان لوگوں پر ہو گا | جو تبدیل کریں گے اس (وصیت) کو | یقیناً اللہ | سننے والا ہے | جاننے والا ہے |

## آیت:182

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٨٢ ؏﴾

| | | |
|---|---|---|
| خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | و ص ی: البقرۃ آیت 132 دیکھیں۔ | ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | | |

**ج ن ف**

(س) **جَنَفًا** مائل ہونا۔ راستہ سے ہٹ جانا۔ فیصلے میں ایک طرف جھک جانا، کسی کی بے جا طرف داری کے لیے یا کسی پر ظلم کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ لفظ ظلم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''جَنَفٌ کے اصل معنی مائل ہونے کے ہیں لیکن اس کا غالب استعمال نیکی اور حق سے ہٹ کر برائی اور ناانصافی کی طرف مائل ہونے کے لیے ہے۔'' (تدبر القرآن، ج۱، ص:۳۹۶) کبھی یہ لفظ غلطی یا بھول سے کسی کی طرف مائل ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**جَنَفٌ** اسم ذات ہے۔ جانبداری۔ طرف داری۔ ظلم۔ معروف سے انحراف۔ اس کے مقابلے پر حَنِیْفٌ آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ آیت زیر مطالعہ میں یہ نادانستہ طرف داری کے لیے آیا ہے۔

(تفاعل) **تَجَانُفًا** کسی کی طرف مائل ہونا۔ جھکنا۔ منحرف ہونا۔

**مُتَجَانِفٌ** اسم الفاعل ہے۔ مائل ہونے والا۔ جھکنے والا۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ﴾ (5/المائدہ:3) ''پس جو لاچار ہو جائے بھوک سے جھکنے والا نہ ہوتے ہوئے گناہ کی طرف۔''

**ترکیب** فَ استینافیہ ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ خَافَ سے بَیْنَھُمْ تک شرط ہے اور فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ جواب شرط ہے۔ مِنْ مُّوْصٍ متعلق فعل ہے جب کہ جَنَفًا اور اِثْمًا دونوں خَافَ کا مفعول ہیں۔ فَاَصْلَحَ میں فَ عطف کا ہے اور اَصْلَحَ، خَافَ پر عطف ہے۔ بَیْنَھُمْ میں ھُمْ ضمیر ان لوگوں کے لیے ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ اِثْمَ سے پہلے لائے نفی جنس ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:182**

| فَمَنْ | خَافَ | مِنْ مُّوْصٍ | جَنَفًا | اَوْ اِثْمًا |
|---|---|---|---|---|
| پس جس کو | اندیشہ ہو | کسی وصیت کرنے والے سے | (نادانستہ) طرف داری کا | یا کسی گناہ کا |

| فَاَصْلَحَ | بَیْنَھُمْ | فَلَآ اِثْمَ | عَلَیْہِ ۭ |
|---|---|---|---|
| پس وہ صلح کرا دے | ان کے درمیان | تو کوئی گناہ نہیں ہے | اس پر |

| اِنَّ اللّٰہَ | غَفُوْرٌ | رَّحِیْمٌ |
|---|---|---|
| بے شک اللہ تعالیٰ | بے انتہا بخشنے والا ہے | ہمیشہ رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** آیت میں جَنَفًا سے نادانستہ غلطی مراد لی گئی ہے اور اِثْمًا سے قصداً حق تلفی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ یا قصداً حق تلفی کی ہے، اور پھر معاملے سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان وہ اصلاح

کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' اور اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی اگر کسی کو مردہ کی طرف سے یہ اندیشہ یا علم ہوا کہ اُس نے کسی وجہ سے غلطی کھائی اور کسی کی بے جا رعایت (جَنَفًا) کی یا دیدہ و دانستہ (اِثْمًا) خلاف حکم الٰہی دے گیا۔ پس اس شخص نے اہل وصیت اور وارثوں میں حکم شریعت کے موافق صلح کرا دی تو اُس کو کچھ گناہ نہ ہوگا۔ وصیت میں یہ تغیر اور تبدل جائز اور بہتر ہے۔'' (تفسیر عثمانی،ص ۳۵)۔

## آیت:183

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ ﴾

| |
|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |

**ص و م**

(ن) **صَوْمًا، صِيَامٌ** کسی کام سے رُک جانا اور باز رہنا خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا چلنے پھرنے سے ہو یا گفتگو کرنے سے ہو۔ اسی وجہ سے جو گھوڑا چلنے سے رک جائے اور چارہ نہ کھائے اسے صَائِمٌ کہتے ہیں۔ عام طور پر اس لفظ کا استعمال اس چیز سے رکنے کے لیے بولا جاتا ہے جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو۔ پھر صَوْمٌ کا لفظ ہوا کے رک جانے، دوپہر کے وقت پر اور سورج کے وسط آسمان پر پہنچ جانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ صَامَتِ الرِّيْحُ: ہوا کا رُک جانا۔ صَامَ النَّهَارُ: دوپہر ہونا۔ صَامَتِ الشَّمْسُ: سورج کا وسط آسمان پر پہنچ جانا۔ اصطلاحِ شرح میں صَوْمٌ کا مطلب ہے روزہ رکھنا یعنی کسی مکلّف کا روزے کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، عملِ زوجیت کرنے اور عمداً قے کرنے سے رک جانا۔ ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/البقرۃ:184) ''اور یہ کہ تم روزہ رکھو (تو یہ) زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے۔'' قرآنِ مجید میں صَوْمٌ کا لفظ چپ رہنے اور بات نہ کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝۲۶﴾ (19/مریم:26) ''میں نے منت مانگی رحمن کے لیے ایک روزے کی۔ پس میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔'' حضرت ابن عباسؓ سے یہاں صوماً کی تفسیر میں خاموش رہنا مروی ہے۔ اسرائیلی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا درست تھا لیکن ہماری شریعت میں یہ حکم منسوخ ہے۔ اب خاموشی کا روزہ رکھنا درست نہیں۔ مفتی محمد شفیعؒ صَوْمٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صوم کے لفظی معنی امساک یعنی رُکنے اور بچنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رُکنے اور باز رہنے کا نام صوم ہے، بشرطیکہ وہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک مسلسل رُکا رہے اور نیت روزہ کی بھی ہو اس لیے اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا، اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے دن پوری احتیاط سے کیا، مگر نیت روزہ کی نہیں کی تو بھی روزہ نہیں ہوا۔ صوم یعنی روزہ اُن عبادات میں سے ہے جن کو اسلام کے عمود اور شعائر قرار دیا گیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ا،ص: ۴۴۲)۔

**صَوْمٌ** (ا) مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ روزہ۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝۲۶﴾ (19/مریم:26) ''میں نے منت مانگی رحمن کے لیے ایک روزے کی۔ پس میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔''

(۲) مصدر بمعنی فاعل یعنی روزہ دار۔ عربی زبان میں روزہ رکھنے والے کو بھی صَوْمٌ کہتے ہیں۔

**صِيَامٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ روزہ۔ ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**صَائِمٌ** ج: صَائِمُوْنَ - صَائِمِيْنَ- مؤنث: صَائِمَةٌ- ج: صَائِمَاتٌ- فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ روزہ رکھنے والا۔ روزہ دار۔ ﴿ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں۔''

**ترکیب**

يٰٓاَيُّهَا ندا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا منادیٰ ہے۔ كُتِبَ ماضی مجہول ہے اور الصِّيَامُ اس کا نائب فاعل ہے جب عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ كَمَا میں 'ک' حرف تشبیہ ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا | كُتِبَ | عَلَيْكُمُ | الصِّيَامُ | كَمَا | كُتِبَ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:183 | اے لوگوں جو | ایمان لائے ہو | فرض کیا گیا | تم پر | روزے رکھنا | جیسا کہ | فرض کیا گیا |

| عَلَى الَّذِيْنَ | مِنْ قَبْلِكُمْ | لَعَلَّكُمْ | تَتَّقُوْنَ |
|---|---|---|---|
| ان لوگوں پر جو | تم سے پہلے تھے | تا کہ تم | پرہیزگار بن جاؤ |

**نوٹ** آیت نمبر 183 سے آیت نمبر 188 تک، مسلسل 6 آیات میں روزے کے احکام آ رہے ہیں۔

## آیت: 184

﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| يَوْمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ع د د: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ | م ر ض: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ |
| ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ف د ی: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ط ع م: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| س ك ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ط و ع: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ص و م: البقرۃ آیت 183 دیکھیں۔ |
| ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | | |

**س ف ر**

(ن) **سَفْرًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز سے پردہ اٹھانا۔ عربی میں کہتے ہیں سَفَرَ الْعِمَامَةَ عَنِ الرَّاْسِ: اس نے سر سے عمامہ اتارا۔ اسی طرح کہتے ہیں سَفَرَتِ الْمَرْاَةُ عَنْ وَجْهِهَا: عورت نے اپنا چہرہ کھولا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ پھر کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) سفر کے لیے روانہ ہونا۔ (۲) لکھنا۔ حقائق سے پردہ اٹھانا۔ (۳) جدا جدا کرنا۔ (۴) روشن ہونا۔ (۵) گھر کو جھاڑ و دینا۔ (۶) ہوا کا بادل کو اڑا دینا۔ (۷) اس سے لفظ سفیر بنا ہے جو بھیجنے والے کی بات کو کھول دیتا ہے۔

**سَفَرٌ** ج: اَسْفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ سفر۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ﴾ (34/سبا:19) ''اے ہمارے رب! تو دور دراز کردے ہماری مسافتوں کو۔'' سفر کو سفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس طرح ہوا سوکھے پتوں کو لاتی اور لے جاتی ہے اور جدا جدا کر دیتی ہے، اسی طرح سفر میں بھی آمد و رفت ہوتی ہے یا اس لیے کہ سفر میں مسافروں کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں اور جو بات ان میں چھپی ہوتی ہے وہ کھل جاتی ہے۔ اصطلاح شرع میں سفر سے وہ خاص قسم کا فاصلہ طے کرنا مراد ہے جس سے احکام شرعیہ میں آسانی ہو جاتی ہے مثلاً نماز کا قصر کرنا، روزے کے افطار کا مباح ہونا، موزوں پر مسح کی مدت کا تین دن تک بڑھ جانا، جمعہ، عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا اور بغیر محرم کے آزاد عورت کے نکلنے کا حرام ہونا وغیرہ۔ (تلخیص از لغات القرآن، ج۳،ص:۲۰۶)۔

**سِفْرٌ** ج: اَسْفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ بڑی کتاب جو حقائق کو کھول دے۔ صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اَسْفَارٌ، سِفْرٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے۔ اس لیے کتاب کو بھی سفر کہا جاتا ہے۔'' (احسن البیان،ص:۱۵۷۷)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''الاسفار: اس کا واحد سِفْرٌ ہے۔ و ھو الکتاب الکبیر یعنی ضخیم کتاب کو سِفر کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۵،ص:۲۳۳)۔ ﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ (62/الجمعۃ:5) ''اس گدھے کی مثال کی مانند ہے جو اُٹھاتا ہے کتابیں۔''

**سَافِرٌ** ج: سَفَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔ ﴿ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴾ (80/عبس:15) ''لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔''

(افعال) **اِسْفَارًا** کسی چیز کا رنگ ظاہر ہونا۔ چمکنا۔ روشن ہونا۔ یہ لفظ رنگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی رنگ کے ظاہر ہونے پر بولا جاتا ہے۔ ﴿ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴾ (74/المدثر:34) ''اور صبح جب وہ روشن ہو۔''

**مُسْفِرٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ چمکنے والا۔ روشن۔

**مُسْفِرَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ چمکنے والی۔ روشن۔ ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴾ (80/عبس:38) ''کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے۔''

## ط و ق

(ن) **طَوْقًا، طَاقَةً** گلے میں حلقہ یا طوق ہونا۔ کسی کام کی قدرت یا طاقت ہونا۔

**طَاقَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ قدرت۔ طاقت۔ ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ﴾ (2/البقرۃ:286) ''اے ہمارے رب! تو وہ بوجھ نہ اُٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہے ہم کو۔''

(افعال) **اِطَاقَةً** کسی کام کو کرنے کی طاقت یا قدرت رکھنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(تفعیل) **تَطْوِيْقًا** طوق ڈالنا۔ ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (3/آل عمران:180) ''طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ سَيُطَوَّقُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

## ترکیب

مرکب توصیفی اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ گذشتہ آیت کے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا اس سے پہلے فعل محذوف ہے یعنی صُوْمُوْا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اَيَّامٌ جمع مکسر ہے۔ اس کے ساتھ صفت واحد مؤنث اور جمع سالم دونوں آسکتی ہیں۔ البقرہ:80 میں صفت واحد آئی ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ سے عَلٰى سَفَرٍ تک شرط ہے اور فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ جواب شرط ہے۔ كَانَ کا اسم اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جب کہ مَرِيْضًا خبر ہے۔ اس کی خبر ثانی محذوف ہے جو کہ مُسَافِرًا ہو سکتی ہے۔ عَلٰى سَفَرٍ قائم مقام خبر ہے۔ فَعِدَّةٌ مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر محذوف ہے، یعنی فَعَلَيْهِ عِدَّةٌ۔ آگے مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ بھی عِدَّةٌ سے متعلق ہے۔ اَيَّامٍ اُخَرَ مرکب توصیفی ہے اور یہاں اُخَرَ، اَيَّامٍ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ آگے فِدْيَةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اس کی بھی خبر محذوف ہے اور عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ يُطِيْقُوْنَهٗ میں ہٗ ضمیر الصِّيَام کے لیے ہے۔ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ بدل ہے فِدْيَةٌ کا۔ فَمَنْ میں فَ استینافیہ ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے اور تَطَوَّعَ خَيْرًا شرط ہے۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ جواب

شرط ہے۔ وَ اَنْ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، اَنْ مصدریہ ہے جس نے آگے جملے کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں یعنی صَوْمُکُمْ اور یہ مبتدا ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اس لیے تَصُوْمُوْا، منصوب ہے۔ خَیْرٌ اس کی خبر ہے، لَکُمْ متعلق خبر ہے۔ آگے اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:184 |

| اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ | فَمَنْ کَانَ | مِنْکُمْ | مَّرِیْضًا | اَوْ عَلٰی سَفَرٍ | فَعِدَّۃٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| گنے ہوئے چند دن ہیں | پھر جو | تم میں سے | مریض ہو | یا کسی سفر میں ہو | تو (اُس پر) شمار رکھنا (لازم ہے) |

| مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ | وَعَلَی الَّذِیْنَ | یُطِیْقُوْنَہٗ |
|---|---|---|
| دوسرے دنوں سے | اور ان لوگوں پر جو | طاقت رکھتے ہوں اس (روزے) کی (اور پھر بھی وہ روزہ نہ رکھیں تو) |

| فِدْیَۃٌ | طَعَامُ مِسْکِیْنٍ |
|---|---|
| (اُن کے ذمے) فدیہ ہے | (جو کہ) ایک مسکین کا کھانا ہے (دو وقت کا) |

| فَمَنْ تَطَوَّعَ | خَیْرًا | فَھُوَ خَیْرٌ | لَّہٗ |
|---|---|---|---|
| پھر جو خوشی سے زیادہ کرے | کوئی نیکی | تو یہ زیادہ بہتر ہے | اس کے لیے |

| وَاَنْ تَصُوْمُوْا | خَیْرٌ | لَّکُمْ | اِنْ کُنْتُمْ | تَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور تمہارا روزہ رکھنا | زیادہ بہتر ہے | تمہارے لیے | اگر تم | جانتے ہو |

| نوٹ | آیت کی تفسیر معارف القرآن اور تفسیر عثمانی سے دیکھیں۔ |
|---|---|

## آیت:185

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ص و م: البقرۃ آیت 183 دیکھیں۔ |
| م ر ض: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | س ف ر: البقرۃ آیت 184 دیکھیں۔ | ع د د: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ |
| ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | ر و د: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ک ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |
| ش ک ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | | |

| ش ھ ر |
|---|

(ف) شَھَرَ (ا) کسی کی اچھی یا بری مشہوری کرنا۔ (۲) ایک مہینہ کی مدت گزارنا۔

شَھۡرٌ تثنیہ: شَھۡرَانِ- شَھۡرَیۡنِ- ج: شُھُوۡرٌ اور اَشۡھُرٌ- اسم ذات ہے- مہینہ- ماہ- شَھۡرٌ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے-﴿ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَھۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ ﴾(4/النساء:92)''تو جو شخص غلام نہ پا سکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار-''﴿ اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَھۡرًا ﴾(9/التوبہ:36)''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں-''﴿ فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَۃَ اَشۡھُرٍ ﴾(9/التوبہ:2)''پس گھوم پھر لو زمین میں چار مہینے-''

| ر م ض |
|---|

(س) رَمَضًا دن کا گرم ہونا- گرم زمین سے پاؤں جلنا- سخت دھوپ پڑنا- عربی میں اَرۡضٌ رَمِضَۃٌ کا مطلب ہے سخت گرم سرزمین-

رَمَضَانُ (غیر منصرف)- ہجری سال کا نواں مہینہ- رمضان- آیت زیر مطالعہ- مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رمضان: سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے- شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے- قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں ادل بدل کر آتے رہتے ہیں- مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک وتر، ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط وتحمل کا خوگر ہو جاتا ہے-'' (تفسیر ماجدی، ص:۹۰)-

| ق ر ء |
|---|

(ن)(ف) قَرۡءً، قُرۡاٰنًا اور قِرَاءَۃً دو چیزوں کو اکٹھا کرنا- ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جمع کرنا اور ان میں نظم اور ترتیب پیدا کرنا- یہ الفاظ عام چیزوں کو جمع کرنے کے لیے نہیں بولے جاتے- چنانچہ امام راغبؒ کے مطابق عربی زبان میں اَجۡمَعۡتُ الۡقَوۡمَ (میں نے قوم کو جمع کیا) کہنا درست ہے- اس کی بجائے قَرَاءۡتُ الۡقَوۡمَ کہنا غلط ہے- اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ الفاظ پھر متعدد معانی میں استعمال ہوتے ہیں- مثلاً:

(۱) پڑھنا- پڑھنے والا ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ترتیب سے جمع کر کے ان کو ادا کرتا ہے- عربی زبان میں ایک حرف کے بولنے کو قرات نہیں کہا جاتا بلکہ حروف وکلمات کو منظم اور مرتب کر کے ان کو ادا کرنے کو قرات کہا جاتا ہے- ﴿ فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ ﴾(75/القیامۃ:18)''پھر جب ہم پڑھیں اس کو تو آپؐ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی-''

(۲) کسی کو پڑھ کر سنانا- اس معنی میں علٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے-﴿ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ لِتَقۡرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ ﴾ (17/بنی اسرائیل:106)''اور قرآن، ہم نے الگ الگ کیا اس کو تاکہ آپؐ پڑھ کر سنائیں اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر-''

اِقۡرَاۡ ج: اِقۡرَءُوۡا- فعل امر ہے- تو پڑھ-﴿ اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ﴾(17/بنی اسرائیل:14)''تو پڑھ اپنی کتاب کو-''﴿ فَیَقُوۡلُ ھَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا کِتٰبِیَہۡ ﴾(69/الحاقۃ:19)''تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاوے گا وہ تو (خوش ہو کر لوگوں سے) کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو-'' (ترجمہ تھانویؒ)-

قُرۡاٰنٌ مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے- پڑھی جانے والی چیز- جمع کی ہوئی چیز- مصدر بمعنی اسم المفعول مَقۡرُوۡءٌ- مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قرآن مصدر ہے قَرَاءَ یَقۡرَاُ سے- اس کے اصل معنی ہیں ''پڑھنا'' مصدر کو کسی چیز کے لیے جب نام (یعنی اسم ذات) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس شے کے اندر معنی مصدری بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے- مثلاً جب کسی شخص کو ہم بہادر کہنے کے

بجائے ''بہادری'' کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اندر شجاعت ایسی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے کہ گویا وہ اور شجاعت ایک چیز ہیں۔ پس اس کتاب کا نام ''قرآن'' (پڑھنا) رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عام وخاص سب کے پڑھنے کے لیے ہے اور بکثرت پڑھی جانے والی چیز ہے۔'' (تفہیم القران، ج۲،ص:۳۸۳)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''القرآن: یہ اصل میں کفران ورجحان کی طرح مصدر ہے۔''۔ پھر آگے فرماتے ہیں: ''لیکن عرف میں یہ اس کتاب کے لیے بمنزلہ اسم عَلَم بن چکا ہے۔ جیسا کہ توراۃ اس کتاب الٰہی کو کہا جاتا ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ اور انجیل اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل کی گئی۔ بعض علماء نے قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے بلکہ یہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اس لیے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص:۸۳۹)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک قرآن، قَرَءَ (پڑھنا) سے فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے یعنی بار بار، کثرت سے اور ہمیشہ پڑھی جانے والی کتاب۔ قرآنِ مجید میں لفظ قرآن کبھی معرفہ آتا ہے جیسے: ﴿طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴾ (النمل:1) اور کبھی نکرہ جیسے ﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الحجر:1)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ اس کلام الٰہی کا اسم علم ہے جو حضورؐ پر نازل ہوا اور (۲) یہ اس کلام الٰہی کی صفت ہے۔ چنانچہ جب معرفہ آئے تو مطلب ہوتا ہے اسم علم اور جب نکرہ آئے تو بمعنی صفت یعنی مَقْرُوْءٌ (پڑھا جانے والا) مراد ہوتا ہے۔ (مظہریؒ۔ منقول از انوار البیان، ج۲،ص:۵۲۳)۔ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''القرآن: جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح قرآن کا اطلاق ۳۰ پاروں والی مکمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اس کے ہر ہر جزو پر بھی۔'' (تفسیر ماجدی،ص:۹۰)۔

(ن)(ف) قَرْءٌ اور قُرْءٌ — ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا۔ حیض سے طہر میں داخل ہونا یا طہر سے حیض میں داخل ہونا۔ عورت کو حیض آنا۔ مدت گزارنا۔

قَرْءٌ اور قُرْءٌ — ج: قُرُوْءٌ، اَقْرَاءٌ۔ اسم ذات بھی ہیں۔ مدت۔ حیض یا طہر۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْقَرْءُ کے اصل معنی طہر سے حیض میں داخل ہونے کے ہیں اور چونکہ یہ لفظ طہر اور حیض دونوں کا جامع ہے اس لیے دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو اسم دو چیزوں کے لیے بحیثیت مجموعی وضع کیا گیا ہو وہ ہر ایک پر انفراداً بھی بولا جا سکتا ہے۔ مثلاً لفظ مَائِدَۃ کہ دسترخوان اور کھانا دونوں کے مجموعہ کے لیے وضع کیا گیا ہے مگر ہر ایک پر انفراداً بھی بولا جاتا ہے لہٰذا قَرْءٌ نہ صرف حیض کا نام ہے اور نہ صرف طہر کا بلکہ دونوں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص:۸۳۸)۔ چنانچہ احناف کے نزدیک اس سے مراد حیض ہے اور شوافع کے نزدیک طہر۔ حضورؐ کے ارشاد مبارک ''اُقْعُدِیْ عَنِ الصَّلٰوۃِ اَیَّامِ اَقْرَائِكِ (حیض کے دنوں میں نماز ترک کر دے) کے مطابق اس کا ترجمہ حیض ہی رائج قرار دیا گیا ہے۔'' ﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ﴾ (2/البقرہ:228) ''اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانۂ معلوم یا مدت متعین کے ہیں۔ لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہو سکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ اسی لیے یہاں بھی اہل شرح وتفسیر کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک جماعت نے طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہی معنی مروی ہیں۔ اور امام شافعیؒ اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ،

حضرت ابو موسیٰؓ جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ یہاں قرء حیض یا ناپاکی کے معنی میں ہے (جصاصؒ) اور یہی قول امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۱۸)۔

(افعال) **اِقْرَاءً**: کسی کو کچھ پڑھانا۔ ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴾ (87/الاعلیٰ:6) ''ہم پڑھائیں گے آپؐ کو پھر آپؐ نہیں بھولیں گے۔''

## ی س ر

(ض۔ک) **يَسْرًا**: نرم و آسان ہونا (لازم)۔ نرم و آسان کرنا (متعدی)۔ رزق و روزی میں کشادہ ہونا۔

**مَيْسُوْرٌ**: اسم المفعول ہے۔ نرم۔ آسان۔ ﴿ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:28) ''پس تو کہہ ان سے نرم بات۔''

**يَسِيْرٌ**: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ نرم۔ آسان۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (22/الحج:70) ''یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔''

**يُسْرٰى**: فُعْلٰى کا وزن ہے۔ نرم۔ آسانی۔ سہولت۔ آسان اور آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو۔ ﴿ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴾ (87/الاعلیٰ:8) ''اور ہم سہل بنا دیں گے آپؐ کے لیے اُس آسان (شریعت) پر عمل۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک یُسْرٰی سے مراد جنت ہے۔

**يُسْرٌ**: اسم ذات ہے۔ نرمی۔ آسانی۔ یہ عُسْرٌ (سختی، تنگی) کی ضد ہے۔ ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۭ﴾ (94/الم نشرح:6-5) ''پس یقیناً سختی کے ساتھ ہی نرمی ہے، یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

**مَيْسَرَةٌ**: رزق میں کشادگی۔ مالی وسعت۔ ﴿ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ﴾ (2/البقرہ:280) ''تو مہلت دو رزق میں کشادگی تک۔''

**مَيْسِرٌ**: اسم ذات ہے۔ جوا۔ سٹہ۔ اس کے بارے میں دو رائے ہیں۔ (۱) یہ یُسْرٌ سے ہے جس کے معنی نرمی و آسانی کے ہیں۔ جوا کھیلنے سے مال چونکہ آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے جوئے کو مَیْسِرٌ کہا جاتا ہے۔ (۲) دوسری رائے یہ ہے کہ مَیْسِرٌ مصدر ہے اور لغت میں اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں۔ یاسر تقسیم کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اسی تقسیم کرنے کی مناسبت سے جوا (قمار) کو مَیْسِرٌ کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ﴾ (2/البقرہ:219) ''یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے جوئے اور شراب کے بارے میں۔''

(تفعیل) **تَيْسِيْرًا**: عام طور پر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی چیز کو کسی کے لیے رفتہ رفتہ آسان کر دینا۔ (۲) کسی کو کسی کام کے لیے تیار کر دینا۔ کسی کو کسی کام کی توفیق دے دینا۔ ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ﴾ (54/القمر:17) ''اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو یاددہانی کے لیے۔'' ﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۭ﴾ (92/اللیل:7) ''تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''فَسَنُيَسِّرُهٗ: اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے لیکن یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا عرب جب گھوڑے پر زین ڈال کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں يَسَّرَ الفرس للركوب اِذَا اَسْرَجَهَا والجمها'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص:۵۷۸)۔

**يَسِّرْ**: فعل امر ہے۔ تو آسان کر۔ ﴿ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ﴾ (20/طٰہٰ:26) ''اور تو آسان کر دے میرے لیے میرے کام کو۔''

(تفعّل) **تَيَسُّرًا**: آسان ہونا۔ ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ﴾ (73/المزمل:20) ''تو تم لوگ پڑھو اس کو جو آسان ہو قرآن میں سے۔''

(استفعال) اِسْتِيْسَارًا آسان سمجھنا۔ آسان ہونا۔ میسر ہونا۔ ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (2/البقرہ:196) ’’پھر اگر تم لوگ گھیر لیے جاؤ تو جو قربانی کا جانور آسانی سے مل جائے (وہ بھیج دو)۔‘‘

| ع س ر |
|---|

(س۔ک) عُسْرًا سخت اور دشوار ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں عَسُرَ عَلَيْهِ الْأَمْرُ۔ اس پر وہ کام دشوار ہو گیا۔ رزق میں تنگی ہونا۔

عَسِرٌ صفت ہے۔ سخت مشکل۔ ﴿يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧﴾ (54/القمر:8) ’’کہیں گے کافر یہ ایک سخت دن ہے۔‘‘

عَسِيْرٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ سخت۔ دشوار۔ ﴿وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ㉖﴾ (25/الفرقان:26) ’’اور کافروں پر وہ ایک سخت دن ہو گا۔‘‘

عُسْرٌ اسم ذات ہے۔ سختی۔ تنگی۔ یہ يُسْرٌ (آسانی) کی ضد ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

عُسْرٰی فُعْلٰی کا وزن ہے۔ سختی۔ دشواری۔ مشکل اور تکلیف دہ چیز۔ ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩﴾ (92/الیل:10) ’’سو ہم اُس کے لیے مصیبت کی چیز آسان کر دیں گے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت میں عُسْرٰی سے مراد دوزخ ہے جہاں ہر طرح اور ہر طرف سختیاں ہی سختیاں ہوں گی۔

عُسْرَةٌ اسم ذات ہے۔ تنگی۔ تنگدستی۔ مفلسی۔ مشکل۔ ساعة العسرة۔ مشکل گھڑی۔ ﴿وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ﴾ (2/البقرة: 280) ’’اور اگر مقروض تنگدست ہو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ (9/التوبۃ:117) ’’یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبیؐ کی مشکل گھڑی میں۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفاعل) تَعَاسُرًا آپس کا معاملہ دشوار ہو جانا۔ پیچیدہ ہو جانا۔ کسی معاملے میں فریقین میں اتفاق رائے نہ ہونا۔ ﴿وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ أُخْرٰى ⑥﴾ (65/الطلاق:6) ’’اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’علامہ ابن منظور تَعَاسَرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب خرید و فروخت کرنے میں بائع اور مشتری کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں تو اہل عرب کہتے ہیں۔ تَعَاسَرَ الْبَيِّعَانِ۔ لَمْ يَتَّفِقَا۔ اسی طرح میاں بیوی بھی اگر کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچیں اور کشاکش باقی رہے تو کہا جاتا ہے تعاسر الزوجان۔ (لسان العرب) اس تشریح کے پیش نظر ان تعاسرتم کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اجرت کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا، خاوند کم دینے پر مصر ہے یا ماں زیادہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو پھر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ صاحب قاموس اس لفظ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ تَعَسَّرَ علی الامر و تَعَاسَرَ وَاسْتَعْسَرَ اشتدّ والتویٰ۔ یعنی جب کوئی کام سخت پیچیدہ ہو جائے اور الجھ جائے تو عرب کہتے ہیں۔ تَعَاسَرَ عَلَيَّ الْأَمْرُ۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج۵ ص:۲۸۵)۔

| ك م ل |
|---|

(ک) كَمَالًا کسی چیز کا پورا ہونا اور اس میں نقص نہ رہنا۔ مکمل ہونا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ’’کسی چیز کے کامل ہونے سے مراد ہے وہ غرض پوری ہو جانا جس کے لیے وہ وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ جب کسی چیز کے متعلق كَمُلَ ذٰلِكَ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس سے مقصود تھا۔ وہ حاصل ہو گیا۔‘‘ (مفردات القرآن، ج۲، ص:۹۳۵)۔

كَامِلٌ مونث: كَامِلَةٌ۔ تثنیہ: كَامِلَانِ۔ كَامِلَيْنِ۔ پورا۔ مکمل۔ یعنی وہ چیز جس کے اجزاء پورے ہوں، صفات مکمل ہوں، جس

میں کوئی کمی یا کسر نہ رہ گئی ہو اور وہ اپنے مقصد کو پورا کرے۔ اس کی ضد ناقِصٌ ہے۔ ﴿لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (16/النحل:25) ''تاکہ وہ لوگ اُٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن۔'' ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (2/البقرۃ:233) ''اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے دو سال۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(افعال) اِكْمَالًا پورا کرنا۔ مکمل کرنا۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (5/المائدۃ:3) ''آج کے دن میں نے مکمل کیا تمہارے لیے تمہارے نظامِ حیات کو۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

**ترکیب** شَهْرُ رَمَضَانَ خبر ہے۔ رَمَضَانَ، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ اس کا مبتداء هِيَ محذوف ہے جو کہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کا بدل ہے۔ اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ صفت ہے شَهْرُ کی۔ هُدًى اور بَيِّنٰتٍ حال ہیں اَلْقُرْاٰنُ کا، اس لیے نصب میں ہیں۔ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ، بَيِّنٰتٍ سے متعلق ہیں۔ فَمَنْ شرطیہ ہے، شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ شرط ہے اور فَلْيَصُمْهُ جواب شرط ہے۔ اَلشَّهْرَ پر لام تعریف ہے اور فَلْيَصُمْهُ فعل امر غائب ہے۔ اور اس میں ہ ضمیر اَلشَّهْرَ کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ فَلْيَصُمْهُ میں لْ امر کا ہے جو کہ ساکن ہو جاتا ہے برخلاف لام کَیْ کے جو ساکن نہیں ہوتا۔ جیسے آگے لِتُكْمِلُوا اور لِتُكَبِّرُوا پر آیا ہے۔ يُرِيْدُ فعل، اللّٰهُ اس کا فاعل، بِكُمُ متعلق فعل اور اَلْيُسْرَ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح آگے وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا میں لِ کَیْ ہے اسی لیے مضارع حالت نصب میں ہے اور معنی کے لحاظ سے لِ علت کا ہے جو وجہ بتا رہا ہے۔ اَلْعِدَّةَ اس کا مفعول ہے تکملوا کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اسی طرح لِتُكَبِّرُوا میں لِ کَیْ ہے اور یہ بھی وجہ بتا رہا ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے اور لفظ اللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ متعلق فعل ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:185 |

| هُدًى | الْقُرْاٰنُ | الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ | شَهْرُ رَمَضَانَ |
|---|---|---|---|
| (اس حال میں کہ) ہدایت ہے | قرآن | اُتارا گیا جس میں | (یہ) رمضان کا مہینہ ہے |

| شَهِدَ | فَمَنْ | مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ | وَبَيِّنٰتٍ | لِّلنَّاسِ |
|---|---|---|---|---|
| پائے | پس جو کوئی | ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی | اور (اس میں) روشن (دلیلیں) ہیں | لوگوں کے لیے |

| مَرِيْضًا | وَمَنْ كَانَ | فَلْيَصُمْهُ | الشَّهْرَ | مِنْكُمُ |
|---|---|---|---|---|
| مریض ہو | اور جو | تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس میں | اس مہینہ کو | تم میں سے |

| بِكُمُ | يُرِيْدُ اللّٰهُ | مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ | فَعِدَّةٌ | اَوْ عَلٰى سَفَرٍ |
|---|---|---|---|---|
| تم لوگوں کے لیے | اللہ چاہتا ہے | دوسرے دنوں سے | تو (اس پر) شمار رکھنا (لازم ہے) | یا کسی سفر میں ہو |

| الْعِدَّةَ | وَلِتُكْمِلُوا | الْعُسْرَ | بِكُمُ | وَلَا يُرِيْدُ | الْيُسْرَ |
|---|---|---|---|---|---|
| گنتی کو | اور تاکہ تم لوگ پورا کرو | سختی | تم لوگوں کے لیے | اور وہ نہیں چاہتا | آسانی |

| هَدٰىكُمْ | عَلٰى مَا | اللّٰهَ | وَلِتُكَبِّرُوا |
|---|---|---|---|
| اس نے ہدایت دی تم کو | اس پر جو | اللہ کی | اور تاکہ تم بڑائی کیا کرو |

| وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ |
|---|
| اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو |

**نوٹ** یہ روزوں کا حتمی حکم ہے۔ اس میں مریض اور مسافر کی رعایت برقرار رکھی گئی ہے لیکن فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنے کی رعایت منسوخ کر دی گئی۔ مزید تفصیل کے لیے معارف القرآن دیکھیں۔

## آیت:186

﴿ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |
| د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | |

**ج و ب**

(ن) **جَوْبًا** (۱) کوئی فاصلہ طے کرنا۔ (۲) کسی چیز کو کاٹنا یا تراشنا۔ ﴿ وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ ﴾ (89/الفجر:9) ''اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں۔''

**جَوَابٌ** اسم ذات ہے۔ کسی بات کا جواب۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''جَوَابُ الْكَلَامِ: کسی کلام کے جواب کو جواب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قائل کے منہ سے نکل کر فضا کو طے کرتا ہوا سننے والے کے کان تک پہنچتا ہے مگر عرف میں ابتداءً کلام کرنے کو جواب نہیں کہتے بلکہ کلام کے لوٹانے پر جواب کا لفظ بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۱، ص: ۲۰۲)۔ ﴿ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ ﴾ (7/الاعراف:82) ''اور نہیں تھا انؑ کی قوم کا جواب مگر یہ کہ تم لوگ نکالو ان کو۔''

(افعال) **اِجَابَةً** (۱) بات کا جواب دینا۔ (۲) کسی کا حکم ماننا یعنی اطاعت کرنا۔ (۳) کسی کی دعا کو قبول کرنا۔ عطا کرنا۔ اللہ کی طرف سے اجابۃ بمعنی قبول کرنا اور عطا کرنا ہے اور بندے کی طرف سے اجابۃ بمعنی اطاعت کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ ﴿ مَا ذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ ﴾ (28/القصص:65) ''کیا جواب دیا تم لوگوں نے رسولوں کو۔'' ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ (27/النمل:62) ''یا کون دعا قبول کرتا ہے مجبور کی جب وہ پکارتا ہے اس کو۔''

**اَجِبْ** ج: اَجِيْبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کہنا مان۔ تو قبول کر۔ ﴿ يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ ﴾ (46/الاحقاف:31) ''اے ہماری قوم تم لوگ کہنا مانو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا۔''

**مُجِيْبٌ** ج: مُجِيْبُوْنَ۔ مُجِيْبِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ماننے والا۔ قبول کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ ﴾ (11/ھود:61) ''یقیناً میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔'' ﴿ وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ ﴾ (37/الصافات:75) ''اور ہم کو نوحؑ نے پکارا اور ہم خوب فریاد کے سننے والے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(استفعال) **اِسْتِجَابَةً** یہ مادہ باب استفعال اور باب افعال میں ہم معنی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ باب استفعال میں جواب دینے، بات ماننے اور قبول کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ترجمے میں یہ فرق واضح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ عموماً اس کے ساتھ ل کا صلہ بھی آتا ہے۔ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ (3/آل عمران:195) ''پس قبول کی ان کی بات ان کے رب نے۔''

**اِسْتَجِبْ** ج: اِسْتَجِيْبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ضرور کہنا مان۔ تو ضرور قبول کر۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ ﴾ (8/الانفال:24) ''اے لوگو جو ایمان لائے! تم لوگ ضرور حکم مانو اللہ کا اور ان رسولؐ کا۔''

## ر ش د

(ن۔س) رَشَادًا، رُشْدًا، رَشَدًا: راہِ حق پر ایسے ثابت قدم ہونا کہ جس میں پختگی ہو اور تذبذب کا نشان تک نہ ہو۔ نیک راہ پر چلنا۔ ہدایت یافتہ ہونا۔ ہدایت پانا۔ سوجھ بوجھ رکھنا۔ اس کی ضد غَیٌّ ہے۔ ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ (21/الانبیاء:51) ''اس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی ہوش مندی بخشی تھی۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''رشد کا معنی ہے صحیح و غلط میں تمیز کر کے صحیح بات یا طریقے کو اختیار کرنا اور غلط بات یا طریقے سے احتراز کرنا۔ رشد کا لفظ محض راست روی کو نہیں بلکہ اُس راست روی کو ظاہر کرتا ہے جو نتیجہ ہو فکرِ صحیح اور عقلِ سلیم کے استعمال کا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص: ۱۶۴)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ۔

رَاشِدٌ: ج: رَاشِدُوْنَ۔ رَاشِدِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (49/الحجرات:7) ''وہ لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

رَشِیْدٌ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہدایت یافتہ۔ نیک چلن۔ رَشِیْدٌ کا لفظ ہر اس کام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قابلِ تحسین اور پسندیدہ ہو۔ ﴿اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴾ (11/ھود:78) ''کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے۔'' ﴿وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ﴾ (11/ھود:97) ''اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

رَشَادٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ نیکی۔ بھلائی۔ ہدایت۔ ﴿وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ﴾ (40/المومن:29) ''اور میں ہدایت نہیں دیتا تم لوگوں کو مگر بھلائی کے راستے کی۔''

رَشَدٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ بھلی راہ۔ نیک راہ۔ ﴿اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (72/الجن:10) ''یا ارادہ کیا ان کے لیے ان کے رب نے نیک راہ کا۔''

رُشْدٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ (۱) نیک راہ۔ ہدایت۔ (۲) سوجھ بوجھ۔ معاملہ فہمی۔ حسنِ تدبیر۔ ﴿قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ (2/البقرۃ:256) ''واضح ہو چکی ہے ہدایت، گمراہی سے۔'' ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ (4/النساء:6) ''پھر اگر تم لوگ پاؤ ان میں کوئی سمجھ بوجھ۔''

نوٹ: رَشَدٌ کا لفظ دنیاوی اور اخروی، دونوں معاملات کے لیے بولا جاتا ہے۔ جبکہ رُشْدٌ کا لفظ عام طور پر اخروی معاملات کے ساتھ مخصوص ہے۔

(افعال) اِرْشَادًا: صحیح راہ بتانا۔ ہدایت دینا۔

مُرْشِدٌ: اسم الفاعل ہے۔ سیدھی راہ بتانے والا۔ ہدایت دینے والا۔ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا﴾ (18/الکہف:17) ''پھر تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی مددگار اور کوئی راہنما۔''

## ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ سَاَلَ سے عَنِّیْ تک شرط ہے جب کہ فَاِنِّیْ سے اِذَا دَعَانِ تک جوابِ شرط ہے سَاَلَ کا فاعل عِبَادِیْ ہے اور كَ اس کی ضمیر مفعولی ہے اور عَنِّیْ متعلق فعل ہے۔ فَاِنِّیْ میں 'فَ' جوابِ شرط کے لیے ہے، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، ضمیر یْ اس کا اسم ہے اور قَرِیْبٌ اس کی خبر اوّل ہے۔ اُجِیْبُ سے دَعَانِ تک جملہ فعلیہ خبر ثانی ہے۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ مرکب اضافی ہے اور اُجِیْبُ کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے۔ اَلدَّاعِ پر لام جنس ہے نِ دراصل نِیْ ہے جو دَعَا کی ضمیر مفعولی ہے۔ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا اور وَلْیُؤْمِنُوْا فعل امر غائب ہیں۔ ان کے فاعل هُمْ ضمیریں ہیں، جو عِبَادِیْ کے لیے ہیں۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، هُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ یَرْشُدُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرة:186 |

| وَاِذَا | سَاَلَكَ | عِبَادِيْ | عَنِّيْ | فَاِنِّيْ | قَرِيْبٌ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جب بھی | پوچھیں آپ ؐ سے | میرے بندے | میرے بارے میں | تو (اُنہیں بتائیں) یقینا میں تو | قریب ہوں |

| اُجِيْبُ | دَعْوَةَ الدَّاعِ | اِذَا | دَعَا | نِ |
|---|---|---|---|---|
| میں قبول کرتا ہوں | ہر دعا کرنے والے کی دعا کو | جب بھی | وہ دعا مانگتا ہے | مجھ سے |

| فَلْيَسْتَجِيْبُوْا | لِيْ | وَلْيُؤْمِنُوْا | بِيْ |
|---|---|---|---|
| پس چاہیے کہ وہ لوگ حکم مانیں | میرا | اور چاہیے کہ وہ لوگ ایمان لائیں | مجھ پر |

| لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ |
|---|
| تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں |

**نوٹ** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''عَنِّيْ، اِنِّيْ، اُجِيْبُ، دَعَانِ۔ متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ رہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت، عظمت، قوت کا مظہر ہے اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ والتفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دعا کی ترغیب وتشویق بھی نکل آئی اور اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ دعا بندہ کا کوئی سرتا سر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اُس کے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۹۱)۔

## آیت: 187

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ل ل: البقرة آیت 168 دیکھیں۔ | ل ی ل: البقرة آیت 51 دیکھیں۔ | ص و م: البقرة آیت 183 دیکھیں۔ |
| ل ب س: البقرة آیت 42 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | ت و ب: البقرة آیت 37 دیکھیں۔ |
| ع ف و: البقرة آیت 52 دیکھیں۔ | ب ش ر: البقرة آیت 25 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرة آیت 90 دیکھیں۔ |
| ك ت ب: البقرة آیت 2 دیکھیں۔ | ء ك ل: البقرة آیت 35 دیکھیں۔ | ش ر ب: البقرة آیت 60 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرة آیت 68 دیکھیں۔ | ف ج ر: البقرة آیت 60 دیکھیں۔ | ت م م: البقرة آیت 124 دیکھیں۔ |
| ع ك ف: البقرة آیت 125 دیکھیں۔ | س ج د: البقرة آیت 34 دیکھیں۔ | ق ر ب: البقرة آیت 35 دیکھیں۔ |
| و ق ی: البقرة آیت 2 دیکھیں۔ | | |

ر ف ث

(س) رَفَثًا، رُفُثًا بنیادی مفہوم ہے فحش بات کرنا۔ پھر کنایۃً جماع کرنے اور مباشرت کرنے کے لیے بھی آتا ہے اور ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ لگتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَفَثٌ اسم ذات بھی ہے۔ فحش کلام۔ وہ کلام جو جماع اور جماع پر ابھارنے والی چیزوں کے ذکر پر مشتمل ہو اور جن کا بیان کرنا عام طور پر برا سمجھا جاتا ہے۔ لغات القرآن کے مطابق رفث کے معنی عورتوں سے صحبت کرنے، بوسہ لینے، اشارے کرنے اور فحش بات کے ذریعے عورت کو چھیڑنے کے ہیں۔ (لغات القرآن، ج ۳، ص: ۸۸)۔ چنانچہ یہ لفظ ایک جامع لفظ ہے اور میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے سارے درجے اس میں شامل ہیں۔ اسی لیے عربی میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔ اَلرَّفَثُ کَلِمَۃٌ جَامِعَۃٌ لِّکُلِّ مَا یُرِیْدُ الرَّجُلُ مِنْ اِمْرَاَتِہٖ۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۲۷)۔ اس کے ساتھ جب اِلٰی کا صلہ آئے تو اس سے مراد بیوی سے صحبت کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رَفَثُ کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے (یعنی اِلٰی کے صلے کے ساتھ) تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۹۲)۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ﴾ (2/البقرہ :197) ''تو نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے حج میں۔'' آیت زیر مطالعہ کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''رَفَثٌ کے لفظی معنی اگرچہ عام ہیں، ایک مرد بی بی سے اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے جو کچھ کرتا یا کہتا ہے وہ سب اس میں شامل ہے لیکن باتفاق امت اس جگہ اس سے مراد جماع ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۴۵۴)۔ ایسے الفاظ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بھی یاد رہے کہ ''حق تعالیٰ حیا والے ہیں، کریم ہیں، کنایہ سے کام لیتے ہیں، جہاں کہیں قرآن مجید نے مباشرۃ، ملامسۃ، افضاء، دخول اور رفث کا ذکر فرمایا ہے اس سے جماع مراد لیا ہے۔'' (لغات، ج ۳، ص: ۸۸)۔

خ و ن

(ن) خَوْنًا، خِیَانَۃً عہد شکنی کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''خیانت اور نفاق دونوں ہم معنی ہیں مگر خیانت کا لفظ عہد اور امانت کا لحاظ نہ کرنے پر بولا جاتا ہے اور نفاق دین کے متعلق بولا جاتا ہے۔ پھر خیانت کے معنی خفیہ طور پر عہد شکنی کر کے حق کی مخالفت کرنے کے بھی آتے ہیں اس کی ضد امانت ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۱، ص: ۳۲۴)۔ ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ﴾ (8/الانفال:71) ''وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے۔''

خِیَانَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ عہد شکنی۔ خیانت۔ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً﴾ (8/الانفال:58) ''اور اگر تمہیں خوف ہو کسی قوم سے عہد شکنی کا۔''

خَائِنٌ ج: خَائِنُوْنَ۔ خَائِنِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر کا صیغہ۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ خیانت کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ﴾ (8/الانفال:58) ''یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

خَائِنَۃٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ وعدہ خلافی کرنے والی۔ خیانت کرنے والی۔ خَائِنَۃٌ کا لفظ بطور مصدر بمعنی خیانت کرنا بھی استعمال ہو جاتا ہے، جیسے کَافِیَۃٌ، عَافِیَۃٌ اور طَاغِیَۃٌ کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح بعض کے نزدیک خَائِنَۃٌ میں ۃ مبالغے کے لیے ہے جیسے علامۃ۔ مطلب ہوگا بہت زیادہ خیانت کرنے والا، وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ﴾ (5/المائدۃ:13) ''اور ہمیشہ آپؐ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:

''خائنۃ سے مراد خیانت ہے اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ خائنۃ کا اطلاق کبھی علامہ ونسابہ کی طرح مبالغہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی،ص:۲۷۸)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''خائنۃ خیانت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور لغت میں اسم فاعل بمعنی مصدر استعمال ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ صفت ہو اور اس کا موصوف طائفۃ محذوف ہو'' (ضیاء القرآن، ج ۴،ص:۲۵۱)۔ ﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ﴾ (40/مومن:19) ''(اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''وہ آنکھوں کی خیانت کو......(خوب) جانتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

خَوَّانٌ: فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار وعدہ خلافی کرنے والا۔ خیانت کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ (22/الحج:38) ''بے شک اللہ محبت نہیں کرتا بار بار وعدہ خلافی کرنے والے سے، انتہائی ناشکری کرنے والے سے۔''

(افتعال) اِخْتِيَانًا: خیانت کرنا۔ خیانت کرنے کے لیے کوئی حیلہ یا بہانہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ نیز فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ (4/النساء:107) ''اور مت جھگڑیں آپؐ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اَلْـٰٔنَ** اب۔ ظرف زمان ہے اور مبنی بر فتح۔ الف لام، اس پر بعض کے نزدیک تعریف کا اور بعض کے نزدیک زائدہ اور لازم ہے۔ (لغات القرآن، ج ۱،ص:۲۱۰)۔

**خ ی ط**

(ض) خَيْطًا: کپڑا سینا۔

خَيْطٌ: اسم ذات بھی ہے۔ دھاگہ۔ ڈوری۔ دھاری۔ آیت زیر مطالعہ۔ قرآن مجید میں اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ سے صبح کی سفیدی اور اَلْخَيْطُ الْاَسْوَدُ سے رات کی تاریکی مراد ہے۔

خِيَاطٌ: اسم ذات ہے۔ سوئی۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (7/الاعراف:40) ''یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں۔''

**ب ی ض**

(ض) بَيْضًا: پرندے کا انڈا دینا۔ کسی چیز پر سفیدی کا غالب ہونا۔

بَيْضٌ: اسم جنس بھی ہے۔ انڈا۔ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ (37/الصافات:49) ''جیسے کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔''

اَبْيَضُ: مؤنث: بَيْضَآءُ۔ ج: بِيْضٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت ہے۔ سفید رنگ والا یعنی سفید۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ (26/الشعراء:33) ''اور انہوںؑ نے نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔'' ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ﴾ (35/فاطر:27) ''اور پہاڑوں میں سفید گھاٹیاں ہیں۔'' بِيْضٌ، مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

(اِفْعِلَالٌ) اِبْيِضَاضٌ: سفید ہو جانا۔ ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ (12/یوسف:84) ''اور سفید ہو گئیں ان کیؑ دونوں آنکھیں غم سے۔'' ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ﴾ (3/آل عمران:106) ''اس دن روشن ہوں گے کئی چہرے۔''

| س | و | د |
|---|---|---|

(ن) سَوْدًا بزرگ ہونا۔ کسی گروہ یا قوم کا سردار ہونا۔

سَیِّدٌ ج: سَادَۃٌ۔ سردار۔ آقا۔﴿ وَ اَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ ط﴾ (12/ یوسف:25)''اور وہ دونوں ملے عورت کے آقا یعنی شوہر سے دروازے کے پاس۔''﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ﴾ (33/ الاحزاب:67) ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے بھٹکایا ہم کو اس راستے سے۔''

(س) سَوْدًا سیاہ ہونا۔ کالا ہونا۔

اَسْوَدُ ج: سُوْدٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت ہے۔ کالے رنگ والا یعنی کالا۔ آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴾ (35/ فاطر:27)''اور بعض حصے انتہائی سیاہ ہیں۔''

(اِفْعِلَالٌ) اِسْوِدَادٌ کالا ہو جانا۔﴿ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج﴾ (3/ آل عمران:106)''جس دن روشن ہو جائیں گے کئی چہرے اور سیاہ پڑ جائیں گے کئی چہرے۔''

مُسْوَدٌّ مؤنث: مُسْوَدَّۃٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سیاہ پڑنے والا۔ کالا ہونے والا۔﴿ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ﴾ (16/ النحل:58)''تو غم سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔''﴿ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّۃٌ ط﴾ (39/ الزمر:60)''جن لوگوں نے جھوٹ کہا اللہ پر ان کے چہرے سیاہ پڑنے والے ہیں۔''

**نوٹ** مادہ ''ب ی ض'' اور ''س و د'' کی لغت میں ثلاثی مزید فیہ کے باب اِفْعِلَالٌ کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس باب کا استعمال نسبتاً کم ہوا ہے اس لیے ''آسان عربی گرامر'' میں یہ نہیں پڑھایا گیا۔ اس کے ماضی، مضارع اور مصدر کا وزن یہ ہے۔ اِفْعَلَّ ۔ یَفْعَلُّ۔ اِفْعِلَالًا۔ اس کی ابتداء میں ہمزۃ الوصل ہے۔ یہ باب زیادہ تر افعل الوان وعیوب کے لیے آتا ہے اور اس میں مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ صفت میں تبدیل ہو جانا یا اس صفت کا حامل ہو جانا۔

| ح | د | د |
|---|---|---|

(ض) حَدًّا، حَدَادًا، حِدَّۃً (۱) غضبناک ہونا۔ (۲) چھری کا تیز ہونا۔ باریک دھار ہونا۔ (۳) چھری تیز کرنا۔

(ن) حَدًّا، حَدَادًا کسی چیز کی حد مقرر کرنا۔ حد جاری کرنا۔ جدا کرنا۔ روکنا۔

حَدٌّ ج: حُدُوْدٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کی انتہاء۔ دو چیزوں کے درمیان ایسی روک جو ان کو باہم ملنے سے روک دے۔ آڑ۔ حد۔ حَدُّ الدَّارِ: مکان کی حد، جس کی وجہ سے وہ دوسرے مکان سے الگ ہوتا ہے۔ حُدُوْدُ اللّٰهِ: اللہ کی حدود۔ اس سے مراد احکام الٰہی ہیں۔﴿ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط﴾ (9/ التوبۃ:112)''اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی۔'' شراب اور زنا کی سزا کو حد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اس کا دوبارہ ارتکاب کرنے سے انسان کو روکتی ہیں اور دوسروں کو بھی اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے سے روک دیتی ہیں۔

حَدِیْدٌ ج: حِدَادٌ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔
(۱) لوہا۔ ﴿ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ط﴾ (18/ الکہف:96)''تم لوگ لاؤ میرے پاس لوہے کے تختے۔''﴿ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ﴾ (57/ الحدید:25)''اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو۔''
(۲) تیز۔ ہر وہ چیز جو بلحاظ خلقت یا بلحاظ معنی تیز ہو۔ عربی زبان میں نگاہ اور بصیرت کی صفت میں حدید کا لفظ بولا جاتا

ہے۔ هُوَ حَدِيْدُ النَّظَرِ وہ نظر کا تیز ہے۔ هُوَ حَدِيْدُ الْفَهْمِ وہ تیز فہم ہے، قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾ (50/قٓ:22) ''پس تیری بصارت آج تیز ہے۔'' جب زبان تیزی کے لحاظ سے لوہے کی سی تاثیر رکھتی ہو تو اس کی صفت حدید آ جاتی ہے۔ جیسے اَلْسِنَةٍ حِدَادٍ۔ (الاحزاب:19)۔ ایسی صورت میں یہ حِدَّةٌ سے مشتق ہے۔

(مفاعلہ) مُحَادَّةً، حِدَادًا باہم مخالفت کرنا۔ دشمنی رکھنا۔ جھگڑا کرنا۔ ﴿ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ (58/المجادلہ:22) ''جو اللہ اور رسول کی مخالفت کرتا ہو۔'' ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴾ (58/المجادلہ:20) ''بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''مُحَادَّةً، ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو، گویا دونوں دو کناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔'' (احسن البیان، ص: ۱۵۵۱)۔

**ترکیب**

اُحِلَّ ماضی مجہول ہے اور الرَّفَثُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جب کہ لَيْلَةَ ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ هُنَّ اور اَنْتُمْ مبتداء ہیں اور لِبَاسٌ خبر ہے۔ عَلِمَ فعل، اَللّٰهُ فاعل اور جملہ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ كُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اس کی خبر ہے۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ میں تَابَ فعل ہے اور عَلَيْكُمْ متعلق فعل۔ تَابَ، عَلٰى کے صلے کے ساتھ آیا ہے اس لیے اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے فضل و کرم سے کسی کی طرف متوجہ ہونا۔ اسی طرح عَفَا فعل اور عَنْكُمْ متعلق فعل ہے۔ بَاشِرُوْ فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ وَابْتَغُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے۔ مَا اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اِبْتَغُوْا کا مفعول ہے۔ كُلُوْا اور اِشْرَبُوْا بھی فعل امر کے صیغے ہیں۔ حَتّٰى کی وجہ سے يَتَبَيَّنَ منصوب ہے اور اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اس کا فاعل ہے۔ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ اور مِنَ الْفَجْرِ متعلق فعل ہیں۔ اَتِمُّوا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور اَلصِّيَامَ اس کا مفعول ہے۔ اِلَى الَّيْلِ متعلق فعل ہے اور دو لام کے بجائے یعنی اللَّيْل، ایک لام سے لکھا گیا ہے، یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ لَا تُبَاشِرُوْ فعل نہی ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ فِي الْمَسٰجِدِ متعلق خبر ہے۔ تِلْكَ مبتدا اور حُدُوْدُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ لَا تَقْرَبُوْا فعل نہی ہے اور هَا اس کا مفعول ہے۔ يُبَيِّنُ کا فاعل لفظ اَللّٰهُ ہے، اٰيٰتِهٖ اس کا مفعول ہے اور لِلنَّاسِ متعلق فعل ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے هُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ يَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:187**

| اُحِلَّ | لَكُمْ | لَيْلَةَ الصِّيَامِ | الرَّفَثُ | اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ ؕ | هُنَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| حلال کر دیا گیا | تمہارے لیے | روزوں کی رات میں | بے حجاب ہونا | اپنی عورتوں سے | وہ |

| لِبَاسٌ | لَّكُمْ | وَاَنْتُمْ | لِبَاسٌ | لَّهُنَّ ؕ | عَلِمَ | اللّٰهُ | اَنَّكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| لباس ہیں | تمہارے لیے | اور تم | لباس ہو | ان کے لیے | جانا | اللہ نے | کہ تم |

| كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ | اَنْفُسَكُمْ | فَتَابَ | عَلَيْكُمْ | وَعَفَا |
|---|---|---|---|---|
| خیانت کیا کرتے تھے | اپنے آپ سے | تو اس نے نظر کرم فرمائی | تم پر | اور اس نے درگزر کیا |

| عَنْكُمْ ج | فَالْـٰٔنَ | بَاشِرُوْ | هُنَّ | وَابْتَغُوْا | مَا | كَتَبَ اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تم سے | تو اب | تم لوگ مباشرت کرو | ان سے | اور تم لوگ تلاش کرو | اس کو جو | اللہ نے لکھا |

| لَكُمْ | وَكُلُوْا | وَاشْرَبُوْا | حَتّٰى | يَتَبَيَّنَ | لَكُمُ |
|---|---|---|---|---|---|
| تمہارے لیے | اور تم لوگ کھاؤ | اور پیو | یہاں تک کہ | واضح ہو جائے | تمہارے لیے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ | مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ | مِنَ الْفَجْرِ ۠ | ثُمَّ اَتِمُّوا | الصِّيَامَ | اِلَى الَّيْلِ |
| سفید دھاگہ | کالے دھاگے سے | فجر میں | پھر تم پورا کرو | روزے کو | رات تک |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَلَا تُبَاشِرُوْ | هُنَّ | وَ | اَنْتُمْ | عٰكِفُوْنَ | فِي الْمَسٰجِدِ ۭ |
| اور تم لوگ مباشرت مت کرو | ان سے | اس حال میں کہ | تم | اعتکاف کرنے والے ہو | مسجدوں میں |

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تِلْكَ | حُدُوْدُ اللّٰهِ | فَلَا تَقْرَبُوْ | هَا | كَذٰلِكَ | يُبَيِّنُ اللّٰهُ | اٰيٰتِهٖ |
| یہ | اللہ کی حدود ہیں | تم لوگ قریب مت جاؤ | ان کے | اس طرح | اللہ واضح کرتا ہے | اپنی نشانیوں کو |

| | | |
|---|---|---|
| لِلنَّاسِ | لَعَلَّهُمْ | يَتَّقُوْنَ |
| لوگوں کے لیے | تاکہ وہ | تقویٰ اختیار کریں |

**نوٹ** آیت کی تفسیر کے لیے معارف القرآن دیکھیں۔

## آیت: 188

﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ﴾

ع ک ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ب ط ل: البقرۃ آیت 42 دیکھیں۔ ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔
ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔

**د ل و**

(ن) دَلْوًا (۱) کنویں میں ڈول ڈال کر کھینچنا۔ (۲) نرمی و مہربانی کا سلوک کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں دَلَوْتُ بِفُلَانٍ اِلَيْكَ میں نے فلاں کو تیرے پاس سفارشی بنایا۔

دَلْوٌ اسم ذات بھی ہے۔ ڈول۔ ﴿ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ ﴾ (12/یوسف:19) ''تو اس نے کنویں میں لٹکایا اپنا ڈول''

(افعال) اِدْلَاءً اس کا بنیادی مفہوم ہے اوپر سے کسی چیز کو نیچے لانا، کنویں میں ڈوال لٹکانا یا ڈول بھر کر نکالنا۔ ﴿ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ ﴾ (12/یوسف:19) ''تو اس نے کنویں میں لٹکایا اپنا ڈول'' پھر مجازاً اس کے معنی کسی چیز کو کہیں پہنچانے یا کسی چیز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی کو ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے بھی آ جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ﴾ (2/البقرۃ:188) ''اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ادلاء کے معنی اوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار و نزول مرتبہ اور حیثیت کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے اور مکان مادی کے اعتبار سے بھی۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۳۶۶)۔

(تفعیل) تَدْلِيَةً کسی چیز کو اوپر سے نیچے لے جانا۔ یہ مرتبہ کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے اور مادی اعتبار سے بھی۔ پھر اس کے معنی بہلا پھسلا کر کسی کو گمراہ کرنے کے بھی ہیں۔ ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ ﴾ (7/الاعراف:22) ''پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو

دھوکہ سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''تَدْلِیَۃٌ اور اِدْلَاءٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ گویا شیطان ان کو مرتبہ علیا سے اتار کر ممنوعہ درخت کا پھل کھانے تک لے آیا۔'' (احسن البیان،ص:۴۱۱)۔

(تفعّل) تَدَلّٰی لٹکانا۔اُترنا۔﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴾(53/النجم:8)''پھر وہ نزدیک ہوا اور وہ اتر آیا۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تَدَلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنویں میں لٹایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں اَدْلٰی دَلْوًا۔اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔الدوالی: الثمر المعلق کعنا قید العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دَلّٰی رِجْلَیْہِ مِنَ السَّرِیْرِ۔(روح المعانی)۔آیت ھذا میں اس سے مراد ہے حضرت جبریلؑ جو اپنی اصل ملکی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے، وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔'' (ضیاء القرآن،ج۵،ص:۱۲)۔

**ترکیب** لَا تَاْكُلُوْا فعل نہی ہے۔اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور اَمْوَالَكُمْ مفعول ہے، جب کہ بَيْنَكُمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔بِالْبَاطِلِ متعلق فعل ہے۔لَا تَاْكُلُوْا کے لائے نہی کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے تُدْلُوْا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔اس طرح یہ بھی فعل نہی ہے۔بِهَا میں ھَا ضمیر اَمْوَالَكُمْ کے لیے ہے۔لِتَاْكُلُوْا کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر ہے۔فَرِيْقًا اس کا مفعول ہے اور یہاں یہ اپنے لغوی مفہوم (حصہ،ٹکڑا) کے معنی میں آیا ہے۔وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔

| ترجمہ | وَلَا تَاْكُلُوْٓا | اَمْوَالَكُمْ | بَيْنَكُمْ | بِالْبَاطِلِ | وَتُدْلُوْا | بِهَآ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:188 | اور تم لوگ مت کھاؤ | اپنے مال | آپس میں | ناحق | اور تم رسائی مت حاصل کرو | اس (مال) سے (رشوت دے کر) |

| اِلَى الْحُكَّامِ | لِتَاْكُلُوْا | فَرِيْقًا | مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ | بِالْاِثْمِ | وَ |
|---|---|---|---|---|---|
| حاکموں تک | تاکہ تم لوگ کھاؤ | کچھ حصہ | لوگوں کے مال کا | گناہ سے | اس حال میں کہ |

| اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ع ﴿۱۸۸﴾ |
|---|
| تم جانتے ہو (کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے) |

**نوٹ:1** فَرِيْقًا: اس کے معنی گروہ کے ہیں پھر کسی چیز کے جزیا حصے کو بھی فریق کہتے ہیں۔

**نوٹ:2** ''اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر جائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے، تو محض کسی قانونی نقص کی وجہ سے اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ اگر عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا تو اس دنیا میں تم اس کے قانونی مالک ہو گے لیکن اللہ کے نزدیک وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔'' (تفہیم القرآن)۔

## آیت: 189

﴿ یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْاَہِلَّۃِ ؕ قُلْ ہِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُہُوْرِہَا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِہَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ھ ل ل: البقرۃ آیت 173 دیکھیں۔ | ب ر ر: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ب ی ت: البقرۃ آیت 125 دیکھیں۔ | ظ ھ ر: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ف ل ح: البقرۃ آیت 5 دیکھیں۔ | |

### و ق ت

(ن) **وَقْتًا** وقت مقرر کرنا۔

**وَقْتٌ** اسم ذات بھی ہے۔ وقت۔ ﴿ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ ﴾ (15/الحجر:38-37) ’’پس بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے معلوم وقت کے دن تک۔‘‘

**مَوْقُوْتٌ** اسم المفعول ہے۔ (۱) مقرر کیا ہوا وقت۔ (۲) ہر وہ چیز جس کے لیے وقت یا عرصہ مقرر کر دیا جائے موقوت کہلاتی ہے۔ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ ﴾ (4/النساء:103) ’’بے شک نماز مومنوں پر مقرر کیے ہوئے وقت پر فرض ہے۔‘‘

**مِیْقَاتٌ** ج: مَوَاقِیْتُ۔ مِفْعَالٌ اسم آلہ کا وزن ہے۔ بنیادی مفہوم ہے وقت کی شناخت کا ذریعہ۔ پھر یہ لفظ تین معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی چیز کا مقررہ وقت۔ یا کسی چیز کی مقررہ مدت۔ (۲) وہ وعدہ جس کے لیے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو۔

(۳) کسی کام کے لیے مقرر کردہ مقام یا کسی کام کو شروع کرنے کی جگہ۔ جیسے میقاتِ حج۔ میقات احرام۔ ﴿ قُلْ ہِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:189) ’’آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لیے حج کے لیے آلہ شناخت اوقات ہیں۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ۚ ﴾ (7/الاعراف:142) ’’سو موسیٰؑ کے پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری ہوئی۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ ﴾ (26/الشعراء:38) ’’تو جمع کیے گئے سب جادوگر ایک معلوم دن کے طے شدہ وقت پر۔‘‘

(تفعیل) **تَوْقِیْتًا** وقت مقرر کرنا۔ مقررہ وقت پر اکٹھا کرنا۔ ﴿ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ ﴾ (77/المرسلات:11) ’’اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اُقِّتَتْ اصل میں وُقِّتَتْ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب واؤ کسی کلمہ کے شروع میں آ رہی ہو اور اس کا ضمہ لازم ہو تو اُسے ہمزہ سے بدلا جا سکتا ہے۔

### ترکیب

یَسْـَٔلُوْنَ فعل ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر ہے، مفعول کَ ضمیر ہے اور عَنِ الْاَہِلَّۃِ متعلق فعل ہے۔ قُلْ فعل امر ہے، ہِیَ مبتداء ہے، مَوَاقِیْتُ اس کی خبر ہے جب کہ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ متعلق خبر ہے۔ اَلْحَجِّ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ لِلنَّاسِ کے حرف جارہ لِ کے زیر اثر ہے۔ لَیْسَ کا اسم اَلْبِرُّ ہے اور بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُہُوْرِہَا پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ تَاْتُوْا فعل ہے اور اَنْ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ اَلْبُیُوْتَ اس کا مفعول ہے اور مِنْ ظُہُوْرِہَا متعلق فعل ہے۔ لٰکِنَّ کا اسم اَلْبِرَّ ہے اور مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اِتَّقٰی اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے اور یہ

مضاف الیہ ہے۔اس کا مضاف بِرُّ محذوف ہے۔پورا جملہ اس طرح ہوتا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ (بلکہ اصل نیکی اس کی نیکی ہے جس نے)۔دونوں جگہ یعنی اَلْبِرُّ اور اَلْبِرَّ پر لام جنس ہے۔وَاْتُوا فعل امر ہے۔اَلْبُیُوْتَ اس کا مفعول ہے اور مِنْ اَبْوَابِهَا متعلق فعل ہے۔اِتَّقُوا فعل امر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے،ضمیر کُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تُفْلِحُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:189 |

| يَسْـَٔلُوْنَكَ | عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ | قُلْ | هِيَ |
|---|---|---|---|
| وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے | نئے چاندوں کے بارے میں (کہ یہ بڑھتے گھٹتے کیوں ہیں) | آپ کہہ دیجیے کہ | یہ |

| مَوَاقِيْتُ | لِلنَّاسِ | وَالْحَجِّ ؕ | وَلَيْسَ الْبِرُّ |
|---|---|---|---|
| آلۂ شناخت اوقات ہیں | لوگوں کے لیے | اور حج کے لیے | اور اصل نیکی یہ نہیں |

| بِاَنْ تَاْتُوا | الْبُيُوْتَ | مِنْ ظُهُوْرِهَا | وَلٰكِنَّ الْبِرَّ | مَنِ |
|---|---|---|---|---|
| کہ تم لوگ آؤ | گھروں میں | ان کی پشت کی طرف سے | اور لیکن (بلکہ) اصل نیکی | اس کی (نیکی) ہے جس نے |

| اتَّقٰى ۚ | وَاْتُوا | الْبُيُوْتَ | مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ | وَاتَّقُوا اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|
| تقویٰ اختیار کیا | اور تم لوگ آؤ | گھروں میں | ان کے دروازوں سے | اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو |

| لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ |
|---|
| شائد کہ تم کامیاب ہو جاؤ |

**نوٹ:1** ”چاند کا گھٹنا بڑھنا ایک ایسا منظر ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔اس لیے اس کے متعلق طرح طرح کے اوہام دنیا میں رائج رہے ہیں اور اب تک رائج ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے کہ چاند میں کمی وبیشی کا کوئی اثر انسان کی قسمت پر پڑتا ہے۔اہلِ عرب میں بھی ایسے اوہام پائے جاتے تھے جن کی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئی۔جواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک قدرتی کیلنڈر ہے۔“ (تفہیم القرآن)

**نوٹ:2** حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے سوالات بہت کم کیے ہیں،اور ان کے جن سوالات کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ کل چودہ ہیں،جن میں ایک سوال اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ ہے،دوسرا یہ ہے،اور ان کے بعد سورۂ بقرہ میں ہی چھ سوال اور مذکور ہیں جب کہ باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔(معارف القرآن)

**نوٹ:3** اس آیت کے لَيْسَ الْبِرُّ والے جز سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس چیز کو اسلام نے عبادت یا ضروری قرار نہیں دیا اسے اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں ہے۔اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے۔بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔(معارف القران)

## آیت:190

﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾

ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ س ب ل: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔
ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔

**ترکیب** قَاتِلُوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے جب کہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یُقَاتِلُوْنَکُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر اس کا مفعول ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ متعلق فعل ہے۔ اِنَّ کا اسم لفظ اَللّٰہَ ہے اور لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔

| وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ | یُقَاتِلُوْنَکُمْ | الَّذِیْنَ | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ | وَقَاتِلُوْا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور زیادتی مت کرو | لڑتے ہیں تم سے | ان لوگوں سے جو | اللہ کی راہ میں | اور تم لڑو | البقرۃ:190 |

| الْمُعْتَدِیْنَ | لَا یُحِبُّ | اِنَّ اللّٰہَ |
|---|---|---|
| زیادتی کرنے والوں سے | محبت نہیں کرتا | بے شک اللہ |

**نوٹ:1** وَلَا تَعْتَدُوْا کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حد شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا فتحمندی کے زور میں بے تحاشا غنیم کے مصافی وغیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگا دی جائے، اُن کے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جانے لگیں، وقس علیٰ ہذا، قرآن نے دنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بدعہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پرواہ نہ کی جائے اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کر کے ہلہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کر دیا جائے۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۹۷)۔

**نوٹ:2** اس آیت کی شانِ نزول کے لیے تفسیر عثمانی دیکھیں۔

## آیت:191

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾﴾

ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ حَیْثُ: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔
ف ت ن: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ ش د د: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ ج ز ی: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔
ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

**ث ق ف**

(س) **ثَقِفًا** اور **ثَقْفًا** (۱) اس کے بنیادی معنی ہیں مہارت نظر سے کسی چیز کو پالینا پھر محض کسی چیز کو پالینا، اس پہ غالب آنا اور قابو کر لینا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اپنے عام معنی اور جنگ میں دشمن پر قابو پالینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ عام معنی میں فرمایا: ﴿ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡٓا ﴾ (3/آل عمران:112) ''مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت (ورسوائی) جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں۔'' ﴿ اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً ﴾ (60/الممتحنۃ:2) ''اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں۔'' اور جنگ میں دشمن پر قابو پالینے کے معنی میں آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔ نیز فرمایا: ﴿ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى الۡحَـرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ ﴾ (8/الانفال:57) ''پس اگر آپ پائیں انہیں (میدانِ) جنگ میں تو (انہیں عبرتناک سزا دے کر) منتشر کر دو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) کسی کام کو مہارت سے کرنا۔ (۳) کامیاب ہونا۔

**ترکیب** اس آیت میں **هُمْ** ضمیریں گزشتہ آیت کے **اَلَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ** کے لیے ہیں۔ **اُقۡتُلُوۡا** اور **اَخۡرِجُوۡا** فعل امر کے صیغے ہیں اور **هُمْ** ضمیریں مفعول ہیں۔ **اَلۡفِتۡنَةُ** مبتداء ہے، **اَشَدُّ** تفضیل بعض ہے اور خبر ہے۔ **مِنَ الۡقَتۡلِ** متعلق خبر ہے۔ **لَا تُقٰتِلُوۡا** فعل نہی ہے۔ **فِيۡهِ** میں **ہٖ** ضمیر مسجد حرام کے لیے ہے۔ **فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ** شرط ہے اور **فَاقۡتُلُوۡهُمۡ**، جواب شرط ہے۔ **جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ** مرکب اضافی ہے اور مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور **كَذٰلِكَ** قائم مقام خبر مقدم ہے۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:191**

| وَاقۡتُلُوۡهُمۡ | حَيۡثُ | ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ | وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ | مِّنۡ حَيۡثُ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم لوگ قتل کرو ان کو | جہاں کہیں | تم پاؤ ان کو | اور نکالو ان کو | جہاں سے |

| اَخۡرَجُوۡكُمۡ | وَالۡفِتۡنَةُ | اَشَدُّ | مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ | وَلَا تُقٰتِلُوۡ |
|---|---|---|---|---|
| انہوں نے نکالا تم کو | اور فتنہ | زیادہ سخت ہے | قتل سے | اور تم جنگ مت کرو |

| هُمۡ | عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ | حَتّٰى | يُقٰتِلُوۡكُمۡ | فِيۡهِ ۚ | فَاِنۡ |
|---|---|---|---|---|---|
| ان سے | مسجد حرام کے پاس | یہاں تک کہ | وہ جنگ کریں تم سے | اس میں | پس اگر |

| قٰتَلُوۡكُمۡ | فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ | كَذٰلِكَ | جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ |
|---|---|---|---|
| وہ لڑیں تم سے (اس میں) | تو پھر تم قتل کرو ان کو (اس میں) | یہی | ایسے کافروں کی سزا ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فتنے کا لفظ اُسی معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں انگریزی کا لفظ PERSECUTION استعمال ہوتا ہے، یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بنا پر ظلم وستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج الوقت خیالات ونظریات کی جگہ کچھ دوسرے خیالات ونظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید وتبلیغ کے ذریعے سے سوسائٹی کے موجود الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج۱، ص:۱۵۰)۔

## آیت:192

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾﴾

غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

**ن ھ ی**

| | | |
|---|---|---|
| (ک) | نَهَايَةً | عقل مند ہونا۔ ذہین ہونا۔ |
| (ف) | نَهْيًا | کسی کام سے منع کرنا۔ روکنا۔ ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (29/العنکبوت:45) ''بے شک نماز روکتی ہے بے حیائیوں اور برائی سے۔'' |
| | اِنْهَ | فعل امر ہے۔ تو منع کر۔ تو روک۔ ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (31/لقمان:17) ''اور تو حکم دے نیکی کا اور منع کر برائی سے۔'' |
| | نَاهٍ | ج: نَاهُوْنَ۔ نَاهِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ منع کرنے والا۔ ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (9/التوبۃ:112) ''حکم دینے والے نیکی کا اور منع کرنے والے برائی سے۔'' |
| | نُهْيَةٌ | ج: نُهٰى۔ اسم ذات ہے۔ بری باتوں سے روکنے والی عقل۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع﴾ (20/طٰہٰ:54) ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''نُهٰى، نُهْيَةٌ کی جمع ہے، بمعنی عقل، اُولُو النُّهٰى، عقل والے۔ عقل کو نُهْيَةٌ اور عقل مند کو ذُوْنُهْيَةٍ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر اسی کی رائے پر معاملہ انتہا پذیر ہوتا ہے، یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، يَنْهَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْقَبَائِحِ۔ (فتح القدیر بحوالہ احسن البیان، ص: ۸۶۲)۔ |
| (تفاعل) | تَنَاهِيًا | باہم ایک دوسرے کو روکنا۔ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ﴾ (5/المائدۃ:79) ''وہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکا کرتے تھے برائی سے۔'' |
| (افتعال) | اِنْتِهَاءً | (۱) کسی ممنوع کام سے رک جانا۔ باز آنا۔ (۲) انتہا کو پہنچنا۔ ﴿اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾ (8/الانفال:38) ''اگر وہ لوگ باز آجائیں تو انہیں معاف کردیا جائے گا۔'' |
| | اِنْتَهِ | ج: اِنْتَهُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو باز آ۔ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ﴾ (4/النساء:171) ''اور تم لوگ مت کہو کہ تین ہیں (یعنی اللہ تین ہیں) تم لوگ باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے۔'' |
| | مُنْتَهٍ | ج: مُنْتَهُوْنَ۔ مُنْتَهِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ رُکنے والا۔ باز آنے والا۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾ (5/المائدہ:91) ''تو کیا تم لوگ باز آنے والے ہو۔'' |
| | مُنْتَهٰى | اسم المفعول ہے جو ظرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی (۱) بطور ظرف مکان یعنی آخری حد، انتہا، اختتام، رکنے کی جگہ۔ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾﴾ (53/النجم:14) ''سدرہ المنتہیٰ کے پاس۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''سدرۃ، عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ مُنْتَهٰى آخری کنارہ، آخری سرحد، اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۱۴)۔ ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ ط﴾ (79/النازعات:44) ''آپؐ کے رب تک اس کی انتہاء ہے۔'' (۲) بطور ظرف زمان بمعنی آخری وقت۔ (۳) مُنْتَهٰى مصدر میمی بھی ہے بمعنی انتہا کو پہنچنا۔ |

**ترکیب** فَاِنِ انْتَھَوْا شرط ہے اور فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جواب شرط ہے۔ اِنْتَھَوْا فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس لیے اس پر حرف شرط اِنْ نے کوئی عمل نہیں کیا ہے۔

| ترجمہ | فَاِنِ | انْتَھَوْا | فَاِنَّ اللّٰہَ | غَفُوْرٌ | رَّحِیْمٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:192 | پس اگر | وہ لوگ باز آ جائیں | تو یقیناً اللہ | بے انتہا بخشنے والا ہے | ہر حال میں رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** فَاِنِ انْتَھَوْا (پس اگر وہ لوگ باز آ جائیں) کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی مسلمان ہوں اور شرکت سے باز آ جائیں تو توبہ قبول ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص: ۳۷)۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''پھر اگر (بعد شروع قتال کے بھی) وہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ اپنے کفر سے) باز آ جاویں (اور اسلام قبول کر لیں) تو (ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جاوے گا بلکہ) اللہ تعالیٰ (ان کے گزشتہ کفر کو) بخش دے گا اور (مغفرت کے علاوہ بے شمار نعمتیں دے کر ان پر) مہربانی (بھی) فرما دیں گے۔''

## آیت:193

﴿وَ قٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ف ت ن: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | د ی ن: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ن ھ ی: البقرۃ آیت 192 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ترکیب** قٰتِلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور ھُمْ اس کا مفعول ہے۔ حَتّٰی کی وجہ سے لَا تَکُوْنَ منصوب ہے اور یہ کَانَ تامّہ ہے۔ فِتْنَۃٌ اس کا فاعل ہے۔ وَ یَکُوْنَ میں وُ عطف کا ہے اور یَکُوْنَ، حَتّٰی پر عطف ہے۔ یہ بھی کَانَ تامّہ ہے اور اَلدِّیْنُ اس کا فاعل ہے۔ لِلّٰہِ متعلق فعل ہے۔ فَلَا عُدْوَانَ پر لائے نفی جنس ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ محذوف خبر کا استثناء ہے۔

| ترجمہ | وَقٰتِلُوْھُمْ | حَتّٰی | لَا تَکُوْنَ | فِتْنَۃٌ | وَّ یَکُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:193 | اور تم لوگ لڑتے رہو ان سے | یہاں تک کہ | نہ رہے | فتنہ | اور (یہاں تک کہ) ہو جائے |

| الدِّیْنُ | لِلّٰہِ ؕ | فَاِنِ انْتَھَوْا | فَلَا عُدْوَانَ |
|---|---|---|---|
| دین/ نظام حیات | صرف اللہ کے لیے | پھر اگر وہ لوگ باز آ جائیں | تو کسی قسم کی کوئی زیادتی/ سختی نہیں ہے (ان پر) |

| اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ |
|---|
| مگر ظالموں پر |

**نوٹ:1** اُوپر ترکیب میں کَانَ تامّہ کی بات ہوئی ہے، اسے سمجھ لیں۔ کَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اس لیے عام طور پر اس کا ایک اسم اور ایک خبر ہوتی ہے، تب بات مکمل ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر کوئی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کَانَ فعل ہوتا ہے اور اس کا اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور فعل فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ ایسے کَانَ کو کَانَ تامّہ کہتے ہیں۔

**نوٹ 2:** اس آیت میں ''فتنہ'' کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فتنہ کا لفظ اُوپر کے معنی سے ذرا مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام پر ''فتنے'' سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بجائے کسی اور کے لیے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔ پھر جب ہم لفظ ''دین'' کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں دین کے معنی ''اطاعت'' کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اُس کے احکام وقوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔ پس دین کی اس تشریح سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی وفرماں روائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے، فتنے کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمح نظر یہ ہے کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو، جس میں بندے صرف قانون الٰہی کے مطیع بن کر رہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۵۱)۔

**نوٹ 3:** آیت میں لفظ عُدْوَانَ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''عُدْوَانَ۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاءِ عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء و قس علی ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں (آیت 193 میں) سزائے عدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۹۹)۔ مشاکلت کی مزید وضاحت نوٹ 1 آیت 15 کے تحت دیکھیں۔

## آیت: 194

﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ھ ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ق ص ص: البقرۃ آیت 178 دیکھیں۔ |
| ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ، مرکب توصیفی، مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے، بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ قائم مقام خبر ہے۔ اَلْحُرُمٰتُ مبتداء ہے اور قِصَاصٌ خبر ہے۔ قِصَاصٌ واحد۔ تثنیہ۔ جمع سب کے لیے آتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى شرط ہے، فَاعْتَدُوْا جواب شرط ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور لفظ اللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور جملہ اسمیہ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اس کا مفعول ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے لفظ اللّٰهُ اس کا اسم ہے، خبر محذوف ہے اور مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ظرف ہے اور متعلق خبر ہے۔

**ترجمہ البقرۃ: 194**

| اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ | بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ | وَالْحُرُمٰتُ | قِصَاصٌ ۭ | فَمَنِ |
|---|---|---|---|---|
| حرمت والا مہینہ | حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے | اور ساری حرمتوں میں | (فریقین کے رویے میں) برابری چاہیے | پس جو |

| اعْتَدٰى | عَلَيْكُمْ | فَاعْتَدُوْا | عَلَيْهِ | بِمِثْلِ مَا | اعْتَدٰى |
|---|---|---|---|---|---|
| زیادتی کرے | تم پر | تو تم (بھی) زیادتی کرلو | اس پر | اسی قدر جتنی | اس نے زیادتی کی |

| عَلَيۡكُمۡ ؕ | وَاتَّقُوا اللّٰهَ | وَاعۡلَمُوۡۤا | اَنَّ اللّٰهَ | مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ |
|---|---|---|---|---|
| تم پر | اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو | اور جان لو | کہ اللہ | پرہیزگاروں کے ساتھ ہے |

**نوٹ**

آیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم میں یا حدودِ حرم میں لڑائی بھڑائی ہے تو بہت بڑا گناہ لیکن جب کفار تمہارے لیے اس کی حرمت کا لحاظ نہیں کرتے تو تمہیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ قصاص کے طور پر تم بھی ان کو ان کی حرمت سے محروم کر دو ہر شخص کی جان شریعت میں محترم ہے لیکن جب ایک شخص دوسرے کی جان کا احترام نہیں کرتا، اس کو قتل کر دیتا ہے تو اس کے قصاص میں وہ بھی حرمت جان کے حق سے محروم کر کے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اشہر حرم اور حدودِ حرم کا احترام مسلم ہے۔ بشرطیکہ کفار بھی ان کا احترام ملحوظ رکھیں اور ان میں دوسروں کو ظلم و ستم کا ہدف نہ بنائیں لیکن جب ان کی تلواریں ان مہینوں میں اور اس بلدِ امین میں بے نیام ہوتی ہیں تو وہ سزاوار ہیں کہ ان کے قصاص میں وہ بھی ان کے امن و احترام کے حقوق سے محروم کیے جائیں۔ مزید فرمایا کہ جس طرح اشہر حرم کا یہ قصاص ضروری ہے، اسی طرح دوسری حرمتوں کا قصاص بھی ہے۔ یعنی جس محترم چیز کے حقوقِ حرمت سے وہ تمہیں محروم کریں تم بھی اس کے قصاص میں اس کے حقِ حرمت سے انہیں محروم کرنے کا حق رکھتے ہو۔ پس جس طرح کے اقدامات حرم اور اشہر حرم کی حرمتوں کو برباد کر کے وہ تمہارے خلاف کریں، تم ان کے جواب ترکی بہ ترکی دو۔ البتہ تقویٰ کے حدود کا لحاظ رہے۔ کسی حد کے توڑنے میں تمہاری طرف سے پیش قدمی نہ ہو اور نہ کوئی اقدام حد ضروری سے زائد ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو ہر طرح کے حالات میں اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص:۴۳۶)۔

## آیت:195

﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۖۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾﴾

ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ل ق ی: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔
ح ب ب: البقرۃ آیت 65 دیکھیں۔

**ھ ل ك**

(ض) **هَلَاكًا**: (۱) کسی چیز کا اپنے پاس سے جاتے رہنا۔ (۲) تباہ و برباد ہونا۔ (۳) کسی جاندار کا مرنا۔ ہلاک ہونا۔ ﴿هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ﴿۲۹﴾﴾ (69/الحاقۃ:29) ''برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''میرا غلبہ مجھ سے جاتا رہا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ؕ﴾ (40/المؤمن:34) ''یہاں تک کہ جب اُنؑ کا انتقال ہوا تو تم لوگوں نے کہا ہر گز نہیں بھیجے گا اللہ انؑ کے بعد کوئی رسول۔''

**هَالِكٌ**: ج: هَالِكُوۡنَ۔ هَالِكِيۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہلاک ہونے والا۔ تباہ برباد ہونے والا۔ ﴿كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ﴾ (28/ 88) ''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔'' ﴿اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ (12/یوسف:85) ''یا آپؑ ہو جائیں گے ہلاک ہونے والوں میں سے۔''

**مَهۡلِكٌ**: (۱) اسم الظرف ہے۔ ہلاک ہونے کی جگہ یا وقت ﴿مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ﴾ (27/النمل:49) ''ہم موجود نہیں تھے اس کے گھر والوں کے ہلاک ہونے کے وقت۔'' (۲) مصدر میمی ہے بمعنی ہلاک ہونا۔ (۳) اسم ذات بھی ہے۔ ہلاکت۔ ﴿وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾﴾ (18/الکہف:59) ''اور ہم نے اُن کی ہلاکت کے لیے ایک وقت معین کیا تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

تَهْلُكَةٌ — اسم ذات ہے۔ تباہی۔ بربادی۔ ہلاکت۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِهْلَاكًا — تباہ و برباد کرنا۔ ہلاک کرنا۔ ﴿ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ ﴾ (90/البلد:6) ''میں نے برباد کیا ڈھیروں مال۔'' ﴿ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ (7/الاعراف:155) ''اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا ان کو اس سے پہلے۔''

مُهْلِكٌ — ج: مُهْلِكُوْنَ- مُهْلِكِيْنَ- اسم الفاعل ہے۔ برباد کرنے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ ﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴾ (6/الانعام:131) ''یہ اس لیے کہ نہیں ہے تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا ظلم سے اس حال میں کہ اس کے لوگ غافل ہوں۔'' ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ (29/العنکبوت:31) ''انہوں نے کہا بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں کو۔'' ﴿ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴾ (23/المومنون:48) ''پس انہوں نے اُن دونوں کو جھٹلایا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں سے ہو گئے۔''

**ترکیب**

اَنْفِقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ انفاق کا لفظ مال خرچ کرنے کے لیے ہی آتا ہے اس لیے اَنْفِقُوْا کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا میں لَا تُلْقُوْا فعل نہی کا صیغہ ہے۔ اس کا مفعول اَنْفُسَكُمْ محذوف ہے اور بِاَيْدِيْكُمْ اور اِلَى التَّهْلُكَةِ متعلق فعل ہیں۔ اَحْسِنُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ لفظ اَللّٰهُ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ** — البقرۃ:195

| وَاَنْفِقُوْا | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | وَلَا تُلْقُوْا |
|---|---|---|
| اور تم لوگ مال خرچ کرو | اللہ کی راہ میں | اور تم لوگ مت پھینکو (اپنے آپ کو) |

| بِاَيْدِيْكُمْ | اِلَى التَّهْلُكَةِ | وَاَحْسِنُوْا | اِنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|---|
| اپنے ہاتھوں سے | ہلاکت میں | اور نیکی کرو | یقیناً اللہ |

| يُحِبُّ | الْمُحْسِنِيْنَ |
|---|---|
| محبت کرتا ہے | نیکی کرنے والوں سے |

**نوٹ:1**

''اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کے دین کو قائم کرنے کی سعی و جہد میں مالی قربانیاں کرنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو عزیز رکھو گے، تو یہ تمہارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب اور ذلیل ہو کر رہو گے اور آخرت میں تم سے سخت باز پرس ہوگی۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۵۳)

**نوٹ:2**

''احسان کا لفظ حسن سے نکلا ہے، جس کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو، اُسے بس کر دے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ کرے، اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض طاعت کا درجہ ہے، جس کے لیے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے اور دوسرا درجہ احسان کا درجہ ہے، جس کے لیے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار ہوتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۵۳)

**نوٹ:3**

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا: ''اِنَّ الْاِلْقَاءَ بِالْيَدِ اِلَى التَّهْلُكَةِ هُوَ تَرْكُ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۳۴)

## آیت:196

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى
يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ
اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝١٩٦ ۧ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ت م م: البقرۃ آیت 124 دیکھیں۔ | ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ | ع م ر: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ |
| ی س ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ح ل ل: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ |
| ف د ی: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ص و م: البقرۃ آیت 183 دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ن س ک: البقرۃ آیت 128 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | م ت ع: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| و ج د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ر ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ | ک م ل: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ |
| ح ض ر: البقرۃ آیت 133 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ع ق ب: البقرۃ آیت 143 دیکھیں۔ |

### ح ص ر

(س) **حَصَرًا**: تنگی محسوس کرنا۔ گھٹن محسوس کرنا۔ تنگ دل ہونا۔ ﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ﴾ (4/النساء:90) ”یا وہ لوگ آئیں تمہارے پاس، تنگی محسوس کرتے ہوئے اپنے سینوں میں کہ وہ جنگ کریں تم سے۔“

(ن) **حَصْرًا**: تنگی کرنا۔ گھیرنا۔ روکنا۔

**اُحْصُرْ**: ج: اُحْصُرُوْا۔ باب نَصَرَ سے فعل امر ہے۔ تو گھیر۔ تو قید کر۔ ﴿وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ (9/التوبہ:5) ”اور تم لوگ پکڑو ان کو اور قید کرو ان کو۔“

**حَصِيْرٌ**: فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ روکنے والا۔ تنگ جگہ۔ قید خانہ۔ ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨﴾ (17/بنی اسرائیل:8) ”اور ہم نے بنایا جہنم کو کافروں کے لیے ایک قید خانہ۔“

**حَصُوْرٌ**: فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ اپنے آپ کو بہت قابو میں رکھنے والا۔ باوجود طاقت کے عورتوں کی رغبت نہ رکھنے والا۔ نفس کو لذات سے روکنے والا۔ ﴿وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا﴾ (3/آل عمران:39) ”اور سردار ہو گا اور عورتوں کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہو گا صالحین سے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”حَصُوْرٌ کے معنی عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والا کے ہیں خواہ یہ نامردی کی وجہ سے ہو اور خواہ عفت اور ازالہ شہوت میں مجاہدہ اور ریاضت کی وجہ سے، مگر یہاں دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ یہ لفظ ان (یحییٰؑ) کے لیے بطور مدح کے استعمال ہوا ہے۔“ (مفردات القرآن، ج۱، ص:۲۴۰)۔

(افعال) **اِحْصَارًا**: کسی کو کسی کام سے روک دینا۔ کسی کو گھیر لینا۔ محاصرہ کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”اَلْحَصْرُ وَالْاِحْصَارُ دونوں کے معنی حج سے روک دینے کے ہیں۔ مگر اِحْصَار ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی رکاوٹ کے متعلق بولا جاتا ہے جیسے دشمن کا

سامنے آ کر روک دینا یا مرض وغیرہ کی وجہ سے رک جانا۔ مگر جب وہ رکاوٹ باطنی اسباب جیسے مرض وغیرہ کی وجہ سے ہو تو اس موقع پر حَصْرٌ ہی بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱،ص: ۲۴۰)۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (2/البقرۃ:273) ''صدقات کے مستحق صرف وہ غربا ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

## ح ل ق

(ن)(ض) **حَلْقًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے حلق کاٹنا۔ ذبح کرنا۔ حَلْقٌ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پھر یہ لفظ بال مونڈنے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ حَلَقَ شَعْرَهٗ: اس نے اپنے بال کاٹ دیے۔ عربی میں رَاْسٌ حَلِيْقٌ کا مطلب ہے مونڈا ہوا سر۔ اسی طرح لِحْيَةٌ حَلِيْقَةٌ کا مطلب ہے مونڈی ہوئی داڑھی۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ''اور تم لوگ مت مونڈوا اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنی ٹھکانے پر۔''

**حُلْقُوْمٌ** ج: حَلَاقِيْمُ۔ اسم ذات ہے۔ حلق۔ گلا۔ ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴾ (56/الواقعۃ:83) ''پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) **تَحْلِيْقًا** (۱) اچھی طرح بال مونڈنا۔ (۲) چکر لگانا۔ چنانچہ عربی میں حَلَّقَ الطَّائِرُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں پرندے کا چکر لگا کر اڑنا۔

**مُحَلِّقٌ** ج: مُحَلِّقُوْنَ۔ مُحَلِّقِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونڈنے والا۔ ﴿ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ ﴾ (48/الفتح:27) ''امن میں ہوتے ہوئے، مونڈتے ہوئے اپنے سروں کو۔''

## ب ل غ

(ن) **بُلُوْغًا اور بَلَاغًا** ان الفاظ کا بنیادی مفہوم ہے پہنچنا۔ چنانچہ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''بلوغ اور بلاغ کے معنی انتہائی مقصد اور آخری حد تک پہنچنے کے آتے ہیں خواہ وہ مقصد یا آخری حد کوئی مقام ہو، یا وقت ہو یا اندازہ کیے ہوئے کاموں میں سے کوئی کام ہو۔ کبھی یہ الفاظ محض کسی چیز کے قریب پہنچ جانے پر بھی بولے جاتے ہیں۔'' اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر ان کے معنی، پھل کا پکنا، بالغ ہونا اور کافی ہونا بھی آتے ہیں۔ ﴿ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (6/الانعام:19) ''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اس کو جس کو وہ پہنچا۔'' ﴿ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ (46/الاحقاف:15) ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی شدت کو اور وہ پہنچا چالیس سال کو۔'' صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ''یاد رکھو کہ بَلَغَ کا مادہ کسی باب میں مستعمل ہو، پہنچنے کا مفہوم اس کے اندر ضرور ہوتا ہے۔ صلات، محاورات اور ابواب کے اختلاف سے مرادی معنی میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن مفہوم مشترک ہر جگہ ملحوظ رہتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج۵،ص: ۲۸۳)۔

**بَلَاغٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ بطور مصدر استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی چیز تک پہنچنا۔ کافی ہونا۔ بطور اسم ذات استعمال ہو تو معنی ہوتا ہے ''پیغام''۔ ﴿ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴾ (21/الانبیاء:106) ''یقیناً اس میں ایک پیغام ہے عبادت گزار قوم کے لیے۔'' قرآنِ مجید میں یہ لفظ بمعنی تبلیغ بھی آیا ہے یعنی پیغام پہنچا دینا۔ ﴿ مَا عَلَى

الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ﴾(5/المائدہ:99)''نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے۔''
(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

بَالِغٌ — ج: بَالِغُوۡنَ۔ بَالِغِيۡنَ۔ مؤنث: بَالِغَۃٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پہنچنے والا۔﴿ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ ﴾(65/الطلاق:3)''اور جو بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے کام کو کرنے والا ہے۔''﴿ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ ﴾(6/الانعام:149)''پس اللہ کی ہے پہنچنے والی یعنی سمجھ میں آنے والی کامل دلیل۔''﴿ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴾(7/الاعراف:135) ''پھر جب ہم نے دور کر دیا اُن سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً اُنہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ ﴾ (16/النحل:7)''اور (یہ جانور) اٹھالے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مَبۡلَغٌ — اسم الظرف ہے۔ پہنچنے کی جگہ۔ انتہائی رسائی۔﴿ ذٰلِكَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ ﴾(53/النجم:30)''ان لوگوں کے علم کی رسائی کی حد بھی بس یہی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت میں مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ سے مراد ہے اُن کی علمی انتہا، اُن کے علم کی آخری حد۔

(ک) بَلَاغَۃً — بلیغ ہونا۔ فصیح ہونا، یعنی کسی بات کو اس خوبی سے کہنا کہ سننے والا اُسے اچھی طرح سے سمجھ لے۔

بَلِيۡغٌ — فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بلیغ۔ فصیح۔ صاف واضح بات کرنے والا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:''کسی شئے کے بلیغ ہونے کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شے بذاتہ بلیغ ہو یعنی زبان اور لغت کے اعتبار سے درست ہو، معنی مقصود کے مطابق ہو اور حقیقت کے اعتبار سے سچ ہو۔ ان تینوں اوصاف میں سے اگر ایک وصف بھی کم رہا تو بلاغت میں نقصان رہے گا۔ دوسرے یہ کہ قائل اور مقول لہ یعنی جس سے کہا جائے دونوں کے اعتبار سے بلیغ ہو، مطلب یہ ہے کہ کہنے والا جو کہنا چاہتا ہے اس کو اس خوبی سے ادا کرے کہ جس سے کہا جا رہا ہے وہ اس کو مان لے۔''(لغات القرآن، ج۲،ص:۴۸)۔﴿ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًا ۢ بَلِيۡغًا ﴾(4/النساء:63)''اور اُنہیں وہ بات کہیے جو اُن کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(افعال) اِبۡلَاغًا — پہنچانا۔﴿ لِّيَـعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ ﴾(72/الجن:28)''تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے پہنچا دیا ہے اپنے رب کے پیغامات کو۔''

اَبۡلِغۡ — فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔﴿ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ﴾(9/التوبہ:6)''یہاں تک کہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر اسے پہنچا دو اس کی امن کی جگہ پر۔''

(تفعیل) تَبۡلِيۡغًا — آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ پہنچانا۔﴿ اِلَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ ﴾(33/الاحزاب:39)''وہ لوگ جو پہنچاتے رہتے ہیں اللہ کے پیغامات۔''

بَلِّغۡ — فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔ تو تبلیغ کر۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ ﴾(5/المائدہ:67)''اے رسولؐ آپؐ پہنچاتے رہیں اس کو جو نازل کیا گیا آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔''

**ا ذ ی**

(س) **اَذًی** تکلیف پہنچنا۔ دُکھ پہنچنا۔

**اَذًی** اسم ذات بھی ہے۔(۱) جسمانی یا روحانی تکلیف۔ اذیت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔(۲) گندگی۔﴿ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًی ﴾(2/ البقرۃ:222)''اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ (ایک طرح) کی گندگی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(افعال) **اِیْذَاءً** تکلیف پہنچانا۔ اذیت دینا۔﴿ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی ﴾(33/ الاحزاب:69)''تم لوگ مت ہوان کی طرح جنہوں نے تکلیف دی حضرت موسیٰؑ کو۔''

**اٰذِ** ج: اٰذُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو تکلیف دے۔ دکھ دے۔﴿ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ ﴾(4/ النساء:16)''اور وہ دونوں جو یہ کام کرتے ہیں تو تم لوگ تکلیف دو ان دونوں کو۔''

**اُوْذِیَ** ج: اُوْذُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اسے تکلیف دی گئی۔ اسے ستایا گیا۔ ﴿ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ ﴾(29/ العنکبوت:10)''پھر جب ستایا جائے اسے راہِ خدا میں تو بنالیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ ﴾(3/ آل عمران:195)''اور انہیں تکلیفیں دی گئیں میری راہ میں۔''

**ترکیب** اَتِمُّوْا فعل امر ہے، اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اس کا مفعول ہے اور لِلّٰهِ متعلق فعل ہے۔ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ میں 'ف' استئنافیہ ہے اور اِنْ اُحْصِرْتُمْ شرط ہے اور فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ جواب شرط ہے۔ فَمَا میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے اور مَا اسم موصول ہے، اِسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ اس کا صلہ ہے۔ یہ صلہ موصول مل کر مبتداء ہے جب کہ اس کی خبر اور متعلق خبر وَاجِبٌ عَلَیْكُمْ محذوف ہے۔ لَا تَحْلِقُوْا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور رُءُوْسَكُمْ مفعول ہے۔ یَبْلُغَ فعل لازم ہے اور حَتّٰی کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ اَلْهَدْیُ فاعل ہے اور اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ مَحِلَّهٗ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ آگے فَمَنْ میں 'ف' استئنافیہ ہے اور مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ سے رَاْسِهٖ تک شرط ہے اور فَفِدْیَةٌ جواب شرط ہے۔ مِنْ بیانیہ ہے۔ صِیَامٍ، صَدَقَةٍ اور نُسُكٍ فدیہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ میں 'ف' استئنافیہ ہے اور اِذَا شرطیہ ہے۔ اس کا جواب شرط آگے پورا ایک جملہ ہے جو خود شرط اور جواب شرط پر مشتمل ہے۔ چنانچہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ شرط ہے اور فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ جواب شرط ہے۔ آگے فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ میں 'ف' استئنافیہ ہے اور مَنْ لَّمْ یَجِدْ شرط ہے اس کی ضمیر مفعولی ہٗ محذوف ہے جو کہ اَلْهَدْیُ کے لیے ہے۔ فَصِیَامُ سے اِذَا رَجَعْتُمْ تک جواب شرط ہے۔ اس کے بعد وَاجِبٌ عَلَیْهِ محذوف ہے۔ تِلْكَ مبتداء اور عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ خبر ہے۔ یہ جملہ تاکید کے لیے ہے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ اس آیت میں مذکور واجبات کی طرف ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر بھی محذوف ہے، جب کہ لِمَنْ سے اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تک متعلق خبر ہے۔ لَمْ یَكُنْ کا اسم اَهْلُهٗ ہے جب کہ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کی خبر ہے۔ كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے حَاضِرِیْنَ نصب میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اِتَّقُوا فعل امر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِعْلَمُوْۤا بھی فعل امر ہے اور اس کا مفعول آگے جملہ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ لفظ اللّٰہ اس کا اسم اور مرکب اضافی شَدِیْدُ الْعِقَابِ اس کی خبر ہے۔

| فَمَا اسْتَیْسَرَ | | فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ | لِلّٰهِ | اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ | وَ اَتِمُّوا | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| آسان ہو | تو جو | پھر اگر تمہیں روک دیا جائے (حج پورا کرنے سے) | اللہ (کی رضا) کے لیے | حج اور عمرے کو | اور تم لوگ پورا کرو | البقرۃ:196 |

| حَتّٰى | رُءُوْسَكُمْ | وَلَا تَحْلِقُوْا | مِنَ الْهَدْيِ |
|---|---|---|---|
| یہاں تک کہ | اپنے سروں کو | اور تم لوگ مت مونڈو | قربانی کے جانور میں سے وہ (بھیج دو) |

| اَوْ بِهٖٓ اَذًى | مَّرِيْضًا | مِنْكُمْ | كَانَ | فَمَنْ | مَحِلَّهٗ | يَبْلُغَ الْهَدْيُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| یا اس کو تکلیف ہو | مریض | تم میں سے | ہو | (البتہ) جو شخص | اپنے ٹھکانے پر | پہنچ جائے قربانی کا جانور |

| فَاِذَآ | اَوْ نُسُكٍ | اَوْ صَدَقَةٍ | صِيَامٍ | مِّنْ | فَفِدْيَةٌ | مِّنْ رَّاْسِهٖ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور جب | یا کوئی قربانی | یا کوئی صدقہ | روزہ رکھنا | جیسے | تو فدیہ (واجب) ہے | اپنے سر میں (اور وہ پہلے ہی سر منڈالے) |

| اسْتَيْسَرَ | فَمَا | اِلَى الْحَجِّ | بِالْعُمْرَةِ | تَمَتَّعَ | فَمَنْ | اَمِنْتُمْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| آسان ہو | تو جو | حج کے ساتھ | عمرے کا | فائدہ اُٹھانا چاہے | (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو | تم لوگ امن میں ہو جاؤ |

| فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ | لَّمْ يَجِدْ | فَمَنْ | مِنَ الْهَدْيِ |
|---|---|---|---|
| تو تین دن کے روزے رکھنا (واجب) ہے (اس پر) | نہ پائے (قربانی کو) | پھر جو | قربانی کے جانور میں سے (وہ دے) |

| لِمَنْ | ذٰلِكَ | عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ | تِلْكَ | اِذَا رَجَعْتُمْ | وَسَبْعَةٍ | فِي الْحَجِّ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اس کے لیے ہے جس کے | یہ | پورے دس (روزے) ہوئے | یہ | جب تم لوگ لوٹ آؤ | اور سات | حج میں |

| وَاعْلَمُوْٓا | وَاتَّقُوا اللّٰهَ | حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ | لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ |
|---|---|---|---|
| اور تم لوگ جان لو | اور ڈرو اللہ سے | مسجد حرام کے حاضرین | گھر والے نہیں ہیں |

| شَدِيْدُ الْعِقَابِ | اَنَّ اللّٰهَ |
|---|---|
| سخت سزا دینے والا ہے | کہ اللہ |

**نوٹ** اس آیت کی تفسیر معارف القرآن سے دیکھیں۔

## آیت:197

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَ
مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ڼ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ١٩٧﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ | ش ھ ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
| ف ر ض: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ر ف ث: البقرۃ آیت 187 دیکھیں۔ | ف س ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| ف ع ل: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ل ب ب: البقرۃ آیت 179 دیکھیں۔ |

**ج د ل**

(ن) جَدْلًا رسی کو بل دینا۔ کسی کو بچھاڑ دینا۔ زمین پر گرا دینا۔ مضبوط ہونا۔ عربی میں جَدَلْتُ الْحَبْلَ کا مطلب ہے میں نے رسی کو

مضبوطی سے بٹا۔ اسی سے بٹی ہوئی رسی کو جَدِیۡلٌ کہا جاتا ہے۔ جَدَلْتُ الْبِنَاءَ: میں نے مضبوط عمارت بنائی۔ دِرْعٌ مَجْدُوۡلَۃٌ: مضبوط زرہ۔

(س) جَدَلًا سخت جھگڑالو ہونا۔ بحث کرنا۔ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا ﴾ (18/الکہف:54) ''اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(مفاعلہ) مُجَادَلَۃً اور جِدَالًا (۱) ایک دوسرے کی بات کو گھمانا پھرانا۔ (۲) جھگڑا کرنا۔ (۳) مناظرہ کرنا۔ جدال یا مجادلہ ایسی گفتگو کو کہتے ہیں جس میں طرفین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں طرفین ایک دوسرے کی رائے کو پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح رسی کو بل دیا جاتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ نیز فرمایا: ﴿یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ (16/النحل:111) ''اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا (صرف) اپنے متعلق۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۴) بے جا تکرار کرنا۔

جَادِلْ فعل امر ہے۔ تو مناظرہ کر۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (16/النحل:125) ''اور ان سے بحث (و مناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| ز | و | د |
|---|---|---|

(ن) زَوْدًا سفر کا خرچ ساتھ لینا۔

زَادٌ اسم ذات ہے۔ سامانِ سفر۔ زادِ راہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(تفعّل) تَزَوُّدًا سفر کا خرچ ساتھ رکھنا۔ سامان سفر ساتھ رکھنا۔

تَزَوَّدْ ج: تَزَوَّدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو سفر خرچ ساتھ رکھ۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ ''اور تم لوگ سفر خرچ ساتھ رکھو اور بے شک بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے۔''

**ترکیب** اَلْحَجُّ مبتداء ہے اور مرکب توصیفی اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ خبر ہے۔ فَمَنْ شرطیہ ہے۔ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ شرط ہے اور فَلَا رَفَثَ سے فِی الْحَجِّ تک جواب شرط ہے۔ فَرَضَ کا فاعل اس کی ھُوَ ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ اَلْحَجَّ اس کا مفعول ہے اور فِیْهِنَّ متعلق فعل ہے۔ اس میں هِنَّ ضمیر اَشْهُرٌ کے لیے ہے۔ فَرَضَ کے بعد عَلٰی نَفْسِهٖ محذوف ہے۔ رَفَثَ، فُسُوْقَ اور جِدَالَ، تینوں سے پہلے لائے نفی جنس ہے اور یہ مبتداء ہیں، ان کی خبریں محذوف ہیں۔ مَا شرطیہ ہے اس لیے اس کی شرط تَفْعَلُوْا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے اور جواب شرط یَعْلَمْ مجزوم ہے۔ تَزَوَّدُوْا فعل امر ہے۔ باب تفعّل کے ماضی تَفَعَّلَ سے جمع مذکر غائب کا وزن تَفَعَّلُوْا بنتا ہے۔ جب کہ اس کے فعل امر تَفَعَّلْ سے جمع مذکر مخاطب کا وزن بھی تَفَعَّلُوْا بنتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تَزَوَّدُوْا کے دونوں امکانات ہیں لیکن آیت کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہاں یہ فعل امر ہے۔

فَاِنَّ کا اسم خَیْرَ الزَّادِ ہے، اس لیے اس کے مضاف خَیْرَ پر نصب آئی ہے اور مرکب اضافی ہونے کی وجہ سے یہ تفضیل کل ہے۔ اُردو محاورے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوتا ہے۔ اِنَّ کی خبر اَلتَّقْوٰی ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ وَاتَّقُوْا فعل امر ہے۔ ضمیر مفعولی آنے کی وجہ سے واو الجمع کا الف گر گیا اور نِ ضمیر مفعولی نِیْ کا نون وقایہ ہے۔ یَا حرف ندا ہے اور مرکب اضافی اُولِی الْاَلْبَابِ منادیٰ ہے۔

| ترجمہ | اَلْحَجُّ | اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ | فَمَنْ | فَرَضَ | فِیْهِنَّ | اَلْحَجَّ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:197 | حج (کے) | جانے پہچانے مہینے ہیں | تو جس نے | فرض کیا (خود پر) | ان میں | حج کو |

| | | |
|---|---|---|
| فَلَا رَفَثَ | وَلَا فُسُوْقَ | وَلَا جِدَالَ |
| تو کسی قسم کی بے حیائی نہیں | اور کوئی نافرمانی نہیں | اور کوئی جھگڑا نہیں |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| فِي الْحَجِّ | وَمَا | تَفْعَلُوْا | مِنْ خَيْرٍ | يَّعْلَمْهُ | اللّٰهُ |
| حج (کے دنوں) میں | اور جو بھی | تم کرو گے | کوئی نیک کام | تو جان لے گا اس کو | اللہ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| وَتَزَوَّدُوْا | فَاِنَّ | خَيْرَ الزَّادِ | التَّقْوٰى | وَاتَّقُوْنِ |
| اور تم لوگ سفر خرچ ساتھ رکھو | اور بے شک | بہترین زادِ راہ | تو تقویٰ ہے | اور تقویٰ اختیار کرو میرا |

| |
|---|
| يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ |
| اے عقل مندو |

**نوٹ** حضرت شیخ الہندؒ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى کا ترجمہ کرتے ہیں: ''بے شک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے۔'' اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے۔'' اور آگے وضاحت کرتے ہیں: ''(خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے احتیاط)۔ زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لیے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لیے یہ تصریح اور بڑھا دی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارفِ سفر کا انتظام کر کے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعثِ گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۰۳)۔

## آیت: 198

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ١٩٨﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ |
| ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ش ع ر: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ | ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ض ل ل: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ | |

**ف ی ض**

(ض) **فَیْضًا** جاری ہونا۔ بہنا۔ عام طور پر اس کا استعمال پانی اور آنسوؤں کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ فَاضَ الْمَاءُ کا مطلب ہے کسی جگہ سے پانی کا اچھل کر بہ نکلنا اور فَاضَتْ عَيْنُهٗ کا مطلب ہے اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ ﴿اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ (5/المائدۃ:83) ''ان کی آنکھیں اُبل پڑتی ہیں آنسو سے۔'' ان معانی کے علاوہ یہ لفظ کثرت سے ہونا، پھیل جانا اور بہت ہونا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(افعال) **اِفَاضَةً** جاری کرنا۔ پانی گرانا۔ آنسو بہانا۔ برتن کو لبریز بھر دینا یہاں تک کہ پانی اس سے نیچے گرنے لگے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) کسی جگہ سے لوگوں کا جوق در جوق نکلنا۔ ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ

حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (2/البقرۃ:199) ’’پھر تم بھی (اے قریش) وہاں سے جوق در جوق نکلو جہاں سے نکلتے ہیں (دوسرے) لوگ۔‘‘ نیز آیت زیر مطالعہ۔ آیت زیر مطالعہ میں اِفَاضَۃٌ کے معنی مجمع کثیر کے یکبارگی لوٹنے کے ہیں اور یہ فیضان الماء یعنی پانی کا زور سے بہہ نکلنا کے ساتھ تشبیہ دے کر بولا گیا ہے۔

(۲) کسی بات کو پھیلانا۔ چرچا کرنا۔ حدیث مُسْتَفِیْضٌ کے معنی منتشر یعنی عام پھیلی ہوئی بات کے ہیں۔ ﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾ (24/النور:14) ’’اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۳) باتوں میں مشغول ہونا۔ اَفَاضُوْا فِی الْحَدِیْثِ: وہ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ (46/الاحقاف:8) ’’وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۴) کسی کام میں مصروف ہو جانا۔ کسی کام میں کھو جانا۔ منہمک ہو جانا۔ ﴿وَ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ (10/یونس:61) ’’اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اَفِضْ — ج: اَفِیْضُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نکل۔ تو لوٹ۔ تو بہا۔ تو جاری کر۔ ﴿ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ (2/البقرۃ:199) ’’پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ﴾ (7/الاعراف:50) ’’اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ترکیب**

لَیْسَ فعل ناقص ہے۔ جُنَاحٌ اس کا اسم ہے اس کی خبر محذوف ہے اور عَلَیْكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل، کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ فَضْلًا اس کا مفعول ہے اور مِّنْ رَّبِّكُمْ متعلق فعل ہے۔ یہ پورا جملہ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ، مجرور ہے اور حرف جر ’’فِیْ‘‘ محذوف ہے یہ جار اور مجرور پھر متعلق ہیں جُنَاحٌ سے اور یہ جملہ ان معنوں میں ہے۔ ’’لیس علیکم جناح فی ابتغاءِ...‘‘ ’فَ‘ استئنافیہ اور اِذَا شرطیہ ہے۔ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ شرط ہے اور فَاذْكُرُوا سے هَدٰىكُمْ تک جواب شرط ہے۔ اَفَضْتُمْ کی جگہ رَجَعْتُمْ بھی ہو سکتا تھا لیکن اَفَضْتُمْ میں کیفیت کا بیان ہے۔ یعنی جب تم جوق در جوق نکلو۔ عَرَفٰتٍ اسم عَلَم یعنی ایک جگہ کا نام ہے۔ فَاذْكُرُوا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ ضمیر ہے اور لفظ اَللّٰهَ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جب کہ عِنْدَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بھی اسم عَلَم ہے اور مزدلفہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ کا اِنْ مخففہ ہے۔ اس کا اسم محذوف ہے اور آگے جملہ فعلیہ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ اس کی خبر ہے كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اس کی خبر بھی محذوف ہے لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ متعلق خبر ہے لَمِنَ پر لازم فارقہ ہے اور مِّنْ قَبْلِهٖ، الضَّآلِّیْنَ سے متعلق ہے قبلہ میں ہٖ ضمیر ہدایت کے لیے ہے۔ (واللہ اعلم)

| فَاِذَآ | مِّنْ رَّبِّكُمْ | فَضْلًا | اَنْ تَبْتَغُوْا | جُنَاحٌ | عَلَیْكُمْ | لَیْسَ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| پھر جب | اپنے رب کا | فضل (رزق) | کہ تم لوگ تلاش کرو | کوئی گناہ | تم پر | نہیں ہے | البقرۃ198 |

| وَاذْكُرُوْهُ | عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ | اللّٰهَ | فَاذْكُرُوا | مِّنْ عَرَفٰتٍ | اَفَضْتُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور یاد کرو اس کو | مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس | اللہ کو | تو یاد کرو | عرفات سے | تم لوگ جوق در جوق نکلو |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| كَمَا | هَدٰىكُمْ ۚ | وَاِنْ كُنْتُمْ | مِّنْ قَبْلِهٖ | لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ |
| جس طرح | اس نے سکھایا تم کو | اور یقیناً تم | اس سے پہلے | گمراہوں میں سے تھے |

**نوٹ:1** عرفات، لفظاً جمع ہے اور ایک خاص میدان کا نام ہے، جس کے حدود اربعہ معرف و مشہور ہیں، یہ میدان حرم سے خارج واقع ہوا ہے، حجاج کو اس میں پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک یہاں قیام کرنا حج کا اہم ترین فرض ہے، جس کے فوت ہونے کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں ہو سکتا۔ مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مزدلفہ میں واقع ہے۔ مشعر کے معنی شعار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لیے ایک مقدس مقام ہے، اس کے آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۴۸۸)۔

**نوٹ:2** ''ارشادِ قرآنی وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں، اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا، خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نفلی عبادات اور صدقہ خیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں، اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہل جاہلیت کی سی عبادت ہے، کہ اپنی رائے وقیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۴۸۸)

## آیت:199

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾ ﴾

ف ی ض: البقرۃ آیت 198 دیکھیں۔ غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔

**ترکیب** ثُمَّ حرف عطف ہے۔ عموماً ثُمَّ جمع اور ترتیب مع التَّراخی (بتاخیر) کے لیے آتا ہے یعنی ماقبل سے مابعد کے متاخر (یعنی دیر سے) ہونے پر دلالت کرتا ہے اس کو تاخیر زمانی کہتے ہیں۔ کبھی ثُمَّ تراخی فی الرتبہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں: ''ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں فصل کلام کے لیے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی اب دوسری ہدایت سنو۔ جیسے اردو میں ایسے موقع پر ''اچھا تو'' یا ''ہاں تو'' کہتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۰۴)۔ ''جملہ ثُمَّ اَفِيْضُوْا کا عطف جملہ سابقہ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ پر ہے اور ثُمَّ یہاں تراخی فی الرتبہ کے لیے آیا ہے مطلب یہ کہ جب تم عرفات سے وقوفِ عرفہ کے بعد منیٰ کی طرف واپس مڑو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔'' ہاں تو اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ ''تم وہاں سے مڑا کرو جہاں سے لوگ واپس مڑا کرتے ہیں (یعنی عرفات سے نہ کہ مزدلفہ سے)۔ اَفِيْضُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور اَفَاضَ کا فاعل اَلنَّاسُ ہے، جب کہ مِنْ حَيْثُ ان دونوں کا ظرف ہے اس لیے محلاً منصوب ہے۔ اِسْتَغْفِرُوْا بھی فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے اور غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ البقرۃ: 199**

| ثُمَّ اَفِيْضُوْا | مِنْ حَيْثُ | اَفَاضَ |
|---|---|---|
| پھر تم بھی (اے قریش) وہاں سے جوق در جوق نکلو | جہاں سے | نکلتے ہیں |

| النَّاسُ | وَاسْتَغْفِرُوا | اللّٰهَ |
|---|---|---|
| (دوسرے) لوگ | اور مغفرت طلب کرو | اللہ سے |

| اِنَّ اللّٰهَ | غَفُوْرٌ | رَّحِيْمٌ |
|---|---|---|
| یقیناً اللہ تعالیٰ | بے انتہا بخشنے والا ہے | نہایت رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’قریش اپنے لیے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لیے وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے نحن اهل الله و وطان حرمهٗ (یعنی ہم اہل اللہ ہیں اور اس کے حرم کے باشندے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ مغرورانہ ادا پسند نہ آئی اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم لوٹو۔ حج تو ہے ہی سب باطل امتیازات مٹانے کے لیے، سب جھوٹے تفاخر ختم کرنے کے لیے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مساواتِ انسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہو گا اور تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۳۸)۔

## آیت: 200

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ق ض ی: البقرۃ آیت 117 دیکھیں۔ | ن س ک: البقرۃ آیت 128 دیکھیں۔ | ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| ش د د: البقرۃ آیت 74 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | خ ل ق: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ |

**ترکیب** فَاِذَا میں ’فَ‘ حرف عطف ہے اور اِذَا شرطیہ ہے۔ قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ شرط ہے اور فَاذْكُرُوْا سے ذِكْرًا تک جواب شرط ہے۔ مَّنَاسِكَكُمْ مفعول ہے قَضَيْتُمْ کا اس لیے حالت نصب میں ہے۔ كَذِكْرِكُمْ میں ذِكْرِ مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے اور اٰبَآءَ کو نصب دی ہے۔ ’اَوْ‘ حرف عطف ہے اور اختیار کے لیے نہیں ہے بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بَلْ (بلکہ) کا ہم معنی ہے۔ (ضیاء القرآن)۔ تفسیر حقانیؒ کے مطابق اَشَدَّ، كَذِكْرِكُمْ میں مصدر ذِكْرِ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور آگے ذِكْرًا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَمِنَ میں ’فَ‘ استئنافیہ ہے اور مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا مؤخر ہے۔ مَنْ یہاں جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت يَّقُوْلُ واحد آیا ہے اور معنوی لحاظ سے رَبَّنَآ اٰتِنَا پر جمع کی ضمیر آئی ہے۔ رَبَّنَآ میں رَبَّ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرفِ ندا محذوف ہے۔ وَمَا لَهٗ میں ’وَ‘ حالیہ ہے یا استئنافیہ ہے۔ مَا نافیہ ہے، لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے اور ’هٗ‘ ضمیر پھر لفظی رعایت کے تحت آئی ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ متعلق خبر ہے اور خَلَاقٍ مبتدا مؤخر نکرہ ہے اور اس پر مِنْ تبعیضیہ داخل ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:200**

| فَاِذَا | قَضَيْتُمْ | مَّنَاسِكَكُمْ | فَاذْكُرُوا | اللّٰهَ | كَذِكْرِكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| پھر جب | تم پورے کر چکو | اپنے حج کے ارکان | تو یاد کرو | اللہ کو | تمہارے یاد کرنے کی مانند |

| اٰبَآءَكُمْ | اَوْ اَشَدَّ | ذِكْرًا | فَمِنَ النَّاسِ | مَنْ |
|---|---|---|---|---|
| اپنے آباء واجداد کو | بلکہ اس سے بھی زیادہ | یاد کرو | اور لوگوں میں وہ بھی ہیں | جو |

| يَّقُوْلُ | رَبَّنَآ | اٰتِنَا | فِي الدُّنْيَا | وَمَا لَهٗ | فِي الْاٰخِرَةِ |
|---|---|---|---|---|---|
| کہتے ہیں | اے ہمارے رب! | تو دے ہم کو | دنیا میں (ہی سب کچھ) | اور نہیں ہے ان کے لیے | آخرت میں |

| |
|---|
| مِنْ خَلَاقٍ |
| بھلائی کا کسی قسم کا کوئی بھی حصہ |

**نوٹ** آیت مبارکہ میں فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ کا ترجمہ ہمارے اکثر بزرگوں نے ''پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) سے کیا ہے۔ البتہ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر رہے ہو'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''اِذَا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لیے مل رہا ہے۔ اِذَا ہمیشہ بعد کے لیے نہیں آتا ہے۔ ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے مثلاً: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو (نہ یہ کہ جب تم نماز ختم کر چکو)'' یا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دینے لگو (نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو) اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۰۴)۔

## آیت: 201

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ن و ر: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ترکیب** 'وَ' حرف عطف ہے اور اگلے جملے کا عطف گزشتہ آیت میں فَمِنَ النَّاسِ پر ہے۔ مِنْهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَنْ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ فعلیہ يَّقُوْلُ... عَذَابَ النَّارِ، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا موخر ہے۔ اٰتِنَا میں اٰتِ فعل امر ہے، ضمیر مفعولی نَا مفعول اوّل ہے اور حَسَنَةً مفعول ثانی ہے۔ قِنَا میں قِ فعل امر ہے، ضمیر مفعولی نَا مفعول اوّل ہے اور عَذَابَ النَّارِ مفعول ثانی ہے۔

| ترجمہ | وَمِنْهُمْ | مَّنْ | يَّقُوْلُ | رَبَّنَآ | اٰتِنَا | فِي الدُّنْيَا | حَسَنَةً |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:201 | اور کوئی ان میں ایسے بھی ہیں | جو | کہتے ہیں | (اے) ہمارے رب | تو دے ہم کو | دنیا میں بھی | بھلائی |

| وَّ فِي الْاٰخِرَةِ | حَسَنَةً | وَّ قِنَا | عَذَابَ النَّارِ |
|---|---|---|---|
| اور آخرت میں بھی | بھلائی | اور تو بچا ہم کو | آگ کے عذاب سے |

## آیت: 202

﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ ﴾

| |
|---|
| ك س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |

**ن ص ب**

(ن۔ض) نَصْبًا (۱) کسی چیز کو گاڑنا۔ جمانا۔ کسی چیز کو کھڑا کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''نَصْبُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کو کھڑا کرنے یا گاڑ دینے کے ہیں۔ مثلاً نیزے کے گاڑنے اور عمارت یا پتھر کو کھڑا کرنے پر نَصْبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۰۵۳)۔'' قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ ﴾ (88/ الغاشیۃ:19)'' اور

پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (۲) کسی کو تکلیف دینا۔ تھکانا۔

**نُصُبٌ** ج: اَنْصَابٌ۔ اسم ذات ہے استھان۔ بت۔ کھڑی کی ہوئی چیز۔ وہ تمام چیزیں جو عبادت کے لیے نصب کی جائیں خواہ مورتی ہوں یا پتھر یا کچھ اور۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''نُصُبٌ، سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھانے کے لیے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو، خواہ وہاں کوئی پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ آستانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یا دیوتا سے، یا کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے وابستہ ہو''۔ (تفہیم القرآن، ج ا، ص: ۴۴۱)۔ ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ (5/المائدہ:3) ''اور جو ذبح کیا گیا استھان پر۔'' ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ ﴾ (5/المائدہ:90) ''بے شک شراب اور جوا اور استھان/بت اور جوئے کے تیر، سب ناپاک ہیں۔'' آیت میں انصاب سے مراد وہ پتھر ہیں جو حرم میں کعبہ کے ارد گرد نصب تھے۔ کفار ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون اِن پر مل دیتے اور گوشت اس پر رکھ دیتے۔ یاد رہے عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ ہر قبیلے، شہر اور ہر علاقے کا ایک خاص بت ہوتا تھا۔ کچھ عرب تو اپنا بت خانہ ہی بنا لیتے تھے یا اپنا بت خود تیار کر لیتے تھے۔ جو لوگ بت خانہ اور بت نہیں بنا سکتے تھے وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتے یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتے، پتھر گاڑ کر اس کے ارد گرد اس طرح طواف کرتے جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے۔

**نَصِيْبٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں ہے اور دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) بطور نشان کے راستے میں گاڑا ہوا کوئی پتھر۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''نصیب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی مقام پر بطور نشان کے گاڑ دیا جائے۔''
(۲) کسی چیز کا مقرر کردہ حصہ۔ عموماً اچھے حصے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ (4/النساء:7) ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتے دار۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیر مطالعہ۔ اردو زبان میں نصیب، قسمت کے لکھے مقرر حصے کے لیے بولا جاتا ہے۔

(س) **نَصَبًا** محنت و مشقت کرنا۔ کوشش کرنا۔ تھک کر چور ہونا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''نصب ایسا کام کرنا جس کے کرنے سے تھکاوٹ ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی نوعیت کے کاموں سے تو تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ وہ کام جو اولوالعزمی سے کیے جاتے ہیں، وہ مہمیں جو بڑی محنت اور ریاضت سے سر کی جاتی ہیں، وہ فرائض جن کی انجام دہی کے لیے دیدہ ریزیوں، جگر پاشیوں اور شب بیداریوں کی ضرورت پڑتی ہے ایسے کاموں کے کرنے کو نصب کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۶۰۲)۔

**اِنْصَبْ** فعل امر ہے۔ تو محنت کر، کوشش کر۔ ﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾ (94/الم نشرح:8-7) ''پھر جب آپؐ فارغ ہو جائیں تو آپؐ محنت کریں اور اپنے رب کی طرف دل لگائیں۔''

**نَاصِبٌ** مؤنث: نَاصِبَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ محنت کرنے والا۔ کوشش کرنے والا۔ تھکنے والا۔ ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ ﴾ (88/الغاشیۃ:2-3) ''کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**نَصَبٌ** اسم ذات بھی ہے۔ مشقت۔ تکلیف۔ ﴿ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ ﴾ (15/الحجر:48) ''نہیں پہنچے گی ان کو اس میں کوئی تکلیف۔''

نُصُبٌ — اسم ذات ہے۔ مشقت۔ تکلیف۔ ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ﴾ (38/ص:41) ''جب اُنہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دُکھ۔''

## س ر ع

(س۔ک) سَرَعًا اور سُرْعَۃً کوئی کام تیزی سے کرنا۔ جلدی کرنا۔

اَسْرَعُ — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تیز یا سب سے تیز۔ ﴿وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ﴾ (6/الانعام:62) ''اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔''

سَرِیْعٌ — ج: سِرَاعًا۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر بمعنی فاعل ہے۔ جلدی کرنے والا۔ تیز۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ﴾ (7/الاعراف 163) ''بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے۔'' نیز آیت زیر مطالعہ۔ ﴿یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْھُمْ سِرَاعًا﴾ (50/ق:44) ''جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّھُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ﴾ (70/المعارج:43) ''وہ دن جب کہ یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے کہ گویا وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ سِرَاعًا کے متعلق صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''سِرَاعًا، سَرِیْعٌ کی جمع ہے جو کہ سُرْعَۃٌ سے ہے، جس کے معنی جلدی کرنے کے ہیں، بروزن فَعِیْلٌ بمعنی فاعل، جیسے کِرَامٌ، کَرِیْمٌ کی جمع ہے۔'' (لغات القرآن، ۳،ص: ۲۰۱)۔

(مفاعلہ) مُسَارَعَۃٌ — جلدی کرنا۔ سبقت کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿وَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ﴾ (3/آل عمران:114) ''اور وہ لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں۔''

سَارِعْ — ج: سَارِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جلدی کر۔ تو سبقت کر۔ ﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ﴾ (3/آل عمران:133) ''اور تم دوڑو مغفرت کی طرف۔''

## ح س ب

(ن) حُسْبَانًا، حَسْبًا، حِسَابًا — گنتی کرنا۔ شمار کرنا۔ حساب کرنا۔ حساب لینا۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ (3/آل عمران:19) ''تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ﴾ (10/یونس:5) ''وہ اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اس کے لیے منزلیں مقرر کردیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

نوٹ: لفظ حساب کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) بطور مصدر یعنی حساب کرنا۔ حساب لینا۔ شمار کرنا۔

(۲) حساب کی ہوئی چیز۔ (۳) ایسی عطا جو کسی کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہو۔ یہ معنی اس محاورے سے ماخوذ ہے: اَحْسَبْتُ فُلَانًا، ای اَعْطَیْتُہٗ مَا یَکْفِیْہِ حَتّٰی قَالَ حَسْبِیْ یعنی میں نے اس کو اتنا دیا کہ اس کے لیے کافی ہو گیا یہاں تک کہ وہ بول اٹھا حَسْبِیْ یعنی یہ میرے لیے بہت ہے۔ یا عربی میں کہتے ہیں اَعْطَاہُ عَطَاءً حِسَابًا یعنی اس نے اس کو کافی دیا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا﴾ (78/النباء:36) ''یہ (ان کو ان کی نیکیوں کا) بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کریمہ میں عَطَاءً حِسَابًا سے یہی مراد ہے۔ (۴) موازنہ اور مقابلہ کے معنوں میں۔ چنانچہ کئی بزرگوں نے حساب کے یہ معنی

لے کر آیت ﴿ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۟ۙ ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ”بدلہ ہے تیرے رب کا دیا ہوا حساب سے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حضرت مجاہدؒ نے اس جگہ یہی معنی لے کر آیت کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے ہوگی۔ اس عطا میں درجات بحساب اخلاص اور احسانِ عمل کے ہوں گے۔ (تلخیص از معارف القرآن: ج ۸، ص: ۶۵۸)۔

(س۔ح) **حِسۡبَانًا** خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ ﴾ (2/البقرہ:214) ”کیا تم لوگوں نے گمان کیا کہ تم لوگ داخل ہو گے جنت میں۔“ نوٹ: قرآنِ مجید میں یہ مادہ خیال کرنا، گمان کرنا کے معنوں میں باب (س) سے استعمال ہوا ہے بجائے باب (ح) سے۔ ﴿ اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ ﴾ (25/الفرقان:44) ”کیا آپؐ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**حَاسِبٌ** ج: حَاسِبُوۡنَ - حَاسِبِيۡنَ - اسم الفاعل ہے۔ حساب لینے والا۔ حساب کرنے والا۔ ﴿ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ ۟ ﴾ (6/الانعام:62) ”اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“ ﴿ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ ۟ ﴾ (21/الانبیاء:47) ”اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**حَسِيۡبٌ** حِسَابٌ سے فَعِيۡلٌ وزن پر بمعنی فاعل ہے۔ حساب کرنے والا۔ حساب لینے والا۔ ﴿ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ ۟ ﴾ (17/بنی اسراءیل:14) ”تو ہی کافی ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۟ ﴾ (4/النساء:6) ”اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اَلۡحَسِيۡبُ، اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے (۱) حساب لینے والا۔ حساب کرنے والا اور پھر حساب کے مطابق بدلہ دینے والا۔ (۲) کافی۔ عربی میں کہتے ہیں اَعۡطَاهُ عَطَاءً حَسَابًا یعنی اس نے اس کو کافی عطا کیا یا نَزَلۡتُ بِفُلَانٍ فَاَكۡرَمَنِيۡ وَ اَحۡسَبَنِيۡ یعنی میں فلاں کے پاس اترا تو اس نے میری عزت کی اور مجھے اتنا دیا جو مجھے کافی ہو گیا۔ اسی معنی کی مناسبت سے حسیب کے معنی ہوئے کافی یعنی اللہ تعالیٰ عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (۳) نگہبان۔

**حُسۡبَانٌ** اِس لفظ کے بارے میں تین رائے ہیں۔ (۱) یہ مصدر ہے بمعنی حساب کرنا۔ شمار کرنا۔ (۲) یہ حِسَابٌ کی جمع ہے۔ (۳) حِسَابٌ سے فُعۡلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں کم از کم تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) کسی چیز کو حساب کے لیے بنانا یا حساب کے لیے مقرر کرنا۔ یہ اس کے مصدری معنی ہوئے۔ اگر اسم مانا جائے تو مراد ہو گی حساب یا شمار کرنے کا ذریعہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ﴾ (6/الانعام:96) ”اور اس نے رات بنائی آرام کو اور سورج و چاند حساب کے لیے۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ”اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لیے اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لیے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”حُسۡبَانٌ بالضم مصدر ہے، حساب کرنے اور شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب و ماہتاب کے طلوع و غروب اور ان کی رفتار کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے جس کے ذریعہ انسان سالوں مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا بلکہ منٹوں اور سیکنڈ کا حساب بآسانی لگا سکتا ہے۔“ (معارف القرآن، ج ۳، ص: ۴۰۲)۔

(۲) کسی چیز کو حساب اور ضابطے سے بنانا اور اس کے لیے ایک مضبوط نظام مقرر کرنا۔ یہ اس کے مصدری معنی ہوئے۔ اگر اسم مانا جائے تو مراد ہو گی کسی چیز کا حساب، ضابطہ اور نظام۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۟ ﴾ (55/الرحمٰن:5) ”سورج اور چاند تک حساب کے (پابند) ہیں۔“ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ”سورج اور چاند ایک

حساب کے پابند ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ حُسْبَان بضم الحاء بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنی میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، قرآن اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس وقمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظامِ محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے اور اگر حُسْبَان کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورہ کا الگ الگ حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔'' (معارف القرآن، ج۸، ص: ۲۴۴)۔ نیز فرمایا: ﴿ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ﴾ (6/الانعام:96) ''اسی نے چاند اور سورج کے طلوع وغروب کا حساب مقرر کیا ہے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔

(۳) آسمانی آفت۔ عذاب۔ حساب کے مطابق سزا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (18/الکہف:40) ''اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتار دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''حُسْبَانٌ، غُفْرَانٌ کے وزن پر حساب سے ہے یعنی ایسا عذاب، جو کسی کے کرتوتوں کے نتیجے میں آئے۔'' (احسن البیان، ص: ۸۱۲)۔ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''حُسْبَانٌ یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلاتوسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری۔ اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۶۳۶)۔

**حَسْبُ** — حَسَبَ یَحْسُبُ کا مصدر ہے بمعنی کافی ہونا۔ ان معنوں میں اس کا استعمال خصوصی ہے۔ عموماً مضاف آتا ہے اور 'بِ' کے صلے کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں حَسْبُكَ دِرْهَمٌ یا بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ یعنی تمہارے لیے ایک درہم کافی ہے۔ هٰذَا رَجُلٌ حَسْبُكَ مِنْ رَجُلٍ یعنی یہ مرد تمہارے لیے اس مرد سے کافی ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں زَیْدٌ صَدِیْقِیْ فَحَسْبُ یعنی زید میرا دوست ہے اور میرے لیے کافی ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴾ (3/آل عمران:173) ''کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(مفاعلہ) **مُحَاسَبَةً اور حِسَابًا** — حساب لینا۔ ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرہ:284) ''اور اگر تم لوگ ظاہر کرو اس کو جو تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اس کو، حساب لے گا تم سے اس کا اللہ۔''

(افتعال) **اِحْتِسَابًا** — (۱) حساب مانگنا۔ (۲) گمان کرنا۔ خیال کرنا۔ ﴿ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ﴾ (65/الطلاق:2-3) ''اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ کا تو وہ بناتا ہے اس کے لیے نکلنے کا ایک راستہ اور وہ رزق دیتا ہے اس کو وہاں سے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا۔''

**ترکیب** — اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اور لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا، یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس جملہ میں نَصِیْبٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، خبر محذوف ہے اور لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، جب کہ مِمَّا كَسَبُوْا متعلق خبر ہے۔ مِمَّا میں مِنْ سببیہ ہے۔ یعنی مِنْ اَجَلِ مَا كَسَبُوْا جو انہوں نے کمایا اس کی وجہ سے۔ (ماجدیؒ)۔ وَاللّٰهُ میں وَ استئنافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتداء اور مرکب اضافی سَرِیْعُ الْحِسَابِ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اُولٰٓئِكَ | لَهُمْ | نَصِیْبٌ |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:202 | یہ وہ لوگ ہیں | جن کے لیے | ایک بڑا حصہ ہے (دونوں جہانوں میں) |

| مِمَّا | كَسَبُوْا ۭ | وَاللّٰهُ | سَرِيْعُ الْحِسَابِ |
|---|---|---|---|
| بسبب اس (نیک کمائی کے) جو | انہوں نے کمائی | اور اللہ | جلد حساب لینے والا ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اوروں کا مت کرو اب بھی یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن کا مطلوب صرف دنیا ہے (آیت:200)، ان کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دے دی جائے سو یہ لوگ تو آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہیں دوسرے وہ کہ طالب آخرت ہیں جو دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب اور رحمت وجنت دونوں کو طلب کرتے ہیں سو ایسوں کو آخرت میں اُن کے حج اور دعا جملہ حسنات سے پورا حصہ ملے گا''۔ (تفسیر عثمانی،ص:۳۹)۔

## آیت: 203

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٢٠٣ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ع د د: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔ | ع ج ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ |
| ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |

**ح ش ر**

(ن) **حَشْرًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے جمع کرنا، اکٹھا کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں ''حشر'' کا معنی ہے لوگوں کو ان ٹھکانوں سے نکال کر کسی ایک مقام کی طرف لے جانا۔'' پھر یہ لفظ کبھی صرف بَعَثَ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی مردے کو زندہ کرنا، اٹھانا۔ نیز حَشْرٌ کا لفظ صرف جماعت کے لیے بولا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ انسانوں اور غیر انسانوں سب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لیے فرمایا: ﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝١٧ ﴾ (27/النمل:17) ''اور (حضرت) سلیمانؑ کے لیے ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لیے) روکا جاتا تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

انسانوں کے لیے فرمایا: ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً ﴾ (46/الاحقاف:6) ''اور جب لوگ جمع ہوں گے، وہ ہوں گے ان کے دشمن۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝٨٥ ﴾ (19/مریم:85) ''جس دن ہم جمع کریں گے متقی لوگوں کو رحمن کی طرف بطور وفد کے۔'' ﴿ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى ﴾ (20/طٰہٰ:125) ''اے میرے رب! تو نے کیوں اُٹھایا مجھ کو اندھا۔'' نیز آیت زیر مطالعہ۔ وحشی جانوروں کے لیے فرمایا: ﴿ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ ﴾ (81/التکویر:5) ''اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے۔'' اور قیامت کے دن کو بھی یَوْمُ الْحَشْرِ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس دن تمام انسانوں کو جو مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے ہوں گے، ان کو زندہ کر کے حساب کتاب کے لیے اکٹھا کر دیا جائے گا۔

**اُحْشُرْ** ج: اُحْشُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جمع کر۔ ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ (37/الصّٰفّٰت:22) ''تم لوگ اکٹھا کرو ان کو جنہوں نے ظلم کیا۔''

**حَاشِرٌ** ج: حَاشِرُوْنَ- حَاشِرِیْنَ-اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا-اٹھانے والا۔ ﴿وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ﴾(26/الشعراء:36)''اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔''

**مَحْشُوْرٌ** مؤنث: مَحْشُوْرَةٌ-اسم المفعول ہے۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿وَ الطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً﴾(38/صٓ:19)''اور پرندوں کو، جمع کیے ہوئے۔''

**ترکیب** وَاذْكُرُوْا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ ضمیر ہے، لفظ اَللّٰهُ مفعول ہے اور مرکب توصیفی اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ظرف ہے لیکن فِیْ کی وجہ سے حالتِ جر میں آیا ہے اور متعلق فعل ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ شرط ہے، جب کہ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ جواب شرط ہے۔ اور اس پر لائے نفی جنس ہے۔ اسی طرح مَنْ تَاَخَّرَ شرط ہے اور فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ جواب شرط ہے، لِمَنِ اتَّقٰی جواب شرط سے متعلق ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر ہے اور جملہ اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ اس کا مفعول ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ اس کا اسم ہے، جملہ فعلیہ تُحْشَرُوْنَ اس کی خبر ہے اور اِلَیْهِ متعلق فعل مقدم ہے۔ تُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:203

| وَاذْكُرُوا | اللّٰهَ | فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ | فَمَنْ | تَعَجَّلَ | فِيْ يَوْمَيْنِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور تم یاد کرو | اللہ کو | گنے ہوئے چند دنوں میں | اور جو | جلدی کر کے | دو دنوں میں (ہی چلا گیا) |

| فَلَآ اِثْمَ | عَلَيْهِ | وَمَنْ تَاَخَّرَ | فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ |
|---|---|---|---|
| تو کسی قسم کا گناہ نہیں ہے | اس پر | اور جس نے دیر کی (اور وہاں ٹھہرا رہا) | تو بھی کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے اس پر |

| لِمَنِ اتَّقٰى | وَاتَّقُوا | اللّٰهَ | وَاعْلَمُوْٓا | اَنَّكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا | اور تم تقویٰ اختیار کرو | اللہ کا | اور تم جان لو | کہ |

| اِلَيْهِ | تُحْشَرُوْنَ |
|---|---|
| اس کی طرف ہی | تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے |

**نوٹ:1** اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''ایام معدودات سے مراد ذی الحجہ کی گیارھویں، بارھویں، تیرھویں تاریخیں ہیں جن میں حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہیے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے کرے۔'' (تفسیر عثمانی، ص:۳۹)۔

**نوٹ:2** فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ کے متعلق حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ کے بعد صرف دو دن قیام کر کے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ تک وہیں ٹھہرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۲ کو واپس ہوتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کر لے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ تک ٹھہرنا ہے تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ (تفسیر ماجدی، ص:۱۰۶)۔

## آیت:204

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾

| | |
|---|---|
| ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | د ن و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | |

**ع ج ب**

(س) **عَجَبًا** (۱) تعجب کرنا۔ حیرت ہونا۔ عَجَبٌ اس حیرت کو کہتے ہیں جو انسان کو کسی شے کے متعلق اس وقت لاحق ہو جب اس کا سبب معلوم نہ ہو۔ لسان العرب میں ہے کہ تعجب وہ ہے جس کا سبب مخفی ہو، معلوم نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ کسی چیز پر تمہاری نظر پڑے اور تم یہ خیال کرنے لگو کہ ایسی چیز کبھی نظر سے نہیں گزری، اس کا نام ''تعجب'' ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ﴾ (7/الاعراف:63) ''کیا تمہیں حیرت ہوئی اس بات پر کہ تمہارے پاس ایک نصیحت آئی تمہارے رب کی طرف سے تمہی میں سے ایک شخص پر۔'' ﴿ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ﴾ (50/قٓ:2) ''بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ایک خبردار کرنے والا انہی میں سے۔'' ﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴾ (53/النجم:59) ''کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوتا ہے۔''

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے لیے تعجب کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

(۲) پسند کرنا۔ ان معنوں میں عموماً اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ان معنوں میں کوئی فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

**عَجَبٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ ہر وہ چیز جس سے تعجب اور حیرت ہو۔ عجیب چیز۔ بھلی اور عمدہ چیز۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ (10/یونس:2) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر ان میں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴾ (18/الکھف:9) ''(اے مخاطب) کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ (18/الکھف:63) ''اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر اپنی راہ لی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴾ (72/الجن:1) ''انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ آیت میں ''عجیب قرآن'' سے مراد یہ ہے کہ اس قرآن (وحی) کا نہ تو سبب معلوم ہے، اور نہ ایسا کلام کبھی پہلے سنا جو اپنی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر اور علوم و مضامین کے اعتبار سے بے مثال ہو۔

**عَجِيْبٌ** ج: عَجَآئِبُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ایسی حیران کن چیز کہ اس جیسی چیز عام طور پر نہ دیکھی جاتی ہو۔ عجیب چیز۔ ﴿ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ (50/قٓ:2) ''یہ ایک حیران کن چیز ہے۔''

**عُجَابٌ** فُعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی حیران کن۔ خلیل بیان کرتے ہیں کہ ''عجیب'' حیرت انگیز چیز کو کہتے ہیں اور عُجَابٌ اس کو کہتے ہیں جو تعجب انگیزی میں حد سے تجاوز کر گئی ہو۔ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (38/صٓ:5) ''یقیناً یہ انتہائی حیران کن چیز ہے۔''

(افعال) اِعْجَابًا (۱) کسی کو حیرت میں ڈالنا۔ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ﴾ (9/التوبۃ:55) ''سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ﴾ (5/المآئدہ:100) ''اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) اچھا لگنا۔ بھالگنا۔ خوش ہونا۔ پسند آنا۔ ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ (9/التوبۃ:25) ''جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾ (57/الحدید:20) ''جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ﴾ (2/البقرۃ:212) ''اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۳) غرور کرنا۔ تکبر کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں هُوَ مُعْجِبٌ بِنَفْسِهٖ: وہ غرور میں مبتلا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت 25 کا ترجمہ ہمارے کئی بزرگوں نے اس معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ ''جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ''جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

## ل د د

(ن) لَدًّا سخت جھگڑا کرنا۔ غالب ہونا۔ منع کرنا۔ ہٹ دھرم ہونا۔

اَلَدُّ ج: لُدٌّ۔ افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ سخت جھگڑالو آدمی جو کسی کی بات ہی نہ مانتا ہو۔ انتہائی ہٹ دھرم۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''گردن کے دائیں بائیں پہلو کو لَدِیْدٌ کہتے ہیں، شَدِیْدُ اللَّدَدِ وہ شخص جس کی گردن کوئی نہ پھیر سکے، مراد وہ آدمی جس کو اس کے ارادہ سے باز نہ رکھا جا سکے، جس کو کوئی راہ راست پر نہ لا سکے۔'' (لغات القرآن، ج۵، ص: ۲۰۵)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴﴾ (2/البقرۃ:204) ''اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو الدّ کہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص: ۱۴۰)۔ ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝۹۷﴾ (19/مریم:97) ''اور ڈرا دے جھگڑالو لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

## خ ص م

(ض) خَصْمًا جھگڑا کرنا۔

خَصْمٌ تثنیہ: خَصْمَانِ۔ ج: خِصَامٌ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے بمعنی جھگڑنے والا۔ خَصْمٌ واحد، جمع، مذکر، مؤنث، سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تثنیہ اور جمع بھی استعمال ہوتی ہے۔ ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝۲۱﴾ (38/ص:21) ''اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت مبارکہ میں خَصْمٌ، جمع کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ (22/الحج:19) ''یہ دو فریق ہیں، جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴﴾ (2/البقرۃ:204) ''اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

خَصِمٌ ج: خَصِمُوْنَ۔ صفت ہے۔ جھگڑا کرنے والا۔ جھگڑالو۔ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸﴾ (43/الزخرف:58) ''بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں۔''

خَصِيْمٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ سخت جھگڑا کرنے والا۔ بہت ہی جھگڑالو۔ ﴿ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (16/النحل:4) ''پھر وہ بہت ہی جھگڑالو بن گیا۔''

(مفاعلہ) مُخَاصَمَةً و خِصَامًا جھگڑا کرنا۔

خِصَامٌ — مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ جھگڑا۔ ﴿ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ ﴾ (43/الزخرف:18) ''اور وہ جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ نوٹ: خِصَامٌ، خَصْمٌ کی جمع بھی ہے بمعنی جھگڑنے والا اور باب مفاعلہ سے اسم بھی ہے بمعنی جھگڑا۔

(افتعال) اِخْتِصَامًا — ایک دوسرے سے جھگڑنا۔ اوپر آیت الحج:19 دیکھیں۔ نیز فرمایا: ﴿ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ﴾ (3/آل عمران:44) ''اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب وہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔'' ﴿ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ ﴾ (36/یٰسین:49) ''انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت مبارکہ میں يَخِصِّمُوْنَ اصل میں يَخْتَصِمُوْنَ تھا۔ ت کو ص سے تبدیل کیا اور خ کو زیر دے کر ص کو ص میں مدغم کر دیا۔ اس طرح یہ يَخِصِّمُوْنَ بن گیا۔ یہ قرآنِ مجید کا خصوصی املاء ہے۔

(تفاعل) تَخَاصُمًا — ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝ ﴾ (38/صٓ:64) ''یہ بات ٹھیک ہونی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''یہ یعنی اہل دوزخ کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

**ترکیب**

وَمِنَ النَّاسِ میں وَ عطف کا ہے اور اس جملے کا عطف، آیت 200 میں فَمِنَ النَّاسِ پر ہے۔ مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہے۔ يُعْجِبُ فعل ہے، كَ ضمیر مفعولی ہے، قَوْلُهٗ اس کا فاعل ہے اور فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا متعلق فعل ہے۔ وَ عطف کا ہے اور يُشْهِدُ کا عطف يُعْجِبُ پر ہے۔ يُشْهِدُ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، لفظ اللّٰهَ اس کا مفعول ہے، عَلٰى حرف جار ہے، مَا فِيْ قَلْبِهٖ اس کا مجرور ہے اور جار مجرور متعلق فعل ہے۔ آگے وَ حالیہ ہے، هُوَ مبتداء ہے اور مرکب اضافی اَلَدُّ الْخِصَامِ اس کی خبر ہے۔ یاد رہے کہ اَلَدُّ الْخِصَامِ تفضیل کل کا صیغہ ہے، معنی ہوگا جھگڑا کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ جھگڑالو۔ (عموماً خصام کو خَصْمٌ کی جمع مان کر ترجمہ کیا گیا ہے)۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:204**

| وَمِنَ النَّاسِ | مَنْ | يُّعْجِبُكَ | قَوْلُهٗ | فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا |
|---|---|---|---|---|
| اور (اے مخاطب) لوگوں میں وہ بھی ہے | جو | اچھی لگتی ہے تجھ کو | اس کی بات | دنیا کی زندگی کے بارے میں |

| وَيُشْهِدُ | اللّٰهَ | عَلٰى مَا | فِيْ قَلْبِهٖ | وَ | هُوَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جو گواہ بناتا رہتا ہے | اللہ کو | اس پر جو | اس کے دل میں ہے | حالانکہ | وہ |

| اَلَدُّ الْخِصَامِ |
|---|
| سخت جھگڑالو ہے |

## آیت:205

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ | س ع ی: البقرۃ آیت 114 دیکھیں۔ | ف س د: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |
| ھ ل ك: البقرۃ آیت 195 دیکھیں۔ | ح ر ث: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔ |

### ن س ل

(ن) نُسُوْلًا اون کا جھڑنا اور گرنا۔

(ن) نَسْلًا کسی چیز سے الگ ہوجانا۔ جدا ہونا۔ جھاڑنا۔ گرانا۔ جننا۔ عربی میں کہتے ہیں نَسَلَ الْوَبْرُ عَنِ الْبَعِيْرِ: اون، اونٹ سے الگ ہوگئی۔ نَسَلَ الْقَمِيْصُ عَنِ الْاِنْسَانِ: قمیص بدن سے الگ ہوگئی۔

(ن)(ض) نَسَلَانًا تیز چلنا۔ تیز دوڑنا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶﴾ (21/الانبیاء:96) ''اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ینسلون۔ نسلان الذئب سے ماخوذ ہے۔ بھیڑیے کی سرعت رفتار کو نسلان الذئب کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب وہ بند ٹوٹ جائے گا جو یاجوج ماجوج کو روکے ہوئے ہے، تو وہ بلندیوں سے بڑی تیزی کے ساتھ اترتے چلے آئیں گے۔'' (ضیاء القرآن، ج:۳، ص:۱۸۶)۔ ﴿فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱﴾ (36/یٰسین:51) ''تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

نَسْلٌ اولاد اور اولاد کی اولاد۔ نسل۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸﴾ (32/السجدۃ:8) ''پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اولاد کو نسل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باپ سے جدا ہوئی ہوتی ہے۔ (مفردات القرآن)۔

### ترکیب

''وَ'' عطف کا ہے۔ اِذَا شرطیہ ہے۔ تَوَلّٰى شرط ہے اور سَعٰى سے وَالنَّسْلَ تک جواب شرط ہے۔ افعال تَوَلّٰى۔ سَعٰى۔ يُفْسِدَ اور يُهْلِكَ کے فاعل ان کی ھُوَ ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور مَنْ کے لیے ہیں۔ فِيْهَا کی ضمیر اَلْاَرْضَ کے لیے ہے۔ يُفْسِدَ کے لامِ کَیْ پر عطف ہونے کی وجہ سے يُهْلِكَ پر بھی نصب ہے۔ یاد رہے کہ لامِ کَیْ کے بعد لفظ اَنْ محذوف ہوتا ہے۔ ''وَ'' استینافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ اس کی خبر ہے۔

### ترجمہ

البقرۃ:205

| وَاِذَا | تَوَلّٰى | سَعٰى | فِى الْاَرْضِ | لِيُفْسِدَ | فِيْهَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جب | وہ لوٹتا ہے (آپؐ کے پاس سے) | تو وہ دوڑتا پھرتا ہے | زمین میں | تاکہ وہ خرابی ڈالے | اس میں |

| وَيُهْلِكَ | الْحَرْثَ | وَالنَّسْلَ ؕ | وَاللّٰهُ | لَا يُحِبُّ |
|---|---|---|---|---|
| اور (تاکہ) وہ برباد کرے | کھیتی کو | اور نسل کو | اور اللہ | پسند نہیں کرتا |

| الْفَسَادَ |
|---|
| فساد |

**نوٹ:1** آیت مبارکہ میں وَاِذَا تَوَلّٰی کے دو طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں (ا) جب وہ لوٹتا ہے۔(ب) جب وہ حاکم بنتا ہے۔ مثلاً:''اور جب پھرے تیرے پاس سے تو......''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو......''(ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو......''(ترجمہ تفہیم القرآن)۔''اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو......''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ چنانچہ اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''وَاِذَا تَوَلّٰی یعنی جب مجلس رسولؐ سے اُٹھ کر چلا گیا۔ تَوَلّٰی کے دوسرے معنی''حاکم بن گیا''''حکومت پا گیا'' کے بھی ہو سکتے ہیں اور کیے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم و مسلط ہو جاتا ہے۔''(تفسیر ماجدیؒ،ص:۱۰۶)۔ اور حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''اِذَا تَوَلّٰی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ہم نے متن میں اختیار کیا ہے (ترجمہ دیکھیں) اور دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ مزے مزے کی دل لبھانے والی باتیں بنا کر''جب وہ پلٹتا ہے''، تو عملاً یہ کرتوت دکھاتا ہے۔''(تفہیم القرآن، ج۱،ص:۱۵۹)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ تَوَلّٰی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''تَوَلّٰی کے دو معنی ہیں، والی بننا اور پیٹھ پھیرنا۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر اسے اقتدار ملتا ہے تو فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتا ہے یا جب مسلمانوں کے پاس سے اُٹھ کر چلا آتا ہے تو پھر وہی منافقت ظاہر کرنے لگتا ہے۔''(ضیاء القرآن، ج۱ص:۱۴۰)۔

**نوٹ:2** آیت میں اَلنَّسْل سے بھی دو معنی مراد لیے گئے ہیں۔(۱) ہر قسم کے جانور اور مویشی۔(۲) نسلِ انسانی۔

## آیت:206

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ |
| ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ح س ب: البقرۃ آیت 202 دیکھیں۔ | |

**م ھ د**

(ف) **مَھَدًا** بنیادی مفہوم ہے بستر بچھانا اور اسے نرم و آرام دہ بنانا۔ پھر یہ لفظ کسی چیز کو درست کرنا، سنوارنا، راستہ ہموار کرنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝۴۴ ﴾(30/الروم:44)''اور جنھوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں۔''(ترجمہ: ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''یَمْهَدُوْنَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: منه مهدا الصبی والمهاد: الفراش و قد مهدت الفراش مهدا بسطتهٗ و وطأتهٗ: یعنی بچے کے پنگھوڑے کو مہد اور بستر کو مہاد کہتے ہیں۔ بستر بچھانے اور اسے نرم و گداز کرنے کو مہدت الفراش سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس آیت میں یمھدون کا معنی ہوگا کہ وہ اپنی ابدی آرام گاہ کو درست و ہموار بنا رہے ہیں۔''(ضیاء القرآن، ج۳،ص:۵۸۰)۔ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''یَمْهَدُوْنَ۔ مہد کے لفظی معنی بچھانے کے ہیں۔ تو گویا یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جو اہل ایمان دنیا میں حسن عمل میں مصروف رہتے ہیں، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے راحت دائمی کا فرش بچھا رہے ہیں۔''(تفسیر ماجدی،ص:۸۴۰)۔

**مَاهِدٌ** ج: مَاهِدُوْنَ - مَاهِدِيْنَ - اسم الفاعل ہے۔ بچھانے والا۔ آرام دہ بنانے والا۔ درست کرنے والا۔﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸ ﴾(51/الذریات:48)''اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے (فرش) بچھانے والے ہیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مِهَادٌ** فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔(۱) آرام دہ بنائی ہوئی چیز، بستر، بچھونا، ٹھکانہ۔﴿ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ

بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ (3/آل عمران:12) ''اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیر مطالعہ۔ (۲) کنایۃً ہموار اور درست کی ہوئی زمین کو بھی مِهَادٌ کہتے ہیں۔ ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿٦﴾﴾ (78/النبا:2) ''کیا ہم نے نہیں بنادیا زمین کو بچھونا'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَهْدٌ** اسم ذات ہے۔ (۱) ہموار اور درست کی ہوئی زمین۔ بچھونا۔ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ (20/طٰہٰ:53) ''جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا'' (۲) گہوارہ، جو بچے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ پنگھوڑا۔ ﴿كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ﴾ (19/مریم:29) ''ہم کیسے بات کریں اس سے جو ہے گہوارے میں۔'' (۳) ماں کی گود کو بھی مَهْدٌ کہتے ہیں۔ ﴿وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ﴾ (3/آل عمران:46) ''اور باتیں کرے گا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہوگا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعیل) **تَمْهِیْدًا** بستر بچھانا۔ درست و ہموار کرنا۔ تیار کرنا۔ مہیا کرنا۔ ﴿وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿١٤﴾﴾ (74/المدثر:14) ''اور تیار کر دی اس کے لیے خوب تیاری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ترکیب**

''وَ'' عطف کا ہے۔ اِذَا شرطیہ ہے۔ قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ شرط ہے اور اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ جواب شرط ہے۔ اَخَذَتْ کا فاعل الْعِزَّةُ ہے اور ہٗ ضمیر مفعولی ہے جبکہ بِالْاِثْمِ متعلق فعل ہے۔ اَخَذَ کے ساتھ 'بِ' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے آمادہ کرنا۔ مرکب اضافی حَسْبُهٗ مبتداء ہے۔ جَهَنَّمُ خبر ہے۔ لَبِئْسَ میں لَ تاکید کا ہے بِئْسَ فعل ذم ہے، الْمِهَادُ اس کا فاعل ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے جو کہ جہنم ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَاِذَا | قِیْلَ | لَهٗ | اتَّقِ | اللّٰهَ | اَخَذَتْهُ | الْعِزَّةُ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:206 | اور جب | کہا جاتا ہے | اس سے | کہ تو ڈر | اللہ سے | تو آمادہ کرے اس کو | غرور |

| بِالْاِثْمِ | فَحَسْبُهٗ | جَهَنَّمُ | وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ |
|---|---|---|---|
| گناہ پر | پس کافی ہے اس کو | جہنم | اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے (جہنم) |

## آیت: 207

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ر ی: البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ |
| ر ء ف: البقرۃ آیت 143 دیکھیں۔ | ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

''وَ'' عطف کا ہے۔ مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے، مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا موخر ہے۔ یَشْرِیْ کا فاعل اس کی ھُوَ ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ نَفْسَهُ اس کا مفعول اوّل ہے اور مرکب اضافی اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اس کا مفعول ثانی ہے اس لیے مضاف اِبْتِغَاءَ پر نصب آئی ہے۔ اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کو مفعول لَهٗ بھی مانا گیا ہے یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ آگے لفظ اللّٰهُ مبتدا ہے رَءُوْفٌ خبر اور بِالْعِبَادِ متعلق خبر ہے۔

| ترجمہ | وَمِنَ النَّاسِ | مَنْ | یَّشْرِیْ | نَفْسَهُ | ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:207 | اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے | جو | بیچ ڈالتا ہے | اپنی جان (بھی) | اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے |

| بِالْعِبَادِ | رَءُوْفٌۢ | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|
| اپنے بندوں پر | نہایت مہربان ہے | اور اللہ |

**نوٹ** آیت نمبر 200 سے زیرِ مطالعہ آیت تک میں چار قسم کے حاجیوں کا ذکر آیا ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر عثمانیؒ سے دیکھیں۔

## آیت: 208

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۲۰۸﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | د خ ل: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ |
| ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | خ ط و: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | | |

**ك ف ف**

(ن) **كَفًّا** (۱) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کی ہتھیلی پر مارنا یا کسی کو ہتھیلی کے ساتھ مار کر دور ہٹانا اور روکنا۔ پھر عام طور پر کسی کو دور ہٹانے اور روکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ ہتھیلی سے ہو یا کسی اور چیز سے۔ (مفردات القرآن)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ (5/المآئدہ:110) ''اور جب میں نے روکا بنو اسرائیل کو آپؐ سے۔'' ﴿فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ﴾ (5/المائدۃ:11) ''تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔'' ﴿لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ﴾ (21/الانبیاء:39) ''جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو۔'' (۲) ہتھیلیوں سے کوئی چیز جمع کرنا یا پھیلانا۔

**كَفٌّ** تثنیہ: كَفَّانِ۔ كَفَّيْنِ۔ اسم ذات بھی ہے۔ ہتھیلی۔ ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ﴾ (13/الرعد:14) ''مگر اپنی دونوں ہتھلیوں کو پھیلانے کی مانند پانی کی طرف۔''

**كُفَّ** ج: كُفُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو روک۔ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (4/النساء:77) ''تم لوگ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز۔''

**كَاۗفَّةٌ** یہ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل كَافٌّ ہے جس پر تائے مبالغہ داخل ہے جیسے عَلَّامَةٌ پر ہے۔ لفظی معنی ہیں بہت زیادہ روکنے والا لیکن استعمال میں اس کے معنی ہیں سب کے سب، پورے۔ اس پر الف لام داخل نہیں ہوتا اور ہمیشہ حال، منصوب اور نکرہ استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ كَاۗفَّةً، جَمِيْعًا اور عَامَّةً کے معنی میں آتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص:۴۹۹)۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (34/سبا:28) ''اور ہم نے تو آپؐ کو سارے ہی انسانوں کے لیے (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ﴾ (9/التوبہ:36) ''اور لڑو مشرکوں سے، سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ۔

**ترکیب** یَا حرف ندا ہے، اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا منادٰی ہے۔ اُدْخُلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور فِی السِّلْمِ متعلق فعل ہے۔ کَآفَّۃً حال ہے اور اس کی دو ممکنہ صورتیں ہیں۔ (ا) اسے اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال مانا جائے۔ ترجمہ ہوگا "تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ" یعنی ظاہراً اور باطناً۔ (ب) اسے اَلسِّلْمِ (اسلام) کا حال مانا جائے۔ ترجمہ ہوگا "تم داخل ہو جاؤ مکمل اور پورے اسلام میں۔" (تلخیص از معارف القرآن، آیت زیر مطالعہ)۔ تراجم میں عموماً پہلی صورت اختیار کی گئی ہے۔ لَا تَتَّبِعُوْا فعل نہی ہے اور اس کا مفعول مرکب اضافی خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ہے۔ اس لیے اس کا مضاف خُطُوٰتِ حالتِ نصب میں ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، ضمیرہ اس کا اسم ہے، عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اس کی خبر ہے اور لَکُمْ متعلق خبر، مقدم ہے۔

| ترجمہ | |
|---|---|
| البقرۃ:208 | |

| وَلَا تَتَّبِعُوْا | کَآفَّۃً | فِی السِّلْمِ | اُدْخُلُوْا | اٰمَنُوْا | یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور پیروی مت کرو | پورے | اسلام میں | تم داخل ہو جاؤ | ایمان لائے ہو | اے لوگو جو |

| عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ | لَکُمْ | اِنَّہٗ | خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ |
|---|---|---|---|
| ایک کھلا دشمن ہے | تم لوگوں کا | بےشک وہ | شیطان کے نقش قدم کی |

**نوٹ:1** تراجم: "اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ "اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔

**نوٹ:2** شیطان کے نقش قدم سے مراد ہے شیطانی اعمال و افعال ہیں۔

## آیت:209

﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ز ل ل: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ | ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** 'فَ' استئنافیہ ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے۔ زَلَلْتُمْ سے اَلْبَیِّنٰتُ تک شرط ہے اور فَاعْلَمُوْٓا سے آخیر تک جواب شرط ہے۔ جَآءَتْ کا مفعول کُمْ ضمیر ہے اور اَلْبَیِّنٰتُ اس کا فاعل ہے، یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔ اِعْلَمُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ لفظ اللّٰہ اس کا اسم ہے اور عَزِیْزٌ اور حَکِیْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | |
|---|---|
| البقرۃ:209 | |

| اَلْبَیِّنٰتُ | جَآءَتْکُمُ | مِّنْۢ بَعْدِ مَا | زَلَلْتُمْ | فَاِنْ |
|---|---|---|---|---|
| واضح (احکامات) | آ چکے ہیں تمہارے پاس | اس کے بعد کہ | تم پھسل گئے | پھر اگر |

| حَکِیْمٌ | عَزِیْزٌ | اللّٰہَ | اَنَّ | فَاعْلَمُوْٓا |
|---|---|---|---|---|
| حکمت والا ہے | زبردست ہے | اللہ | کہ | تو جان لو |

## آیت:210

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؁﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ظ ل ل: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ |
| غ م م: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ | ق ض ی: البقرۃ آیت 117 دیکھیں۔ | ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| ر ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** هَلْ استفہام انکاری ہے۔ يَنْظُرُوْنَ بمعنی يَنْتَظِرُوْنَ ہے، اِلَّآ تاکید کے لیے ہے، اَنْ مصدریہ ہے، يَّاْتِيَ کا مفعول هُمْ ضمیر ہے، جبکہ اللّٰهُ اور الْمَلٰۗىِٕكَةُ اس کے فاعل ہیں۔ فِيْ ظُلَلٍ متعلق فعل ہے اور مِّنَ الْغَمَامِ صفت ہے ظُلَلٍ کی۔ اَلْغَمَامِ اسم جنس ہے۔ اُردو میں یہ مفہوم بادلوں سے ادا ہوگا۔ وُعطف کا ہے اور قُضِيَ کا عطف يَاْتِيَ پر ہے۔ قُضِيَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب فاعل اَلْاَمْرُ ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ تُرْجَعُ کا نائب فاعل اَلْاُمُوْرُ ہے اور متعلق فعل اِلَى اللّٰهِ کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ علامہ بیضاویؒ اور کئی دوسرے مفسرین نے اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ میں مضاف محذوف مانا ہے یعنی اَنْ تَاْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ وَبَاْسُهٗ۔ لغت عرب میں مضاف کا محذف عام ہے۔ (بحوالہ تفسیر ماجدی وضیاء القرآن)۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:210**

| هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ | اَنْ يَّاْتِيَهُمُ | اللّٰهُ | فِيْ ظُلَلٍ |
|---|---|---|---|
| کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں | کہ آئے ان کے پاس | اللہ | سائبانوں میں |

| مِّنَ الْغَمَامِ | وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ | وَقُضِيَ | الْاَمْرُ ۭ | وَاِلَى اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|
| بادلوں کے | اور فرشتے (بھی) | اور فیصلہ کر دیا جائے | تمام معاملات کا | اور اللہ کی طرف ہی |

| تُرْجَعُ | الْاُمُوْرُ |
|---|---|
| لوٹائے جائیں گے | تمام معاملات |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’اس آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا رہی ہے۔ لیکن آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کے متعلق علماء سلف کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں متشابہات سے ہیں اور ان کا حقیقی مفہوم اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں ہمیں اس کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ قال سفیان بن عیینه کل ما وصف اللّٰه به نفسه... لیس لاحدان یفسرهٗ الا اللّٰه و رسوله و به قال ابو حنیفه رحمه اللّٰه، (مظہری) لیکن علماء متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ ان آیات کی ایسی تاویل کرنا جو ان کی شایان شان ہو درست ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین نے یہاں آیت میں مضاف محذوف مانا ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں تھی۔ ان یاتیهم امر اللّٰه و باسه (بیضاوی) اور لغت عرب میں مضاف کا حذف عام مستعمل ہے۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۴۲)۔

**نوٹ:2** مادہ ’’ن ظ ر‘‘ انتظار کرنے کے معنی میں عام طور پر باب افتعال سے آتا ہے لیکن کبھی ثلاثی مجرد سے بھی اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ آیت اس کی ایک مثال ہے۔

## آیت: 211

﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ء ل: البقرة آیت 61 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرة آیت 68 دیکھیں۔ |
| ب د ل: البقرة آیت 59 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرة آیت 71 دیکھیں۔ | ش د د: البقرة آیت 74 دیکھیں۔ |
| ع ق ب: البقرة آیت 143 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** سَلْ فعل امر ہے اور بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اس کا مفعول ہے۔ كَمْ استفہامیہ ہے۔ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ اس کی تمیز ہے لیکن مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ اٰتَيْنَا کی ضمیر مفعولی ھُمْ، بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ کے لیے ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ يُبَدِّلْ سے جَاۗءَتْهُ تک شرط ہے، اس کے آگے جملہ جواب شرط ہے۔ يُبَدِّلْ کا فاعل اس کی ھُوَ ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے اور نِعْمَةَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے۔ جَاۗءَتْ کا فاعل اس کی ھِيَ ضمیر ہے جو نِعْمَةَ اللّٰهِ کے لیے ہے اور اس کی ہ ضمیر مفعولی، مَنْ کے لیے ہے۔

**ترجمہ** البقرة:211

| سَلْ | بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ | كَمْ | اٰتَيْنٰھُمْ | مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ |
|---|---|---|---|---|
| آپ پوچھیے | بنی اسرائیل سے | کتنی | ہم نے دیں ان کو | واضح نشانیاں |

| وَمَنْ يُّبَدِّلْ | نِعْمَةَ اللّٰهِ | مِنْۢ بَعْدِ مَا | جَاۗءَتْهُ | فَاِنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|
| اور جو بدل ڈالتا ہے | اللہ کی نعمت کو | اس کے بعد کہ جو | وہ آئی اس کے پاس | تو یقیناً اللہ |

| شَدِيْدُ الْعِقَابِ |
|---|
| سخت عذاب/سزا دینے والا ہے |

**نوٹ:1** قاعدہ یہ ہے کہ كَمْ کے بعد والا اسم اگر منصوب ہو تو ایسا كَمْ استفہامیہ ہوتا ہے اور اگر اسم مجرور ہو تو وہ كَمْ خبریہ ہوتا ہے۔ اب اس کا ایک استثناء سمجھ لیں۔ كَمْ استفہامیہ اور اس کے اسم کے درمیان اگر کوئی دوسرا لفظ آ جائے، جیسا کہ اس آیت میں اٰتَيْنٰھُمْ آیا ہے، تو اس کے اسم کو مِنْ لگا کر مجرور کر سکتے ہیں۔ اِس صورت میں بھی وہ كَمْ استفہامیہ ہی رہتا ہے۔ البتہ ہمارے اکثر بزرگوں نے آیت میں ترجمہ کم خبریہ کے مطابق کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**نوٹ:2** مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''نِعْمَةَ اللّٰهِ کی وسعت اطلاق، دینی و دنیوی، ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے۔'' اور تبدیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تبدیل کے معنی ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اُس شے کے اندر تحریف کر دینا، اُسے مسخ کر دینا، اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت واستفادہ کے لیے تھیں، اُلٹا انہی کو فسق وکفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعث ہدایت ہوتا تھا، اسی میں تصحیف وتحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہل تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۰۸)۔

## آیت: 212

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | د ن و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| س خ ر: البقرۃ آیت 164 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ح س ب: البقرۃ آیت 202 دیکھیں۔ |

### ز ی ن

(ض) زَيْنًا: کسی چیز کو خوبصورت بنانا۔ سجانا۔ آراستہ کرنا۔

زِيْنَةٌ: اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو سجایا جائے۔ سجاوٹ۔ آرائش۔ ''زینت'' لغوی معنی کے اعتبار سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش منظر بنائے۔ وہ عمدہ کپڑے بھی ہو سکتے ہیں اور زیور بھی۔ (معارف القرآن)۔ ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (7/الاعراف:32) ''کس نے حرام کیا اللہ کی اس سجاوٹ کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کے لیے۔'' ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴾ (37/الصافات:6) ''بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(تفعیل) تَزْيِيْنًا: خوب سجانا۔ آراستہ کرنا۔ زینت دینا۔ ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ (6/الانعام:43) ''اور سجایا ان کے لیے شیطان نے اس کو جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔'' ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (49/الحجرات:7) ''اور لیکن اللہ نے محبوب بنایا تمہارے لیے ایمان کو اور اس نے سجایا اس کو تمہارے دلوں میں۔'' نیز آیت زیر مطالعہ۔

(تفعّل) تَزَيُّنًا اور اِزَّيُّنًا: آراستہ ہونا۔ خوب سج جانا۔ ﴿حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾ (10/یونس:24) ''یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہوگئی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### ترکیب

زُيِّنَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا متعلق فعل ہے اور اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا نائب الفاعل ہے۔ اَلْحَيٰوةُ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے مذکر کا صیغہ بھی جائز ہے، دوسرا یہ کہ فعل اور نائب الفاعل میں فاصلہ آ گیا (حقانیؒ)۔ وَيَسْخَرُوْنَ کا واؤ عاطفہ ہے۔ يَسْخَرُوْنَ کی هُمْ ضمیر فاعلی لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے لیے ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا کا واؤ استینافیہ ہے اس لیے اس سے پہلے وقف لازم ہے۔ اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور ظرف فَوْقَهُمْ قائم مقام خبر ہے۔ اس میں هُمْ ضمیر لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے لیے ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دوسرا ظرف ہے۔ وَاللّٰهُ میں وُ استینافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اس کی خبر ہے۔ يَرْزُقُ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے اور اسم موصول مَنْ اپنے صلے يَشَاۗءُ کے ساتھ مل کر مفعول ہے بِغَيْرِ حِسَابٍ متعلق فعل ہے۔

| ترجمہ | زُيِّنَ | لِلَّذِيْنَ | كَفَرُوْا | الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا | وَيَسْخَرُوْنَ | مِنَ الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:212 | آراستہ کردی گئی ہے | ان کے لیے جنہوں نے | کفر کیا | دنیوی زندگی | اور وہ (کافر) مذاق کرتے ہیں | ان سے جو |

| يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ | فَوْقَهُمْ | اتَّقَوْا | وَالَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا ۘ |
|---|---|---|---|---|
| قیامت کے دن | (وہ) ان (کافروں) سے بلند ہوں گے | پرہیزگاری اختیار کی | اور جنہوں نے | ایمان لائے |

| بِغَيْرِ حِسَابٍ | يَّشَاۗءُ | مَنْ | يَرْزُقُ | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|
| بے حساب | وہ چاہتا ہے | اس کو جس کو | عطا کرتا ہے | اور اللہ |

## آیت:213

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؁﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ر: البقرۃ آیت 78 دیکھیں۔ | ب ع ث: البقرۃ آیت 56 دیکھیں۔ | ن ب و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ |
| ب ش ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ن ذ ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ |
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | | |

### ترکیب

كَانَ کا اسم النَّاسُ ہے اور مرکب توصیفی اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کی خبر ہے۔ فَبَعَثَ سے پہلے جملہ فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے۔ فَبَعَثَ میں 'ف' عطف کا ہے اور اگلے جملے کا عطف محذوف جملہ فعلیہ پر ہے۔ بَعَثَ کا فاعل اَللّٰهُ ہے، اَلنَّبِيّٖنَ اس کا مفعول ہے جبکہ مُبَشِّرِيْنَ اور مُنْذِرِيْنَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ وَاَنْزَلَ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اَنْزَلَ کا عطف، بَعَثَ پر ہے۔ اَنْزَلَ میں ھُوَ ضمیر فاعلی اَللّٰهُ کے لیے ہے۔ مَعَهُمْ میں ضمیر اَلنَّبِيّٖنَ کے لیے ہے جبکہ اَنْزَلَ کا مفعول الْكِتٰبَ ہے۔ اَلْكِتٰبَ میں 'ال' جنس کا ہے اور بِالْحَقِّ متعلق فعل ہے۔ لِيَحْكُمَ میں لِ لام کئی ہے اور يَحْكُمَ کی ضمیر فاعلی الْكِتٰبَ کے لیے ہے یا اللہ کے لیے ہے۔ بَيْنَ النَّاسِ ظرف ہے اور يَحْكُمَ سے متعلق ہے فِيْمَا میں فِيْ حرف جار ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے۔ جملہ فعلیہ اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ، اس کا صلہ ہے اور یہ جار مجرور بھی يَحْكُمَ سے متعلق ہے۔ فِيْهِ میں ضمیر، اسم موصول 'مَا' کی ضمیر عائد ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ میں 'وَ' عطف کا ہے، مَا نافیہ ہے اور فِيْهِ متعلق فعل ہے۔ فِيْهِ کی ضمیر اَلْكِتٰبَ کے لیے ہے۔ اِخْتَلَفَ کا فاعل اسم موصول اَلَّذِيْنَ اپنے صلے اُوْتُوْهُ کے ساتھ مل کر ہے اور اِلَّا تاکید کے لیے ہے۔ اُوْتُوْهُ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے اور 'ہ' ضمیر مفعول ثانی ہے اور اس سے مراد بھی اَلْكِتٰبَ ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بھی اِخْتَلَفَ سے متعلق ہے۔ جَاۗءَتْ کا فاعل اَلْبَيِّنٰتُ ہے اور ھُمْ ضمیر مفعول مقدم ہے۔ بَغْيًا مفعول لَهٗ ہے۔ بَيْنَهُمْ، ظرف ہے۔ بَغْيًا کو حال بھی مانا گیا ہے۔ فَهَدَى میں 'ف' عاطفہ ہے، هَدٰى فعل اور لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ یاد کر لیجیے کہ هَدٰى۔ يَهْدِيْ کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ مفعول اوّل یعنی جس کو ہدایت دی جائے، وہ بنفسہ آتا ہے اور دوسرے مفعول کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) یا تو وہ بھی بنفسہ آتا ہے۔ (۲) یا اِلٰى کا صلہ آتا ہے اور (۳) یا لِ کا صلہ آتا ہے۔ یہاں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اسم موصول اپنے صلے کے ساتھ مل کر مفعول اوّل ہے اور لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ

بِاِذْنِہٖ اس کا مفعول ثانی ہے۔ لِمَا میں 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اِخْتَلَفُوْا اپنے متعلقات کے ساتھ مل کر صلہ ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ میں وٗ استئنافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰہُ مبتدا اور جملہ فعلیہ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اس کی خبر ہے۔ یَھْدِیْ کا مفعول اوّل مَنْ یَّشَآءُ ہے اور اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ مفعول ثانی ہے۔ نوٹ کریں یہاں مفعول ثانی پر اِلٰی کا صلہ استعمال ہوا ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:213 |

| کَانَ النَّاسُ | اُمَّۃً وَّاحِدَۃً | فَبَعَثَ | اللّٰہُ | النَّبِیّٖنَ | مُبَشِّرِیْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| (ابتداء میں) سب لوگ | ایک دین پر تھے | (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا) تو بھیجے | اللہ نے | انبیاء | خوشخبری سنانے والے |

| وَمُنْذِرِیْنَ | وَاَنْزَلَ | مَعَھُمُ | الْکِتٰبَ | بِالْحَقِّ | لِیَحْکُمَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور خبردار کرنے والے | اور اس نے اتاریں | ان کے ساتھ | کتابیں | برحق | تاکہ وہ فیصلہ کردے |

| بَیْنَ النَّاسِ | فِیْمَا | اخْتَلَفُوْا | فِیْہِ | وَمَا اخْتَلَفَ | فِیْہِ |
|---|---|---|---|---|---|
| لوگوں کے درمیان | ان باتوں میں | انہوں نے اختلاف کیا | جس میں | اور اختلاف نہیں کیا | اس (کتاب) میں |

| اِلَّا الَّذِیْنَ | اُوْتُوْہُ | مِنْ بَعْدِ مَا | جَآءَتْھُمُ | الْبَیِّنٰتُ |
|---|---|---|---|---|
| مگر انہی لوگوں نے جن کو | وہ (کتاب) دی گئی تھی | اس کے بعد کہ | آ گئی تھیں ان کے پاس | روشن دلیلیں |

| بَغْیًا | بَیْنَھُمْ | فَھَدَی | اللّٰہُ | الَّذِیْنَ | اٰمَنُوْا | لِمَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ضد کی وجہ سے | آپس میں | پھر ہدایت دی | اللہ نے | ان لوگوں کو جو | ایمان لائے | اس (سچی بات) کی |

| اخْتَلَفُوْا | فِیْہِ | مِنَ الْحَقِّ | بِاِذْنِہٖ | وَاللّٰہُ | یَھْدِیْ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ اختلاف کیا کرتے تھے | جس میں | حق میں سے | اپنے حکم سے | اور اللہ | ہدایت دیتا ہے |

| مَنْ | یَّشَآءُ | اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ |
|---|---|---|
| اس کو جس کو | وہ چاہتا ہے | ایک سیدھے راستے کی طرف |

**نوٹ:1** اس آیت کے پس منظر میں ایک سوال تھا جس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ جب عقائد ایک تھے اور سب نبی ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے تو اختلاف کیوں ہوا اور مختلف فرقے کیوں بنے۔

**نوٹ:2** ترکیب میں بتایا گیا کہ فَبَعَثَ اللّٰہُ سے پہلے فَاخْتَلَفُوْا کا لفظ محذوف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مکی قرآن میں اِخْتَلَفُوْا کا لفظ پہلے آ چکا تھا اس لیے یہاں مدنی قرآن میں دوبارہ بیان نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورہ یونس کی آیت ۱۹ میں فرمایا: ﴿وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا﴾ ''اور نہیں تھے لوگ (ابتدا میں) مگر ایک ہی امت پھر (اپنی کجروی سے) باہم اختلاف کرنے لگے'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**نوٹ:3** اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ''آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی 'محققین' حسب معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے اور ان میں سے اکثر یہی کہہ گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک یا تعدد الٰہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا اور عقیدۂ توحید تک تو نسل انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی و دماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسل انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں 'مذہب' و 'ادیان' کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ اُمَّۃً

وَّاحِدَةً میں جس وحدت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے دینی و اعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ صدیوں کی اُلٹ پھیر، قیل وقال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات، انسانیات و اجتماعیات کا سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا یہی ہے کہ انسان کا دین اولین، دین توحید تھا۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۰۹)۔

## آیت:214

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اَمۡ: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ح س ب: البقرۃ آیت 202 دیکھیں۔ | د خ ل: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | م ث ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | خ ل و: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ |
| م س س: البقرۃ آیت 80 دیکھیں۔ | ب ء س: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ |
| ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | |

### ز ل ز ل

(رباعی) زِلۡزَالًا، زَلۡزَلَةً اس کے ماضی مضارع کا وزن فَعۡلَلَ۔ یُفَعۡلِلُ ہے، جس پر زَلۡزَلَ یُزَلۡزِلُ بنتا ہے۔ اس کا ماضی مجہول کا صیغہ زُلۡزِلَ ہے جس سے واحد مونث غائب کا صیغہ زُلۡزِلَتۡ اور جمع مذکر غائب کا صیغہ زُلۡزِلُوۡا بنتا ہے۔ کسی چیز کو بہت زیادہ ہلانا یا بار بار ہلانا۔ ﴿اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾﴾ (99/الزلزال:1) ''جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی۔'' نیز آیت زیر مطالعہ۔

زَلۡزَلَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ زوردار جھٹکے جو بار بار آئیں۔ زلزلہ۔ سخت بھونچال۔ ﴿اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾﴾ (22/الحج:1) ''یقیناً قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے۔''

### ترکیب

اَمۡ استفہامیہ ہے۔ حَسِبۡتُمۡ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ ہے۔ حَسِبَ کے دو مفعول آتے ہیں۔ یہاں جملہ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ، دونوں مفعولوں کا قائم مقام ہے (حقانی)۔ اَنۡ نواصبِ مضارع میں سے ہے اسی لیے تَدۡخُلُوا منصوب ہوا ہے اور اَلۡجَنَّةَ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَلَمَّا کا واؤ حالیہ ہے۔ لَمَّا نے یَاۡتِیۡ کو مجزوم کیا تو 'ی' گرگئی اس لیے یَاۡتِ آیا ہے، کُمۡ اس کا مفعول ہے اور مَثَلُ الَّذِیۡنَ اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اس کا صلہ ہے۔ مَسَّتۡ کا مفعول هُمۡ ہے جو اَلَّذِیۡنَ کے لیے ہے، جبکہ اَلۡبَاۡسَآءُ اور اَلضَّرَّآءُ اس کے فاعل ہیں۔ زُلۡزِلُوۡا کا نائب فاعل اس کی هُمۡ ضمیر ہے جو اَلَّذِیۡنَ کے لیے ہے۔ مَعَهٗ کی ضمیر اَلرَّسُوۡلُ کے لیے ہے۔ مَتٰی مبتداء ہے اور نَصۡرُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، نَصۡرُ اللّٰهِ اس کا اسم اور قَرِیۡبٌ خبر ہے۔

### ترجمہ

البقرۃ:214

| اَمۡ حَسِبۡتُمۡ | اَنۡ تَدۡخُلُوا | الۡجَنَّةَ | وَ | لَمَّا یَاۡتِكُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| کیا تم نے یہ گمان کیا | کہ تم داخل ہو جاؤ گے | جنت میں | حالانکہ | ابھی تک نہیں پہنچے تم کو |

| مَّثَلُ الَّذِیۡنَ | خَلَوۡا | مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ | مَسَّتۡهُمُ | الۡبَاۡسَآءُ | وَالضَّرَّآءُ |
|---|---|---|---|---|---|
| ان لوگوں کے حالات جو | گزرے | تم سے پہلے | پہنچی ان کو | سختی | اور تکلیف |

| وَزُلۡزِلُوۡا | حَتّٰى | يَقُوۡلَ | الرَّسُوۡلُ | وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا |
|---|---|---|---|---|
| اور انہیں ہلا دیا گیا | یہاں تک کہ | کہنے لگے | (وقت کے) رسول | اور وہ لوگ جو ایمان لائے |

| مَعَهٗ | مَتٰى | نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ | اَلَآ | اِنَّ | نَصۡرَ اللّٰهِ | قَرِيۡبٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ان کے ساتھ | کب آئے گی | اللہ کی مدد | سن لو | یقیناً | اللہ کی مدد | قریب ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم اس اختلاف اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا۔ جن حالات سے پہلی امتوں کو واسطہ پڑا، تمہیں بھی ان کا سامنا کرنا ہوگا، ایسے فتنہ باز تم میں بھی پیدا ہوں گے جو اپنے ذاتی وقار اور اپنی ناموری کے لیے قرآن کے نام پر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کریں گے تم ان کے جال میں نہ پھنسنا۔ اگر تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اب تم پر جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو اس خام خیالی سے باز آجاؤ۔ خوب کان کھول کر سن لو، ہوش ربا مصیبتیں، کڑی آزمائشیں اور لرزہ خیز امتحانات تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اللہ کی مدد تمہاری دستگیری کو یقیناً آئے گی۔ (ضیاء القرآن، ج:۱،ص:۱۴۵)۔

## آیت:215

﴿ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱۵﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | و ل د: البقرۃ آیت 83 دیکھیں۔ |
| ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ی ت م: البقرۃ آیت 83 دیکھیں۔ | س ك ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |
| اِبۡنُ السَّبِيۡلِ: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** يَسۡـَٔلُوۡنَ کا فاعل اس کی ضمیر هُمۡ ہے جو صحابۂ کرامؓ کے لیے ہے۔ كَ اس کی ضمیر مفعولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ مَاذَا اسم استفہام ہے اور کیا اور کتنا کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں مراد ہے ’’کیا خرچ کریں اور کن موقعوں پر خرچ کریں۔‘‘ (ماجدیؒ)۔ يُنۡفِقُوۡنَ جملہ فعلیہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے۔ قُلۡ فعل امر ہے۔ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ کا مَا شرطیہ ہے۔ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ شرط ہے اور فَلِلۡوَالِدَيۡنِ سے وَابۡنِ السَّبِيۡلِ تک جواب شرط ہے۔ مِنۡ خَيۡرٍ کا مِنۡ بیانیہ ہے۔ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ میں ’ف‘ جواب شرط کے لیے ہے، مبتداء محذوف ہے اور لِلۡوَالِدَيۡنِ قائم مقام خبر ہے یعنی فَهُوَ لِلۡوَالِدَيۡنِ ...... اس کے حرفِ جر لِ پر عطف ہونے کی وجہ سے وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ سے وَابۡنَ السَّبِيۡلِ تک الفاظ مجرور ہیں۔ اِبۡنُ السَّبِيۡلِ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ وَمَا تَفۡعَلُوۡا کا مَا بھی شرطیہ ہے اس لیے تَفۡعَلُوۡنَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ شرط ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ جواب شرط ہے۔ مِنۡ خَيۡرٍ کا مِنۡ بھی بیانیہ ہے۔ عَلِمَ ۔ يَعۡلَمُ کا مفعول بنفسہ آتا ہے۔ یعنی عَلِمَ بِهٖ نہیں کہتے بلکہ عَلِمَهٗ کہتے ہیں۔ لیکن افعل تفضیل اَعۡلَمُ اور عَلِيۡمٌ کے ساتھ بِ کا صلہ آتا ہے جیسے اس آیت میں بِهٖ عَلِيۡمٌ آیا ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:215**

| يَسۡـَٔلُوۡنَكَ | مَاذَا | يُنۡفِقُوۡنَ ؕ | قُلۡ | مَآ | اَنۡفَقۡتُمۡ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ (صحابہؓ) پوچھتے ہیں آپؐ سے کہ | (وہ) کیا | خرچ کریں | آپؐ کہہ دیجئے کہ | جو بھی | تم خرچ کرو |

| مِّنۡ خَيۡرٍ | فَلِلۡوَالِدَيۡنِ | وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ | وَالۡيَتٰمٰى |
|---|---|---|---|
| یعنی (اپنے) مال سے | تو وہ والدین کے لیے ہے | اور قرابت داروں کے لیے ہے | اور یتیموں کے لیے ہے |

| مِنْ خَيْرٍ | تَفْعَلُوْا | وَمَا | وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ | وَالْمَسٰكِيْنِ |
|---|---|---|---|---|
| کوئی نیکی | تم کرتے ہو | اور جو بھی | اور مسافروں کے لیے ہے | اور مسکینوں کے لیے ہے |

| عَلِيْمٌ | بِهٖ | فَاِنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|
| خوب جاننے والا ہے | اسے | تو یقیناً اللہ |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''دو باتوں کے متعلق پوچھا گیا تھا کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں، دونوں کا جواب دیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے سوال کا جواب ضمناً ہے اور دوسرے کا صراحۃً اور تفصیلاً۔ کیا خرچ کریں، کے متعلق تو فرمایا، مِّنْ خَيْرٍ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو حلال اور پاک مال خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حرام اور ناپاک مال کو قبول نہیں فرماتی۔ دوسرے سوال کا جواب اپنی اہمیت کے پیش نظر تفصیل طلب تھا اس کی وضاحت کر دی۔ حکم دیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور گھر میں بھی اپنے حقوق کے لحاظ سے سب سے مقدم ماں باپ ہیں۔ ان کی خدمت اور دلداری تمہارا فرض اولین ہے۔ ان کے بعد دوسرے عزیز و رشتہ دار ہیں، اولاد، بہن بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ سب کے ساتھ احسان و مروت از حد اہم ہے۔ ان کے بعد باری ہے قوم کے یتیم بچوں کی، مسکینوں اور بے وطن مسافروں کی امداد و اعانت کا کتنا مناسب اور فطری طریقہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اپنے تو بھوک سے بلک رہے ہوں اور بیگانوں پر آپ کی سخاوت کا مینہ برس رہا ہو'' (ضیاء القرآن، ج:۱، ص:۱۴۶)۔

## آیت:216

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔ |

**ک ر ہ**

(ک) کَرَاهَةً، کَرَاهِيَةً بدنما ہونا۔ برا ہونا۔

(س) کَرْهًا اور کُرْهًا کسی چیز کو برا سمجھنا۔ ناپسند کرنا۔ کسی کام کو مجبوراً کرنا۔ ﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (10/ یونس:82) ''اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اور پڑے برا مانیں گنہگار'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾ (16/ النحل:62) ''اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے (بیٹیاں) جنہیں وہ (اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

کَرْهٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ زبردستی۔ مجبوری۔ ناخوشی۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ ﴾ (4/ النساء:19) ''اے ایمان والو نہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ﴾ (3/ آل عمران:83) ''حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴾ (9/ التوبۃ:53) ''کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

کُرْهٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہی۔ ناپسند۔ ناگوار۔ مشقت۔ تکلیف۔ ﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ ﴾ (46/ الاحقاف:15) ''پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ نیز آیت

زیر مطالعہ۔

نوٹ: بعض علماء کے نزدیک کُرْہٌ وہ کام ہے جس پر تم اپنے آپ کو مجبور کرو اور کَرْہٌ وہ کام ہے جس پر تم کسی دوسرے کو مجبور کرو۔ (مصباح اللغات)۔

کَارِہٌ: ج: کَارِھُوْنَ۔ کَارِھِیْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ناپسند کرنے والا۔ ﴿وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ (23/المومنون:70) ''اور ان کے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔''

مَکْرُوْہٌ: مَفْعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ناپسند کیا ہوا یعنی ناپسندیدہ۔ ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ (17/بنی اسرائیل:38) ''یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) اِکْرَاھًا: کسی کو ناپسندیدہ کام پر مجبور کرنا۔ زبردستی کرنا۔ ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (10/یونس:99) ''کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِکْرَاہٌ: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ زبردستی۔ ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (2/البقرۃ:256) ''کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) تَکْرِیْھًا: کسی کے لیے کسی چیز کو ناپسندیدہ بنا دینا، ناگوار بنا دینا۔ یہ دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرے مفعول پر اِلٰی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ﴾ (49/الحجرات:7) ''اور اس نے ناگوار کر دیا تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو۔''

| ش ر ر |
|---|

(ن۔ض) شَرًّا: فسادی ہونا۔ نقصان دِہ ہونا۔ بُرا ہونا۔ شریر ہونا۔

شَرٌّ: (۱) مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ بُرائی۔ فساد۔ وہ بُری چیز جس سے سب کو نفرت ہو۔ اس کے مقابلے میں خَیْرٌ بمعنی بھلائی، نیکی آتا ہے۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا﴾ (70/المعارج:19، 20) ''بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا، جب پہنچے اس کو برائی تو بے صبرا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴾ (76/الدھر:7) ''اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (99/الزلزال:8) ''اور جس نے کی ذرہ بھر برائی، وہ دیکھ لے گا اسے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اور آیت زیر مطالعہ۔

(۲) یہ اَفعل التفضیل کا صیغہ اَشَرُّ ہے جو کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے الف کے حذف ہو جانے کے بعد شَرٌّ استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ برا یا سب سے برا۔ اس کے مقابلے میں بھی خَیْرٌ بمعنی زیادہ اچھا یا سب سے اچھا آتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (5/المائدۃ:60) ''آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں جتلا دوں وہ جو اللہ کے ہاں پاداش کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) برا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (8/الانفال:55) ''بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ (12/یوسف:77) ''کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

شَرِیْرٌ — ج: اَشْرَارٌ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ بُرا آدمی۔ شرارت کرنے والا۔ ﴿مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ (38/صٓ:62) ”اور کہیں گے یہ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔“ (ترجمہ ماجدیؒ)۔

شَرَرٌ اور شَرَارٌ — اسم جنس ہے۔ واحد: شَرَرَةٌ اور شَرَارَةٌ۔ آگ کی اُڑنے والی چنگاریاں۔ آگ کی چنگاری کو شَرَرٌ اور شَرَارٌ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (مفردات القرآن)۔ ﴿اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ (77/المرسلت:32) ”بیشک وہ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے بڑے بڑے محل۔“

## ترکیب

كُتِبَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب فاعل اَلْقِتَالُ ہے۔ وَهُوَ میں وَ حالیہ ہے اور هُوَ مبتداء ہے اور یہ اَلْقِتَالُ کے لیے ہے، جبکہ كُرْهٌ اس کی خبر ہے۔ عَسٰی فعل مقاربہ ہے، اس کا اسم محذوف ہے اور جملہ فعلیہ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا اس کی خبر ہے۔ تَكْرَهُوْا کا مفعول شَيْئًا ہے۔ وَهُوَ خَيْرٌ کا واؤ حالیہ ہے۔ هُوَ مبتداء، خَيْرٌ خبر اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ اسی طرح آگے عَسٰی فعل مقاربہ ہے اس کا اسم محذوف ہے اور جملہ فعلیہ اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا اس کی خبر ہے۔ وَ حالیہ ہے۔ هُوَ مبتداء، شَرٌّ خبر اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتدا اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُ اس کی خبر ہے۔ وَاَنْتُمْ میں وَ عاطفہ ہے اور اَنْتُمْ مبتداء اور جملہ فعلیہ لَا تَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:216 |

| كُتِبَ | عَلَيْكُمُ | الْقِتَالُ | وَهُوَ | كُرْهٌ | لَّكُمْ ج | وَعَسٰى | اَنْ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فرض کی گئی | تم پر | لڑائی | اور وہ | بری لگتی ہے | تمہیں | اور ہوسکتا ہے | کہ |

| تَكْرَهُوْا | شَيْئًا | وَّ | هُوَ | خَيْرٌ | لَّكُمْ ج | وَعَسٰى |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تم لوگ ناپسند کرو | کسی چیز کو | حالانکہ | وہ | بہتر ہو | تمہارے لیے | اور ہوسکتا ہے |

| اَنْ | تُحِبُّوْا | شَيْئًا | وَّ | هُوَ | شَرٌّ | لَّكُمْ ط | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| کہ | تم لوگ پسند کرو | کسی چیز کو | حالانکہ | وہ | بُری ہو | تمہارے لیے | اور اللہ |

| يَعْلَمُ | وَاَنْتُمْ | لَا تَعْلَمُوْنَ ع |
|---|---|---|
| جانتا ہے | اور تم لوگ | نہیں جانتے |

## آیت:217

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ
بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ
وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۤىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ع ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ش ھ ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ك ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | س ب ل: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ |
| ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | ف ت ن: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ |
| ر د د: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ط و ع: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| خ ل د: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | | |

## ص د د

(ن۔ض) صَدًّا اور صُدُوْدًا (۱) کسی چیز سے رک جانا۔ منہ پھیر لینا (لازم)۔ ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ﴾ (4/النساء:55) ''اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے اور کوئی کوئی اس سے رکے رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ (4/النساء:61) ''اور جب کہا جائے انہیں کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسولؐ (پاک) کی طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ (63/المنافقون:5) ''اور تو دیکھے کہ وہ رکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۲) کسی کو کسی چیز سے روک دینا (متعدی)۔ ﴿ اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى ﴾ (34/سبا:32) ''کیا ہم نے روکا تم کو ہدایت سے۔'' ﴿ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ (27/العنکبوت:24) ''پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۳) شور وغل مچانا۔ چیخ پڑنا۔ حیرت و تعجب یا خوشی سے چلانا۔ ﴿ وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴾ (43/الاحزاب:57) ''اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰؑ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور وغل مچا دیتی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور جب (عیسیٰؑ) ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلانے لگے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کی تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ ابن منظور نے یَصِدُّوْنَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے صَدَّ یَصِدُّ، صَدًّا: اِسْتَغْرَبَ ضَحْکًا کہ حیرت و تعجب کے باعث ہنسا اور اس کا دوسرا معنی ہے ضَجَّ وَ عَجَّ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ یضجون و یعجون۔ شور وغل مچانا''۔ (ضیاء القرآن، ج ۴، ص:۴۲۲)۔

صَدِيْدٌ اسم ذات ہے۔ خون سے ملی ہوئی پیپ۔ ﴿ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴾ (14/ابراہیم:16) ''اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ز ی ل

(ف) زَيْلًا کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹنا۔ زائل ہونا۔

مَا زَالَ اور لَا یَزَالُ افعال ناقصہ میں سے ہیں۔ (البقرہ:57 دیکھیں)

(تفعیل) تَزْيِيْلًا الگ الگ کرنا۔ جدا جدا کرنا۔ پھوٹ ڈالنا۔ ﴿ ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ﴾ (10/یونس:28) ''پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان (عابدین و

معبودین) کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے۔‘‘ (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ’’زَیَّلْنَا۔ زیلنا کے کھلے ہوئے معنی فرقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل سے لایا گیا ہے تاکہ معنی سے شدت وتکثیر کا اظہار ہو سکے۔‘‘ (تفسیر ماجدی، ص: ۴۷۲)۔

(تفعّل) تَزَيُّلًا الگ ہونا۔ جدا ہونا۔ ﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (48/الفتح:25) ’’اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ح ب ط

(س) حَبْطًا کسی چیز کا اکارت ہو جانا۔ ضائع ہو جانا۔ برباد ہونا۔ یہ عرب محاورے حَبِطَتِ النَّاقَةُ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے اونٹنی نے خراب گھاس کھالی جس سے اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ مرگئی۔ ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ (5/المآئدہ:5) ’’اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو ضائع ہو گیا اس کا عمل۔‘‘

(افعال) اِحْبَاطًا کسی چیز کو اکارت کر دینا۔ ضائع کرنا۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ (47/محمد:9) ’’یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے اُتارا تو اس نے ضائع کر دیا ان کے اعمال کو۔‘‘

## ترکیب

یَسْـَٔلُوْنَ فعل ہے اور اس میں ضمیر اس کا فاعل ہے۔ كَ اس کا مفعول ہے۔ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ متعلق فعل ہے۔ اَلشَّهْرِ الْحَرَامِ مرکب توصیفی ہے اور اَلشَّهْرِ پر ال کو جنس کا بھی مانا گیا ہے اور تعریف کا بھی۔ اگر ال کو جنس کا مانا جائے تو ترجمہ جمع میں ہوگا اور اگر تعریف کا مانا جائے تو مراد رجب کا مہینہ ہوگا۔ قِتَالٍ فِيْهِ بدل اشتمال ہے اَلشَّهْرِ الْحَرَامِ سے، اسی لیے مجرور ہے۔ فِيْهِ کی ضمیر اَلشَّهْرِ الْحَرَامِ کے لیے ہے۔ قُلْ فعل امر ہے اور اس کے بعد قاعدۂ کلیہ کا بیان ہے اس لیے قِتَالٌ مبتداء نکرہ آیا ہے اور كَبِيْرٌ اس کی خبر ہے اور یہ صفت ہے۔ جبکہ اس کا موصوف اِثْمٌ محذوف ہے۔ وَصَدٌّ میں ’وَ‘ عطف کا ہے صَدٌّ مبتداء ہے اور عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس سے متعلق ہے۔ وَكُفْرٌۢ بِهٖ میں بھی ’وَ‘ عطف کا ہے، كُفْرٌۢ مبتدا ہے اور بِهٖ اس سے متعلق ہے۔ اس میں ’ہٖ‘ ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں ’وَ‘ عطف کا ہے، اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا عطف عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ پر ہے اسی لیے حالت جر میں ہے۔ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ میں ’وَ‘ عطف کا ہے، اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ، مرکب اضافی مبتداء ہے اور مِنْهُ اس سے متعلق ہے۔ اَهْلِهٖ اور مِنْهُ کی ضمیریں اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے لیے ہیں۔ اَكْبَرُ اس پورے فقرے کی خبر ہے اور اس کی تمیز اِثْمًا محذوف ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ ظرف ہے اور اَكْبَرُ سے متعلق ہے۔ وَالْفِتْنَةُ میں ’وَ‘ استنافیہ ہے اَلْفِتْنَةُ مبتداء، اَكْبَرُ اس کی خبر اور مِنَ الْقَتْلِ متعلق خبر ہے۔ لَا يَزَالُوْنَ فعل ناقص ہے، اس کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ يُقَاتِلُوْنَكُمْ اس کی خبر ہے۔ حَتّٰى نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے يَرُدُّوْكُمْ منصوب ہوا ہے۔ عَنْ دِيْنِكُمْ، متعلق فعل ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ فعلیہ اسْتَطَاعُوْا شرطیہ ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ يَرُدُّوْكُمْ ہو سکتا ہے۔ (درویشؒ)۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ يَرْتَدِدْ سے كَافِرٌ تک شرط ہے جبکہ فَاُولٰٓئِكَ سے وَالْاٰخِرَةِ تک جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے يَرْتَدِدْ اور يَمُتْ مجزوم ہیں۔ اَعْمَالُ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل حَبِطَتْ واحد مؤنث آیا ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ میں ’وَ‘ عطف کا ہے اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اَصْحٰبُ النَّارِ اس کی خبر ہے۔ هُمْ پھر مبتدا ہے، خٰلِدُوْنَ خبر ہے اور فِيْهَا متعلق خبر مقدم ہے۔

## ترجمہ
البقرۃ:217

| قِتَالٍ فِيْهِ | عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ | يَسْـَٔلُوْنَكَ |
|---|---|---|
| (یعنی) اس میں جنگ کرنے کے بارے میں | ماہ حرام کے بارے میں | وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے |

| وَكُفْرٌۢ | عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | وَصَدٌّ | كَبِيْرٌ | فِيْهِ | قِتَالٌ | قُلْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور انکار کرنا | اللہ کے راستے سے | اور روکنا | بڑا (گناہ) ہے | اس میں | جنگ کرنا | آپ کہہ دیجئے |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| بِهٖ | وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ | وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ | مِنْهُ | اَكْبَرُ |
| اس کا | اور مسجدِ حرام (سے روکنا) | اور اس کے لوگوں کو نکالنا | اس سے | زیادہ بڑے (گناہ) ہیں |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| عِنْدَ اللّٰهِ ۚ | وَالْفِتْنَةُ | اَكْبَرُ | مِنَ الْقَتْلِ ۗ | وَلَا يَزَالُوْنَ |
| اللہ کے نزدیک | اور فتنہ | زیادہ بڑا (گناہ) ہے | قتل سے | اور ہمیشہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| يُقَاتِلُوْنَكُمْ | حَتّٰى | يَرُدُّوْكُمْ | عَنْ دِيْنِكُمْ |
| وہ لوگ لڑتے رہیں گے تم سے | یہاں تک کہ | وہ پھیر دیں تمہیں | تمہارے دین سے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ | وَمَنْ | يَّرْتَدِدْ | مِنْكُمْ | عَنْ دِيْنِهٖ | فَيَمُتْ |
| اگر ان کے بس میں ہو | اور جو | واپس پھرا | تم میں سے | اپنے دین سے | پھر وہ مرا |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| وَهُوَ | كَافِرٌ | فَاُولٰٓئِكَ | حَبِطَتْ | اَعْمَالُهُمْ | فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ |
| اس حال میں کہ وہ | کافر رہا | تو یہی لوگ ہیں | ضائع ہو گئے | جن کے اعمال | دنیا اور آخرت میں |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| وَاُولٰٓئِكَ | اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ | هُمْ | فِيْهَا | خٰلِدُوْنَ |
| اور وہ لوگ | آگ والے ہیں | وہ لوگ | اس میں | ہمیشہ رہیں گے |

## آیت:218

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾٢١٨

ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔

**ھ ج ر**

(ن) (۱) هَجَرًا و هِجْرَانًا قطع تعلق کرنا۔ چھوڑنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْهَجْرُ و اَلْهِجْرَانُ کے معنی ایک انسان کے دوسرے انسان سے جدا ہونے کے ہیں چاہے یہ جدائی بدنی ہو یا زبان سے ہو یا دل سے ہو'' (مفردات القرآن، ج۲، ص:۱۱۴۹)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝١٠ ﴾ (73/المزمل:10) ''اور ان سے الگ ہو جایئے بڑی خوب صورتی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) هُجْرًا بلا سوچے سمجھے بکواس کرنا۔ گالی گلوچ کرنا۔ ﴿ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝٦٧ ﴾ (23/المومنون:67) ''غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحنِ حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ایک حدیث میں ہے ''لَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا: فحش کلامی نہ کیا کرو۔'' (بحوالہ مفردات القرآن، ج2، ص:1151)۔

اُهْجُرْ ج: اُهْجُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو قطع تعلق کر۔ تو چھوڑ۔ ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ ﴾ (74/المدثر:5) ''اور گندگی سے دور رہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ (4/النساء:34) ''اور انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

مَهۡجُوۡرٌ — اسم المفعول ہے اور دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) نظر انداز کیا ہوا۔ چھوڑا ہوا یعنی وہ چیز جس کا استعمال چھوڑ دیا گیا ہو۔﴿ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا ﴾(25/الفرقان:30)''اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر رکھا تھا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔(۲) بکواس۔ بک بک۔ نامناسب کلام۔﴿ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا ﴾(25/الفرقان:30)''اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''اصل میں لفظ مھجور استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ اگر اسے ھَجۡر سے مشتق مانا جائے تو معنی ہوں گے متروک، یعنی ان لوگوں نے قرآن کو قابل التفات ہی نہ سمجھا، نہ اسے قبول کیا اور نہ اس سے کوئی اثر لیا۔ اور اگر ھُجۡر سے مشتق مانا جائے تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے اسے ہذیان اور بکواس سمجھا۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اسے اپنے ہذیان اور اپنی بکواس کا ہدف بنالیا اور اس پر طرح طرح کی باتیں چھانٹتے رہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳،ص:۴۴۷)۔

(مفاعلہ) مُھَاجَرَۃً و ھِجۡرَۃً — کسی کا کسی کو چھوڑ دینا اور اس سے کٹ جانا۔ ترکِ وطن کرنا۔ ایک ملک سے دوسرے ملک چلے جانا۔ ہجرت کرنا۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ ہجرۃ کی اصطلاحی تعریف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں''اصطلاح میں ہجرت کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ (۱) دین کے لیے ترکِ وطن کرنا۔ جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، اپنا وطن مکہ ترک کر کے مدینہ اور حبشہ تشریف لے گئے۔(۲) گناہوں کو چھوڑنا۔''(معارف القرآن، ج۲،ص:۵۱۲)۔﴿ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ ھَاجَرَ اِلَیۡھِمۡ ﴾(59/الحشر:9) ''وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے جنہوں نے ہجرت کی ان کی طرف۔''﴿ فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡھُمۡ اَوۡلِیَآءَ حَتّٰی یُھَاجِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾(4/النساء:89)''سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔(ہجرت کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

مُھَاجِرٌ — ج: مُھَاجِرُوۡنَ۔ مُھَاجِرِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ ہجرت کرنے والا۔﴿ اِنِّیۡ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیۡ ؕ﴾ (29/العنکبوت:26)''بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔''﴿ وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ ﴾(9/التوبۃ:100)''اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُھَاجِرَۃٌ — ج: مُھَاجِرَاتٌ۔ اسم الفاعل۔ واحد مونث۔ ہجرت کرنے والی۔﴿ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡھُنَّ ؕ﴾(60/الممتحنۃ:10)''اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ج ھ د**

(ف) جَھۡدًا و جُھۡدًا — کسی چیز کے حصول کے لیے محنت و کوشش کرنا۔ مشقت کرنا۔ یعنی To strive for something۔ یہ یک طرفہ عمل ہے۔

جُھۡدٌ — اسم ذات بھی ہے۔ وسعت و طاقت۔ تکلیف و مشقت۔ بعض بزرگوں کے نزدیک جُھۡد کا لفظ صرف طاقت اور وسعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُھۡدَھُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡھُمۡ ؕ﴾(9/التوبۃ:79) ''اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**جَھْدٌ** اسم ذات بھی ہے۔ وسعت وطاقت۔ کوشش۔ تاکید۔ تکلیف ومشقت۔ بعض بزرگوں کے نزدیک جَھْد کا لفظ صرف مشقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ (6/الانعام:109) ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت میں جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ سے مراد ہے۔ حَلَفُوْا اَيْمَانًا مُؤَكَّدَةً یعنی بڑی تاکید اور زور سے قسمیں کھاتے ہیں۔ (بحوالہ احسن البیان)۔

(مفاعلہ) **مُجَاهَدَةً اور جِهَادًا** باب مفاعلہ میں عموماً مقابلے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مادہ جب باب مفاعلہ میں آئے گا تو اب دو طرفہ عمل ہو جائے گا یعنی جہد کے مقابلے میں جہد، کسی رکاوٹ کے مقابلے میں محنت وکوشش۔ چنانچہ مفہوم ہوگا ''کسی مقصد کے حصول کے لیے کسی کے مقابلے میں انتہائی محنت اور کوشش کرنا۔ جدوجہد کرنا۔ انگریزی زبان میں اس کا مفہوم یوں ادا ہوتا ہے۔ To struggle against something۔ جُهْدٌ یک طرفہ عمل ہے جبکہ جہاد دو طرفہ کوشش ہے یعنی آپ بھی کوشش کر رہے ہیں تو کوئی دوسرا بھی کوشش کر رہا ہے۔ گویا کوشش کا مقابلہ کوشش سے ہو رہا ہے۔ ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (9/التوبۃ:19) ''کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (5/المائدۃ:54) ''جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اپنے لغوی مفہوم میں مشرک ماں باپ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ (31/لقمان:15) ''اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ: ''جہاد فی سبیل اللہ'' قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے جو قوتیں اللہ کی راہ میں مزاحم ہیں مثلاً نفس، شیطان، بگڑا معاشرہ، باطل عقائد ونظریات، باطل نظام اور ظاہری دشمن، جو ایک بندے کو اللہ کی مرضی کے مطابق چلنے سے روکتی ہیں، ان کے خلاف اپنی تمام امکانی طاقتوں سے کشمکش اور جدوجہد کرنا۔ صاحبِ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''دشمن کی مدافعت میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر قسم کی جانی، مالی، زبانی اور جسمانی کوشش کرنا اور مشقت اٹھانا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

**جَاهِدْ** ج: جَاهِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جہاد کر۔ تو محنت کر۔ تو کوشش کر۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (9/التوبۃ:73) ''اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (9/التوبۃ:41) ''اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُجَاهِدٌ** ج: مُجَاهِدُوْنَ۔ مُجَاهِدِيْنَ۔ جدوجہد کرنے والا۔ دشمن کی مدافعت میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر قسم کی کوشش اور مشقت کرنے والا۔ ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ﴾ (4/النساء:95) ''نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِجْتِهَادًا کوشش کرنا۔ پوری طاقت صرف کرنا۔ احتیاط کرنا۔ عموماً فِیْ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

| ر ج و |
|---|

(ن) رَجْوًا پر امید ہونا۔ کسی سے اُمید لگانا۔ اُمید کرنا۔ خوف کرنا۔ رِجَاءٌ ایسے ظن کو کہتے ہیں جس سے خوشی حاصل ہونے کا امکان ہو۔ خوف و رجاء لازم وملزوم ہیں جب کسی محبوب چیز کے ملنے کی توقع ہو تو ساتھ ہی اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ اس لیے کبھی یہ لفظ بمعنی خوف کرنا بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ۭ﴾ (4/النساء:104) ''اور تم لوگ اُمید رکھتے ہو اللہ سے اس کی جس کی وہ لوگ اُمید نہیں رکھتے۔''

اُرْجُ ج: اُرْجُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو اُمید رکھ۔ ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (29/العنکبوت:36) ''اے میری قوم تم لوگ بندگی کرو اللہ کی اور اُمید رکھو آخرت کی۔''

مَرْجُوٌّ اسم المفعول ہے۔ جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں۔ جس سے آس لگی ہو۔ ﴿قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ﴾ (11/ھود:62) ''انہوں نے کہا اے صالحؑ تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے اُمیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے۔''

رَجَاءٌ ج اَرْجَاءٌ۔ کسی چیز کا کنارہ۔ رَجَا الْبِئْرِ۔ کنویں کا کنارہ۔ رَجَا السَّمَاءِ۔ آسمان کا کنارہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآىِٕهَا ؕ﴾ (69/الحاقۃ:17) ''اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔''

(افعال) اِرْجَاءً (۱) کسی کو اُمید دلانا۔ (۲) ٹال دینا۔ مؤخر کرنا۔ ڈھیل دینا۔ دور کرنا۔ ﴿ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ﴾ (33/الاحزاب:51) ''آپؐ دور کردیں اس کو جس کو آپؐ چاہیں ان میں سے۔''

اَرْجِ فعل امر ہے۔ تو ٹال دے۔ مؤخر کردے۔ ﴿ اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:111) ''تو ٹال دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔'' نوٹ: اَرْجِهْ میں ہائے سکت نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وَ اَخَاهُ کا فقرہ بے معنی ہوجاتا ہے۔ یہ دراصل امر اَرْجِ کی ضمیر مفعولی ہے۔ یہ قرآن مجید کی مخصوص قرأت اور املا ہے کہ اس کو اَرْجِهٖ کے بجائے اَرْجِهْ پڑھتے اور لکھتے ہیں۔

مُرْجٰی ج: مُرْجَوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ وہ جس کا معاملہ ٹال دیا جائے، مؤخر کردیا جائے یا ملتوی کردیا جائے۔ ﴿ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (9/التوبۃ:106) ''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کردیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، موصول اور صلہ مل کر اس کا اسم ہے۔ وَالَّذِیْنَ میں وٗ عطف کا ہے اور اگلے جملے کا عطف اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پر ہے۔ جبکہ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ کی خبر ہے۔ جمع مؤنث سالم کے علاوہ جس لفظ کے لام کلمہ پر تا آتی ہے اسے تائے مبسوط (ت) سے لکھتے ہیں جیسے وَقْتٌ۔ اس کو وَقْۃٌ لکھنا غلط ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر تائے مربوط (ۃ) استعمال ہوتی ہے۔ رَحْمَةٌ بھی تائے مربوط سے ہی لکھا جاتا ہے جبکہ رَحْمَتٌ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتدا اور غَفُوْرٌ اور رَّحِیْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ | وَجٰهَدُوْا | هَاجَرُوْا | وَالَّذِیْنَ | الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا | اِنَّ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اللہ کی راہ میں | اور جہاد کیا | ہجرت کی | اور جنہوں نے | جو لوگ ایمان لائے | بیشک | البقرۃ:218 |

| أُولٰٓئِكَ | يَرْجُوْنَ | رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ | وَاللّٰهُ | غَفُوْرٌ | رَّحِيْمٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ لوگ | اُمید رکھتے ہیں | اللہ کی رحمت کی | اور اللہ | بے انتہا بخشنے والا (اور) | رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ** حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر کے معنی ہیں کسی چیز سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دینا۔ اور محاوراتِ عامہ میں ہجرت کا لفظ ترکِ وطن کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، اصطلاحِ شرع میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ (روح المعانی)۔ اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ کسی وطن کو دینی وجوہ کی بناء پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ (مرقاۃ، صفحہ ۳۹، جلد ۱)۔ سورۂ حشر کی آیت:8 اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ جو مہاجرین صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی ملک کے کفار مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے زبردستی نکال دیں تو یہ بھی ہجرت میں داخل ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ ہندوستان سے پاکستان کی طرف منتقل ہونے والے مسلمان جو دارالکفر سے بیزاری کے سبب باختیار خود اس طرف آئے ہیں یا جن کو غیر مسلموں نے محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے زبردستی نکال دیا ہے، یہ سب لوگ شرعی معنی کے اعتبار سے مہاجر ہیں، البتہ جو تجارتی ترقی یا ملازمت کی سہولتوں کی نیت سے منتقل ہوئے وہ شرعاً مہاجر کہلانے کے مستحق نہیں۔

اور صحیح بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ وَرَسُوْلُهٗ ''یعنی مہاجر وہ ہے جو اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے۔''

سو اس کا مطلب اسی حدیث کے پہلے جملے سے ظاہر ہو جاتا ہے جس میں یہ ارشاد ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ ''یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے سب مسلمان محفوظ اور سلامت رہتے ہوں۔''

مراد اس کی ظاہر ہے کہ سچا اور پکا مسلمان وہی ہے جو دوسروں کو ایذاء نہ پہنچائے، اسی طرح سچا اور کامیاب مہاجر وہی ہے جو صرف ترکِ وطن کر کے فارغ نہ ہو جائے، بلکہ جتنی چیزیں شریعت نے حرام و ناجائز قرار دی ہیں ان سب کو بھی چھوڑ دے۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص: ۵۲۶)۔

## آیت:219

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ﴿۲۱۹﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ی س ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ |
| ک ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ | ن ف ع: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ع ف و: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | |

**خ م ر**

(ن) خَمْرًا — کسی چیز کو چھپانا۔ کسی چیز کو ڈھانپنا۔ عربی میں خِمَارٌ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز چھپائی جائے۔

خَمْرٌ — اسم ذات بھی ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْخَمْرُ: شراب۔ نشہ۔ کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے بعض لوگوں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز پر خَمْر کا لفظ بولا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک صرف اسی چیز کو خمر کہا جاتا ہے جو انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۳۲۰)۔ صاحب لغات القرآنؒ فرماتے ہیں: ''خمر یا تو اِخْتِمَارٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی خمیر اٹھنے کے ہیں، چونکہ اس میں بھی خمیر اٹھ کر جوش پیدا ہوتا اور جھاگ آنے لگتی ہے اس لیے اس کا نام خمر ہوا یا مُخَامَرَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی چھپا لینے کے ہیں چونکہ یہ وسواس کو گم کر دیتی اور عقل و ہوش کو چھپا دیتی ہے

اس لیے خمر سے موسوم ہوئی۔'' (لغات القرآن، ج۲،ص: ۳۲۴)۔﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ ﴾(5/ المائدۃ:90)''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر، سب ناپاک ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیر مطالعہ۔

**خِمَارٌ** ج: خُمُرٌ۔ اسم ذات ہے۔ ڈوپٹہ۔ اوڑھنی۔ وہ کپڑا جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ چھپ جائے۔ ﴿ وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ﴾(24/ النور:31)''اور خواتین کو چاہیے کہ وہ لپیٹیں اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر۔''

**ف ک ر**

(ض) **فِکْرًا و فِکْرَۃً** (۱) کسی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اس کے بارے میں چھان بین کرنا۔ سوچ و چار کرنا۔ غور وفکر کرنا۔ عربی میں رَجُلٌ فِکِّیْرٌ کا مطلب ہے بہت غور وفکر کرنے والا۔ غور وفکر کی صلاحیت صرف انسانوں کو دی گئی ہے دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں۔ (۲) فِکْرٌ کے معنی حاجت ہونا کے بھی ہیں۔ عربی محاورے میں کہتے ہیں مَا لِیْ فِیْهِ فِکْرٌ مجھے اس کی حاجت نہیں۔ لیکن ان معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

(تفعیل) **تَفْکِیْرًا** تسلسل سے غور وفکر کرنا۔ کثرت سے سوچ و چار کرنا۔ ﴿ اِنَّهٗ فَکَّرَ وَ قَدَّرَ ﴾(74/ المدثر:18)''بیشک اس نے بہت سوچ و چار کیا اور طے کیا۔''

(تفعّل) **تَفَکُّرًا** کسی معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنا۔ سوچ و چار کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''کسی چیز میں تفکر اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی صورت دماغ میں آسکے جیسے زمین و آسمان وغیرہ۔ اگر دماغ میں صورت نہ آسکے تو ایسے مقام پر تفکر کا استعمال صحیح نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے تَفَکَّرُوْا فِیْ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِی اللّٰهِ کہ اللہ کی نعمتوں پر تو غور وفکر کیا کرو لیکن اللہ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو کیونکہ اس کا تصور انسانی ذہن میں نہیں آسکتا۔'' قرآن مجید میں فرمایا:﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ﴾(6/ الانعام:50)''آپ فرمایئے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا، تو کیا تم غور وفکر نہیں کرتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾(7/ الاعراف:184)''کیا اب تک نہیں غور وفکر کیا انہوں نے۔ ان کے صاحب پر تو جنون کا ذرا اثر نہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیر مطالعہ۔

**ترکیب** یَسْـَٔلُوْنَ فعل ہے، کَ ضمیر مفعولی ہے اور عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ متعلق فعل ہے۔ قُلْ فعل امر ہے۔ اِثْمٌ کَبِیْرٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر فِیْهِمَا مقدم ہے اور اس کی ضمیر اَلْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ کے لیے ہے۔ مَنَافِعُ (غیر منصرف) بھی مبتداء نکرہ ہے اور اس سے پہلے فِیْهِمَا محذوف ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لِلنَّاسِ قائم مقام خبر ہے۔ اِثْمُهُمَآ، مرکب اضافی، مبتدا ہے، اَکْبَرُ اس کی خبر ہے اور مِنْ نَّفْعِهِمَا متعلق خبر ہے۔ مَاذَا اسم استفہام ہے اور جملہ فعلیہ یُنْفِقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ اَلْعَفْوَ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے اَنْفِقُوْا محذوف ہے۔ یُبَیِّنُ فعل، اَللّٰهُ اس کا فاعل، لَکُمُ متعلق فعل اور اَلْاٰیٰتِ اس کا مفعول ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، کُمْ اس کا اسم اور تَتَفَکَّرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | یَسْـَٔلُوْنَکَ | عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ | قُلْ | فِیْهِمَآ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:219 | وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے | جوئے اور شراب کے بارے میں | آپ کہہ دیجئے | ان دونوں میں |

| اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ | وَّمَنَافِعُ | لِلنَّاسِ | وَاِثۡمُهُمَآ | اَكۡبَرُ |
|---|---|---|---|---|
| بڑا گناہ ہے | اور کچھ فائدے بھی ہیں | لوگوں کے لیے | اور ان دونوں کا گناہ | زیادہ بڑا ہے |

| مِنۡ نَّفۡعِهِمَا | وَيَسۡئَلُوۡنَكَ | مَاذَا | يُنۡفِقُوۡنَ | قُلِ |
|---|---|---|---|---|
| ان دونوں کے فائدے سے | اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے | کتنا | وہ خرچ کریں | آپؐ کہہ دیجیے |

| الۡعَفۡوَ | كَذٰلِكَ | يُبَيِّنُ | اللّٰهُ | لَكُمُ | الۡاٰيٰتِ |
|---|---|---|---|---|---|
| (خرچ کرو) جو ضرورت سے زیادہ ہو | اس طرح | واضح کرتا ہے | اللہ | تمہارے لیے | احکامات کو |

| لَعَلَّكُمۡ | تَتَفَكَّرُوۡنَ |
|---|---|
| تاکہ تم لوگ | غور وفکر کرو |

**نوٹ:1** اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں بھی شراب اور جوئے کے متعلق پہلا حکم آیا ہے۔ اور اس میں اس اصول کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کسی چیز کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں تو اس کو چھوڑ دینے میں ہمارا اپنا بھلا ہے۔

شراب کے متعلق دوسرا حکم سورۃ النساء کی آیت۔ 43 میں آیا جب نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت۔ 90 میں شراب اور جوئے کے ساتھ کچھ اور چیزوں کو حتمی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔ مفردات میں امام راغبؒ فرماتے ہیں خمر اور میسر میں اثم کبیر کے یہ معنی ہیں کہ ان کا تناول اور ارتکاب انسان کو ہر قسم کے افعال خیر سے روک دیتا ہے۔" (جلد۱، ص:۱۵)۔

**نوٹ:2** مَيۡسِرُ کی تفصیل کے لیے معارف القرآن کا مطالعہ کریں۔

**نوٹ:3** آیت نمبر 215 اور آیت زیر مطالعہ میں انفاق کے متعلق سوال اور اس کے جواب کی وضاحت معارف القرآن میں تفصیل سے کی گئی ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے سوال میں پوچھا گیا تھا کہ کیا خرچ کریں اور کن موقعوں پر خرچ کریں؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ہمارے انفاق کے مستحق کون لوگ ہیں اور دوسرے سوال میں پوچھا گیا کہ کتنا خرچ کریں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جو ضرورت سے زائد ہو خرچ کر دو۔

## آیت:220

﴿فِي الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | ف س د: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ |
| ح ك م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | | |

**خ ل ط**

(ض) خَلۡطًا دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے اجزاء کو ملا دینا، جمع کر دینا۔ ﴿خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ﴾ (9/التوبہ:102)
"ان لوگوں نے ملایا نیک عمل کو اور دوسرے بُرے کو (یعنی بُرے عمل کو)۔"

خَلِيْطٌ ج: خُلَطَاءُ۔ دوست۔ پڑوسی۔ حصہ دار۔ کاروبار میں شریک۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ’’اسی سے کتب فقہ میں خَلِيْطَان کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مال اکٹھا ہو۔ اور خَلِيْطٌ کا لفظ واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔‘‘ (مفردات القرآن، ج ا ص:۳۱۱)۔ ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (38/ص:24) ’’اور بیشک شرکاء میں سے اکثر زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔‘‘

(مفاعلہ) مُخَالَطَةً اور خِلَاطًا کسی کے ساتھ میل جول رکھنا۔ رل مل کر رہنا۔ دو چیزوں کو ملا دینا۔ مشارکت کرنا (یعنی خرچہ ملا لینا)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ط ’’اور اگر تم اُن کا خرچہ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں۔‘‘

(افتعال) اِخْتِلَاطًا کسی چیز کا دوسری کے ساتھ مل جانا۔ ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ (10/یونس:24) ’’پھر رلا ملا نکلا اس سے زمین کا سبزہ۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ط﴾ (6/الانعام:146) ’’یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| ع | ن | ت |
|---|---|---|

(س) عَنَتًا (ا) کسی مشکل یا مصیبت میں پڑنا۔ مصیبت سے ہلاک ہونا۔ کسی گناہ میں مبتلا ہونا۔ ﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج﴾ (3/آل عمران:118) ’’وہ لوگ آرزو کرتے ہیں اس کی جس سے تم مشکل میں پڑو۔‘‘ (۲) عاجزی سے جھک جانا۔ ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط﴾ (20/طٰہٰ:111) ’’اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی و قیوم کے سامنے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔

عَنَتٌ اسم ذات بھی ہے۔ تکلیف۔ مشکل۔ ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ط﴾ (4/النساء:25) ’’یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت میں اَلْعَنَتَ سے مراد بدکاری ہے۔ چنانچہ پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں: ’’یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) اِعْنَاتًا کسی کو مشکل میں ڈالنا۔ کسی کو ہلاکت میں ڈالنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ’’اور اگر چاہتا اللہ تو وہ مشکل میں ڈال دیتا تمہیں۔‘‘

## ترکیب

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط گزشتہ آیت کے آخری لفظ تَتَفَكَّرُوْنَ سے متعلق ہیں۔ اِصْلَاحٌ مبتداء ہے، لَهُمْ متعلق خبر اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے۔ تُخَالِطُوْهُمْ شرط ہے۔ فَاِخْوَانُكُمْ جواب شرط ہے اور یہ خبر ہے اور اس کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اس کی خبر ہے۔ اَلْمُفْسِدَ اور اَلْمُصْلِحِ پر لام جنس ہیں۔ لَوْ شرطیہ ہے۔ شَآءَ اللّٰهُ شرط ہے اور لَاَعْنَتَكُمْ جواب شرط ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اللّٰهُ اس کا اسم اور عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

## ترجمہ

البقرۃ:220

| قُلْ | عَنِ الْيَتٰمٰى ط | وَيَسْـَٔلُوْنَكَ | فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط |
|---|---|---|---|
| آپ کہہ دیجیے | یتیموں کے بارے میں | اور وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے | دنیا اور آخرت (کے کاموں) میں |

| فَاِخْوَانُكُمْ ط | تُخَالِطُوْهُمْ | وَاِنْ | خَيْرٌ ط | لَّهُمْ | اِصْلَاحٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں | تم ان کا خرچ ملا لو | اور اگر | بہتر ہے | ان کی | بھلائی کرنا |

| اللّٰهُ | شَآءَ | وَلَوْ | مِنَ الْمُصْلِحِ ط | الْمُفْسِدَ | يَعْلَمُ | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اللہ | چاہتا | اور اگر | سنوارنے والے سے | بگاڑنے والے کو | خوب جانتا ہے | اور اللہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَاَعْنَتَكُمْ | اِنَّ اللّٰهَ | عَزِيْزٌ | حَكِيْمٌ |
| تو وہ مشکل میں ڈال دیتا تمہیں | بے شک اللہ | زبردست | تدبیر والا ہے |

**نوٹ** اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے اور کچھ احکام میں صورتحال اس کے برعکس بھی تھی۔ یعنی پہلے سخت حکم آیا اور پھر بعد میں اس میں نرمی کی گئی۔ آیت زیرِ مطالعہ اس قسم کے احکام کی ایک مثال ہے۔ (دوسری مثال: تہجد کا حکم)۔

پہلے سورۃ الانعام کی آیت نمبر 152 میں حکم آیا تھا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ کہ یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ سوائے اس طریقے کے جو بہترین ہو۔ پھر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 34 میں بالکل انہیں الفاظ میں یہ حکم دوبارہ آیا۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے اپنے زیرِ کفالت یتیموں کا حساب کتاب بالکل الگ کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے کھانے بھی الگ پکتے تھے اور اس میں سے یتیم کے علاوہ کوئی دوسرا فرد کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس کی وجہ سے کچھ دوری کا احساس پیدا ہوا۔ صحابۂ کرامؓ نے جب یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت میں نرمی کر دی گئی۔ مزید تفصیل کے لیے تفسیر عثمانی دیکھیں۔

## آیت: 221

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع﴾

| | | |
|---|---|---|
| ش ر ك: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ع ج ب: البقرۃ آیت 204 دیکھیں۔ |
| ع ب د: الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ | د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ذ ك ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | |

**ن ك ح**

(ض) **نِكَاحًا، نَكْحًا** شادی کرنا۔ کسی سے نکاح کرنا۔ اس کا اصل مطلب عقد (معاہدہ) ہے جو زوجین میں قرار پاتا ہے اور اس کا تعلق صرف مکلف مخلوق (یعنی جن اور انسان) سے ہے۔ ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ﴾ (2/البقرۃ:230) ''پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**نِكَاحٌ** اسم ذات بھی ہے۔ شادی۔ نکاح۔ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:237) ''مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (نکاح کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

**اِنْكِحْ** ج: اِنْكِحُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نکاح کر۔ ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ﴾ (4/النساء:25) ''پس تم لوگ نکاح کرو ان خواتین سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے۔''

(افعال) اِنْکَاحًا کسی کو کسی کے نکاح میں دینا۔﴿ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ ﴾(28/القصص:27)''بیشک میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں نکاح میں دوں تیرے، اپنی دو میں سے ایک بیٹی کو۔''

اَنْکِحْ ج: اَنْکِحُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نکاح میں دے۔﴿ وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ ﴾(24/النور:32)''اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

(استفعال) اِسْتِنْکَاحًا (۱)کسی سے نکاح کرنا۔ (۲) کسی کو نکاح میں لانے کی خواہش کرنا۔﴿ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا ﴾ (33/الاحزاب:50)''اگر ارادہ کریں یہ نبیؐ کہ وہ نکاح کریں اس سے۔''

| ء م و |

(ن) اُمُوَّةً کسی عورت کا لونڈی بننا۔ کنیز بننا۔

اَمَةٌ ج: اِمَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ لونڈی۔ کنیز۔ یہ عَبْدٌ کی مؤنث ہے۔ یہ لفظ بھی ان سب معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں عبد استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکَةٍ ﴾''اور بے شک مومن لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے۔''﴿ وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ ﴾(24/النساء:32)''اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب**

لَا تَنْکِحُوْا ثلاثی مجرد سے فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اَلْمُشْرِکٰتِ اس کا مفعول ہے۔ یُؤْمِنَّ جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس لیے اس پر حَتّٰی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ مبتداء نکرہ ہے اور اس پر لام تاکید ہے، جبکہ خَیْرٌ اس کی خبر ہے اور مِّنْ مُّشْرِکَةٍ متعلق خبر ہے۔ یہاں مبتداء مؤنث ہے جبکہ اس کی خبر مذکر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خَیْرٌ اسم التفضیل کے طور پر آیا ہے اور مِنْ کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اسم التفضیل ہر حالت میں واحد اور مذکر ہی رہتا ہے خواہ اس کا موصوف یعنی مبتداء تثنیہ یا جمع یا مؤنث ہی کیوں نہ ہو۔ وَلَوْ کا معنی ہے ''اگرچہ''۔ اَعْجَبَتْ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھِیَ ہے جو کہ مُشْرِکَةٍ کے لیے ہے اور کُمْ اس کا مفعول ہے۔ لَا تُنْکِحُوْا باب افعال سے فعل نہی ہے۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ مفعول اوّل جس کو نکاح میں دیا اور مفعول ثانی جس کے نکاح میں دیا۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ مفعول ثانی ہے جبکہ مفعول اول محذوف ہے۔ یُؤْمِنُوْا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور حَتّٰی کی وجہ سے منصوب ہے، اس لیے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ مبتدا نکرہ ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے، خَیْرٌ خبر ہے اور مِّنْ مُّشْرِكٍ متعلق خبر ہے۔ وَلَوْ کا معنی ''اگرچہ'' ہے اور اَعْجَبَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ ضمیر ہے جو کہ مُّشْرِكٍ کے لیے ہے۔ کُمْ اس کا مفعول ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ اس کی خبر ہے۔ وَاللّٰهُ میں اَللّٰهُ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ اس کی خبر ہے۔ یَدْعُوْا دراصل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ یَدْعُوْ ہے۔ اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ یُبَیِّنُ کا فاعل ھُوَ ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اٰیٰتِهٖ اس کا مفعول ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے کُمْ اس کا اسم ہے اور یَتَذَکَّرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:221

| وَلَا تَنْکِحُوا | الْمُشْرِکٰتِ | حَتّٰی | یُؤْمِنَّ | وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم لوگ نکاح مت کرو | مشرک عورتوں سے | یہاں تک کہ | وہ ایمان لے آئیں | اور بے شک مومن لونڈی |

| خَیْرٌ | مِّنْ مُّشْرِکَةٍ | وَّ لَوْ | اَعْجَبَتْکُمْ | وَلَا تُنْکِحُوا |
|---|---|---|---|---|
| بہتر ہے | (آزاد) مشرک عورت سے | اگرچہ | وہ پسند آئے تمہیں | اور تم نکاح میں مت دو (اپنی عورتوں کو) |

| اَلْمُشْرِكِيْنَ | حَتّٰى | يُؤْمِنُوْا | وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ | خَيْرٌ |
|---|---|---|---|---|
| مشرکوں کے | یہاں تک کہ | وہ ایمان لے آئیں | اور بے شک ایک مومن غلام | بہتر ہے |

| مِّنْ مُّشْرِكٍ | وَّلَوْ | اَعْجَبَكُمْ | اُولٰٓئِكَ | يَدْعُوْنَ | اِلَى النَّارِ | وَاللّٰهُ | يَدْعُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| کسی (آزاد) مشرک سے | اگرچہ | وہ پسند آئے تمہیں | وہ لوگ | بلاتے ہیں | آگ کی طرف | اور اللہ | بلاتا ہے |

| اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ | بِاِذْنِهٖ | وَيُبَيِّنُ | اٰيٰتِهٖ |
|---|---|---|---|
| مغفرت اور جنت کی طرف | اپنے حکم سے | اور وہ واضح کرتا ہے | اپنی نشانیوں کو |

| لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ | يَتَذَكَّرُوْنَ |
|---|---|
| تاکہ وہ | نصیحت قبول کریں |

**نوٹ** امام راغبؒ ''نکاح'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصل میں نکاح بمعنی عقد آتا ہے اور بطور استعارہ جماع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ یہ اصل میں بمعنی جماع ہو اور پھر عقد میں بطور استعارہ استعمال ہوا ہو۔ کیوں کہ عربی زبان میں جماع کے معنی میں تمام الفاظ کنائی ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص:۱۰۷۷) اور مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لفظ نکاح کے اصل معنی عقد ہی کے ہیں پھر یہ لفظ استعارۃً جماع کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور یہ بات محال ہے کہ اس کے اصل معنی جماع کے ہوں اور استعارے کے طور پر اسے عقد کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔'' اور آگے فرماتے ہیں: ''جہاں تک قرآن اور سنت کا تعلق ہے، ان میں نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے مراد یا تو مجرد عقد ہے (الاحزاب:49) یا پھر وطی بعد عقد (البقرۃ:230) لیکن وطی بلا عقد کے لیے اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح کی وطی کو تو قرآن اور سنت زنا اور سفاح کہتے ہیں نہ کہ نکاح۔'' (تفہیم القرآن، ج۴،ص:۱۰۹)۔

## آیت:222

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ ٢٢٢﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ذ ی: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ط ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | حَيْثُ: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ |
| ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔ | ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ | |

**ح ی ض**

(ض) حَيْضًا، مَحِيْضًا حیض آنا۔ مخصوص دنوں میں خواتین کے رحم سے خون جاری ہونا۔ ماہواری ہونا۔ ﴿وَالّٰۗـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ﴾ (65/الطلاق:4) ''اور وہ جنہیں خون جاری نہیں ہوا۔''

مَحِیْضٌ مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ یہ لفظ کم از کم چار معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) اسم ذات۔حیض۔یعنی وہ خون جو مخصوص دنوں میں صفت خاص کے ساتھ عورت کے رحم سے جاری ہوتا ہے۔(۲) ظرفِ زمان۔وقت حیض یعنی خون جاری ہونے کا وقت۔(۳) ظرفِ مکان۔مقام حیض۔(۴) مصدر میمی۔حیض آنا۔آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ ''پس تم الگ رہو عورتوں سے خون جاری ہونے کے وقت میں۔'' نیز فرمایا:﴿ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ ﴾(65/الطلاق:4)''اور جو عورتیں ناامید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

| ع ز ل |
|---|

(ض) عَزْلًا کسی کو جدا کر دینا۔الگ کر دینا۔﴿ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ ﴾(33/الاحزاب:51)''اور جس کو آپؐ چاہیں ان میں سے جن کو آپؐ نے الگ کیا۔''

مَعْزُوْلٌ ج: مَعْزُوْلُوْنَ۔اسم المفعول ہے۔ جُدا کیا ہوا۔ الگ کیا ہوا۔ ﴿ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴾(26/الشعراء:212)''یقیناً وہ سننے سے الگ کیے ہوئے ہیں۔''

مَعْزِلٌ اسم الظرف ہے۔الگ جگہ۔کسی چیز کا کنارہ۔﴿ وَّكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ ﴾(11/ھود:42)''اور وہ ایک کنارے پر تھا۔''

(افتعال) اِعْتِزَالًا کسی سے الگ ہو جانا، کنارہ کش ہو جانا۔ظاہری طور پر یا معنوی طور پر سب صورتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔جس سے الگ ہوں وہ کسی صلہ کے بغیر یعنی بنفسہٖ آتا ہے۔﴿ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾(11/ھود:49)''پھر وہ الگ ہو گئے ان لوگوں سے اور ان سے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے علاوہ۔''

اِعْتَزِلْ ج: اِعْتَزِلُوْا۔فعل امر ہے۔تو الگ ہو۔آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾''پس تم الگ رہو عورتوں سے خون جاری ہونے کے وقت میں۔''

**ترکیب** هُوَ مبتداء اور اَذًى اس کی خبر ہے۔اِعْتَزِلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور النِّسَآءَ اس کا مفعول ہے۔لغات القرآن کے مطابق اِعْتِزَالٌ متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔فِي الْمَحِيْضِ متعلق فعل ہے اور یہاں یہ ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے۔لَا تَقْرَبُوْا فعل نہی کا صیغہ ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔يَطْهُرْنَ ثلاثی مجرد سے فعل مضارع ہے اور جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے اسی لیے حَتّٰى کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔جبکہ تَطَهَّرْنَ باب تفعّل سے فعل ماضی میں جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔فَاِذَا حرف شرط ہے، تَطَهَّرْنَ شرط ہے اور فَاْتُوْا سے اللّٰهُ تک جواب شرط ہے۔اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔لفظ اَللّٰهُ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:222**

| وَيَسْـَٔلُوْنَكَ | عَنِ الْمَحِيْضِ | قُلْ |
|---|---|---|
| اور وہ پوچھتے ہیں آپؐ سے | حیض کے متعلق | آپ کہہ دیجئے |

| هُوَ | اَذًى | فَاعْتَزِلُوا | النِّسَآءَ | فِي الْمَحِيْضِ |
|---|---|---|---|---|
| وہ | ایک تکلیف/گندگی ہے | پس تم الگ رہو | عورتوں سے | خون جاری ہونے کے وقت میں |

| وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ | حَتّٰى | يَطْهُرْنَ | فَاِذَا | تَطَهَّرْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور تم قریب مت جایا کرو ان کے | یہاں تک کہ | وہ پاک ہو جائیں | پھر جب | وہ خود کو پاک کر لیں |

| فَاْتُوْهُنَّ | مِنْ حَيْثُ | اَمَرَ | كُمُ | اللّٰهُ | اِنَّ اللّٰهَ | يُحِبُّ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تو تم لوگ آؤ ان کے پاس | جہاں سے | حکم دیا | تم کو | اللہ نے | یقیناً اللہ | پسند کرتا ہے |

| التَّوَّابِيْنَ | وَيُحِبُّ | الْمُتَطَهِّرِيْنَ |
|---|---|---|
| بار بار توبہ کرنے والوں کو | اور وہ پسند کرتا ہے | خود کو خوب پاک صاف رکھنے والوں کو |

## آیت:223

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۲۳﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ر ث: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |
| ق د م: البقرۃ آیت 95 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |
| ل ق ی: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ | ب ش ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**اَنّٰی**

یہ بطور اسم ظرف اور استفہامیہ استعمال ہوتا ہے۔ (۱) بطور اسم ظرف، یہ زمان و مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ اسم ظرف زمان استعمال ہو تو معنیٰ ہوتے ہیں جب، جس وقت۔ اسم ظرف مکان استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں: (ا) جہاں سے۔ مثلاً آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ''جہاں سے تم چاہو۔'' (ب) بمعنی اَیْنَ۔ کہاں سے۔ جیسے فرمایا: ﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ﴾ (3/آل عمران:37) ''کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ۔'' (۲) بطور استفہامیہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کَیْفَ ''کیسے''۔ جیسے فرمایا: ﴿قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ﴾ (2/البقرۃ:259) ''اللہ اس کے باشندوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔''

**ترکیب**

نِسَآءُ کُمْ مبتداء ہے، حَرْثٌ اس کی خبر ہے اور لَکُمْ متعلق خبر ہے۔ فَاْتُوْا میں 'ف' استئنافیہ ہے اور اِیْتُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ حَرْثَکُمْ اس کا مفعول ہے۔ اَنّٰى شِئْتُمْ ظرف مکان ہے اور فَاْتُوْا سے متعلق ہے۔ قَدِّمُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور لِاَنْفُسِکُمْ متعلق فعل ہے۔ اِتَّقُوْا اور اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر کے صیغے ہیں۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، کُمْ اس کا اسم ہے اور مرکب اضافی مُّلٰقُوْهُ اس کی خبر ہے۔ مُلٰقُوْا اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلٰقُوْنَ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا اور ضمیر ہُ اس کا مضاف الیہ ہے، جو کہ اللہ کے لیے ہے۔ جملہ اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ محلاً حالت نصب میں ہے اور اِعْلَمُوْٓا کا مفعول ہونے کی وجہ سے بَشِّرِ فعل امر کا صیغہ ہے اور الْمُؤْمِنِيْنَ اس کا مفعول ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:223**

| نِسَآؤُكُمْ | حَرْثٌ | لَّكُمْ ۪ | فَاْتُوْا | حَرْثَكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| تمہاری بیویاں | کھیتی ہیں | تمہاری | پس تم آؤ | اپنی کھیتی میں |

| اَنّٰى | شِئْتُمْ ۫ | وَقَدِّمُوْا | لِاَنْفُسِكُمْ ۭ | وَاتَّقُوا | اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|---|
| جہاں سے | تم چاہو | اور آگے بھیجو (نیک اعمال) | اپنے لیے | اور تم ڈرتے رہو | اللہ سے |

| وَاعْلَمُوْٓا | اَنَّكُمْ | مُّلٰقُوْهُ ۭ | وَبَشِّرِ | الْمُؤْمِنِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| اور جان لو | کہ تم | اس سے ملاقات کرنے والے ہو | اور آپ بشارت دے دیجیے | ایمان لانے والوں کو |

**نوٹ:1** آیت کے جملے ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ’’یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے سیرگاہ نہیں بنایا ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے۔ کھیت میں کسان محض تفریح کے لیے نہیں جاتا، بلکہ اس لیے جاتا ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کرے۔ نسل انسانی کے کسان کو بھی انسانیت کی اس کھیتی میں اس لیے جانا چاہیے کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔ خدا کی شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ تم اس کھیت میں کاشت کس طرح کرتے ہو، البتہ اس کا مطالبہ تم سے یہ ہے کہ جاؤ کھیت ہی میں، اور اس غرض کے لیے جاؤ کہ اس سے پیداوار حاصل کرنی ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۷۰)۔

**نوٹ:2** آیت کے جملے ﴿ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’بڑا جامع فقرہ ہے اور بڑے وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی ان لذتوں میں ہی نہ کھو جاؤ بلکہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے نیک اعمال کا توشہ جمع کرتے رہو۔ نیز شادی سے اولاد طلب کرو تا کہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمال صالحہ سے تمہارے مر جانے کے بعد بھی تمہارے اعمال نامہ میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ اگر تم لذت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مٹ جائے گا۔ اور اگر اولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی، ان کے اخلاق اور سیرت کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا، وہ جاہل، بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی برائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا۔ نیز نیک اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو نیک اور سعادتمند بچوں کی ماں بن سکے۔ یہ سارے مطالب قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۵۴)۔

## آیت:224

﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ع ر ض: البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ | ب ر ر: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ | س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ |

**ی م ن**

(س) (۱) يَمْنًا داہنی طرف ہونا۔ داہنی جانب سے آنا۔ دائیں طرف لے جانا۔

(۲) يُمْنًا خوش نصیب ہونا۔ بابرکت ہونا۔ بابرکت بنانا۔

يَمِيْنٌ ج: اَيْمَانٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ کثیر المعانی ہے۔

(۱) دائیں طرف۔ دائیں سمت۔ ﴿ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ (16/ النحل:48) ’’ڈھلتے ہیں سائے اُن کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ ﴾ (18/ الکہف:17) ’’اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے اُن کی غار سے دائیں جانب۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ ﴾ (7/ الاعراف:17) ’’پھر میں ضرور آؤں گا اُن کے پاس (بہکانے کے لیے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) دایاں ہاتھ۔ سیدھا ہاتھ۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اہلِ عرب سیدھے ہاتھ کو قوت اور رفعت اور عزت کا نشان سمجھتے تھے۔ جس کا احترام مقصود ہوتا تھا اُسے مجلس میں سیدھے ہاتھ پر بٹھاتے تھے۔ کسی کے متعلق یہ کہنا ہوتا کہ میرے دل میں اس کی بڑی عزت ہے تو کہتے فلانٌ مِنّی بالیمین، ''وہ تو میرے سیدھے ہاتھ کی طرف ہے۔'' اُردو میں بھی کسی شخص کو کسی بڑی ہستی کا دستِ راست اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ وہ اُس کا خاص آدمی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص: ۲۷۷)۔ ﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ (20/طٰہٰ:17) ''اور وہ کیا ہے آپؑ کے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰؑ۔'' ﴿ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴾ (69/الحاقۃ:45) ''تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یمین سے مراد یا تو قوت وقدرت ہے۔ اس صورت میں آیت میں مِنْهُ میں مِنْ زائدہ ہوگا۔ عبارت یوں ہوگی۔ لاخذناہ بالیمین۔ یعنی ایسے مفتری کو ہم پوری قوت سے پکڑ لیں گے اور اگر یمین کا معنی دایاں ہاتھ لیا جائے تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیں گے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۳۵۵)۔

(۳) ملکیت۔ مالک۔ کسی چیز پر ملکیت اور قبضہ ظاہر کرنے کے لیے عربی زبان میں مِلْكُ الْيَمِيْنِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ﴾ (23/المومنون:6) ''اور ان کنیزوں کے جوان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ دائیں ہاتھ کے مالک ہونے سے غلام یا لونڈی کا مالک ہونا مراد ہوتا ہے۔

(۴) قسم۔ يَمِيْنٌ قسم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ عرب قسم کھاتے وقت یا عہد کرتے وقت اپنا دایاں ہاتھ دوسرے کے دائیں ہاتھ پر مارتے تھے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ (6/الانعام:109) ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ (68/القلم:39) ''کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''عربی محاورہ يَمِيْنُ اللّٰهِ (اللہ کی قسم) میں يَمِيْن کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ قسم کھانے والا اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہے۔ اور جب ایک شخص دوسرے شخص سے عہد و پیمان باندھتا ہے تو وہ اس کا مَوَالِيَ الْيَمِيْنَ کہلاتا ہے۔ (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۱۸۲)۔

(۵) زور۔ قوت۔ طاقت۔ ﴿ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴾ (37/الصافات:28) ''(تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ایتاء عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔'' اسی آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یمین (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے۔ بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔'' (تفسیر عثمانی، ص: ۵۹۵)۔

(۶) خیر و برکت۔ سعادت۔ یمین کا لفظ برکت و سعادت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ ﴾ (56/الواقعۃ:90،91) ''اگر وہ دائیں ہاتھ والوں (یعنی اصحاب خیر و برکت) سے ہے تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔'' (مفردات القرآن)۔

(۷) قرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ سعادت حاصل کرنے کا وسیلہ۔ حدیثِ مبارک میں حجرِ اسود کو يَمِيْنُ اللّٰهِ فرمایا گیا ہے، اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ یعنی حجرِ اسود اللہ کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور حصولِ سعادت کا وسیلہ ہے۔

(بحوالہ لغات القرآن، ج ۵ص:۴۹۵)۔

**مَيْمَنَةٌ** (۱) مَفْعَلَةٌ کے وزن پر اسم ظرف ہے بمعنی دائیں سمیت یا دائیں طرف کی جگہ۔(۲) سیدھا ہاتھ۔(۳) خوش نصیبی۔ نیک بختی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴾ (90/البلد:18) ''وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون و مبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور اُن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔'' (تفسیر عثمانی، ص:۷۹۲)۔

**اَيْمَنُ** یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ داہنی جانب۔ ﴿ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ ﴾ (19/مریم:52) ''اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور پہاڑ کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت مبارکہ میں یہ جَانِبِ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ نوٹ: یادر ہے کہ اَفْعَلُ کے وزن پر صفت مشبہ کے صیغے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں اَفْعَلُ الصِّفَة کہتے ہیں۔ جب اَفْعَلُ کا وزن تفضیل کے لیے آئے تو اسے اَفْعَلُ التفضیل کہتے ہیں۔ (بحوالہ عربی کا معلم، حصہ چہارم)۔

**ترکیب** لَا تَجْعَلُوْا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں اَنْتُمْ ضمیر ہے۔ اَللّٰهَ اس کا مفعول اوّل اور عُرْضَةً مفعول ثانی ہے اور لِاَيْمَانِكُمْ متعلق فعل ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَبَرُّوْا، تَتَّقُوْا اور تُصْلِحُوْا منصوب ہیں۔ اَنْ نے یہاں اگلے جملے کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ پورا جملہ مفعول لاَجلِہٖ ہے، جو کسی کام کا سبب بتانے کے لیے آتا ہے یا یہ اَیْمَان کا عطف بیان ہے اور یا یہ بدل ہے۔ بعض کے نزدیک اَنْ کے بعد 'لَا' محذوف ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے اور سَمِيْعٌ اور عَلِيْمٌ خبریں ہیں۔

**ترجمہ** البقرۃ:224

| تَبَرُّوْا | اَنْ | لِاَيْمَانِكُمْ | عُرْضَةً | اللّٰهَ | وَلَا تَجْعَلُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| تم نیکی نہ کرو گے | کہ | اپنی قسمیں کھانے کے لیے | نشانہ | اللہ کے نام کو | اور تم لوگ مت بناؤ |

| عَلِيْمٌ | سَمِيْعٌ | وَاللّٰهُ | بَيْنَ النَّاسِ ؕ | وَتُصْلِحُوْا | وَتَتَّقُوْا |
|---|---|---|---|---|---|
| جاننے والا ہے | سننے والا ہے | اور اللہ | لوگوں کے درمیان | اور اصلاح نہ کرو گے | اور پرہیزگاری نہ کرو گے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''بعض نادان قسم اٹھالیا کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نہیں بولیں گے یا اپنے بھائی وغیرہ سے قطع تعلق کرلیں گے اور جھوٹی گواہی ضرور دیں گے اور پھر اپنی قسموں کی وجہ سے اپنے آپ کو نیکی نہ کرنے کا پابند سمجھتے تھے (اور آج کل بھی یہ عام رواج ہے) اس آیت میں بتایا گیا کہ نیکی نہ کرنے پر اللہ کے نام کی قسمیں مت اٹھاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیراً منھا فات الذی ھو خیر و کفر عن یمینك۔ یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اُٹھالو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلوم ہو تو وہ نیک کام کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کردو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام پاک نیک کام نہ کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا۔ (ضیاء القرآن، ج۱ص:۱۵۴)۔

## آیت:225

﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۲۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ی م ن: البقرۃ آیت 224 دیکھیں۔ | ک س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |
| ق ل ب: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | |

**ل غ و**

(ن)(س) (ف) **لَغْوًا** بغیر سوچے سمجھے کوئی بات کہنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''لَغِیَ بِکَذَا کے معنی چڑیا کے چہچہانے کی طرح کسی چیز کا بار بار تذکرہ کرنے کے ہوتے ہیں اور اسی سے ہر گروہ کی زبان اور بولی جس کے ذریعے وہ بات کرتا ہے لُغَۃٌ کہلاتی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص:۹۶۲)۔

**لَغْوٌ** اسم ذات بھی ہے۔ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) بے معنی بات۔ وہ بات جو سوچ سمجھ کے نہ کی جائے۔ (۲) بے فائدہ چیز۔ بے فائدہ کام۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''لغو' ہر اس بات اور کام کو کہتے ہیں جو فضول، لایعنی اور لاحاصل ہو۔ جن باتوں یا کاموں کا کوئی فائدہ نہ ہو، جن سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو، جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو، جن سے کوئی اچھا مقصد حاصل نہ ہو، وہ سب ''لغویات'' ہیں۔'' (تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۲۶۲)۔ (۳) لَغْوٌ فِی الْاَیْمَانِ یعنی وہ قسم جو یونہی بلا ارادہ، بطور تکیہ کلام، زبان سے نکل جائے۔ ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ﴾ (28/القصص:55) ''اور جب بھی وہ لوگ سنتے ہیں بیکار بات کو تو اعراض کرتے ہیں اس سے۔'' ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾﴾ (23/المؤمنون:3) ''وہ لوگ بے فائدہ چیز سے اعراض کرنے والے ہیں۔''

**اِلْغَ** ج: اِلْغَوْ۔ فعل امر ہے۔ تو بے معنی بات کر۔ تو بک بک کر۔ ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:26) ''اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**لَاغٍ** مؤنث: لَاغِیَۃٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بیہودہ بات۔ فضول بات۔ ﴿لَا تَسْمَعُ فِیْھَا لَاغِیَۃً ﴿۱۱﴾﴾ (88/الغاشیۃ:11) ''وہ نہیں سنے گا اس میں کوئی فضول بات۔''

**ح ل م**

(ن) **حُلْمًا** خواب دیکھنا۔

**حُلْمٌ** ج: اَحْلَامٌ۔ خواب۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾﴾ (12/یوسف:44) ''اور ہم خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں۔''

(ک) **حِلْمًا** شدید غصہ میں خود پر قابو رکھنا۔ تحمل کرنا۔ بردبار ہونا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْحِلْمُ کے معنی ہیں نفس وطبیعت پر ایسا ضبط رکھنا کہ غیظ وغضب کے موقع پر بھڑک نہ اٹھے۔'' (مفردات القرآن، ج ۱، ص:۲۵۹)۔

**حِلْمٌ** ج: اَحْلَامٌ۔ تحمل، بردباری۔ عقل، شعور۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں حلم کے معنی متانت کے ہیں مگر چونکہ

متانت بھی عقل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے حلم کا لفظ بول کر عقل مراد لے لیتے ہیں جیسا کہ مسبب بول کر سبب مراد لے لیا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص:۲۵۹)۔ ﴿ اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَآ ﴾ (52/الطور:32) ''کیا مشورہ دیتی ہیں ان کو ان کی عقلیں اس کا۔''

**حُلُمٌ** بلوغت۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: '' حُلُمٌ کے معنی سن بلوغت کے ہیں اور سن بلوغت کو حلم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں عام طور پر عقل وتمیز آجاتی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص:۲۶۰)۔ ﴿ وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ ﴾ (24/النور:59) ''اور جب پہنچیں بچے تم میں سے بلوغت کو۔''

**حَلِيۡمٌ** فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ تحمل والا۔ بردبار۔ باوقار۔ حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مزاج پر قابو رکھتا ہو، نہ غصے اور دشمنی میں آپے سے باہر ہو اور نہ دوستی اور محبت میں حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴾ ''اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہے، ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ۝ ﴾ (11/ھود:75) ''یقیناً ابراہیمؑ بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ۝۱۰۱ ﴾ (37/الصافات:101) ''تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

## ترکیب

لَا نفی کا ہے۔ يُؤَاخِذُ باب مفاعلہ کا فعل مضارع ہے، كُمۡ ضمیر مفعولی ہے اور اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ بِاللَّغۡوِ متعلق فعل ہے اور فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ ، بِاللَّغۡوِ سے متعلق ہے۔ لٰكِنۡ حرف مشبہ بالفعل ہے اور مخفف ہے، کیونکہ فعل پر داخل ہو رہا ہے اور غیر عامل ہے۔ يُؤَاخِذُ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ كُمۡ اس کا مفعول ہے۔ آگے جملہ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ متعلق فعل ہے۔ اس میں 'ب' حرف جار ہے، 'ما' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ اس کا صلہ ہے۔ قُلُوۡبُكُمۡ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث، كَسَبَتۡ، آیا ہے۔ كَسَبَتۡ کا استعمال آیت میں قصد کرنے یا نیت کی پختگی یا قلبی ارادہ کے لیے ہوا ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے اور غَفُوۡرٌ اور حَلِيۡمٌ اس کی خبریں ہیں۔

## ترجمہ

البقرۃ:225

| لَا يُؤَاخِذُ | كُمُ | اللّٰهُ | بِاللَّغۡوِ | فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| نہیں پکڑے گا | تمہیں | اللہ | بیہودہ/لایعنی پر | تمہاری قسموں میں |

| وَلٰكِنۡ | يُّؤَاخِذُ | كُمۡ | بِمَا | كَسَبَتۡ | قُلُوۡبُكُمۡ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور لیکن (البتہ) | وہ پکڑے گا | تمہیں | ان (قسموں پر) جن کا | قصد کیا/ارادہ کیا | تمہارے دلوں نے |

| وَاللّٰهُ | غَفُوۡرٌ | حَلِيۡمٌ |
|---|---|---|
| اور اللہ | بے انتہا بخشنے والا ہے | ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے |

## آیت: 226

﴿ لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۲۶ ﴾

ش ھ ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔

ء ل و

(ن) **اَلَوَا** کسی کام میں کوتاہی کرنا۔ ﴿ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ ﴾ (3/آل عمران:118) ''وہ لوگ کوتاہی نہیں کریں گے تمہیں خرابی

پہنچانے میں۔‘‘

(افعال) | اِیۡلَاءً | قسم کھانا۔ ایلاء اصل میں ایسی قسم کو کہتے ہیں جس پر قسم کھانے والے کو تکلیف اور کوتاہی کا سامنا کرنا پڑے۔ اصطلاح شریعت میں اِیۡلَاءً اس قسم کو کہتے ہیں جو بیوی کے ساتھ ہم بستری نہ کرنے پر کھائی جائے۔ مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ﴾ ’’اُن لوگوں کے لیے جو قسم کھا لیتے ہیں اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی)۔‘‘

(افتعال) | اِیۡتِلَاءً | قسم کھانا۔

لَا یَاۡتَلِ | فعل نہی ہے۔ تو قسم مت کھا۔ ﴿ وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَالسَّعَۃِ اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا اُولِی الۡقُرۡبٰی ﴾ (24/النور:22) ’’اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| ر ب ص |
|---|

(ن) | رَبۡصًا | کسی کو برائی پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہنا۔ اگر اس کے ساتھ ب کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے لیے خیر یا شر کا انتظار کرنا۔

(تفعّل) | تَرَبُّصًا | (۱) کسی کام کے واقع ہونے یا زائل ہونے کا انتظار کرنا۔ معینہ مدت کے لیے انتظار کرنا جیسے عورت کی عدت گزرنے کا انتظار کرنا۔ (۲) تربص کا ایک معنی ذخیرہ اندوزی کرنا بھی کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے اَلۡمُتَرَبِّصُ: اَلۡمُحۡتَکِرُ (ح ک ر (افتعال) ’’چیزوں کو مہنگا بیچنے کے لیے روکے رکھنا‘‘۔ مُحۡتَکِرٌ: چیزوں کو مہنگا بیچنے کے لیے روکے رکھنے والا)۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب جنس بازار میں نایاب ہو جائے اور اس کا نرخ بڑھ جائے، اس وقت وہ اسے فروخت کرے۔ (بحوالہ ضیاء القرآن ومصباح اللغات)۔

امام راغبؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اَلتَّرَبُّصُ کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ خواہ وہ انتظار سامان تجارت کی گرانی یا ارزانی کا ہو یا کسی امر کے واقع ہونے یا زائل ہونے کا انتظار ہو۔‘‘ (مفردات القرآن، ج۱، ص:۳۷۵)۔ اور مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ’’تَرَبُّص عربی زبان میں انتظار کرنے اور موقع کی تلاش میں ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص دو راستوں میں سے کسی ایک پر جانے کا قطعی فیصلہ نہ کرے، بلکہ اس فکر میں کھڑا ہو کہ جدھر جانا مفید ہوتا نظر آئے اسی طرف چل پڑے، تو کہا جائے گا کہ وہ تربُّص میں مبتلا ہے۔‘‘ (تفہیم القران، ج۵، ص:۳۱۲)۔ ﴿ وَیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ (9/التوبہ:98) ’’اور وہ انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ ﴾ (57/الحدید:14) ’’وہ کہیں گے ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں پھنسا رکھا تھا اور انتظار میں ہی رہے۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

تَرَبَّصۡ | ج: تَرَبَّصُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوۡا بِہٖ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴾ (23/المومنون:25) ’’پس تم لوگ انتظار کرو اس کے لیے کچھ عرصہ تک۔‘‘

مُتَرَبِّصٌ | ج: مُتَرَبِّصُوۡنَ۔ مُتَرَبِّصِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ منتظر۔ ﴿ قُلۡ کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ﴾ (20/طٰہٰ:135) ’’کہہ دیجئے! ہر ایک انجام کا منتظر ہے پس تم بھی انتظار میں رہو۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴾ (9/التوبہ:52) ’’تو تم لوگ انتظار کرو۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔‘‘ ﴿ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ ﴾ (52/الطور:31) ’’کہہ دیجئے! تم منتظر رہو میں بھی تمہارے

ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

| ف ی ء |
|---|

(ض) فَیْئًا (۱) واپس ہونا۔ لوٹنا۔ عام طور پر یہ لفظ بری حالت سے اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے، رجوع کرنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں فَاءَ الظِّلُّ کا معنی ہے سائے کا زوال کے بعد لوٹ آنا اور اسی سے فَیْئٌ سائے کو کہتے ہیں، جو زوال کے بعد لوٹ کر آتا ہے۔ ﴿حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ﴾ (49/الحجرات:9) ''یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر (وہ جماعت) لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔'' اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَاِنْ فَآءُوْ﴾ ''پھر اگر وہ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں۔'' (۲) مالِ غنیمت حاصل کرنا۔ اصطلاح فقہ میں فَیْئٌ اس مال کو کہتے ہیں جو اہل حرب سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے۔ کبھی مطلق مالِ غنیمت کو بھی فَیْئٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(افعال) اِفَاءَۃً کسی چیز کو لوٹا دینا۔ واپس کر دینا۔ کسی دوسری قوم سے مالِ غنیمت حاصل کر کے دینا۔ مال فئے دلوا دینا۔ ﴿وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ (33/الاحزاب:50) ''اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور وہ عورتیں بھی جو آپؐ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپؐ کو غنیمت میں دلوایا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ﴾ (59/الحشر:6) ''اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے بطور فئے دلوایا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾ (59/الحشر:7) ''جو مال لوٹا یا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فئے دلوا دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(تفعّل) تَفَیُّؤًا سائے کا پلٹنا۔ رُخ تبدیل کرنا۔ جھکنا۔ ڈھلنا۔ ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ﴾ (16/النحل:48) ''کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز کہ ڈھلتے ہیں سائے ان کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ترکیب**

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ (مرکب اضافی) مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جبکہ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فَاِنْ شرطیہ ہے، فَآءُوْ شرط ہے اور آگے جواب شرط ہے۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:226**

| لِلَّذِیْنَ | یُؤْلُوْنَ | مِنْ نِّسَآئِهِمْ | تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ |
|---|---|---|---|
| ان لوگوں کے لیے جو | قسم کھا لیتے ہیں | اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) | چار ماہ کا انتظار ہے |

| فَاِنْ | فَآءُوْ | فَاِنَّ اللّٰهَ | غَفُوْرٌ | رَّحِیْمٌ |
|---|---|---|---|---|
| پھر اگر | وہ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں | تو یقیناً اللہ تعالیٰ | بے انتہا بخشنے والا ہے | ہمیشہ رحم کرنے والا ہے |

**نوٹ**

علامہ عثمانیؒ ایلاء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ایلاء شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت کے پاس جانے سے چار مہینے یا زائد کے لیے یا بلا قید مدت قسم کھالے اور چار مہینے سے کم ایلا نہ ہوگا، ایلا کی تینوں صورتوں میں چار مہینے کے اندر عورت کے پاس جائے گا تو کفارہ قسم کا دینا پڑے گا ورنہ چار ماہ کے ختم پر بلا طلاق دیے عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی اور اگر چار مہینے سے کم پر قسم کھائے مثلاً قسم کھائی کہ تین مہینے عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء شرعی نہیں، اس کا یہ حکم ہے کہ اگر قسم کو توڑا مثلاً صورت مذکورہ میں تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم کو پورا کیا یعنی تین مہینے تک مثلاً اس کے پاس نہ گیا تو نہ عورت پر طلاق پڑے گی نہ کفارہ لازم ہوگا۔'' (تفسیر عثمانی ص:۴۵)۔

## آیت: 227

﴿ وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۷﴾ ﴾

| |
|---|
| س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ |

**ع ز م**

(ض) **عَزۡمًا** پختہ ارادہ کرنا۔ ﴿ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ﴾ (47/محمد:21) ''مگر جب قطعی حکم دے دیا گیا۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ ﴿ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (3/آل عمران:159) ''پھر جب آپؐ پختہ ارادہ کرلیں تو بھروسہ کریں اللہ پر۔'' حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا ''عزم'' کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''مشاورۃ اھل الرائے ثم اتباعھم'' یعنی اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کی پیروی کرنا۔ (ابن کثیرؒ)۔

**عَزۡمٌ** اسم ذات ہے۔ پختہ ارادہ۔ ثابت قدمی۔ ہمت۔ ﴿ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴾ (3/آل عمران:186) ''تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ط ل ق**

(ض) **طَلۡقًا** دینا۔ بھلائی کے لیے ہاتھ کھولنا۔

(ن) **طَلَاقًا** عورت کا شوہر سے جدا ہونا اور اس کو چھوڑ دینا۔

(تفعیل) **تَطۡلِيۡقًا** کسی کو بندھن سے آزاد کر دینا۔ چھوڑ دینا۔ قید سے رہا کرنا۔ مرد کا اپنی عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کر دینا۔ طلاق دے دینا۔ ﴿ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ ﴾ (2/البقرۃ:230) ''پھر اگر وہ طلاق دے اس کو تو وہ حلال نہیں ہوتی اس کے لیے اس کے بعد۔''

**طَلَاقٌ** ثلاثی میں مصدر کے علاوہ باب تفعیل سے اسم فعل بھی ہے۔ بمعنی تَطۡلِيۡقٌ (چھوڑ دینا، طلاق دینا)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں طلاق کے معنی کسی کو بندھن سے آزاد کرنا ہے۔ محاورہ ہے اَطۡلَقۡتُ الۡبَعِيۡرَ مِنۡ عِقَالِهٖ وَ طَلَّقۡتُهٗ میں نے اونٹ کو پائے بند سے رہا کر دیا اور میں نے اس کو آزاد کر دیا۔ اسی سے طَلَّقۡتُ الۡمَرۡءَةَ کا محاورہ ہے یعنی میں نے اپنی بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کر دیا۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص:۶۳۴)۔ ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ (2/البقرۃ:229) ''طلاق رجعی ہے دو بار تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ ''اور اگر وہ لوگ پختہ ارادہ کرلیں طلاق کا۔''

**طَلِّقۡ** ج: طَلِّقُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو طلاق دے۔ ﴿ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (65/الطلاق:1) ''جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو ان کو ان کی عدت میں۔''

**مُطَلَّقَةٌ** ج: مُطَلَّقَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ طلاق دی ہوئی۔ ﴿ وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ (2/البقرہ:241) ''اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ سامان ہے دستور کے مطابق۔''

(انفعال) **اِنۡطِلَاقًا** چل پڑنا۔ ﴿ فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ ﴾ (68/القلم:23) ''پھر وہ چلے اور ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہتے تھے۔'' ﴿ وَلَا يَنۡطَلِقُ لِسَانِىۡ ﴾ (26/الشعراء:13) ''اور نہیں چلتی میری زبان۔''

اِنْطَلِقْ — ج: اِنْطَلِقُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو چل۔ ﴿ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ (77/المرسلت:29) ''تم لوگ چلو اس کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

| ترجمہ | وَاِنْ | عَزَمُوا | الطَّلَاقَ | فَاِنَّ اللّٰهَ | سَمِيْعٌ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:227 | اور اگر | وہ لوگ پختہ ارادہ کرلیں | طلاق کا | تو یقیناً اللہ | سننے والا ہے | جاننے والا ہے |

| نوٹ | عَزَمُوْا میں ھُمْ ضمیر اُن لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے قطع تعلق کی قسم کھائی (آیت:226)۔ |
|---|---|

## آیت:228

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ | ر ب ص: البقرۃ آیت 226 دیکھیں۔ | ق ر ء: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ |
| ح ل ل: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ | ك ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | خ ل ق: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ |
| ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| ر د د: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ر و د: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |
| ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ | ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ | ح ك م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ |

### ب ع ل

(ن) بَعَالَةً — شوہر ہونا۔

بَعْلٌ — (۱) اسم ذات ہے۔ شوہر۔ خاوند۔ اِن معنوں میں اس کی جمع بُعُوْلَةٌ آتی ہے۔ ﴿ وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ ﴾ (11/ھود: 72) ''اور یہ میرے بوڑھے شوہر ہیں۔'' آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾۔ ''اور اُن کے شوہر زیادہ حق دار ہیں اُن کو لوٹانے کے اس (مدت) میں۔'' عربی زبان میں مالک اور آقا کو بھی بَعْلٌ کہتے ہیں۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں اَتَانَا بَعْلُ هٰذِهِ الدَّابَّةِ: ہمارے پاس اس جانور کا مالک آیا۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں بعل کا لفظ بلند زمین، شہد کی مکھیوں کا سردار اور وہ بڑا درخت جو اپنی جڑوں کے ذریعہ سے ازخود زمین سے پانی جذب کر لیتا ہو، کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس آخری معنی کے لحاظ سے حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے فِيْمَا سُقِيَ بَعْلًا اَلْعُشْرُ یعنی بعل میں عشر (1/10) ہے۔ (بحوالہ مفردات القرآن)۔

(۲) ایک بت کا نام بھی تھا۔ ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:125) ''کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین خالق کو۔'' مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں: ''بعل فینقی (فینیشین) قوم کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ اسرائیلی بادشاہ اخی اب نے جب غیر قوموں میں شادیاں کیں، تو ان میں سے کوئی

بیوی اپنے ہمراہ بعل پرستی بھی شاہی محل میں لے آئی اور شاہی محل سے رفتہ رفتہ ساری اسرائیلی قوم میں سرایت کر گئی۔ انبیاء اسرائیل میں سے چند نے اس نئے شرک کا مقابلہ پورے زور وقوت کے ساتھ کیا اور ان میں ممتاز نام حضرت الیاس نبیؑ کا ہے۔ بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعل نام کسی دیوتا کا نہیں، بلکہ سب سے بڑی دیوی کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ حضرت الیاس کی قوم فلسطین کے مغربی وسطی علاقہ سامرہ (SAMARIA) میں آباد تھی اور وہیں بعل کی پوجا زور شور سے جاری تھی۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۹۱۳)۔ ایک دوسری رائے کے مطابق حضرت الیاسؑ کو ملک شام کے ایک شہر بعلبک کی طرف بھیجا گیا جہاں کے لوگ بعل نامی بت کو پوجتے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''اصل میں تو 'بعل' شوہر کو کہتے ہیں اور شوہر کے متعلق چونکہ بیوی پر فوقیت اور غلبہ کا تصور ہوتا ہے اس لیے عربی زبان میں ہر وہ چیز ''بعل'' کہلاتی ہے جسے دوسرے پر فوقیت حاصل ہو، چنانچہ اہل عرب اپنے دیوتا کو جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور تقریب کے خواہاں تھے 'بعل' کے نام سے یاد کرتے تھے، کیونکہ وہ اس کا مرتبہ اپنے سے اعلیٰ وارفع سمجھتے تھے۔'' (لغات القرآن، ج ۲، ص: ۳۹)۔

| د ر ج |
|---|

(ن)(ض) دُرُوْجًا — سیڑھی پر چڑھنا۔ اوپر تلے منزلیں بنانا۔

(س) دَرَجًا — اپنے راستے پر چلنا۔ مراتب میں ترقی کرنا۔ راہِ راست پر قائم رہنا۔

دَرَجَۃٌ — ج: دَرَجَاتٌ۔ سیڑھی کا ایک زینہ۔ بلند رتبہ۔ مرتبہ۔ فضیلت۔ اس کی ضد دَرَکٌ ہے۔ اصل میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔ سیڑھی کے زینوں پر اگر اُوپر کو چھت کی طرف چڑھا جائے تو یہی زینے دَرَجَات کہلاتے ہیں اور نیچے اترنے کے لحاظ سے یہی زینے دَرَکَات کہلاتے ہیں۔ اسی لیے دَرَجَاتُ الْجَنَّۃ اور دَرَکَاتُ النَّار کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَۃً ؕ﴾ (4/النساء:95) ''اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ؕ﴾ (9/التوبۃ:20) ''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ؕ﴾ (2/البقرۃ:253) ''کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کیے بعضوں کے درجے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(استفعال) اِسْتِدْرَاجًا — اس لفظ میں عموماً دو مفہوم پائے جاتے ہیں (۱) آہستگی (۲) تدریج، چنانچہ اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ، درجہ بہ درجہ ایک چیز کو دوسری چیز کے قریب کرنا۔ آہستہ آہستہ کسی کو ہلاکت میں ڈال دینا۔ آہستہ آہستہ کسی کو پکڑنا۔ پھر یہ لفظ آہستہ آہستہ چلانے اور فریب دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس لفظ کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''استدراج کے معنی درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ کوئی کام کرنے کے آتے ہیں، اصطلاحِ قرآن و سنت میں استدراج اس کو کہا جاتا ہے کہ بندہ کے گناہ پر دنیا میں کوئی تکلیف ومصیبت نہ آئے بلکہ جوں جوں وہ گناہ میں آگے بڑھتا جائے، دنیاوی مال واسباب اور بڑھتے جائیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنی بدکرداری پر کسی وقت تنبیہ نہیں ہوتی اور غفلت سے آنکھ نہیں کھلتی اور اپنے برے اعمال اس کو بُرے نظر نہیں آتے کہ وہ ان سے باز آنے کی فکر کرے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''یہ استدراج کفار کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور مسلمان گناہگار کے ساتھ بھی، اسی لیے

صحابہ اور سلف صالحین کو جب کبھی دنیا کی نعمت و دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تو غلبہ خوف کی وجہ سے استدراج سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں یہ دنیا کی دولت ہمارے لیے استدراج نہ ہو۔'' (معارف ۴، ص:۱۳۶)۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (7/الانعام:182) ''اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جا رہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اَلْمُطَلَّقٰتُ اسم مفعول ہے اور مبتداء ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ سے قُرُوْٓءٍ تک پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ظرف زمان ہے اس لیے ثَلٰثَةَ منصوب ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ مضارع ہے لیکن معناً امر ہے (حقانیؒ)۔ وَلَا يَحِلُّ میں 'وَ' عطف کا ہے، لَا نفی کا ہے اور يَحِلُّ فعل ہے۔ لَهُنَّ متعلق فعل ہے اور اَنْ يَّكْتُمْنَ سے فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ تک پورا جملہ لَا يَحِلُّ کا فاعل ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ يَكْتُمْنَ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُنَّ ہے، 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر يَكْتُمْنَ کا مفعول ہے۔ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَلَا يَكْتُمْنَ ہو سکتا ہے۔ بُعُوْلَتُهُنَّ مبتداء ہے اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے۔ بِرَدِّهِنَّ متعلق خبر ہے۔ فِيْ ذٰلِكَ میں ذٰلِكَ سے مراد فی مُدَّةِ ذٰلِكَ التَّرَبُّصِ ہے۔ دَرَجَةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، اِس کی خبر محذوف ہے اور لِلرِّجَالِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ عَلَيْهِنَّ متعلق خبر ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتدا اور عَزِيْزٌ اور حَكِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

## ترجمہ

البقرة:228

| وَلَا يَحِلُّ | ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ | بِاَنْفُسِهِنَّ | يَتَرَبَّصْنَ | وَالْمُطَلَّقٰتُ |
|---|---|---|---|---|
| اور حلال نہیں | تین حیض تک | اپنے آپ کو (نکاح سے) | انتظار میں رکھیں | اور طلاق شدہ خواتین |

| اِنْ كُنَّ | فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ | اللّٰهُ | خَلَقَ | مَا | اَنْ يَّكْتُمْنَ | لَهُنَّ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اگر وہ | ان کے رحموں میں (خواہ حمل ہو یا حیض) | اللہ نے | پیدا کیا | اس کو جس کو | کہ وہ چھپائیں | ان کے لیے |

| اَحَقُّ | وَبُعُوْلَتُهُنَّ | وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | بِاللّٰهِ | يُؤْمِنَّ |
|---|---|---|---|---|
| زیادہ حقدار ہیں | اور ان کے شوہر | اور آخری دن (یعنی یوم قیامت پر) | اللہ پر | ایمان رکھتی ہیں |

| اِنْ اَرَادُوْٓا | فِيْ ذٰلِكَ | بِرَدِّهِنَّ |
|---|---|---|
| اگر وہ لوگ ارادہ کریں | اس (عدت/مدت) میں | (بلا تجدید نکاح) ان کو لوٹانے کے |

| وَلَهُنَّ | اِصْلَاحًا |
|---|---|
| اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) | اصلاح کرنے کا |

| دَرَجَةٌ | عَلَيْهِنَّ | وَلِلرِّجَالِ | بِالْمَعْرُوْفِ | عَلَيْهِنَّ | مِثْلُ الَّذِيْ |
|---|---|---|---|---|---|
| فضیلت ہے | ان (عورتوں) پر | اور مردوں کو | دستور کے مطابق | ان پر | جیسا کہ مردوں کے حقوق ہیں |

| حَكِيْمٌ | عَزِيْزٌ | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|
| حکمت والا ہے | زبردست ہے | اور اللہ |

**نوٹ: 1** اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''معلوم کرنا چاہیے کہ یہاں مطلقات سے خاص وہ عورتیں مراد ہیں کہ ان سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت خاوند کو آچکی ہو اور ان عورتوں کو حیض بھی آتا ہو اور آزاد بھی ہوں کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئے اس کے اوپر طلاق کے بعد عدت بالکل نہیں اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغیرسن ہے یا بہت بوڑھی ہوگئی یا اس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین مہینے ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو اگر اس کو حیض آتا ہو تو اُس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اُس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اور حاملہ ہے تو وہی وضع حمل ہے دوسری آیتوں اور حدیثوں سے یہ تفصیل ثابت ہے۔'' (تفسیر عثمانی،ص:۴۵)۔

**نوٹ: 2** آیت میں یہ جو فرمایا: ''اور ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں ان کو لوٹانے کے اس مدت میں'' تو اس سے مراد وہ خاوند ہیں جنہوں نے تیسری بار طلاق نہ دی ہو۔

**نوٹ: 3** وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کی تفسیر ایک نظر تفسیر ماجدی سے دیکھ لیں۔

**نوٹ: 4** آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفات، عزیز اور حکیم ہم کو یاد دلائی گئی ہیں۔ اللہ کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اختیار مطلق ہے جس پر کسی قسم کی کوئی تحدید (LIMITATION) نہیں ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے اور جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم اس کی حکمت سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ جو بھی مسلمان مرد یا عورت پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کے ہر حکم کو اس یقین کے ساتھ قبول کرتا ہے کہ اسی میں ہم لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

## آیت: 229

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ | ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ | ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ح ل ل: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ح د د: البقرۃ آیت 187 دیکھیں۔ |
| ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ف د ی: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ |
| ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | | |

**م ر ر**

(س) مَرَارَةً: تلخ ہونا۔ کڑوا ہونا۔

اَمَرُّ: افعل التفضیل ہے۔ زیادہ کڑوا۔ انتہائی کڑوا۔ عربی زبان میں تلخ، ناگوار، ہر سخت اور تکلیف دہ چیز کو مُرٌّ اور اَمَرُّ کہہ دیا جاتا ہے۔ ﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾﴾ (54/القمر:46) ''اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(ن) مَرًّا، مُرُوْرًا

(۱) کسی کے پاس سے گزر جانا۔ جس کے پاس سے گزر جائے وہ مفعول کبھی بنفسہٖ آتا ہے، کبھی 'ب' کے صلے کے ساتھ اور کبھی عَلٰی کے صلے کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ مَرَّہٗ، مَرَّ بِہٖ اور مَرَّ عَلَیْہِ کا مطلب ہے وہ اس کے پاس سے گزرا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ (12/یوسف:105) ''اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (سجی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ﴾ (2/البقرة:259) ''یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گزرا وہ ایک شہر پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ (25/الفرقان:72) ''اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ (83/المطففین:30) ''اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) (ا) چلنا۔ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ (10/یونس:12) ''پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ (27/النمل:88) ''اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (ب) لے کر چلنا۔ اِن معنوں میں 'ب' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ (7/الاعراف:189) ''پھر جب وہ (یعنی مرد) اسے ڈھانک لیتا ہے، اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے پھر وہ اسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

مَرَّةٌ

بار۔ دفعہ۔ ایک بار۔ ایک دفعہ۔
تثنیہ۔ مَرَّتَانِ۔ مَرَّتَيْنِ۔ دو بار۔ دو دفعہ۔
جمع۔ مَرَّاتٌ۔ کئی بار۔

صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''مَرٌّ اور مُرور کا معنی ہے گزرنا۔ جب وحدت پر دلالت کرنے والی تاء مَرٌّ کے آخر میں بڑھا دی گئی تو ایک بار گزرنے کا معنی ہو گیا، اس کے بعد مَرَّةٌ کا تثنیہ اور جمع بنا لی لیکن عمومی استعمال میں اس لفظی ساخت کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہ گزرنے کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے بلکہ ''بار'' اور ''دفعہ'' کا معنی مراد لیا جاتا ہے۔ گویا مرة کا معنی ہو گیا ایک بار خواہ فعل کوئی بھی ہو۔'' (لغات القرآن، ج۵، ص:۳۴۸)۔ ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (9/التوبہ:83) ''بیشک تم لوگ راضی ہوئے بیٹھنے پر پہلی بار۔'' ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (9/التوبہ:80) ''اگر آپؐ استغفار کریں ان کے لیے ستر دفعہ تو بھی ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کو۔'' ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (2/البقرة:229) ''طلاق رجعی ہے دو بار تک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ (9/التوبة:126) ''کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ (24/النور:58) ''اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار۔''

(افعال) اِمْرَارًا

(۱) گزارنا۔ (۲) رسی کو بٹنا اور بل دے کر مضبوط اور پختہ بنانا۔ اسی بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ پھر مضبوط و طاقتور ہونے اور عقل مند ہونے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَمْرَرْتُ الْحَبْلَ کے معنی رسی بٹنے کے ہیں اور بٹی ہوئی رسی کو مَرِيْرٌ یا مُمَرٌّ کہا جاتا ہے اسی سے فُلَانٌ ذُوْ مِرَّةٍ کا محاورہ ہے جس کے معنی طاقتور اور توانا کے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص:۹۹۲)۔

مِرَّۃٌ — اسم ذات ہے۔ قوت۔ مضبوطی۔ خوب صورتی۔ عقل مندی۔ ذُوْمِرَّۃٍ: طاقت ور۔ زور آور۔ عقل مند۔ دانا۔ ﴿ ذُوْ مِرَّۃٍ ﴾ (53/النجم:6) ''زور آور نے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''بڑے دانا نے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ ذُوْمِرَّۃٍ استعمال فرمایا گیا ہے۔ ابن عباسؓ اور قتادہؒ اس کو خوبصورت اور شاندار کے معنی میں لیتے ہیں۔ مجاہدؒ، حسن بصریؒ، ابن زیدؒ اور سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اس کے معنی طاقت ور کے ہیں۔ سعید بن مسیبؒ کے نزدیک اس سے مراد صاحب حکمت ہے۔ حدیث میں نبیؐ کا ارشاد ہے: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّۃٍ سَوِيٍّ۔ اس ارشاد میں ذومرہ کو آپ نے تندرست اور صحیح القویٰ کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ عربی محاورے میں یہ لفظ نہایت صائب الرائے اور عاقل و دانا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔'' (تفہیم، ج۵، ص:۱۹۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''مِرَّۃٍ اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصلہٗ من شدۃ فتل الحبل (قرطبی)۔ اسی لیے ذومرہ کا معنی ذوقوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذومرۃ کہتے ہیں'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص:۱۲)۔

(استفعال) اِسْتِمْرَارًا — (۱) گزر جانا۔ ایک حالت یا طریقے پر باقی رہنا۔ دائمی ہونا۔ ہمیشہ رہنا۔ (یہ اس لفظ کے عام اور مشہور معانی ہیں)۔ (۲) مضبوط و طاقت ور ہونا۔ (۳) عربی زبان میں یہ لفظ کبھی مٹ جانے، عارضی ہونے اور ختم ہو جانے کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مُسْتَمِرٌّ — اسم الفاعل ہے۔ گزر جانے والا۔ زبردست۔ ختم ہو جانے والا۔ دائمی۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ (54/القمر:2) ''اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور کہنے لگتے ہیں (یہ) جادو ہے جو ابھی ختم ہو جائے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''مستمر کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مِرَّۃٌ جس کا معنی قوت ہے، سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے مضبوط، طاقت ور۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جادو بڑا زور والا ہے۔ زمین پر ہی نہیں آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن قتادہؒ، مجاہدؒ اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے گزر جانے والا۔ جب کوئی چیز آئے اور گزر جائے تو عرب کہتے ہیں مرّ الشیئ واستمرّ'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص:۵۳)۔ اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مُسْتَمِرٌّ: مٹ جانے والا، عارضی، فانی۔'' (تفسیر ماجدیؒ:۱۰۵۱)۔ ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ (54/القمر:19) ''ہم نے بھیجی ان پر ہوا تند ایک نحوست کے دن جو چلے گئے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**م س ک**

(ن) (ض) مَسْكًا — کسی سے متعلق ہونا۔ کسی سے چمٹنا۔

(ک) مَسَاكَۃً — مشکیزے کا پانی کو تھام لینا اور گرنے نہ دینا۔

(افعال) اِمْسَاكًا — (۱) کسی چیز کو تھامنا۔ روکنا۔ کسی چیز سے چمٹ جانا اور اس کی حفاظت کرنا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (35/فاطر:41) ''بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ﴾ (67/الملک:21) ''اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا؟۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ﴾ (2/البقرہ:231) ''اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لیے تاکہ ان پر زیادتی کرو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ ﴾۔ ’’طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی سے۔‘‘ (۲) کسی چیز کو کسی کے لیے روکے رکھنا۔ ان معنوں میں عموماً عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ ﴾ (5/المائدۃ:4) ’’پس جب شکار کو وہ تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھالو‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

اَمۡسِكۡ — ج: اَمۡسِكُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو تھام۔ تو روک۔ ﴿ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ ﴾ (33/الاحزاب:37) ’’تو روکے رکھ اپنے لیے اپنی بیوی کو، یعنی تو اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے۔‘‘ ﴿ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ﴾ (65/الطلاق:2) ’’پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

مُمۡسِكٌ — مونث: مُمۡسِكَةٌ۔ ج: مُمۡسِكَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ تھامنے والا۔ روکنے والا۔ ﴿ مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ ﴾ (35/فاطر:2) ’’اور جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ ﴾ (39/الزمر:38) ’’تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں اُس کی مہربانی کو۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعیل) تَمۡسِيۡكًا — (۱) مضبوطی سے تھامنا۔ چمٹ جانا۔ مضبوطی سے پکڑنا۔ ﴿ وَ الَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:170) ’’اور جو لوگ مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔‘‘ (۲) مشک سے کسی چیز کو خوشبودار کرنا۔

مِسۡكٌ — اسم ذات ہے۔ مشک ﴿ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ ﴾ (83/المطففین:26) ’’اس کی مہر مشک ہے۔‘‘

(استفعال) اِسۡتِمۡسَاكًا — کسی چیز سے چمٹ جانا۔ پکڑ لینا۔ کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لینا۔ اس کے ساتھ ’ب‘ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ يُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۗ ﴾ (2/البقرہ:256) ’’تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔

اِسۡتَمۡسِكۡ — فعل امر ہے۔ تو چمٹ جا۔ ﴿ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِيۡۤ اُوۡحِيَ اِلَيۡكَ ۚ ﴾ (43/الزخرف:43) ’’پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس (قرآن) کو جو آپؐ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُسۡتَمۡسِكٌ — ج: مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ چمٹ جانے والا۔ مضبوطی سے تھامنے والا۔ ﴿ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ (43/الزخرف:21) ’’کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔

## س ر ح

(ف) سَرۡحًا — اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے اونٹ کو ’’سرح‘‘ درخت چرانے کے لیے لے جانا۔ سرح ایک قسم کا پھل دار درخت ہے۔ پھر یہ لفظ صبح کے وقت مویشیوں کو چرانے کے لیے لے جانے اور صبح کے وقت مویشیوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دینے کے عمومی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ لَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَ حِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۪۶﴾ ﴾ (16/النحل:6) ’’اور تمہارے لیے ان میں زیب و زینت بھی ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح ان کو چرانے لے جاتے ہو۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) تَسۡرِيۡحًا — (۱) جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑنا۔ (۲) آزاد کرنا۔ چھوڑ دینا۔ بیوی کو طلاق دینا۔ ﴿ فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَ

اُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا ﴿۲۸﴾ (33/الاحزاب:28) ''تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوب صورتی کے ساتھ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ ﴾۔ ''پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی سے یا چھوڑ دینا ہے اچھے انداز سے۔''

**سَرَاحٌ** تسریح سے اسم مصدر ہے بمعنی سہولت و آسانی سے رخصت کرنا۔ چھوڑنا۔ آزاد کرنا۔ اوپر آیت دیکھیں۔ (33/الاحزاب:28)

**سَرِّحۡ** ج: سَرِّحُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو آزاد کر۔ تو طلاق دے۔ ﴿ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۪ ﴾ (2/البقرۃ:231) ''یا تم آزاد کروان کو بھلائی سے۔''

## ترکیب

اَلطَّلَاقُ مبتداء ہے اور مَرَّتٰنِ خبر ہے۔ اَلطَّلَاقُ پر 'ال' عہد کا ہے یعنی ''طلاق رجعی دو بار ہے۔'' فَاِمۡسَاكٌۢ میں 'فَ' عطف کا ہے اور اگلے دونوں جملے اسمیہ پچھلے جملے پر عطف ہیں۔ فَاِمۡسَاكٌۢ اور تَسۡرِيۡحٌۢ مبتداء نکرہ ہیں، ان کی خبریں محذوف ہیں جبکہ بِمَعۡرُوۡفٍ اور بِاِحۡسَانٍ قائم مقام خبریں ہیں۔ وَلَا يَحِلُّ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، لَا نافیہ ہے اور يَحِلُّ فعل ہے۔ لَكُمۡ متعلق فعل ہے۔ اَنۡ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَاۡخُذُوۡا منصوب ہوا ہے۔ اَنۡ مصدریہ بھی ہے اور اس نے اگلے جملہ فعلیہ کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ جملہ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا فاعل ہے يَحِلُّ کا۔ مِمَّا میں مِنۡ حرف جار ہے، مَا اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں اور یہ جار اور مجرور تَاۡخُذُوۡا سے متعلق ہیں۔ اِلَّاۤ حرف استثناء ہے اور اگلا جملہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ اَنۡ کی وجہ سے يَّخَافَاۤ منصوب ہوا ہے۔ اَلَّا دراصل اَنۡ لَا ہے۔ اس کے اَنۡ کی وجہ سے يُقِيۡمَانِ کا نون اعرابی گرا ہے۔ حُدُوۡدَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے۔ فَاِنۡ میں 'فَ' استئنافیہ ہے اِنۡ شرطیہ ہے اور جملہ فعلیہ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ شرط ہے۔ آگے جملہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ جواب شرط ہے۔ خِفۡتُمۡ فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور جملہ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے۔ فَلَا جُنَاحَ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے اور لَا جُنَاحَ میں لَا، لائے نفی جنس ہے، جُنَاحَ اس کا اسم ہے، خبر محذوف ہے اور عَلَيۡهِمَا قائم مقام خبر ہے۔ فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ متعلق خبر ہے۔ تِلۡكَ مبتدا ہے اور حُدُوۡدُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ فَلَا میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ لَا نہی کا ہے اسی لیے تَعۡتَدُوۡا مجزوم ہوا ہے۔ آگے وَمَنۡ میں 'وَ' پھر استئنافیہ ہے۔ مَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ جملہ شرطیہ ہے اور فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ جواب شرط ہے۔ یاد رہے کہ لَا تَعۡتَدُوۡا باب افتعال سے فعل نہی ہے اور جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے جبکہ يَّتَعَدَّ باب تفعّل سے فعل مضارع میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور یہ مَنۡ شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:229**

| اَلطَّلَاقُ | مَرَّتٰنِ ۪ | فَاِمۡسَاكٌۢ | بِمَعۡرُوۡفٍ |
|---|---|---|---|
| طلاق | دو مرتبہ ہے | پھر یا تو روک لینا ہے (رجوع کے بعد) | بھلائی سے |

| اَوۡ | تَسۡرِيۡحٌۢ | بِاِحۡسَانٍ ؕ |
|---|---|---|
| یا (عدت پوری ہونے کے بعد) | چھوڑ دینا ہے | اچھے انداز سے |

| وَلَا يَحِلُّ | لَكُمۡ | اَنۡ | تَاۡخُذُوۡا | مِمَّاۤ | اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جائز نہیں (چھوڑنے کے وقت) | تمہارے لیے | کہ | تم لوگ لو | اس میں سے جو | تم لوگوں نے دیا ان کو |

| شَيۡـًٔا | اِلَّاۤ اَنۡ | يَّخَافَاۤ | اَلَّا يُقِيۡمَا | حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ |
|---|---|---|---|---|
| کچھ بھی | سوائے اس کے کہ | وہ دونوں (میاں بیوی) خوف کریں | کہ وہ دونوں قائم نہیں رکھ سکیں گے | اللہ کی حدود کو |

| حُدُوْدَ اللّٰہِ | اَلَّا يُقِيْمَا | خِفْتُمْ | فَاِنْ |
|---|---|---|---|
| اللہ کی حدود کو | کہ وہ دونوں (میاں بیوی) قائم نہیں رکھ سکیں گے | تمہیں خوف ہو | پس اگر |

| بِهٖ | افْتَدَتْ | فِيْمَا | عَلَيْهِمَا | فَلَا جُنَاحَ |
|---|---|---|---|---|
| جسے دے کر | وہ عورت خود کو چھڑائے | اس مال کے دینے میں | ان دونوں پر | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں |

| يَّتَعَدَّ | وَمَنْ | فَلَا تَعْتَدُوْهَا | حُدُوْدُ اللّٰہِ | تِلْكَ |
|---|---|---|---|---|
| جانتے بوجھتے آگے بڑھتا ہے | اور جو | پس تم آگے مت بڑھو اُن سے | اللہ کی حدود ہیں | یہ |

| هُمُ الظّٰلِمُوْنَ | فَاُولٰٓئِكَ | حُدُوْدَ اللّٰہِ |
|---|---|---|
| ہی ظلم کرنے والے ہیں | تو وہ لوگ | اللہ کی حدود سے |

**نوٹ:1** اس آیت مبارکہ میں خطاب کبھی تمام مسلمانوں سے ہے، کبھی ذکر میاں اور بیوی کا ہے اور کبھی بیوی کے عمل کے متعلق بتایا گیا ہے۔ چنانچہ نوٹ کرلیں کہ (۱) وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہے۔ (۲) اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ میں تثنیہ کے صیغے کی وجہ سے ذکر میاں اور بیوی کا ہے۔ (۳) فَاِنْ خِفْتُمْ میں جمع کے صیغے کی وجہ سے خطاب پھر تمام مسلمانوں سے ہے۔ (۴) اَلَّا يُقِيْمَا میں ذکر پھر انہی دونوں میاں اور بیوی کا ہے۔ (۵) فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ میں ذکر بیوی کے عمل کا ہے۔ (۶) اور فَلَا تَعْتَدُوْهَا میں خطاب پھر تمام مسلمانوں سے ہے۔

**نوٹ:2** فَاِمْسَاكٌ میں 'ف' بڑا معنی خیز ہے۔ یعنی جب پتہ چل گیا کہ طلاق دو مرتبہ ہے تو اس کے بعد دو کاموں میں سے کوئی ایک کام ہونا چاہیے۔ یا تو بیوی کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا اسے اچھے انداز سے رخصت کردو۔ ان دو کاموں کے علاوہ کسی ظلم، زیادتی اور زور زبردستی کی ہرگز اجازت نہیں۔ یہ انداز اور یہ اعجاز قرآنِ مجید ہی کا ہے۔ (از مرتب)۔

**نوٹ:3** طلاق اور تسریح: حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ نے مترادفات القرآن میں اِن دونوں الفاظ پر بڑی عمدہ بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ یہاں بیان کیا جارہا ہے۔ چنانچہ حضرت ؒ فرماتے ہیں: ''الطلاق اور تسریح دونوں لفظ عورت کی جدائی یا عام مفہوم میں ''طلاق'' کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ الطلاق میں تخلیہ (یعنی علیحدگی) ضروری اور ارسال جزوی شرط ہے جبکہ تسریح میں لازمی جز ارسال (یعنی بھیج دینا) ہے اور وہ بھی آسانی وسہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے۔'' (مترادفات القرآن،ص:۸۰)۔

**نوٹ:4** اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی بیوی کو طلاق دیتے تھے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلیتے تھے۔ اس کے بعد پھر طلاق دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نہ تو اُس عورت کا گھر آباد ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوتی تھی۔

اِس آیت میں شوہر کے اِس اختیار کو برقرار رکھا گیا ہے لیکن اسے محدود کردیا گیا ہے۔ اپنی عائلی زندگی میں ایک شوہر اپنا یہ اختیار دو مرتبہ استعمال کرسکتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو اس کا رجوع کرنے کا اختیار ختم ہوچکا ہے۔ اب عدت پوری ہونے کے بعد طلاق ہی ہوگی۔ (آیت کی تفسیر کے لیے معارف القرآن دیکھیں)۔

## آیت:230

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾﴾

ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ ح ل ل: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ ن ک ح: البقرۃ آیت 221 دیکھیں۔
ز و ج: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ د ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔
ظ ن ن: البقرۃ آیت 46 دیکھیں۔ ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ ح د د: البقرۃ آیت 187 دیکھیں۔
ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔

**ترکیب**

’ف‘ استئنافیہ یا عاطفہ ہے۔ اِنۡ حرف شرط ہے اور طَلَّقَهَا جملہ شرطیہ ہے۔ فَلَا تَحِلُّ سے غَيْرَهٗ تک جواب شرط ہے۔ طَلَّقَ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو شوہر کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی هَا بیوی کے لیے ہے۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا سے مراد ہے ’’فَاِنْ طَلَّقَهَا مَرَّةً ثَالِثَةً بَعْدَ الْمَرَّتَيْنِ‘‘ (سلیمان یاقوتؒ)۔ لَا نفی کا ہے۔ تَحِلُّ واحد مونث غائب کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں هِيَ ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور لَهٗ میں هٗ ضمیر شوہر کے لیے ہے۔ تَنْكِحَ، حَتّٰى کی وجہ سے منصوب ہوا ہے اور اس کا فاعل اس میں هِيَ ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور زَوْجًا اس کا مفعول ہے۔ زَوْجًا کی صفت ہونے کی وجہ سے غَيْرَ منصوب ہے اور هٗ ضمیر طلاق دینے والے شوہر کے لیے ہے۔ آگے فَاِنْ میں ’ف‘ عطف کا ہے اِنْ طَلَّقَهَا جملہ شرطیہ ہے اور فَلَا جُنَاحَ سے يَّتَرَاجَعَآ جواب شرط ہے۔ طَلَّقَ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو زَوْجًا کے لیے ہے۔ عَلَيْهِمَا میں هُمَا کی ضمیر بیوی اور اس کے پہلے شوہر کے لیے ہے۔ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے۔ تِلْكَ مبتداء ہے اور حُدُوْدُ اللّٰهِ خبر ہے۔ يُبَيِّنُ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے اور اس کی ضمیر مفعولی هَا، حُدُوْد کے لیے ہے۔ لِقَوْمٍ نکرہ موصوفہ ہے اور جملہ فعلیہ يَّعْلَمُوْنَ اس کی صفت ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:230 |

| مِنْۢ بَعْدُ | لَهٗ | فَلَا تَحِلُّ | طَلَّقَهَا | فَاِنْ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے بعد | اس کے لیے | تو وہ (عورت) حلال نہیں ہوگی | وہ طلاق دے اس کو (یعنی تیسری بار) | پھر اگر |

| زَوْجًا | تَنْكِحَ | حَتّٰى |
|---|---|---|
| کسی دوسرے خاوند سے | وہ عورت نکاح کرے (عدت کے بعد) | یہاں تک کہ |

| طَلَّقَهَا | فَاِنْ | غَيْرَهٗ ؕ |
|---|---|---|
| وہ (دوسرا خاوند) طلاق دے اس کو (یا مر جائے) | پھر اگر | اس کے علاوہ |

| اِنْ | يَّتَرَاجَعَآ | اَنْ | عَلَيْهِمَآ | فَلَا جُنَاحَ |
|---|---|---|---|---|
| اگر | وہ دونوں باہم رجوع کر لیں | کہ | ان دونوں (پہلے خاوند اور بیوی) پر | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے |

| حُدُوْدُ اللّٰهِ | وَتِلْكَ | حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ | اَنْ يُّقِيْمَا | ظَنَّآ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ کی حدود ہیں | اور یہ | اللہ کی حدود کو | کہ وہ قائم رکھ سکیں گے | ان دونوں کو خیال ہو |

| يَّعْلَمُوْنَ | لِقَوْمٍ | يُبَيِّنُهَا |
|---|---|---|
| جو علم رکھتے ہیں | ایسے لوگوں کے لیے | وہ واضح کرتا ہے انہیں |

**نوٹ**

فَاِنْ طَلَّقَهَا کے بارے میں صاحب احسن البیانؒ فرماتے ہیں: ’’اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے۔ یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح۔ البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے، یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔‘‘ (احسن البیان: ۹۵)۔

## آیت:231

﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ‌ ۖ وَّلَا
تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ‌ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ‌ۚ وَّ
اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ط ل ق: البقرة آیت 227 دیکھیں۔ | ب ل غ: البقرة آیت 196 دیکھیں۔ | م س ك: البقرة آیت 229 دیکھیں۔ |
| س ر ح: البقرة آیت 229 دیکھیں۔ | ض ر ر: البقرة آیت 102 دیکھیں۔ | ع د و: البقرة آیت 36 دیکھیں۔ |
| ف ع ل: البقرة آیت 24 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرة آیت 17 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرة آیت 48 دیکھیں۔ |
| ھ ز ء: البقرة آیت 14 دیکھیں۔ | ذ ك ر: البقرة آیت 40 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرة آیت 4 دیکھیں۔ |
| و ع ظ: البقرة آیت 66 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرة آیت 2 دیکھیں۔ | |

### ء ج ل

(س) **اَجَلًا** پیچھے رہنا۔ دیر کرنا۔

**اَجَلٌ** تثنیہ: اَجَلَانِ۔ اَجَلَیْنِ۔ اسم ذات ہے۔ مقررہ مدت۔ وقت۔ موت۔ عربی میں کہتے ہیں دَنَا اَجَلُهٗ یعنی اس کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ ﴿لَوۡلَآ اَخَّرۡتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ﴾ (4/ النساء:77) ''(اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ (7/ الاعراف:34) ''اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اَيَّمَا الۡاَجَلَيۡنِ قَضَيۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَىَّ ؕ﴾ (28/ القصص:28) ''جونسی مدت ان دونوں میں پوری کردوں، سو زیادتی نہ ہو مجھ پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''بلوغ اجل'' سے اصطلاحی طور پر عدت کا ختم ہو جانا یا عدت کے ختم ہونے کی مدت کے قریب پہنچ جانا مراد ہوتا ہے (مفردات القرآن)۔ ان دونوں معانی میں یہ لفظ قرآنِ مجید میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ﴾ (2/ البقرة:231) ''اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی (ہو) پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ اور آیت 232 میں فرمایا: ﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ﴾ (2/ البقرة:232) ''اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**اَجۡلٌ** سبب۔ وجہ۔ عربی میں کہتے ہیں فَعَلۡتُ كَذَا مِنۡ اَجۡلِهٖ یعنی میں نے یہ کام اس کی وجہ سے کیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ﴾ (5/ المائدۃ:32) ''اس وجہ سے۔''

(تفعیل) **تَاۡجِيۡلًا** (۱) وقت مقرر کرنا۔ مدت مقرر کرنا۔ مہلت دینا۔ ﴿وَّبَلَغۡنَآ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا ؕ﴾ (6/ الانعام:128) ''اور پہنچ گئے ہم اپنی اس معیاد کو جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) دیر کرنا۔ ملتوی کرنا۔ ﴿لِاَىِّ يَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ؕ﴿۱۲﴾﴾ (77/ المرسلات:12) ''کس دن کے لیے یہ ملتوی کیا گیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُؤَجَّلٌ** اسم المفعول ہے۔ مقرر کیا ہوا وقت۔ وہ جس کا وقت معین ہو۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ (3/آل عمران:145) ''اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے ایک لکھے ہوئے مقرر کردہ وقت پر۔''

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اِذَا شرطیہ ہے۔ طَلَّقْتُمُ سے اَجَلَهُنَّ تک شرط ہے اور فَاَمْسِكُوْا سے سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ تک جواب شرط ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے، لَا نہی کا ہے اسی لیے تُمْسِكُوْا مجزوم ہوا ہے۔ ضِرَارًا فعول لَهٗ ہے اور روکنے کی وجہ بتا رہا ہے۔ لِّتَعْتَدُوْا، ضِرَارًا سے متعلق ہے اور اس پر لِ، علت کا ہے۔ آگے 'وَ' پھر استئنافیہ ہے، مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ جملہ شرطیہ ہے اور جملہ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ اس کا جواب شرط ہے۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا میں 'وَ' عاطفہ یا استئنافیہ ہے، لَا نہی کا ہے، اسی لیے تَتَّخِذُوْٓا مجزوم ہوا ہے۔ اس کا مفعول اوّل اٰيٰتِ اللّٰهِ ہے اور هُزُوًا مفعول ثانی ہے۔ وَّ اذْكُرُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے۔ اُذْكُرُوْا فعل امر ہے، نِعْمَتَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے اور عَلَيْكُمْ، نِعْمَتَ سے متعلق ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور نِعْمَتَ پر عطف ہے۔ جملہ فعلیہ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ اس کا صلہ ہے۔ يَعِظُ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، كُمْ مفعول ہے اور بِهٖ متعلق فعل ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر ہے اور جملہ اسمیہ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اس کا مفعول ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے، عَلِيْمٌ اس کی خبر ہے اور بِكُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر ہے۔

## ترجمہ
البقرة:231

| وَاِذَا | طَلَّقْتُمُ | النِّسَآءَ | فَبَلَغْنَ |
|---|---|---|---|
| اور جب | تم طلاق (رجعی) دو | عورتوں کو | پھر وہ پہنچیں |

| اَجَلَهُنَّ | فَاَمْسِكُوْهُنَّ | بِمَعْرُوْفٍ | اَوْ |
|---|---|---|---|
| اپنی مدت کو (یعنی عدت ختم ہونے کو آئی) | تو (یا تو) تم (رجعت کرکے) روک لو ان کو | بھلائی کے ساتھ | یا |

| سَرِّحُوْهُنَّ | بِمَعْرُوْفٍ ۠ | وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ | ضِرَارًا |
|---|---|---|---|
| آزاد کردو ان کو | بھلائی کے ساتھ | اور تم لوگ مت روکو ان کو | تکلیف دینے کے لیے |

| لِّتَعْتَدُوْا ۚ | وَمَنْ | يَّفْعَلْ ذٰلِكَ | فَقَدْ ظَلَمَ | نَفْسَهٗ ۭ | وَلَا تَتَّخِذُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|
| تاکہ تم زیادتی کرو | اور جو | یہ کرتا ہے | تو اس نے ظلم کیا | اپنے آپ پر | اور تم مت بناؤ |

| اٰيٰتِ اللّٰهِ | هُزُوًا | وَّاذْكُرُوْا | نِعْمَتَ اللّٰهِ | عَلَيْكُمْ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ کی آیات کو | ہنسی مذاق | اور یاد کرو | اللہ کی نعمت کو | جو تم پر ہے |

| وَمَآ | اَنْزَلَ | عَلَيْكُمْ | مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ |
|---|---|---|---|
| اور (یاد کرو) اس کو جو | اس نے اُتارا | تم لوگوں پر | حکمت اور کتاب میں سے |

| يَعِظُكُمْ | بِهٖ ۭ | وَاتَّقُوا | اللّٰهَ | وَاعْلَمُوْٓا | اَنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|---|
| وہ نصیحت کرتا ہے تم کو | جس سے | اور تم تقویٰ اختیار کرو | اللہ کا | اور جان لو | کہ اللہ |

| بِكُلِّ شَيْءٍ | عَلِيْمٌ |
|---|---|
| ہر چیز کو | خوب جاننے والا ہے |

## آیت:232

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ
اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ | ب ل غ: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | ء ج ل: البقرۃ آیت 231 دیکھیں۔ |
| ن ك ح: البقرۃ آیت 221 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | و ع ظ: البقرۃ آیت 66 دیکھیں۔ |
| ز ك و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | ط ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | |

### ع ض ل

(ن) عَضْلًا: اس لفظ کا لفظی معنی ہے پٹھا پکڑ کر باندھ دینا۔ مجازاً اس سے مراد ہے کسی کو سختی سے روک دینا اور عموماً یہ لفظ مرد کا عورت کو نکاح کرنے سے روک دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ (4/النساء:19) ''اور نہ روکے رکھو انہیں تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾۔ ''اور تم مت روکو اُن کو۔''

### ترکیب

'' وَ'' استئنافیہ ہے۔ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جملہ شرطیہ ہے فَبَلَغْنَ سے بِالْمَعْرُوْفِ تک جواب شرط ہے۔ یہاں فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ سے مراد ہے وہ عورتیں جو اپنی عدت پوری کر لیں۔ لَا تَعْضُلُوْا میں لَا نہی کا ہے اسی لیے تَعْضُلُوْا مجزوم ہوا ہے۔ تَعْضُلُوْا کی ضمیر فاعلی یا تو پہلے خاوندوں کے لیے ہے یا پھر عورتوں کے سرپرستوں کے لیے ہے۔ ذٰلِكَ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يُوْعَظُ بِهٖ سے لے کر اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ تک خبر ہے۔ يُوْعَظُ مضارع مجہول کا صیغہ ہے، بِهٖ متعلق فعل ہے اور اس کا نائب الفاعل مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ...... اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ تک ہے۔ جس میں مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ...... اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ تک اس کا صلہ ہے۔ ذٰلِكُمْ مبتدا ہے۔ اَزْكٰى اور اَطْهَرُ خبریں ہیں اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ اَللّٰهُ مبتدا اور يَعْلَمُ اس کی خبر ہے اسی طرح اَنْتُمْ مبتدا ہے اور لَا تَعْلَمُوْنَ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

### ترجمہ
البقرۃ:232

| وَاِذَا | طَلَّقْتُمُ | النِّسَآءَ | فَبَلَغْنَ | اَجَلَهُنَّ | فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جب | تم طلاق دو | عورتوں کو | پھر وہ پہنچیں | اپنی مدت کو (یعنی عدت پوری کر لیں) | تو تم مت روکو ان کو |

| اَنْ يَّنْكِحْنَ | اَزْوَاجَهُنَّ | اِذَا تَرَاضَوْا | بَيْنَهُمْ | بِالْمَعْرُوْفِ ؕ | ذٰلِكَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس سے کہ وہ نکاح کر لیں | اپنے انہی شوہروں سے | جب وہ باہم راضی ہوں | آپس میں | بھلائی سے | یہ (فرمان الٰہی) ہے |

| يُوْعَظُ | بِهٖ | مَنْ | كَانَ مِنْكُمْ | يُؤْمِنُ | بِاللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|---|
| نصیحت کی جاتی ہے | اس کے ذریعے | اس کو جو | تم میں سے | ایمان رکھتا ہو | اللہ پر |

| لَکُمْ | اَزْکٰی | ذٰلِکُمْ | وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ |
|---|---|---|---|
| تمہارے لیے | زیادہ پاکیزہ ہے | یہ | اور آخری دن پر |

| وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ | وَاللّٰہُ یَعْلَمُ | وَاَطْھَرُ ؕ |
|---|---|---|
| اور تم لوگ نہیں جانتے | اور اللہ جانتا ہے | اور زیادہ صاف ہے |

**نوٹ:1** آیت نمبر۔ 231 اور 232، دونوں میں الفاظ آئے ہیں فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ۔ دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے لیکن مفہوم میں فرق ہے۔ یہ فرق آگے جواب شرط سے واضح ہوتا ہے۔ آیت نمبر۔ 231 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت ختم ہونے کے قریب پہنچیں تو تم کو اختیار ہے کہ چاہے رجوع کر لو یا طلاق دے دو۔ آیت نمبر۔ 232 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو گیا اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہو گئیں۔ اس لیے اب ان کے نکاح میں ان کے لیے مشکلات پیدا مت کرو۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

**نوٹ:2** ان آیات کی تفسیر کے لیے معارف القرآن دیکھیں۔

## آیت:233

﴿وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُھُنَّ وَ کِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌۢ بِوَلَدِھَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ل د: البقرۃ آیت 83 دیکھیں۔ | ح و ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ك م ل: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ |
| ر و د: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ت م م: البقرۃ آیت 124 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ |
| ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ |
| س ل م: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| ب ص ر: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | | |

**ر ض ع**

(ض)(س) رِضَاعًا، رَضَاعَةً بچے کا دودھ پینا۔ یاد رہے کہ عام دودھ پینے کے لیے یہ فعل استعمال نہیں ہوتا۔ ﴿وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ نیز آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ﴾ ''اس کے لیے جو چاہتا ہے کہ وہ پورا کرے بچے کے دودھ پینے کو۔''

(افعال) اِرْضَاعًا بچے کو دودھ پلانا۔ ﴿وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ نیز آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ

كَامِلَيْنِ ﴾۔ ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال۔''

**اَرْضِعِيْ** فعل امر ہے۔ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ۔ تو دودھ پلا۔ ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ ﴾ (28/القصص:7) ''اور ہم نے وحی کی حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف کہ آپ دودھ پلائیں ان کو۔''

**مُرْضِعٌ، مُرْضِعَةٌ** ج: مَرَاضِعُ۔ اسم الفاعل ہے۔ دودھ پلانے والی۔ یاد رہے کہ مُرْضِعٌ (واحد مذکر) کا مطلب بھی دودھ پلانے والی ہے۔ اس کے ساتھ تائے تانیث نہیں لاتے کیونکہ یہ عورتوں کی ہی صفت ہے البتہ جب بچہ منہ میں پستان لے لیتا ہے اور دودھ پینے لگتا ہے تو اس وقت اس عورت کو مُرْضِعَةٌ کہتے ہیں۔ ﴿ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ ﴾ (22/الحج:2) ''جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لختِ جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (28/القصص:12) ''اور ہم نے حرام کر دیں اُس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(استفعال) **اِسْتِرْضَاعًا** بچے کو کسی سے دودھ پلوانا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ﴾ ''اور اگر تم لوگ چاہو کہ کسی (اور) سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو۔''

## ك س و

(ن) **كَسْوًا** کسی کو کچھ پہنانا۔ لباس پہنانا۔ ﴿ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ﴾ (23/المؤمنون:14) ''پھر ہم نے پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔''

**اُكْسُ** ج: اُكْسُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پہنا۔ ﴿ وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ ﴾ (4/النساء:5) ''اور تم لوگ کھلاؤ ان کو اس میں سے اور پہناؤ ان کو۔''

**كِسْوَةٌ** اسم ذات ہے۔ پہنانے کی چیز۔ لباس۔ ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ ﴾ (5/المائدۃ:89) ''یا اُن کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا ایک لونڈی آزاد کرنا۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ اور آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ ﴾ ''اور اس پر ہے، بچہ جنا گیا جس کے لیے ان کی خوراک اور ان کا لباس۔''

## ك ل ف

(س) **كَلَفًا** (۱) چہرے کا چھائیوں والا ہونا۔ (۲) کسی پر عاشق ہونا۔ (۳) مشقت کرنے پر آمادہ کرنا۔

(تفعیل) **تَكْلِيْفًا** کسی کو دشوار کام کا حکم دینا۔ کسی کو مشقت میں ڈالنا۔ کسی کو تکلیف دینا۔ کسی سے ایسی چیز کرنے کی خواہش کرنا جس میں رنج و محنت ہو۔ کسی کو کسی کام کا پابند کرنا۔ اس فعل کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں۔ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ ﴾ (2/البقرۃ:286) ''اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ ﴾ (6/الانعام:152) ''ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ ﴾ ''پابند نہیں کیا جاتا کسی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔''

(تفعّل) **تَكَلُّفًا** (۱) دشوار کام برداشت کرنا۔ خود کو مشقت میں ڈالنا۔ (۲) تکلف کرنا یعنی بناوٹ کرنا۔ دکھاوا کرنا۔ صاحبِ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''اصل میں تکلف نام ہے چہرے پر بدنمائی ظاہر کرتے ہوئے، برداشت اور دشواری کی علامات نمودار کرتے ہوئے کسی کام کو کرنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) کسی کام کو کرنے کے وقت چہرے پر بناوٹی دشواری کے

آثار نمودار کر لینا۔(ب) بلند حوصلہ دکھاتے ہوئے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دشواری اٹھانا۔اوّل قسم مزموم یعنی قابل مزمت ہے اور دوسری قسم محمود یعنی قابل تعریف ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر جو تکلیفات اور دشواریاں عائد کی جاتی ہیں، ان کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے تکلف محمود کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں عبادات کا پابند بنانے میں تکلیف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔حدیث میں ہے اَنَا وَ اَتْقِيَاءُ اُمَّتِيْ بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ کہ میں اور میری امت کے پرہیزگار آدمی (بناوٹی) تکلف سے بری ہیں۔(تلخیص از لغات القرآن ومفردات القرآن)۔

**مُتَكَلِّفٌ** ج: مُتَكَلِّفُوْنَ۔ مُتَكَلِّفِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بناوٹ کرنے والا۔ دکھاوا کرنے والا۔ ﴿ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ (38/صٓ:86)’’اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

**و ر ث**

**(ح) وِرَاثَةً، اِرْثًا، تُرَاثًا، وِرْثًا** وارث بنا۔کسی چیز کا مالک بننا۔میت کے ترکے کا مالک بننا۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:’’ وِرَاثَةٌ اور اِرْثٌ کا اصل معنی ہے بغیر بیع وشراء اور بلا ہبہ وغیرہ کے کسی کی طرف سے کسی ملکیت کا دوسرے کی جانب منتقل ہو جانا۔اسی مناسبت سے میت کے متروکہ مال کو جو میت کے بعد اس کے رشتے داروں کے پاس منتقل ہو کر آتا ہے، میراث کہا جاتا ہے۔(لغات القرآن،ج۵،ص:۴۹۲)۔عربی محاورے میں وَرِثَ عَنْهُ اور وَرِثَهٗ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ وُرِثْتُ مَالًا عَنْ زَيْدٍ وَ وُرِثْتُ زَيْدًا دونوں کا مطلب ہے میں زید کے مال کا وارث بنا۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾(27/النمل:16)’’اور وارث ہوئے سلیمانؑ، داؤدؑ کے۔‘‘﴿ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ ﴾(4/النساء:11)’’اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔‘‘﴿ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ﴾(4/النساء:19)’’حلال نہیں تمہارے لیے کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی۔‘‘ وراثت کے اس مشہور معنی کے علاوہ تین معانی اور بھی ہیں جن کے صیغے ثلاثی مجرد اور باب افعال سے استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) بلاعوض اور بغیر مشقت کے کسی چیز کا مالک بن جانا، جیسے مؤمنین صالحین جنت کے وارث ہوں گے۔اس صورت میں ایک کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی بلکہ ابتدا ہی سے بلا انتقال، ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾(23/المومنون:11)’’جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴾(19/مریم:63)’’یہ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی ہوگا پرہیزگار۔‘‘(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾(7/الاعراف:43)’’اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے، وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے۔‘‘(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۲) علم یا کتاب کا وارث ہونا۔عربی محاورے میں کہتے ہیں وُرِثْتُ عِلْمًا مِنْ فُلَانٍ۔میں نے فلاں سے علم حاصل کیا۔اس صورت میں مال کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ ایک کا علم دوسرے کو ملتا ہے۔حدیث میں فرمایا: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، علماء، انبیاء (کے علم) کے وارث ہوتے ہیں۔ نیز فرمایا:’’نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ، لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ‘‘ ہم انبیاء کا گروہ ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ ﴾(7/الاعراف:169)’’پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف، جو وارث بنے کتاب کے۔‘‘(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾(19/مریم:6)’’جو وارث بنے میرا اور وارث بنے (حضرت) یعقوبؑ کے خاندان کا۔‘‘(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾(35/فاطر:32)’’پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے۔‘‘
(ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۳) اللہ کے وارث ہونے کا معنی: قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴾ (19/مریم:40) ''یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴾ (15/الحجر:23) ''اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے کا معنی ہے مالکِ حقیقی ہونا۔ اللہ سارے عالم کا وارث ہے یعنی مالکِ حقیقی ہے۔ قیامت کے دن اللہ کے وارث ہونے کا مطلب ہے ہر چیز کا ظاہری، باطنی اور حقیقی اختیار اللہ کو ہونا کیونکہ اس روز ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گی۔ (تلخیص از لغات القرآن و مفردات القرآن)۔

**وَارِثٌ** ج: وَارِثُوْنَ اور وَرَثَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مالک۔ وارث۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ﴾ ''اور وارث پر (واجب) ہے اس کی مانند۔'' نیز فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴾ (23/المومنون:10) ''یہی وارث ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴾ (28/القصص:5) ''اور یہ کہ ہم بنائیں ان کو پیشوا اور ہم بنائیں ان کو وارث (زمین کا)۔'' ﴿ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴾ (26/الشعراء:85) ''اور تو بنادے مجھ کو نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے۔''

**مِيْرَاثٌ** اسم ذات ہے۔ ملکیت۔ حقیقی ملکیت۔ میت کا ترکہ۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد، اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے اور یہ ملک جبری ہوتی ہے، مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۸، ص: ۲۹۶)۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ (3/آل عمران:180) ''آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (57/الحدید:10) ''تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''یہاں حق تعالیٰ کی ملکیتِ آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی۔'' (معارف القرآن، ج۸، ص:۲۹۶)۔

**تُرَاثٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ میت کا چھوڑا ہوا مال۔ ﴿ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴾ (89/الفجر:19) ''اور تم لوگ کھاتے ہو میت کا مال، سمیٹ سمیٹ کر۔'' تُرَاثٌ اصل میں وُرَاثٌ ہے۔ ''و'' کو ''ت'' سے تبدیل کر دیا گیا۔

(افعال) **اِيْرَاثًا** کسی کو مالک بنانا۔ وارث بنانا۔ ﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ﴾ (33/الاحزاب:27) ''اور اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے مال کا وارث کر دیا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴾ (19/مریم:63) ''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

## ف ص ل

(ض) **فَصْلًا** (۱) دو چیزوں کو ایک دوسرے سے اس طرح علیحدہ کر دینا کہ ان میں فاصلہ ہو جائے۔ جدا کرنا۔ علیحدہ کرنا۔

(۲) دو چیزوں میں فاصلہ ہونا۔

(۳) حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (22/الحج:17)

''بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔''

(۴) بچے کا دودھ چھڑانا۔

**فَصْلٌ** اسم ذات بھی ہے۔ دو چیزوں کے درمیان روک۔ کتاب کا ایک مستقل باب۔ دو ہڈیوں کے ملنے کی جگہ۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ۔ قَوْلٌ فَصْلٌ: حق بات۔ یَوْمُ الْفَصْلِ: قیامت کا دن۔ قیامت کے دن کو یوم الفصل اس لیے کہا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ حق کو باطل سے جدا کر دے گا اور لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلے فرما دے گا۔ فَصْلُ الْخِطَابِ: (۱) وہ خطاب جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن ہو۔ (۲) اَمَّا بَعْدُ کا کلمہ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ (37/ الصافات:21) ''یہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔'' ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴾ (86/ الطارق:13) ''بے شک یہ بات ہے دوٹوک۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ (38/ صٓ:20) ''اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا فرمائی تھی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**فَاصِلٌ** ج: فَاصِلُوْنَ۔ فَاصِلِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ حق کو باطل سے الگ کرنے والا۔ ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴾ (6/ الانعام:57) ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

**فَصِيْلَةٌ** فصیل کا مؤنث ہے۔ گھر کی چاردیواری۔ پھر گھر میں رہنے والوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کنبہ۔ گھرانہ۔ چونکہ اولاد ماں باپ سے ہی جدا ہوتی ہے یعنی انہی سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے فَصِيْلَةٌ کا لفظ گھر والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴾ (70/ المعارج:13) ''اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(ن) **فُصُوْلًا** شہر سے نکلنا۔ روانہ ہونا (لازم)۔ ﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ﴾ (2/ البقرہ:249) ''پھر جب روانہ ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ۔'' ﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ ﴾ (12/ یوسف:94) ''اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا۔''

(تفعیل) **تَفْصِيْلًا** کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کرنا۔ کھول کر بیان کر دینا۔ تفصیل سے بتانا۔ واضح کر دینا۔ ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (6/ الانعام:119) ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (7/ الاعراف:174) ''اور اس طرح ہم کھول کھول کر بتاتے ہیں آیتوں کو شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔'' ﴿ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (10/ یونس:37) ''اور احکام ضروریہ (الہیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک و (شبہ) کی نہیں (اور وہ) رب العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**مُفَصَّلٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ تفصیل سے بتایا ہوا۔ واضح۔ الگ الگ بیان کیا ہوا۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ (6/ الانعام:114) ''حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْمُفَصَّلُ قرآن پاک کی آخری منزل کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں چھوٹی چھوٹی سورتوں میں تمام قصے الگ الگ بیان کیے گئے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص:۸۰۲)۔

**مُفَصَّلَةٌ** ج: مُفَصَّلَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ جدا جدا۔ کھلی ہوئی۔ واضح۔ ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾ (7/ الاعراف:133) ''پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(مفاعلہ) فِصَالًا: کسی کو شراکت سے الگ کرنا۔ جدا کرنا۔ بچے کا دودھ چھڑانا۔ ﴿وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ (31/لقمان:14) ''اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا﴾ ''پھر اگر دونوں (ماں باپ) چاہیں بچے کا دودھ چھڑانا (دو سال سے پہلے ہی) باہمی رضامندی سے اُن دونوں میں۔''

| ش | و | ر |

(ن) شَوْرًا: (ا) اس کا بنیادی مفہوم ہے شِرْتُ الْعَسَلَ یعنی چھتے سے شہد نکالنا۔ پھر یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: جانور کو سدھانا اور تجربے کے لیے اس پر سوار ہونا۔ گھوڑے کی دوڑ معلوم کرنا کہ کس قدر دوڑ سکتا ہے۔ کسی چیز کا جوہر نکالنا وغیرہ۔

(افعال) اِشَارَةً: اشارہ کرنا۔ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ (19/مریم:29) ''تو انہوں نے اشارہ کیا ان کی طرف۔''

(مفاعلہ) مُشَاوَرَةً: یہ شِرْتُ الْعَسَلَ سے مشتق ہے یعنی کسی سے اس کی رائے معلوم کرنا۔ کسی سے مشورہ کرنا۔

شُوْرٰی: یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے جیسے بُشْرٰی، ذِکْرٰی وغیرہ۔ باہم مشورہ کرنا۔ کسی قابلِ غور معاملہ میں سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں کی رائے حاصل کرنا۔ ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (42/الشوریٰ:38) ''اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ راغبؒ شُوْرٰی کی تحقیق کے ضمن میں لکھتے ہیں: التشاور والمشاورة والمشورة استخراج الرأی بمراجعة البعض الی البعض من قولهم شرت العسل ذا تخذته من موضعه والستخرجته منه یعنی آپس میں تبادلۂ خیال اور بحث و تکرار کے بعد کوئی رائے قائم کرنے کو تشاور، مشاورت اور مشورہ کہتے ہیں۔ اس لیے جب چھتہ سے شہد نکالا جائے تو عرب کہتے ہیں شرتُ العسل۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص: ۳۸۴)۔

شَاوِرْ: فعل امر ہے۔ تو رائے لے۔ تو مشورہ کر۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (3/آل عمران:159) ''آپ مشورہ کریں ان سے فیصلے میں۔''

(تفاعل) تَشَاوُرًا: ایک دوسرے سے رائے لینا۔ باہم مشورہ کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ﴾ ''پھر اگر دونوں (ماں باپ) چاہیں بچے کا دودھ چھڑانا (دو سال سے پہلے ہی) باہمی رضامندی سے اُن دونوں میں اور باہمی مشورے سے۔''

## ترکیب

''وٗ'' استئنافیہ ہے۔ اَلْوَالِدٰتُ مبتداء ہے اور آگے جملہ فعلیہ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ تک اس کی خبر ہے۔ يُرْضِعْنَ کا فاعل اس میں هُنَّ ضمیر ہے جو اَلْوَالِدٰتُ کے لیے ہے۔ اَوْلَادَهُنَّ مفعول ہے اور حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لِمَنْ میں لِ حرف جار ہے اور مَنْ اسم موصول ہے، جملہ فعلیہ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں اور یہ مرکب جاری يُرْضِعْنَ سے متعلق ہے۔ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ مبتداء مؤخر ہیں۔ ان میں هُنَّ ضمیر اَلْوَالِدٰتُ کے لیے ہے۔ ان کی خبر محذوف ہے اور عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے اور بِالْمَعْرُوْفِ متعلق خبر ہے۔ لَا نفی کا ہے۔ تُكَلَّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ نَفْسٌ اس کا نائب فاعل ہے، اِلَّا حصر کے لیے ہے اور وُسْعَهَا اس کا مفعول ثانی ہے۔ ''وٗ'' عطف کا ہے اور لَا نہی کا ہے۔ تُضَآرَّ باب مفاعلہ کا مضارع مجزوم ہے۔ یہ مضارع معروف اور مجہول دونوں کا فعل نہی بنتا ہے، اس لیے دونوں ترجموں کی گنجائش ہے۔ یاد رہے کہ جب مضارع مضاعف اور مجزوم ہو تو ادغام اور فکِ ادغام دونوں جائز ہوتے ہیں۔ اس کو پڑھنے کی چار صورتیں ہوتی ہیں (چوتھی صورت باب ''ن'' اور ''ف'' میں ہوتی ہے)۔ چنانچہ تُضَآرَّ کو اگر مضارع معروف مانیں تو اس کو (ا) تُضَارِرْ (ب) تُضَآرَّ اور (ج) تُضَآرِّ پڑھ سکتے ہیں اور اگر اس کو مضارع مجہول مانیں تو (ا) تُضَارَرْ (ب) تُضَآرَّ اور

تُضَآرِّ پڑھ سکتے ہیں۔ مضارع معروف ہونے کی صورت میں تُضَآرَّ فعل ہوگا، وَالِدَةٌ اس کا فاعل اور بِوَلَدِهَا متعلق فعل ہوگا۔ ترجمہ ہوگا تکلیف نہ دے کوئی والدہ اپنے بچے کی وجہ سے (کسی کو)۔ مضارع مجہول ہونے کی صورت میں وَالِدَةٌ نائب الفاعل ہوگا اور بِوَلَدِهَا متعلق فعل ہوگا۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا، تکلیف نہ دی جائے والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے (ب سببیہ)۔ ہمارے اکثر بزرگوں نے تُضَآرَّ کو مضارع مجہول مان کر ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''نہ نقصان دیا جاوے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے۔'' وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ میں 'وَ' عطف کا ہے اور 'لَا' نہی کی تاکید کے لیے ہے۔ مولودٌ سے پہلے یُضَآرَّ (مضارع مجہول) محذوف ہے اور مَوْلُوْدٌ لَّهٗ اس کا نائب الفاعل ہے اور بِوَلَدِهٖ متعلق فعل ہے۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اس جملے کا عطف وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ پر ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ ذٰلِكَ سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو باپ کے ذمے تھیں۔ عَلَى الْوَارِثِ، قائم مقام خبر مقدم ہے اور مِثْلُ ذٰلِكَ مبتداء موخر ہے۔ آگے فَاِنْ اَرَادَا میں 'فَ' استنافیہ ہے۔ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ تک جملہ شرطیہ ہے اور فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا جواب شرط ہے۔ اسی طرح آگے وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ تک جملہ شرطیہ ہے اور فَلَا جُنَاحَ سے بِالْمَعْرُوْفِ تک جواب شرط ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور اٰتَيْتُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے سَلَّمْتُمْ کا اور بِالْمَعْرُوْفِ متعلق فعل ہے۔ اِتَّقُوا فعل امر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر ہے اور جملہ اسمیہ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اس کا مفعول ہے۔ اٰتَيْتُمْ کا ایک مفعول مَا ہے اور دوسرا مفعول هُنَّ محذوف ہے۔ اِذَا شرطیہ کی وجہ سے اٰتَيْتُمْ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:233 |

| وَالْوَالِدٰتُ | يُرْضِعْنَ | اَوْلَادَهُنَّ | حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ | لِمَنْ |
|---|---|---|---|---|
| اور بچہ جننے والیاں (مائیں) | دودھ پلائیں | اپنے بچوں کو | پورے دو سال | (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو |

| اَرَادَ | اَنْ يُّتِمَّ | الرَّضَاعَةَ ؕ | وَعَلَى | الْمَوْلُوْدِ | لَهٗ |
|---|---|---|---|---|---|
| چاہتا ہے | کہ وہ پورا کرے | بچے کے دودھ پینے کو | اور اس پر ہے | بچہ جنا گیا | جس کے لیے (یعنی والد) |

| رِزْقُهُنَّ | وَكِسْوَتُهُنَّ | بِالْمَعْرُوْفِ ؕ | لَا تُكَلَّفُ | نَفْسٌ | اِلَّا |
|---|---|---|---|---|---|
| ان کی خوراک | اور ان کا لباس | دستور کے مطابق | پابند نہیں کیا جاتا | کسی جان کو | مگر |

| وُسْعَهَا ۚ | لَا تُضَآرَّ | وَالِدَةٌۢ | بِوَلَدِهَا | وَلَا |
|---|---|---|---|---|
| اس کی وسعت کے مطابق | اور تکلیف نہ دی جائے | والدہ کو | اس کے بچے کی وجہ سے | اور نہ ہی (تکلیف دی جائے) |

| مَوْلُوْدٌ لَّهٗ | بِوَلَدِهٖ ق | وَعَلَى الْوَارِثِ | مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ | فَاِنْ اَرَادَا |
|---|---|---|---|---|
| باپ کو | اس کے بچے کی وجہ سے | اور وارث پر (بھی ذمہ داری) ہے | اُسی جیسی | پھر اگر دونوں (ماں باپ) چاہیں |

| فِصَالًا | عَنْ تَرَاضٍ | مِّنْهُمَا | وَتَشَاوُرٍ |
|---|---|---|---|
| بچے کا دودھ چھڑانا (دو سال سے پہلے ہی) | باہمی رضامندی سے | ان دونوں میں | اور باہمی مشورے سے |

| فَلَا جُنَاحَ | عَلَيْهِمَا ؕ | وَاِنْ اَرَدْتُّمْ | اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا |
|---|---|---|---|
| تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | ان دونوں پر | اور اگر تم لوگ چاہو | کہ کسی (دایہ) سے دودھ پلواؤ |

| اَوْلَادَكُمْ | فَلَا جُنَاحَ | عَلَيْكُمْ | اِذَا | سَلَّمْتُمْ |
|---|---|---|---|---|
| اپنے بچوں کو | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | تم لوگوں پر | جب (بشرطیکہ) | تم حوالے کر دو (ان کے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مَّآ | اٰتَیۡتُمۡ | بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ | وَاتَّقُوا اللّٰہَ | وَاعۡلَمُوۡۤا | اَنَّ اللّٰہَ |
| اس کو جو | تم نے دینا ہے (اُن کو) | دستور کے مطابق | اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا | اور جان لو | کہ اللہ |

| | | |
|---|---|---|
| بِمَا | تَعۡمَلُوۡنَ | بَصِیۡرٌ |
| اس کو جو | تم لوگ کرتے ہو | خوب دیکھنے والا |

**نوٹ:** آیت کی تفسیر کے لیے معارف القرآن دیکھیں۔

## آیت:234

﴿وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّعَشۡرًا ۚ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۳۴﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ف ی: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ز و ج: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ر ب ص: البقرۃ آیت 226 دیکھیں۔ |
| ش ھ ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ | ب ل غ: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | ع ج ل: البقرۃ آیت 231 دیکھیں۔ |

### و ذ ر

(ف)(س) وَذۡرًا: کسی چیز کو ناقابل پرواہ سمجھ کر چھوڑ دینا۔ ترک کر دینا۔ اس کا ماضی استعمال نہیں ہوتا۔ صرف مضارع اور امر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ ﴿اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ (37/الصافات:125) ''کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑ دیتے ہو سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو۔'' نیز آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا﴾ ''اور جو لوگ وفات پا جائیں تم میں سے اور وہ چھوڑ جائیں بیویاں۔''

ذَرۡ: ج: ذَرُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو چھوڑ۔ ﴿وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَکُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِیۡنَ ﴿۸۶﴾﴾ (9/التوبہ:86) ''اور انہوں نے کہا تو چھوڑ ہم کو تو ہم ہو جائیں بیٹھنے والوں کے ساتھ۔'' ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۷۸﴾﴾ (2/البقرۃ:278) ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### ع ش ر

(ض۔ن) عَشۡرًا: نو میں شامل ہو کر دسواں ہونا۔

عَشۡرٌ: مؤنث: عَشَرَۃٌ۔ اسم العدد ہے۔ دس۔ تین سے دس تک معدود (جس کو گنا جائے) اگر مذکر ہو تو عدد مؤنث آتا ہے (عَشَرَۃٌ)۔ معدود اگر مؤنث ہو تو عدد مذکر آتا ہے (عَشۡرٌ)۔ یہ اس صورت میں ہے جب معدود مذکور ہو یا بولا جائے۔ جب معدود مذکور نہ ہو تو ایسے موقع پر عرب مؤنث عدد استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً اگر کسی عرب نے کہنا ہو میں نے دس دن روزے رکھے اور ''دن'' کو محذوف کر دے تو وہ کہے گا صُمۡتُ عَشۡرًا اور صُمۡتُ عَشَرَۃً نہیں کہے گا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا ۚ﴾ (6/الانعام:160) ''جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لیے

دس ہوں گی اس کی مانند۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ (7/الاعراف:142) ''اور ہم نے وعدہ کیا (حضرت) موسیٰ سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نیز آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ﴾ ''چار مہینے اور دس (دن)۔''

**عَشْرٌ** مؤنث: عَشَرَةٌ۔ دس۔ اسم عدد ہے۔ عَشْرٌ مؤنث کے لیے ہے مثلاً عَشْرُ نِسَاءٍ: دس عورتیں اور مذکر کے لیے عَشَرَةٌ بولتے ہیں۔ جیسے عَشَرَةُ رِجَالٍ: دس مرد۔ عَشْرٌ کے ساتھ جب اَحَدٌ سے لے کر تِسْعَةٌ تک کسی لفظ کو ملایا جائے تو اس صورت میں بھی عَشْرٌ کے ش کو ـَ دیتے ہیں جیسے اَحَدَ عَشَرَ، ثَلَاثَةَ عَشَرَ اور تِسعَةَ عَشَرَ۔ ﴿ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ﴾ (5/المائدۃ:12) ''اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار۔'' ﴿ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾ (2/البقرۃ:196) ''یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔''

**عِشْرُوْنَ** بیس۔ اسم عدد ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا اعراب حالت رفع میں عِشْرُوْنَ اور حالت نصب و جر میں عِشْرِيْنَ آتا ہے۔ ﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴾ (8/الانفال:65) ''اگر ہوں گے تم میں بیس ثابت قدم آدمی تو وہ غالب ہوں گے دو سو پر۔''

**مِعْشَارٌ** دسواں حصہ یعنی 10/1۔ اس کا ہم معنی لفظ عُشْرٌ بھی ہے لیکن یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ ﴾ (34/سبا:45) ''اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت، دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**عُشَرَاءُ** ج: عِشَارٌ۔ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی جس کے وضع حمل کا وقت قریب ہو۔ ایسی اونٹنی اہل عرب کے نزدیک ایک نفیس ترین چیز سمجھی جاتی تھی اور وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ﴿ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴾ (81/التکویر:4) ''اور جب حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی۔''

**عَشِيْرٌ** فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم الفاعل کے معنی میں ہے۔ ساتھی۔ رفیق۔ ﴿ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴾ (22/الحج:13) ''یقیناً بہت ہی برا دوست ہے اور یقیناً بہت ہی برا ساتھی ہے۔''

**عَشِيْرَةٌ** اسم ذات ہے۔ قبیلہ۔ برادری۔ رشتے دار۔ ﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (26/الشعرآء:214) ''اور آپ خبردار کردیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔''

**مَعْشَرٌ** اسم ذات ہے۔ جماعت۔ گروہ۔ ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ (6/الانعام:128) ''اے جنوں کے گروہ! تم نے بہت گھیر لیے انسانوں میں سے۔''

(مفاعلہ) **مُعَاشَرَةً** باہم مل جل کر رہنا۔ زندگی گزارنا۔

**عَاشِرْ** ج: عَاشِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو مل جل کر رہ۔ تو زندگی گزار۔ ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (4/النساء:19) ''اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**خ ب ر**

(ف) **خَبْرًا** کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ آگاہ ہونا۔

**خَبَرٌ** ج: اَخْبَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ آگاہی۔ خبر۔ معلومات۔ حالات۔ ﴿ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ ﴾ (27/النمل:7) ''میں نے دیکھی ہے آگ، ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ﴾ (9/التوبۃ:94) ''آگاہ کردیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**خُبْرٌ** اسم ذات ہے۔ خبر۔ علم۔ دانش۔ سمجھ۔ واقفیت۔ ﴿وَ کَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾﴾ (18/الکھف: 68) ''اور جس چیز کو آپؑ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اُس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿کَذٰلِکَ ؕ وَ قَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡہِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾﴾ (18/الکھف: 91) ''یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اُس کے پاس کی خبر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**خَبِیۡرٌ** خُبْرٌ سے فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں آگاہ۔ باخبر۔ دانا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور قرآنِ مجید میں یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ (5/المائدۃ: 8) ''اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ نیز آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۳۴﴾﴾ ''اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو واقف ہے۔''

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ آگے جملہ فعلیہ یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّ عَشۡرًا، اس کی خبر ہے۔ یُتَوَفَّوۡنَ باب تفعّل سے مضارع مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں ھُمۡ ضمیر ہے جو اَلَّذِیۡنَ کے لیے ہے۔ یَذَرُوۡنَ کا فاعل اس میں ھُمۡ ضمیر ہے اور یہ بھی اَلَّذِیۡنَ کے لیے ہے۔ اَزۡوَاجًا اس کا مفعول ہے۔ ازواجاً (بیویوں) سے مراد وہ خواتین ہیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ یَتَرَبَّصۡنَ کا فاعل اس میں ھُنَّ ضمیر ہے جو اَزۡوَاجًا کے لیے ہے۔ بِاَنۡفُسِہِنَّ متعلق فعل ہے۔ اَرۡبَعَۃَ مضاف ہے اور ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ یَتَرَبَّصۡنَ سے متعلق ہے۔ عَشۡرًا سے مراد ''دس دن'' ہیں۔ یاد رہے کہ تین سے دس تک معدود (جس کو گنا جائے) اگر مذکر ہو تو عدد مؤنث آتا ہے اور معدود اگر مؤنث ہو تو عدد مذکر آتا ہے۔ عَشۡرًا مذکر ہے پس اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس کا معدود مؤنث (لَیَالٍ رات) ہوگا جب کہ ایسا نہیں ہے۔ جیسے پہلے وضاحت کی گئی کہ عرب ایسے موقع پر جب کہ معدود مذکور نہ ہو، عدد مؤنث استعمال نہیں کرتے۔ اگر کسی عرب نے کہنا ہو کہ میں نے دس دن روزے رکھے اور ''دن'' کو محذوف کر دے تو وہ کہے گا صُمۡتُ عَشۡرًا اور صُمۡتُ عَشۡرَۃً نہیں کہے گا۔ سننے والا سمجھ جائے گا کہ اس نے دس ''دن'' روزے رکھے کیونکہ روزے دن کو ہی رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی عَشۡرَۃَ اَیَّامٍ تھا۔ اَیَّامٍ کو محذوف کیا تو عَشۡرًا استعمال کیا گیا۔ قرآن مجید میں سورہ طٰہٰ میں فرمایا: ﴿یَّتَخَافَتُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ﴿۱۰۳﴾﴾ (20/طٰہٰ: 103) ''وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ یہاں بھی اور آیت زیر مطالعہ میں بھی عَشۡرًا کا ترجمہ تمام بزرگوں نے 'دن' سے ہی کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ جملہ شرطیہ ہے اور فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ تک جواب شرط ہے۔ بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ سے یہاں مراد ہے جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں۔ لفظ اَللّٰہُ مبتدا ہے، خَبِیۡرٌ اس کی خبر ہے اور بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ متعلق خبر ہے۔

## ترجمہ
البقرۃ:234

| وَالَّذِیۡنَ | یُتَوَفَّوۡنَ | مِنۡکُمۡ | وَیَذَرُوۡنَ | اَزۡوَاجًا |
|---|---|---|---|---|
| اور جو لوگ | وفات پا جائیں | تم میں سے | اور وہ چھوڑ جائیں | بیویاں |

| یَّتَرَبَّصۡنَ | بِاَنۡفُسِہِنَّ | اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ | وَّعَشۡرًا | فَاِذَا |
|---|---|---|---|---|
| تو وہ (عورتیں) انتظار میں رکھیں | اپنے آپ کو | چار مہینے | اور دس (دن) | پھر جب |

| بَلَغۡنَ | اَجَلَہُنَّ | فَلَا جُنَاحَ |
|---|---|---|
| وہ پہنچ جائیں | اپنی مدت کو (یعنی عدت پوری کر لیں) | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے |

| عَلَیۡکُمۡ | فِیۡمَا | فَعَلۡنَ | فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ |
|---|---|---|---|
| تم لوگوں پر | اس چیز کے بارے میں جو | وہ کریں | اپنے لیے |

| بِالْمَعْرُوْفِ | وَاللّٰهُ | بِمَا | تَعْمَلُوْنَ | خَبِيْرٌ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| بھلے طریقے سے | اور اللہ | اس سے جو | تم لوگ کرتے ہو | خوب واقف ہے |

## آیت:235

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ
اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ
النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ٢٣٥ ع ﴾

ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ ع ر ض: البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔
ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ و ع د: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ س ر ر: البقرۃ آیت 69 دیکھیں۔
ع ز م: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ ن ک ح: البقرۃ آیت 221 دیکھیں۔ ب ل غ: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔
ء ج ل: البقرۃ آیت 231 دیکھیں۔ ح ذ ر: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔
ح ل م: البقرۃ آیت 225 دیکھیں۔

**خ ط ب**

(ن) خَطْبًا، خُطْبَةً، خِطْبَةً: (۱) باہم گفتگو کرنا۔ (۲) وعظ کہنا۔ تقریر کرنا۔ (۳) نکاح کا پیغام دینا۔

**خَطْبٌ**: مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ وہ اہم معاملہ جس کے بارے میں کثرت سے گفتگو ہو۔ ویسے خَطْبٌ ہر معاملے یا کام کو کہتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا لیکن عام طور پر اس کا استعمال بڑے، ناپسندیدہ اور ناخوشگوار معاملے کے لیے ہوتا ہے۔ اردو زبان میں کئی الفاظ سے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے مثلاً: اہم معاملہ، اہم کام، مقصد، حالت، حقیقت، صورتِ حال وغیرہ۔ ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (15/الحجر:57) ''پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ﴾ (12/یوسف:51) ''بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تمہارا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ (20/طٰہٰ:95) ''کہا موسیٰؑ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''خطب عربی زبان میں کسی معمولی کام کے لیے نہیں بلکہ کسی امرِ عظیم کے لیے بولا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن)۔

**خُطْبَةٌ**: اسم ذات بھی ہے۔ وعظ و نصیحت۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔

**خِطْبَةٌ**: نکاح کا پیغام۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ ''اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے تم لوگوں پر اس میں کہ (دوران مدت) تم لوگ اشارۃً (کوئی بات) کہو ان مذکورہ خواتین کا رشتہ مانگنے کے بارے میں۔''

(مفاعلہ) **مُخَاطَبَةً اور خِطَابًا**: کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے گفتگو کرنا۔ خطاب کرنا۔ باہم گفتگو کرنا۔ ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (25/الفرقان:63) ''اور جب گفتگو کرتے ہیں اُن سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو۔'' (ترجمہ ضیاء

القرآن)۔﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ ﴾ (11/ھود:37) ''اور تم گفتگو مت کرنا مجھ سے ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا۔''

خِطَابٌ — اسم ذات بھی ہے۔ گفتگو۔ خطاب۔ کلام۔﴿ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴾ (38/صٓ:23) ''(وہ) زبردستی کرتا ہے مجھ سے بات میں۔'' فَصْلُ الْخِطَابِ: فیصلہ کن بات جس سے جھگڑا ختم ہو جائے۔﴿ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ (38/صٓ:20) ''اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا فرمائی تھی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**ک ن ن**

(ن) كَنًّا — کسی مادی چیز کو گھر یا کپڑے میں یا کسی اور چیز میں چھپانا۔ محفوظ رکھنا۔

مَكْنُوْنٌ — اسم المفعول ہے۔ چھپایا ہوا۔ محفوظ کیا ہوا۔﴿ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ (37/الصافات:49) ''جیسے کہ وہ ہوں چھپائے ہوئے انڈے۔''

كِنَانٌ — ج: اَكِنَّةٌ۔ اسم ذات ہے۔ پردہ یا غلاف جس میں کوئی چیز چھپائی جائے۔ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:5) ''انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔''

كِنٌّ — ج: اَكْنَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ چھپنے کی جگہ، حفاظت کی جگہ اور غار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ﴾ (16/النحل:81) ''اور اس نے بنائے تمہارے لیے پہاڑوں میں غار۔''

(افعال) اِكْنَانًا — کسی بات کو دل میں چھپانا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ ﴾ ''یا تم لوگ چھپاؤ (ارادۂ نکاح کو) اپنے دلوں میں۔''﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ (27/النمل:74) ''اور یقیناً آپؐ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ع ق د**

(ض) عَقْدًا — ایک چیز کو دوسری میں مضبوطی سے باندھنا اور گرہ لگانا۔ قسم یا معاہدے کو پختہ کرنا۔ معاہدہ کرنا۔ عمارت کو مضبوط کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''العقد کے معانی ہیں کسی چیز کے اطراف کو آپس میں جمع کر دینا اور گرہ باندھ دینا۔ یہ اصل میں تو سخت اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے عَقْدُ الْحَبْلِ رسی میں گرہ باندھنا۔ عَقْدُ الْبِنَاءِ عمارت کو مضبوط کرنا۔ پھر بطور استعارہ معنوی طور پر بھی بولا جاتا ہے جیسے عَقْدُ الْبَیْعِ سودے کو پختہ کرنا۔ عَقْدُ الْعَهْدِ پکا معاہدہ کرنا، پختہ عہد و پیمان باندھنا۔'' (مفردات القرآن، ج ۲،ص:۱۲۷)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ۭ ﴾ (4/النساء:33) ''اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان تو دو انہیں ان کا حصہ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(س) عَقَدًا — گرہ دار زبان والا ہونا۔ زبان کا رکنا۔ زبان میں بندش ہونا۔

عُقْدَةٌ — ج: عُقَدٌ۔ اسم ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم ہے گرہ۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴾ (113/الفلق:4) ''اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔'' نکاح کے متعلق استعمال ہو تو مراد ہوتا ہے نکاح کا پختہ عہد اور معاہدہ۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ ﴾ ''اور نہ پکی کرو نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہا کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ زبان کے متعلق استعمال ہو تو

مطلب ہوتا ہے زبان کی لکنت یا بندش۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴾ (20/طٰہٰ:27)''اور کھول دے گرہ میری زبان کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

عَقْدٌ — ج: عُقُوْدٌ۔ اسم ذات ہے۔ عہد و پیمان۔ قول و قرار۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (5/المائدہ:1) ''اے ایمان والو! تم پورا کرو عہدوں کو۔''

(تفعیل) تَعْقِيْدًا — رسی میں گرہ لگانے میں مبالغہ کرنا۔ بار بار پکا کرنا۔ خوب مضبوط کرنا۔ ﴿ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ (5/المائدہ:89) ''لیکن مؤاخذہ اس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کردو۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**ترکیب**

'وَ' عطف کا ہے یا استئنافیہ ہے۔ لَا، لائے نفی جنس ہے اور جُنَاحَ اس کا اسم ہے، اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے، عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ فِيْمَا میں فِيْ حرف جر ہے اور مَا اسم موصول ہے۔ آگے جملہ فعلیہ عَرَّضْتُمْ بِهٖ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں اور یہ مرکب جاری بھی متعلق خبر ہے۔ عَرَّضْتُمْ بِهٖ میں ہٖ ضمیر فِيْمَا میں 'مَا' کی ضمیر عائد ہے۔ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ خِطْبَةِ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ اَلنِّسَاءِ، اِس پر لام تعریف لگا ہوا ہے جو گزشتہ آیت کے لفظ اَزْوَاجًا کے لیے ہے۔ اَوْ حرف عطف ہے اور اَكْنَنْتُمْ جملہ فعلیہ ہے اور فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ متعلق فعل ہے۔ عَلِمَ فعل ہے، لفظ اَللّٰهُ اس کا فاعل اور جملہ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ اس کا مفعول ہے۔ اس میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ ضمیر اس کا اسم اور جملہ فعلیہ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ اس کی خبر ہے۔ وَلٰكِنْ میں 'وَ' عطف کا ہے لٰكِنْ مخفف ہے، اس لیے کہ آگے فعل پر داخل ہو رہا ہے۔ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ میں لَا نہی کا ہے۔ اسی لیے تُوَاعِدُوْا مجزوم ہے، هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ سِرًّا، تُوَاعِدُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے۔ اِلَّا حرف استثناء ہے اور اگلا جملہ سِرًّا سے مستثنیٰ ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَقُوْلُوْا منصوب ہوا ہے۔ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، تَقُوْلُوْا کا مفعول ہے۔ وَلَا تَعْزِمُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے، لَا نہی کا ہے اس لیے تَعْزِمُوْا مجزوم ہوا ہے۔ عُقْدَةَ النِّكَاحِ، اس کا مفعول ہے۔ حَتّٰى بھی نواصب مضارع میں سے ہے۔ اسی لیے يَبْلُغَ، حالت نصب میں ہے، اَلْكِتٰبُ اس کا فاعل ہے اور اَجَلَهٗ اس کا مفعول ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا میں 'وَ' عطف کا ہے، اِعْلَمُوْٓا فعل امر ہے اور جملہ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اس کا مفعول ہے۔ اِحْذَرُوْهُ بھی فعل امر ہے اور 'ہٗ' ضمیر اس کا مفعول ہے جو کہ اَللّٰهُ کے لیے ہے۔ آگے اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر ہے اور جملہ اسمیہ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اس کا مفعول ہے۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:235**

| وَلَا جُنَاحَ | عَلَيْكُمْ | فِيْمَا | عَرَّضْتُمْ بِهٖ |
|---|---|---|---|
| اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | تم لوگوں پر | اس میں کہ (دورانِ عدت) | تم لوگ اشارۃً (کوئی بات) کہو |

| مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ | اَوْ اَكْنَنْتُمْ | فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ |
|---|---|---|
| ان مذکورہ خواتین کا رشتہ مانگنے کے بارے میں | یا تم لوگ چھپاؤ (ارادہ نکاح کو) | اپنے دلوں میں |

| عَلِمَ اللّٰهُ | اَنَّكُمْ | سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ | وَلٰكِنْ |
|---|---|---|---|
| جانتا ہے اللہ | کہ تم ضرور | ذکر کرو گے ان (عورتوں) کا | ولیکن |

| لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ | سِرًّا | اِلَّآ اَنْ | تَقُوْلُوْا | قَوْلًا مَّعْرُوْفًا |
|---|---|---|---|---|
| تم (نکاح کا) وعدہ مت کرو ان سے | چوری چھپے | سوائے اس کے کہ | تم کہو (ان سے) | دستور کے مطابق کوئی بات |

| وَلَا تَعْزِمُوْا | عُقْدَةَ النِّكَاحِ | حَتّٰى | يَبْلُغَ | الْكِتٰبُ | اَجَلَهٗ | وَاعْلَمُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور تم پختہ ارادہ مت کرو | نکاح کی گرہ کا | یہاں تک کہ | پہنچے | قانونِ (عدت) | اپنی مدت کو | اور تم لوگ جان لو |

| اَنَّ اللّٰهَ | يَعْلَمُ | مَا | فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ | فَاحْذَرُوْهُ | وَاعْلَمُوْٓا |
|---|---|---|---|---|---|
| کہ اللہ | خوب جانتا ہے | اس کو جو | تمہارے دلوں میں ہے | پس تم ڈرتے رہو اس (اللہ) سے | اور جان لو |

| اَنَّ اللّٰهَ | غَفُوْرٌ | حَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| کہ اللہ | بے انتہا بخشنے والا ہے | تحمل کرنے والا ہے |

**نوٹ** آیت زیرِ مطالعہ میں خطاب اُن مردوں سے ہے جو بیوہ عورتوں سے، جب کہ وہ اپنی عدت پوری کر رہی ہوں، نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

## آیت:236

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ | م س س: البقرۃ آیت 80 دیکھیں۔ |
| ف ر ض: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | م ت ع: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ |
| ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |

**ق ت ر**

(ن)(ض) **قَتْرًا** خرچ میں تنگی کرنا۔ بخل کرنا۔ اس کی ضد اِسْرَافٌ ہے جس کا مطلب ہے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔ یہ دونوں صفات شریعت میں قابل مذمت ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ (25/ الفرقان:67) ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کی تحت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں اصطلاحِ شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ و رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اُن میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا۔'' (معارف القرآن، ج ۶، ص: ۵۰۴)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اسراف کسے کہتے ہیں اور اقتار (بخل) کیا ہوتا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے متعدد اقوال لکھے ہیں لیکن نحاس کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ جو روپیہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے اور دولت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرنے سے رک جانا بخل ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا وہی میانہ رو اور اعتدال پسند ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص: ۳۷۴)۔

**قَتُوْرٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ خرچ میں بہت زیادہ تنگی کرنے والا۔ انتہائی کنجوس۔ بخیل۔ تنگ دل۔ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾﴾ (17/ بنی اسرائیل:100) ''اور انسان ہے ہی تنگ دل۔''

(س) قَتَرًا اور قُتَارًا کسی چیز کی بو پھیلنا۔ کسی چیز کے بھوننے یا لکڑی کے جلنے سے دھواں اٹھنا۔ کسی کے چہرے پر دھویں کی طرح سیاہی اور افسردگی چھا جانا۔

قَتَرٌ اور قَتَرَۃٌ اسم ذات ہیں۔ گردوغبار۔ دھواں۔ سیاہی۔ بے رونقی اور افسردگی جو چہرے پر چھا جائے۔ ﴿وَلَا یَرْھَقُ وُجُوْھَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ ط﴾ (10/ یونس:26) ''اور نہیں چھائے گی ان کے چہروں پر کوئی سیاہی اور نہ ہی کوئی ذلت''۔ ﴿تَرْھَقُھَا قَتَرَۃٌ ﴿۴۱﴾﴾ (80/عبس:41) ''جن پر سیاہی چڑھی ہوگی'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(افعال) اِقْتَارًا مال کا کم ہو جانا۔ نان ونفقہ میں تنگی کرنا۔ بخل کرنا۔

مُقْتِرٌ اسم الفاعل ہے۔ کم سرمائے والا۔ فقیر۔ تنگ دست۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُہٗ ج﴾ ''اور تنگدست پر ہے اُس کی قدرت کے مطابق''۔

**ترکیب**

لَا نفی جنس کا ہے۔ جُنَاحَ اس کا اسم ہے اس لیے حالت نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور عَلَیْکُمْ متعلق خبر ہے۔ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جملہ شرطیہ ہے، اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ یا فَلَا تُعْطُوْھُنَّ الْمَھْرَ ہوسکتا ہے۔ (یاقوت، درویش)۔ مَا لَمْ کا مَا ظرفیہ ہے۔ لَمْ کی وجہ سے تَمَسُّوْا مجزوم ہوا ہے اور ھُنَّ اس کا مفعول ہے۔ اَوْ تَفْرِضُوْا میں اَوْ حرف عطف ہے اور تَفْرِضُوْا، تَمَسُّوْا پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لَھُنَّ متعلق فعل ہے اور فَرِیْضَۃً اس کا مفعول ہے۔ وَّمَتِّعُوْھُنَّ میں 'وَ' عطف کا ہے اور جملہ فعلیہ مَتِّعُوْھُنَّ، محذوف جواب شرط فَلَا تُعْطُوْھُنَّ الْمَھْرَ پر عطف ہے (درویش)۔ مَتِّعُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور ھُنَّ اس کا مفعول ہے۔ عَلَی الْمُوْسِعِ قائم مقام خبر مقدم ہے اور قَدَرُہٗ مبتدا مؤخر ہے اسی طرح عَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُہٗ ہے۔ مَتَاعًا، مَتِّعُوْا کا مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لیے۔ بِالْمَعْرُوْفِ، مَتَاعًا سے متعلق ہے۔ حَقًّا محذوف فعل کا مفعول مطلق ہے اور عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ، حَقًّا سے متعلق ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**
البقرۃ:236

| لَا جُنَاحَ | عَلَیْکُمْ | اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ | مَا | لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ | اَوْ |
|---|---|---|---|---|---|
| کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | تم لوگوں پر | اگر تم لوگ طلاق دو عورتوں کو | اس وقت جبکہ | تم نے چھوا نہ ہو ان کو | یا |

| تَفْرِضُوْا | لَھُنَّ | فَرِیْضَۃً ج | وَّمَتِّعُوْھُنَّ ج |
|---|---|---|---|
| مقرر نہ کیا ہو | ان کے لیے | کوئی مہر | اور تم لوگ خرچ دو ان کو |

| عَلَی الْمُوْسِعِ | قَدَرُہٗ | وَعَلَی الْمُقْتِرِ | قَدَرُہٗ ج |
|---|---|---|---|
| وسعت والے پر ہے | اس کی قدرت کے مطابق | اور تنگ دست پر ہے | اس کی قدرت کے مطابق |

| مَتَاعًا | بِالْمَعْرُوْفِ ج | حَقًّا | عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ |
|---|---|---|---|
| (یہ) خرچہ | دستور کے مطابق ہو | یہ لازم ہے | نیکوکاروں پر |

**نوٹ**

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور واقعی، اور حکمی وفقہی (یعنی خلوت صحیحہ)۔

## آیت: 237

﴿وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝۲۳۷﴾

| | | |
|---|---|---|
| ط ل ق: البقرۃ آیت 227 دیکھیں۔ | م س س: البقرۃ آیت 80 دیکھیں۔ | ف ر ض: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ع ف و: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ | ع ق د: البقرۃ آیت 235 دیکھیں۔ | ن ک ح: البقرۃ آیت 221 دیکھیں۔ |
| ق ر ب: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ن س ی: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |
| ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | ب ص ر: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔ | |

### ن ص ف

(ن۔ض) **نَصۡفًا** کسی چیز کا برابر دو حصوں میں ہونا۔ (۱) آدھا ہونا۔ (۲) برابر ہونا۔

**نِصۡفٌ** آدھا حصہ۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ﴾ ’’تو اس کا آدھا ہے جو تم نے فرض کیا۔‘‘ ﴿وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ﴾ (4/النساء:11) ’’اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) **اِنۡصَافًا** کسی چیز کے برابر دو حصے کرنا۔ (۱) آدھا کرنا۔ (۲) برابر کرنا۔ انصاف کرنا۔ اس باب سے کوئی لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

### ترکیب

’وَ‘ عطف کا ہے۔ اِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ جملہ شرطیہ ہے۔ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ کا واوٗ حالیہ ہے اور فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ جملہ جواب شرط ہے۔ فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ میں نِصۡفُ مضاف ہے، ’مَا‘ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ فَرَضۡتُمۡ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے اور یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر وَاجِبٌ اور متعلق خبر عَلَيۡكُمۡ محذوف ہے۔ اِلَّاۤ حرف استثناء ہے اور اَنۡ مصدریہ ہے۔ يَعۡفُوۡنَ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب کے صیغوں میں ہم شکل ہو جاتا ہے۔ یہاں چونکہ اَنۡ کی وجہ سے نون اعرابی نہیں گرا، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اَوۡ يَعۡفُوَا دراصل واحد مذکر غائب کا صیغہ يَعۡفُوۡ ہے جو اَنۡ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو کر يَعۡفُوَ ہوا ہے اور اس کے آگے الف لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ آگے اَلَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ، صلہ اور موصول مل کر اس کا فاعل ہے۔ بِيَدِهٖ متعلق خبر مقدم ہے اور عُقۡدَةُ النِّكَاحِ، مرکب اضافی، مبتداء مؤخر ہے۔ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا میں ’وٗ‘ استینافیہ ہے، تَعۡفُوۡۤا، جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جو کہ اَنۡ کی وجہ سے منصوب ہوا ہے۔ تَعۡفُوۡۤا میں خطاب مردوں سے ہے۔ یہ جملہ مبتداء ہے، اَقۡرَبُ اس کی خبر ہے اور لِلتَّقۡوٰى متعلق خبر ہے۔ لَا تَنۡسَوُا میں لَا نہی کا ہے اور یہاں اس سے مراد ترک کرنا اور نظر انداز کرنا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے، بَصِيۡرٌ خبر اور بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ متعلق خبر مقدم ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:237**

| وَاِنۡ | طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ | مِنۡ قَبۡلِ | اَنۡ | تَمَسُّوۡهُنَّ | وَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور اگر | تم طلاق دو ان کو | اس سے پہلے | کہ | تم انہیں ہاتھ لگاؤ | اس حال میں کہ |

| قَدۡ فَرَضۡتُمۡ | لَهُنَّ | فَرِيۡضَةً | فَنِصۡفُ مَا | فَرَضۡتُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| تم فرض کر چکے تھے | ان کے لیے | کوئی مہر | تو اس کا آدھا (دینا واجب ہے) جو | تم نے مقرر کیا تھا |

| اِلَّآ اَنْ | يَّعْفُوْنَ | اَوْ | يَعْفُوَا | الَّذِيْ بِيَدِهٖ |
|---|---|---|---|---|
| سوائے اس کے کہ | وہ عورتیں معاف کردیں (اپنا نصف) | یا یہ کہ | معاف کردے | وہ (شخص) جس کے ہاتھ میں |

| عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ | وَاَنْ | تَعْفُوْٓا |
|---|---|---|
| نکاح کی گرہ ہے | اور یہ کہ (اے مردو!) | تمہارا معاف کردینا (بنسبت وصول کرنے کے) |

| اَقْرَبُ | لِلتَّقْوٰى ؕ | وَلَا تَنْسَوُا |
|---|---|---|
| زیادہ قریب ہے | تقویٰ سے | اور تم لوگ مت بھولو |

| الْفَضْلَ | بَيْنَكُمْ ؕ | اِنَّ اللّٰهَ | بِمَا | تَعْمَلُوْنَ | بَصِيْرٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| احسان کو | آپس (کے لین دین) میں | بے شک اللہ تعالیٰ | اس کو جو | تم لوگ کرتے ہو | خوب دیکھنے والا ہے |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کہ جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگزر کریں تو بہتر ہے۔ عورت کی تو درگزر یہ کہ آدھا بھی معاف کر دے اور مرد کی درگزر یہ کہ جو مہر مقرر ہوا تھا پورا حوالہ کر دے یا تمام مہر ادا کر چکا تھا تو آدھا نہ لوٹاوے بلکہ سب مہر چھوڑ دے پھر فرمایا کہ مرد درگزر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ نے اُس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے کا اور طلاق دینے کا۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۹)۔

**نوٹ:2** الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد شوہر ہے۔

**نوٹ:3** وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ کے بارے علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''نسیان یہاں بھول کے معنی میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے معنی میں ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۲۴)۔

## آیت: 238

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝۲۳۸ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | و س ط: البقرۃ آیت 143 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| ق ن ت: البقرۃ آیت 116 دیکھیں۔ | | |

**ح ف ظ**

(س) حِفْظًا (۱) کسی چیز کو ضائع ہونے سے بچانا۔ کسی چیز کو بیرونی خطرات سے بچانا۔ حفاظت کرنا۔ (۲) نگرانی کرنا۔ (۳) یاد کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْحِفْظُ کا لفظ کبھی تو قوت حافظہ پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ جو چیز سمجھ میں آئے وہ محفوظ رہتی ہے اور کبھی دل میں یاد رکھنے کو حفظ کہا جاتا ہے۔ اس کی ضد نسیان ہے اور کبھی قوت حافظہ کے استعمال پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے حَفِظْتُ كَذَا حِفْظًا یعنی میں نے فلاں بات یاد کرلی۔ پھر ہر قسم کی جستجو، نگہداشت اور نگرانی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۱، ص: ۲۴۸)۔ ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ ﴾ (4/النساء: 34) ''تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری

میں اللہ کی حفاظت سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ یَحۡفَظُوۡنَہٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ ؕ﴾ (13/الرعد:11) ''وہ لوگ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے۔'' ﴿ وَ حِفۡظًا مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴾ (37/الصفات:7) ''اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی غرض سے (بھی)۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اِحۡفَظۡ** ج: اِحۡفَظُوۡا۔فعل امر ہے۔تو حفاظت کر۔تو نگہبانی کر۔﴿ وَ احۡفَظُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ ؕ﴾ (5/المائدہ:89) ''اور تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی۔''

**حَفِیۡظٌ** فَعِیۡلٌ کا وزن ہے بمعنی اسم الفاعل۔حفاظت کرنے والا۔نگرانی کرنے والا۔محفوظ کرنے والا۔﴿ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾﴾ (6/الانعام::104) ''اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔'' ﴿ وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ﴿۴﴾﴾ (50/قٓ:4) ''اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے۔'' بعض بزرگوں کے نزدیک اس آیت میں حفیظ بمعنی محفوظ ہے یعنی وہ کتاب ضائع نہیں ہوگی (واللہ اعلم)۔حفیظ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۵۷﴾﴾ (11/ھود:57) ''یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**حَافِظٌ** ج: حٰفِظُوۡنَ، حٰفِظِیۡنَ اور حَفَظَۃٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے اور دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) نگرانی کرنے والا۔نگہبان۔(۲) حفاظت کرنے والا۔محافظ۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''حافظ بمعنی نگران بھی آتا ہے جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تا کہ ان کا حساب لے اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنی آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں۔'' (معارف القرآن)۔﴿ اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾﴾ (86/الطارق:4) ''کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔﴿ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ ؕ﴾ (9/التوبۃ:112) ''اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھی اللہ نے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ وَ یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً ؕ﴾ (6/الانعام:61) ''اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔﴿ وَ مَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۱﴾﴾ (12/یوسف:81) ''اور ہم نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔''

**حَافِظَۃٌ** ج: حَافِظَاتٌ۔(۱) نگرانی کرنے والی۔نگہبان۔(۲) حفاظت کرنے والی۔محافظہ۔﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ﴾ (4/النساء:34) ''تو نیک عورتیں اطاعت گزار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَحۡفُوۡظٌ** مَفۡعُوۡلٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔جس کی حفاظت کی جائے۔محفوظ۔﴿ وَ جَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا ۚۖ﴾ (21/الانبیاء:32) ''اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔اس آیت کے تحت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی نہ گرے نہ ٹوٹے پھوٹے نہ بدلی جائے اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے۔اور چھت اس لیے کہا کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص:۴۳۲)۔

(مفاعلہ) **مُحَافَظَۃٌ** کسی چیز کی مسلسل نگہبانی کرنا۔کسی کام کو پابندی سے کرنا۔اس مفہوم کے لیے اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۹۲﴾﴾ (6/الانعام:92) ''اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''جب مفاعلہ کا صلہ عَلٰی آ جائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کے ہوتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۱۶۵)۔

حَافِظ ج: حَافِظُوْا۔فعل امر ہے۔تو مسلسل نگرانی کر۔تو پابندی کر۔آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ ﴾ ''تم پابندی کرو سب نمازوں کی۔''

(استفعال) اِسْتِحْفَاظًا کسی کو نگہبان بنانا۔کسی کو کوئی چیز محفوظ رکھنے کے لیے کہنا۔﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾(5/المائدہ:44) ''اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

**ترکیب**

حٰفِظُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور عَلَى الصَّلَوٰتِ متعلق فعل ہے۔وَالصَّلٰوةِ میں وٗ عطف کا ہے اور اَلصَّلَوٰتِ پر عطف ہونے کی وجہ سے اَلصَّلٰوةِ مجرور ہوا ہے۔اَلْوُسْطٰى اس کی صفت ہے لیکن مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔قُوْمُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور لِلّٰهِ متعلق فعل ہے۔قُوْمُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال ہونے کی وجہ سے قٰنِتِيْنَ منصوب ہوا ہے۔

| ترجمہ | حٰفِظُوْا | عَلَى الصَّلَوٰتِ | وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى | وَقُوْمُوْا |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:238 | تم پابندی کرو | سب نمازوں کی | اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی | اور کھڑے رہا کرو |

| لِلّٰهِ | قٰنِتِيْنَ |
|---|---|
| اللہ کے لیے | عاجزی/ فرمانبرداری کرتے ہوئے |

**نوٹ:1** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہؒ فرماتے ہیں:''یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں۔حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ فرمایا احفظوھا نہیں فرمایا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص:۱۶۵)۔

**نوٹ:2** اَلصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کے بارے میں پیر کرم شاہؒ فرماتے ہیں:''درمیانی نماز سے کون سی نماز مراد ہے۔اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہ نماز عصر ہے۔حضرت علی ابن مسعود عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے۔جنگ خندق میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مصروف رکھا۔ملأ اللّٰہ بیوتھم و قبورھم نارًا کما شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتّٰی غابت الشمس''(متفق علیہ)۔(ضیاء القرآن، ج۱،ص:۱۶۶)۔

## آیت:239

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ ﴾

خ ف و: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ذ ك ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔
ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

**ر ج ل**

(ن) رَجْلًا ٹانگ پر مارنا۔

(س) رَجْلًا پیدل چلنا۔

رِجْلٌ تثنیہ: رِجْلَانِ۔ رِجْلَیْنِ۔ ج: اَرْجُلٌ۔ اسم ذات ہے۔ پاؤں۔ پیر۔ ﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ﴾ (38/ص:42) ''آپ ٹھوکر ماریں اپنے پاؤں سے۔'' ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ﴾ (24/النور:45) ''اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ (5/المائدۃ:6) ''اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور دھوؤ اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

رَجُلٌ تثنیہ: رَجُلَانِ۔ رَجُلَیْنِ۔ ج: رِجَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ مرد، آدمی۔ ﴿ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾ (11/ھود:78) ''کیا تم لوگوں میں کوئی بھی نیک مرد نہیں ہے۔'' ﴿ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ (5/المائدۃ:23) ''(اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ ﴾ (2/البقرۃ:282) ''اور اگر نہ ہوں دو مرد۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ (7/الاعراف:48) ''اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

رَاجِلٌ ج: رِجَالٌ اور رَجِلٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیدل چلنے والا۔ پیادہ۔ رَاجِلٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ﴾ ''پھر اگر تمہیں ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے یا سواری کرتے ہوئے۔'' ﴿ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ (17/بنی اسرائیل:64) ''اور تو لے آ ان پر اپنے سواروں کو اور اپنے پیادوں کو۔''

| ر | ك | ب |
|---|---|---|

(س) رُكُوْبًا، مَرْكَبًا کسی چیز پر چڑھنا۔ کسی چیز پر سوار ہونا۔ ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ ﴾ (29/العنکبوت:65) ''پھر جب وہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی پر تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو۔'' ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴾ (43/الزخرف:12) ''اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم سوار ہوتے ہو۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ مجازاً یہ لفظ ایک حالت کے بعد دوسری حالت سے گزرنے اور ایک منزل کے بعد دوسری منزل سے گزرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴾ (84/الانشقاق:19) ''کہ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِرْكَبْ ج: اِرْكَبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو چڑھ۔ تو سوار ہو۔ ﴿ يٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا ﴾ (11/ھود:42) ''اے میرے بچے! تو سوار ہو جا ہمارے ساتھ۔'' ﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ (11/ھود:41) ''اور نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (آؤ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ) اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (سب اللہ) ہی کے نام سے ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

رَاكِبٌ ج: رَكْبٌ۔ رُكُوْبٌ۔ رُكْبَانٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ سوار ہونے والا۔ سوار۔ عربی میں رَاكِبٌ اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں لیکن پھر یہ لفظ ہر قسم کے سوار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ رَاكِبٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿ وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ﴾ (8/الانفال:42) ''اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ صاحب لغات

القرآن فرماتے ہیں: ''رَاکِبٌ، رُکُوْبٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر ہے، عرف میں اس کا استعمال اونٹ سوار کے لیے مخصوص ہے، عرب کا قافلہ چونکہ بیشتر اونٹ کے سواروں پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے قافلہ/ کارواں کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳، ص: ۹۷)۔ ﴿فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴾ (36/ یٰسٓ: 72) ''پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ رَکُوْبٌ بمعنی مفعول بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی مَرْکُوْبٌ: جس پر سواری کی جائے۔ اور جمع ہونے کی مناسبت سے اس کا ترجمہ ہوگا ''سواریاں''۔ چنانچہ اس معنی کے لحاظ سے بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ''سوان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ ''پھر اگر تمہیں خوف ہو (کسی چیز کا) تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے یا سواری کرتے ہوئے''۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''رُکْبَانٌ سے یہاں عام سوار مراد ہے، اونٹ سوار مخصوص نہیں۔''۔

رِکَابٌ (۱) اسم ذات ہے۔ زین کا وہ لٹکا ہوا حصہ جس میں سوار اپنا پیر ڈالتا ہے۔ (۲) رِکَابٌ جمع بھی ہے اور اونٹوں کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں اس کا واحد رَاحِلَۃٌ ہے۔ اس کا اپنے مادہ سے واحد نہیں آتا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ﴾ (59/ الحشر: 6) ''تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رکاب: اونٹوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد راحلہ ہے۔ اس کے اپنے مادہ سے اس کا واحد نہیں۔ راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں۔ گھوڑا سوار کو فارس کہا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۱۶۸)۔

(تفعیل) تَرْکِیْبًا ایک چیز پر دوسری چیز رکھنا۔ کسی چیز کو ترتیب دینا، ملانا اور جوڑ دینا۔ ﴿فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ (82/ الانفطار: 8) ''جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''(الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفاعل) تَرَاکُبًا ایک پر ایک سوار ہونا۔ باہم گتھا ہوا ہونا۔ تہہ بتہ ہونا۔

مُتَرَاکِبٌ اسم الفاعل ہے۔ ایک پر ایک چڑھا ہوا۔ باہم گتھے ہوئے۔ تہہ بتہ ہونے والا۔ ﴿نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ (6/ الانعام: 99) ''جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''اناج کی بالی کے دانے باہم متصل ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے کوئی اوپر ہوتا ہے کوئی نیچے، اس لیے اس کو متراکب کہا گیا، گویا تہ بتہ ہونے کے سبب ایک دانہ دوسرے پر سوار ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۵، ص: ۲۸۹)۔

## ترکیب

یہ آیتِ مبارکہ دو جملہ شرطیہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا پہلا جملہ شرطیہ ہے۔ اور بقیہ آیت دوسرا جملہ شرطیہ ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ میں 'فَ' استئنافیہ ہے، اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ فعلیہ خِفْتُمْ شرط ہے۔ فَرِجَالًا میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے۔ رِجَالًا، محذوف جملہ فعلیہ کے فاعل کا حال ہے یعنی فَصَلُّوْا رِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ آگے فَإِذَآ أَمِنْتُمْ شرط ہے، فَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے اخیر تک جواب شرط ہے۔ اُذْكُرُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور لفظ اَللّٰهُ اس کا مفعول ہے۔ كَمَا میں كَ حرف تشبیہ ہے اور اسم موصول 'مَا' اپنے صلے کے ساتھ مل کر مجرور ہے۔ عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اَللّٰهُ کے لیے ہے، كُمْ اس کا مفعول اوّل ہے اور مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ اس کا مفعول ثانی ہے۔

| ترجمہ | فَاِنْ خِفْتُمْ | فَرِجَالًا | اَوْ رُكْبَانًا |
|---|---|---|---|
| البقرۃ:239 | پھر اگر تمہیں ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) | تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے | یا سواری کرتے ہوئے |

| فَاِذَآ اَمِنْتُمْ | فَاذْكُرُوا اللّٰهَ | كَمَا | عَلَّمَكُمْ |
|---|---|---|---|
| پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے | تو یاد کرو اللہ کو | اس طرح جیسے | اس نے سکھایا تمہیں |

| مَّا | لَمْ تَكُوْنُوْا | تَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|
| وہ جو | تم نہیں | جانتے تھے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہ آیت نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عبادت اتنی اہم ہے کہ اس وقت بھی معاف نہیں ہوتی جب تمہیں دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے چلتے یا اپنی سواریوں پر بیٹھے بیٹھے جدھر بھی رُخ ہو نماز ادا کرتے جاؤ'' (ضیاء القران، ج ا ص:۱۶۶)۔

## آیت:240

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ف ی: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | و ذ ر: البقرۃ آیت 234 دیکھیں۔ | ز و ج: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| و ص ی: البقرۃ آیت 132 دیکھیں۔ | م ت ع: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ | ح و ل: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |
| خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ |
| ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ | ح ك م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** 'وُ' استینافیہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ آگے وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ، اس کی خبر ہے۔ وَصِيَّةً مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل يُوْصُوْنَ محذوف ہے۔ مَتَاعًا کی نصب وَصِيَّةً کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ اِلَى الْحَوْلِ، مَّتَاعًا سے متعلق ہے جبکہ غَيْرَ اِخْرَاجٍ اَزْوَاجًا کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی وہ عورتیں گھر سے نہ نکالی جائیں۔ آگے فَاِنْ خَرَجْنَ جملہ شرطیہ ہے اور فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ...... مِنْ مَّعْرُوْفٍ تک جزاء ہے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ میں 'وُ' استینافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے اور عَزِيْزٌ اور حَكِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | وَالَّذِيْنَ | يُتَوَفَّوْنَ | مِنْكُمْ | وَيَذَرُوْنَ | اَزْوَاجًا |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:240 | اور جو لوگ | فوت ہو جاتے ہیں | تم میں سے | اور وہ چھوڑ جاتے ہیں | بیویاں |

| وَّصِيَّةً | لِّاَزْوَاجِهِمْ | مَّتَاعًا | اِلَى الْحَوْلِ |
|---|---|---|---|
| (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں | اپنی بیویوں کے لیے | (یعنی) خرچے کی | ایک سال تک |

| عَلَيۡكُمۡ | فَلَا جُنَاحَ | خَرَجۡنَ | فَاِنۡ | غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ‌ ۚ |
|---|---|---|---|---|
| تم پر | تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے | وہ خود نکل جاتی ہیں | پھر اگر | اور انہیں نہ نکالا جائے (گھر سے) |

| عَزِيۡزٌ | وَاللّٰهُ | مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ‌ؕ | فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ | فَعَلۡنَ | فِىۡ مَا |
|---|---|---|---|---|---|
| زبردست ہے | اور اللہ | بھلائی سے | اپنے بارے میں | وہ کریں | اس میں جو |

| حَكِيۡمٌ |
|---|
| حکمت والا ہے |

**نوٹ** اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے ہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت تو آیۂ ﴿يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا ‌ۚ﴾ (البقرة:234) سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور اس کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا۔ (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۱۶۶)۔ اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''یہ آیت، گو ترتیب میں مؤخر ہے، مگر منسوخ ہے، ناسخ آیت پہلے گزر چکی ہے (البقرة: ۲۳۴) جس میں عدت وفات ۴ مہینے ۱۰ دن بتلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت مواریث نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنیٰ) کی اور نہ نان ونفقہ کی۔'' (احسن البیان، ص:۱۰۲)۔

## آیت: 241

## ﴿وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾﴾

ط ل ق: البقرة آیت 227 دیکھیں۔ م ت ع: البقرة آیت 36 دیکھیں۔ ع ر ف: البقرة آیت 89 دیکھیں۔
ح ق ق: البقرة آیت 26 دیکھیں۔ و ق ی: البقرة آیت 2 دیکھیں۔

**ترکیب** مُطَلَّقٰتِ اسم المفعول ہے، اس پر لام جار داخل ہے اور یہ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَتَاعٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ بِالۡمَعۡرُوۡفِ متعلق خبر ہے۔ حَقًّا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا۔ عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ، حَقًّا سے متعلق ہے۔

| حَقًّا | بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ | مَتَاعٌ | وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|
| (یہ) واجب (ہے) | دستور کے مطابق | کچھ خرچہ دینا (مقرر) ہے | اور (اسی طرح) طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے | البقرة:241 |

| عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ |
|---|
| پرہیزگاروں پر |

## آیت:242

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع ﴾

| | |
|---|---|
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ع ق ل: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

يُبَيِّنُ کا فاعل لفظ اَللّٰهُ ہے، لَكُمْ متعلق فعل ہے اور اٰيٰتِهٖ مفعول ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَعْقِلُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:242

| كَذٰلِكَ | يُبَيِّنُ | اللّٰهُ | لَكُمْ | اٰيٰتِهٖ | لَعَلَّكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس طرح | واضح کرتا ہے | اللہ | تمہارے لیے | اپنی نشانیوں (یعنی احکامات) کو | تا کہ تم |

| تَعْقِلُوْنَ |
|---|
| سمجھو (اور عمل کرو) |

## آیت:243

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ
اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | د و ر: البقرۃ آیت 84 دیکھیں۔ |
| ء ل ف: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ح ذ ر: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | ش ك ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اَ استفہامیہ ہے، لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اسی لیے تَرَ مجزوم ہوا ہے تَرَ کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ ضمیر ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں اِلٰى کی وجہ سے اور یہ جار مجرور مل کر متعلق فعل ہے۔ وَهُمْ اُلُوْفٌ میں 'وَ' حالیہ ہے، هُمْ مبتداء اور اُلُوْفٌ اس کی خبر ہے۔ حَذَرَ الْمَوْتِ، مفعول لَهٗ ہے یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے۔ فَقَالَ میں 'فَ' عطف کا ہے، قَالَ کا فاعل لفظ اَللّٰهُ ہے اور لَهُمْ متعلق فعل ہے۔ مُوْتُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے پہلے فَمَاتُوْا محذوف ہے جو کہ فعل امر مُوْتُوْا کا جواب امر ہے یعنی فَمَاتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ۔ اَحْيَا کا فاعل هُوَ ضمیر ہے جو اَللّٰهُ کے لیے ہے۔ هُمْ ضمیر مفعولی ہے جو اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا کے لیے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے اور لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ خبر ہے۔ لَذُوْ پر 'لَ' مزحلقہ ہے۔ لٰكِنَّ کا اسم اَكْثَرَ النَّاسِ ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے، جبکہ جملہ فعلیہ لَا يَشْكُرُوْنَ خبر ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ: 243

| اَلَمْ تَرَ | اِلَى الَّذِيْنَ | خَرَجُوْا | مِنْ دِيَارِهِمْ |
|---|---|---|---|
| کیا (اے مخاطب) تو نے دیکھا نہیں | ان لوگوں (کی حالت) کی طرف جو | نکلے تھے | اپنے گھروں سے |

| وَ | هُمْ اُلُوْفٌ | حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ | فَقَالَ | لَهُمُ | اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس حال میں کہ | وہ ہزاروں تھے | موت کے ڈر سے | تو کہا | ان سے | اللہ نے |

| اِنَّ اللّٰہَ | لَذُوْ فَضْلٍ | ثُمَّ اَحْیَاھُمْ | مُوْتُوْا |
|---|---|---|---|
| فضل کرنے والا ہے | بیشک اللہ | پھر اس (اللہ) نے زندہ کیا ان کو | تم لوگ مرجاؤ (تو وہ مر گئے) |

| عَلَی النَّاسِ | وَلٰکِنَّ | اَکْثَرَ النَّاسِ | لَا یَشْکُرُوْنَ |
|---|---|---|---|
| لوگوں پر | ولیکن | لوگوں کی اکثریت | شکر نہیں کرتی |

**نوٹ:1** اَلَمْ تَرَ: آیت 55 میں مادہ ’ر ء ی‘ کے تحت آپ کو یہ بتایا گیا تھا کہ رء ی کے ساتھ جب اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کی حالت پر غور کر کے اسے سمجھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا۔ آیت زیر مطالعہ کے تحت اسی اسلوب کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ”عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم وتخیل وغور وفکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ ومشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الی کے ساتھ ہے تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حال کرنا ہوتا ہے۔“ پھر آیت 258 کے تحت فرماتے ہیں: ”عربی ادب میں یہ اسلوب بیان حیرت واستعجاب کے موقع کے لیے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لیے ہوئے۔ جب کبھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے شروع اس طریقہ پر کرتے ہیں جیسے اُردو میں ”کہیے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے؟“ اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ”یہاں یہ بات قبل غور ہے کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ کے زمانے سے ہزاروں برس پہلے کا ہے اس کے دیکھنے کا حضورؐ سے سوال ہی نہیں ہوسکتا، تو یہاں اَلَمْ تَرَ فرمانے کا کیا منشاء ہے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ ایسے تمام مواقع میں جہاں آنحضرتؐ کو لفظ اَلَمْ تَرَ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ آپؐ کے زمانے سے پہلے کا ہے جس کے دیکھنے کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، ان سب مواقع میں رویت سے روایتِ قلبی مراد ہوتی ہے جس کے معنی ہیں علم وادراک یعنی اَلَمْ تَرَ ایسے مواقع میں اَلَمْ تَعْلَمْ کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن اس کو لفظ اَلَمْ تَرَ سے تعبیر کرنے میں حکمت اس واقعہ کے مشہور ومشہود ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ واقعہ ایسا یقینی ہے جیسے کوئی آج دیکھ رہا ہو اور دیکھنے کے قابل ہو، اَلَمْ تَرَ کے بعد حرف اِلٰی بڑھنے سے از روئے زبان اس کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے“۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص: ۵۹۴)

**نوٹ:2** اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ”یہ پہلی اُمت کا قصہ ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار کو ساتھ لے کر وطن سے بھاگے۔ اُن کو ڈر ہوا تھا غنیم کا اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا تھا وبا کا اور تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا پھر ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں۔ اس حال کو یہاں اس واسطے ذکر فرمایا کہ کافروں سے لڑنے یا فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں جان اور مال کی محبت کے باعث دریغ نہ کریں اور جان لیویں کہ اللہ موت بھیجے تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں اور زندگی چاہے تو مردہ کو دم کے دم میں زندہ کردے زندہ کو موت سے بچالینا تو کوئی چیز ہی نہیں پھر اُس کی تعمیل حکم میں موت سے ڈر کر جہاد سے بچنا یا افلاس سے بچ کر صدقہ اور دوسروں پر احسان یا عفو وفضل سے رُکنا بد دینی کے ساتھ حماقت بھی پوری ہے۔“ (تفسیر عثمانی، ص: ۵۰)

## آیت: 244

## ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾﴾

ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ س م ع: البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

**ترکیب** وَ استئنافیہ ہے۔ قَاتِلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا میں وَ عطف کا ہے اِعْلَمُوْٓا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا مفعول آگے جملہ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰہُ اس کا اسم ہے اور سَمِيْعٌ، عَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | وَقَاتِلُوْا | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | وَاعْلَمُوْٓا | اَنَّ | اللّٰهَ | سَمِيْعٌ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:244 | اور تم لڑائی کرو | اللہ کی راہ میں | اور جان لو | کہ | اللہ | سننے والا | جاننے والا ہے |

**نوٹ:1** مادہ ''ق ت ل'' سے فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل قَاتِلٌ بنتا ہے۔ اس کی جمع قَاتِلُوْنَ سے جب نون اعرابی گرتا ہے تو قَاتِلُوْ استعمال ہوتا ہے یعنی واؤ الجمع کے الف کے بغیر۔ اور باب مفاعلہ سے اس کا فعل امر قَاتِلْ بنتا ہے جس کی جمع قَاتِلُوْا ہے۔ اس طرح دونوں میں فرق صرف واؤ الجمع کے الف کا ہے۔ اسی لیے قَاتِلُوْ الْمُشْرِكِيْنَ کا ترجمہ ہوگا ''مشرکوں کو قتل کرنے والے''۔ جبکہ قَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ کا ترجمہ ہوگا ''تم لوگ جنگ کرو مشرکوں سے۔''

**نوٹ:2** اِس آیت میں گزشتہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جب موت سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے، تو پھر موت کے ڈر سے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے جی چرانا حماقت بھی ہے اور محرومی بھی۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحبؒ)

## آیت:245

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح س ن: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ك ث ر: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ر ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ |

**ق ر ض**

(ض) قَرْضًا (۱) کسی جگہ سے بچتے ہوئے گزرنا۔ کسی سے کترا جانا۔ ﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (18/ الکہف:17) ''اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو وہ کترا جاتا ہے ان سے بائیں طرف۔''
(۲) کسی کو بدلہ دینا۔ قرض دینا۔

قَرْضٌ اسم ذات ہے۔ وہ مال جو کسی کو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ وہ واپس مل جائے گا۔ ﴿وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (5/ المائدۃ:12) ''اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''لغتِ عرب میں قرض کا یہ مفہوم نہیں جو ہم اُردو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دوسرے سے اُدھار لے کر پوری کرلی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ہے ضرورت کے تصور سے بھی پاک ہے بلکہ القرض: اسم لکل ما یلتمس علیه الجزاء (قرطبی) یعنی قرض ہر وہ چیز یا عمل ہے جس پر جزاء اور بدلہ طلب کیا جائے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۶۸)۔

قرض حسنہ: وہ قرض جو خالص اللہ کی رضا کے لیے حلال کمائی سے خوش دلی اور اخلاص نیت کے ساتھ کسی ضرورت مند کو دیا جائے، نہ اس کی واپسی کی خواہش ہو، نہ بدلے کا لالچ ہو، نہ شکریے کی تمنا ہو اور نہ دینے کے بعد احسان جتایا جائے۔

(افعال) اِقْرَاضًا کسی کو اُدھار دینا۔ قرض دینا۔ ﴿وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (5/ المائدۃ:12) ''اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون شخص

ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**اَقْرِضْ** ج: اَقْرِضُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو قرض دے۔ ﴿ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ﴾ (73/المزمل:20) ''اور تم لوگ قرض دو اللہ کو، خوبصورت قرضہ۔''

| ض ع ف |
|---|

(ف) **ضَعْفًا** کسی چیز کو زیادہ کرنا۔ دوگنا کرنا۔

(ن) **ضَعْفًا اور ضُعْفًا** کمزور ہونا۔

(ک) **ضَعَافَةً** کمزور ہونا۔ ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴾ (22/الحج:73) ''مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)۔ ﴿ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور وہ لوگ نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے۔''

**اَضْعَفُ** اَفعل التفضیل ہے۔ زیادہ کمزور۔ ﴿ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴾ (19/مریم:75) ''کون زیادہ بُرا ہے بلحاظ مقام کے اور زیادہ کمزور ہے بلحاظ فوج کے۔''

**ضَعِيْفٌ** ج: ضِعَافٌ اور ضُعَفَاءُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ کمزور۔ ﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ (4/النساء:28) ''اور پیدا کیا گیا انسان کو کمزور۔'' ﴿ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا ﴾ (4/النساء:9) ''اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ﴾ (14/ابراہیم:21) ''تو کہیں گے کمزور لوگ ان سے جنہوں نے تکبر کیا تھا۔''

**ضَعْفٌ اور ضُعْفٌ** اسم ذات ہے۔ کمزوری۔ ﴿ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ (8/الانفال:66) ''اور اس نے جانا کہ تم لوگوں میں کچھ کمزوری ہے۔'' ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ﴾ (30/الروم:54) ''اللہ ہے جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو کمزوری سے۔'' صاحبؒ مفردات القرآن فرماتے ہیں: ''خلیل کا قول ہے کہ اَلضَّعْفُ عقل ورائے کی کمزوری کو کہتے ہیں اور ضُعْفٌ بدنی کمزوری کو۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص:۶۱۲)۔

**ضِعْفٌ** ج: اَضْعَافٌ۔ یہ اسم ذات ہے اور عدد کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوگنا۔ کئی گنا۔ مطلق زیادتی۔ ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ﴾ (7/الاعراف:38) ''اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضعف کے عام مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی وشدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ مقدار مراد نہیں ہوتی۔'' (تفسیر ماجدیؒ:۱/۳۷۱)۔ اور آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار انہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب زیادہ دے۔'' ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ﴾ (34/سبا:37) ''پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''سوایسے لوگوں کے لیے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا صلہ ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضعف سے مراد مطلق زیادتی ہے محض دوگنا مراد نہیں۔''۔ واحد لفظ ضِعْفٌ بھی دوگنے کے لیے آتا ہے اور اس کا تثنیہ ضِعْفَيْنِ بھی اسی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (33/الاحزاب:68) ''اے ہمارے رب ان کو دوگنا عذاب دے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ﴾ ''تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) **اِضْعَافًا** زیادہ کرنا۔ بڑھانا۔

**مُضْعِفٌ** ج: مُضْعِفُوْنَ- مُضْعِفِيْنَ- اسم الفاعل ہے۔ زیادہ کرنے والا۔بڑھانے والا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾(30/الروم:39)''تو وہ لوگ ہی بڑھانے والے ہیں۔''

(مفاعلہ) **مُضَاعَفَةً** دوگنا کرنا۔کئی گنا بڑھانا۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾(2/البقرۃ:261)''اور اللہ کئی گنا بڑھاتا ہے اس کے لیے جس کے لیے وہ چاہتا ہے۔''

(استفعال) **اِسْتِضْعَافًا** کسی کو کمزور سمجھنا۔کسی کو کمزور رکھنا۔کمزور کرنا۔﴿اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ﴾(7/الاعراف:150)''بیشک قوم نے کمزور سمجھا مجھ کو۔''﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾(28/القصص:4)''اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

**مُسْتَضْعَفٌ** ج: مُسْتَضْعَفُوْنَ- مُسْتَضْعَفِيْنَ-اسم المفعول ہے۔صفت کے طور پر آتا ہے۔کمزور۔﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾(8/الانفال:26)''اور اُس حالت کو یاد کرو جب کہ تم زمین میں قلیل تھے کمزور شمار کیے جاتے تھے۔''(ترجمہ احسن البیان)۔﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾(4/النساء:97)''ان لوگوں نے کہا ہم کمزور تھے زمین میں۔''

## ق ب ض

(ض) **قَبْضًا** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو پورے پنجے کے ساتھ پکڑنا۔عربی میں کہتے ہیں قَبَضَ السَّيْفَ یعنی اس نے پورے پنجے سے تلوار کو پکڑا۔ چنانچہ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً:

(۱) پکڑنا۔کسی چیز کو قبضے میں لینا۔اس مفہوم کے ساتھ اس کے مفعول پر کبھی عَلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔قَبْضُ الْيَدِ عَلَى الشَّيْءِ کے معنی ہیں مٹھی میں کوئی چیز لے لینا۔قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾(20/طٰہٰ:96)''پھر میں نے اس فرشتے کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) پکڑ لی۔'' عربی زبان میں کسی چیز کو حاصل کر لینے اور اپنے قابو میں رکھنے کو بھی قبض کہتے ہیں اگر چہ اسے ہاتھ سے نہ پکڑا جائے، جیسے مکان وغیرہ کا قبضہ۔

(۲) کسی چیز کو اپنی طرف سمیٹنا۔کسی چیز کو سکیڑنا۔اِس مفہوم میں کبھی اِلٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔؕ﴾(67/الملک:19)''کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں اور (کبھی اس حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں۔''(ترجمہ تھانویؒ)۔﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝﴾(25/الفرقان:46)''پھر ہم سمیٹتے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۳) کسی چیز کو پکڑنے سے ہاتھ روک لینا۔مال خرچ کرنے سے ہاتھ روک لینا۔اس مفہوم کے لحاظ سے اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ﴾(9/التوبۃ:67)''اور اپنے ہاتھ کو بند رکھتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔اور آگے حاشیے میں فرماتے ہیں:''یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔''

(۴) تنگ کرنا۔آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠﴾''اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**قَبْضَةٌ** اسم ذات ہے۔(۱) مُٹھی۔﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾(39/الزمر:67)''ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن۔''(ترجمہ تھانویؒ)۔''مٹھی میں بند چیز پر آدمی کا اختیار ہوتا ہے گویا مٹھی میں بند سے مراد ہے

تصرف کامل اور مکمل اختیار۔'' (لغات القرآن، ج۵، ص: ۷۳)۔ (۲) مٹھی بھر۔ تھوڑا سا لے لینا۔ ﴿ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ﴾ (20/ طٰہٰ: 96) ''پھر میں نے اس فرشتے کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) پکڑ لی۔''

**مَقْبُوْضَةٌ** اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث۔ قبضہ میں لیا ہوا۔ پکڑا ہوا۔ ﴿ وَ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ﴾ (2/ البقرہ: 283) ''اور تم لوگ نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو رہن ہے قبضہ میں لیا ہوا۔''

## ب س ط

**بَسْطًا** (ن) (۱) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو کھولنا، کشادہ کرنا اور پھیلانا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ ﴾ (30/ الروم: 48) ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) جب اس کا استعمال رزق کے لیے ہو تو مطلب ہوتا ہے رزق کشادہ کرنا۔ روزی میں فروانی کرنا۔ اس مفہوم میں اس کی ضد قَبْضٌ اور قَدْرٌ ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (42/ الشوریٰ: 27) ''اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لیے تو وہ سرکشی کرنے لگتے زمین میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ (13/ الرعد: 26) ''اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۳) جب ہاتھوں کے ساتھ اس کا استعمال ہو تو اس کے مختلف مفہوم ہوتے ہیں مثلاً: (i) ہاتھ پھیلانا۔ (اس کی مثال آگے بَاسِطٌ کے تحت دیکھیں)۔ (ii) کسی چیز کی طرف ہاتھ پھیلانا یعنی مانگنا اور طلب کرنا۔ (اس کی مثال بھی آگے بَاسِطٌ کے تحت دیکھیں)۔ (iii) کسی چیز پر ہاتھ ڈالنا یعنی پکڑنا اور گرفت کرنا۔ (اس کی مثال بھی آگے بَاسِطٌ کے تحت دیکھیں)۔ (iv) کسی پر دست درازی کرنا یعنی اس پر حملہ کرنا اور اسے مارنا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ ﴾ (5/ المائدۃ: 28) ''تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ ﴾ (5/ المائدۃ: 11) ''جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے، مارنے کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ اردو میں بھی ''درازدستی'' ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔'' (تفسیر ماجدی: ۲۷۷)۔ اس معنی میں اس کی ضد کَفٌّ یَدٌ ہوتی ہے۔

(v) بخشش کرنا۔ عطا کرنا۔ کنایۃً فضول خرچی کرنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 29) ''اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے اردگرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ''نہ اسے بالکل ہی کھول دے'' یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔'' (احسن البیان، ص: ۷۷۴)۔ (عطا کرنے کے معنی میں اس کی مثال مَبْسُوْطٌ کے تحت دیکھیں)۔ عربی محاورے میں بَسِيْطُ الْيَدَيْنِ سے مراد سخی آدمی ہوتا ہے۔

**بَاسِطٌ** ج: بَاسِطُوْنَ۔ بَاسِطِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پھیلانے والا۔ کھولنے والا۔ دراز کرنے والا۔ ﴿ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ﴾ (18/ الکہف: 18) ''اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے۔'' (ترجمہ

تھانویؒ)۔ (ہاتھ پھیلانے کے معنی میں)۔ ﴿ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ ﴾ (13/ الرعد:14) ''مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (طلب کرنے کے معنی میں)۔ ﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ﴾ (6/ الانعام:93) ''اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ (کسی کو پکڑنا اور اس پر گرفت کرنا کے معنوں میں)۔

**مَبْسُوْطٌ** اسم المفعول ہے۔ مؤنث: مَبْسُوْطَةٌ۔ تثنیہ: مَبْسُوْطَتَانِ۔ مَبْسُوْطَتَيْنِ۔ کھلا ہوا۔ پھیلا ہوا۔ دراز کیا ہوا۔ ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ﴾ (5/ المآئدہ:64) ''بلکہ اس کے ہاتھ کھولے ہوئے ہیں۔'' مَبْسُوْطَتَانِ یہاں عطا کرنے کے معنی میں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''بلکہ اس کے ہاتھ تو کشادہ ہیں اور مصروف جود و سخا ہیں، جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۴۸۹)۔ اور علامہ عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور رزقی بدستور جاری ہے۔ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ اردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایکھا تھ سے خرچ کرتا ہے۔ فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور و تاکید کے لیے ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ: ص:۳۰۱)۔

**بَسْطَةٌ** اسم ذات ہے۔ کشادگی، فراخی، فروانی، پھیلاؤ، خواہ مالی ہو جسمانی ہو، معنوی ہو، ہر طرح اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ﴾ (2/ البقرہ:247) ''اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ﴾ (7/ الاعراف:69) ''اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**بِسَاطٌ** اسم ذات ہے۔ پھیلائی ہوئی چیز۔ بچھونا۔ فرش۔ ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴾ (71/ نوح:19) ''اور اللہ نے بنایا تم لوگوں کے لیے زمین کو ایک بچھونا۔''

## ترکیب

مَنْ استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ ذَا اسم اشارہ ہے اور خبر ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور ذَا کی صفت یا بدل ہے۔ جملہ فعلیہ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اس کا صلہ ہے۔ يُقْرِضُ کا مفعول لفظ اَللّٰهَ ہے، جبکہ قَرْضًا حَسَنًا مفعول مطلق ہے۔ فَيُضٰعِفَهٗ کا 'فَ' سببیہ ہے۔ یہاں یہ استفہام کے بعد آیا ہے اسی لیے اس نے مضارع يُضٰعِفَ کو نصب دی ہے۔ اس میں ہٗ ضمیر قَرْضًا حَسَنًا کے لیے ہے، جبکہ لَهٗ کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے۔ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً مرکب توصیفی ہے۔ اَضْعَافًا یا تو فَيُضٰعِفَهٗ میں ہٗ ضمیر کا حال ہے یا دوسرا مفعول ہے۔ وَاللّٰهُ میں 'وَ' استینافیہ ہے اور لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ يَقْبِضُ خبر ہے جبکہ يَبْصُۜطُ، يَقْبِضُ پر عطف ہے۔ اس کے بعد اَلرِّزْقَ محذوف ہے۔ يَبْصُۜطُ کو بعض نے 'ص' کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے 'س' کے ساتھ، جیسے 'صراط' ہے۔ 'ص' چونکہ 'ط' سے زیادہ قریب ہے بنسبت 'س' کے، اس لیے عرب 'س' کی جگہ 'ص' بولتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ اِلَيْهِ متعلق فعل مقدم ہے جبکہ تُرْجَعُوْنَ جملہ فعلیہ ہے۔ ثلاثی مجرد کے مضارع مجہول کا وزن يُفْعَلُ ہے، اور باب افعال کے مضارع مجہول کا بھی یہی وزن ہے۔ یہاں تُرْجَعُوْنَ ثلاثی کا مضارع مجہول ہے کیونکہ مادہ ''رج ع'' باب افعال سے نہیں آتا۔

## ترجمہ
البقرۃ:245

| مَنْ ذَا الَّذِیْ | يُقْرِضُ | اللّٰهَ | قَرْضًا حَسَنًا | فَيُضٰعِفَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| کون ہے وہ جو | قرضہ دے | اللہ کو | خوبصورت قرضہ | تو بڑھا دے (اللہ) اُس قرض کو |

| لَهٗۤ | اَضْعَافًا كَثِيْرَةً | وَاللّٰهُ | يَقْبِضُ |
|---|---|---|---|
| اس کے لیے | کئی گنا | اور اللہ | تنگ کرتا ہے |

| تُرۡجَعُوۡنَ | وَاِلَيۡهِ | وَيَبۡصُۜطُ |
|---|---|---|
| تم لوٹائے جاؤ گے | اور اس کی طرف ہی | اور فراخ کرتا ہے (رزق کو) |

**نوٹ** جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداحؓ نے کہا کہ میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ میری ملک میں کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ایک اللہ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل وعیال کی معاشی ضرورت کے لیے باقی رکھو۔ تو ابوالدحداحؓ نے کہا کہ ان دونوں میں سے اچھا باغ جس میں چھ سو درخت ہیں، اس کو میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ (معارف القرآن)۔

## آیت:246

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰىۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآٮِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | ن ب و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ب ع ث: البقرۃ آیت 56 دیکھیں۔ |
| م ل ك: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ |
| خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | د و ر: البقرۃ آیت 84 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ |
| ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | | |

**م ل ء**

(ن) **مَلَأَ** کسی چیز کو کسی چیز سے بھر دینا۔ اس کا استعمال عام ہے۔ مادی اور معنوی، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں: مَلَأَ الۡاِنَاءَ اس نے برتن کو بھر دیا۔ جو نوجوان اپنی خوب صورتی اور وجاہت سے آنکھوں کو بھر دے، ایسے نوجوان کے بارے میں عربی میں کہتے ہیں شَابٌّ مَالِئُ الۡعَيۡنِ۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ (7/الاعراف:18) ''میں لازماً بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے۔''

**مَالِئٌ** ج: مَالِئُوۡنَ۔ مَالِئِيۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بھرنے والا۔ ﴿ فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۶۶﴾ ﴾ (37/الصافات:66) ''پس وہ کھانے والے ہیں اس سے پھر وہ بھرنے والے ہیں اس سے پیٹ۔''

**مِلۡءٌ** کسی چیز کی اتنی مقدار جس سے کوئی چیز بھر جائے۔ ﴿ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا ﴾ (3/آل عمران:91) ''تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا۔''

**مَلَأٌ** اسم جمع ہے۔ کسی قوم کے اہل الرائے رئیسوں اور سرداروں کی جماعت۔ وہ اہل رائے لوگ جو زینت محفل ہوں، جو دلوں کو ہیبت وعظمت سے بھر دیں اور اپنے ظاہری حسن وجمال سے آنکھوں کو بھر دیں۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰىۘ ﴾ ''کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰؑ کے

بعد۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں: ''مَلَأٌ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل وعقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں۔'' (احسن البیان، ص:۱۰۳)۔ نیز فرمایا: ﴿لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ﴾ (37/ الصافات:8) ''عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(افتعال) اِمْتِلَاءً کسی چیز کا کسی چیز سے بھر جانا۔ ﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ﴾ (50/ قٓ:30) ''جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی۔''

## ترکیب

اَ، استفہامیہ ہے۔ لَمْ جوازمِ مضارع میں سے ہے اسی لیے تَرَ مجزوم ہوا ہے۔ اِلَى الْمَلَاِ، مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ، مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى، یہ سب متعلق فعل ہیں۔ اِذْ ظرفِ زمان ہے اور ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ قَالُوْا کا فاعل اس میں هُمْ ضمیر ہے جو اَلْمَلَاِ کے لیے ہے۔ لِنَبِيٍّ متعلق فعل ہے اور لَّهُمُ، نبی کی صفت ہے۔ اِبْعَثْ فعل امر کا صیغہ ہے اور مَلِكًا اس کا مفعول ہے جبکہ لَنَا متعلق فعل ہے۔ اِبْعَثْ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے نُّقَاتِلْ مجزوم ہوا ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ آگے هَلْ حرف استفہام ہے۔ عَسَيْتُمْ میں اَنْتُمْ ضمیر فعل مقاربہ عَسٰى کا اسم ہے اور اَلَّا تُقَاتِلُوْا اس کی خبر ہے، جبکہ درمیان میں جملہ شرطیہ ہے۔ اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے۔ اس میں اَنْ کی وجہ سے تُقَاتِلُوْا منصوب ہوا ہے۔ جملہ شرطیہ میں كُتِبَ ماضی مجہول ہے اس لیے اس پر اِنْ کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور اَلْقِتَالُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ لَنَا قائم مقام خبر ہے۔ اَلَّا دراصل اَنْ اور لَا ہے۔ اس میں اَنْ کی وجہ سے نُقَاتِلَ منصوب ہوا ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَقَدْ اُخْرِجْنَا کا واؤ حالیہ ہے۔ اُخْرِجْنَا ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل نَحْنُ ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنْ دِيَارِنَا متعلق فعل ہے اور اَبْنَآئِنَا عطف ہے دِيَارِنَا پر۔ فَ استئنافیہ ہے، لَمَّا حرف شرط ہے۔ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ شرط ہے اور تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ جواب شرط ہے۔ قَلِيْلًا مستثنیٰ متصل ہے اس لیے منصوب ہوا ہے۔ وَ استئنافیہ ہے لفظ اللّٰهُ مبتداء ہے، عَلِيْمٌۢ خبر ہے اور بِالظّٰلِمِيْنَ متعلق خبر ہے۔

## ترجمہ البقرۃ:246

| اَلَمْ تَرَ | اِلَى الْمَلَاِ | مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ |
|---|---|---|
| کیا (اے مخاطب) تو نے دیکھا نہیں | سرداروں (کے اس گروہ) کو | بنی اسرائیل میں سے |

| مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى | اِذْ قَالُوْا | لِنَبِيٍّ لَّهُمُ | ابْعَثْ |
|---|---|---|---|
| (جو) حضرت موسیٰؑ کے بعد ہوا | جب انہوں نے کہا | اپنے ایک نبی سے (کہ) | آپ مقرر کردیں |

| لَنَا | مَلِكًا | نُّقَاتِلْ | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ | قَالَ |
|---|---|---|---|---|
| ہمارے لیے | ایک بادشاہ/امیر | تاکہ ہم لڑائی کریں | اللہ کی راہ میں | انہوںؑ نے کہا |

| هَلْ عَسَيْتُمْ | اِنْ | كُتِبَ | عَلَيْكُمُ | الْقِتَالُ | اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ | اگر | فرض کردیا جائے | تم پر | قتال (جہاد) | تو تم لوگ لڑائی نہ کرو |

| قَالُوْا | وَمَا لَنَآ | اَلَّا نُقَاتِلَ | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | وَ | قَدْ اُخْرِجْنَا |
|---|---|---|---|---|---|
| انہوں نے کہا | اور ہمیں کیا ہے | کہ ہم لڑائی نہ کریں | اللہ کی راہ میں | حالانکہ | ہم نکالے گئے ہیں |

| مِنْ دِيَارِنَا | وَاَبْنَآئِنَا ؕ | فَلَمَّا | كُتِبَ | عَلَيْهِمُ | الْقِتَالُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اپنے گھروں سے | اور اپنے بیٹوں سے | پھر جب | فرض کردیا گیا | ان پر | قتال (جہاد) |

| تَوَلَّوْا | اِلَّا | قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ | وَاللّٰهُ | عَلِيْمٌۢ |
|---|---|---|---|---|
| تو انہوں نے منہ پھیر لیا | مگر | تھوڑے سے اُن میں سے | اور اللہ | خوب جاننے والا ہے |

| بِالظّٰلِمِيْنَ |
|---|
| ظلم کرنے والوں کو |

**نوٹ** اس آیت میں حضرت موسیٰؑ سے تقریباً تین سو سال بعد اور حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر ماجدی اور ضیاء القرآن سے دیکھ لیں۔

## آیت: 247

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ع ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ |
| ص ف و: البقرۃ آیت 130 دیکھیں۔ | ز ی د: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ب س ط: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ |
| ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** ’’وَ‘‘ عطف کا ہے، قَالَ کا فاعل نَبِيُّهُمْ ہے اور لَهُمْ متعلق فعل ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم اور جملہ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا اس کی خبر ہے۔ بَعَثَ کا مفعول اوّل طَالُوْتَ ہے اور مَلِكًا مفعول ثانی ہے۔ يَكُوْنُ کا اسم اَلْمُلْكُ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَهٗ قائم مقام خبر ہے جبکہ عَلَيْنَا، اَلْمُلْكُ سے متعلق ہے۔ ’’وَ‘‘ حالیہ ہے، نَحْنُ مبتداء ہے، اَحَقُّ خبر ہے اور بِالْمُلْكِ اور مِنْهُ متعلق خبر ہیں۔ آگے ’’وَ‘‘ عطف کا ہے لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اسی لیے يُؤْتَ مجزوم ہوا ہے۔ يُؤْتَ کا نائب فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو طَالُوْتَ کے لیے ہے، جبکہ سَعَةً مفعول ثانی ہے۔ مِنَ الْمَالِ، سَعَةً سے متعلق ہے۔ آگے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ، اس کا اسم ہے جبکہ جملہ فعلیہ اِصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ، اس کی خبر ہے۔ زَادَ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو اَللّٰهَ کے لیے ہے، اس کا مفعول ’’هٗ‘‘ ضمیر ہے جو طَالُوْتَ کے لیے ہے، جبکہ بَسْطَةً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے، جملہ فعلیہ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ اس کی خبر ہے۔ يُؤْتِىْ کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، مُلْكَهٗ اس کا مفعول اوّل ہے جبکہ اسم موصول مَنْ، اپنے صلے يَّشَآءُ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ثانی ہے۔ آگے لفظ اَللّٰهُ پھر مبتداء ہے اور وَاسِعٌ اور عَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ** البقرۃ:247

| وَقَالَ | لَهُمْ | نَبِيُّهُمْ | اِنَّ اللّٰهَ | قَدْ بَعَثَ | لَكُمْ | طَالُوْتَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور کہا | ان سے | ان کے نبی نے | بیشک اللہ نے | مقرر کیا ہے | تمہارے لیے | طالوت کو |

| مَلِكًا ؕ | قَالُوْٓا | اَنّٰى | يَكُوْنُ | لَهٗ | الْمُلْكُ | عَلَيْنَا | وَ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| بادشاہ | انہوں نے کہا | کیسے | ہو سکتی ہے | اس کے لیے | بادشاہی/حکمرانی | ہم پر | حالانکہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| نَحۡنُ | اَحَقُّ | بِالۡمُلۡكِ | مِنۡهُ | وَلَمۡ يُؤۡتَ | سَعَةً |
| ہم | زیادہ حقدار ہیں | بادشاہت کے | اس سے | اور اس کو نہیں دی گئی | فراخی |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| مِّنَ الۡمَالِؕ | قَالَ | اِنَّ اللّٰهَ | اصۡطَفٰهُ | عَلَيۡكُمۡ |
| مال میں | (نبی نے) کہا | بیشک اللہ نے | چن لیا ہے اس کو | تم لوگوں پر |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| وَزَادَهٗ | بَسۡطَةً | فِى الۡعِلۡمِ | وَالۡجِسۡمِؕ | وَاللّٰهُ |
| اور اس نے زیادہ دی ہے اس کو | کشادگی | علم میں | اور جسم میں | اور اللہ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| يُؤۡتِىۡ | مُلۡكَهٗ | مَنۡ | يَّشَآءُؕ | وَاللّٰهُ | وَاسِعٌ |
| دیتا ہے | اپنا ملک | اس کو جس کو | وہ چاہتا ہے | اور اللہ | وسعت دینے والا ہے |

| |
|---|
| عَلِيۡمٌ |
| خوب جاننے والا ہے |

**نوٹ** حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی نسل سے یہودیوں کے جو بارہ خاندان ہوئے وہ بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔ ان میں سے لاوہ بن یعقوبؑ کا قبیلہ وہ تھا جس میں بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اسی قبیلہ سے تھے۔ یہودا بن یعقوبؑ کا قبیلہ حکومت و سلطنت کے لیے مخصوص تھا۔ اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اسی قبیلہ میں سے تھے۔ سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا جس میں سے طالوت تھے۔ یہ قبیلہ مالی طور پر کوئی خاص حیثیت نہ رکھتا تھا۔ خود طالوت سقایت (پانی بھرنا) یا دباغت (چمڑا رنگنا) کا کام کیا کرتے تھے ان اسباب کی وجہ سے لاوی بن یعقوب اور یہودا ابن یعقوب کے قبیلے کے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان کو چھوڑ کر یہ سرداری قبیلہ یامین کے پاس کیسے چلی گئی۔ (بحوالہ انوار البیان، ج ا،ص: ۲۰۲)۔

## آیت: 248

﴿وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۲۴۸﴾

| | | |
|---|---|---|
| س ک ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ت ر ک: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |

**ت ب ت**

(X) X اس مادہ سے کسی باب میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔

**تَابُوۡتٌ** اسم ذات ہے۔ صندوق۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ﴾ ''بے شک اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس تابوت۔'' نوٹ: بعض علماء کے نزدیک اس کا مادہ 'ت و ب' ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں اور اسے تابوت اس لیے کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں سے نکالی جاتی تھی وہ پھر واپس اسی میں چلی آتی تھی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ انوار البیان، ج ا،ص: ۲۰۳)۔

ب ق ی

(س) بَقَاءٌ (۱) کسی چیز کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا۔ ہمیشہ رہنا۔ باقی رہنا۔ اس کی ضد فناء ہے۔ (۲) باقی بچنا۔ ﴿وَّ یَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ﴾ (55/الرحمٰن:27) ''اور ہمیشہ رہے گا تیرے رب کا چہرہ یعنی اس کی ذات۔'' ﴿وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا﴾ (2/البقرۃ:278) ''اور تم لوگ چھوڑ دو اس کو جو باقی بچا سود میں سے۔''

بَاقٍ ج: بَاقُوۡنَ۔ بَاقِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ باقی رہنے والا۔ ﴿مَا عِنۡدَكُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (16/النحل:96) ''جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔'' ﴿ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ﴾ (26/الشعراء:120) ''پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اَلۡبَاقِیۡ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ذات جو ہمیشہ رہے اور اس پر کبھی فناء طاری نہ ہو۔ اس معنی میں یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بَاقِیَةٌ ج: بَاقِیَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ باقی رہنے والی۔ ﴿وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ﴾ (43/الزخرف:28) ''اور وہ اس (عقیدہ) کو اپنی اولاد میں (بھی) ایک قائم رہنے والی بات کر گئے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَ الۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا﴾ (18/الکھف:46) ''اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

اَبۡقٰی افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ (۱) دیر تک رہنے والا۔ ﴿وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبۡقٰی﴾ (20/طٰہٰ:127) ''اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر پا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) اس لفظ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے سدا باقی رہنے والا۔ ہمیشہ رہنے والا۔ ﴿وَ اللّٰهُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی﴾ (20/طٰہٰ:73) ''اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ رِزۡقُ رَبِّكَ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی﴾ (20/طٰہٰ:131) ''اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

بَقِیَّةٌ اور بَقِیَّتٌ بَقَاءٌ سے فَعِیۡلَةٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ (۱) بچی ہوئی چیز، باقی ماندہ، باقی رکھا ہوا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰی وَ اٰلُ هٰرُوۡنَ﴾ ''اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰؑ اور اولادِ ہارونؑ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾ (11/ھود:86) ''جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیے سے وہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) عقل و دانش۔ خیر۔ اُولُوۡا بَقِیَّةٍ: سمجھدار لوگ۔ اہل خیر۔ وہ لوگ جن کی صحیح رائے اور عقل باقی رہے۔ ﴿فَلَوۡ لَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِیَّةٍ یَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِی الۡاَرۡضِ﴾ (11/ھود:116) ''پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے سمجھدار لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اُولُوۡا بَقِیَّةٍ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کیے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی۔'' (تفسیر ماجدی، ص:۵۱۵) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''بقیۃ سے مراد عقل و دانش ہے اور اسے بقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان وہی چیز محفوظ رکھتا ہے جو نہایت ہی عمدہ ہو۔ عرب جب یہ بتاتے ہیں کہ فلاں آدمی زیرک اور عقلمند ہے تو کہتے ہیں: فلان ذو بقیة یقال فلان من بقیة القوم من خیارھم۔'' (مظہری بحوالہ ضیاء القرآن، ج۲، ص:۳۹۷)۔

(افعال) **اِبْقَاءٌ** باقی رہنے دینا۔ باقی چھوڑنا۔ ﴿وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ࣙالْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۙ﴾ (53/النجم:50-51) ''اور یہ کہ اس نے ہلاک کیا پہلی قومِ عاد کو اور ثمود کو تو باقی نہیں چھوڑا۔'' ﴿لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ﴾ (74/المدثر:28) ''نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔''

**ح م ل**

(ض) **حَمْلًا** (۱) بوجھ اٹھانا۔ یہ لفظ ہر قسم کا بوجھ اٹھانے کے لیے بولا جاتا ہے خواہ بوجھ ظاہری ہو یا باطنی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝﴾ (20/طٰہٰ:111) ''اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (29/العنکبوت:13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا﴾ (12/یوسف:36) ''بیشک میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں اُٹھاتا ہوں اپنے سر کے اُوپر روٹی۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ﴾ ''اٹھائے ہوئے ہوں گے اس کو فرشتے۔''

(۲) کسی پر بوجھ ڈالنا۔ ان معنوں میں عموماً عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ﴾ (2/البقرہ:286) ''اے ہمارے رب! اور تو بوجھ نہ ڈال ہم پر۔''

(۳) کسی کو کسی چیز پر لادنا یعنی سوار کرنا یا سواری دینا۔ ﴿وَّلَا عَلَي الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠﴾ (9/التوبہ:92) ''اور نہ ہی ان لوگوں پر (گناہ) ہے کہ جب وہ آئے آپؐ کے پاس تاکہ آپؐ ان کو سواری دیں تو آپؐ نے کہا کہ میں نہیں پاتا اس کو، میں سوار کروں تم کو جس پر۔'' ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ۙ﴾ (69/الحاقۃ:11) ''ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۴) حَمَلَتِ الْمَرْءَةُ: عورت کا حاملہ ہونا۔

**اِحْمِلْ** فعل امر ہے۔ تو بوجھ اُٹھا۔ تو بوجھ ڈال۔ تو سوار کر۔ ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ (11/ھود:40) ''تو ہم نے (نوحؑ) کو فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر و مادہ دو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**حَامِلٌ** ج: حَامِلُوْنَ۔ حَامِلِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ بوجھ اُٹھانے والا۔ ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ﴾ (29/العنکبوت:12) ''حالانکہ وہ لوگ اُٹھانے والے نہیں ہیں ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔''

**حَامِلَةٌ** ج: حَامِلَاتٌ: اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ بوجھ اٹھانے والی۔ ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ۙ﴾ (51/الذاریات:2) ''پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش) کو اٹھاتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ بادل کو تشبیہ کے طور پر حامل کہا جاتا ہے۔

**حَمَّالٌ** فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ مؤنث: حَمَّالَةٌ۔ بہت زیادہ بوجھ اٹھانے والی۔ ﴿وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ۚ﴾ (111/اللھب:4) ''اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے (مراد خار دار لکڑیاں ہیں)۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**حَمُوْلٌ** فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ مؤنث: حَمُوْلَةٌ۔ بہت زیادہ بوجھ اٹھانے والا۔ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ﴾ (6/الانعام:142) ''اور پیدا کیے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**حَمْلٌ** ج: اَحْمَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ بوجھ۔ عام طور پر اس کا استعمال اس بوجھ کے لیے ہوتا ہے جو باطن میں اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً پیٹ میں بچہ، بادل میں پانی اور درخت میں پھل۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا﴾ (7/الاعراف:189) ''پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَاُولَاتُ

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴿(65/الطلاق:4)'' اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**حِمْلٌ** ج: اَحْمَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ بوجھ۔ اس کا استعمال عام طور پر اس بوجھ کے لیے ہوتا ہے جو حسی طور پر اٹھایا جاتا ہے جیسے کسی کی پیٹھ پر اگر کوئی بوجھ لاد دیا جائے تو وہ حِمل کہلائے گا۔ ﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ (35/فاطر:18)'' اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ﴾ (12/یوسف:72)'' اور جو لائے گا اس کو، اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔'' ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾﴾ (20/طٰہٰ:101) '' اور بہت تکلیف دہ ہوگا اُن کے لیے روز قیامت یہ بوجھ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) **تَحْمِيْلًا** (۱) کسی سے بوجھ اُٹھوانا۔ کسی پر بوجھ رکھنا۔ (۲) کسی پر کوئی چیز لازم کرنا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ (2/البقرۃ:286)'' اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔'' اے ہمارے پروردگار نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ﴾ (24/النور:54)'' پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) **اِحْتِمَالًا** بوجھ اٹھانا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾﴾ (33/الاحزاب:58)'' اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ترکیب** 'وَ' عطف کا ہے۔ قَالَ کا فاعل نَبِيُّهُمْ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، اٰيَةَ مُلْكِهٖ، مرکب اضافی اس کا اسم ہے، اس لیے اس کے مضاف اٰيَةَ پر نصب آئی ہے۔ اٰيَةَ مُلْكِهٖ کی ضمیر طالوت کے لیے ہے۔ جملہ فعلیہ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ، اِنَّ کی خبر ہے۔ يَاْتِيَ کا فاعل اَلتَّابُوْتُ ہے۔ فِيْهِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ سَكِيْنَةٌ مبتداء موخر ہے اور مِّنْ رَّبِّكُمْ، سَكِيْنَةٌ سے متعلق ہے۔ بَقِيَّةٌ، سَكِيْنَةٌ پر عطف ہے۔ اور جملہ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اس سے متعلق ہے۔ تَحْمِلُهُ کی ضمیر مفعولی اَلتَّابُوْتُ کے لیے ہے، جبکہ اَلْمَلٰٓئِكَةُ اس کا فاعل ہے اور یہ پورا جملہ حال ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، فِيْ ذٰلِكَ متعلق خبر مقدم ہے جبکہ لَاٰيَةً اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ اِنْ حرف شرط ہے كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ جملہ شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔ سلیمان یاقوتؒ کے مطابق اس کی تقدیر یوں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاقْبَلُوْهُ مَلِكًا عَلَيْكُمْ۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:248 |

| وَقَالَ | لَهُمْ | نَبِيُّهُمْ | اِنَّ | اٰيَةَ مُلْكِهٖ | اَنْ | يَّاْتِيَكُمُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور کہا | ان سے | ان کے نبی نے | بیشک | اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے | کہ | آئے گا تمہارے پاس |

| التَّابُوْتُ | فِيْهِ | سَكِيْنَةٌ | مِّنْ رَّبِّكُمْ | وَبَقِيَّةٌ | مِّمَّا |
|---|---|---|---|---|---|
| صندوق | اس میں | اطمینان ہوگا | تمہارے رب (کی طرف) سے | اور بچی ہوئی چیزیں ہوں گی | اس میں سے جن کو |

| تَرَكَ | اٰلُ مُوْسٰى | وَاٰلُ هٰرُوْنَ | تَحْمِلُهُ |
|---|---|---|---|
| چھوڑ گئی | اولادِ موسیٰؑ | اور اولادِ ہارونؑ | اُٹھائے ہوئے ہوں گے اس (صندوق) کو |

| كُنْتُمْ | اِنْ | لَكُمْ | لَاٰيَةً | فِيْ ذٰلِكَ | اِنَّ | الْمَلٰٓئِكَةُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تم | اگر | تم لوگوں کے لیے | ایک نشانی ہے | اس میں | بیشک | فرشتے |

| مُّؤْمِنِيْنَ |
|---|
| ایمان لانے والے ہو |

**نوٹ** ''بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اُس میں تبرکات تھے۔ حضرت موسیٰؑ وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل اُس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اُس کی برکت سے فتح دیتا۔ جب جالوت غالب آیا اُن پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اُس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پہنچا گئے بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا'' (تفسیر عثمانی،ص:۵۱)۔ مزید تفصیل تفسیر ماجدی سے دیکھیں۔

## آیت:249

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ف ص ل: البقرۃ آیت 233 دیکھیں۔ | ب ل و: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | ن ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ش ر ب: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ط ع م: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ط و ق: البقرۃ آیت 184 دیکھیں۔ |
| ظ ن ن: البقرۃ آیت 46 دیکھیں۔ | ل ق ی: البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ | ق ل ل: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ |
| ک ث ر: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ء ذ ن: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔ |

**ج ن د**

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

جُنْدٌ ج: جُنُوْدٌ۔ اسم جمع ہے۔ فوج۔ لشکر۔ گروہ۔ جماعت۔ ﴿اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (44/الدخان:24) ''بیشک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کوئی طاقت نہیں ہے ہم میں (جنگ کے لیے) آج جالوت سے اور اس کے لشکروں سے۔''

**غ ر ف**

(ض) غَرْفًا کسی چیز کو اٹھانا۔ کسی چیز کو ہاتھ سے لینا یا پکڑنا۔ کسی چیز کو الٹانا۔ عربی میں کہتے ہیں: غَرَفْتُ الْمَاءَ اَوِ الْمَرَقَ میں نے پانی یا شوربہ لیا۔

**غُرْفَةٌ** (۱) بالا خانہ۔ کسی مکان کی بالائی منزل یا اونچا مکان۔ عربی زبان میں مکان کے اس حصے کو بھی غرفہ کہتے ہیں جو دوسرے حصوں سے ممتاز اور الگ ہو۔ ان معنوں میں اس کی جمع غُرَفٌ اور غُرُفَاتٌ آتی ہے۔ ﴿ أُولَٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ﴾ (25/الفرقان:75) ''یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلہ ملے گا (جنت کا) بالا خانہ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ ﴾ (39/الزمر:20) ''البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ﴾ (34/سبا:37) ''اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) چلو بھر پانی۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ﴾ ''مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے۔''

(افتعال) **اِغْتِرَافًا** بھرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ﴾ ''مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے۔''

### ج و ز

(ن) **جَوْزًا** کسی چیز کے وسط میں ہونا۔

(مفاعلہ) **مُجَاوَزَةً** کسی چیز کے وسط سے آگے گزر جانا، اسے پار کرنا اور آگے بڑھنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ﴾ ''پھر جب اس نے پار کیا اس (دریا) کو، اس نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ۔'' اس کے ساتھ جب 'ب' کا صلہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو پار کرانا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ ﴾ (7/الاعراف:138) ''اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفاعل) **تَجَاوُزًا** (۱) کسی چیز سے آگے بڑھنا۔ (۲) نظر انداز کرنا۔ درگزر کرنا۔ ﴿ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴾ (46/الاحقاف:16) ''اور ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

### غ ل ب

(ض) **غَلَبًا، غَلْبًا** کسی پر غالب آنا۔ کسی پر بالادستی حاصل کرنا۔ اس کی ساتھ عموماً علٰی کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ ''کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب ہوئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔'' ﴿ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ﴾ (23/المؤمنون:106) ''اے ہمارے رب! غلبہ پایا ہم پر ہماری بدبختی نے۔'' ﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴾ (18/الکہف:21) ''کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴾ (30/الروم:3) ''اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت میں مصدر غَلَبٌ مجہول بمعنی 'مغلوب ہونا' استعمال ہوا ہے۔

**غُلِبَ** ماضی مجہول ہے۔ وہ مغلوب ہوا۔ ﴿ غُلِبَتِ الرُّومُ ﴾ (30/الروم:2) ''مغلوب ہوئے رومی۔''

**غَالِبٌ** ج: غَالِبُونَ۔ غَالِبِينَ۔ اسم الفاعل ہے۔ غالب آنے والا۔ غلبہ پانے والا۔ ﴿ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ﴾ (3/آل عمران:160) ''اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ﴾ (5/المائدۃ:23) ''اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آجاؤ گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴾ (7/الاعراف:113) ''جادوگروں

نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہیے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مَغۡلُوۡبٌ** اسم المفعول ہے۔ جس پر غلبہ پایا گیا۔ عاجز۔﴿ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴾ (54/القمر:10) "پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلہ لے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(س) **غَلَبًا** موٹی گردن والا ہونا۔

**اَغۡلَبُ** مؤنث: غَلۡبَآءُ۔ ج: غُلۡبٌ۔ افعل الوان وعیوب ہے۔ موٹی گردن والا۔ موٹے تنے والا بھاری درخت۔﴿ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴾ (80/عبس:30) "اور گھنے باغات۔" اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "جو درخت بھاری بھرکم ہو اس کو شجرۃ غَلۡبَاءُ کہتے ہیں۔ شیر کو اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حدیقۃ غلبًا کا معنی یہ ہوگا کہ وہ باغات جن کے درخت بھاری بھرکم ہوتے ہیں جن کی شاخیں باغ میں پیوست ہوتی ہیں۔" (ضیاء القرآن، ج۵ ص:۴۹۶)۔

| ف ء ی |
|---|

(ف) **فَاۡیًا** کسی چیز کو پھاڑ دینا۔

**فِئَةٌ** تثنیہ: فِئَتَانِ۔ فِئَتَیۡنِ۔ پھٹا ہوا ٹکڑا۔ جماعت۔ گروہ۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِیۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِیۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾ "کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب ہوئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔"﴿ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الۡفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیۡهِ ﴾ (8/الانفال:48) "پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔﴿ قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ﴾ (3/آل عمران:13) "بیشک تمہارے لیے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔ نوٹ: امام راغبؒ نے فِئَةٌ کو ف ی ء کے تحت بیان کیا ہے جبکہ مصباح اللغات میں یہ لفظ 'ف ء ی' کے تحت آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

## ترکیب

'ف' استنافیہ ہے۔ لَمَّا حرف شرط اور فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ جملہ شرطیہ ہے۔ فَصَلَ فعل ہے، طَالُوۡتُ اس کا فاعل ہے اور بِالۡجُنُوۡدِ متعلق فعل ہے۔ آگے جملہ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِیۡكُمۡ بِنَهَرٍ جواب شرط ہے۔ قَالَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اللّٰهُ اس کا اسم ہے اور مُبۡتَلِیۡكُمۡ بِنَهَرٍ خبر ہے۔ آگے پھر دو جملہ شرطیہ آرہے ہیں۔ چنانچہ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ جملہ شرطیہ ہے اور فَلَیۡسَ مِنِّیۡ اس کا جواب شرط ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور مَنۡ لَّمۡ یَطۡعَمۡهُ جملہ شرطیہ ہے اور فَاِنَّهٗ مِنِّیۡۤ جواب شرط ہے۔ اِلَّا حرف استثناء ہے، مَنۡ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةًۢ بِیَدِهٖ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہے۔ فَشَرِبُوۡا میں 'ف' استنافیہ ہے شَرِبُوۡا فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل هُمۡ ضمیر ہے اور مِنۡهُ متعلق فعل ہے، اِلَّا حرف استثناء ہے، قَلِیۡلًا مستثنیٰ ہے اور مِّنۡهُمۡ، قَلِیۡلًا سے متعلق ہے۔ فَلَمَّا میں 'ف' حرف عطف ہے، لَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جملہ شرطیہ ہے اور جملہ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡیَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ جواب شرط ہے۔ قَالَ فعل ہے الَّذِیۡنَ اسم موصول ہے اور جملہ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ اس کا صلہ ہے، صلہ اور موصول مل کر قَالَ کا فاعل ہے۔ كَمۡ خبریہ ہے اور مبتداء ہے، مِّنۡ فِئَةٍ قَلِیۡلَةٍ اس کی تمیز ہے جبکہ جملہ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِیۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ 'وَ' استنافیہ ہے لفظ اللّٰهُ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور ظرف مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ متعلق خبر ہے۔ لَا طَاقَةَ لَنَا کے بعد لِلۡقِتَالِ محذوف ہے۔ مُلٰقُوۡا دراصل اسم الفاعل مُلٰقُوۡنَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہے اور اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ كَمۡ خبریہ ہے اس لیے فِئَةٌ کا ترجمہ جمع میں ہوگا۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرة:249 |

| فَلَمَّا | فَصَلَ | طَالُوْتُ | بِالْجُنُوْدِ | قَالَ | اِنَّ اللّٰهَ |
|---|---|---|---|---|---|
| پھر جب | روانہ ہوا | طالوت | (اپنی) فوجوں کے ساتھ | تو اس نے کہا | بیشک اللہ |

| مُبْتَلِيْكُمْ | بِنَهَرٍ | فَمَنْ | شَرِبَ | مِنْهُ | فَلَيْسَ | مِنِّيْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تم لوگوں کو آزمانے والا ہے | ایک نہر سے | پس جس نے | پیا | اس سے | تو وہ نہیں ہے | میرے (ساتھیوں) میں سے |

| وَمَنْ | لَّمْ يَطْعَمْهُ | فَاِنَّهٗ | مِنِّيْٓ | اِلَّا | مَنِ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور جس نے | نہ چکھا اُس کو | تو بیشک وہ | میرے (ساتھیوں) میں سے | مگر | جس نے |

| اغْتَرَفَ | غُرْفَةً | بِيَدِهٖ | فَشَرِبُوْا | مِنْهُ |
|---|---|---|---|---|
| بھرلیا | (صرف) ایک چلّو | اپنے ہاتھ سے | پھر ان سب نے پیا | اس سے |

| اِلَّا | قَلِيْلًا | مِّنْهُمْ | فَلَمَّا | جَاوَزَهٗ | هُوَ |
|---|---|---|---|---|---|
| مگر | تھوڑے (آدمیوں) نے | ان میں سے (نہیں پیا) | پھر جب | اس (طالوت) نے پار کیا اس (دریا) کو | اس نے |

| وَالَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا | مَعَهٗ | قَالُوْا | لَا طَاقَةَ |
|---|---|---|---|---|
| اور ان لوگوں نے جو | ایمان لائے تھے | اس کے ساتھ | تو انہوں نے کہا | کوئی طاقت نہیں |

| لَنَا | الْيَوْمَ | بِجَالُوْتَ | وَجُنُوْدِهٖ | قَالَ | الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم میں (لڑائی کرنے کی) | آج | جالوت سے | اور اس کے لشکروں سے | کہا | انہوں نے جو |

| يَظُنُّوْنَ | اَنَّهُمْ | مُّلٰقُوا اللّٰهِ | كَمْ مِّنْ | فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ |
|---|---|---|---|---|
| یقین رکھتے تھے | کہ وہ | اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں | (کہ) کتنی ہی بار | چھوٹی جماعتیں |

| غَلَبَتْ | فِئَةً كَثِيْرَةً | بِاِذْنِ اللّٰهِ | وَاللّٰهُ | مَعَ الصّٰبِرِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| غالب ہوئیں | بڑی جماعتوں پر | اللہ کے حکم سے | اور اللہ | صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے |

## آیت:250

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰﴾

ج ن د: البقرة آیت 249 دیکھیں۔ ص ب ر: البقرة آیت 45 دیکھیں۔ ق و م: البقرة آیت 95 دیکھیں۔
ن ص ر: البقرة آیت 48 دیکھیں۔ ك ف ر: البقرة آیت 6 دیکھیں۔

**ب ر ز**

(ن) بُرُوْزًا (۱) کسی کھلی جگہ میں چلے جانا۔ (۲) کہیں سے نکلنا۔ (۳) کسی چیز کا کھلم کھلا ظاہر ہونا۔ کسی چھپی چیز کا ظاہر ہو کر سامنے

آنا۔ ﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾(3/آل عمران:154) ''آپ فرمائیے کہ اگر تم بیٹھے ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ﴾ ''اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس کی فوجوں کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾(4/النساء:81) ''اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

بَارِزٌ — ج: بَارِزُوْنَ۔ بَارِزِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نکلنے والا۔ ظاہر ہونے والا۔ ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ﴾(40/المومن:16) ''جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

بَارِزَةٌ — صاف اور کھلی ہوئی۔ ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾(18/الکھف:47) ''اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعیل) تَبْرِيْزًا — نکالنا۔ کسی چھپی ہوئی چیز کو سامنے لانا۔ ظاہر کرنا۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾(26/الشعراء:91) ''اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ بہکنے والوں کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ف ر غ

(ن) فَرَاغًا — (۱) فارغ ہونا۔ خالی ہونا۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾(94/الم نشراح:7) ''تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہو جایا کریں تو (دوسری عبادات متعلقہ بذات خاص میں) محنت کیا کیجئے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾(55/الرحمٰن:31) ''اے جن وانس ہم عن قریب تمہارے (حساب وکتاب کے لیے) خالی ہوئے جاتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ''ہم جلد فارغ ہونے والے ہیں تمہاری طرف اے دو بھاری قافلو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۲) توجہ کرنا۔ قصد کرنا۔ ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾(55/الرحمٰن:31) ''ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہاں فرغ بمعنی قصد مستعمل ہوا ہے، چنانچہ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ سنفرغ کا معنی توجہ کرنا، قصد کرنا ہے۔ جریر کے مصرع میں فرغت بمعنی قصدت ہے اور حضرت صدیقؓ کے اس قول افرغ الی اضیافك کا معنی ہے اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز عرب جب کسی کو دھمکی دیتے ہیں تو کہتے ہیں اذا تضرغ الیك ای اقصدلك کہ میں اب تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تیری خبر لوں گا۔'' (ضیاء القرآن، ج۵ ص:۷۵)۔

(ک) فَرَاغَةً — بے چین ہونا۔ گھبرانا۔

فَارِغٌ — اسم الفاعل ہے۔ بے چین ہونے والا۔ بے قرار۔ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾(28/القصص:10) ''اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔''

(افعال) اِفْرَاغًا — کسی برتن سے پانی گرا کر اُسے خالی کر دینا۔ اُنڈیلنا۔ بہانا۔ ﴿اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾(18/الکھف:96) ''تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اَفْرِغْ — فعل امر ہے۔ تو ڈال دے۔ تو اُنڈیل دے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ''تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

## ث ب ت

(ن) ثَبَاتًا، ثُبُوْتًا — ایک حالت پر جمے رہنا۔ قائم رہنا۔ ثابت قدم رہنا۔ اس کی ضد زوال ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾(16/النحل:94) ''اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ، ورنہ (جادہ

حق سے) پھسل جائے گا لوگوں کا قدم (اس پر) جم جانے کے بعد۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اُثْبُتْ** ج: اُثْبُتُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جما رہ۔ تو قائم رہ۔ ﴿اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ (8/الانفال:45) ''جب بھی تم لوگ سامنے آؤ (مقابلہ کے لیے) کسی جماعت کے تو تم لوگ جمے رہو۔''

**ثَابِتٌ** اسم الفاعل ہے۔ جما رہنے والا۔ قائم رہنے والا۔ ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ (14/ابراہیم:24) ''جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اُس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ثَابِتٌ کا لفظ اس پر بھی بولا جاتا ہے جو نظروں کے سامنے موجود ہو اور اس پر بھی جو کسی دلائل کی رو سے صحیح ہو مثلاً: فُلَانٌ ثَابِتٌ عِنْدِيْ فلاں حکم میرے نزدیک دلیل کی رو سے صحیح ہے۔ نَبُوَّةُ النَّبِيِّ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وسلم ثَابِتَةٌ آنحضرت کی نبوت ثابت ہے یعنی از روئے دلائل صحیح ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ا، ص:۱۵۱)۔

(افعال) **اِثْبَاتًا** (۱) پیدا کرنا۔ عدم سے وجود میں لانا۔ اَثْبَتَ اللّٰہُ یعنی اللہ نے پیدا کیا۔ (۲) کسی کو باقی رکھنا۔ کسی کو قائم رکھنا۔ برقرار رکھنا۔ (۳) روک دینا۔ قید کرنا۔ گرفتار کرنا۔ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ﴾ (13/الرعد:39) ''اللہ مٹاتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور باقی رہنے دیتا ہے۔'' ﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ (8/الانفال:30) ''اور اس واقعے کا بھی ذکر کیجیے جبکہ کافر لوگ آپؐ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپؐ کو قید کر لیں یا آپؐ کو قتل کر ڈالیں یا آپؐ کو خارجِ وطن کر دیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(تفعیل) **تَثْبِيْتًا** کسی کو جما دینا۔ کسی کو قائم رکھنا۔ کسی کو پختہ کرنا۔ ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ (25/الفرقان:32) ''تاکہ ہم جما دیں اس سے آپؐ کے دِل کو۔'' ﴿وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (2/البقرۃ:265) ''اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں اُن کے دل۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ثَبِّتْ** ج: ثَبِّتُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جما دے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ ''اور تو جما دے ہمارے قدموں کو۔'' ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (8/الانفال:12) ''یاد کرو جب وحی فرمائی آپؐ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ترکیب

''وَ'' عطف کا ہے۔ لَمَّا شرطیہ ہے۔ بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ شرط ہے اور قَالُوْا سے آخیر تک جواب شرط ہے۔ بَرَزُوْا اور قَالُوْا دونوں کے فاعل ان کی هُمْ ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ کے لیے ہیں۔ اَفْرِغْ، ثَبِّتْ اور اُنْصُرْ فعل امر کے صیغے ہیں۔ قَوْمٌ جمع ہے اس لیے اس کی صفت جمع آئی ہے۔

## ترجمہ

البقرۃ:250

| وَلَمَّا | بَرَزُوْا | لِجَالُوْتَ | وَجُنُوْدِهٖ | قَالُوْا |
|---|---|---|---|---|
| اور جب | وہ سامنے آ گئے | جالوت کے | اور اس کے لشکروں کے | تو انہوں نے کہا |

| رَبَّنَآ | اَفْرِغْ | عَلَيْنَا | صَبْرًا | وَّثَبِّتْ | اَقْدَامَنَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اے ہمارے رب! | تو ڈال دے | ہم پر | صبر | اور تو جما دے | ہمارے قدموں کو |

| وَانْصُرْنَا | عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ |
|---|---|
| اور تو ہماری مدد فرما | قوم کفار پر |

## آیت:251

﴿ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۲۵۱ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ذ ن: البقرة آیت 19 دیکھیں۔ | ق ت ل: البقرة آیت 54 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرة آیت 23 دیکھیں۔ |
| م ل ك: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ح ك م: البقرة آیت 32 دیکھیں۔ | ش ی ء: البقرة آیت 20 دیکھیں۔ |
| ب ع ض: البقرة آیت 26 دیکھیں۔ | ف س د: البقرة آیت 11 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرة آیت 47 دیکھیں۔ |

### ھ ز م

(ض) هَزْمًا، هَزِيْمَةً مارنا۔ توڑنا۔ شکست دینا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْهَزْمُ کے اصل معنی کسی خشک چیز کو دبا کر توڑ دینے کے ہیں۔ خشک اور پرانے مشکیزہ کو دبا کر توڑ ڈالنے یا تربوز ککڑی وغیرہ کے توڑنے پر ھزم کا لفظ بولا جاتا ہے اور اسی سے ہزیمت (بمعنی شکست) ہے جس طرح خَطْمٌ یا کَسْرٌ کا لفظ مجازاً شکست کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح هَزَمَ کا لفظ بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۱۱۶۴)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ ﴾ ''پس انہوں نے شکست دی اُن (جالوت اور اس کے لشکر) کو اللہ کے حکم سے۔'' ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ ﴾ (54/القمر:45) ''عنقریب اُن کی یہ جماعت شکست کھاوے گی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

مَهْزُوْمٌ اسم المفعول ہے۔ شکست دیا ہوا۔ ﴿ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۱۱ ﴾ (38/صٓ:11) ''(درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بدر میں) شکست دی جائے گی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### د ف ع

(ف) دَفْعًا (۱) کسی چیز کو ہٹانا۔ دور کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ ﴾ ''اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے ہٹانا۔ بچانا۔ دفاع کرنا۔ ان معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۳) کسی چیز کو کسی کے حوالے کرنا۔ ان معنوں میں عموماً اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ (4/النساء:6) ''پھر جب تم حوالے کرو ان کو، ان کے مال تو گواہ بناؤ ان پر۔''

اِدْفَعْ ج: اِدْفَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ مذکورہ تینوں معانی میں آتا ہے۔ (۱) ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:34) ''اور برابر نہیں ہوتی نیکی اور برائی۔ تو آپؐ دور کریں (برائی کو) اُس (طریقے) سے جو سب سے اچھا ہو۔''

(۲) ﴿ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ ﴾ (3/آل عمران:167) ''اور کہا گیا ان سے کہ تم لوگ آؤ لڑائی کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔''

(۳) ﴿ فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ ﴾ (4/النساء:6) ''تو تم لوگ حوالے کر دو ان کو، ان کے مال۔''

دَافِعٌ اسم الفاعل ہے۔ ہٹانے والا۔ بچانے والا۔ ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۸ ﴾ (52/الطور:7-8) ''یقیناً آپؐ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔''

(مفاعلہ) مُدَافَعَۃً اور دِفَاعًا دِفاع کرنا۔ بچانا۔ ہٹانا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ (22/الحج:38) ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے غلبہ وغیرہ کو ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ''یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکر وفریب سے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''امام راغبؒ اصفہانی یدافع کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر دفع کا صلہ الٰی ہوگا تو اس کا معنی کسی کو کوئی چیز دینا ہوگا جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ﴾ ''یعنی ان کو ان کے مال دے دو۔'' اور اگر اس کا صلہ ''عن'' ہوگا تو اس میں حمایت اور نصرت کا مفہوم پایا جائے گا۔ و اذا عُدِّی بعن اقتضی معنی الحمایۃ - نحو- ان اللّٰہ یدافع عن الذین اٰمنوا الخ منجد میں ہے دافع عنہ حامہ عنہ و انتصر لہ۔ یہاں کیونکہ صلہ ''عن'' ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے مقابلہ میں جب اہل ایمان سینہ سپر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ان کے شامل حال ہوگی اور ان کا دفاع کرے گی۔'' (ضیاء القرآن، ج ۳، ص: ۲۱۷)۔

## ترکیب

فَھَزَمُوْا کا فاعل اس کی ھُمْ ضمیر ہے جو آیت نمبر-249 میں مذکور اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ کے لیے ہے۔ اس کے آگے ھُمْ ضمیر مفعولی ہے جو گزشتہ آیت میں لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ کے لیے ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ متعلق فعل ہے۔ قَتَلَ کا فاعل دَاوٗدُ ہے اور جَالُوْتَ اس کا مفعول ہے۔ وَاٰتٰىهُ اللّٰہُ میں اٰتٰی کا فاعل اَللّٰہُ ہے، اس میں ہٗ ضمیر حضرت داوٗدؑ کے لیے ہے اور یہ اس کا مفعول اوّل ہے، جبکہ اَلْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ مفعول ثانی ہیں۔ عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہٗ ضمیر مفعولی حضرت داوٗدؑ کے لیے ہے اور مرکب جاری مِمَّا یَشَآءُ متعلق فعل ہے۔ آگے وَ استینافیہ ہے۔ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ جملہ شرطیہ ہے اور لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ جواب شرط ہے۔ دَفْعُ مصدر نے فعل کا کام کیا ہے اور اَلنَّاسَ اس کا مفعول ہے، جبکہ اَلنَّاسَ کا بدل ہونے کی وجہ سے بَعْضَھُمْ منصوب ہوا ہے۔ آگے وَ استینافیہ ہے، لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰہ اس کا اسم ہے ذُوْ فَضْلٍ اس کی خبر اور عَلَی الْعٰلَمِیْنَ متعلق خبر ہے۔ اَلْعٰلَمِیْنَ پر لام جنس ہے۔

| ترجمہ |
| --- |
| البقرۃ:251 |

| فَهَزَمُوْهُمْ | بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ | وَقَتَلَ | دَاوٗدُ |
| --- | --- | --- | --- |
| پس انہوں نے شکست دی ان (جالوت اور اُس کے لشکر) کو | اللہ کے حکم سے | اور قتل کیا | داوٗدؑ نے |

| جَالُوْتَ | وَاٰتٰىهُ | اللّٰهُ | الْمُلْكَ | وَالْحِكْمَةَ | وَعَلَّمَهٗ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| جالوت کو | اور عطا فرمائی اُنؑ کو | اللہ نے | بادشاہت | اور دانائی | اور اس نے سکھایا انؑ کو |

| مِمَّا | يَشَآءُ ؕ | وَلَوْلَا | دَفْعُ اللّٰهِ | النَّاسَ |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| اس میں سے جس میں سے | اس نے چاہا | اور اگر نہ ہوتا | اللہ کا دور کرنا | لوگوں کو، |

| بَعْضَهُمْ | بِبَعْضٍ ۙ | لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ | وَلٰكِنَّ اللّٰهَ |
| --- | --- | --- | --- |
| ان کے بعض کو | بعض سے | تو برباد ہو جاتی زمین | ولیکن اللہ |

| ذُوْ فَضْلٍ | عَلَى الْعٰلَمِيْنَ |
| --- | --- |
| فضل (کرنے) والا ہے | تمام جہانوں پر |

## آیت: 252

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ت ل و: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ر س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

تِلْكَ مبتداء ہے اور مرکب اضافی اٰيٰتُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ نَتْلُوْهَا میں نَتْلُوْ کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے اور هَا اس کا مفعول ہے۔ عَلَيْكَ اور بِالْحَقِّ متعلق فعل ہیں۔ هَا ضمیر مفعولی اٰیت کے لیے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے ضمیر كَ اس کا اسم ہے، خبر محذوف ہے اور لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ متعلق خبر ہے۔ لَمِنَ پر لام مزحلقہ ہے۔

| ترجمہ | تِلْكَ | اٰيٰتُ اللّٰهِ | نَتْلُوْهَا | عَلَيْكَ | بِالْحَقِّ ؕ | وَ اِنَّكَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:252 | یہ | اللہ کی آیات ہیں | ہم پڑھ کر سناتے ہیں انہیں | آپؐ کو | ٹھیک ٹھیک | اور بیشک آپؐ |

| لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ |
|---|
| بھیجے ہوؤں (یعنی رسولوں) میں سے ہیں |

## آیت: 253

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ر س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | ك ل م: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ |
| ر ف ع: البقرۃ آیت 63 دیکھیں۔ | د ر ج: البقرۃ آیت 228 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ء ی د: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ق د س: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ | ج ی ء: البقرۃ آیت 71 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| ر و د: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب**

تِلْكَ الرُّسُلُ مرکب اشاری ہے اور مبتداء ہے۔ آگے پورا جملہ فعلیہ فَضَّلْنَا سے بَعْضٍ تک اس کی خبر ہے۔ فَضَّلْنَا کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ ضمیر ہے۔ بَعْضَهُمْ اس کا مفعول ہے اور عَلٰى بَعْضٍ متعلق فعل ہے۔ مِنْهُمْ متعلق خبر ہے اور مقدم ہے۔ مَنْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ كَلَّمَ اللّٰهُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء موخر ہیں۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ وَ عطف کا ہے رَفَعَ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ بَعْضَهُمْ اس کا مفعول ہے اور دَرَجٰتٍ سے پہلے حرف جر فِيْ محذوف ہے۔ اس طرح یہ متعلق فعل بنتا ہے۔ اس کو حال اور مفعول ثانی بھی مانا گیا ہے۔ اس کو تمیز ماننے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمیز عموماً واحد نکرہ آتی ہے۔ اٰتَيْنَا کا مفعول اوّل عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ہے اس لیے ابْنَ منصوب ہے۔

جبکہ اَلْبَیِّنٰتِ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔ اَیَّدْنٰہُ میں اَیَّدْنَا کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی حضرت عیسیٰؑ کے لیے ہے۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ متعلق فعل ہے۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں اَلْقُدُسِ پر لام تعریف ہے جو کہ حضرت جبریلؑ کے لیے ہے۔ وَ لَوْ میں 'وٗ' استینافیہ ہے اور لَوْ شرطیہ ہے۔ شَآءَ اللّٰہُ جملہ شرطیہ ہے۔ آگے جملہ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِہِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ جواب شرط ہے۔ 'ما' نافیہ ہے اِقْتَتَلَ فعل اور اَلَّذِیْنَ، اسم موصول اپنے صلے مِنْ بَعْدِہِمْ کے ساتھ مل کر اس کا فاعل ہے۔ مِنْ بَعْدِہِمْ میں ھُمْ ضمیر اَلرُّسُلُ کے لیے ہے۔ آگے مرکب جاری مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ متعلق فعل ہے۔ وَلٰکِنِ میں 'وٗ' استینافیہ ہے اور لٰکِنِ دراصل لٰکِنَّ تھا جو مخفف ہوگیا۔ کیونکہ آگے فعل ہے۔ اِخْتَلَفُوْا فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے۔ فَمِنْھُمْ میں 'ف' استینافیہ ہے، مِنْھُمْ متعلق خبر مقدم ہے اور مَّنْ اٰمَنَ صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہیں۔ اسی طرح آگے بھی مِنْھُمْ متعلق خبر مقدم ہے اور مَّنْ کَفَرَ مبتداء مؤخر ہے۔ وَ لَوْ میں لَوْ شرطیہ ہے، شَآءَ اللّٰہُ جملہ شرطیہ ہے اور مَا اقْتَتَلُوْا جواب شرط ہے۔ لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰہَ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:253 |

| تِلْكَ الرُّسُلُ | فَضَّلْنَا | بَعْضَھُمْ | عَلٰى بَعْضٍ ۘ |
|---|---|---|---|
| یہ رسول، | ہم نے فضیلت دی ہے | ان میں سے بعض کو | بعض پر |

| مِنْھُمْ مَّنْ | كَلَّمَ | اللّٰهُ | وَرَفَعَ | بَعْضَھُمْ | دَرَجٰتٍ ۭ |
|---|---|---|---|---|---|
| ان میں سے وہ بھی ہے جس سے | کلام فرمایا | اللہ نے | اور اس نے بلند کیے | ان میں سے بعض کے | درجے |

| وَاٰتَيْنَا | عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ | الْبَيِّنٰتِ | وَاَيَّدْنٰهُ |
|---|---|---|---|
| اور ہم نے دیں | عیسیٰؑ ابن مریم کو | واضح (نشانیاں) | اور ہم نے قوت دی ان کو |

| بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ | وَلَوْ | شَاۗءَ | اللّٰهُ | مَا اقْتَتَلَ | الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|---|
| پاکیزہ روح (یعنی حضرت جبریلؑ) سے | اور اگر | چاہتا | اللہ | تو آپس میں نہ لڑتے | وہ لوگ جو |

| مِنْۢ بَعْدِهِمْ | مِّنْۢ بَعْدِ مَا | جَاۗءَتْھُمُ | الْبَيِّنٰتُ |
|---|---|---|---|
| ان (رسولوں) کے بعد تھے | بعد اُس کے کہ | آ گئیں ان کے پاس | واضح (نشانیاں) |

| وَلٰكِنِ | اخْتَلَفُوْا | فَمِنْھُمْ مَّنْ | اٰمَنَ |
|---|---|---|---|
| ولیکن | ان لوگوں نے اختلاف کیا | تو ان میں سے وہ بھی ہیں جو | ایمان لائے |

| وَمِنْھُمْ مَّنْ | كَفَرَ ۭ | وَلَوْ | شَاۗءَ | اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|
| اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے | انکار کیا | اور اگر | چاہتا | اللہ |

| مَا اقْتَتَلُوْا ۣ | وَلٰكِنَّ اللّٰهَ | يَفْعَلُ | مَا | يُرِيْدُ |
|---|---|---|---|---|
| تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے | ولیکن اللہ | کرتا ہے | جو | وہ چاہتا ہے |

**نوٹ** اس آیت کی تفسیر تفہیم القرآن سے دیکھیں۔

## آیت: 254

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ش ف ع: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | |

**ب ی ع**

(ض) **بَيْعًا** بیچنا۔ خرید وفروخت کرنا۔ سودا دے کر قیمت لینے کا نام "بَيْعٌ" ہے اور قیمت دے کر سودا لینے کا نام شراء (خریدنا) ہے۔ عربی زبان میں یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔

**بَيْعٌ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ خرید وفروخت۔ لین دین۔ سودا۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ﴾ (62/الجمعۃ:9) "اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نمازِ (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ ﴾ "اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**بِيْعَةٌ** ج: بِيَعٌ۔ عیسائیوں کا گرجا۔ ﴿ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ ﴾ (22/الحج:40) "تو منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(مفاعلہ) **مُبَايَعَةٌ** (۱) آپس میں خرید وفروخت کرنا۔ کسی چیز کا باہم معاہدہ کرنا۔ (۲) بیعت کرنا۔ کسی خاص کام پر عہد لینا۔ ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ ﴾ (9/التوبہ:111) "(اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (48/الفتح:18) "یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اُن مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپؐ کی اس درخت کے نیچے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**بَايِعْ** فعل امر کا صیغہ ہے۔ آپؐ بیعت کر لیں۔ ﴿ فَبَايِعْهُنَّ ﴾ (60/الممتحنۃ:12) "تو آپؐ ان کو بیعت کر لیا کیجیے۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔

(تفاعل) **تَبَايُعًا** باہم خرید وفروخت کرنا۔ ﴿ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ ﴾ (2/البقرہ:282) "اور تم لوگ گواہ بنا لیا کرو جب باہم خرید و فروخت کرو۔"

**خ ل ل**

(ن) **خَلًّا** کسی چیز میں سوراخ کرنا۔

**خَلَلٌ** ج: خِلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ دو چیزوں کے درمیان کشادگی۔ درمیان۔ بیچ۔ وسط۔ ﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا ﴾ (27/النمل:61) ''یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ﴾ (17/بنی اسرائیل:5) ''پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ خِلٰلَ الدِّيَارِ: گھروں کے درمیان۔ شہروں کا ارد گرد۔

**خُلَّةٌ** ج: خِلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ دوستی۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَلَا خُلَّةٌ ﴾ ''اور نہ کوئی دوستی ہوگی۔'' نیز فرمایا: ﴿ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ ﴾ (14/ابراہیم:31) ''کہ آجائے وہ دن جس میں خرید و فروخت نہیں ہو گی اور نہ ہی دوستی۔''

**خَلِيْلٌ** ج: اَخِلَّاءُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ قریبی دوست۔ خاص دوست۔ ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴾ (4/النساء:125) ''اور بنایا اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو دوست۔'' خَلِيْلٌ کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح راسخ ہو جائے کہ کسی اور کے لیے اس میں جگہ نہ رہے۔ (بروزن فعیل۔ بمعنی فاعل)۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بمعنی مفعول ہے۔ جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیمؑ یقیناً اللہ تعالیٰ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی۔ حضورؐ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا'' (مسلم)۔ ﴿ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ﴾ (43/الزخرف:67) ''سارے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

## ترکیب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا حرف ندا اور منادیٰ ہے۔ اَنْفِقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ اس کا فاعل ہے۔ مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ متعلق فعل ہے۔ اسی طرح آگے جملہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ متعلق فعل ہے۔ يَاْتِيَ کا فاعل يَوْمٌ ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ بَيْعٌ۔ خُلَّةٌ اور شَفَاعَةٌ مبتداء نکرہ ہیں اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔ فِيْهِ متعلق خبر ہے۔ وَالْكٰفِرُوْنَ میں 'وٗ' استئنافیہ ہے، هُمْ ضمیر فاصل ہے اور الظّٰلِمُوْنَ خبر ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:254 |

| رَزَقْنٰكُمْ | مِمَّا | اَنْفِقُوْا | اٰمَنُوْٓا | يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| ہم نے دیا تم کو | اس (مال) میں سے جو | تم خرچ کرو | ایمان لائے ہو | اے لوگو! جو |

| وَلَا خُلَّةٌ | فِيْهِ | لَّا بَيْعٌ | يَوْمٌ | يَّاْتِيَ | اَنْ | مِّنْ قَبْلِ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور نہ کوئی دوستی ہوگی | جس میں | کوئی خرید و فروخت نہ ہوگی | ایک ایسا دن | آجائے | کہ | اس سے پہلے |

| هُمُ الظّٰلِمُوْنَ | وَالْكٰفِرُوْنَ | وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ |
|---|---|---|
| ہی ظالم ہیں | اور کافر | اور نہ ہی کوئی سفارش ہوگی |

## آیت:255

﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ
مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ
مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ
الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ش ف ع: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | خ ل ف: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ |
| ح و ط: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | ح ف ظ: البقرۃ آیت 238 دیکھیں۔ |
| ع ظ م: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | | |

### و س ن

(س) **سِنَةً** اُونگھ آنا۔

**سِنَةٌ** اسم ذات بھی ہے۔ اُونگھ۔ غفلت۔ غنودگی۔ نیند کے ابتدائی آثار۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ﴾ ”نہیں پکڑ سکتی اُس کو اُونگھ۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

### ن و م

(ف) **نَوْمًا** سونا۔

**نَوْمٌ** اسم ذات بھی ہے۔ نیند۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ﴾ ”نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**نَآئِمٌ** ج: نَآئِمُوْنَ۔ نَآئِمِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سونے والا۔ ﴿فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (68/القلم:19) ”سو اس باغ پر آپؐ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اور وہ سو رہے تھے۔“ (ترجمہ تھانویؒ)۔

**مَنَامٌ** مَفْعَلٌ کا وزن ہے اور مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) مصدر یعنی سونا۔ ﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ﴾ (30/الروم:23) ”اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات اور دن میں۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۲) سونے کی جگہ یا سونے کا وقت۔ ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ﴾ (39/الزمر:42) ”اللہ ہی قبض (یعنی معطل) کرتا ہے (ان) جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت۔“ (ترجمہ تھانویؒ)۔

(۳) نیند۔ ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ﴾ (39/الزمر:42) ”اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(۴) خواب۔ ﴿قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ﴾ (37/الصافات:102) ”کہا اے بیٹے میں دیکھتا

ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا ﴾ (8/الانفال:43)''یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکرِ کفار خواب میں قلیل۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

| ك ر س |
|---|

(X) X ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَكۡرِیۡسًا عمارت کی بنیاد رکھنا۔

(تفعّل) تَكَرُّسًا تہہ بتہ ہونا۔سخت ہونا۔باہم مل جانا۔اکٹھا ہونا۔عمارت کی بنیاد کا مضبوط ہونا۔

كُرۡسِیٌّ اسم ذات ہے۔ (۱) بیٹھنے کی جگہ۔کرسی۔(۲) تخت حکومت۔اقتدار۔حاکمانہ اختیارات۔(۳) علم الٰہی۔﴿ وَ اَلۡقَیۡنَا عَلٰی كُرۡسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴾ (38/صٓ:34)''اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم، پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَسِعَ كُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ﴾ ''اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔امام راغبؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''یہ اصل میں کِرۡسٌ کی طرف منسوب ہے اور کِرۡسٌ کے معنی ہیں اوپر تلے جم جانے والا اور جمع ہو جانے والا۔اسی سے کُرَّاسَةٌ (مجموعہ اوراق) ہے۔كَرَسۡتُ الۡبِنَاءَ فَتَكَرَّسَ میں نے عمارت کی بنیاد رکھی چنانچہ وہ بنیاد پڑ گئی۔'' پھر آگے لکھتے ہیں:''اَلۡكِرۡسُ کسی چیز کی اصل اور بنیاد کو کہتے ہیں محاورہ ہے هُوَ قَدِیۡمُ الۡكِرۡسِ اس کی بنیاد پرانی ہے اور ہر چیز کے ڈھیر کو کِرۡسٌ کہا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص:۹۰۵)۔اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''مفسرین کرام نے الکرسی کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں اور ان اقوال سے علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول پسند کیا ہے۔قال ابن عباس کرسیه علمه و رجحه الطبری قال منه الکراسة التی تضم العلم و قیل للعلماء الکراسی (قرطبی) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کرسیه سے مراد اس کا علم ہے ابن جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے کراسته ماخوذ ہے جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے اور عربی میں علماء کو کراسی بھی کہا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۱۷۸) عربی میں کہتے ہیں هُوَ مِنۡ اَهۡلِ الۡكُرۡسِیِّ وہ اہل علم میں سے ہے۔

| ء و د |
|---|

(ن) اَوۡدًا تھکا دینا۔بوجھل کرنا۔گرانبار کرنا۔آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَا یَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ﴾ ''اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔''اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

| ع ل و |
|---|

(س) عَلَاءً بزرگ ہونا۔بلند مرتبے والا ہونا۔عالیشان ہونا۔

(ن) عُلُوًّا (۱) بلند ہونا۔(۲) کسی پر چڑھائی کرنا۔غالب ہونا۔(۳) سرکشی کرنا۔بغاوت کرنا۔(۴) غرور و تکبر کرنا۔﴿ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴾ (27/النمل:31)''تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلے میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ﴾ (23/المؤمنون:91)''اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔''اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ (28/القصص:4)''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

﴿ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾ (17/ بنی اسرائیل:4) ''اور تم (احکام الٰہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴾ (17/ بنی اسرائیل:7) ''اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**عُلُوٌّ** مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ (۱) کسی چیز کا بلند ترین حصہ۔ یہ سُفْلٌ کی ضد ہے۔ (۲) تکبر۔ بڑائی۔ ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾ (28/ القصص:83) ''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ﴾ (27/ النمل:14) ''اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے، (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اَعْلٰی** ج: اَعْلَوْنَ۔ اَعْلِيْنَ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ بلند۔ غالب۔ بلند مرتبہ۔ برتر۔ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سب سے اوپر۔ سب سے بلند۔ سب پر غالب۔ ﴿ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴾ (20/ طٰہٰ:68) ''ہم نے کہا تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴾ (53/ النجم:7) ''ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴾ (87/ الاعلیٰ:1) ''پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (3/ آل عمران:139) ''اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**عُلْيَا** ج: عُلٰی۔ اسم التفضیل ہے۔ اَعْلٰی کی مؤنث۔ زیادہ بلند۔ سب سے اوپر۔ ﴿ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ (9/ التوبۃ:40) ''اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴾ (20/ طٰہٰ:4) ''اتارا ہوا ہے اس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴾ (20/ طٰہٰ:75) ''سو ان لوگوں کے لیے ہیں درجے بلند۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**عَالٍ** ج: عَالُوْنَ۔ عَالِيْنَ۔ مؤنث: عَالِيَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ (۱) بلند۔ اونچا۔ اوپر۔ (۲) سرکشی کرنے والا۔ تکبر کرنے والا۔ (۳) بلند رتبے والا۔ ﴿ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ﴾ (10/ یونس:83) ''اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ ﴾ (76/ الدھر:21) ''اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴾ (23/ المومنون:46) ''اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴾ (69/ الحاقۃ:22) ''اونچے باغ میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**عَلِيٌّ** فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ بلند مرتبہ۔ سب سے اوپر۔ عالیشان۔ برتر۔ یہ عَلَاءٌ سے مشتق ہے۔ ﴿ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴾ (19/ مریم:50) ''اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ (19/ مریم:57) ''اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اَلْعَلِيُّ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہو جیسے۔ ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (34/ سبا:23) ''اور وہ عالیشان، سب سے بڑا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ یا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ (4/النساء:34) ''یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت اور کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)، تو اس کے معنی ہوتے ہیں وہ ذات اس سے بلند و بالاتر ہے کہ کوئی شخص اس کا وصف بیان کر سکے بلکہ عارفین کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ذات جس کے اوپر کوئی نہیں، جو ساری مخلوق پر غالب ہے اور جس نے سب کو اپنی قدرت سے مغلوب کر رکھا ہے۔

عِلِّيُّوْنَ — نصب و جر: عِلِّيِّيْنَ۔ اس لفظ کے بارے میں دو رائے ہیں:

(۱) یہ جمع ہے اور اس کا واحد عِلِّيٌّ ہے جو عُلُوٌّ (بلندی) سے مشتق ہے اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے۔

(۲) فراء کا بیان ہے کہ یہ اسم ہے جو جمع کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور اس لفظ کا کوئی واحد نہیں ہے جیسے عشرون۔ ثلاثون۔

اس لفظ کے معانی بھی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) جنت کا اعلیٰ مقام یا وہاں رہنے والوں کا نام۔ (۲) بلند مقامات۔ (۳) فرشتے۔ (۴) نیکی کا رجسٹر جس میں ابرار و صالحین کے نیک اعمال لکھ کر محفوظ کر دیے جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ ﴿ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ ﴾ (83/المطففین:18-21) ''یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (حفاظت کے لیے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحب ''احسن البیان فرماتے ہیں: ''عِلِّيِّيْنَ، عُلُوٌّ (بلندی) سے ہے، یہ سِجِّيْنٌ کے برعکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہیٰ یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں، جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔'' (احسن البیان، ص: ۱۶۹۷)۔ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''عِلِّيِّيْنَ۔ سِجِّيْنٌ کے مقابلہ کی چیز ہے اور کوئی ایسا مقام عالم غیب میں ہے، جو نیک کاروں کے اعمال ناموں کے لیے مخصوص ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص: ۱۱۶۲)۔ قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہوگی۔ (کتابٌ مرقومٌ)، یہی رائے حضرت ابن عباسؓ کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ''علیین سبز رنگ کی زبرجد کی ایک لوح ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج۵، ص: ۵۱۸)۔

(تفاعل) تَعَالٰى — (۱) بلند ہونا۔ (۲) آنا۔ (۳) کسی کو بلند مقصد کی طرف بلانا۔ کسی کو تعظیم سے بلانا۔ اس کا مطلب ہے انسان کو بلند مقام کی طرف بلایا جائے۔ پھر ہر جگہ بلانے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعض کے نزدیک یہ رفعت منزل کے حصول کی دعوت ہے اور قرآنِ مجید میں جہاں اس کا استعمال ہوا ہے وہاں یہ چیز موجود ہے۔ ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (7/الاعراف:190) ''تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

تَعَالَ — ج: تَعَالَوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بلند ہو۔ تو آ جا۔ ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ (6/الانعام:151) ''آپ (ان سے) کہئے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''تَعَالَوْا کا ترجمہ ہے ''آ جاؤ'' اور اصل میں یہ کلمہ ایسے وقت بولا جاتا ہے جبکہ کوئی بلانے والا بلند جگہ کھڑا ہو کر نیچے والوں کو اپنے پاس بلائے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے میں ان لوگوں کے لیے برتری اور بلندی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۳، ص: ۴۸۰)۔ ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ (3/آل عمران:64) ''آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ

اُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾ (33/الاحزاب:28) ”تو آؤ میں تم کو کچھ (مال و) متاعِ (دنیوی) دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں۔“ (ترجمہ تھانویؒ)۔

مُتَعَالِ — اسم الفاعل ہے۔ اس میں مبالغے کا مفہوم ہوتا ہے۔ بہت بزرگ۔ بہت غالب۔ بہت عالیشان۔ سب سے بلند۔ ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ﴿۹﴾﴾ (13/الرعد:9) ”وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”متعال کا یہ مفہوم ہے کہ جو اپنی قدرت اور طاقت کے باعث ہر چیز پر غالب ہو۔“ (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۴۷۶)۔

(استفعال) اِسۡتِعۡلَاءً — بلندی چاہنا۔ غلبہ چاہنا۔ بلند ہونا۔ غالب ہونا۔ ﴿وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿۶۴﴾﴾ (20/طٰہٰ:64) ”اور جیت گیا آج جو غالب رہا۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**ترکیب**

اس آیت میں دس جملے ہیں (معارف القرآن)۔ اَللّٰهُ مبتداء اور اس کے آگے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پورا جملہ اس کی خبر اوّل ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ میں لَا نفی جنس کا ہے۔ اَلۡحَیُّ خبر ثانی اور اَلۡقَيُّوۡمُ خبر ثالث ہے۔ ان کو صفات بھی مانا گیا ہے۔ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ پورا جملہ خبر رابع ہے یا اَللّٰهُ کی صفت ہے۔ اس جملہ میں لَا تَاۡخُذُ فعل ہے، هٗ اس کی ضمیر مفعولی ہے، جبکہ سِنَةٌ اور نَوۡمٌ اس کے فاعل ہیں۔ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے، اس پر لام تملیک ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور فِی السَّمٰوٰتِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہیں۔ 'وَ' عطف کا ہے، مَا اسم موصول ہے اور فِی الۡاَرۡضِ اس کا صلہ ہے۔ یہ پورا جملہ خبر خامس ہے۔ مَنۡ مبتداء ہے اور استفہام انکاری ہے۔ ذَا اسم اشارہ ہے اور خبر ہے، اَلَّذِیۡ اسم موصول ہے اور ذَا کا بدل ہے، آگے جملہ فعلیہ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ اس کا صلہ ہے۔ یہ جملہ استئنافیہ ہے۔ يَعۡلَمُ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو اَللّٰهُ کے لیے ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں يَعۡلَمُ کا۔ اسی طرح وَمَا خَلۡفَهُمۡ ہے۔ یہ پورا جملہ خبر سادس ہے۔ 'وَ' عاطفہ ہے، لَا نافیہ ہے يُحِيۡطُوۡنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، بِشَیۡءٍ متعلق فعل ہے۔ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ، شَیۡءٍ سے متعلق ہے۔ اِلَّا حرف استثناء ہے اور بِمَا شَآءَ بدل بعض ہے بِشَیۡءٍ کا۔ وَسِعَ فعل اور كُرۡسِيُّهُ مرکب اضافی ہے اور وَسِعَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، جبکہ اَلسَّمٰوٰتِ اور اَلۡاَرۡضَ، دونوں اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ یہ جملہ خبر سابع ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے، لَا نافیہ، يَئُوۡدُ فعل، 'هٗ' اس کا مفعول اور حِفۡظُهُمَا اس کا فاعل ہے۔ سَمٰوٰتِ ایک جنس ہے اور ارض دوسری جنس ہے، اس لیے تثنیہ کی ضمیر هُمَا آئی ہے۔ 'وَ' استئنافیہ ہے، هُوَ مبتداء ہے اور الۡعَلِیُّ اور الۡعَظِيۡمُ اس کی خبریں ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:255**

| اَللّٰهُ | لَاۤ اِلٰهَ | اِلَّا | هُوَ | اَلۡحَیُّ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ (وہ ہے کہ) | کسی قسم کا کوئی معبود نہیں ہے | سوائے | اس کے | زندہ ہے |

| اَلۡقَيُّوۡمُ | لَا تَاۡخُذُهٗ | سِنَةٌ | وَّلَا نَوۡمٌ |
|---|---|---|---|
| قائم رکھنے والا ہے (دوسروں کو) | نہیں پکڑتی اس کو | اُونگھ | اور نہ نیند |

| لَهٗ | مَا | فِی السَّمٰوٰتِ | وَمَا | فِی الۡاَرۡضِ |
|---|---|---|---|---|
| اس کی ہی (ملکیت) ہے | وہ جو | آسمانوں میں ہے | اور وہ جو | زمین میں ہے |

| مَنۡ ذَا الَّذِیۡ | يَشۡفَعُ | عِنۡدَهٗۤ | اِلَّا | بِاِذۡنِهٖ |
|---|---|---|---|---|
| کون ہے وہ جو | سفارش کر سکے | اس کے پاس | بغیر | اس کی اجازت کے |

| يَعۡلَمُ | مَا | بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ | وَمَا | خَلۡفَهُمۡ ۚ |
|---|---|---|---|---|
| وہ جانتا ہے | اس کو جو | ان کے سامنے ہے | اور اس کو جو | ان کے پیچھے ہے |

| وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ | بِشَيۡءٍ | مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ | اِلَّا |
|---|---|---|---|
| اور وہ احاطہ نہیں کرسکتے | کسی چیز کا | اس کے علم میں سے | مگر |

| بِمَا | شَآءَ ۚ | وَسِعَ | كُرۡسِيُّهُ | السَّمٰوٰتِ |
|---|---|---|---|---|
| اسی کا جو | وہ چاہے | سما رکھا ہے | اس کی کرسی نے | آسمانوں |

| وَالۡاَرۡضَ ۚ | وَلَا يَــُٔوۡدُهٗ | حِفۡظُهُمَا ۚ | وَهُوَ |
|---|---|---|---|
| اور زمین کو | اور نہیں تھکاتی اسے | ان دونوں کی حفاظت | اور وہی ہے |

| الۡعَلِىُّ | الۡعَظِيۡمُ |
|---|---|
| سب سے بلند | عظمت والا |

**نوٹ** متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ یہ قرآن مجید کی سب سے عظمت والی آیت ہے۔ ہر نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت اس کو پڑھ لینے سے انسان شیاطین جن وانس سے محفوظ رہتا ہے۔ (تفصیل کے لیے معارف القرآن کا مطالعہ کریں)۔

## آیت:256

﴿لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ك ر ہ: البقرۃ آیت 216 دیکھیں۔ | د ی ن: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ر ش د: البقرۃ آیت 186 دیکھیں۔ | ط غ ی: البقرۃ آیت 15 دیکھیں۔ | م س ك: البقرۃ آیت 229 دیکھیں۔ |
| و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | | |

**غ و ی**

(ض) غَيًّا، غَوَايَةً (۱) گمراہ ہونا۔ سیدھے راستے سے بھٹک جانا۔ بہک جانا۔ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾﴾ (53/النجم:2) ''تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ﴾ (28/القصص:63) ''ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) حصول مقصد میں ناکام ہونا۔ ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ﴿۱۲۱﴾﴾ (20/طٰہٰ:121) ''اور حکم عدولی ہوگئی آدمؑ سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''لفظ غویٰ کی تحقیق کرتے ہوئے وہ (امام لغت اسمٰعیل بن حماد الجوہری) لکھتے ہیں کہ غویٰ کا معنی صرف گمراہ ہونا نہیں جس طرح ہم عام طور پر خیال کرتے ہیں بلکہ اہل زبان اسے دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ (۱) گمراہ ہونا۔ (۲) حصولِ مقصد میں ناکام ہونا۔ الغی، الضلال و

الخيبة ايضًا (الصحاح)۔ اِس تحقیق کی روشنی میں ہم یہاں دوسرا معنی لیں گے۔ کیونکہ یہی یہاں مناسب ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۳، ص:۱۴۲)۔ البتہ ہمارے اکثر بزرگوں نے آیت مبارکہ میں غویٰ کا ترجمہ اس کے لفظی معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ ''اور حکم ٹالا آدمؑ نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**غَیٌّ**: اسم ذات بھی ہے۔ گمراہی۔ وہ جہالت جو غلط اعتقاد پر مبنی ہو۔ اس کی ضد رُشْدٌ (ہدایت) ہے۔ غَیٌّ جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ''واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے۔'' ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ (19/مریم:59) ''سو آگے دیکھ لیں گے گمراہی کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''غَيًّا کے معنی ہلاکت، انجامِ بد کے ہیں یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔'' (احسن البیان:۸۴۵)۔

**غَاوٍ**: ج: غَاوُوْنَ۔ غَاوِيْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ گمراہ۔ ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ (26/الشعراء:224) ''اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بھٹکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ (7/الاعراف:175) ''تو ہو گیا وہ گمراہوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**غَوِيٌّ**: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ گمراہ۔ ﴿اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (28/القصص:18) ''بیشک تو کھلا گمراہ ہے۔''

(افعال) **اِغْوَاءً**: کسی کو راہِ راست سے بھٹکا دینا۔ گمراہ کرنا۔ مایوس کرنا۔ ہلاک کرنا۔ ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا﴾ (28/القصص:63) ''اے ہمارے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔'' ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (7/الاعراف:16) ''وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اغواء کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے، کسی کو راہِ راست سے بھٹکا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ کسی کو ایسا حکم دینا جس کی نافرمانی اس کی گمراہی کا باعث بن جائے اس کو بھی اغواء کہا جاتا ہے۔ نیز کسی کو اس کی گمراہی کی سزا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ جیسے: ﴿اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ (11/ھود:34) ''یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری گمراہی کی تمہیں سزا دے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''علامہ قرطبیؒ نے اغواء کے دو مزید معنی مایوس کرنا اور ہلاک کرنا بھی بیان کیے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۲، ص:۱۶)۔ اسی آیت کا ترجمہ پیر کرم شاہ صاحبؒ یوں کرتے ہیں: ''کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا اِن (کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستہ پر۔''

### ع ر و

(ن) **عَرْوًا**: کسی کے سامنے آنا۔ لاحق ہونا۔ قصد کرنا۔

**عُرْوَةٌ**: اسم ذات ہے۔ حلقہ، کڑا، کسی چیز کا قبضہ یا دستہ۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جسے پکڑ کر کوئی لٹک جائے۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ ''تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (31/لقمان:22) ''اور جو

شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(افتعال) اِعْتِرَاءً کسی چیز کی طرف قصد کرنا اور اس پر چھا جانا۔ لاحق ہونا۔ کسی کو کسی چیز میں مبتلا کر دینا۔ ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ ﴾ (11/ھود:54) ''(اور) ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**ف ص م**

(ض) فَصْمًا توڑنا۔ کاٹنا۔

(انفعال) اِنْفِصَامًا ٹوٹنا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ ﴾ ''جسے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔''

**ترکیب** لَآ اِكْرَاهَ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور فِي الدِّيْنِ قائم مقام خبر ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ میں لَا، لائے نفی جنس ہے۔ قَدْ تاکید کے لیے ہے، تَّبَيَّنَ فعل ہے اور اس کا فاعل اَلرُّشْدُ ہے اور مِنَ الْغَيِّ متعلق فعل ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے، يَّكْفُرْ سے بِاللّٰهِ تک شرط ہے اور فَقَدِ سے بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى تک جواب شرط ہے۔ آگے جملہ لَا انْفِصَامَ لَهَا، حال ہے عُرْوَةِ کا۔ اس میں لَا انْفِصَامَ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَهَا قائم مقام خبر ہے۔ لَا انْفِصَامَ میں لَا، لائے نفی جنس ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتداء ہے اور سَمِيْعٌ اور عَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ — البقرۃ:256**

| لَآ اِكْرَاهَ | فِي الدِّيْنِ ۣ | قَدْ تَّبَيَّنَ | الرُّشْدُ | مِنَ الْغَيِّ ۚ |
|---|---|---|---|---|
| کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہے | دین کے معاملے میں | بے شک خوب واضح ہوگئی ہے | ہدایت | گمراہی سے |

| فَمَنْ يَّكْفُرْ | بِالطَّاغُوْتِ | وَيُؤْمِنْ | بِاللّٰهِ |
|---|---|---|---|
| تو جو انکار کرتا ہے | گمراہ کرنے والوں کا | اور ایمان لاتا ہے | اللہ پر |

| فَقَدِ اسْتَمْسَكَ | بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ | لَا انْفِصَامَ | لَهَا ؕ |
|---|---|---|---|
| تو اس نے پکڑ لیا ہے | انتہائی مضبوط حلقہ | کسی طرح ٹوٹنا نہیں ہے | جس کو |

| وَاللّٰهُ | سَمِيْعٌ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|
| اور اللہ | سننے والا ہے | جاننے والا ہے |

## آیت: 257

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ﴾

و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
ن و ر: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ ط غ ی: البقرۃ آیت 15 دیکھیں۔ خ ل د: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

**ترکیب** اَللّٰهُ مبتداء ہے۔ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خبر اوّل ہے، اس میں وَلِيُّ مضاف ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، موصول اور صلہ مل کر مضاف الیہ ہے۔ يُخْرِجُهُمْ سے اِلَى النُّوْرِ تک پورا جملہ خبر ثانی ہے۔ يُخْرِجُ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اور ضمیر مفعولی هُمْ، اہل ایمان کے لیے

ہے۔ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اور اِلَى النُّوْرِ متعلق فعل ہیں۔ آگے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ اس کی خبر اوّل ہے جو کہ خود ایک جملہ اسمیہ ہے جبکہ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اس کی خبر ثانی ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اور اَصْحٰبُ النَّارِ اس کی خبر ہے۔ اسی طرح هُمْ مبتداء ہے، خٰلِدُوْنَ خبر ہے اور فِيْهَا متعلق خبر ہے جس کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اَلطَّاغُوْتُ یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے اس لیے اَوْلِيٰٓءُ اور يُخْرِجُوْنَ جمع آئے ہیں۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:257 |

| مِّنَ الظُّلُمٰتِ | يُخْرِجُهُمْ | اٰمَنُوْا | وَلِيُّ الَّذِيْنَ | اَللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|
| (کفر کے) اندھیروں سے | وہ نکال کر لاتا ہے ان کو | ایمان لائے | مددگار ہے ان لوگوں کا جو | اللہ |

| الطَّاغُوْتُ | اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ | كَفَرُوْٓا | وَالَّذِيْنَ | اِلَى النُّوْرِ |
|---|---|---|---|---|
| شیاطین ہیں | ان کے ساتھی | کفر کیا | اور جنہوں نے | نور (اسلام) کی طرف |

| اُولٰٓئِكَ | اِلَى الظُّلُمٰتِ | مِّنَ النُّوْرِ | يُخْرِجُوْنَهُمْ |
|---|---|---|---|
| یہی لوگ | (کفر کے) اندھیروں کی طرف | نور (اسلام) سے | وہ نکال کر لے جاتے ہیں ان کو |

| خٰلِدُوْنَ | فِيْهَا | هُمْ | اَصْحٰبُ النَّارِ |
|---|---|---|---|
| ہمیشہ رہنے والے ہیں | اس میں | وہ | آگ کے ساتھی ہیں |

**نوٹ** اس آیت میں نور اور ظلمات، ہدایت اور گمراہی کے لیے استعارے ہیں۔ ہدایت ایک ہی ہوتی ہے اس لیے نور واحد آیا ہے، جبکہ گمراہی کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اس لیے ظلمات جمع آیا ہے۔

## آیت:258

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿258﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| اَلَمْ تَرَ: البقرۃ آیت 243 دیکھیں۔ | ح ج ج: البقرۃ آیت 76 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| م ل ک: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ش ر ق: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | غ ر ب: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ب ھ ت**

(س) بَهْتًا (۱) حیران و ششدر رہ جانا۔ ہکا بکا ہو جانا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ﴾ ''تب حیران رہ گیا وہ کافر'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ واضح رہے کہ یہاں بُهِتَ مجہول بھی معروف ہی کے معنی میں ہے۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج۲، ص:۵۳)۔

(۲) کسی کے ہوش اڑا دینا۔ کسی کو بدحواس کر دینا۔ ﴿بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ﴾ (21/الانبیاء:40) ''بلکہ وہ آگ تو ان کو ایک دم سے آلگے گی سو ان کو بدحواس کر دے گی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(ف) بُهْتًا — تہمت لگانا۔

بُهْتَانٌ — فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہتان۔ ایسا جھوٹ یا الزام جسے سُن کر انسان ششدر و حیران رہ جائے۔ ﴿هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ (24/النور:16) ''یہ بہت بڑا بہتان ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ﴾ (60/ الممتحنۃ:12) ''اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑلیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ترکیب

اَ استفہامیہ ہے۔ لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اسی لیے تَرَ مجزوم ہوا ہے۔ تَرَ کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتَ ہے اور جملہ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ متعلق فعل ہے۔ رَبِّهٖ میں ہ ضمیر حضرت ابراہیمؑ کے لیے ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے۔ اٰتٰى فعل ہے۔ لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے، ضمیر مفعولی ہ مفعول اوّل ہے اور یہ ضمیر اَلَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ کے لیے ہے اور مراد اس سے نمرود ہے۔ اَلْمُلْكَ مفعول ثانی ہے اور یہ پورا جملہ مفعول لَهٗ ہے یعنی یہ جملہ جھگڑا کرنے کی وجہ بتا رہا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے۔ قَالَ کا فاعل اِبْرٰهٖمُ ہے، رَبِّيَ مبتدا ہے اور آگے ملانے کے لیے 'ی' کو 'ــَـ' دی گئی ہے۔ اَلَّذِيْ اسم موصول ہے اور يُحْيٖ وَيُمِيْتُ صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر خبر ہے۔ آگے قَالَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو نمرود کے لیے ہے۔ اَنَا مبتدا ہے اور اُحْيٖ وَاُمِيْتُ خبر ہے۔ آگے قَالَ کا فاعل اِبْرٰهٖمُ ہے۔ فَاِنَّ میں 'فَ' جواب شرط کے لیے ہے اور اس سے پہلے شرط محذوف ہے یعنی اِنْ كُنْتَ قَادِرًا کہ اگر تو واقعی قدرت رکھتا ہے تو...... اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ يَاْتِيْ...... مِنَ الْمَغْرِبِ تک اس کی خبر ہے۔ فَاْتِ فعل امر کا صیغہ ہے اور اس پر 'فَ' تاکید کے لیے ہے۔ فَبُهِتَ میں 'فَ' عطف کا ہے۔ بُهِتَ فعل مجہول ہے لیکن عربی میں یہ فعل معروف کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ آگے اَلَّذِيْ كَفَرَ، صلہ اور موصول مل کر نائب الفاعل ہے۔ وَاللّٰهُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے لفظ اللّٰهُ مبتداء اور جملہ فعلیہ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اس کی خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:258 |

| اَلَمْ تَرَ | اِلَى الَّذِيْ | حَآجَّ | اِبْرٰهٖمَ |
|---|---|---|---|
| (اے مخاطب) کیا تو نے غور نہیں کیا | اس شخص کی حالت پر جس نے | جھگڑا کیا تھا | حضرت ابراہیمؑ سے |

| فِيْ رَبِّهٖٓ | اَنْ | اٰتٰىهُ | اللّٰهُ | الْمُلْكَ |
|---|---|---|---|---|
| ان کے رب کے بارے میں | اس وجہ سے کہ | دی اس کو | اللہ نے | بادشاہت |

| اِذْ قَالَ | اِبْرٰهٖمُ | رَبِّيَ الَّذِيْ | يُحْيٖ | وَيُمِيْتُ |
|---|---|---|---|---|
| جب کہا | حضرت ابراہیمؑ نے | میرا رب وہ ہے جو | زندہ کرتا ہے | اور مارتا ہے |

| قَالَ | اَنَا | اُحْيٖ | وَاُمِيْتُ | قَالَ | اِبْرٰهٖمُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس نے کہا | میں (بھی) | زندہ کرتا ہوں | اور مارتا ہوں | کہا | حضرت ابراہیمؑ نے |

| فَاِنَّ | اللّٰهَ | يَاْتِيْ | بِالشَّمْسِ | مِنَ الْمَشْرِقِ | فَاْتِ |
|---|---|---|---|---|---|
| کہ بے شک | اللہ | لاتا ہے | سورج کو | مشرق سے | تو تُو لا |

| بِهَا | مِنَ الْمَغْرِبِ | فَبُهِتَ | الَّذِيْ |
|---|---|---|---|
| اسے | مغرب سے | پس پھر حیران رہ گیا | وہ جس نے |

| کَفَرَ ۭ | وَاللّٰهُ | لَا يَهْدِي | الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ |
|---|---|---|---|
| کفر کیا تھا | اور اللہ | ہدایت نہیں دیتا | ظالم قوم کو |

**نوٹ** اُستادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ لفظ ابراہیم سورہ بقرہ میں ''ی'' کے بغیر یعنی اِبْرٰهٖمَ لکھا گیا ہے جبکہ باقی قرآن میں مجید میں اسے ''ی'' کے ساتھ یعنی اِبْرٰهِيْمَ لکھا گیا ہے۔

## آیت :259

﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾(259)

| | | |
|---|---|---|
| م ر د: البقرۃ آیت 229 دیکھیں۔ | ق ر ی: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ |
| م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ب ع ث: البقرۃ آیت 56 دیکھیں۔ | ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ |
| ط ع م: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ش ر ب: البقرۃ آیت 60 دیکھیں۔ | ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ع ظ م: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ | ک س و: البقرۃ آیت 233 دیکھیں۔ | ل ح م: البقرۃ آیت 173 دیکھیں۔ |
| ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ | ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | |

### خ و ی

(ض) خَوَاءً (۱) اجڑ جانا۔ گر جانا۔ ڈھ جانا۔ اوندھا ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں خَوَى الْبَيْتُ یعنی گھر ویران ہو کر گر پڑا۔
(۲) خالی ہونا۔ کھوکھلا ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں خَوٰى بَطْنُهٗ مِنَ الطَّعَامِ یعنی اس کا پیٹ کھانے سے خالی ہو گیا۔

خَاوٍ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ گرا ہوا۔ کھوکھلا۔ اوندھا۔ اجڑا ہوا۔

خَاوِيَةٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ گری ہوئی۔ کھوکھلی۔ اوندھی۔ اجڑی ہوئی۔ ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ﴾ (27/النمل:52) ''پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ﴾ ''اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴾ (69/الحاقۃ:7) ''گویا وہ مُنڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### ع ر ش

(ض) عَرْشًا اٹھانا۔ بلند کرنا۔ چھت ڈالنا۔ لکڑی کا مکان بنانا۔ تخت بنانا۔ انگور کی بیل کو بانس کی ٹٹی پر چڑھانا۔ ﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾ (7/الاعراف:137) ''اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اُس کی قوم اور (برباد کر دیے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ

اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ﴾(16/النحل:68)''اور آپؐ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں۔''
(ترجمہ تھانویؒ)۔

**عَرْشٌ** ج: عُرُوْشٌ۔ اسم ذات ہے۔ چھت۔ تخت۔ اس کے اصل معنی چھت کے ہیں یا چھت والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادشاہ کے تخت کو بھی اس کی بلندی کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے اور بطور کنایہ یہ عرش کا لفظ عزت، غلبہ، سلطنت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عرش الٰہی سے ہم صرف نام کی حد تک واقف ہیں، اس کی حقیقت ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ (بحوالہ انور البیان)۔ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (12/یوسف:100)''اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۲۹﴾﴾ (9/التوبۃ:129)''اور وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ﴾''اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**مَعْرُوْشٌ** اسم المفعول ہے۔ بلند کیا ہوا۔ اٹھایا ہوا۔

**مَعْرُوْشَةٌ** ج: مَعْرُوْشَاتٌ۔ اٹھائی ہوئی۔ بلند کی ہوئی۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ (6/الانعام:141)''اور اسی نے پیدا کیے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''مَعْرُوْشَات، عرش سے بنا ہے، جس کے معنی اٹھانے کے اور بلند کرنے کے ہیں، مراد معروشات سے درختوں کی وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریاں اور اس کے بالمقابل غَیْرَ مَعْرُوْشَاتٌ میں وہ سب درخت شامل ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں، خواہ وہ تنہ دار درخت ہوں جن کی بیل ہی نہیں یا بیل دار ہوں مگر ان کی بیلیں زمین ہی پر پھیلتی ہیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں، جیسے تربوز، خربزہ وغیرہ۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص: ۴۶۷)۔

| ل | ب | ث |
|---|---|---|

(س) **لَبْثًا** کسی جگہ قیام کرنا۔ ٹھہرنا۔ رہنا۔ رکنا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ﴾''اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو کتنے دن اس حالت میں رہا، اُس شخص نے کہا ایک دن رہا ہوں یا ایک دن سے بھی کم۔''

**لَابِثٌ** ج: لَابِثُوْنَ۔ لَابِثِیْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والا۔ قیام کرنے والا۔ ﴿لّٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ۚ﴾ (78/النبا:23)''قیام کرنے والے ہیں اس میں مدتوں۔''

(تفعّل) **تَلَبُّثًا** بتکلف ٹھہرنا یعنی دیر کرنا۔ ﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾﴾ (33/الاحزاب:14)''تو وہ لوگ دیر نہیں کریں گے اس میں مگر تھوڑی سی۔'' اس باب میں سے صرف اسی آیت (الاحزاب:14) میں فعل استعمال ہوا ہے۔

| س | ن | ه |
|---|---|---|

(س) **سَنَهًا** بہت سالوں والا ہونا۔ متغیر ہونا۔ بگڑ جانا۔

(تفعّل) **تَسَنُّهًا** متغیر ہونا۔ خراب ہونا۔ بدبودار ہونا۔ گل سڑ جانا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ﴾''وہ گلا سڑا ہی نہیں۔''

| ح | م | ر |
|---|---|---|

(ن) **حَمْرًا** کھال کھرچنا جس سے سرخی ظاہر ہو جائے۔

**اَحْمَرُ** مؤنث: حَمْرَاءُ۔ ج: حُمْرٌ۔ افعل الوان وعیوب ہے۔ سرخ رنگ والا۔ ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ﴾ (35/فاطر:27)''اور پہاڑوں میں سرخ وسفید راستے ہیں۔''

حِمَارٌ ج: حُمُرٌ اور حَمِیْرٌ- اسم ذات ہے۔ گدھا۔ ﴿ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴾ (74/المدثر:50) ''گویا کہ وہ لوگ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔'' ﴿ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴾ (31/لقمان:19) ''بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔'' کبھی حمار کے لفظ سے جاہل اور بے علم آدمی مراد لیا جاتا ہے، جیسے فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ (62/الجمعۃ:5) ''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی حالت ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

ن ش ز

(ن) نَشْزًا کسی چیز کا اپنی جگہ سے اُبھرنا۔ بلند ہونا۔ بیٹھے ہوئے سے اُٹھ کھڑے ہونا۔ اونچی جگہ میں جھانکنا۔ نَشْزٌ بلند زمین کو کہتے ہیں۔

نُشُوْزًا زیادتی کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ نفرت کرنا۔ سختی کرنا۔ قرآنِ مجید میں نشوز کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ عورت کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے بیوی کا اپنے شوہر کو برا سمجھنا، اس کی نافرمانی کرنا اور اس سے بدکلامی کرنا۔ مرد کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے شوہر کا بیوی پر ظلم و زیادتی کرنا، سختی کرنا اور اُسے تکلیف دینا۔

اُنْشُزْ ج: اُنْشُزُوْا- فعل امر ہے۔ تو اُٹھ۔ ﴿ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ﴾ (58/المجادلہ:11) ''اور جب کہا جائے کہ تم اُٹھو تو تم لوگ اُٹھ جایا کرو۔''

نُشُوْزٌ اسم ذات بھی ہے۔ نافرمانی۔ زیادتی۔ ﴿ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ﴾ (4/النساء:128) ''اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا رُوگردانی کی وجہ سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ﴾ (4/النساء:34) ''اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) اِنْشَازًا کسی کو اس کی جگہ سے اُٹھانا۔ بلند کرنا۔ زندہ کرنا۔ مردے کی ہڈیوں کو اٹھا کر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا اور ترتیب دینا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ ''اور تو دیکھ ہڈیوں کی طرف کیسے ہم اُٹھاتے ہیں اُن کو۔''

## ترکیب

اَوْ حرف عطف ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''آیت کا عطف معنوی ہے آیت سابق پر۔ اور تقدیر کلام اکثر علماء کے نزدیک یہ ہے ارایت کالذی حاج ابراھیم او كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ...... اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے اَوْ رایت مثل الذی مرّ...... الخ''۔ واللہ اعلم۔ آسان اور سادہ ترکیب یہ ہے کہ 'ک' کو زائدہ مانا جائے اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہو گی اَوْ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ مَرَّ علی قریة...... الخ۔ صاحبؒ انوار البیان نے یہ ترکیب بیان کی ہے واللہ اعلم۔ (الفاظ میں حروف زائدہ کیوں لکھے جاتے ہیں اس کی وضاحت آگے آیت 261 کے تحت نوٹ:1 میں دیکھیں)۔ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اس پر 'ک' حرف تشبیہ داخل ہے۔ جملہ فعلیہ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مجرور ہے 'ک' کی وجہ سے۔ وَھِیَ کا واؤ حالیہ ہے۔ ھِیَ مبتداء ہے، خَاوِیَةٌ خبر ہے اور عَلٰى عُرُوْشِهَا متعلق خبر ہے۔ اَنّٰى بمعنی کیف ہے۔ یُحْیِیْ فعل ہے، هٰذِهٖ اس کا مفعول ہے اور لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ بَعْدَ مَوْتِهَا ظرف ہے اور متعلق فعل ہے۔ اَمَاتَ فعل ہے، ہٗ ضمیر مفعول ہے اور لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے جبکہ مِائَةَ عَامٍ ظرف ہے، اس لیے مِائَةَ منصوب ہے۔ كَمْ لَبِثْتَ میں كَمْ کی تمیز محذوف ہے جو وقتاً ہو سکتی ہے۔ یاد رہے کہ كَمْ استفہامیہ کی تمیز واحد، نکرہ اور منصوب آتی ہے۔ بَلْ سے پہلے كَلَّا محذوف ہے۔ اُنْظُرْ فعل امر کا صیغہ ہے اور اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ متعلق فعل ہیں۔ طعام اور شراب کے لیے تثنیہ کا صیغہ آنا چاہیے تھا لیکن لَمْ یَتَسَنَّهْ واحد آیا ہے اس کی وضاحت آگے نوٹ میں کی جائے گی۔ اور یہ دراصل یَتَسَنَّهُ تھا جو لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ اُنْظُرْ بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور اِلٰى حِمَارِكَ متعلق فعل ہے۔ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ لِنَجْعَلَكَ میں لام کَیْ ہے اسی لیے مضارع منصوب ہوا ہے۔

نَجۡعَلَ فعل ہے، اس کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ کَ ضمیر مفعول اوّل ہے اور اٰیَۃً مفعول ثانی ہے جبکہ لِلنَّاسِ، اٰیَۃً سے متعلق ہے۔ نُنۡشِزُھَا اور نَکۡسُوۡھَا کی ضمیر مفعولی اَلۡعِظَامِ کے لیے ہیں جبکہ نَکۡسُوۡ کا مفعول ثانی لَحۡمًا ہے اور نَحۡنُ ضمیر جو ان میں شامل ہے، وہ فاعل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ فَلَمَّا میں 'ف' استئنافیہ ہے۔ لَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ شرط ہے اور قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ جواب شرط ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ لفظ اَللّٰہُ اس کا اسم ہے، قَدِیۡرٌ خبر ہے اور عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ متعلق خبر مقدم ہے۔ اور یہ پورا جملہ اَعۡلَمُ کا مفعول ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:259 |

| اَوۡ | کَالَّذِیۡ | مَرَّ | عَلٰی قَرۡیَۃٍ | وَّ | هِیَ | خَاوِیَۃٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| یا (کیا نہ دیکھا) | اس شخص کو جو | گزرا | ایک بستی پر | اس حال میں کہ | وہ | گری پڑی تھی |

| عَلٰی عُرُوۡشِهَا ۚ | قَالَ | اَنّٰی | یُحۡیٖ | هٰذِهِ | اللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اپنی چھتوں پر | اس نے کہا | کس طرح | زندہ کرے گا | اس کو | اللہ تعالیٰ |

| بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ | فَاَمَاتَهُ | اللّٰهُ | مِائَةَ عَامٍ | ثُمَّ |
|---|---|---|---|---|
| اس کی موت کے بعد | تو موت دے دی اس کو | اللہ نے | ایک سو سال تک کے لیے | پھر |

| بَعَثَهٗ ؕ | قَالَ | کَمۡ | لَبِثۡتَ ؕ | قَالَ | لَبِثۡتُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اس نے زندہ کر کے اُٹھایا اُسے | (اللہ نے) کہا | کتنا (عرصہ) | تو ٹھہرا رہا | اس نے کہا | میں ٹھہرا رہا |

| یَوۡمًا | اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ | قَالَ | بَلۡ | لَّبِثۡتَ | مِائَةَ عَامٍ |
|---|---|---|---|---|---|
| ایک دن | یا ایک دن کا کچھ (حصہ) | (اللہ نے) کہا | (نہیں) بلکہ | تو ٹھہرا رہا | ایک سو سال |

| فَانۡظُرۡ | اِلٰی طَعَامِكَ | وَشَرَابِكَ | لَمۡ یَتَسَنَّهۡ ۚ |
|---|---|---|---|
| پس تو دیکھ | اپنے کھانے کی طرف | اور اپنی پینے کی چیز کی طرف | وہ گلا سڑا ہی نہیں |

| وَانۡظُرۡ | اِلٰی حِمَارِكَ | وَلِنَجۡعَلَكَ | اٰیَةً |
|---|---|---|---|
| اور تو دیکھ | اپنے گدھے کی طرف | اور (یہ سب) اس لیے کہ ہم بنائیں تجھ کو | ایک نشانی |

| لِّلنَّاسِ | وَانۡظُرۡ | اِلَی الۡعِظَامِ | کَیۡفَ | نُنۡشِزُهَا | ثُمَّ |
|---|---|---|---|---|---|
| لوگوں کے لیے | اور تو دیکھ | ہڈیوں کی طرف | کیسے | ہم جوڑتے ہیں انہیں | پھر (کیسے) |

| نَکۡسُوۡهَا | لَحۡمًا ؕ | فَلَمَّا | تَبَیَّنَ | لَهٗ ۙ | قَالَ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم پہناتے ہیں انہیں | گوشت | پس جب | واضح ہو گیا | اُن کے لیے | تو انہوں نے کہا |

| اَعۡلَمُ | اَنَّ اللّٰهَ | عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ | قَدِیۡرٌ |
|---|---|---|---|
| میں جانتا ہوں | کہ اللہ | ہر چیز پر | قدرت رکھنے والا ہے |

**نوٹ:1** اُردو میں ہم کہتے ہیں ''دودھ اور دہی کا ذائقہ خراب نہیں ہوا''۔ حالانکہ گرامر کے لحاظ سے کہنا چاہیے تھا ''ذائقے خراب نہیں ہوئے''۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات کہنے کا یہ انداز عربی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ عربی میں کبھی واحد بول کر تثنیہ اور کبھی تثنیہ بول کر واحد مراد لیتے ہیں۔ اس

آیت میں بھی یہی انداز ہے کہ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ واحد بول کر تثنیہ مراد لیا گیا ہے۔

اِس حوالے سے آسان عربی گرامر کے ''ابتدائیہ'' میں بتائی گئی اس بات کو ذہن میں تازہ کر لیں کہ زبان پہلے وجود میں آتی ہے اور قواعد بعد میں مرتب کیے جاتے ہیں۔ اس لیے گرامر اہلِ زبان کے تابع ہوتی ہے لیکن اہلِ زبان گرامر کے پابند نہیں ہوتے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحبؒ)۔ ان کے شعروں میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ (حافظ احمد یار صاحبؒ)۔

**نوٹ:2** یَتَسَنَّہۡ کے مادے کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ''س ن ھ'' ہے۔ حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ہم نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ''س ن ن'' ہے۔ باب تفعّل میں اس کا مضارع یَتَسَنَّنُ بنتا ہے۔ یہ قاعدہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس لفظ میں ایک ہی حرف دو دفعہ آ جائے تو عام طور پر ان کا ادغام کر دیتے ہیں۔ اب یہ قاعدہ بھی نوٹ کر لیں کہ ایک ہی حرف اگر تین دفعہ آ جائے تو پہلے دو حروف کا ادغام کر کے تیسرے حرف کو ''ی'' میں تبدیل کر سکتے ہیں یعنی یہ قاعدہ اختیاری ہے۔ اس طرح یَتَسَنَّنُ تبدیل ہو کر یَتَسَنّٰی ہو گیا۔ پھر اس پر لَمۡ داخل ہوا تو ''ی'' گر گئی اور لَمۡ یَتَسَنَّ باقی بچا۔ اس کے آگے جو ہائے ساکن ہے اسے ہائے سکت کہتے ہیں۔ اس کو وقف کے لیے لگاتے ہیں اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ جیسے کِتٰبِیَہۡ۔ حِسَابِیَہۡ وغیرہ۔'' (69/ الحاقۃ:19۔20)۔ یاد رہے جب تائے تانیث پر وقف کرتے ہیں تو وہ بھی 'ہا' کی آواز دیتی ہے لیکن کتابت میں اس 'ت' پر دو نقطے آتے ہیں جیسے رَافِیَۃٌ، عَالِیَۃٌ، دَانِیَۃٌ وغیرہ۔ جبکہ ہائے سکت نقطوں سے خالی ہوتی ہے۔ اس پر وقف نہ کرنے کی صورت میں اس کی قرأت ساقط ہو جاتی ہے۔

**نوٹ:3** خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ کہ بستی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ چھتیں گریں پھر چھتوں کے اوپر دیواریں۔ (تفسیر ماجدیؒ)۔

## آیت:260

﴿وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَۃً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡہُنَّ اِلَیۡکَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡہُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُہُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا ؕ وَ اعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع﴾

| | | |
|---|---|---|
| د ع و: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ | ح ی ی: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ج ع ل: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ |
| د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | س ع ی: البقرۃ آیت 114 دیکھیں۔ |
| ع ز ز: البقرۃ آیت 129 دیکھیں۔ | ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | |

**ط م ء ن**

(رُباعی) طَمۡاَنَۃً ذہن کو خلجان سے خالی کرنا۔ پُرسکون کرنا۔ مطمئن کرنا۔

(اِفۡعِلَّالٌ) اِطۡمِئۡنَانًا (لازم)۔ (۱) ذہن کا خلجان سے خالی ہو جانا۔ پُرسکون ہو جانا۔ مطمئن ہو جانا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ﴾ ''عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿فَاِنۡ اَصَابَہٗ خَیۡرُ اطۡمَاَنَّ بِہٖ ۚ﴾ (22/ الحج:11) ''پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو

مطمئن ہوجاتا ہے اس سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) بسنا۔ سکونت اختیار کرنا۔ ٹھہرنا۔

**مُطْمَئِنٌّ** ج: مُطْمَئِنُّوْنَ۔ مُطْمَئِنِّيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ (۱) پُرسکون ہوجانے والا۔ ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ (16/النحل:106) ''بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اُس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (۲) بسنے والا۔ سکونت اختیار کرنے والا۔ ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ ﴾ (17/ بنی اسرائیل:95) ''فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُطْمَئِنَّةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ پرسکون۔ مطمئن۔ ﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴾ (89/ الفجر:27) ''اے اطمینان والی روح۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

## ط ی ر

(ض) **طَيْرًا** کسی چیز کا اڑنا۔ پھیل جانا۔ ﴿ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ ﴾ (6/ الانعام:38) ''اور نہ کوئی پرندہ جو اُڑتا ہے اپنے پروں پر۔''

**طَآئِرٌ** ج: طَيْرٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مختلف معانی میں آتا ہے۔

(۱) ہر پردار جانور جو ہوا میں اڑتا ہے۔ پرندہ۔ ﴿ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ ﴾ (6/ الانعام:38) ''اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے پروں پر۔'' ﴿ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾ (3/ آل عمران:49) ''وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لیے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے۔ پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ نیز آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس تو پکڑ چار پرندے۔''

(۲) اعمال، نیک ہوں یا بد۔ انسانی اعمال کو طائر اس لیے کہا گیا ہے کہ عمل کے سرزد ہونے کے بعد انسان کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ اسے واپس لے سکے گویا وہ ہاتھوں سے اڑ جاتا ہے۔ ﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ ۭ ﴾ (17/ بنی اسرائیل:13) ''اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔''

(۳) بدشگونی۔ نحوست۔ عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ جب وہ کسی اہم کام کا ارادہ کرتے تو پرندوں کو للکارتے اور ان سے فال لیتے۔ اگر پرندے دائیں یا بائیں نکل جاتے تو اسے منحوس تصور کرتے اور اس کام کو نہ کرتے۔ چنانچہ اس طرح اس لفظ کا استعمال بدشگونی اور نحوست کے معنوں میں ہونے لگا۔ اہل عرب اکثر پرندوں کی آوازوں سے بھی بدفالی پکڑتے تھے۔ ﴿ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ ﴾ (36/ یٰس:19) ''انہوں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔'' حضورؐ نے فرمایا: ''من رجعت الطيرة عن حاجته فقد اشرك'' جو کسی چیز سے بدفالی پکڑ کر اپنے مقصد سے لوٹ آیا اُس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! ایسا شخص کیا کفارہ دے تاکہ اس کی توبہ قبول ہو؟ فرمایا یہ کہے: اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثم يمضى لحاجتة (قرطبی) اے اللہ تیری فال کے بغیر اور کوئی فال نہیں۔ تیری بھلائی کے بغیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں یہ الفاظ کہہ کر اپنے کام کو چلا جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص: ۷۴)۔

(تفعّل) **تَطَيُّرًا** بدشگونی لینا۔ منحوس سمجھنا۔ ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ ﴾ (36/ یٰسین:18) ''انہوں نے کہا بیشک ہم تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔''

(استفعال) اِسۡتِطَارَۃً پھیل جانا۔منتشر ہونا۔

مُسۡتَطِیۡرٌ اسم الفاعل ہے۔پھیل جانے والا۔﴿ وَیَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴾(76/الدھر:7)''اور وہ لوگ خوف کرتے ہیں اس دن کا ہوگا جس کا شر پھیل جانے والا۔''

| ص | و | ر |
|---|---|---|

(ن) صَوۡرًا (۱) بُلانا۔مائل کرنا۔مانوس کرنا۔سدھارنا۔(۲) کاٹنا۔ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

صُرۡ فعل امر ہے۔تو مائل کر۔تو مانوس کر۔آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَۃً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡھُنَّ اِلَیۡکَ ﴾''فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''فصرھن کے دو معنی ہیں،ایک اس کا معنی ہے مائل اور مانوس کرنا اور ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے۔لیکن اس کا دوسرا معنی قطعھن ہے یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرو۔حضرت ابن عباسؓ اور ابن الانباری وغیرہما سے یہی منقول ہے۔''(ضیاء القرآن،ج۱،ص:۱۸۳)۔

صُوۡرَۃٌ ج:صُوَرٌ۔ اسم ذات ہے۔شکل۔حلیہ۔صورت۔﴿ فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ﴾(82/الانفطار:8)''جیسی شکل میں اس نے چاہا،اس نے ترتیب دیا تجھ کو۔''﴿ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ﴾(40/مومن:64)''تو اُس نے اچھی بنائیں تمہاری شکلیں۔''

صُوۡرٌ اسم ذات ہے۔ہر وہ چیز جس میں پھونکنے سے آواز پیدا ہو جیسے بگل۔سائرن وغیرہ۔﴿ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ﴾(6/الانعام:73)''جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔''

(تفعیل) تَصۡوِیۡرًا کسی کو کوئی شکل یا حلیہ دینا۔﴿ ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ﴾(3/آل عمران:6)''وہی ہے جو شکل دیتا ہے تم لوگوں کو رحموں میں جیسی وہ چاہتا ہے۔''

مُصَوِّرٌ اسم الفاعل ہے۔شکل دینے والا۔﴿ ھُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ ﴾(59/الحشر:24)''وہ اللہ ہے،پیدا کرنے والا،وجود بخشنے والا،صورت بنانے والا۔''

| ج | ب | ل |
|---|---|---|

(ن) جَبۡلًا (۱) پیدا کرنا۔کسی کی فطرت بنانا۔عربی میں کہتے ہیں جَبَلَہُ اللّٰہُ عَلَی الۡکَرَمِ اللہ نے شرافت و کرم اس کی فطرت میں رکھ دی ہے۔(۲) مٹی میں پانی ڈال کر گارا بنانا۔

جِبِلَّۃٌ اسم ذات ہے۔(۱) خلقت،فطرت،طبیعت۔(۲) مخلوق،بڑی جماعت۔﴿ وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَالۡجِبِلَّۃَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴾(26/الشعراء:184)''اور اس (اللہ قادر) سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا کیا۔''(ترجمہ تھانویؒ)۔

جِبِلٌّ اسم ذات ہے۔(۱) خلقت،فطرت،طبیعت (۲) مخلوق،بڑی جماعت۔جَبَلٌ (پہاڑ) کے معنی میں چونکہ بڑائی اور عظمت کا تصور موجود ہے،اس لیے بڑی جماعت کو جِبِلٌّ کہنے لگے یعنی ایسی جماعت جو اپنی بڑائی میں مثل پہاڑ کے ہو۔''﴿ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ﴾(36/یٰسٓ:62)''گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔''اور وہ (شیطان) تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا (ہے)۔''(ترجمہ تھانویؒ)۔

صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''جِبِلَّةٌ اور جِبِلٌّ مخلوق کے معنی میں ہے، جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا:﴿ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ﴾ (یٰسٓ:62)''اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا''اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُو الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنَ النَّاسِ (فتح القدیر)''۔ (احسن البیان،ص:۷ ۱۰۳)۔

جَبَلٌ ج: جِبَالٌ۔ پہاڑ۔﴿ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ﴾ (7/الاعراف:143)''ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔﴿ وَ كَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ﴾ (15/الحجر:82)''اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش اُن میں گھر بناتے تھے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**ج ز ء**

(ف) جَزَءًا کسی چیز کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا۔

جُزْءٌ اسم ذات ہے۔کسی چیز کا ٹکڑا۔حصہ۔﴿ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴾ (15/الحجر:44)''ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب**

'وَ' استئنافیہ ہے۔اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرْ محذوف ہے۔ قَالَ کا فاعل اِبْرٰهٖمُ ہے۔رَبِّ کی جر یائے متکلم کی علامت ہے یعنی یہ دراصل رَبِّیْ تھا۔اَرِ فعل امر ہے،نِیْ ضمیر مفعولی ہے اور آگے كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى پورا جملہ اس کا مفعول ثانی ہے۔قَالَ کا فاعل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اَوَ میں اَ استفہامیہ ہے اور 'وَ' عاطفہ ہے۔ یہاں معطوف علیہ محذوف ہے، جملہ یوں تھا اَلَمْ تَعْلَمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ۔ لِیَطْمَئِنَّ سے پہلے سَئَلْتُكَ محذوف ہے۔یَطْمَئِنَّ کا فاعل قَلْبِیْ ہے۔ فَخُذْ میں خُذْ فعل امر کا صیغہ ہے۔ اَرْبَعَةً اس کا مفعول ہے اور مِّنَ الطَّيْرِ متعلق فعل ہے۔ فَصُرْ میں 'فَ' عطف کا ہے۔صُرْ فعل امر کا صیغہ ہے هُنَّ ضمیر اس کا مفعول ہے جو پرندوں کے لیے ہے۔ اِلَیْكَ متعلق فعل ہے۔آگے ثُمَّ اجْعَلْ سے پہلے ایک جملہ محذوف مانا گیا ہے یعنی ثُمَّ قَطِّعْهُنَّ (احسن البیان و تفسیر ماجدیؒ)۔اِجْعَلْ فعل امر کا صیغہ ہے، جُزْءًا اس کا مفعول ہے جبکہ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ اور مِّنْهُنَّ متعلق فعل ہیں۔نوٹ کرلیں کہ کبھی كُلٌّ بمعنی بعض بھی آتا ہے۔اس آیت میں بعض مراد ہے۔ جُزْءًا سے مراد ہے ان پرندوں کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔اُدْعُ بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔طَيْرٌ غیر عاقل کی جمع مؤنث ہے۔اس لحاظ سے فعل واحد مؤنث آنا چاہیے تھا لیکن یَاْتِیْنَ جمع مؤنث آیا ہے۔یہ ایک استثنائی صورت ہے۔جیسے عام طور پر اَیَّامًا مَعْدُوْدَةً آتا ہے لیکن کبھی اَیَّامًا مَعْدُوْدٰتٍ بھی آجاتا ہے۔سَعْیًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔اِعْلَمْ فعل امر کا صیغہ ہے۔اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے،لفظ اَللّٰهَ اس کا اسم ہے اور عَزِيْزٌ اور حَكِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔یہ پورا جملہ اسمیہ اِعْلَمْ کا مفعول ہے۔

**ترجمہ**
**البقرۃ:260**

| وَاِذْ قَالَ | اِبْرٰهٖمُ | رَبِّ | اَرِ | نِیْ | كَيْفَ | تُحْيِ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا | حضرت ابراہیمؑ نے | اے میرے رب! | تو دکھا | مجھ کو | کیسے | تو زندہ کرے گا |

| الْمَوْتٰى | قَالَ | اَوَ | لَمْ تُؤْمِنْ | قَالَ | بَلٰى |
|---|---|---|---|---|---|
| مُردوں کو | (اللہ تعالیٰ نے) کہا | تو کیا | آپ کو یقین نہیں | (ابراہیمؑ نے) کہا | کیوں نہیں |

| وَلٰكِنْ | لِّیَطْمَئِنَّ | قَلْبِیْ | قَالَ | فَخُذْ |
|---|---|---|---|---|
| ولیکن | (یہ سوال اس لیے ہے کہ) تاکہ مطمئن ہوجائے | میرا دل | (اللہ تعالیٰ نے) کہا | پس تو پکڑ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اَرْبَعَۃً | مِّنَ الطَّیْرِ | فَصُرْ | ھُنَّ | اِلَیْکَ | ثُمَّ | اجْعَلْ |
| چار | پرندے | پھر تو مانوس کر لے | انہیں | اپنے ساتھ | پھر | تو رکھ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ | مِّنْھُنَّ | جُزْءًا | ثُمَّ | ادْعُھُنَّ | یَاْتِیْنَکَ |
| ہر ایک پہاڑ پر | ان کا | ایک ایک ٹکڑا | پھر | تو بلا انہیں | وہ چلے آئیں گے تیرے پاس |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| سَعْیًا ط | وَاعْلَمْ | اَنَّ اللّٰہَ | عَزِیْزٌ | حَکِیْمٌ |
| دوڑتے ہوئے | اور تو جان لے | کہ اللہ | زبردست/غالب ہے | حکمت والا ہے |

**نوٹ:1** اِس سے پہلے رُباعی مجرد کے چند الفاظ آ چکے ہیں اور اب رُباعی مزید فیہ کا لفظ پہلی مرتبہ آیا ہے۔ چونکہ آسان عربی گرامر میں آپ نے رُباعی کو نہیں پڑھا ہے اس لیے اس مقام پر اس کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) رُباعی کے اوزان میں فا اور عین کے بعد لام دو مرتبہ آتا ہے۔ نوٹ کر لیں کہ پہلا لام مادے کے تیسرے حرف کے لیے اور دوسرا لام چوتھے حرف کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) رُباعی مجرد کا ایک ہی باب ہے۔ اس کا ماضی اور مضارع فَعْلَلَ اور یُفَعْلِلُ کے وزن پر آتے ہیں۔ جبکہ مصدر کے لیے زیادہ تر فَعْلَلَۃٌ اور فِعْلَالٌ کے اوزان استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے طَمْئَنَ۔ یُطَمْئِنُ۔ طَمْئَنَۃٌ اور زَلْزَلَ۔ یُزَلْزِلُ۔ زِلْزَالًا وغیرہ۔ یہ باب زیادہ تر متعدی ہوتا ہے۔

(۳) رُباعی مزید فیہ کے تین ابواب ہیں جس میں سے ایک آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ اس کے ماضی۔ مضارع اور مصدر کے اوزان یہ ہیں۔ اِفْعَلَلَّ۔ یَفْعَلِلُّ۔ اِفْعِلَالًا۔ آپ کی آسانی کے لیے ہم نے مصدر کے وزن کو کھول کر اِفْعِلْ لَالٌ لکھا ہے تاکہ تیسرے اور چوتھے کلمہ پر آپ صحیح حرکات و سکنات لگا سکیں۔ نوٹ کر لیں کہ اس باب کا ہمزہ، ہمزۃ الوصل ہے اور یہ باب زیادہ تر لازم ہوتا ہے۔

**نوٹ:2** ’’اس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ اِس بات میں متردد تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہاں سوال کیف سے ہو رہا ہے۔ اور کیف سے سوال اُس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ و ذلک ان الاستفھام بکیف انما ھو سؤال عن حالۃ شیئ موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول (قرطبی) پھر آگے فرماتے ہیں: یہاں آپ کی زبان سے کہلوا دیا بَلٰی کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ تو جب ایمان و یقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۱۸۳)۔

## آیت:261

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾﴾

ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔ ن ب ت: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔
ض ع ف: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔

**س ب ع**

(ف) سَبْعًا ساتواں ہونا۔ مال کا ساتواں حصہ لینا۔ سات لڑیوں کی رسی بنانا۔ سات بنانا۔

سَبْعٌ — اسم عدد بھی ہے۔ سات۔ ﴿ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ (2/البقرۃ:29) ’’سات آسمان‘‘ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ سَبْعَ سَنَابِلَ ﴾ ’’سات بالیاں۔‘‘ ﴿ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ﴾ (15/الحجر:44) ’’اس کے سات دروازے ہیں۔‘‘

سَبْعُوْنَ-سَبْعِيْنَ — ستر۔ ﴿ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴾ (69/الحاقۃ:32) ’’پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے، اس کو جکڑ دو۔‘‘ (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ (9/التوبۃ:80) ’’اگر آپؐ استغفار کریں ان کے لیے ستر مرتبہ تو (بھی) ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو۔‘‘

سَبُعٌ — اسم ذات ہے۔ درندہ۔ ﴿ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ﴾ (5/المآئدہ:3) ’’اور جس کو کھایا درندے نے۔‘‘

## س ن ب ل

(رُباعی) سَنْبَلَةً — کھیتی کا بالیں نکالنا۔

سُنْبُلٌ — اسم ذات ہے۔ ج: سَنَابِلُ۔ سُنْبُلَةٌ: ایک بالی۔ ایک خوشہ۔ ج: سُنْبُلٰتٌ: بالیں۔ خوشے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ﴾ ’’جس نے اُگائے سات خوشے/ بالیاں ہر ایک خوشے/ بالی میں سو دانے ہوں۔‘‘ نیز فرمایا: ﴿ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ ﴾ (12/یوسف:47) ’’پس جو تم لوگ کاٹو تو چھوڑ دو اس کو اس کے خوشے میں۔‘‘ ﴿ وَسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ ﴾ (12/یوسف:43) ’’اور سات سبز بالیں/خوشے۔‘‘

## ترکیب

مَثَلُ مضاف ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور آگے جملہ فعلیہ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے اور مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتداء ہے۔ یہاں مَثَلُ کے بعد مضاف محذوف ہے۔ جملہ یوں تھا مَثَلُ اِنْفَاقِ الَّذِيْنَ...... یعنی جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایک دانے کی مثال کی مانند ہے۔ يُنْفِقُوْنَ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَمْوَالَهُمْ اس کا مفعول ہے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ اس مبتداء کی خبر محذوف ہے اور جملہ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ متعلق خبر ہے۔ كَمَثَلِ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حَبَّةٍ مجرور ہے۔ جملہ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ، حَبَّةٍ کی صفت ہے۔ اَنْۢبَتَتْ کا فاعل اس میں هِيَ ضمیر ہے جو حَبَّةٍ کے لیے ہے، جبکہ مرکب اضافی سَبْعَ سَنَابِلَ اس کا مفعول ہے۔ اس لیے اس کا مضاف سَبْعَ منصوب ہے اور مضاف الیہ سَنَابِلَ محلاً مجرور ہے۔ مِائَةُ حَبَّةٍ مبتداء موخر ہے اس لیے مضاف مِائَةُ مرفوع ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ وَاللّٰهُ میں وٗ استئنافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ خبر ہے۔ آگے وَاللّٰهُ میں وٗ عطف کا ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتدا ہے اور وَاسِعٌ اور عَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ — البقرۃ:261**

| كَمَثَلِ حَبَّةٍ | فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | اَمْوَالَهُمْ | يُنْفِقُوْنَ | مَثَلُ الَّذِيْنَ |
|---|---|---|---|---|
| ایک ایسے دانے کی مثال کی مانند ہے | اللہ کی راہ میں | اپنے مالوں کو | خرچ کرتے ہیں | ان لوگوں (کے خرچ) کی مثال جو |

| يُضٰعِفُ | وَاللّٰهُ | مِّائَةُ حَبَّةٍ | فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ | سَبْعَ سَنَابِلَ | اَنْۢبَتَتْ |
|---|---|---|---|---|---|
| (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے | اور اللہ | سو دانے ہوں | ہر ایک خوشے/ بالی میں | سات خوشے/ بالیاں | جو اُگائے |

| عَلِيْمٌ | وَاسِعٌ | وَاللّٰهُ | يَّشَآءُ | لِمَنْ |
|---|---|---|---|---|
| خوب جاننے والا ہے | بڑی وسعت والا ہے | اور اللہ | وہ چاہتا ہے | جس کے لیے |

**نوٹ:1** لفظ مِائَۃٌ میں الف زائدہ ہے جیسے اُولٰٓئِکَ میں واؤ زائدہ ہے۔ چند الفاظ میں حروف زائدہ لکھنے کی وجہ سمجھ لیں۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی اور آج بھی عربی حرکات وسکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے جیسے فارسی اور اُردو حرکات وسکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ البتہ غیر عربی لوگوں کی سہولت کے لیے بعد میں قرآن مجید میں حرکات وسکنات لکھنے کا رواج ہوا۔

اسی طرح عربی حروف پر نقطے ڈالنے کا رواج بھی بعد میں ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں عربی، حروف کے نقطوں کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔ مثلاً اس زمانے میں حرف ''ح'' کو حسب موقع ج۔ ح اور خ پڑھا جاتا تھا اور بالکل درست پڑھا جاتا تھا۔ ہم لوگ اس کو ناممکن قرار دینے سے پہلے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ انگریزی ہماری مادری زبان نہیں ہے، اس کے باوجود ہم لوگ انگریزی حرف ''C'' کو لفظ CIRCLE میں پہلے سین کی آواز سے اور پھر کاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں حرف ''G'' کو لفظ GENERAL میں جیم اور GOD میں گاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں۔ علیٰ ھٰذَا القیاس۔

بہر حال عربی حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ الفاظ میں مشابہت دور کرنے کے لیے کسی ایک لفظ میں کوئی زائد حرف لکھا جاتا تھا۔ جیسے اِلَیْکَ سے فرق کرنے کے لیے اُولٰٓئِکَ میں واؤ زائد لکھا گیا۔ اسی طرح مِنْہُ سے فرق کرنے کے لیے مِائَۃٌ میں الف زائد لکھا گیا۔ (واللہ اعلم) (از لطف الرحمٰن خان صاحبؒ)

**نوٹ:2** کُلٌّ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جاتا ہے۔ کُلٌّ کا مضاف الیہ زیادہ تر واحد نکرہ آتا ہے۔ لیکن اگر معرفہ آئے تو مفہوم میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ مثلاً کُلُّ کِتَابٍ کا مطلب ہے ہر ایک کتاب۔ جبکہ کُلُّ الْکِتَابِ کا مطلب ہے کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے۔

## آیت:262

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًی ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | س ب ل: البقرۃ آیت 108 دیکھیں۔ | ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| م ن ن: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ | ء ذ ی: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ سے لے کر مَنًّا وَّ لَآ اَذًی تک اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ یہ پورا جملہ گزشتہ آیت کا بدل ہے۔ یُنْفِقُوْنَ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، اَمْوَالَھُمْ اس کا مفعول ہے اور فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ متعلق فعل ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور اگلے جملے کا عطف یُنْفِقُوْنَ پر ہے۔ یُتْبِعُوْنَ فعل ہے، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، مَآ اَنْفَقُوْا، صلہ اور موصول مل کر اس کا مفعول اوّل ہے اور مَنًّا وَّ لَآ اَذًی اس کے مفعول ثانی ہیں۔ اَجْرُھُمْ مبتداء مؤخر ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ لَھُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور عِنْدَ رَبِّھِمْ متعلق خبر ہے۔ لَا خَوْفٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے، اس کی خبر بھی محذوف ہے اور عَلَیْھِمْ قائم مقام خبر ہے۔ ھُمْ مبتداء ہے اور یَحْزَنُوْنَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اَلَّذِیْنَ | یُنْفِقُوْنَ | اَمْوَالَھُمْ | فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ | ثُمَّ | لَا یُتْبِعُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:262 | جو لوگ | خرچ کرتے ہیں | اپنے مال | اللہ کی راہ میں | پھر | وہ لوگ پیچھے نہیں لگاتے |

| مَآ | اَنۡفَقُوۡا | مَنًّا | وَّلَاۤ اَذًی ۙ | لَّهُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| اس کے جو | انہوں نے خرچ کیا | احسان جتانا | اور نہ ہی ستانا | ان کے لیے ہے |

| اَجۡرُهُمۡ | عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ | وَلَا خَوۡفٌ | عَلَيۡهِمۡ | وَلَا هُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| ان کا اجر | ان کے رب کے پاس | اور کوئی خوف نہیں ہے | ان پر | اور نہ ہی وہ لوگ |

| يَحۡزَنُوۡنَ |
|---|
| غمگین ہوں گے |

## آیت:263

﴿قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّ مَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ ۝۲۶۳﴾

ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔
ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ ت ب ع: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ ء ذ ی: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔
ح ل م: البقرۃ آیت 225 دیکھیں۔

### غ ن ی

(س) غِنًی، مَغۡنًی (۱) کسی قسم کی کوئی ضرورت لاحق نہ ہونا۔ ضروریات سے بے نیاز ہونا۔ (یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے)۔ (۲) مالدار رہنا۔ بےفکر و بے پرواہ ہونا۔ (یہ مفہوم غیر اللہ کے لیے ہے)۔ (۳) کسی جگہ آرام وعیش سے مدت دراز تک رہنا۔ آباد ہونا۔ اقامت کرنا۔ گویا ایسا شخص دوسری جگہ رہنے سے بے نیاز ہے۔ ﴿كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ﴾ (10/یونس:24) ''گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ﴾ (11/ھود:68) ''(انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

غَنِىٌّ ج: اَغۡنِيَآءُ۔ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ بے نیاز۔ بے پرواہ۔ مالدار۔ جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ اس کی ضد فقیر ہے۔ یہ لفظ اکثر مال و دولت سے بے نیاز ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ ۝۲۶۳﴾ ''اور اللہ بے نیاز ہے، نہایت تحمل والا ہے۔'' ﴿اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ وَهُمۡ اَغۡنِيَآءُ ۚ﴾ (9/التوبۃ:93) ''الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے رخصت مانگی آپؐ سے اس حال میں کہ وہ لوگ مالدار تھے۔''

(افعال) اِغۡنَآءٌ (۱) کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنا۔ تکلیف دور کرنا۔ کسی کے کام آنا۔ کسی کو فائدہ پہنچانا۔ عموماً اس معنی میں عَنۡ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ (۲) کسی کو مالدار کرنا۔ (۳) بےفکر و بے پرواہ کرنا۔ ﴿مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ ۝۲﴾ (111/اللھب:2) ''کام نہیں آیا اس کے اس کا مال اور جو اس نے کمایا۔'' ﴿وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِىۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا﴾ (53/النجم:26) ''اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ ۝۷﴾ (88/الغاشیۃ:7) ''نہ موٹا کرے اور نہ کام آئے بھوک

میں۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى﴾ (53/النجم:48) "اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (9/التوبۃ:74) "اور انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق الٰہی سے مالدار کر دیا۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى﴾ (93/الضحیٰ:8) "اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (4/النساء:130) "اور اگر دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پرواہ کر دے گا اپنی کشائش سے۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (80/عبس:3) "ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُغْنِي** ج: مُغْنُوْنَ۔ مُغْنِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ کام آنے والا۔ بے پرواہ کرنے والا۔ بچانے والا۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (14/ابراہیم:21) "تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کر سکنے والے ہو؟" (ترجمہ احسن البیان)۔

**(استفعال) اِسْتِغْنَاءً** بے نیازی اختیار کرنا۔ پرواہ نہ کرنا۔ بے فکر و بے پرواہ ہونا۔ ﴿فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ﴾ (64/التغابن:6) "انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور اللہ نے (بھی ان کی کچھ) پرواہ نہ کی۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى﴾ (92/اللیل:8) "اور جس نے (حقوق واجبہ سے) بخل کیا اور (بجائے اللہ سے ڈرنے کے اللہ سے) بے پروائی اختیار کی۔" (ترجمہ تھانویؒ)۔

**ترکیب**

مرکب توصیفی قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اور مفرد مَغْفِرَةٌ یہ دونوں مبتداء نکرہ ہیں اور خَيْرٌ ان کی خبر ہے اور مِنْ صَدَقَةٍ متعلق خبر ہے۔ خَيْرٌ افعل تفضیل ہے اور مِنْ کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہ واحد ہی رہے گا۔ صَدَقَةٍ نکرہ موصوفہ ہے اور جملہ فعلیہ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى اس کی صفت ہے۔ يَتْبَعُ کا فاعل اَذًى ہے اس لیے یہاں پر یہ محلاً مرفوع ہے۔ وٌاستئنافیہ ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتداء ہے اور غَنِيٌّ اور حَلِيْمٌ اس کی خبریں ہیں۔

**ترجمہ**

**البقرۃ:263**

| قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ | وَّ مَغْفِرَةٌ | خَيْرٌ | مِّنْ صَدَقَةٍ | يَّتْبَعُهَاۤ |
|---|---|---|---|---|
| اچھی بات کرنا | اور معاف کر دینا | زیادہ بہتر ہے | ایسے صدقے سے | پیچھے آتا ہو جس کے |

| اَذًى | وَاللّٰهُ | غَنِيٌّ | حَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|
| ستانا | اور اللہ | بے نیاز ہے | نہایت تحمل والا ہے |

**نوٹ**

"یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کے اصرار اور بدخوئی پر درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے کہ بار بار اس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعنہ دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اس کو حاجت نہیں جو صدقہ اس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے اور حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔" (تفسیر عثمانی، ص:۵۶)۔

## آیت:264

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا
يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ب ط ل: البقرۃ آیت 42 دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | م ن ن: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ |
| ء ذ ی: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ر ء ی: البقرۃ آیت 55 دیکھیں۔ |
| ص ف و: البقرۃ آیت 130 دیکھیں۔ | ص و ب: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ت ر ك: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |
| ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ | ك س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ | |

### ت ر ب

(س) تَرَبًا کسی چیز کو مٹی لگنا۔ خاک آلود ہونا۔

(س) مَتْرَبًا محتاج ہونا۔

مَتْرَبَةٌ اسم ذات ہے۔ سخت محتاجی جو مٹی میں ملا دے۔ سخت ناداری۔ ﴿أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾﴾ (90/البلد:16) ''یا کسی خاک نشین محتاج کو۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

تُرَابٌ اسم ذات ہے۔ مٹی۔ ﴿فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ﴾ (22/الحج:5) ''تو ہم نے (اوّل) تم کو مٹی سے بنایا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾ ''جس پر کچھ مٹی (آ گئی) ہو۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

تَرِيبَةٌ ج: تَرَائِبُ۔ سینے کی پسلی۔ ﴿يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿٧﴾﴾ (86/الطارق:7) ''وہ نکلتا ہے پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے۔''

تِرْبٌ ج: أَتْرَابٌ۔ ایک مٹی میں کھیلے ہوئے۔ ہم عمر۔ ہم مزاج۔ پیار و محبت کرنے والی۔ اکثر اس کا استعمال عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: هذه ترب فلانة ''یہ عورت فلاں کی ہم عمر ہے۔'' ﴿وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾﴾ (78/النبا:33) ''اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### و ب ل

(ک) وَبَلًا کسی چیز کا سخت ہونا۔ نقصان دِہ ہونا۔ کسی چیز کا ناگوار ہونا۔

(ض) وَبَلًا موٹے قطروں والی بارش ہونا۔

وَابِلٌ بڑے اور وزنی قطروں والی بارش۔ زور کی بارش۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَأَصَابَهُ وَابِلٌ﴾ ''پھر برسے اس پر زور کی بارش۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

وَبَالٌ بُرا انجام۔ سزا۔ ﴿لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ﴾ (5/المائدہ:95) ''تاکہ وہ چکھے سزا اپنے کام کی۔''

وَبِيلٌ فَعِيلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ سخت۔ نقصان دِہ۔ مُضر۔ ﴿فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾﴾ (73/المزمل:16) ''تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

### ص ل د

(ض) صَلْدًا، صُلُودًا گنجے سر کا چمکنا۔ پتھر کا چکنا اور چمکدار ہونا۔ زمین کا سخت ہونا۔

صَلۡدٌ اسم ذات بھی ہے۔ ٹھوس چکنا پتھر جس پر کچھ نہ اُگے۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا﴾ ''اور چھوڑ جائے اُسے چٹیل صاف پتھر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## ترکیب

یٰۤا حرف نداء ہے اور اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا، صلہ اور موصول مل کر منادیٰ ہے۔ لَا تُبۡطِلُوۡا میں لَا نہی کا ہے اسی لیے تُبۡطِلُوۡا مجزوم ہوا ہے۔ تُبۡطِلُوۡا کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جبکہ صَدَقٰتِكُمۡ اس کا مفعول ہے اور بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی متعلق فعل ہیں۔ كَالَّذِیۡ میں 'کَ' تشبیہ کا ہے اور اَلَّذِیۡ اسم موصول ہے۔ آگے جملہ فعلیہ یُنۡفِقُ مَالَهٗ...... وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ تک اس کا صلہ ہے۔ یُنۡفِقُ کا مفعول مَالَهٗ ہے جبکہ رِئَآءَ النَّاسِ حال ہونے کی وجہ سے یا مفعول لَهٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَلَا یُؤۡمِنُ کا واو عطف کا ہے۔ فَمَثَلُهٗ میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ مرکب اضافی مَثَلُهٗ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے جبکہ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ متعلق خبر ہے۔ صَفۡوَانٍ نکرہ موصوفہ ہے۔ تُرَابٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور عَلَیۡهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی ضمیر صَفۡوَانٍ کے لیے ہے۔ فَاَصَابَهٗ کی ضمیر مفعولی بھی صَفۡوَانٍ کے لیے ہے اور اس کا فاعل وَابِلٌ ہے۔ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا میں 'فَ' عطف کا ہے، تَرَكَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو کہ وَابِلٌ کے لیے ہے جبکہ ضمیر مفعولی 'هٗ' صَفۡوَانٍ کے لیے ہے۔ صَلۡدًا مفعول ثانی یا حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ لَا یَقۡدِرُوۡنَ میں لَا نفی کا ہے، یَقۡدِرُوۡنَ کا فاعل اس میں شامل هُمۡ ضمیر ہے اور عَلٰی شَیۡءٍ متعلق فعل ہے۔ مِمَّا میں مَا اسم موصول ہے اور كَسَبُوۡا جملہ فعلیہ صلہ ہے اور یہ بھی متعلق فعل ہے۔ وَاللّٰهُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے جبکہ جملہ فعلیہ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ اس کی خبر ہے۔ اَلۡكٰفِرِیۡنَ صفت ہے۔ اَلۡقَوۡمَ کی۔

## ترجمہ
البقرۃ:264

| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ | اٰمَنُوۡا | لَا تُبۡطِلُوۡا | صَدَقٰتِكُمۡ | بِالۡمَنِّ |
|---|---|---|---|---|
| اے لوگو! جو | ایمان لائے ہو | تم لوگ ضائع مت کرو | اپنے صدقات کو | احسان جتانے سے |

| وَالۡاَذٰی | كَالَّذِیۡ | یُنۡفِقُ | مَالَهٗ | رِئَآءَ النَّاسِ | وَ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور ستانے سے | اس (شخص) کی طرح جو | خرچ کرتا ہے | اپنا مال | لوگوں کو دکھانے کے لیے | اور |

| لَا یُؤۡمِنُ | بِاللّٰهِ | وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ | فَمَثَلُهٗ | كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ |
|---|---|---|---|---|
| وہ ایمان نہیں لاتا | اللہ پر | اور آخری دن (آخرت) پر | تو اس کی مثال | ایک ایسے صاف پتھر کی مثال کی طرح ہے |

| عَلَیۡهِ | تُرَابٌ | فَاَصَابَهٗ | وَابِلٌ | فَتَرَكَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| جس پر | کچھ مٹی ہو | پھر آ لگی اس کو | ایک موٹی بوندوں والی بارش | تو اس نے چھوڑا اس کو |

| صَلۡدًا | لَا یَقۡدِرُوۡنَ | عَلٰی شَیۡءٍ | مِمَّا | كَسَبُوۡا | وَاللّٰهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| چٹیل صاف پتھر | وہ لوگ قابو نہیں پاسکیں گے | کسی چیز پر | اس میں سے جو | انہوں نے کمایا | اور اللہ |

| لَا یَهۡدِی | الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ |
|---|---|
| ہدایت نہیں دیتا | ایسی کافر قوم کو |

## نوٹ

''یہ منافق اور ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش برستی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر پھر چٹیل کا چٹیل رہ جاتا ہے۔ اسی طرح منافق کے اعمال خیر کی حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو بہت کچھ دکھائی دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز وہ یوں ناپید ہوجائیں گے جیسے بارش کے بغیر پتھر سے مٹی ناپید ہوجاتی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۸۶)۔

## آیت:265

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢٦٥﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ |
| ث ب ت: البقرۃ آیت 250 دیکھیں۔ | ص و ب: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ء ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ |
| ض ع ف: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ | | |

**ر ب و**

(ن) **رِبَاءً** کسی چیز کا اپنی جگہ سے بلند ہونا۔ اُگنا۔ اُبھرنا۔ بڑھنا۔ زیادہ ہونا۔ ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (22/الحج:5) ''اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی، پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی، تازی ہوگئی اور اُبھری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ (30/الروم:39) ''اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**اَرْبٰى** اَفعل التفضیل ہے۔ زیادہ اُگنے یا بڑھنے والا۔ ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ﴾ (16/النحل:92) ''کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو۔ محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

**رَابٍ** فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ اُبھرنے والا۔ چڑھنے والا۔ ﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ﴾ (13/الرعد:17) ''تو اُٹھا لیا سیلاب کی رَو نے اُبھرا ہوا جھاگ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**رَابِيَةٌ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ ابھرنے والی۔ چڑھنے والی۔ سخت۔ ﴿فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠﴾ (69/الحاقۃ:10) ''اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی (بالآخر) اللہ نے انہیں بھی زبردست گرفت میں لے لیا'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے تحت صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں: ''رَابِيَةٌ، رَبَا يَرْبُوْ سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں۔ یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے زائد یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا اَخْذَةً رَّابِيَةً کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔'' (احسن البیان، ص:۱۶۲۰)۔

**رِبٰوا** اسم ذات ہے۔ بڑھی ہوئی چیز۔ زیادتی۔ اضافہ۔ اصطلاحاً سود اور بیاج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رِبٰو کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ اصطلاح شریعت میں رِبٰوا کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ اہل عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اردو میں اس کا ترجمہ سود ہے اور سود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۴۶)۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:276) ''مٹاتا ہے اللہ سود کو اور وہ بڑھاتا ہے صدقات کو۔''

قرآنِ مجید میں یہ لفظ 'ر' کے بعد 'ب' اور 'ب' کے بعد 'و' اور الف سے لکھا گیا ہے۔ سوائے سورہ روم آیت 39 کے جہاں 'ر'

'ب' اور الف سے لکھا گیا ہے (رِبًا)۔ ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (30/الروم:39) ''اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ (نوٹ: رِبٰوا کی تفصیل کے لیے معارف القرآن اور تفہیم القرآن دیکھیں، آیت 275 کے تحت)۔

رَبْوَۃٌ: اسم ذات ہے۔ عام سطح سے بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ شاداب زمین۔ ﴿ وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴾ (23/المومنون:50) ''اور انہیں بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ ﴾ ''ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افعال) اِرْبَاءً: بلند کرنا۔ بڑھانا۔ زیادہ کرنا۔ ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ﴾ (2/البقرۃ:276) ''مٹاتا ہے اللہ سود کو اور وہ بڑھاتا ہے صدقات کو۔''

(تفعیل) تَرْبِيَةً: پالنا پوسنا۔ تربیت کرنا۔ پروان چڑھانا۔ پرورش کرنا۔ ﴿ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:24) ''اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ﴾ (26/الشعراء:18) ''فرعون کہنے لگا کہ (آہا تم ہو) کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

## ط ل ل

(ن) طَلًّا: شبنم پڑنا۔ پھوار پڑنا۔

طَلٌّ: اسم ذات ہے۔ شبنم۔ پھوار۔ اوس۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾ ''اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

## ترکیب

'وَ' عطف کا ہے اور جملہ مَثَلُ الَّذِيْنَ...... مِّنْ اَنْفُسِهِمْ تک مبتداء ہے۔ اس میں مَثَلَ مضاف ہے، اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے۔ يُنْفِقُوْنَ کا مفعول اَمْوَالَهُمْ ہے جبکہ مرکب اضافی اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ مفعول لَهٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَرْضَاتِ کو لمبی تا سے لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔ تَثْبِيْتًا بھی مفعول لَهٗ ہے۔ اس مبتداء کی خبر محذوف ہے اور كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ قائم مقام خبر ہے۔ كَ حرف تشبیہ ہے، مَثَلِ مضاف ہے اور جَنَّةٍ مضاف الیہ ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور بِرَبْوَةٍ قائم مقام خبر ہے۔ بِرَبْوَةٍ میں 'بِ' بمعنی عَلٰی ہے۔ جَنَّةٍ نکرہ مخصوصہ ہے اور جملہ اَصَابَهَا وَابِلٌ اس کی صفت ہے۔ اَصَابَهَا کا فاعل وَابِلٌ ہے اور اس کی ضمیر مفعولی جَنَّةٍ کے لیے ہے۔ فَاٰتَتْ کی ضمیر فاعلی هِيَ بھی جَنَّةٍ کے لیے ہے۔ اُكُلَهَا اس کا مفعول ہے اور ضِعْفَيْنِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَاِنْ میں 'فَ' استئنافیہ ہے۔ اِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ جملہ شرطیہ ہے اور فَطَلٌّ جواب شرط ہے۔ فَطَلٌّ مبتدا اور اس کی خبر محذوف جو کہ يَكْفِيْهَا ہو سکتی ہے۔ وَاللّٰهُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے، بَصِيْرٌ اس کی خبر ہے اور بِمَا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے، جس کو تاکید کے لیے مقدم کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ | وَمَثَلُ الَّذِيْنَ | يُنْفِقُوْنَ | اَمْوَالَهُمُ | ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:265 | اور مثال ان لوگوں کی جو | خرچ کرتے ہیں | اپنے مال | اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے |

| وَ تَثْبِيْتًا | مِّنْ اَنْفُسِهِمْ | كَمَثَلِ جَنَّةٍ |
|---|---|---|
| اوراس غرض سے کہ پختگی پیدا کریں | اپنے نفسوں میں | ایک ایسے باغ کی مثال کی طرح ہے جو |

| بِرَبْوَةٍ | اَصَابَهَا | وَابِلٌ | فَاٰتَتْ |
|---|---|---|---|
| ایک ٹیلے پر ہو | آ لگی ہو اس کو | موٹے قطروں والی بارش/زور کی بارش | اوراس نے دیا ہو |

| اُكُلَهَا | ضِعْفَيْنِ | فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا | وَابِلٌ |
|---|---|---|---|
| اپنا پھل | دوگنا | پھر اگر نہ لگی ہو اس کو | موٹے قطروں والی بارش/زور کی بارش |

| فَطَلٌّ | وَاللّٰهُ | بِمَا | تَعْمَلُوْنَ | بَصِيْرٌ |
|---|---|---|---|---|
| تو ایک پھوار (بھی اس کو کافی ہے) | اور اللہ تعالیٰ | اس کو جو | تم لوگ کر رہے ہو | خوب دیکھنے والا ہے |

**نوٹ:1** ''مال خرچ کرنے سے اللہ کے مخلص اور پاکباز بندوں کی ایک غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اُن کا رب کریم اُن پر راضی ہو جائے۔ اوراس کے علاوہ دوسری غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ دلوں میں اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کی استعداد پختہ اور ملکہ راسخ ہو جائے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اس کا خرچ کرنا ابتداء میں بے شک گراں گزرتا ہے لیکن جب انسان خرچ کرنا شروع کر دیتا ہے تو دِل آہستہ آہستہ اس کا خوگر اور اس کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور راہِ خدا میں سب کچھ لُٹانے کی استعداد پختہ ہو جاتی ہے پھر مال تو مال رہا وہ اپنی جان عزیز تک نثار کرنے کو سب سے بڑی سعادت یقین کرنے لگتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص:۱۸۷)

**نوٹ:2** ''زور کی بارش'' سے مراد وہ خیرات ہے، جو انتہائی جذبۂ خیر اور کمال درجے کی نیک نیتی کے ساتھ کی جائے اور ہلکی پھوار سے مراد ایسی خیرات ہے، جس کے اندر جذبۂ خیر کی شدت نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۱، ص:۲۰۵)۔

## آیت:266

﴿ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| و د د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ج ر ی: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ن ھ ر: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ |
| ث م ر: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | ص و ب: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ك ب ر: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |
| ذ ر ر: البقرۃ آیت 124 دیکھیں۔ | ض ع ف: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ | ب ی ن: البقرۃ آیت 68 دیکھیں۔ |
| ف ك ر: البقرۃ آیت 219 دیکھیں۔ | | |

**ن خ ل**

(ن) نَخْلًا آٹا چھان کر بھوسی الگ کرنا۔ صاف کرنا۔ خالص دوستی کرنا۔ اچھی چیز پسند کرنا۔

نَخْلٌ اور نَخِيْلٌ اسم جنس ہیں۔ کھجوریں یا کھجور کے درخت۔ واحد: نَخْلَةٌ اور نَخِيْلَةٌ۔ ﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ﴾ (6/الانعام:99) ''اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو (مارے بوجھ کے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴾ (55/الرحمن:68) ''ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ (19/مریم:25) ''اور اس کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف کو ہلاؤ۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ (16/النحل:11) ''اس (پانی) سے تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور ہر قسم کے پھل (زمین سے) اگاتا ہے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ نیز آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ ''بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

## ع ص ر

(ض) عَصْرًا کسی چیز کا رس نچوڑنا۔ ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ (12/یوسف:36) ''میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ﴾ (12/یوسف:49) ''اور اس میں وہ لوگ رس نچوڑیں گے۔''

عَصْرٌ اسم ذات ہے۔ (۱) زمانہ، جو انتہائی تیزی سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ عربی زبان میں گزرتے ایام کے لیے خاص لفظ یہی عصر ہے۔ ﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾ (103/العصر:1،2) ''زمانے کی قسم بیشک تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

(۲) عصر بمعنی اَلْعَشِيُّ بھی آتا ہے یعنی زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کا زمانہ۔ اسی سے صَلَاةُ الْعَصْرِ (نمازِ عصر) ہے اور اسی سے وقت عصر مراد ہے۔

(۳) اَلْعَصْرَانِ سے عربی زبان میں صبح و شام مراد ہوتی ہے اور یہ اَلْقَمَرَانِ کی طرح ہے جس سے مراد چاند اور سورج ہیں۔

اِعْصَارٌ اسم ذات ہے۔ گرد و غبار والی تند و تیز ہوا۔ بگولہ۔ سائکلون۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ﴾ ''پھر آ لگے اس کو ایک بگولہ۔''

(افعال) اِعْصَارًا بارش برسانا۔

مُعْصِرٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ بادل جو پانی نچوڑتے یعنی گراتے ہیں۔

مُعْصِرَةٌ ج: مُعْصِرَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ بادل جو پانی نچوڑتے یعنی گراتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝﴾ (78/النبا:14) ''اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور بارش برستی ہے معصرات ان بادلوں کو بھی کہتے ہیں جو بارش کے پانی سے لدے پھندے ہوتے ہیں اور ابھی انہوں نے برسنا شروع نہیں کیا ہوتا۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۴۶۹)۔

## ح ر ق

(ن) حَرْقًا کسی چیز کو جلانا۔ دانت پیسنا۔ ریتی سے رگڑنا۔

حَرِيْقٌ حَرْقٌ سے فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ آگ۔ آگ کا شعلہ۔ جلانے والا۔ جلا ہوا۔ اس میں فاعل اور

مفعول دونوں کا مفہوم ہوتا ہے لیکن قرآنِ مجید میں جلانے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (3/آل عمران:181) ''چکھو آگ کا عذاب۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(تفعیل) تَحْرِيْقًا جلانا۔ جلا کر بھسم کر دینا۔ ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ (20/طٰہٰ:97) ''ہم لازماً جلا کر بھسم کر دیں گے اس کو پھر ہم لازماً بکھیر دیں گے اس کی (راکھ کو) پانی میں جیسے بکھیرتے ہیں۔''

حَرِّقْ ج: حَرِّقُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جلا کر بھسم کر۔ ﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ (21/الانبیاء:68) ''ان لوگوں نے کہا تم لوگ جلا کر بھسم کر دو اس کو اور تم لوگ مدد کرو اپنے خداؤں کی۔''

(افتعال) اِحْتِرَاقًا جلنا۔ جل کر بھسم ہونا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَاحْتَرَقَتْ﴾ ''پھر وہ باغ جل کر بھسم ہو جائے۔''

## ترکیب

اَ استفہامیہ ہے۔ یَوَدُّ کا فاعل اَحَدُكُمْ ہے۔ اَنْ تَكُوْنَ میں اَنْ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مفعول ہے یَوَدُّ کا۔ تَكُوْنَ کا اسم جَنَّةٌ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ تَجْرِيْ کا فاعل اَلْاَنْهٰرُ ہے اور مِنْ تَحْتِهَا متعلق فعل ہے۔ یہ جملہ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ صفت ہے جَنَّةٌ کی۔ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فِيْهَا اور مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ متعلق خبر ہیں اور مبتداء محذوف ہے جو رِزْقٌ ہو سکتا ہے۔ وَاَصَابَهُ میں وَ حالیہ ہے اور اَصَابَهٗ کی ضمیر مفعولی اَحَدُكُمْ کے لیے ہی اور اَلْكِبَرُ اس کا فاعل ہے۔ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ میں بھی وَ حالیہ ہے۔ مرکب توصیفی ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، خبر محذوف ہے اور لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ذُرِّيَّةٌ یہاں جمع کے مفہوم میں آیا ہے۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ میں فَ عاطفہ ہے، اَصَابَ کا فاعل اِعْصَارٌ ہے اور ضمیر مفعولی 'هَا' جَنَّةٌ کے لیے ہے۔ جملہ فِيْهِ نَارٌ صفت ہے اِعْصَارٌ کی۔ فَاحْتَرَقَتْ کا فاعل اس میں هِيَ ضمیر ہے جو جَنَّةٌ کے لئے ہے۔ يُبَيِّنُ کا فاعل لفظ اللّٰهُ ہے، لَكُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْاٰيٰتِ اس کا مفعول ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، كُمْ ضمیر اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَفَكَّرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

| ترجمہ | اَيَوَدُّ | اَحَدُكُمْ | اَنْ | تَكُوْنَ | لَهٗ | جَنَّةٌ | مِّنْ نَّخِيْلٍ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:266 | کیا پسند کرتا ہے | تم میں سے کوئی ایک | کہ | ہو | اس کا | ایک باغ | کھجوروں |

| وَّاَعْنَابٍ | تَجْرِيْ | مِنْ تَحْتِهَا | الْاَنْهٰرُ | لَهٗ | فِيْهَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور انگوروں کا | بہتی ہوں | اس کے نیچے | نہریں | اس کے لیے ہوں | اس (باغ) میں |

| مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ | وَاَصَابَهُ | الْكِبَرُ | وَ | لَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| ہر قسم کے اور پھل بھی | اور آ لگے اس (شخص) کو | بڑھاپا | اس حال میں کہ | اس کی |

| ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ | فَاَصَابَهَآ | اِعْصَارٌ | فِيْهِ | نَارٌ | فَاحْتَرَقَتْ |
|---|---|---|---|---|---|
| اولاد (بھی) کمزور ہو | پھر آ لگے اس (باغ) کو | ایک بگولہ | جس میں | آگ ہو | اور وہ باغ جل کر بھسم ہو جائے |

| كَذٰلِكَ | يُبَيِّنُ | اللّٰهُ | لَكُمْ | الْاٰيٰتِ | لَعَلَّكُمْ | تَتَفَكَّرُوْنَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اس طرح | واضح کرتا ہے | اللہ تعالیٰ | تمہارے لیے | نشانیوں کو | تا کہ | تم لوگ غور وفکر کرو |

## آیت:267

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ط ی ب: البقرۃ آیت 57 دیکھیں۔ | ک س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |
| خ ر ج: البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ | ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | غ ن ی: البقرۃ آیت 263 دیکھیں۔ |

### ی م م

(ن) يَمًّا کسی چیز کو پانی میں ڈالنا۔

يَمٌّ اسم ذات بھی ہے۔ دریا۔ سمندر۔ ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ﴾ (7/الاعراف:136) ''تو ہم نے ڈبو یا ان کو سمندر میں۔''

(تفعّل) تَيَمُّمًا (۱) کسی چیز کا قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور نہ ارادہ کرو رڈی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے پاک مٹی کا قصد کرنا اور طہارت کی نیت سے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر تیمم کرنا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ (5/المائدۃ:6) ''یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

### خ ب ث

(ن) خُبْثًا و خَبَاثَةً پلید و ناپاک ہونا۔ گندہ ہونا۔

(ک) خُبْثًا رڈی ہونا۔ بے کار ہونا۔ ناکارہ و خراب ہونا۔ ﴿ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ ﴾ (7/الاحزاب:58) ''اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

خَبِيْثٌ ج: خَبِيْثُوْنَ۔ خَبِيْثِيْنَ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ناپاک۔ پلید۔ گندہ۔ ناکارہ۔ ہر حرام چیز۔ گندہ مرد۔ حسی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ ﴾ (4/النساء:2) ''اور نہ بدلو (اپنی) رڈی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ ﴾ (24/النور:26) ''اور گندے مرد، گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ﴾ (24/النور:26) ''گندی عورتیں، گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

خَبِيْثَةٌ ج: خَبِيْثَاتٌ۔ خَبَائِثُ۔ خَبِيْثٌ کی مؤنث۔ ﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﴾ (14/ابراہیم:26) ''اور گندہ کلمہ (یعنی کلمہ کفر و شرک کی) مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو۔'' (ترجمہ تھانویؒ) ﴿ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ﴾ (24/النور:26) ''گندی عورتیں، گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ ﴾ (7/الاعراف:157) ''اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

### غ م ض

(ن) غَمْضًا نیند کا جھونکا آنا۔

(افعال) اِغْمَاضًا آنکھ بند کرنا۔ چشم پوشی کرنا۔ غفلت برتنا۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾
”حالانکہ (اگر تمہیں کوئی ردّی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو اس میں۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب**

يَآ حرف ندا ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا، صلہ اور موصول مل کر منادیٰ ہے۔ اَنْفِقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور جملہ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ متعلق فعل ہے۔ اس میں طَيِّبٰتِ مضاف ہے اور مَا كَسَبْتُمْ، صلہ اور موصول مل کر، مضاف الیہ ہے۔ وَ عطف کا ہے اور جملہ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ بھی متعلق فعل ہے۔ وَلَا تَيَمَّمُوا میں وَ عطف کا ہے، لَا نہی کا ہے، اسی لے تَيَمَّمُوا مجزوم ہوا ہے۔ تَيَمَّمُوا میں ایک ’ت‘ گری ہوئی ہے۔ اَلْخَبِيْثَ اس کا مفعول ہے۔ مِنْهُ آگے فعل تُنْفِقُوْنَ سے متعلق ہے۔ وَ حالیہ ہے اور لَسْتُمْ کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے اور بِاٰخِذِيْهِ اس کی خبر ہے۔ یہ بِاٰخِذِيْنَ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے اور ہٗ ضمیر اَلْخَبِيْثَ کی طرف راجع ہے۔ اِلَّا حرف استثنیٰ ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے۔ اسی لیے تُغْمِضُوْا منصوب ہوا ہے۔ اَنْ سے پہلے حرف جر ’ب‘ محذوف ہے۔ جملہ یوں تھا بِاَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ اور یہ بِاٰخِذِيْهِ سے متعلق ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا میں وَ استینافیہ ہے۔ اِعْلَمُوْٓا فعل امر کا صیغہ ہے اور جملہ اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اس کا مفعول ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لفظ اَللّٰهُ اس کا اسم ہے اور غَنِيٌّ، حَمِيْدٌ اس کی خبریں ہیں۔ یاد رہے کہ لَيْسَ فعل ناقص ہے اور اس کی ماضی کی گردان استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مضارع، امر، اسم الفاعل اور اسم المفعول نہیں آتا۔

**ترجمہ**
البقرۃ:267

| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ | اٰمَنُوْٓا | اَنْفِقُوْا | مِنْ طَيِّبٰتِ مَا | كَسَبْتُمْ |
|---|---|---|---|---|
| اے لوگو! جو | ایمان لائے ہو | تم لوگ خرچ کرو | پاکیزہ چیزوں میں سے جو | تم نے کمائی ہیں |

| وَمِمَّآ | اَخْرَجْنَا | لَكُمْ | مِّنَ الْاَرْضِ | وَلَا تَيَمَّمُوا |
|---|---|---|---|---|
| اور اس میں سے جو | ہم نے نکالا | تمہارے لیے | زمین سے | اور تم ارادہ مت کرو |

| اَلْخَبِيْثَ | مِنْهُ | تُنْفِقُوْنَ | وَلَسْتُمْ | بِاٰخِذِيْهِ |
|---|---|---|---|---|
| ردّی چیز کا | اس میں سے (جس سے) | تم خرچ کرتے ہو | حالانکہ تم لوگ نہیں ہو | اس کو لینے والے |

| اِلَّآ اَنْ | تُغْمِضُوْا | فِيْهِ | وَاعْلَمُوْٓا | اَنَّ | اللّٰهَ | غَنِيٌّ | حَمِيْدٌ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| مگر یہ کہ | تم چشم پوشی کرو | اس میں | اور جان لو | کہ | اللہ | بے نیاز ہے | ہر تعریف کے لائق ہے |

## آیت:268

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۶۸﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ع د: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔ | ء م ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ | ف ح ش: البقرۃ آیت 169 دیکھیں۔ |
| غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ |

**ف ق ر**

(ن) فَقْرًا کھودنا۔ توڑنا۔ کاٹنا۔

فَاقِرَۃٌ — اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ کمر توڑ دینے والی مصیبت۔ ہولناک حادثہ۔ ﴿ تَظُنُّ اَنۡ یُّفۡعَلَ بِہَا فَاقِرَۃٌ ؕ﴾ (75/القیامۃ:25) ''اور خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔

(ک) فَقۡرًا — محتاج ہونا۔ مفلس ہونا۔

فَقۡرٌ — اسم ذات بھی ہے۔ محتاجی۔ مفلسی۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ ﴾ ''شیطان ڈراتا ہے تم کو مفلسی سے۔''

فَقِیۡرٌ — ج: فُقَرَاءُ۔ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ محتاج۔ مفلس۔ ''فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لیے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لیے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاج اعانت ہو گئے ہوں، یا کسی عارضی سبب سے سردست مدد کے محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں، مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کے شکار ہو گئے ہوں۔'' (تفہیم القرآن، ج۲،ص:۲۰۵)۔ ﴿ وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ﴾ (4/النساء:6) ''اور جو ہو محتاج تو اسے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔'' ﴿ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ﴾ (35/فاطر:15) ''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ کے۔''

**ترکیب**

اَلشَّیۡطٰنُ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ اس کی خبر ہے۔ یَعِدُ کا فاعل اس میں ھُوَ ضمیر ہے جو اَلشَّیۡطٰنُ کے لیے ہے۔ کُمۡ کی ضمیر اس کا مفعول اوّل ہے اور اَلۡفَقۡرَ مفعول ثانی ہے۔ وَیَاۡمُرُ میں 'وَ' عطف کا ہے۔ یَاۡمُرُ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ ضمیر ہے جو شَیۡطٰنُ کے لیے ہے۔ کُمۡ اس کا مفعول ہے اور بِالۡفَحۡشَآءِ متعلق فعل ہے۔ وَاللّٰہُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، لفظ اَللّٰہُ مبتداء اور جملہ فعلیہ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا اس کی خبر ہے۔ یَعِدُ کا فاعل اس میں ھُوَ ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ کُمۡ مفعول اوّل ہے جبکہ مَغۡفِرَۃً اور فَضۡلًا دونوں مفعول ثانی ہیں۔ وَاللّٰہُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔ لفظ اَللّٰہُ مبتداء ہے اور وَاسِعٌ اور عَلِیۡمٌ اس کی خبریں ہیں۔

| ترجمہ | اَلشَّیۡطٰنُ | یَعِدُ | کُمُ | الۡفَقۡرَ | وَیَاۡمُرُ | کُمۡ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:268 | شیطان | ڈراتا ہے | تمہیں | مفلسی سے | اور حکم دیتا ہے | تم کو |

| بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ | وَاللّٰہُ | یَعِدُ | کُمۡ | مَّغۡفِرَۃً | مِّنۡہُ |
|---|---|---|---|---|---|
| بے حیائی کا | اور اللہ | وعدہ کرتا ہے | تم سے | مغفرت کا | اس سے (یعنی اپنی) |

| وَفَضۡلًا ؕ | وَاللّٰہُ | وَاسِعٌ | عَلِیۡمٌ |
|---|---|---|---|
| اور (اپنے) فضل کا | اور اللہ | بڑی وسعت والا | (اور) خوب جاننے والا ہے |

## آیت:269

﴿ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ح ک م: البقرۃ آیت 32 دیکھیں۔ | ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| ل ب ب: البقرۃ آیت 179 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** يُؤْتِي کا فاعل اس میں ھُوَ ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اَلْحِكْمَةَ اس کا مفعول اوّل ہے اور مَنْ يَّشَآءُ، صلہ اور موصول مل کر مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے وَمَنْ میں 'وٗ' استینافیہ ہے اور مَنْ شرطیہ ہے۔ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ شرط ہے اور فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے مضارع مجہول يُؤْتٰى مجزوم ہوا تو یا گر گئی اور يُؤْتَ باقی بچا۔ اس کا نائب فاعل اس میں ھُوَ ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جبکہ اَلْحِكْمَةَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اُوْتِيَ ماضی مجہول ہے اور جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلاً مجزوم ہے۔ اس کا نائب فاعل بھی اس میں ھُوَ ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جبکہ خَيْرًا كَثِيْرًا مفعول ثانی ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ میں 'وٗ' استینافیہ ہے۔ مَا نافیہ ہے، يَذَّكَّرُ فعل ہے اور اس کا فاعل مرکب اضافی اُولُوا الْاَلْبَابِ ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔ 'مَا' کے ساتھ اِلَّا آئے تو زوردار نفی کا مفہوم ہوتا ہے۔

| الْحِكْمَةَ | يُّؤْتَ | وَمَنْ | يَّشَآءُ ۚ | مَنْ | الْحِكْمَةَ | يُّؤْتِى | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| دانائی | دی جاتی ہے | اور جس کو | وہ چاہتا ہے | اس کو جس کو | دانائی | وہ دیتا ہے | البقرۃ:269 |

| اُولُوا الْاَلْبَابِ | اِلَّآ | وَمَا يَذَّكَّرُ | خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ | فَقَدْ اُوْتِىَ |
|---|---|---|---|---|
| عقل مند | مگر | اور نصیحت حاصل نہیں کرتے | بہت بھلائی | تو اس کو دی گئی |

**نوٹ:1** ''حکمت سے مراد وہ علم صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ وہ انسانی ارادہ کو حکماً عمل خیر کی طرف متوجہ کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جسے قرآن نے خیر کثیر فرمایا ہے۔ اور دنیا و مافیہا کو متاع قلیل کہا ہے۔ اب اگر کوئی صاحب علم اُمراء و اغنیاء سے اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی ہے۔ ورنہ جو نعمت اور دولت اسے عطا فرمائی گئی ہے اُس کے سامنے دولتِ قارون اور جاہِ فریدون کی وقعت ہی کیا ہے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ا، ص:۱۸۹)۔

**نوٹ:2** حکمت کی مزید وضاحت کے لیے معارف القرآن کا مطالعہ بھی کریں۔

## آیت:270

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ن ذ ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |
| ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** وَمَآ اَنْفَقْتُمْ میں مَا موصول اور شرطیہ ہے۔ اَنْفَقْتُمْ سے مِّنْ نَّذْرٍ تک شرط ہے۔ اس میں افعال ماضی استعمال ہوئے ہیں اس لیے ان پر مجزوم ہونے کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور وہ محلاً مجزوم ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ پورا جملہ جواب شرط ہے اور یہ پورا جملہ محلاً مجزوم ہے اس لیے اس میں استعمال ہونے والا فعل مضارع يَعْلَمُ مجزوم نہیں ہوا۔ اگر جواب شرط میں فعل مضارع آتا تب وہ مجزوم ہوتا۔ اس وقت جملہ اس طرح ہوتا: فَيَعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ 'ہٗ' ضمیر

مفعولی نَّفَقَةٍ یا نَّذْرٍ کے لیے ہے۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ میں وٗ استئنافیہ ہے اور مَا نافیہ ہے۔ اس کا اسم اَنْصَارٍ ہے جو مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لِلظّٰلِمِیْنَ قائم مقام خبر مقدم ہے۔

| ترجمہ | وَمَآ | اَنْفَقْتُمْ | مِّنْ نَّفَقَةٍ | اَوْنَذَرْتُمْ | مِّنْ نَّذْرٍ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:270 | اور جو | تم خرچ کرتے ہو | کسی قسم کا خرچہ | یا منت مانتے ہو | کسی قسم کی منت |

| فَاِنَّ اللّٰهَ | يَعْلَمُهٗ | وَمَا | لِلظّٰلِمِیْنَ | مِنْ اَنْصَارٍ |
|---|---|---|---|---|
| تو یقیناً اللہ | جانتا ہے اس کو | اور نہیں ہیں | ظلم کرنے والوں کے لیے | کسی قسم کے مددگار |

**نوٹ** پیر کرم شاہ صاحبؒ نذر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نذر کی تعریف یہ ہے: هو ما اوجبه المكلف على نفسه من عبادات لولم يوجبه لم يلزمه (قرطبی) نذر کسی ایسی عبادت کو اپنے اُوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وہ عبادت یہ خود اپنے اُوپر واجب نہ کرے تو وہ عبادت اس پر لازم نہیں ہوتی۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ا، ص:۱۹۰)۔ مولانا مودودیؒ نذر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نذر یہ ہے کہ آدمی اپنے کسی مراد کے بر آنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اُوپر لازم کرلے، جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو، اور اللہ سے مانگی گئی ہو اور اس کے بر آنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو، تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ا، ص:۲۰۸)۔ نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ تفسیر عثمانیؒ میں آیت زیر مطالعہ کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: ''یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بے شک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اللہ جو چاہے ان پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اب اگر ادا نہ کی تو گنہگار رہوگا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلانے شخص کو دوں گا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کچھ مضائقہ نہیں۔'' (تفسیر عثمانی، ص:۵۸)۔

## آیت: 271

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ب د و: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ف ق ر: البقرۃ آیت 268 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | س و ء: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ |
| خ ب ر: البقرۃ آیت 234 دیکھیں۔ | | |

**خ ف ی**

(س) **خُفْيَةً** پوشیدہ ہونا۔ چھپا ہوا ہونا۔ ﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (14/ابراہیم:38) ''اور پوشیدہ نہیں ہوتی اللہ سے کوئی بھی چیز۔'' ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ﴾ (7/الاعراف:55) ''پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

**خَافٍ** اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ چھپنے والا۔ پوشیدہ ہونے والا۔

خَافِيَةٌ — اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ چھپنے والی۔ پوشیدہ ہونے والی۔ ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴾(69/الحاقۃ:18) ’’(اور) تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ) سے پوشیدہ نہ ہوگی۔‘‘ (ترجمہ تھانویؒ)۔

اَخْفٰى — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پوشیدہ۔ زیادہ چھپی ہوئی۔ ﴿فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾(20/طٰہٰ:7) ’’تو اُس کو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اُس سے بھی چھپی ہوئی کی۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

خَفِيٌّ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پوشیدہ۔ ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴾(19/مریم:3) ’’جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔‘‘ (ترجمہ تھانویؒ)۔

(افعال) اِخْفَاءٌ — پوشیدہ کرنا۔ چھپانا۔ یہ اِبْدَاء اور اِعْلَان کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ﴾(60/ممتحنۃ:1) ’’اور میں جانتا ہوں اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو اور اس کو جو تم لوگ اعلان کرتے ہو۔‘‘ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا﴾ ’’اور اگر تم چھپاؤ اُس کو۔‘‘

(استفعال) اِسْتِخْفَاءٌ — چھپنا۔ ﴿يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾(4/النساء:108) ’’وہ لوگ چھپتے ہیں انسانوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے۔‘‘

مُسْتَخْفٍ — اسم الفاعل ہے۔ چھپنے والا۔ ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ﴾(13/الرعد:10) ’’اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**ترکیب**

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ جملہ شرطیہ ہے اور فَنِعِمَّا هِيَ جواب شرط ہے۔ فَنِعِمَّا هِيَ اصل میں فَ نِعْمَ مَا هِيَ ہے۔ دونوں میم کا ادغام ہونے سے فَنِعِمَّا ہو گیا۔ نِعْمَ فعل مدح ہے اور مَا هِيَ اس کا فاعل ہے اور مقصود بالمدح محذوف ہے جو کہ ’’اظہار صدقہ‘‘ ہے۔ آگے وَاِنْ میں وَ عطف کا ہے وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا جملہ شرطیہ ہے اور فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ جواب شرط ہے۔ تُؤْتُوْا کا مفعول اوّل هَا ضمیر ہے جو اَلصَّدَقٰتِ کے لیے ہے اور اَلْفُقَرَاءَ مفعول ثانی ہے۔ وَيُكَفِّرُ میں وَ استینافیہ ہے۔ يُكَفِّرُ کا فاعل اس میں هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کو اَلصَّدَقٰتِ کے لیے ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں فعل تُكَفِّرُ آتا ہے۔ عَنْكُمْ اور مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ متعلق فعل ہیں۔ آگے وَاللّٰهُ میں وَ استینافیہ ہے لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے، بِمَا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر ہے اور خَبِيْرٌ خبر ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:271

| تُخْفُوْهَا | وَاِنْ | هِيَ | فَنِعِمَّا | الصَّدَقٰتِ | تُبْدُوا | اِنْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| تم لوگ چھپاؤ اس کو | اور اگر | وہ | تو کیا ہی اچھا ہے | صدقات کو | تم لوگ ظاہر کو | اگر |

| وَيُكَفِّرُ | لَّكُمْ | خَيْرٌ | فَهُوَ | الْفُقَرَآءَ | وَتُؤْتُوْهَا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور وہ (اللہ) دور کردے گا (اُس کی برکت سے) | تمہارے لیے | بہتر ہے | تو وہ (بھی) | حاجتمندوں کو | اور دو اسے |

| خَبِيْرٌ | تَعْمَلُوْنَ | بِمَا | وَاللّٰهُ | مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ | عَنْكُمْ |
|---|---|---|---|---|---|
| خوب باخبر ہے | تم لوگ کر رہے ہو | اس سے جو | اور اللہ | تمہارے کچھ گناہ بھی | تم سے |

**نوٹ**

’’جو صدقہ فرض ہو، اس کو علانیہ دینا افضل ہے، اور جو صدقہ فرض کے ماسوا ہو، اس کا اخفا زیادہ بہتر ہے۔ یہی اُصول تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کا علانیہ انجام دینا فضیلت رکھتا ہے اور نوافل کو چھپا کر کرنا اولیٰ ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج۱، ص:۲۰۸)۔

## آیت:272

﴿ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ب غ ی: البقرۃ آیت 90 دیکھیں۔ |
| و ف ی: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

لَيۡسَ کا اسم هُدٰىهُمۡ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور عَلَيۡكَ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ لٰكِنَّ کا اسم اَللّٰهَ ہے اس لیے منصوب ہے اور جملہ فعلیہ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اس کی خبر ہے۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا کا مَا شرطیہ ہے اس لیے تُنۡفِقُوۡا کا نون اعرابی گرا ہے۔ مِنۡ خَيۡرٍ متعلق فعل ہے۔ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔ اس کا مبتداء هُوَ بھی محذوف ہے اور خبر بھی محذوف ہے یعنی فَهُوَ لِاَنۡفُسِكُمۡ۔ لِاَنۡفُسِكُمۡ قائم مقام خبر ہے۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ کا مَا نافیہ ہے اس لیے تُنۡفِقُوۡنَ کا نون نہیں گرا۔ اِلَّا تاکید کے لیے ہے اور اِبۡتِغَآءَ حال یا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ شرط ہے اور يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ جواب شرط ہے۔ يُوَفَّ باب تفعیل کا مضارع مجہول يُوَفّٰى ہے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو ی گر گئی۔ وَاَنۡتُمۡ میں وٗ حالیہ یا استئنافیہ ہے، اَنۡتُمۡ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ لَا تُظۡلَمُوۡنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ البقرۃ:272**

| لَيۡسَ | عَلَيۡكَ | هُدٰىهُمۡ | وَلٰكِنَّ | اللّٰهَ | يَهۡدِىۡ |
|---|---|---|---|---|---|
| نہیں ہے (لازم) | آپؐ پر | ان (کافروں) کی ہدایت | ولیکن | اللہ | ہدایت دیتا ہے |

| مَنۡ | يَّشَآءُ ؕ | وَمَا | تُنۡفِقُوۡا | مِنۡ خَيۡرٍ |
|---|---|---|---|---|
| اس کو جس کو | وہ چاہتا ہے | اور جو بھی | تم خرچ کرتے ہو | کوئی مال |

| فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ | وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ | اِلَّا | ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ |
|---|---|---|---|
| تو وہ تمہارے اپنے لیے ہے | اور تم لوگ خرچ نہیں کرتے | مگر | اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے |

| وَمَا | تُنۡفِقُوۡا | مِنۡ خَيۡرٍ | يُّوَفَّ | اِلَيۡكُمۡ |
|---|---|---|---|---|
| اور جو بھی | تم خرچ کرتے ہو | کوئی مال | تو پورا لوٹا دیا جائے گا | تمہیں (یعنی اس کا ثواب) |

| وَاَنۡتُمۡ | لَا تُظۡلَمُوۡنَ |
|---|---|
| اور تم لوگوں پر | ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی) |

**نوٹ:1**

وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: ’’مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہاری خیر خیرات تو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے پھر کیا وجہ کہ اپنی خیرات کا احسان فقیر پر رکھتے ہو یا ناپاک مال دیتے ہو تو یا یہ جملہ خبریہ ہے جس میں مسلمانوں کے حال کے تقاضے کو بیان کیا ہے یا مَا تُنۡفِقُوۡنَ لفظاً جملہ منفی ہے اور معنی کے لحاظ سے نہی ہے۔ مراد یہ کہ تمہاری خیرات کا مقصود خوشنودی رب کی طلب ہونا چاہیے۔ سوائے خدا کی رضا کی طلب کے اور کسی غرض کے لیے خیرات نہ دو۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ سوائے رضائے خداوندی کی طرف کے اور کسی غرض کے لیے خیرات کرنی ممنوع ہے۔ ورنہ مفت میں مال کی بربادی ہوگی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ انوار البیان، ج ۱، ص: ۲۴۱)۔

**نوٹ:2** آیت مبارکہ کی تفسیر معارف القرآن اور تفہیم القرآن سے بھی دیکھ لیں۔

## آیت:273

﴿ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ف ق ر: البقرۃ آیت 268 دیکھیں۔ | ح ص ر: البقرۃ آیت 196 دیکھیں۔ | ط وع: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ |
| ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | ح س ب: البقرۃ آیت 202 دیکھیں۔ | ج ھ ل: البقرۃ آیت 67 دیکھیں۔ |
| غ ن ی: البقرۃ آیت 263 دیکھیں۔ | ع ر ف: البقرۃ آیت 89 دیکھیں۔ | س و م: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔ |
| س ء ل: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | |

### ع ف ف

(ض) **عِفَّةً** ہر ناپسندیدہ بات اور حرام کام سے بچنا۔ پاکدامن ہونا۔ نفس کے اندر ایسی حالت کا پیدا ہو جانا جس سے وہ غلبہ شہوت سے محفوظ رہے۔

(تفعّل) **تَعَفُّفًا** کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) تھوڑی سی بچی کھچی چیز پر اکتفا کرنا۔ لالچ نہ کرنا۔ صاحبؒ لغات القرآن اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تَعَفُّفٌ بروزن تَفَعُّلٌ مصدر ہے جو دودھ کو دوہنے کے بعد اونٹنی کے تھنوں میں بچ رہتا ہے اس کو اہل عرب عُفَافَةٌ یا عُفَّةٌ بولتے ہیں اور اسی لیے ان دو لفظوں کا استعمال بچے کھچے اور تھوڑے یا ذرا سے کے لیے ہوتا ہے اور عَفْعَفٌ عربی میں پیلو کے پھل کو بولتے ہیں۔ تَعَفُّفٌ ان ہی الفاظ سے ماخوذ ہے اس لیے دراصل اس کے معنی ہیں اتنی تھوڑی چیز پر اکتفا کرنا جو بچے کھچے یا پیلو کے پھل جیسی حقیر چیز کے قائم مقام ہو'' (لغات القرآن، ج ۲ص: ۱۴۶)۔

(۲) قناعت کی وجہ سے سوال نہ کرنا۔ نہ مانگنا۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ ﴾ ''گمان کرتے ہیں جن کو ناواقف لوگ خوش حال، سوال نہ کرنے کی وجہ سے۔''

(۳) پاک دامن رہنا۔ خود دار ہونا۔

(۴) بناوٹی پاک دامن ہونا۔ بتکلف پاک دامن بننا۔

(استفعال) **اِسۡتِعۡفَافًا** ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا۔ باز رہنا۔ ﴿ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ ﴾ (4/النساء:6) ''اور جو مالدار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ باز رہے۔'' ﴿ وَ اَنۡ یَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَیۡرٌ لَّہُنَّ ؕ ﴾ (24/النور:60) ''اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے اُن کے لیے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

### ل ح ف

(ف) **لَحۡفًا** کسی چیز کو کپڑے سے ڈھکنا۔ لحاف اوڑھنا۔ کپڑا پہننا۔

**لِحَافٌ** اسم ذات ہے۔ اوڑھنے کا کپڑا۔

(افعال) اِلْحَافًا اصرار سے مانگنا۔ کسی سے چمٹ کر مانگنا۔ یہ لِحَافٌ سے ماخوذ ہے۔ لحاف اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے ڈھانپا جائے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ ''وہ لوگ نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر۔''

**ترکیب**

لِلْفُقَرَآءِ سے پہلے اس کا مبتداء محذوف ہے جو کہ صَدَقٰتُكُمْ ہوسکتا ہے۔ اس کی خبر بھی محذوف ہے اور لِلْفُقَرَآءِ متعلق خبر ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر صفت ہے اَلْفُقَرَآءِ کی۔ اُحْصِرُوْا ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے جبکہ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ آگے چار جملے اَلْفُقَرَآءِ کے حال کے طور پر آرہے ہیں۔ چنانچہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ، اَلْفُقَرَآءِ کا حال اوّل ہے۔ اس میں لَا نافیہ ہے، يَسْتَطِيْعُوْنَ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے، ضَرْبًا مفعول ہے اور فِي الْاَرْضِ، ضَرْبًا سے متعلق ہے۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، اَلْفُقَرَآءِ کا حال ثانی ہے۔ اس میں يَحْسَبُ کا فاعل اَلْجَاهِلُ ہے، هُمْ ضمیر مفعول اوّل ہے اور اَغْنِيَآءَ مفعول ثانی ہے اور مِنَ التَّعَفُّفِ متعلق فعل ہے، مِنَ التَّعَفُّفِ کا مِنَ سببیہ ہے۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ، اَلْفُقَرَآءِ کا حال ثالث ہے اور لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، اَلْفُقَرَآءِ کا حال رابعہ ہے۔ اِلْحَافًا کو يَسْئَلُوْنَ کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے اور محذوف فعل کا مفعول مطلق بھی۔ آگے وَمَا میں وَ استئنافیہ ہے اور مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ جملہ شرطیہ ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ جواب شرط ہے۔

**ترجمہ**

البقرۃ:273

| فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | اُحْصِرُوْا | لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ |
|---|---|---|
| اللہ کی راہ میں | روک دیئے گئے | (تمہارے صدقات) ایسے حاجت مندوں کے لیے ہیں جو |

| الْجَاهِلُ | يَحْسَبُهُمُ | فِي الْاَرْضِ | ضَرْبًا | لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| ناواقف لوگ | گمان کرتے ہیں جن کو | زمین میں (روزی کمانے کے لیے) | سفر کرنے کی | جو صلاحیت نہیں رکھتے |

| بِسِيْمٰهُمْ | تَعْرِفُهُمْ | مِنَ التَّعَفُّفِ | اَغْنِيَآءَ |
|---|---|---|---|
| ان کی علامت (صورت) سے | (اے مخاطب) تو پہچان لے گا ان کو | سوال نہ کرنے کی وجہ سے | خوش حال |

| تُنْفِقُوْا | وَمَا | اِلْحَافًا | النَّاسَ | لَا يَسْئَلُوْنَ |
|---|---|---|---|---|
| تم خرچ کرتے ہو | اور جو بھی | لپٹ کر | لوگوں سے | وہ نہیں مانگتے |

| بِهٖ عَلِيْمٌ | فَاِنَّ اللّٰهَ | مِنْ خَيْرٍ |
|---|---|---|
| اس کو خوب جانتے ہیں | تو یقیناً اللہ تعالیٰ | کسی قسم کا مال |

**نوٹ**

''یعنی ایسوں کا دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرت ؐ کے اصحاب تھے اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت ؐ کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں۔ اور چہرہ سے ان کو پہچاننا اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے چہرے زرد اور بدن دبلے ہو رہے ہیں اور آثار جدوجہد ان کی صورت سے نمودار ہیں۔'' (تفسیر عثمانی،ص:۵۸)۔

## آیت:274

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ن ف ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | س ر ر: البقرۃ آیت 69 دیکھیں۔ | ع ل ن: البقرۃ آیت 77 دیکھیں۔ |
| خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | |

**ترکیب**

اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ اپنے متعلقات کے ساتھ مل کر صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ يُنْفِقُوْنَ کا مفعول اَمْوَالَهُمْ ہے، بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ متعلق فعل ہیں اور سِرًّا اور عَلَانِيَةً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ آگے فَلَهُمْ سے لے کر آخیر تک خبر ہے۔ فَلَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، اَجْرُهُمْ مبتداء مؤخر ہے اور عِنْدَ رَبِّهِمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا نافیہ ہے، خَوْفٌ مبتداء ہے، خبر محذوف ہے اور عَلَيْهِمْ متعلق خبر ہے۔ وَلَا هُمْ میں وَ عطف کا ہے، لَا تاکید کے لیے ہے، هُمْ مبتداء اور جملہ فعلیہ يَحْزَنُوْنَ اس کی خبر ہے۔

**ترجمہ**
البقرۃ:274

| اَلَّذِيْنَ | يُنْفِقُوْنَ | اَمْوَالَهُمْ | بِالَّيْلِ | وَالنَّهَارِ | سِرًّا | وَّعَلَانِيَةً |
|---|---|---|---|---|---|---|
| جو لوگ | خرچ کرتے ہیں | اپنے مال | رات میں | اور دن میں | چھپ کر | اور علانیہ |

| فَلَهُمْ | اَجْرُهُمْ | عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ | وَلَا خَوْفٌ | عَلَيْهِمْ |
|---|---|---|---|---|
| تو ان کے لیے ہے | ان کا اجر | ان کے رب کے پاس | اور کوئی خوف نہیں ہے | ان پر |

| وَلَا هُمْ | يَحْزَنُوْنَ |
|---|---|
| اور نہ ہی وہ لوگ | غمگین ہوں گے |

## آیت:275

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ | ر ب و: البقرۃ آیت 265 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| م س س: البقرۃ آیت 80 دیکھیں۔ | ب ی ع: البقرۃ آیت 254 دیکھیں۔ | ح ل ل: البقرۃ آیت 168 دیکھیں۔ |
| ح ر م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | و ع ظ: البقرۃ آیت 66 دیکھیں۔ | ن ھ ی: البقرۃ آیت 192 دیکھیں۔ |
| خ ل د: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | | |

**خ ب ط**

(ض) خَبْطًا کسی چیز کو روندنا۔ کچلنا۔ کسی کو مار مار کر بدحواس کر دینا۔ کسی کام کو اندھا دھند کرنا۔ عرب میں اونٹ جب دیوانہ ہوتا تھا تو وہ اندھا دھند بھاگتا تھا اور مارتا چلا جاتا تھا۔ ایسے اونٹ کو عرب خَبَطَ عَشْوَاء کہتے تھے۔ عربی میں مَخْبُوْطٌ

ایسے پاگل کو کہتے ہیں جس کی عقل کام نہ کرتی ہو۔

(تفعّل) تَخَبُّطًا کسی چیز کو روند کر غیر متوازن کر دینا۔ زور سے مارنا۔ دیوانہ بنا دینا۔ کسی شخص کو پاگل کی طرح بنا دینا کہ اٹھنے کا ارادہ کرے پھر گر پڑے، پھر اٹھے، پھر گر پڑے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ ''وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**س ل ف**

(ن) سَلَفًا، سَلْفًا (۱) پہلے گزرنا۔ پہلے ہو جانا۔ عربی میں کہتے ہیں سَلَفَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اس سے نیک عمل پہلے ہوا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (4/النساء:22) ''اور نکاح نہ کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے)۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَلَهٗ مَا سَلَفَ﴾ ''تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) آگے ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں سَلَفَ الْقَوْمَ وہ قوم سے آگے ہو گیا۔

سَلَفٌ اسمِ ذات ہے۔ (۱) گیا گزرا۔ گزری ہوئی چیز۔ ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ﴾ (43/الزخرف:56) ''پھر کر ڈالا اُن کو گئے گزرے اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (۲) گزشتہ آباؤاجداد۔ اس کی جمع اَسْلَافٌ آتی ہے۔

(افعال) اِسْلَافًا (۱) آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ﴾ (10/یونس:30) ''وہاں آزمالے گا ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ (69/الحاقۃ:24) ''(اِذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گزشتہ دنوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) زمانہ ماضی میں کوئی کام کرنا۔ ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ (69/الحاقۃ:24) ''(ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

**ع و د**

(ن) عَوْدًا کسی کام کو ابتداءً کرنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف پلٹنے یا لوٹنے کو عَوْدٌ کہا جاتا ہے خواہ یہ لوٹنا بذاتِ خود ہو، بذریعہ قول ہو یا بذریعہ عزم وارادہ ہو۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) کوئی کام دوبارہ کرنا یا پھر سے کرنا۔ (۲) کسی چیز سے ہٹ جانے کے بعد پھر اسی کی طرف واپس ہونا۔ رجوع کرنا۔ (۳) پہلی حالت پر لوٹنا، دوبارہ ہو جانا، پھر سے ہو جانا۔ ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ (23/المؤمنون:107) ''اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا﴾ (14/ابراہیم:13) ''کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ﴾ (36/یٰس:39) ''اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا

قَالُوْا ﴾ (58/المجادلہ:3) ”جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

**عَائِدٌ** ج: عَائِدُوْنَ- عَائِدِیْنَ- اسم الفاعل ہے۔ دوبارہ کرنے والا۔ واپس ہونے والا۔ ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَآىِٕدُوْنَ ۝۱۵ ﴾ (44/الدخان:15) ”ہم عذاب کو تھوڑا دور کردیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آجاؤ گے۔“ (ترجمہ احسن البیان)۔

**مَعَادٌ** مَفْعَلٌ کے وزن پر (۱) مصدر میمی ہے بمعنی لوٹانا۔ (۲) اسم ظرف ہے بمعنی لوٹنے کی جگہ اور (۳) زمانے کو بھی مَعَادٌ کہتے ہیں۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ﴾ (28/القصص:85) ”جس اللہ نے آپؐ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپؐ کو (آپؐ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچائے گا۔“ (ترجمہ تھانویؒ)۔

**عِیْدٌ** خوشی کا ایسا دن جو ہر سال لوٹ کر آئے۔ عید۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”اصطلاح شریعت میں یہ لفظ یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ شرعی طور پر یہ دن خوشی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اَیَّامُ اَكْلٍ وَ شُرْبٍ وَ بِعَالٍ کہ عید کے دن کھانے پینے اور جماع سے لطف اندوز ہونے کے دن ہیں۔ اس لیے ہر وہ دن جس میں کوئی شادمانی حاصل ہو اس پر عید کا لفظ بولا جانے لگا ہے، چنانچہ آیت کریمہ ﴿ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا ﴾ (5/المائدۃ:114) ”اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل فرما، ہمارے لیے (وہ دن) عید قرار پائے“ میں عِیْدٌ سے شادمانی کا دن ہی مراد ہے اور اَلْعِیْدُ اصل میں (خوشی یا غم کی اس حالت کو کہتے ہیں جو بار بار انسان پر لوٹ کر آئے۔“ (مفردات القرآن، ج۲، ص:۷۳۶)۔

**عَادٌ** حضرت ہودؑ کی قوم کا نام ہے۔ ﴿ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ (7/الاعراف:65) ”اور عاد کی طرف ان کے بھائی حضرت ہودؑ کو بھیجا۔“

(افعال) **اِعَادَةٌ** (۱) واپس لے جانا۔ (۲) واپس لانا۔ (۳) لوٹانا۔ ﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ ﴾ (20/طٰہٰ:55) ”اس سے یعنی زمین سے ہم نے پیدا کیا تم کو اور اسی میں ہم واپس لے جائیں گے تم کو۔“ ﴿ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ﴾ (17/بنی اسرائیل:51) ”تو وہ لوگ کہیں گے کون دوبارہ لائے گا ہم کو۔“ ﴿ وَ لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝۲۱ ﴾ (20/طٰہٰ:21) ”اور آپؐ خوف مت کریں۔ ہم لوٹا دیں گے اس کو اس کی پہلی حالت پر۔“

## ترکیب

اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتداء ہے۔ آگے جملہ فعلیہ، لَا یَقُوْمُوْنَ سے لے کر مِنَ الْمَسِّ تک اس کی خبر ہے۔ لَا یَقُوْمُوْنَ میں لَا نافیہ ہے اور یَقُوْمُوْنَ مضارع منفی ہے۔ اس کے بعد یَوْمَ الْقِیٰمَةِ محذوف ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔ كَمَا میں كَ تشبیہ کا ہے اور 'مَا' مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کردیے ہیں۔ یَقُوْمُ فعل ہے، اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر یَقُوْمُ کا فاعل ہے۔ ذٰلِكَ مبتدا ہے اور اس سے مراد ”یہ سزا“ یا ”ان کی یہ حالت“ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور جملہ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا متعلق خبر ہے۔ بِاَنَّهُمْ میں 'بِ' سببیہ ہے۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے، اَلْبَیْعُ مبتدا ہے اور مِثْلُ الرِّبٰوا خبر ہے۔ مِثْلُ الرِّبٰوا مرکب اضافی ہے اور الرِّبٰوا حالت جر میں ہے۔ آگے وَ اَحَلَّ اللّٰهُ میں 'وَ' حالیہ ہے، اَحَلَّ فعل ہے، لفظ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے اور اَلْبَیْعَ اس کا مفعول ہے۔ وَحَرَّمَ میں 'وَ' عطف کا ہے، حَرَّمَ فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اَلرِّبٰوا اس کا مفعول ہے، اس لیے حالت نصب میں ہے۔ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى جملہ شرطیہ ہے اور فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ اس کا جواب شرط ہے۔ مَوْعِظَةٌ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل جَآءَ مذکر کے صیغے میں بھی درست ہے۔ وَمَنْ میں 'وَ' عطف کا ہے اور مَنْ عَادَ جملہ شرطیہ ہے۔ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ اس کا جواب شرط ہے۔ آگے هُمْ مبتدا ہے، فِیْهَا متعلق خبر مقدم ہے اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرة:275 |

| اَلَّذِيْنَ | يَاْكُلُوْنَ | الرِّبٰوا | لَا يَقُوْمُوْنَ | اِلَّا | كَمَا |
|---|---|---|---|---|---|
| جو لوگ | کھاتے ہیں | سود | وہ لوگ کھڑے نہیں ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) | مگر | اس طرح جیسے |

| يَقُوْمُ | الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ | الشَّيْطٰنُ | مِنَ الْمَسِّ | ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ |
|---|---|---|---|---|
| کھڑا ہوتا ہے | وہ شخص پاگل بنا دیا ہو جس کو | شیطان نے | چھو کر | یہ حالت اس لیے ہوگی کہ انہوں نے |

| قَالُوْٓا | اِنَّمَا | الْبَيْعُ | مِثْلُ الرِّبٰوا | وَاَحَلَّ |
|---|---|---|---|---|
| کہا | بے شک | خرید و فروخت بھی تو | سود کی مانند ہے | حالانکہ حلال کیا |

| اللّٰهُ | الْبَيْعَ | وَحَرَّمَ | الرِّبٰوا | فَمَنْ جَآءَهٗ |
|---|---|---|---|---|
| اللہ نے | خرید و فروخت/تجارت کو | اور اس نے حرام کیا | سود کو | پس وہ، آئی جس کے پاس |

| مَوْعِظَةٌ | مِّنْ رَّبِّهٖ | فَانْتَهٰى | فَلَهٗ | مَا | سَلَفَ |
|---|---|---|---|---|---|
| کوئی نصیحت | اس کے رب (کی طرف) سے | پھر وہ باز آ گیا (سود سے) | تو اس کے لیے ہے | جو | گزر چکا |

| وَاَمْرُهٗٓ | اِلَى اللّٰهِ | وَمَنْ | عَادَ | فَاُولٰٓئِكَ |
|---|---|---|---|---|
| اور اس کا معاملہ | اللہ کے سپرد ہے | اور جو شخص | دوبارہ کرے (یعنی پھر سود کھانے لگے) | تو وہ لوگ |

| اَصْحٰبُ النَّارِ | هُمْ | فِيْهَا | خٰلِدُوْنَ |
|---|---|---|---|
| آگ والے (دوزخی) ہیں | وہ لوگ | اس میں | ہمیشہ رہیں گے |

**نوٹ:1** مِنَ الْمَسِّ کے متعلق حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مس اور مس شیطانی سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ ان الفاظ کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مس شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہل عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ قرآن انہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ (تفسیر ماجدی، ص: ۱۴۷)۔

**نوٹ:2** اس آیت کی تفسیر معارف القرآن اور تفہیم القرآن سے دیکھیں۔

## آیت:276

﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ ﴾

ر ب و: البقرۃ آیت 265 دیکھیں۔ ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ ح ب ب: البقرۃ آیت 165 دیکھیں۔
ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔

م ح ق

(ف) مَحقًا گھٹانا۔ مٹانا۔ کسی چیز کو کم کرنا۔ کسی چیز میں سے برکت ختم کر دینا۔ اس کی ضد ''ر ب و'' ہے۔ ﴿ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ ﴾ (3/آل عمران: 141) ''اور مٹا دے کافروں کو۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ﴾ ''مٹاتا ہے اللہ

تعالٰی سود کو۔“

**ترکیب** یَمۡحَقُ فعل ہے، لفظ اَللّٰہُ فاعل ہے اور اَلرِّبٰوا مفعول ہے۔ وَ عطف کا ہے، یُرۡبِیۡ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ ہے جو اللہ تعالٰی کے لیے ہے اور اَلصَّدَقٰتِ مفعول ہے۔ وَاللّٰہُ میں وَ استینافیہ ہے لفظ اَللّٰہُ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ اس کی خبر ہے۔ کُلَّ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مضاف ہے، کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ مرکب توصیفی ہے اور مضاف الیہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| لَا یُحِبُّ | وَاللّٰہُ | الصَّدَقٰتِ | وَیُرۡبِی | الرِّبٰوا | اللّٰہُ | یَمۡحَقُ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| پسند نہیں کرتا | اور اللہ | خیرات کو | اور بڑھاتا ہے | سود کو | اللہ تعالٰی | مٹاتا ہے | البقرۃ:276 |

| کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ |
|---|
| ہر گنہگار ناشکرے کو |

## آیت:277

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ | ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ |
| ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ | ص ل و: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ز ک و: البقرۃ آیت 43 دیکھیں۔ | ء ج ر: البقرۃ آیت 62 دیکھیں۔ | خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ |
| ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے لے کر اَلزَّکٰوۃَ تک، صلہ اور موصول مل کر اس کا اسم ہے۔ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ سے لے کر آخیر تک اس کی خبر ہے۔ اٰتَوۡا دراصل اٰتَوۡ ہے۔ آگے ملانے کے لیے واؤ کو ـُـ دی گئی ہے۔

| الصَّلٰوۃَ | وَاَقَامُوا | الصّٰلِحٰتِ | وَعَمِلُوا | اٰمَنُوۡا | اِنَّ الَّذِیۡنَ | ترجمہ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| نماز | اور قائم کی | نیک | اور انہوں نے عمل کیے | ایمان لائے | بیشک جو لوگ | البقرۃ:277 |

| وَلَا خَوۡفٌ | عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ | اَجۡرُہُمۡ | لَہُمۡ | الزَّکٰوۃَ | وَاٰتَوُا |
|---|---|---|---|---|---|
| اور کوئی خوف نہیں ہے | ان کے رب کے پاس | ان کا اجر ہے | تو ان کے لیے | زکوٰۃ | اور ادا کی |

| یَحۡزَنُوۡنَ | وَلَا ہُمۡ | عَلَیۡہِمۡ |
|---|---|---|
| غمگین ہوں گے | اور نہ ہی وہ لوگ | ان پر |

## آیت:278

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | و ذ ر: البقرۃ آیت 234 دیکھیں۔ | ب ق ی: البقرۃ آیت 248 دیکھیں۔ |

**ترکیب**

اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ لفظ اللّٰہ اس کا مفعول ہے۔ ذَرُوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے اور مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اس کا مفعول ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَذَرُوْا ہو سکتا ہے۔

**ترجمہ** البقرۃ:278

| یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ | اٰمَنُوْا | اتَّقُوْا | اللّٰهَ | وَ | ذَرُوْا | مَا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اے لوگو! جو | ایمان لائے ہو | تم ڈرو | اللہ سے | اور | تم چھوڑ دو | اس کو جو |

| بَقِیَ | مِنَ الرِّبٰوا | اِنْ كُنْتُمْ | مُّؤْمِنِیْنَ |
|---|---|---|---|
| باقی رہ گیا ہے | سود میں سے | اگر تم | مومن ہو |

## آیت:279

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء ذ ن: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ | ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ |

**ح ر ب**

(ن) حَرَبًا: کسی کی کوئی چیز لوٹ لینا۔ کسی کا سامان یا مال چھین لینا۔

(س) حَرَبًا: سخت غضبناک ہونا۔

حَرْبٌ: اسم ہے۔ لڑائی۔ جنگ۔ ﴿ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ (5/ المائدۃ:64) ''جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی، بجھا دیتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ﴾ ''تو تم سن لو ایک جنگ (کا اعلان) اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے۔''

مِحْرَابٌ: ج: مَحَارِیْبُ۔ مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) سب سے اعلیٰ اور اگلا مقام۔

(۲) مسجد کی محراب۔ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''مسجد کے محراب کو محراب یا تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شیطان اور خواہشات نفسانی سے جنگ کرنے کی جگہ ہے اور یا اس لیے کہ اس جگہ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے پر حق یہ ہے کہ دنیوی کاروبار اور پریشان خیالیوں سے یکسو ہو جائے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص:۲۲۱)۔

(۳) محراب البیت: گھر کی اچھی جگہ۔ گھر کے صدر کی جگہ۔ مکان کا مخصوص حصہ۔

(۴) حجرہ۔ عبادت گاہ۔ ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ﴾ (3/ آل عمران:37) ''جب بھی جاتے مریمؑ کے

پاس (حضرت) زکریاؑ (اس کی) عبادت گاہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ﴾ (3/آل عمران:39) ''جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴾ (38/صٓ:21) ''جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) کوٹھی۔ مضبوط محل۔ بڑی عمارت۔ ﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ﴾ (34/سبا:13) ''وہ جنات ان کے لیے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا، بڑی بڑی عمارتیں۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''محاریب، محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف و اعلیٰ حصے کے لیے بولا جاتا ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لیے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محرابِ حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے، اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصے کو محاریب کہتے ہیں۔

مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔''

(معارف القرآن، ج ۷، ص: ۲۶۷)۔

(مفاعلہ) **مُحَارَبَةٌ** لڑائی کرنا۔ جنگ کرنا۔ سلب کرنا۔ چھین لینا۔ ﴿لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (9/التوبۃ:107) ''اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (5/المآئدہ:33) ''یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے محاربہ کی بڑی تفصیل سے وضاحت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ''محاربہ، حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورت میں یہ لفظ امن اور سلامتی کے مقابلے پر استعمال ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اکا دُکا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے اور حکومت کا قانون طاقت سے توڑنے کی کوشش کرے جن کو دوسرے الفاظ میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ (تلخیص از معارف القرآن، ج ۳، ص: ۱۱۹)۔ اور اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہؐ سے ممکن تھا، لیکن کبھی کسی مسلم سے واقع نہیں ہوا اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسولؐ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص: ۲۸۷)۔

**ر ء س**

(ک) **رِئَاسَةٌ** رئیس ہونا۔ سردار ہونا۔

(ف) **رَأْسًا** سر پر مارنا۔

**رَأْسٌ** ج: رُءُوْسٌ۔ سر۔ ﴿لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ (20/طٰہٰ:94) ''تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ﴾ (2/البقرۃ:196) ''اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ ''تو تمہارے لیے ہیں تمہارے مالوں کے سر (یعنی اصل مال)۔''

**ترکیب**

فَاِنۡ میں 'فَ' حرف عطف ہے۔ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا جملہ شرطیہ ہے اور فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ، جواب شرط ہے۔ فعل امر اِیۡذَنۡ میں ی دراصل فاکلمہ کے ہمزہ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اسے جب ماقبل سے ملا کر پڑھتے ہیں تو فاکلمہ کا ہمزۂ اصلی واپس آجاتا ہے اور ماقبل سے ملا کر پڑھا جاتا ہے جبکہ فعل امر کا ہمزۃ الوصل صامت (SILENT) ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو لکھنے میں بھی گرا دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت ف ا أ ذ نۡ = فَائۡذَنۡ بھی درست ہے اور فَأۡذَنۡ بھی درست ہے۔ اِس آیت میں ہمزۃ الوصل گرا کر فَاۡذَنۡ کا جمع مذکر کا صیغہ فَاۡذَنُوۡا استعمال ہوا ہے۔ بِحَرۡبٍ متعلق فعل ہے اور مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ، حَرۡبٍ سے متعلق ہے۔ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ میں 'وَ' عطف کا ہے، اِنۡ تُبۡتُمۡ جملہ شرطیہ ہے اور فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ، جواب شرط ہے۔ آگے جملہ فعلیہ لَا تَظۡلِمُوۡنَ، لَکُمۡ میں کُمۡ ضمیر کا حال ہے۔ تَظۡلِمُوۡنَ مضارع معروف ہے۔ تُظۡلَمُوۡنَ مضارع مجہول ہے اور یہ بھی حال ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

**ترجمہ** البقرۃ:279

| فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا | فَاۡذَنُوۡا | بِحَرۡبٍ | مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ |
|---|---|---|---|
| اور اگر تم نے (یہ) نہ کیا | تو تم سن لو | ایک جنگ (کا اعلان) | اللہ اور اس کے رسولؐ (کی طرف) سے |

| وَاِنۡ تُبۡتُمۡ | فَلَکُمۡ | رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ۚ |
|---|---|---|
| اور اگر تم توبہ کرلو گے | تو تمہارے لیے ہیں | تمہارے مالوں کے سر (یعنی اصل مال) |

| لَا تَظۡلِمُوۡنَ | وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ |
|---|---|
| نہ تم (کسی پر) ظلم کرو | اور نہ (کوئی) تم پر ظلم کرے |

**نوٹ:1** آیت میں ''فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ'' کے متعلق صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو، تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔'' (ابن کثیرؒ بحوالہ احسن البیان، ج، ص: ۱۲۳) اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لیے نہیں آئی۔ العظمۃ اللہ حرمت سود کا کسی درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کسی درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلا کر رسالہ ''جوازِ سود'' پر شائع کیے جائیں اور اپنی تحریر و تقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں، اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص: ۱۴۸)۔

**نوٹ:2** آیت کے الفاظ ''لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ'' کے متعلق صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمہیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔'' (احسن البیان، ج، ص: ۱۲۳)

## آیت:280

﴿وَاِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾﴾

ع س ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔ ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ ی س ر: البقرۃ آیت 185 دیکھیں۔
ص د ق: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

**ترکیب**

اِنۡ حرف شرط، کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ شرط اور فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ جواب شرط ہے۔ اس میں کَانَ تامہ ہے اور ذُوۡ عُسۡرَۃٍ اس کا

فاعل ہے، اس لیے ذُوْ مرفوع ہے۔ نَظِرَةٌ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ اِلٰى مَيْسَرَةٍ متعلق خبر ہے۔ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا میں 'وَ' استینافیہ ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مصدر مؤوّل مبتدا ہے، خَيْرٌ اس کی خبر ہے اور لَّكُمْ متعلق خبر ہے۔ یعنی فتصدّقُكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ تَصَدَّقُوْا میں ایک 'ت' گری ہوئی ہے۔ آگے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، جملہ شرطیہ ہے جس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فتصدّقُكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ہوسکتا ہے۔

| ترجمہ | وَاِنْ | كَانَ | ذُوْ عُسْرَةٍ | فَنَظِرَةٌ | اِلٰى مَيْسَرَةٍ | وَاَنْ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:280 | اور اگر | وہ (مقروض) ہو | تنگی والا (یعنی تنگ دست ہو) | تو مہلت دو | خوشحال ہونے تک | اور اگر |

| تَصَدَّقُوْا | خَيْرٌ | لَّكُمْ | اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ |
|---|---|---|---|
| تم بخش دو | (تو یہ) زیادہ بہتر ہے | تمہارے لیے | اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو |

**نوٹ** ''زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو سود لینا تو در کنار (اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت و افادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔'' (احسن البیان، ص: ۱۲۳)۔

## آیت:281

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ر ج ع: البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔ | و ف ی: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ |
| ک س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ | ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ | |

**ترکیب** وَاتَّقُوْا میں 'وَ' استینافیہ ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں اَنْتُمْ ضمیر ہے جبکہ يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ آگے اس کی صفت ہے۔ تُرْجَعُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جبکہ فِيْهِ اور اِلَى اللّٰهِ متعلق فعل ہیں۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ تُوَفّٰى باب تفعیل میں مضارع مجہول کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ اس کا نائب فاعل ہے اس لیے كُلُّ مرفوع ہے۔ مَّا كَسَبَتْ، صلہ اور موصول مل کر مفعول ثانی ہے۔ وَهُمْ میں 'وَ' استینافیہ ہے، هُمْ مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ لَا يُظْلَمُوْنَ، اس کی خبر ہے۔ يُظْلَمُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

| ترجمہ | وَاتَّقُوْا | يَوْمًا | تُرْجَعُوْنَ | فِيْهِ | اِلَى اللّٰهِ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:181 | اور تم لوگ ڈرو | ایک ایسے دن سے | تم لوٹائے جاؤ گے | جس میں | اللہ کی طرف |

| ثُمَّ تُوَفّٰى | كُلُّ نَفْسٍ | مَّا | كَسَبَتْ | وَ |
|---|---|---|---|---|
| پھر پورا پورا دیا جائے گا | ہر ایک جان کو | وہ جو | اس نے کمایا | اور |

| | |
|---|---|
| هُمْ | لَا يُظْلَمُوْنَ |
| ان پر | ظلم نہیں کیا جائے گا |

**نوٹ** بعض روایات کے مطابق یہ آیت، قرآنِ مجید میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے جو کہ حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی۔

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے، اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس کے اکتیس روز بعد آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص: ۶۵۸)۔ اور صاحبِ احسن البیان فرماتے ہیں: ''بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریمؐ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپؐ دنیا سے رحلت فرما گئے۔'' (ابن کثیرؒ بحوالہ احسن البیان، ص: ۱۲۴)۔

## آیت:282

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ
لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا
يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا
الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـــمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ ﴾

| | | |
|---|---|---|
| د ی ن: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ | ع ج ل: البقرۃ آیت 231 دیکھیں۔ | س م و: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ |
| ک ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | ع د ل: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ء ب ی: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ |
| م ل ل: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | و ق ی: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | س ف ہ: البقرۃ آیت 13 دیکھیں۔ |
| ض ع ف: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ | ط و ع: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ |
| ش ہ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ر ض و: البقرۃ آیت 120 دیکھیں۔ | ض ل ل: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ |
| ذ ک ر: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ | د ع و: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ | ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ |
| د ن و: البقرۃ آیت 61 دیکھیں۔ | ر ی ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ | د و ر: البقرۃ آیت 84 دیکھیں۔ |
| ج ن ح: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | ب ی ع: البقرۃ آیت 254 دیکھیں۔ | ض ر ر: البقرۃ آیت 102 دیکھیں۔ |
| ف س ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔ | | |

**ب خ س**

(ف) بَخْسًا ظلم سے کسی چیز کو کم کرنا۔ حق سے کم دینا۔ گھٹانا۔ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ﴾ (7/الاعراف:85) ''اور مت

گھٹا کر دو لوگوں کو اُن کی چیزیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾''اور وہ (مقروض) نہ گھٹائے اُس میں سے کوئی چیز۔''

**بَخْسٌ** اسم ذات ہے(۱) حقیر۔ناقص۔گھٹیا۔کم۔﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ﴾(12/یوسف:20)''اور انہوں نے بیچ ڈالا یوسفؑ کو حقیری قیمت پر چند درہموں کے عوض۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔(۲) نقصان۔حق تلفی۔﴿ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴾(72/الجن:13)''تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

## س ء م

(س) **سَأَمًا، سَآمَةً** کسی چیز یا کام سے اُکتا جانا۔کاہلی کرنا۔سستی کرنا۔﴿ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُونَ ﴾(41/حم السجدۃ:38)''اور وہ (اُس سے ذرا) نہیں اکتاتے۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔﴿ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ﴾(41/حم السجدۃ:49)''نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن) اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ﴾''اور تم اکتایا مت کرو اُس (قرض) کے (بار بار) لکھنے سے (خواہ) چھوٹا (معاملہ) ہو یا بڑا اس کی میعاد تک۔''

## ق س ط

(ض) **قُسُوْطًا، قَسْطًا** کسی کا حق دبا لینا۔ظلم کرنا۔ناانصافی کرنا۔

**قَاسِطٌ** ج: قَاسِطُوْنَ۔ قَاسِطِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔کسی کا حق دبانے والا۔ناانصافی کرنے والا۔ظلم کرنے والا۔﴿ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾(72/الجن:15)''اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(ن)(ض) **قِسْطًا** حق کے مطابق کرنا۔انصاف کرنا۔اعتقاد اور عمل میں ہر طرح کی بے راہ روی اور افراط و تفریط اور مبالغہ آمیزی سے دامن بچا کر درمیانہ روی اختیار کرنا۔(ضیاء القرآن)۔

**قِسْطٌ** اسم ذات بھی ہے۔اعتدال۔حق۔انصاف۔لفظ قسط کے مفہوم میں تمام عبادات اور اطاعات اور عام احکامِ شریعہ داخل ہیں۔(معارف القرآن)۔﴿ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ ﴾(3/آل عمران:21)''اور وہ لوگ قتل کرتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں انصاف کا۔''﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾(4/النساء:135)''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**اَقْسَطُ** افعل التفضیل ہے۔زیادہ انصاف والا۔﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾(33/الاحزاب:5)''بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے، یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾''یہ زیادہ حق کے مطابق ہے اللہ کے نزدیک۔''

(افعال) **اِقْسَاطًا** حق دار کا حصہ حق دار کو دینا۔حق کے مطابق کرنا۔انصاف کرنا۔اس باب سے صرف عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى ﴾(4/النساء:3)''اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾(60/الممتحنۃ:8)''کہ تم لوگ نیکی کرو اُن سے اور تم لوگ انصاف کرو اُن کے ساتھ۔''

**اَقْسِطْ** ج: اَقْسِطُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو انصاف کر۔ ﴿ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ﴾ (49/الحجرات:9) ''تو صلح کرا دو اُن کے درمیان عدل (وانصاف) سے اور انصاف کرو'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

**مُقْسِطٌ** ج: مُقْسِطُوْنَ۔ مُقْسِطِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حق کے مطابق کرنے والا۔ انصاف کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ (5/المائدہ:42) ''بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

## ترکیب

يٰٓا، حرف نداء ہے اور اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا منادیٰ ہے۔ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى جملہ شرطیہ ہے اور فَاكْتُبُوْهُ جواب شرط ہے۔ تَدَايَنْتُمْ کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ ضمیر ہے جبکہ بِدَيْنٍ اور اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى متعلق فعل ہیں۔ مُّسَمًّى، اَجَلٍ کی صفت ہے اور حالت جر میں ہے۔ اُكْتُبُوْهُ فعل امر کا صیغہ ہے اور 'ہ' ضمیر مفعولی دَيْنٍ کے لیے ہے۔ وَلْيَكْتُبْ میں 'وَ' عاطفہ ہے اور لِيَكْتُبْ امر غائب کا صیغہ ہے، اسی لیے مضارع مجزوم ہوا ہے۔ اس کا فاعل كَاتِبٌ ہے۔ بَيْنَكُمْ اور بِالْعَدْلِ، متعلق فعل ہیں۔ وَلَا يَاْبَ میں 'وَ' عاطفہ ہے اور لَا يَاْبَ فعل نہی کا صیغہ ہے اور مجزوم ہے۔ يَاْبٰى کو لائے نہی نے مجزوم کیا تو ''ی'' گر گئی اور لَا يَاْبَ ہو گیا۔ اس کا فاعل كَاتِبٌ ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے اور نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے يَّكْتُبَ، منصوب ہوا ہے۔ اَنْ نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مصدر مؤوّل يَاْبَ کا مفعول ہے یعنی وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ كِتَابًا ''اور انکار نہ کرے لکھنے والا لکھنے سے''۔ كَمَا میں كَ حرف تشبیہ ہے اور مَا اسم موصول ہے۔ جملہ فعلیہ عَلَّمَهُ اللّٰهُ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں۔ اور یہ جار مجرور متعلق فعل ہے۔ آگے 'فَ' عاطفہ ہے لِيَكْتُبْ بھی امر غائب کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر هُوَ اس کا فاعل ہے۔ وَلْيُمْلِلِ میں 'وَ' عاطفہ ہے اور لِيُمْلِلْ امر غائب کا صیغہ ہے جسے آگے ملانے کے لیے زیر ـــِـ دی گئی ہے۔ اس کا فاعل الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ ہے۔ جس میں الَّذِيْ اسم موصول ہے اور عَلَيْهِ الْحَقُّ صلہ ہے۔ عَلَيْهِ متعلق خبر مقدم ہے اور الْحَقُّ مبتداء موخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سے مراد مقروض ہے۔ وَلْيَتَّقِ میں 'وَ' عطف کا ہے اور لِيَتَّقِ فعل امر غائب کا صیغہ ہے اور مجزوم ہونے کی وجہ سے آخر سے 'ی' گر گئی۔ اس کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو مقروض کے لیے ہے۔ لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔ اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ اَللّٰهَ کا بدل ہونے کی وجہ سے رَبَّهٗ منصوب ہے۔ وَلَا يَبْخَسْ میں 'وَ' عاطفہ ہے اور لَا يَبْخَسْ فعل نہی کا صیغہ ہے۔ مِنْهُ متعلق فعل ہے اور شَيْئًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مِنْهُ کی ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد قرض ہے۔ فَاِنْ كَانَ...... اَنْ يُّمِلَّ هُوَ یہ پورا جملہ شرطیہ ہے۔ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ صلہ اور موصول مل کر اسم ہے كَانَ کا جبکہ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا، كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اَوْ حرف عطف ہے۔ لَا نفی کا ہے، يَسْتَطِيْعُ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو کہ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ کے لیے ہے۔ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ میں اَنْ نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔ اور یہ مصدر مؤوّل مفعول ہے يَسْتَطِيْعُ کا یعنی اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ الْاِمْلَاءَ۔ اَنْ يُّمِلَّ میں ضمیر فاعلی هُوَ از خود موجود ہے لیکن یہاں تاکید کے لیے اسے ظاہر کیا گیا ہے۔ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ جواب شرط ہے۔ لِيُمْلِلْ کا فاعل وَلِيُّهٗ ہے اور بِالْعَدْلِ متعلق فعل ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اِسْتَشْهِدُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ شَهِيْدَيْنِ اس کا مفعول ہے اور مِنْ رِّجَالِكُمْ متعلق فعل ہے۔ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ، جملہ شرطیہ ہے۔ يَكُوْنَانِ کا نون اعرابی لَمْ کی وجہ سے گرا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل هُمَا ضمیر ہے جو شَهِيْدَيْنِ کے لیے ہے جب کہ رَجُلَيْنِ اس کی خبر ہے۔ آگے فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ سے لے کر مِنَ الشُّهَدَآءِ تک جواب شرط ہے۔ رَجُلٌ مبتدا ہے اور اِمْرَاَتٰنِ اس پر عطف ہے، خبر محذوف ہے یعنی فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ يَشْهَدُوْنَ۔ آگے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ متعلق خبر ہے۔ مِنَ الشُّهَدَآءِ میں لفظ اَلشُّهَدَآءِ اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ اَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے تَضِلَّ منصوب ہوا ہے اور اِحْدٰىهُمَا اس کا فاعل ہے۔ اَنْ نے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مصدر مؤوّل مفعول لَهٗ ہے یعنی یہ وجہ بتا رہا ہے دو عورتوں کی گواہی کی۔ فَتُذَكِّرَ میں 'فَ' عطف کا ہے اور تُذَكِّرَ، اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اِحْدٰىهُمَا، اس کا فاعل ہے اور الْاُخْرٰى مفعول ہے۔ وَلَا يَاْبَ میں 'وَ' عاطفہ ہے۔ لَا نہی کا ہے اسی لیے يَاْبَ مجزوم ہوا ہے اَلشُّهَدَآءُ اس کا فاعل ہے۔ اِذَا ظرف زمان ہے اور اس میں غیر معین مدت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اسے مزید غیر معین کرنے کے لیے مَا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ دُعُوْا ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ 'وَ' عاطفہ ہے لَا تَسْئَمُوْٓا فعل نہی کا صیغہ ہے۔ اَنْ تَكْتُبُوْهُ، مصدر مؤوّل مفعول ہے۔ تَكْتُبُوْهُ میں ضمیر

مفعولی حق یا دَیۡنٍ کے لیے ہے اور صَغِیۡرًا اَوۡ کَبِیۡرًا اس کا حال ہے۔ اِلٰۤی اَجَلِہٖ متعلق فعل ہے۔ آگے ذٰلِکُمۡ مبتدا ہے اور اس سے مراد کتابت ہے۔ اَقۡسَطُ خبر ہے اور عِنۡدَ اللّٰہِ اس سے متعلق ہے۔ وَ اَقۡوَمُ میں 'وٗ' عاطفہ ہے اور اَقۡوَمُ، اَقۡسَطُ پر عطف ہے، لِلشَّھَادَۃِ متعلق خبر ہے۔ وَ عاطفہ ہے اور اَدۡنٰۤی بھی اَقۡسَطُ پر عطف ہے۔ اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا، اَدۡنٰۤی سے متعلق ہے۔ یہ اصل میں اَنۡ لَا تَرۡتَابُوۡۤا ہے۔ اِلَّآ حرف استثناء ہے۔ اَنۡ نواصبِ مضارع میں سے ہے اسی لیے تَکُوۡنَ منصوب ہوا ہے۔ اَنۡ نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور یہ مصدر مؤوّل استثناء منقطع ہے۔ تَکُوۡنَ کا اسم اس میں شامل ضمیر ھِیَ ہے جو کہ اَلتِّجَارَۃَ کے لیے ہے، تِجَارَۃً حَاضِرَۃً اس کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ جملہ تُدِیۡرُوۡنَھَا بَیۡنَکُمۡ حال ہے تِجَارَۃً کا۔ فَلَیۡسَ میں 'فَ' عاطفہ ہے، لَیۡسَ فعل ناقص ہے، عَلَیۡکُمۡ قائم مقام خبر مقدم ہے، جُنَاحٌ اسم مؤخر ہے اور اَلَّا تَکۡتُبُوۡھَا متعلق خبر ہے اور اس سے پہلے حرف جر محذوف ہے یعنی فِیۡ اَلَّا تَکۡتُبُوۡھَا۔ اَلَّا تَکۡتُبُوۡھَا کی ضمیر مفعولی تِجَارَۃً حَاضِرَۃً کے لیے ہے۔ وَ اَشۡھِدُوۡۤا میں 'وٗ' کو استینافیہ بھی مانا گیا ہے اور عاطفہ بھی۔ اَشۡھِدُوۡۤا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اِذَا تَبَایَعۡتُمۡ ظرف ہے اور متعلق فعل ہے۔ 'وٗ' عاطفہ ہے، لَا نہی کا ہے اور یُضَآرَّ مضارع مجزوم ہے۔ اس کو معروف اور مجہول دونوں ماننا ممکن ہے۔ مضارع معروف ماننے کی صورت میں کَاتِبٌ اور شَھِیۡدٌ اس کا فاعل ہوں گے۔ مضارع مجہول ماننے کی صورت میں یہ دونوں نائب الفاعل ہوں گے۔ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے تراجم کیے ہیں۔ وَ اِنۡ تَفۡعَلُوۡا میں 'وٗ' استینافیہ ہے، اِنۡ تَفۡعَلُوۡا جملہ شرطیہ ہے اور فَاِنَّہٗ فُسُوۡقٌۢ بِکُمۡ جواب شرط ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ میں 'وٗ' استینافیہ ہے، اِتَّقُوا فعل امر کا صیغہ ہے اور لفظ اَللّٰہَ اس کا مفعول ہے۔ 'وٗ' استینافیہ ہے یُعَلِّمُ کا فاعل لفظ اللّٰہُ ہے اور کُمۡ ضمیر مفعولی ہے۔ آگے 'وٗ' پھر استینافیہ ہے، لفظ اللّٰہُ مبتداء ہے، عَلِیۡمٌ خبر ہے اور بِکُلِّ شَیۡءٍ متعلق خبر مقدم ہے۔

ترجمہ

البقرۃ:282

| یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ | اٰمَنُوۡۤا | اِذَا | تَدَایَنۡتُمۡ | بِدَیۡنٍ |
|---|---|---|---|---|
| اے لوگو! جو | ایمان لائے ہو | جب بھی | تم باہم لین دین کرو | کسی اُدھار/قرض کا |

| اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی | فَاکۡتُبُوۡہُ ؕ | وَلۡیَکۡتُبۡ | بَّیۡنَکُمۡ |
|---|---|---|---|
| ایک معین وقت تک کے لیے | تو تم لکھو اس کو | اور چاہیے کہ لکھے | تمہارے درمیان |

| کَاتِبٌۢ | بِالۡعَدۡلِ ۪ | وَلَا یَاۡبَ | کَاتِبٌ | اَنۡ یَّکۡتُبَ |
|---|---|---|---|---|
| ایک لکھنے والا | انصاف سے | اور انکار نہ کرے | لکھنے والا | لکھنے سے |

| کَمَا | عَلَّمَہُ | اللّٰہُ | فَلۡیَکۡتُبۡ ۚ | وَلۡیُمۡلِلِ |
|---|---|---|---|---|
| جیسے | سکھایا ہے اس کو | اللہ نے | پس چاہیے کہ وہ لکھے | اور چاہیے کہ املاء لکھوائے |

| الَّذِیۡ عَلَیۡہِ | الۡحَقُّ | وَلۡیَتَّقِ | اللّٰہَ | رَبَّہٗ |
|---|---|---|---|---|
| وہ شخص جس کے ذمے | حق (قرضہ) ہے | اور چاہیے کہ وہ (مقروض) ڈرے | اللہ سے | جو اس کا پالنے والا ہے |

| وَلَا یَبۡخَسۡ | مِنۡہُ | شَیۡئًا | فَاِنۡ | کَانَ | الَّذِیۡ عَلَیۡہِ | الۡحَقُّ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور وہ کم نہ کرے | اس (قرض) سے | کوئی چیز | پھر اگر | ہو | وہ شخص جس پر | حق (قرض) ہے |

| سَفِیۡھًا | اَوۡ | ضَعِیۡفًا | اَوۡ | لَا یَسۡتَطِیۡعُ | اَنۡ یُّمِلَّ | ھُوَ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| بے وقوف | یا | کمزور | یا | وہ طاقت نہ رکھتا ہو | کہ لکھوائے | وہ خود |

| | | | |
|---|---|---|---|
| فَلْيُمْلِلْ | وَلِيُّهٗ | بِالْعَدْلِ | وَاسْتَشْهِدُوْا |
| تو چاہیے کہ لکھوائے | اس کا ولی (سرپرست) | انصاف سے | اور تم گواہ بنا لیا کرو |

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| شَهِيْدَيْنِ | مِنْ رِّجَالِكُمْ ج | فَاِنْ | لَّمْ يَكُوْنَا | رَجُلَيْنِ | فَرَجُلٌ | وَّامْرَاَتٰنِ |
| دو گواہ | اپنے مردوں میں سے | پھر اگر (میسر) | نہ ہوں | دو مرد | تو ایک مرد | اور دو عورتیں (گواہ بنا لیا کرو) |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| مِمَّنْ | تَرْضَوْنَ | مِنَ الشُّهَدَآءِ | اَنْ | تَضِلَّ |
| ان میں سے جن کو | تم پسند کرتے ہو | گواہوں میں سے | (اس لیے) کہ اگر | بھول جائے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| اِحْدٰىهُمَا | فَتُذَكِّرَ | اِحْدٰىهُمَا | الْاُخْرٰى | وَلَا يَاْبَ | الشُّهَدَآءُ |
| دونوں میں سے ایک | تو یاد کرائے | دونوں میں سے ایک | دوسری کو | اور انکار نہ کریں | گواہ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اِذَا مَا | دُعُوْا | وَلَا تَسْــَٔمُوْٓا | اَنْ تَكْتُبُوْهُ | صَغِيْرًا |
| جب کبھی | وہ بلائے جائیں | اور تم اکتایا مت کرو | اس (قرض) کے (بار بار) لکھنے سے | (خواہ) چھوٹا (معاملہ) ہو |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اَوْ | كَبِيْرًا | اِلٰٓى اَجَلِهٖ | ذٰلِكُمْ | اَقْسَطُ |
| یا | بڑا | اس کی میعاد تک | یہ (کتابت) | زیادہ انصاف کے مطابق ہے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| عِنْدَ اللّٰهِ | وَاَقْوَمُ | لِلشَّهَادَةِ | وَاَدْنٰٓى |
| اللہ کے نزدیک | اور زیادہ قائم/درست رکھنے والی ہے | گواہی کو | اور زیادہ نزدیک ہے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلَّا تَرْتَابُوْٓا | اِلَّآ اَنْ | تَكُوْنَ | تِجَارَةً حَاضِرَةً |
| کہ تم شبہ میں نہ پڑو | سوائے اس کے کہ | وہ (سودا) ہو | ایسا حاضر سودا |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| تُدِيْرُوْنَهَا | بَيْنَكُمْ | فَلَيْسَ | عَلَيْكُمْ | جُنَاحٌ | اَلَّا تَكْتُبُوْهَا |
| تم لوگ گھماتے ہو جس کو (یعنی ہاتھوں ہاتھ لیتے ہو) | اپنے درمیان | تو نہیں ہے | تم پر | کوئی گناہ | کہ نہ لکھو اس کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَاَشْهِدُوْٓا | اِذَا | تَبَايَعْتُمْ | وَلَا يُضَآرَّ |
| اور تم گواہ بناؤ | جب بھی | باہم خرید و فروخت کرو | اور تکلیف نہ دی جائے |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| كَاتِبٌ | وَّلَا شَهِيْدٌ | وَاِنْ تَفْعَلُوْا | فَاِنَّهٗ | فُسُوْقٌۢ |
| لکھنے والے کو | اور نہ گواہ کو | اور اگر تم (یہ) کرو گے | تو یقیناً یہ | نافرمانی ہوگی |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| بِكُمْ | وَاتَّقُوا | اللّٰهَ | وَيُعَلِّمُكُمُ | اللّٰهُ | وَاللّٰهُ |
| تم لوگوں کی | اور تم ڈرو | اللہ سے | اور سکھاتا ہے تم کو | اللہ (آداب معاشرت) | اور اللہ |

| بِكُلِّ شَيْءٍ | عَلِيمٌ |
|---|---|
| ہر ایک چیز کو | خوب جاننے والا ہے |

**نوٹ** یہ آیت، قرآنِ پاک کی سب سے طویل آیت ہے۔

## آیت:283

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| و ج د: البقرۃ آیت 96 دیکھیں۔ | ق ب ض: البقرۃ آیت 245 دیکھیں۔ | ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ |
| ء د ی: البقرۃ آیت 178 دیکھیں۔ | ك ت م: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | ش ھ د: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ |
| ء ث م: البقرۃ آیت 85 دیکھیں۔ | | |

**ر ھ ن**

(ف) رَهْنًا، رِهَانًا: کوئی چیز گروی رکھنا۔ کسی چیز کو روکنا۔

رَهْنٌ اور رِهَانٌ: مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتے ہیں۔ قرض میں بطور ضمانت رکھی ہوئی چیز۔ گروی رکھی ہوئی چیز۔ ضمانت۔ رہن۔ آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا: ﴿فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ﴾ ''تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

رَهِينٌ: فَعِيلٌ کے وزن پر اسم المفعول مَرْهُونٌ کے معنی میں ہے۔ گروی رکھی ہوئی چیز۔ کسی چیز کے بدلے میں روکی ہوئی چیز۔ محبوس۔ پھنسا ہوا۔ ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾﴾ (52/الطور:21) ''ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں محبوس (فی النار) رہے گا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ''ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ: یاد رہے کہ جب فَعِيلٌ کا وزن مفعول کے معنی میں ہو تو اس کی تانیث نہیں لائی جاتی بلکہ یہی وزن مذکر اور مؤنث، دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس بات کو یاد رکھیں آگے رَهِينَةٌ میں اس کی ضرورت ہوگی۔

رَهِينَةٌ: اسم ذات ہے بمعنی رَهْنٌ۔ گروی رکھی ہوئی چیز۔ کسی چیز کے بدلے میں روکی ہوئی چیز۔ محبوس پھنسا ہوا۔ اصل میں رَهِينَةٌ مصدر ہے بمعنی گروی ہونا۔ رہن ہونا۔ قرآنِ مجید میں بطور اسم ذات استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾﴾ (74/المدثر:38) ''ہر ایک جی اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلے میں (دوزخ میں) محبوس ہوگا۔'' (ترجمہ تھانویؒ)۔ ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رَهِينَةٌ، رَهِينٌ کی تانیث نہیں ہے

کیونکہ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فعیل، مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر و مؤنث دونوں کے لیے رھین صفت آتی ہے۔ اگر یہ رھِیْنَۃٌ بمعنی مرھون ہوتا تو یہاں اس کو مؤنث ذکر کرنے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ یہ شَتِیْمَۃٌ کی طرح مصدر ہے اس کا معنی رہن، گروی۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص: ۴۲۴)۔

## ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے اِنْ كُنْتُمْ ...... كَاتِبًا جملہ شرطیہ ہے اور فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ جواب شرط ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور عَلٰى سَفَرٍ متعلق خبر ہے۔ لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اسی لیے تَجِدُوْا مجزوم ہوا ہے۔ كَاتِبًا اس کا مفعول ہے۔ رِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ مرکب توصیفی ہے اور یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی: فالوثائق رھانٌ مقبوضۃ مطلب ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ رہن کی چیزیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ فَاِنْ میں 'فَ' عاطفہ ہے۔ اِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا شرط ہے اور جملہ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي ...... الشَّهَادَةَ تک جواب شرط ہے۔ اَمِنَ کا فاعل بَعْضُكُمْ ہے اور بَعْضًا اس کا مفعول ہے۔ فَلْيُؤَدِّ فعل امر غائب کا صیغہ ہے اور لامِ امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ الَّذِي اسم موصول ہے اور جملہ اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر لِيُؤَدِّ کا فاعل ہے۔ اؤْتُمِنَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ھُوَ ضمیر ہے، جبکہ اَمَانَتَهٗ اس کا مفعول ثانی ہے۔ اؤْتُمِنَ دراصل مادہ ''ء م ن'' کا باب افتعال میں ماضی مجہول اُوْتُمِنَ تھا۔ ماقبل سے ملانے کے لیے افتعال کا ہمزۃ الوصل صامت (SILENT) ہوا تو فاکلمہ کا ہمزہ واپس آ گیا۔ اب واؤ دراصل ہمزہ کو لکھنے کی کرسی ہے جس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ اَمَانَتَهٗ کی ضمیر بَعْضُكُمْ کے لیے ہے۔ وَلْيَتَّقِ بھی فعل امر غائب کا صیغہ ہے اور لفظ اللّٰهَ اس کا مفعول ہے جبکہ رَبَّهٗ بدل ہے لفظ اللّٰهَ کا۔ 'وَ' عاطفہ ہے لَا نہی کا ہے اسی لیے تَكْتُمُوا مجزوم ہوا ہے اور الشَّهَادَةَ اس کا مفعول ہے۔ وَمَنْ میں 'وَ' استئنافیہ ہے، مَنْ يَّكْتُمْهَا جملہ شرطیہ ہے اور فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ جواب شرط ہے۔ يَكْتُمْهَا میں ضمیر مفعولی الشَّهَادَةَ کے لیے ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور ضمیر ہٗ اس کا اسم ہے۔ آگے جملہ اسمیہ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ اس کی خبر ہے۔ اس میں اٰثِمٌ خبر مقدم ہے اور قَلْبُهٗ مبتداء مؤخر ہے۔ وَاللّٰهُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔ لفظ اللّٰهُ مبتداء ہے، عَلِيْمٌ خبر ہے اور بِمَا تَعْمَلُوْنَ متعلق خبر مقدم ہے۔ (واللہ اعلم)

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:283 |

| وَاِنْ | كُنْتُمْ | عَلٰى سَفَرٍ | وَّلَمْ تَجِدُوْا | كَاتِبًا | فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور اگر | تم ہو | کسی سفر میں | اور تم نہ پاؤ | کوئی لکھنے والا | تو قبضے میں لیا ہوا رھن (لینا) ہے |

| فَاِنْ | اَمِنَ | بَعْضُكُمْ | بَعْضًا | فَلْيُؤَدِّ | الَّذِي |
|---|---|---|---|---|---|
| پھر اگر | اعتبار کرے | تم میں سے کوئی | کسی پر | تو چاہیے کہ ادا کر دے | وہ جس کا |

| اؤْتُمِنَ | اَمَانَتَهٗ | وَلْيَتَّقِ | اللّٰهَ | رَبَّهٗ |
|---|---|---|---|---|
| اعتبار کیا گیا (یعنی جس نے قرضہ لیا) | اس کی امانت کو | اور اسے چاہیے کہ وہ ڈرے | اللہ سے | جو اس کا پالنے والا ہے |

| وَلَا تَكْتُمُوا | الشَّهَادَةَ | وَمَنْ يَّكْتُمْهَا | فَاِنَّهٗ |
|---|---|---|---|
| اور تم لوگ مت چھپاؤ | گواہی کو | اور جو چھپاتا ہے اس (گواہی) کو | تو یقیناً وہ |

| اٰثِمٌ قَلْبُهٗ | وَاللّٰهُ | بِمَا | تَعْمَلُوْنَ | عَلِيْمٌ |
|---|---|---|---|---|
| گنہگار ہے اس کا دل | اور اللہ | اس کو جو | تم لوگ کرتے ہو | خوب جاننے والا ہے |

## آیت:284

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ب د و: البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ | خ ف ی: البقرۃ آیت 271 دیکھیں۔ | ح س ب: البقرۃ آیت 202 دیکھیں۔ |
| غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ع ذ ب: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ | ق د ر: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ |

**ترکیب** مَا اسم موصول ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ اس کا صلہ ہے۔ اسی طرح مَا فِي الْاَرْضِ ہے اور درمیان میں 'وَ' عطف کا ہے۔ یہ دونوں جملے صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے اور لِلّٰهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ لِلّٰهِ میں لام تملیک کا ہے۔ وَاِنْ میں 'وَ' استینافیہ ہے، اِنْ تُبْدُوْا سے لے کر تُخْفُوْهُ تک جملہ شرطیہ ہے۔ اور يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ جواب شرط ہے۔ تُبْدُوْا کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ، صلہ اور موصول مل کر اس کا مفعول ہے۔ تُخْفُوْهُ میں 'ہٗ' ضمیر مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ کے لیے ہے۔ يُحَاسِبْ، جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے اور اس کا فاعل اَللّٰهُ ہے۔ بِهٖ کی ضمیر بھی مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ کے لیے ہے۔ فَيَغْفِرُ میں 'فَ' استینافیہ ہے، يَغْفِرُ کا فاعل اس میں شامل هُوَ ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کا مفعول مَنْ يَّشَآءُ، صلہ اور موصول مل کر ہے۔ آگے وَاللّٰهُ میں 'وَ' استینافیہ ہے، لفظ اَللّٰهُ مبتداء ہے، قَدِيْرٌ اس کی خبر ہے اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر مقدم ہے۔

| ترجمہ | لِلّٰهِ | مَا | فِي السَّمٰوٰتِ | وَمَا | فِي الْاَرْضِ ؕ |
|---|---|---|---|---|---|
| البقرۃ:284 | اللہ کی ہی (ملکیت) ہے | وہ جو | آسمانوں میں ہے | اور وہ جو | زمین میں ہے |

| وَاِنْ | تُبْدُوْا | مَا | فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ | اَوْ | تُخْفُوْهُ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور اگر | تم لوگ ظاہر کرو | اس کو جو | تمہارے جی میں ہے | یا | تم چھپاؤ اس کو |

| يُحَاسِبْكُمْ | بِهٖ | اللّٰهُ ؕ | فَيَغْفِرُ | لِمَنْ | يَّشَآءُ |
|---|---|---|---|---|---|
| حساب لے گا تم لوگوں سے | اس کا | اللہ | پھر وہ معاف کر دے گا | اس کو جسے | وہ چاہے گا |

| وَيُعَذِّبُ | مَنْ | يَّشَآءُ ؕ | وَاللّٰهُ | عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ | قَدِيْرٌ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور وہ عذاب دے گا | اس کو جس کو | وہ چاہے گا | اور اللہ | ہر چیز پر | قدرت رکھنے والا ہے |

## آیت:285

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ | ر س ل: البقرۃ آیت 87 دیکھیں۔ | ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ |
| ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔ | ط و ع: البقرۃ آیت 158 دیکھیں۔ | غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ص ی ر: البقرۃ آیت 126 دیکھیں۔ | | |

**ترکیب** اٰمَنَ کے فاعل اَلرَّسُوْلُ اور اَلْمُؤْمِنُوْنَ ہیں۔ اَلرَّسُوْلُ پر لام تعریف ہے اور بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ متعلق فعل ہے۔ كُلٌّ

مبتداء ہے اور جملہ فعلیہ اٰمَنَ سے لے کر رُسُلِہٖ تک اس کی خبر ہے۔ لَا نُفَرِّقُ سے پہلے وَیَقُوْلُوْنَ محذوف ہے۔ لَا نُفَرِّقُ نفی کا صیغہ ہے۔ بَیْنَ اَحَدٍ ظرف ہے اور متعلق فعل ہے جبکہ مِّنْ رُّسُلِہٖ، اَحَدٍ سے متعلق ہے۔ بین ایسے اسم پہ داخل ہوتا ہے جو کثرت کے معنی رکھتا ہو۔ اسی لیے اَحَدٍ یہاں جمع کے معنوں میں آیا ہے۔ عربی میں بین قومٍ کہیں گے جبکہ بین زَیْدٍ نہیں کہیں گے۔ وَقَالُوْا میں وٗ استئنافیہ ہے۔ قَالُوْا کا فاعل اس میں شامل ھُمْ ضمیر ہے اور سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وہ جملہ ہے جو وہ کہتے ہیں۔ غُفْرَانَکَ کی مختلف تراکیب کی گئی ہے۔ مثلاً بعض کے نزدیک اس سے پہلے فعل نَسْئَلُکَ محذوف ہے اور یہ اس محذوف فعل کا مفعول ہے بعض کے نزدیک یہ مفعول مطلق ہے اور جملہ یوں ہے اِغْفِرْ لَنَا غُفْرَانَکَ اور بعض کے نزدیک یہ مفعول مطلق ہے اور اِن معنوں میں ہے غُفْرَانَکَ لَا کُفْرَانَکَ یعنی نستغفرك ولا نکفرکَ (واللہ اعلم)۔ آگے رَبَّنَا منادٰی ہے اور اس سے پہلے حرف نداء محذوف ہے۔ وَاِلَیْکَ میں وٗ استئنافیہ ہے، اِلَیْکَ قائم مقام خبر مقدم ہے اور اَلْمَصِیْرُ مبتداء مؤخر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرة:285 |

| اٰمَنَ | الرَّسُوْلُ | بِمَآ | اُنْزِلَ | اِلَیْہِ | مِنْ رَّبِّہٖ |
|---|---|---|---|---|---|
| ایمان لائے | یہ رسولؐ | اس پر جو | نازل کیا گیا | انؐ کی طرف | انؐ کے رب (کی طرف) سے |

| وَالْمُؤْمِنُوْنَ | کُلٌّ | اٰمَنَ | بِاللّٰہِ | وَمَلٰٓئِکَتِہٖ |
|---|---|---|---|---|
| اور مومنین بھی | سب | ایمان لائے | اللہ پر | اور اس کے فرشتوں پر |

| وَکُتُبِہٖ | وَرُسُلِہٖ | لَا نُفَرِّقُ |
|---|---|---|
| اور اس کی کتابوں پر | اور اس کے رسولوں پر | (اور وہ کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے |

| بَیْنَ اَحَدٍ | مِّنْ رُّسُلِہٖ | وَقَالُوْا | سَمِعْنَا |
|---|---|---|---|
| کسی ایک کے درمیان | اس کے رسولوں میں سے | اور انہوں نے کہا | ہم نے سنا |

| وَاَطَعْنَا | غُفْرَانَکَ | رَبَّنَا | وَاِلَیْکَ |
|---|---|---|---|
| اور ہم نے اطاعت کی | (ہم مانگتے ہیں تجھ سے) تیری مغفرت | اے ہمارے رب | اور تیری طرف ہی |

| الْمَصِیْرُ |
|---|
| لوٹنا ہے |

## آیت: 286

﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ع ﴿۲۸۶﴾﴾

| | | |
|---|---|---|
| ك ل ف: البقرۃ آیت 233 دیکھیں۔ | و س ع: البقرۃ آیت 115 دیکھیں۔ | ك س ب: البقرۃ آیت 79 دیکھیں۔ |
| ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ن س ی: البقرۃ آیت 44 دیکھیں۔ | خ ط ء: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ |
| ح م ل: البقرۃ آیت 248 دیکھیں۔ | ط و ق: البقرۃ آیت 184 دیکھیں۔ | ع ف و: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔ |
| غ ف ر: البقرۃ آیت 58 دیکھیں۔ | ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ | و ل ی: البقرۃ آیت 64 دیکھیں۔ |
| ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ | ك ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ | |

### ء ص ر

(ض) اَصَرًا: کسی چیز میں گرہ لگانا۔ کسی کو زبردستی روک لینا۔

اِصْرًا: اسم ذات ہے اور دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) بوجھ۔ سخت حکم۔ اِصْرٌ ایسے بوجھ کو کہتے ہیں جو اپنے اٹھانے والے کو چلنے اور حرکت کرنے سے روک دے۔ ﴿وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ﴾ (7/ الاعراف: 157) ''اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا﴾ ''اے ہمارے رب، نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اِصْرًا سے مراد ہے سخت حکم جو حد بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت و کلفت زیادہ پڑے۔''

(۲) عہد و پیمان۔ صاحب لغات القرآن فرماتے ہیں: ''چونکہ عہد کی ذمہ داری کا بھی انسان پر بوجھ ہوتا ہے، اس لیے اِصْرٌ کا استعمال عہد کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۱، ص: ۱۵۰)۔ اور امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اِصْرٌ اس عہد مؤکد کو بھی کہتے ہیں جو خلاف ورزی کرنے والے کو ثواب اور خیرات سے روک دے۔'' (مفردات القرآن، ج ۱، ص: ۳۴)۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ﴾ (3/ آل عمران: 81) ''فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یاد رہے کہ عربی زبان میں حَمْلٌ بھی بوجھ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس سے مراد ایسا بوجھ ہے جسے لے کر انسان چل سکے۔'' (واللہ اعلم)۔

### ترکیب

لَا یُكَلِّفُ فعل نفی ہے، اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ نَفْسًا مفعول اوّل ہے، اِلَّا حصر کے لیے ہے اور وُسْعَهَا اس کا مفعول ثانی ہے مَا كَسَبَتْ، صلہ اور موصول مل کر مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَهَا متعلق خبر مقدم ہے۔ اسی طرح وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ہے۔ رَبَّنَا منادیٰ ہے اور حرف نداء محذوف ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے۔ اس سے پہلے قُوْلُوْا محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ مجھ سے یوں مانگا کرو۔ لَا تُؤَاخِذْ فعل نہی کا صیغہ ہے۔ اور مراد اس سے دعا ہے۔ ضمیر نَا اس کا مفعول ہے۔ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا جملہ شرطیہ ہے اور جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَلَا تُؤَاخِذْنَا ہو سکتا ہے۔ رَبَّنَا منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے۔ وَ عاطفہ ہے۔ لَا تَحْمِلْ فعل نہی کا صیغہ ہے اور مراد اس سے دعا ہے۔ عَلَیْنَاۤ

متعلق فعل ہے اور اِصۡرًا مفعول ہے۔ کَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا بھی متعلق فعل ہے۔ 'وَ' عاطفہ ہے۔ لَا تُحَمِّلۡ بھی فعل نہی کا صیغہ ہے اور مراد اس سے دعا ہے۔ ضمیر متصل 'نَا' اس کا مفعول اوّل ہے۔ مَا اسم موصول ہے۔ لَا طَاقَةَ میں لَا نفی جنس کے لیے ہے اسی لیے طَاقَةَ منصوب ہوا ہے۔ طَاقَةَ، اسم ہے لائے نفی جنس کا۔ لَنَا، طَاقَةَ سے متعلق ہے، خبر محذوف ہے اور بِهٖ متعلق خبر ہے۔ یہ سارا جملہ صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ثانی ہے لَا تُحَمِّلۡ کا۔ 'وَ' عاطفہ ہے، اُعۡفُ فعل امر کا صیغہ ہے اور مراد اس سے دعا ہے۔ عَنَّا متعلق فعل ہے۔ اُعۡفُ عَنَّا، لَا تُؤَاخِذۡنَا پر عطف ہے۔ اسی طرح وَاغۡفِرۡ لَنَا اور وَارۡحَمۡنَا ہے۔ اَنۡتَ مبتداء ہے اور مَوۡلٰٮنَا اس کی خبر ہے۔ فَانۡصُرۡنَا میں 'فَ' استئنافیہ ہے، اُنۡصُرۡ فعل امر کا صیغہ ہے اور ضمیر نَا اس کا مفعول ہے۔ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ متعلق فعل ہے۔

| ترجمہ |
|---|
| البقرۃ:286 |

| مَا | لَهَا | وُسۡعَهَا | اِلَّا | نَفۡسًا | اللّٰهُ | لَا يُكَلِّفُ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| جو (نیک عمل) | اس کے لیے (اجر) ہے | جتنی طاقت ہو اس کی | مگر | کسی جان پر | اللہ | ذمہ داری نہیں ڈالتا |

| رَبَّنَا | اكۡتَسَبَتۡ | مَا | وَعَلَيۡهَا | كَسَبَتۡ |
|---|---|---|---|---|
| اے ہمارے رب | (برا عمل) اس نے کمایا | جو | اور اس پر (وبال) ہوگا | اس نے کمایا |

| وَلَا تَحۡمِلۡ | رَبَّنَا | اَخۡطَاۡنَا | اَوۡ | نَّسِيۡنَاۤ | اِنۡ | لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اور تو مت ڈال | اے ہمارے رب | ہم خطا کر بیٹھیں | یا | ہم بھول جائیں | اگر | تو مت پکڑ ہم کو |

| مِنۡ قَبۡلِنَا | عَلَى الَّذِيۡنَ | حَمَلۡتَهٗ | كَمَا | اِصۡرًا | عَلَيۡنَاۤ |
|---|---|---|---|---|---|
| ہم سے پہلے تھے | ان لوگوں پر جو | تو نے ڈالا اس کو | جس طرح | بھاری بوجھ | ہم پر |

| لَنَا | لَا طَاقَةَ | مَا | وَلَا تُحَمِّلۡنَا | رَبَّنَا |
|---|---|---|---|---|
| ہم میں (اٹھانے کی) | کسی قسم کی طاقت نہیں | وہ بوجھ | اور تو نہ ڈال ہم پر | اے ہمارے رب |

| وَارۡحَمۡنَا | لَنَا | وَاغۡفِرۡ | عَنَّا | وَاعۡفُ | بِهٖ |
|---|---|---|---|---|---|
| اور تو رحم کر ہم پر | ہم کو | اور تو بخش دے | ہم سے | اور تو درگزر فرمایا | جسے |

| عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ | فَانۡصُرۡنَا | مَوۡلٰٮنَا | اَنۡتَ |
|---|---|---|---|
| کافر قوم کے مقابلے پر | پس تو ہماری مدد کر | ہمارا مددگار/کارساز/حمایتی ہے | تو |

**نوٹ:1** نیکی کرنا انسانی فطرت کے مطابق ہے اس لیے اس کے لیے فعل ثلاثی مجرد سے كَسَبَتۡ آیا ہے۔ جبکہ بُرائی کرنے کے لیے انسان کو اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے اس لیے اس کا فعل باب افتعال سے اِكۡتَسَبَتۡ آیا ہے۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحبؒ)۔

**نوٹ:2** ''ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبیؐ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔'' (صحیح بخاری، ابن کثیرؒ) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ نبیؐ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحیح مسلم، باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ)۔ کئی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورہ کی آخری آیات آپؐ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپؐ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ (احمد، نسائی، طبرانی، بیہقی، حاکم دارمی وغیرہ، درمنثور)۔ حضرت معاذؓ اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔'' (ابن کثیر بحوالہ احسن البیان، ص: ۱۲۸)۔

# انڈیکس برائے لغت

## ء

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| ء ب ی | 2/البقرہ:34 |
| ء ت ی | 2/البقرہ:23 |
| ء ث م | 2/البقرہ:85 |
| ء ج ر | 2/البقرہ:62 |
| ء ج ل | 2/البقرہ:231 |
| ء خ ذ | 2/البقرہ:48 |
| ء خ ر | 2/البقرہ:4 |
| ء د م | 2/البقرہ:31 |
| ء د ی | 2/البقرہ:178 |
| ء ذ ن | 2/البقرہ:19 |
| ء ذ ی | 2/البقرہ:196 |
| ء ر ض | 2/البقرہ:11 |
| ء س ر | 2/البقرہ:85 |
| ء ص ر | 2/البقرہ:286 |
| ء ك ل | 2/البقرہ:35 |
| ء ل ف | 2/البقرہ:96 |
| ء ل م | 2/البقرہ:10 |
| ء ل و | 2/البقرہ:226 |
| ء ل ه | تسمیہ |
| ء م ر | 2/البقرہ:27 |
| ء م م | 2/البقرہ:78 |
| ء م ن | 2/البقرہ:3 |
| ء م و | 2/البقرہ:221 |
| ء ن ث | 2/البقرہ:178 |
| ء ن س | 2/البقرہ:60 |
| ء و د | 2/البقرہ:255 |
| ء و ل | 2/البقرہ:41 |
| ء و ن | 2/البقرہ:62 |
| ء ی ر | 2/البقرہ:87 |

## ب

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| ب ء س | 2/البقرہ:90 |
| ب ث ث | 2/البقرہ:164 |
| ب ح ر | 2/البقرہ:50 |
| ب خ س | 2/البقرہ:282 |
| ب د ع | 2/البقرہ:117 |
| ب د ل | 2/البقرہ:59 |
| ب د و | 2/البقرہ:33 |
| ب ر ء | 2/البقرہ:54 |
| ب ر ز | 2/البقرہ:250 |
| ب ر ه | 2/البقرہ:111 |
| ب ع ل | 2/البقرہ:228 |
| ب ل د | 2/البقرہ:126 |
| ب ل غ | 2/البقرہ:196 |
| ب ل و | 2/البقرہ:44 |
| ب ر ق | 2/البقرہ:19 |
| ب س ط | 2/البقرہ:245 |
| ب ش ر | 2/البقرہ:25 |
| ب ص ر | 2/البقرہ:7 |
| ب ط ل | 2/البقرہ:42 |
| ب ط ن | 2/البقرہ:174 |
| ب ع ث | 2/البقرہ:56 |
| ب ع د | 2/البقرہ:176 |
| ب ع ض | 2/البقرہ:26 |
| ب غ ی | 2/البقرہ:90 |
| ب ق ی | 2/البقرہ:248 |
| ب ك ر | 2/البقرہ:68 |
| ب ك م | 2/البقرہ:18 |
| ب ل س | 2/البقرہ:34 |
| ب ل و | 2/البقرہ:49 |
| ب ن ی | 2/البقرہ:22 |
| ب و ء | 2/البقرہ:61 |
| ب ه ت | 2/البقرہ:258 |
| ب ی ت | 2/البقرہ:125 |
| ب ی ض | 2/البقرہ:187 |
| ب ی ع | 2/البقرہ:254 |
| ب ی ن | 2/البقرہ:68 |

## ت

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| ت ب ت | 2/البقرہ:248 |
| ت ب ع | 2/البقرہ:38 |
| ت ج ر | 2/البقرہ:16 |
| ت ر ب | 2/البقرہ:264 |
| ت ر ك | 2/البقرہ:17 |
| ت ل و | 2/البقرہ:44 |
| ت م م | 2/البقرہ:124 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ت و ب | 2/البقرہ:37 |

ث

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ث ب ت | 2/البقرہ:250 |
| ث ق ف | 2/البقرہ:191 |
| ث م ر | 2/البقرہ:22 |
| ث م م | 2/البقرہ:115 |
| ث م ن | 2/البقرہ:41 |
| ث و ب | 2/البقرہ:103 |
| ث و ر | 2/البقرہ:71 |

ج

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ج ب ل | 2/البقرہ:260 |
| ج ح م | 2/البقرہ:119 |
| ج د ل | 2/البقرہ:197 |
| ج ر ی | 2/البقرہ:25 |
| ج ز ء | 2/البقرہ:260 |
| ج ز ی | 2/البقرہ:48 |
| ج ع ل | 2/البقرہ:19 |
| ج م ع | 2/البقرہ:29 |
| ج ن ح | 2/البقرہ:158 |
| ج ن د | 2/البقرہ:249 |
| ج ن ف | 2/البقرہ:182 |
| ج ن ن | 2/البقرہ:25 |
| ج و ب | 2/البقرہ:186 |
| ج و ز | 2/البقرہ:249 |
| ج و ع | 2/البقرہ:155 |
| ج ھ د | 2/البقرہ:218 |
| ج ھ ر | 2/البقرہ:55 |
| ج ھ ل | 2/البقرہ:67 |
| ج ی ء | 2/البقرہ:71 |

ح

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ح ب ب | 2/البقرہ:165 |
| ح ب ط | 2/البقرہ:217 |
| ح ج ج | 2/البقرہ:76 |
| ح ج ر | 2/البقرہ:24 |
| ح د ث | 2/البقرہ:76 |
| ح د د | 2/البقرہ:187 |
| ح ذ ر | 2/البقرہ:19 |
| ح ر ب | 2/البقرہ:279 |
| ح ر ث | 2/البقرہ:71 |
| ح ر ر | 2/البقرہ:178 |
| ح ر ص | 2/البقرہ:96 |
| ح ر ف | 2/البقرہ:75 |
| ح ر ق | 2/البقرہ:266 |
| ح ر م | 2/البقرہ:85 |
| ح ز ن | 2/البقرہ:38 |
| ح س ب | 2/البقرہ:202 |
| ح س د | 2/البقرہ:109 |
| ح س ر | 2/البقرہ:167 |
| ح س ن | 2/البقرہ:58 |
| ح ش ر | 2/البقرہ:203 |
| ح ص ر | 2/البقرہ:196 |
| ح ض ر | 2/البقرہ:133 |
| ح ط ط | 2/البقرہ:58 |
| ح ف ظ | 2/البقرہ:238 |
| ح ق ق | 2/البقرہ:26 |
| ح ك م | 2/البقرہ:32 |
| ح ل ق | 2/البقرہ:196 |
| ح ل ل | 2/البقرہ:168 |
| ح ل م | 2/البقرہ:225 |
| ح م د | الفاتحہ:1 |
| ح م ر | 2/البقرہ:259 |
| ح م ل | 2/البقرہ:248 |
| ح ن ف | 2/البقرہ:135 |
| ح و ط | 2/البقرہ:19 |
| ح و ل | 2/البقرہ:17 |
| ح ی ث | 2/البقرہ:144 |
| ح ی ض | 2/البقرہ:222 |
| ح ی ن | 2/البقرہ:36 |
| ح ی ی | 2/البقرہ:26 |

خ

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| خ ب ث | 2/البقرہ:267 |
| خ ب ر | 2/البقرہ:234 |
| خ ب ط | 2/البقرہ:275 |
| خ ت م | 2/البقرہ:7 |
| خ د ع | 2/البقرہ:9 |

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| خ ر ب | 2/البقرہ:114 |
| خ ر ج | 2/البقرہ:22 |
| خ ز ی | 2/البقرہ:85 |
| خ س ء | 2/البقرہ:65 |
| خ س ر | 2/البقرہ:27 |
| خ س ی | 2/البقرہ:74 |
| خ ش ع | 2/البقرہ:45 |
| خ ص ص | 2/البقرہ:105 |
| خ ص م | 2/البقرہ:204 |
| خ ط ء | 2/البقرہ:58 |
| خ ط ب | 2/البقرہ:235 |
| خ ط ف | 2/البقرہ:20 |
| خ ط و | 2/البقرہ:168 |
| خ ف ف | 2/البقرہ:86 |
| خ ف ی | 2/البقرہ:271 |
| خ ل د | 2/البقرہ:25 |
| خ ل ص | 2/البقرہ:94 |
| خ ل ط | 2/البقرہ:220 |
| خ ل ف | 2/البقرہ:30 |
| خ ل ق | 2/البقرہ:21 |
| خ ل ل | 2/البقرہ:254 |
| خ ل و | 2/البقرہ:14 |
| خ م ر | 2/البقرہ:219 |
| خ ن ز | 2/البقرہ:173 |
| خ و ف | 2/البقرہ:38 |
| خ و ن | 2/البقرہ:187 |
| خ و ی | 2/البقرہ:259 |
| خ ی ر | 2/البقرہ:54 |
| خ ی ط | 2/البقرہ:187 |

د

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| د ب ب | 2/البقرہ:164 |
| د خ ل | 2/البقرہ:58 |
| د ر ء | 2/البقرہ:72 |
| د ر ج | 2/البقرہ:228 |
| د ع و | 2/البقرہ:23 |
| د ف ع | 2/البقرہ:251 |
| د ل و | 2/البقرہ:188 |
| د م ی | 2/البقرہ:30 |
| د ن و | 2/البقرہ:61 |
| د و ر | 2/البقرہ:84 |
| د ی ن | الفاتحہ:3 |

ذ

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| ذ ب ح | 2/البقرہ:49 |
| ذ ر ر | 2/البقرہ:124 |
| ذ ک ر | 2/البقرہ:40 |
| ذ ل ل | 2/البقرہ:61 |
| ذ ھ ب | 2/البقرہ:17 |

ر

| مادہ | آیت نمبر |
| --- | --- |
| ر ء س | 2/البقرہ:279 |
| ر ء ف | 2/البقرہ:143 |
| ر ء ی | 2/البقرہ:55 |
| ر ب ب | الفاتحہ:1 |
| ر ب ح | 2/البقرہ:16 |
| ر ب ص | 2/البقرہ:226 |

| ماده | آیت نمبر |
|---|---|
| ر ب و | 2/البقرہ:265 |
| ر ج ز | 2/البقرہ:59 |
| ر ج ع | 2/البقرہ:18 |
| ر ج ل | 2/البقرہ:239 |
| ر ج م | استعاذہ |
| ر ج و | 2/البقرہ:218 |
| ر ح م | تسمیہ |
| ر د د | 2/البقرہ:85 |
| ر ز ق | 2/البقرہ:3 |
| ر س ل | 2/البقرہ:87 |
| ر ش د | 2/البقرہ:186 |
| ر ض ع | 2/البقرہ:233 |
| ر ض و | 2/البقرہ:120 |
| ر ع د | 2/البقرہ:19 |
| ر ع ی | 2/البقرہ:104 |
| ر غ ب | 2/البقرہ:130 |
| ر غ د | 2/البقرہ:35 |

| ماده | آیت نمبر |
|---|---|
| ر ف ث | 2/البقرہ:187 |
| ر ف ع | 2/البقرہ:63 |
| ر ق ب | 2/البقرہ:177 |
| ر ك ب | 2/البقرہ:239 |
| ر ك ع | 2/البقرہ:43 |
| ر م ض | 2/البقرہ:185 |
| ر و ح | 2/البقرہ:87 |
| ر و د | 2/البقرہ:26 |
| ر ه ب | 2/البقرہ:40 |
| ر ه ن | 2/البقرہ:283 |
| ر ی ب | 2/البقرہ:2 |

ز

| | |
|---|---|
| ز ح ز ح | 2/البقرہ:96 |
| ز ك و | 2/البقرہ:43 |
| ز ل ز ل | 2/البقرہ:214 |
| ز ل ل | 2/البقرہ:36 |
| ز و ج | 2/البقرہ:25 |
| ز و د | 2/البقرہ:197 |

| ماده | آیت نمبر |
|---|---|
| ز ی د | 2/البقرہ:10 |
| ز ی ل | 2/البقرہ:217 |
| ز ی ن | 2/البقرہ:212 |

س

| | |
|---|---|
| س ء ل | 2/البقرہ:61 |
| س ء م | 2/البقرہ:282 |
| س ب ب | 2/البقرہ:166 |
| س ب ت | 2/البقرہ:65 |
| س ب ح | 2/البقرہ:30 |
| س ب ط | 2/البقرہ:136 |
| س ب ع | 2/البقرہ:261 |
| س ب ق | 2/البقرہ:148 |
| س ب ل | 2/البقرہ:108 |
| س ج د | 2/البقرہ:34 |
| س ح ب | 2/البقرہ:164 |
| س ح ر | 2/البقرہ:102 |
| س خ ر | 2/البقرہ:164 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| س ر ح | 2/البقرہ:229 |
| س ر ر | 2/البقرہ:69 |
| س ر ط | الفاتحہ:1 |
| س ز ع | 2/البقرہ:202 |
| س ع ی | 2/البقرہ:114 |
| س ف ر | 2/البقرہ:184 |
| س ف ك | 2/البقرہ:30 |
| س ف ه | 2/البقرہ:13 |
| س ق ی | 2/البقرہ:60 |
| س ك ن | 2/البقرہ:35 |
| س ل ف | 2/البقرہ:275 |
| س ل م | 2/البقرہ:71 |
| س م ع | 2/البقرہ:7 |
| س م و | تسمیہ |
| س ن ب ل | 2/البقرہ:261 |
| س ن و | 2/البقرہ:96 |
| س ن ه | 2/البقرہ:259 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| س و ء | 2/البقرہ:49 |
| س و د | 2/البقرہ:187 |
| س و ر | 2/البقرہ:23 |
| س و م | 2/البقرہ:49 |
| س و ی | 2/البقرہ:6 |

ش

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ش ب ه | 2/البقرہ:25 |
| ش ج ر | 2/البقرہ:35 |
| ش د د | 2/البقرہ:74 |
| ش ر ب | 2/البقرہ:60 |
| ش ر ر | 2/البقرہ:216 |
| ش ر ق | 2/البقرہ:115 |
| ش ر ك | 2/البقرہ:96 |
| ش ر ی | 2/البقرہ:16 |
| ش ط ر | 2/البقرہ:144 |
| ش ط ن | استعاذہ |
| ش ع ر | 2/البقرہ:9 |
| ش ف ع | 2/البقرہ:48 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ش ق ق | 2/البقرہ:74 |
| ش ك ر | 2/البقرہ:52 |
| ش و ر | 2/البقرہ:233 |
| ش ه د | 2/البقرہ:23 |
| ش ه ر | 2/البقرہ:185 |
| ش ی ء | 2/البقرہ:20 |
| ش ی ط | تعوّذ |

ص

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ص ب ء | 2/البقرہ:62 |
| ص ب ر | 2/البقرہ:45 |
| ص ب ع | 2/البقرہ:19 |
| ص ب غ | 2/البقرہ:138 |
| ص ح ب | 2/البقرہ:39 |
| ص د د | 2/البقرہ:217 |
| ص د ق | 2/البقرہ:23 |
| ص ر ف | 2/البقرہ:164 |
| ص ع ق | 2/البقرہ:19 |
| ص ف ح | 2/البقرہ:109 |
| ص ف ر | 2/البقرہ:69 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ص ف و | 2/البقرہ:130 |
| ص ل ح | 2/البقرہ:11 |
| ص ل د | 2/البقرہ:264 |
| ص ل و | 2/البقرہ:3 |
| ص م م | 2/البقرہ:18 |
| ص و ب | 2/البقرہ:19 |
| ص و ر | 2/البقرہ:260 |
| ص و م | 2/البقرہ:183 |
| ص ی ر | 2/البقرہ:126 |

ض

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ض ر ب | 2/البقرة:26 |
| ض ر ر | 2/البقرہ:102 |
| ض ع ف | 2/البقرہ:245 |
| ض ل ل | الفاتحہ:7 |
| ض و ء | 2/البقرہ:17 |
| ض ی ع | 2/البقرہ:143 |

ط

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ط ع م | 2/البقرہ:61 |
| ط غ ی | 2/البقرہ:15 |
| ط ل ق | 2/البقرہ:227 |
| ط ل ل | 2/البقرہ:265 |
| ط م ء ن | 2/البقرہ:260 |
| ط م ع | 2/البقرہ:75 |
| ط و ر | 2/البقرہ:63 |
| ط و ع | 2/البقرہ:158 |
| ط ھ ر | 2/البقرہ:25 |
| ط و ف | 2/البقرہ:125 |
| ط و ق | 2/البقرہ:184 |
| ط ی ب | 2/البقرہ:57 |
| ط ی ر | 2/البقرہ:260 |

ظ

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ظ ل ل | 2/البقرہ:57 |
| ظ ل م | 2/البقرہ:17 |
| ظ ن ن | 2/البقرہ:46 |
| ظ ھ ر | 2/البقرہ:85 |

ع

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ع ب د | الفاتحہ:4 |
| ع ث ی | 2/البقرہ:60 |
| ع ج ب | 2/البقرہ:204 |
| ع ج ل | 2/البقرہ:51 |
| ع د د | 2/البقرہ:24 |
| ع د ل | 2/البقرہ:48 |
| ع د و | 2/البقرہ:36 |
| ع ذ ب | 2/البقرہ:10 |
| ع ر ش | 2/البقرہ:259 |
| ع ر ض | 2/البقرہ:31 |
| ع ر ف | 2/البقرہ:89 |
| ع ر و | 2/البقرہ:256 |
| ع ز ز | 2/البقرہ:129 |
| ع ز ل | 2/البقرہ:222 |
| ع ز م | 2/البقرہ:227 |
| ع س ر | 2/البقرہ:185 |
| ع ش ر | 2/البقرہ:234 |
| ع ص ر | 2/البقرہ:266 |
| ع ص و | 2/البقرہ:60 |
| ع ص ی | 2/البقرہ:61 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ع ض ل | 2/البقرہ:232 |
| ع ظ م | 2/البقرہ:49 |
| ع ف ف | 2/البقرہ:273 |
| ع ف و | 2/البقرہ:52 |
| ع ق ب | 2/البقرہ:143 |
| ع ق د | 2/البقرہ:235 |
| ع ق ل | 2/البقرہ:44 |
| ع ك ف | 2/البقرہ:125 |
| ع ل م | الفاتحہ:1 |
| ع ل ن | 2/البقرہ:77 |
| ع ل و | 2/البقرہ:255 |
| ع م ر | 2/البقرہ:96 |
| ع م ل | 2/البقرہ:25 |
| ع م ه | 2/البقرہ:15 |
| ع م ی | 2/البقرہ:18 |
| ع ن ت | 2/البقرہ:220 |
| ع و د | 2/البقرہ:275 |
| ع و ذ | تعوّذ |
| ع و ن | الفاتحہ:4 |
| ع ه د | 2/البقرہ:27 |
| ع ی ن | 2/البقرہ:60 |

**غ**

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| غ ر ب | 2/البقرہ:115 |
| غ ر ف | 2/البقرہ:249 |
| غ ر ق | 2/البقرہ:50 |
| غ ش و | 2/البقرہ:7 |
| غ ض ب | الفاتحہ:7 |
| غ ف ر | 2/البقرہ:58 |
| غ ف ل | 2/البقرہ:74 |
| غ ل ب | 2/البقرہ:249 |
| غ ل ف | 2/البقرہ:88 |
| غ م ض | 2/البقرہ:267 |
| غ م م | 2/البقرہ:57 |
| غ ن ی | 2/البقرہ:263 |
| غ و ی | 2/البقرہ:256 |
| غ ی ب | 2/البقرہ:3 |

**ف**

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ف ء ی | 2/البقرہ:249 |
| ف ت ح | 2/البقرہ:76 |
| ف ت ن | 2/البقرہ:102 |
| ف ج ر | 2/البقرہ:60 |
| ف ح ش | 2/البقرہ:169 |
| ف د ی | 2/البقرہ:85 |
| ف ر ش | 2/البقرہ:22 |
| ف ر ض | 2/البقرہ:68 |
| ف ر غ | 2/البقرہ:250 |
| ف ر ق | 2/البقرہ:50 |
| ف س د | 2/البقرہ:11 |
| ف س ق | 2/البقرہ:26 |
| ف ص ل | 2/البقرہ:233 |
| ف ص م | 2/البقرہ:256 |
| ف ض ل | 2/البقرہ:47 |
| ف ع ل | 2/البقرہ:24 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ف ق ر | 2/البقرہ:268 |
| ف ق ع | 2/البقرہ:69 |
| ف ك ر | 2/البقرہ:219 |
| ف ل ح | 2/البقرہ:5 |
| ف ل ك | 2/البقرہ:164 |
| ف و ق | 2/البقرہ:26 |
| ف ى ء | 2/البقرہ:226 |
| ف ى ض | 2/البقرہ:198 |

ق

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ق ب ض | 2/البقرہ:245 |
| ق ب ل | 2/البقرہ:48 |
| ق ت ر | 2/البقرہ:236 |
| ق ت ل | 2/البقرہ:54 |
| ق د ر | 2/البقرہ:20 |
| ق د س | 2/البقرہ:30 |
| ق د م | 2/البقرہ:95 |
| ق ر ء | 2/البقرہ:185 |
| ق ر ب | 2/البقرہ:35 |
| ق ر د | 2/البقرہ:65 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ق ر ر | 2/البقرہ:36 |
| ق ر ض | 2/البقرہ:245 |
| ق ر ى | 2/البقرہ:58 |
| ق س ط | 2/البقرہ:282 |
| ق س و | 2/البقرہ:74 |
| ق ص ص | 2/البقرہ:178 |
| ق ض ى | 2/البقرہ:117 |
| ق ط ع | 2/البقرہ:27 |
| ق ع د | 2/البقرہ:127 |
| ق ف و | 2/البقرہ:87 |
| ق ل ب | 2/البقرہ:7 |
| ق ل ل | 2/البقرہ:41 |
| ق ن ت | 2/البقرہ:116 |
| ق و ل | 2/البقرہ:8 |
| ق و م | الفاتحہ:5 |
| ق و ى | 2/البقرہ:63 |

ک

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ك ب ر | 2/البقرہ:34 |
| ك ت ب | 2/البقرہ:2 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ك ت م | 2/البقرہ:33 |
| ك ث ر | 2/البقرہ:26 |
| ك ذ ب | 2/البقرہ:10 |
| ك ر ر | 2/البقرہ:167 |
| ك ر س | 2/البقرہ:255 |
| ك ر ه | 2/البقرہ:216 |
| ك س ب | 2/البقرہ:79 |
| ك س و | 2/البقرہ:233 |
| ك ف ر | 2/البقرہ:6 |
| ك ف ف | 2/البقرہ:208 |
| ك ف ى | 2/البقرہ:137 |
| ك ل ف | 2/البقرہ:233 |
| ك ل ل | 2/البقرہ:20 |
| ك ل م | 2/البقرہ:37 |
| ك م ل | 2/البقرہ:185 |
| ك ن ن | 2/البقرہ:235 |
| ك و د | 2/البقرہ:20 |
| ك و ن | 2/البقرہ:10 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|

### ل

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ل ب ب | 2/البقرہ:179 |
| ل ب ث | 2/البقرہ:259 |
| ل ب س | 2/البقرہ:42 |
| ل ح ف | 2/البقرہ:273 |
| ل ح م | 2/البقرہ:173 |
| ل د د | 2/البقرہ:204 |
| ل ع ن | 2/البقرہ:88 |
| ل غ و | 2/البقرہ:225 |
| ل ف و | 2/البقرہ:170 |
| ل ق ی | 2/البقرہ:14 |
| ل ی ل | 2/البقرہ:51 |

### م

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| م ت ع | 2/البقرہ:36 |
| م ث ل | 2/البقرہ:17 |
| م ح ق | 2/البقرہ:276 |
| م د د | 2/البقرہ:15 |
| م ر ر | 2/البقرہ:229 |
| م ر ض | 2/البقرہ:10 |
| م ر ی | 2/البقرہ:147 |
| م س س | 2/البقرہ:80 |
| م س ك | 2/البقرہ:229 |
| م ش ی | 2/البقرہ:20 |
| م ص ر | 2/البقرہ:61 |
| م ل ء | 2/البقرہ:246 |
| م ل ك | الفاتحہ:3 |
| م ل ل | 2/البقرہ:120 |
| م ن ع | 2/البقرہ:114 |
| م ن ن | 2/البقرہ:57 |
| م ن ی | 2/البقرہ:78 |
| م و ت | 2/البقرہ:19 |
| م و ه | 2/البقرہ:22 |
| م ه د | 2/البقرہ:206 |

### ن

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ن ب ء | 2/البقرہ:31 |
| ن ب ت | 2/البقرہ:61 |
| ن ب ذ | 2/البقرہ:100 |
| ن ب و | 2/البقرہ:61 |
| ن ج و | 2/البقرہ:49 |
| ن خ ل | 2/البقرہ:266 |
| ن د د | 2/البقرہ:22 |
| ن د و | 2/البقرہ:171 |
| ن د ی | 2/البقرہ:171 |
| ن ذ ر | 2/البقرہ:6 |
| ن ز ل | 2/البقرہ:4 |
| ن س خ | 2/البقرہ:106 |
| ن س ك | 2/البقرہ:128 |
| ن س ل | 2/البقرہ:205 |
| ن س ی | 2/البقرہ:44 |
| ن ش ز | 2/البقرہ:259 |
| ن ص ب | 2/البقرہ:202 |
| ن ص ر | 2/البقرہ:48 |
| ن ص ف | 2/البقرہ:237 |
| ن ظ ر | 2/البقرہ:50 |
| ن ع ق | 2/البقرہ:171 |
| ن ع م | الفاتحہ:6 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| ن ف س | 2/البقرہ:9 |
| ن ف ع | 2/البقرہ:102 |
| ن ف ق | 2/البقرہ:3 |
| ن ق ص | 2/البقرہ:155 |
| ن ق ض | 2/البقرہ:27 |
| ن ك ل | 2/البقرہ:66 |
| ن ك ح | 2/البقرہ:221 |
| ن و ر | 2/البقرہ:17 |
| ن و م | 2/البقرہ:255 |
| ن ه ر | 2/البقرہ:25 |
| ن ه ی | 2/البقرہ:192 |
| ن ی ل | 2/البقرہ:124 |

و

| | |
|---|---|
| و ب ل | 2/البقرہ:264 |
| و ث ق | 2/البقرہ:27 |
| و ج د | 2/البقرہ:96 |
| و ج ه | 2/البقرہ:112 |
| و ح د | 2/البقرہ:61 |
| و د د | 2/البقرہ:96 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|
| و ذ ر | 2/البقرہ:234 |
| و ر ث | 2/البقرہ:233 |
| و ر ی | 2/البقرہ:91 |
| و س ط | 2/البقرہ:143 |
| و س ع | 2/البقرہ:115 |
| و س ن | 2/البقرہ:255 |
| و ش ی | 2/البقرہ:71 |
| و ص ل | 2/البقرہ:27 |
| و ص ی | 2/البقرہ:132 |
| و ع د | 2/البقرہ:51 |
| و ع ظ | 2/البقرہ:66 |
| و ف ی | 2/البقرہ:40 |
| و ق ت | 2/البقرہ:189 |
| و ق د | 2/البقرہ:17 |
| و ق ی | 2/البقرہ:2 |
| و ل د | 2/البقرہ:83 |
| و ل ی | 2/البقرہ:64 |
| و ی ل | 2/البقرہ:79 |

| مادہ | آیت نمبر |
|---|---|

ھ

| | |
|---|---|
| ه ب ط | 2/البقرہ:36 |
| ه ج ر | 2/البقرہ:218 |
| ه د ی | الفاتحہ:5 |
| ه ز ء | 2/البقرہ:14 |
| ه ز م | 2/البقرہ:251 |
| ه ل ك | 2/البقرہ:195 |
| ه ل ل | 2/البقرہ:173 |
| ه و ن | 2/البقرہ:90 |
| ه و ی | 2/البقرہ:87 |

ی

| | |
|---|---|
| ی ت م | 2/البقرہ:83 |
| ی د ی | 2/البقرہ:66 |
| ی س ر | 2/البقرہ:185 |
| ی ق ن | 2/البقرہ:4 |
| ی م م | 2/البقرہ:267 |
| ی م ن | 2/البقرہ:224 |